توضیحات

شرح اردو

مشکوٰۃ شریف

حضرت مولانا فضل محمد صاحب دامت برکاتہم

جامع المعقول والمنقول واستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

ناشر

المکتبۃ العربیۃ

0331-3788677, 0300-9268449
Email : mustaqimbilwani@yahoo.com

توضیحات

اردو شرح

مشکوٰۃ المصابیح

متن وترجمہ، تشریح وتوضیح کے ساتھ

تألیف

مولانا فضل محمد یوسف زئی

استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

ناشر: المکتبۃ العربیۃ

جمشید روڈ کراچی 0321-3788955-6

کتاب کا نام .... توضیحات اردو شرح مشکوۃ المصابیح (جلد ہفتم)

مصنف .... استاذ الحدیث حضرت مولانا فضل محمد یوسف زئی دامت برکاتہم

سن اشاعت .... مارچ 2012

ناشر .... المکتبۃ العربیۃ 0321-3788955

ملنے کے پتے

دارالاشاعت، کراچی	قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی
بیت الاشاعت بہار کالونی کراچی	مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
وحیدی کتب خانہ پشاور،	البلال پبلشرز، 03003630753
اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور	مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

اسٹاکسٹ

ادارۃ الرشید کراچی
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی
Cell: 0321-2045610
0321-2940462, 0213-4928643

فہرست مضامین

توضیحات شرح مشکوٰۃ (جلد ہفتم)

مورخہ ۳۰ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

باب البیان والشعر

تقریر اور شعر کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿وشددنا ملکہ واتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب﴾ (سورۃ ص آیۃ ۲۰) [1]

بیان لغت میں وضاحت اور مقصود کے اظہار کو کہتے ہیں "بنایہ" میں لکھا ہے کہ اپنے مقصود کو نہایت بلاغت وفصاحت اور دل کی گہرائی اور صفائی سے پیش کرنے کا نام بیان ہے کہا جاتا ہے "**فلان ابین من فلان**" یعنی فلاں شخص سے فلاں آدمی اپنے مافی الضمیر کا اظہار بہتر طریقہ سے کرتا ہے اور اچھا بیان کرتا ہے۔

"**الشعر**" لغت میں فہم وذکاوت اور ہوشیاری ودانائی کو شعر کہتے ہیں گویا یہ شعور سے بنا ہے جو علم وفہم کے معنی میں ہے اور شعراء کی اصطلاح میں شعر کی تعریف اس طرح ہے "**الشعر ھو کلام مقفیٰ موزون عن قصدٍ**" یعنی قصد وارادہ کے ساتھ مقفی اور موزون کلام پیش کرنے کا نام شعر ہے۔ اس تعریف میں قصد وارادہ کا لفظ قید احترازی ہے اس سے وہ موزون کلام خارج ہو گیا جس کے وزن کا ارادہ نہیں کیا گیا ہو جیسے قرآن وحدیث میں موزون کلام ہوتا ہے یہ اگر چہ موزون ہے لیکن اس کے وزن کا قصد وارادہ نہیں کیا گیا اور نہ وزن مقصود ہے نیز قرآن وحدیث کا یہ موزون کلام شعر کے قوافی کے اصول کے تحت بھی نہیں ہوتا نہ یہ شعر کے قوافی کے مطابق ہے اسی طرح حدیث میں موزون دعائیں ہیں وہ شعر کی تعریف سے خارج ہیں کیونکہ اس کا وزن قصد وارادہ کے تحت نہیں ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ کا کلام [2]

انا النبی لا کذب　　　انا ابن عبد المطلب

اور

ھل انت الا اصبع دمیت　　　وفی سبیل اللہ ما لقیت

شعر سے خارج ہے کیونکہ اس کے وزن کا نہ ارادہ کیا گیا ہے اور نہ یہ شعر کے اصول وقواعد کے مطابق ہے۔

معجزات کا پس منظر

نبی کو اللہ تعالیٰ جب کوئی معجزہ دیتا ہے تو اس کے ذریعہ سے معاشرہ پر حاوی کسی چیز کے تسلط کو توڑ دیتا ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر اور جادو معاشرہ پر اتنا چھا گیا تھا کہ عدالتی اور معاشرتی نظام چلانے کے لئے بھی جادو سے استفادہ کیا جاتا تھا۔ کہتے ہیں فرعون کے پاس جادو کا ایک حوض تھا اس میں مدعی اور مدعی علیہ دونوں کو ڈال دیا جاتا تھا جو حق پر ہوتا وہ پانی کے اوپر آجاتا اور دوسرا ڈوب جاتا اسی طرح ان کے ہاں جادو کے کچھ نطخ ہوتے تھے وہ شہر کے کناروں پر

[1] سورۃ ص ۲۰　　[2] المرقات ۸/۵۳۶

رہتے تھے اگر کوئی دشمن یا چور شہر میں داخل ہونے لگتا تو جادو کے یہ بُطخ زور زور سے آوازیں دیا کرتے تھے اس عام جادو کو توڑنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا اور عصاء موسیٰ کا معجزہ دیا اور ان کو فرعون کی طرف مبعوث فرمایا چنانچہ اس معجزہ نے معاشرہ کے جادو کے افسوں کو توڑ دیا حق غالب آ گیا اور باطل مٹ گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں معاشرہ پر علاج ومعالجہ اور طب یونان چھا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو احیاء موتیٰ اور مردوں کے زندہ کرنے، مادرزاد نابیناؤں کو ٹھیک کرنے اور برص کے بیماروں کو ٹھیک کرنے کا معجزہ عطا کیا جس سے ان لوگوں کے طب کا زور ٹوٹ کر زیر ہو گیا اور لوگوں نے اعتراف کر لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس خدا کی طرف سے معجزہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں عرب معاشرہ پر ادب اور فصاحت وبلاغت کا بہت بڑا چرچا تھا اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو فصاحت وبلاغت کا اعلیٰ شاہکار قرآن عظیم عطا فرمایا جس نے تمام عرب کی فصاحتوں اور بلاغتوں کو زیر زمین دفن کر دیا اور ان کو چیلنج کیا کہ اگر یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے تو تم بھی اس طرح کلام بنا کر دو؟ وہ لوگ لڑنے مرنے اور کٹنے کے لئے تیار ہو گئے لیکن زبان کی نوک سے اس کلام کا مقابلہ نہ کر سکے اگرچہ قرآن کا کلام شعر نہیں تھا لیکن اس نے عرب کے شعر وشاعری کے غرور کو خاک میں ملا دیا اور انہوں نے اجتماعی ناکامی کا اعتراف کر لیا، ان کو بار بار کہا گیا کہ ؎

ما تحدا کم به خیر الانام   ر کب مما ترکبوا الکلام

لیکن وہ جواب نہ دے سکے آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شعر وشاعری سے دور رکھا تا کہ کوئی یہ شک نہ کرے کہ شاعری کے زور سے اس نے اس نئے طرز پر یہ کلام ایجاد کیا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ شعر بنانا نہیں جانتے تھے بلکہ بعض دفعہ پڑھنے میں آگے پیچھے ہو جاتے اور اصول وقواعد کے مطابق شعر نہیں کہہ سکتے تھے تاہم اگر بغیر قصد وارادہ کبھی آپ نے کسی کا شعر پڑھا ہو تو اس کو شاعری نہیں کہہ سکتے۔ خلاصہ یہ کہ آنحضرت ﷺ نے جس کلام سے فصحاء عرب کا مقابلہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور آنحضرت ﷺ کا بڑا معجزہ ہے جس کو قرآن کہتے ہیں۔

شعراء اور شاعری:

شریعت کی رُو سے شعر کا حکم یہ ہے کہ یہ ایک کلام ہے اگر اچھا کلام ہے تو اچھا ہے اگر برا ہے تو برا ہے "**هو کلام حسنه حسن قبیحه قبیح**" حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف مواقع میں اشعار پڑھے ہیں آنحضرت ﷺ نے اچھے اشعار کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے بلکہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار کے لئے اہتمام فرمایا ہے لہٰذا اچھے اشعار کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہاں برے اشعار برے ہیں نیز اشعار کو زندگی کا معمول بنانا بھی صحیح نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مشہور شاعر تین تھے۔ ❶ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، ❷ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، ❸ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ۔ ان میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے زیادہ تر کلام قومیت اور حسب نسب کے حوالہ سے کیا ہے یعنی کفار کے حسب نسب کو چھیڑا ہے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کافروں کو دینی واعتقادی اور اعمال وکردار کے اعتبار سے چھیڑا ہے چنانچہ کافروں میں سے جب کوئی مسلمان ہوجاتا تو کہتا کہ حالت کفر میں تو ہمیں حسان رضی اللہ عنہ کی باتیں تیر کی طرح لگتی تھیں مگر حالت اسلام میں معلوم ہوا کہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی باتیں بڑی سخت تھیں حضرت کعب رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کفار پر برتری دیتے ہیں

یبیت یجافی جنبه عن فراشه اذا استثقلت بالمشرکین المضاجع

فمن کان او من قد یکون کاحمد نظام الحق او نکال لملحد

حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس انداز سے کلام کرتے ہیں ؎

اتهجوه ولست له بکفؤ فشرکما لخیرکما الفداء

تخلیق آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک تین بڑے شاعر آئے ہیں ❶ پہلا الملك الضلیل امرأ القیس قائدهم وصاحب لوائهم الی النار یوم القیامة ❷ طرفة بن العبد نوعمر نوجوان جو بیس سال کی عمر میں قتل کر دیا گیا ❸ لبید بن ربیعه عامری حضرت لبید کی عمر ایک سو بیس سال تھی ۶۰ سال کفر میں رہے اور ۶۰ سال اسلام میں گزارے ان سے کسی نے پوچھا کہ دنیا میں سب سے بڑا شاعر کون گزرا ہے تو فرمایا صاحب الجدری یعنی وہ امرأ القیس جس کے چہرہ پر چیچک کے داغ تھے پھر پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون بڑا شاعر گزرا ہے تو کہا وہ نوعمر لڑکا یعنی طرفہ بن العبد پھر پوچھا کہ اس کے بعد تیسرے نمبر میں بڑا شاعر کون ہے تو کہا صاحب العصاء یعنی خود میں تیسرے نمبر کا بڑا شاعر ہوں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد شعر نہیں کہتے تھے فرماتے کہ سورۃ بقرہ کافی ہے اب کسی شعر کی ضرورت نہیں ہے جب کوئی ان کی عیادت کرتے تو یہ شعر پڑھتے

ولقد سئمت عن الحیاة وطولها وسؤال هذا الناس کیف لبید

پھر فرماتے ؎

الحمد لله اذ لم یأتنی اجلی حتی اکتسیت من الاسلام سربالا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لبید کے ایک شعر کی تعریف حدیث نمبر ۴ میں فرمائی ہے۔

مورخہ ۱۳ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

موسیقی اور سماع کا شرعی حکم

ملاحظہ:۔ الحمدللہ کہ میں توضیحات کے اس حصہ کو مورخہ ۱۵ رمضان ۱۴۲۶ھ میں مسجد نبوی میں روضۂ رسول ﷺ کے سامنے قبلہ کی طرف سے روضۂ نبی کی طرف متوجہ ہو کر لکھ رہا ہوں۔

قال اللہ تعالیٰ ﴿والشعراء یتبعهم الغاؤن﴾[1]

وقال اللہ تعالیٰ ﴿ومن الناس من یشتری لهوالحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیرعلم ویتخذها هزوا اولئك لهم عذاب مهین﴾ (لقمان)[2]

وقال اللہ تعالیٰ ﴿واستفزز من استطعت منهم بصوتك وأجلب علیهم بخیلك ورجلك وشارکهم فی الاموال والاولاد﴾ (بنی اسرائیل ۶۴)[3]

ان آیتوں میں موسیقی اور باجے گاجے کی حرمت کو واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس مسئلہ کو مسئلۃ الغناء کہتے ہیں کئی احادیث اور مذکورہ آیات کی وجہ سے اس مسئلہ نے نہایت اہمیت اختیار کی ہے اور علماء وفقہاء کے نزدیک یہ ایک معرکۃ الآراء مسئلہ بن گیا ہے۔ علماء نے اس کے متعلق مستقل کتابیں تالیف کی ہیں اور تمام چھوٹی بڑی کتابوں میں اس کو اہم مقام دیا ہے۔

"کف الرعاع فی مسئلۃ الغناء" ابن حجر ہیتمی کی ایک مشہور تصنیف ہے جس میں اس مسئلہ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اپنی عربی تفسیر احکام القرآن میں موسیقی اور غنا اور سماع پر بھرپور کلام کیا ہے اسی طرح عوارف المعارف اور دیگر کتابوں میں علماء نے اس مسئلہ کو خوب واضح کیا ہے۔ چونکہ بعض کج فہم لوگوں نے بعض روایات سے موسیقی کے جائز کرنے کی کوشش کی ہے اس لئے علماء کے ہاں غناء کا مسئلہ محل بحث بن گیا اور چونکہ آج کل یہ وبا عام ہوگئی ہے تو عوام الناس کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے یا بٹھادی گئی ہے کہ موسیقی اور غنا تو ایک تفریح ہے اس کا حرام ہونے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

موسیقی کی حرمت پر دلائل:۔

اس بحث کی ابتداء میں قرآن عظیم کی جو تین آیات لکھی گئی ہیں اس سے مفسرین نے حرمت غنا پر استدلال کیا ہے اور قرآن کی آیات کے مطالب بیان کرنے میں مفسرین کو بنیادی اور معیاری حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ ان آیات میں سورۃ لقمان کی آیت میں "لهوالحدیث" کا لفظ آیا ہے یہ لفظ اگرچہ بیہودہ کلام اور داستانوں پر بولا جاتا ہے لیکن فتاویٰ حمادیہ اور عوارف

[1] سورۃ نمل ۲۲۴ [2] سورۃ المائدۃ ۶۵ [3] سورۃ بنی اسرائیل ۶۴

المعارف میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ دونوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ "لھو الحدیث" سے غنا اور باجے مراد ہیں اسی طرح سورۃ نجم کے آخر میں ﴿وانتم سامدون﴾ [1] آیت کی تفسیر "وانتم مغنون" سے کی گئی ہے یعنی تم بیہودہ گاتے رہتے ہو۔ ان آیتوں کے علاوہ بیشمار احادیث میں آنحضرت ﷺ نے موسیقی کی حرمت سے متعلق واضح فرامین ارشاد فرمائے ہیں مثلاً مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۹ پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث دیکھنے کے قابل ہے پھر ص ۴۱۰ پر حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ملاحظہ فرمائیں پھر ص ۴۱۱ پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کو دیکھئے پھر اسی صفحہ پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ملاحظہ کریں پھر اس کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت دیکھیں۔ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم کو دو فاسق اور دو احمق آوازوں سے منع کیا ہے ایک میت پر بین کرنے کی آواز سے اور دوسرا غنا کی آواز سے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ابلیس ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے گانا گایا اور بین کیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ گانا سننا حرام ہے اور اس سے لذت حاصل کرنا کفر (کفران نعمت) ہے۔ اور اس کے لئے جمع ہونا گناہ اور فتنہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص گانا گاتا ہے اور اسکی آواز بلند ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دو شیطانوں کو بھیجتا ہے ایک شیطان اس کے ایک کندھے اور دوسرا دوسرے کندھے پر بیٹھ جاتا ہے اور مسلسل اپنے پیروں سے مار مار کر اس شخص کو شاباش دیتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ شخص گانے سے خود رک جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ "الغناء حرام فی الادیان کلھا" یعنی تمام ادیان میں باجے گاجے حرام ہیں۔

قاعدہ یہ ہے کہ جب نصوص میں اختلاف ہوتا ہے تو صحابہ کرام کے اقوال کی طرف رجوع کیا جاتا ہے صحابہ کرام بھی غنا اور سرود کو حرام قرار دیتے ہیں چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ماتغنیت ولاتمنیت ولامسست ذکری بیمینی منذ بایعت رسول اللہ ﷺ" یعنی میں نے نہ گانا گایا نہ اس کی تمنا کی اور جب سے حضور ﷺ سے بیعت کی اپنے دائیں ہاتھ سے ذکر کو نہیں چھوا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل"

تابعین اور تبع تابعین بھی غناء کو حرام قرار دیتے ہیں چنانچہ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "الغناء رقیۃ الزنا" علامہ ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "الغنا مفسدۃ للقلب سخطۃ للرب" بعض تابعین کی طرف منسوب ہے فرمایا "ایاکم والغناء فانہ یزید الشھوۃ ویھدم المروٴۃ" امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے لونڈی خریدی اور وہ مغنیہ نکلی تو یہ اس سودا میں عیب ہے یہ شخص سودا کو فسخ کرسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی غنا کی حرمت کے قائل ہیں فرمایا میں ایک دفعہ اس مصیبت میں مبتلا ہو گیا تھا تو میں نے صبر کیا لیکن جب میں مقتدیٰ بنا اور پھر

[1] سورۃ نجم ۶۱

مبتلا ہو گیا تو مجلس سے اٹھ کر چلا گیا۔ واضح ہو کہ ابتلا احرام کی وجہ سے ہوتا ہے لہٰذا اس کلام میں غنا کی حرمت کی طرف اشارہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی زیادہ گاتا ہے وہ احمق، بیوقوف اور مردود الشھادۃ ہے۔ بہر حال یہ تمام دلائل غناء کی حرمت پر موجود ہیں لہٰذا اس کی حرمت میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا ہاں خواہش پرستی الگ چیز ہے۔ ۱

غناء کے جواز پر اہل باطل کا باطل استدلال

غناء کی حرمت اتفاقی مسئلہ ہے اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے اور نہ اس اختلاف کی کوئی شرعی حیثیت ہے کچھ لوگوں کو کچھ نصوص میں شبہ ہو گیا ہے یا فساد باطن کی وجہ سے دانستہ طور پر انہوں نے نصوص کا غلط مطلب بیان کیا ہے اس کو میں اس لئے یہاں ذکر کرتا ہوں کہ کوئی خواہش پرست آدمی عام لوگوں کو دھوکہ نہ دے سکے ورنہ نہ یہاں کوئی دلیل ہے نہ کوئی استدلال ہے۔

چنانچہ باطل پرست سورۃ مائدہ کی آیت ﴿**واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق**﴾ ۲ سے استدلال کرتے ہیں کہ دیکھو سنا تو روئے تو غنا کے سننے سے بھی روتے ہیں۔ اہل سماع نے بھی اس آیت سے سماع کی اباحت پر استدلال کیا ہے۔ غناء کے اثبات کے لئے اس آیت سے استدلال تحریف فی القرآن ہے جو حرام ہے یہاں گانا سننے کی بات نہیں ہے بلکہ حق سننے کی بات ہے باقی سماع کی بات آئندہ آرہی ہے۔

اسی طرح اہل باطل نے آیت ﴿**تقشعر منه جلود الذین یخشون ربھم ثم تلین جلودھم**﴾ ۳ سے بھی استدلال کیا ہے یہ بھی تحریف قرآن ہے اور یہ ان لوگوں کی کھلی گمراہی ہے یہاں گانا سننے کا اثر نہیں بتایا ہے یہاں تو قرآن سننے کا اثر بتایا گیا ہے البتہ سماع والے اس سے استدلال کرتے ہیں جس کی بحث آرہی ہے۔ اہل باطل اس آیت سے بھی غنا پر استدلال کرتے ہیں ﴿**قل من حرم زینة الله الخ**﴾ ۴ ان کا یہ استدلال بھی غلط ہے کیونکہ زینت سے باجے اور طبلے مراد نہیں ہیں نہ کسی مفسر نے اس طرح تفسیر کی ہے نہ حدیث میں کچھ موجود ہے، اہل باطل ایک حدیث سے بھی غناء کے جواز پر استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں دو بچیاں گا رہی تھیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے منع کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**دعھما یا ابابکر فانھا ایام عید**" اس سے استدلال کرنا بھی غلط ہے کیونکہ یہاں سادہ اشعار پڑھنے کی بات ہے چھوٹی بچیاں ہیں اس پر طبلے اور سارنگی والے گانوں کو قیاس کرنا اور بالغ عورتوں کے ڈانس کے لئے استدلال کرنا حماقت ہے۔

چنانچہ یہ حماقت اس وقت سامنے آئی جب ۱۹۷۴ء میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ تعالیٰ اکوڑہ خٹک والے نے بھٹو کے دور حکومت میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں رقص وسرود کے خلاف تحریک التواء پیش کی اور گانے بجانے کو حرام

۱ المرقات ۸/۵۵۷ ۲ مائدہ ۸۳ ۳ زمر ۲۳ ۴ الاعراف ۳۲

قرار دیا تو کوثر نیازی صاحب اور اس وقت کے وزیر قانون پیرزادہ صاحب نے زور وشور سے اس کی مخالفت کی اور گانے بجانے کے جواز پر مذکورہ روایت پیش کی اور رقص وسرود کی زبردست حمایت کی اس پر جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کے بانی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ دیکھو بھائی! گانے بجانے اور طبلوں اور باجوں کا یہ اثر ہے کہ آج کل ایک کی بیوی دوسرے کی گود میں پڑی ہے، ان جملوں پر عبدالحفیظ پیرزادہ نے سخت احتجاج کیا اور ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا کہ یہ غیر پارلیمانی الفاظ ہیں اسکو واپس لینا ہوگا مولانا شاہ احمد نورانی نے کہا کہ مولانا نے کسی کا نام نہیں لیا بلکہ اخبار میں چھپنے والے بیان کی بات کی ہے مگر پیرزادہ بضد تھا کہ یہ الفاظ واپس لے لو مولانا نے اپنے الفاظ واپس لے لئے اس کے بعد وزیر قانون پیرزادہ نے کہا سندھ کا جھومر ناچ، پنجاب کا بھنگڑا ناچ، سرحد کا خٹک ناچ، اور بلوچستان کا لیوا ناچ پاکستان کا ثقافتی ورثہ ہے پیرزادہ کے بعد حکومتی ممبر کرنل حبیب نے کہا کہ یہ لوگ بار بار طوائفوں کا ذکر کرتے ہیں جبکہ سارے آداب طوائفوں کی کوٹھیوں سے حاصل ہوتے ہیں یہ لوگ جا کر طوائفوں کی کوٹھیوں سے ادب سیکھ کر آئیں میں خود بیس سال تک میوزک ڈانس کے ساتھ رہا ہوں جو آدمی میوزک نہیں جانتا وہ پاک آدمی بن نہیں سکتا۔

اس کے جواب میں اپوزیشن ممبر قومی اسمبلی محمود علی قصوری نے کہا کہ ہمیں بتایا جائے کہ قائد ایوان جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کتنے عرصہ تک میوزک کے ساتھ وابستہ رہے ہیں جس سے وہ پاک آدمی بن گئے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جو لوگ موسیقی کو قرآن وحدیث سے ثابت کرتے ہیں یہ انکی مزید بدبختی ہے کہ قرآن وحدیث میں تحریف کے مجرم بھی ٹھہر گئے ورنہ ان کو ثابت کرنے کی ضرورت کیا ہے وہ بغیر جواز کے اس کو جائز کہتے ہیں اور رقص کرتے ہیں۔

میوزک اور سماع کو ثابت کرنے کے لئے ایک من گھڑت قصہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہتے ہیں کہ ایک دفعہ جبریل امین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا کہ یا رسول اللہ! آپ کی امت کے فقراء اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا کوئی گانے والا ہے؟ ایک بدوی نے کہا میں گاتا ہوں اس نے یہ شعر پڑھے ؎

قد لسعت حیة الهوی کبدی　　　　فلا طبیب له ولا راقی
الا الحبیب الذی شغفت به　　　　فعنده رقیتی وتریاقی

اس شعر پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام وجد میں آگئے آپ کی چادر کندھوں سے اتر گئی آپ نے اس چادر کو پھاڑ کر چار سو ٹکڑے کر دئے اور صحابہ پر تقسیم کیا یہ قصہ اتنا مکروہ لگتا ہے کہ اس کے لکھنے سے بھی مجھے شرم آتی ہے اور خاص کر جب اس وقت میں مسجد نبوی میں یہ سطور لکھ رہا ہوں قبہ شریف سامنے ہے۔

کف الرعاع عن مسئلة الغناء میں ابن حجر ھیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اور عوارف المعارف میں اس کے مولف نے

یہ قصہ لکھا ہے اور پھر اس پر رد کیا ہے اس قصہ سے غنا ثابت کرنا فضول ہے البتہ سماع والے اس کو بڑا اچھالتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اب آیئے اور سماع سے متعلق کچھ ملاحظہ فرمایئے، یہاں سماع سے مراد سماع موتی نہیں ہے بلکہ زندہ مدہوش اور پر جوش مست قلندروں کی محفل سماع مراد ہے جو قدیم زمانہ میں زیادہ تھی اور آج بھی اس کا وجود اہل بدعت کے ہاں ہے جس پر قوالی کا اطلاق زیادہ مشہور و معروف ہے۔

قدیم زمانہ کی محفل سماع میں علماء کا اختلاف رہا ہے جمہور علما اور فقہاء اور صلحاء امت مطلقاً سماع کا انکار کرتے ہیں اور اس پر نکیر کرتے ہیں البتہ اہل تصوف کا ایک مختصر طبقہ چند شرائط کے بعد سماع کا قائل ہے وہ شرائط یہ ہیں۔

❶ جب صرف وجد اور جوش پیدا کرنے والے اشعار ہوں ❷ جب بے ریش لڑکوں سے اختلاط نہ ہو اور نہ ان سے اشعار پڑھوائے جارہے ہوں ❸ اس محفل میں عورت ذات کا بالکل وجود نہ ہو ❹ کسی قسم کا طبلہ باجا ساتھ نہ ہو ❺ یاد آخرت اور تذکرۂ حبیب کے لئے ہو اس میں قبیح اشعار نہ ہوں ❻ سننے والے ریاکار نہ ہوں نہ دنیوی اغراض ہوں نہ نیت خراب ہو ❼ اجرت پر محفل سماع منعقد نہ ہو نہ پڑھنے والا اجرت لیتا ہو۔

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص تنہائی میں وحشت دور کرنے کے لئے اشعار پڑھتا ہو تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ طبلے اور مزامیر نہ ہوں۔

سوچنے والے کو سوچنا چاہئے کہ مندرجہ بالا شرائط کا وجود کسی محفل سماع میں تقریباً ناممکن ہے تو سماع کو کس طرح جائز کہا جا سکتا ہے؟ آج کل تو ذکر اللہ کے ساتھ ٹی وی میں میوزک شامل ہے ہر قوالی میں ڈھول کی تھاپ سے مجلس کو گرمایا جاتا ہے کہاں وہ صالح سماع اور کہاں آج کل کے خرافات؟ ہاں آج کل جو نظمیں جلسوں وغیرہ میں پڑھی جاتی ہیں شاید ان میں سے بعض مجالس ان شرائط پر پوری اترتی ہوں اور وہ جائز ہوں۔

سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے فرمایا: ''سماع کی ناقص کو اجازت نہیں کامل کو ضرورت نہیں'' یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ ایک نفس امارہ وجد میں آتا ہے اور خوش ہوتا ہے اور کبھی روح وجد میں آتی ہے لوگ روح اور نفس کے وجد میں فرق نہیں کر سکتے ہیں مزہ تو آرہا ہے نفس امارہ کو جو شہوانیت ہے اور آدمی سمجھ رہا ہے کہ یہ روحانیت ہے۔

حکایت:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ملفوظات میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ ہندوستان میں ایک محفل سماع میں دو انگریز آکر بیٹھ گئے سماع کے دوران ان کو بڑا وجد آگیا لوگوں نے کہا کہ واہ واہ! سماع کا کیا کہنا انگریز پر بھی اثر کر گئی۔ جب حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ ان کے نفس کو وجد آرہا تھا روح کو نہیں یہ شہوانیت تھی نہ کہ روحانیت، پھر آپ نے فرمایا کہ دیکھو سانپ کے سامنے جب بین بجایا جاتا ہے تو وہ کس قدر خوش ہو کر اچھلتا ہے یہ اس کی روحانیت نہیں بلکہ نفسانیت ہے۔

ایک ریا کار پیر کا قصہ:

محفل سماع میں ریا کاری اور ٹھگ پیروں کی بھی کمی نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ محفل سماع سے متعلق علماء سے ایک قصہ سنا ہے کہ ایک ریا کار پیر صاحب نے محفل سماع سجائی اور مصنوعی وجد میں اچھلنے لگا لوگ بھی اچھلنے لگے پیر صاحب کی پگڑی میں چار آنے بندھے ہوئے تھے کہ اچانک گرہ کھل گئی اور چار آنے گر گئے اب اگر پیر صاحب سنجیدہ ہو کر اس کو ڈھونڈتا ہے تو لوگوں کا اعتراض آئے گا کہ وجد میں نہیں ہے جھوٹا ہے اور اگر چار آنے زمین پر گرے پڑے رہنے دیتا ہے تو اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے چنانچہ وہ ریا کار سر دھنتا ہوا زبان سے اپنے چیلے کو کہتا ہے ؎

آنچه بر سر داشتم بگذاشتم

یعنی پگڑی میں جو چار آنے تھے وہ گر گئے ہیں، گر گئے ہیں، گر گئے ہیں۔ اس کے جواب میں اس کا ٹھگ مرید بھی آدھا شعر پڑھتا رہا، سر دھنتا رہا اور جواب دیتا رہا ؎

غم مخور صوفی کہ من بر داشتم

یعنی غم نہ کر صوفی میں نے اٹھا لئے ہیں اٹھا لئے ہیں پورا شعر اس طرح بنا ؎

آنچه بر سر داشتم بگذاشتم غم مخور صوفی کہ من بر داشتم

اس قسم کے ٹھگ لوگوں کا سماع کیا اور اسکی محفل کیا؟ اور اس میں وجد آنا کیا؟ سب دھوکہ ہے۔

بابا سعدی کا عجیب قصہ:

سماع کے سننے کے بارے میں بابا سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب گلستان میں اپنا قصہ لکھا ہے فرماتے ہیں کہ میں سماع کی محفلوں میں شریک ہوجایا کرتا تھا میرے استاد ابو الفرج ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بار بار منع کیا لیکن میں باز نہیں آیا ایک دفعہ رات کے وقت میں ایک محفل میں شریک ہونے کے لئے گیا، چنانچہ رات بھر ایک مکروہ آواز والا شخص محفل میں اشعار سناتا رہا لوگ پریشان تھے میں بھی پریشان تھا ہم صبح آنے کی تمنا کر رہے تھے تاکہ اس کرب و مصیبت سے جان چھوٹ جائے صبح آنے پر میں نے اپنی پگڑی اس گویے کے سر پر رکھدی اور اس کو بوسہ دیا اور چلا آیا میرے دوستوں نے مجھے ملامت کی کہ اتنے بڑے آدمی ہو کر یہ کیا حرکت کی اپنی پگڑی ایک گویے کو پہنا دی۔ میں نے کہا خاموش ہو جاؤ اس شخص نے مجھے بڑا فائدہ پہنچایا ہے میں اپنے استاد کے منع کرنے پر محفل سماع سے باز نہ آیا لیکن اس گویے کی شکل و صورت اور اس کی قبیح آواز نے مجھے ہمیشہ کے لئے سماع سے متنفر کر دیا یہ میرا بڑا استاد بن گیا اس لئے اس کو پگڑی پہنا دی۔

الفصل الاول

بعض بیان جادو اثر رکھتا ہے

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَدِمَ رَجُلَانِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَخَطَبَا فَعَجِبَ النَّاسُ لِبَيَانِهِمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مشرقی علاقے سے دو آدمی آئے اور آپس میں گفتگو کرنے لگے لوگوں نے ان کی فصیح وبلیغ گفتگو پر بڑی حیرت اور تعجب کا اظہار کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ بعض بیان سحر (کا اثر رکھتے) ہیں۔ بخاری

توضیح: "لسحرا" یعنی بعض بیان دلوں کو مائل کرنے میں جادو کی طرح اثر رکھتے ہیں۔[۲] "رجلان" یہ اس وقت کا قصہ ہے کہ جب مشرقی علاقہ سے بنو تمیم کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اس وفد میں دو فصیح وبلیغ آدمی آئے تھے ایک کا نام زبرقان تھا اور دوسرے کا نام عمرو بن ہتم تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں صحابہ کرام کے بھرے مجمع میں زبرقان نے نہایت فصاحت وبلاغت کے ساتھ اپنے مفاخر ومآثر کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا اور پھر کہا کہ یا رسول اللہ! یہ عمرو بن ہتم بھی میری بیان کردہ خوبیوں کو جانتا ہے کہ میں کیسا ہوں اور میرے کیا کارنامے ہیں۔ اس کے بعد عمرو بن ہتم اٹھے اور انہوں نے زبرقان کے بیان کردہ تمام کارنامے جھوٹے ثابت کئے اور کہا کہ اس شخص میں کوئی خوبی نہیں ہے عمرو کا انداز بیان بھی نہایت مؤثر اور موزون تھا جس سے لوگ زبرقان کے بارے میں شک میں پڑ گئے اس کے بعد زبرقان پھر اٹھا اور بڑے دلکش انداز میں کہا کہ اس شخص کا دل جانتا ہے کہ میں کیسا ہوں لیکن حسد نے اس کو اس طرح کہنے پر مجبور کیا ہے صحابہ کا مجمع ان دونوں کے بیان کو جب سنتا تو دونوں کو شاباش دیکر حیران ہو جاتا اور تعجب کرنے لگتا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۳] "ان من البیان لسحرا" یعنی بعض بیان دلوں کو مائل کرنے میں جادو کی طرح اثر رکھتے ہیں۔ بعض محدثین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام کو بیان کی مذمت پر حمل کیا ہے گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کہنا چاہتے ہیں کہ تکلف کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور منہ پھاڑ پھاڑ کر عجیب کلام پیش کرنا اور منہ زوری کر کے فصاحت وبلاغت کے شکنجوں میں لوگوں کو جکڑ نا رائی کا پہاڑ بنانا اور بات سے بتنگڑ بنانا، حقیر کو عظیم دکھانا اور عظیم کو حقیر کرنا یہ اچھا کام نہیں ہے بلکہ یہ خالص جادو کی طرح شعبدہ بازی ہے جو قابل نفرت ہے لیکن بعض دیگر محدثین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام کو تقریر وبیان کی مدح پر حمل کیا ہے کہ اچھے انداز اور اچھے اسلوب سے اپنے مافی الضمیر کو دوسروں کے سامنے پیش کرنا اور لوگوں کو متاثر کرنا سلیقہ سے بات پیش کرنا غضب کا اثر رکھتا ہے جو عمدہ اور قابل تحسین ہے۔[۴]

[۱] اخرجہ البخاری ۷/۲۵ [۲] المرقات ۸/۵۳۶ [۳] المرقات ۸/۵۳۶ [۴] المرقات ۸/۵۳۶،۵۳۷

بعض اشعار حکیمانہ ہوتے ہیں

﴿۲﴾ وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابی ابن کعب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بعض شعر حکمت (کا حامل) ہوتا ہے۔ (بخاری)

توضیح: "حكمة" یعنی بعض اشعار حکمت سے پُر ہوتے ہیں اس میں حق کی بات ہوتی ہے اور وہ سچائی اور دانائی پر مبنی ہوتے ہیں بعض شارحین نے یہاں حکمت کو نفع کے معنیٰ میں لیا ہے یعنی بعض اشعار ایسے نفع بخش ہوتے ہیں جو انسان کو جہالت اور بیوقوفی سے باز رکھتے ہیں اور غلط افعال سے منع کرتے ہیں یہ عموماً شاعروں کے وہ اشعار ہوتے ہیں جس میں مواعظ، امثال اور دانائی کی باتیں ہوتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شعر بھی کلام کا حصہ ہے ان میں سے جو اچھا ہے وہ اچھا ہے اور جو برا ہے وہ برا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اچھا شعر کوزے میں سمندر کی مانند ہوتا ہے دل ودماغ پر اس کا اثر لمبے لمبے خطبوں سے زیادہ مؤثر رہتا ہے بہر حال **حكمة** کو نفع کے معنی میں لینا بعید ہے لہٰذا اوپر لکھا ہوا مضمون ومفہوم اس حدیث کا واضح مضمون ہے۔[2]

منہ پھاڑ پھاڑ کر کلام کرنا تباہی ہے

﴿۳﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ قَالَهَا ثَلَاثًا.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کلام میں مبالغہ کرنے والے ہلاکت میں پڑ گئے آپ نے یہ الفاظ تین بار فرمائے۔ (مسلم)

توضیح: "المتنطعون" تنطع باب تفعل سے ہے منہ پھاڑ پھاڑ کر مبالغہ کے ساتھ کلام کرنے والے کو متنطع کہتے ہیں یعنی جس کے کلام میں تصنع اور بناوٹ بھی ہو اور بے جا چاپلوسی بھی ہو، خوشامد کی غرض سے بلا فائدہ عبارت آرائی بھی ہو، الفاظ کی نمائش بھی ہو اور چست جملوں کی عیاشی بھی ہو یہ کام اچھا نہیں ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کی مذمت فرمائی ہے ظاہر ہے جھوٹ موٹ ملا کر خلاف حقیقت بات کرنا اور باطل کو حق ثابت کرنا کوئی کمال نہیں ہے۔[4]

ملاحظہ:۔ یہاں تک مدینہ منورہ میں تسلسل کے ساتھ لکھا گیا۔

والحمد للہ حمداً کثیراً کثیرا

اور الحمد للہ یہاں سے جو کچھ لکھا جا رہا ہے یہ مدینہ منورہ سے واپسی پر پھر مکہ میں ۲۲ رمضان ۱۴۲۶ھ میں لکھا جا رہا ہے۔

[1] اخرجه البخاری: ۸/۴۲ [2] المرقات ۸/۵۳ [3] اخرجه مسلم ۲/۳۶۲ [4] المرقات ۸/۵۲۸

حقیقت پر مبنی ایک شعر

﴿۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَصْدَقُ کَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ کَلِمَةُ لَبِیْدٍ اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَاخَلَا اللّٰهُ بَاطِلٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے لبید کا یہ کلام ہے کہ خبردار! اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "اصدق کلمة" یعنی تمام زبانوں اور کلمات سے زیادہ سچا کلمہ اگر کسی شاعر نے کہا ہو تو وہ لبید کا یہ کلمہ ہے جو اس نے کہا کہ خبردار! اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی ذات کے علاوہ سب فانی اور ختم ہونے والا ہے۔ یہ معیاری اور سچا کلمہ ہے اس کلمہ میں قرآن کی اس آیت کے مفہوم کی طرف اشارہ ہے "کل شئی هالك الا وجهه" اور اس آیت کی طرف بھی اشارہ ہے[2] ﴿کل من علیها فان ویبقی وجه ربك ذوالجلال والاکرام﴾[3] لبید شاعر سے متعلق ابتداء میں لکھا گیا ہے۔ پورا شعر اس طرح ہے ۔

الا کل شئی ما خلا الله باطل وکل نعیم لامحالة زائل[4]

امیہ بن ابی صلت شاعر

﴿۵﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِیْدِ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ رَدِفْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمًا فَقَالَ هَلْ مَعَكَ مِنْ شِعْرِ اُمَیَّةَ بْنِ اَبِی الصَّلْتِ شَیْءٌ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ هِیْهِ فَاَنْشَدْتُهٗ بَیْتًا فَقَالَ هِیْهِ ثُمَّ اَنْشَدْتُهٗ بَیْتًا فَقَالَ هِیْهِ حَتّٰی اَنْشَدْتُهٗ مِائَةَ بَیْتٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[5]

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن شرید اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ایک دن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (آپ کی سواری پر) بیٹھا ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیا تمہیں امیہ ابن ابی صلت کے کچھ اشعار یاد ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو سناؤ آپ کو میں نے ایک شعر سنایا آپ نے فرمایا اور سناؤ میں نے پھر ایک شعر سنایا آپ نے فرمایا اور سناؤ۔ (اسی طرح مزید سنانے کی فرمائش کرتے رہے اور میں سناتا رہا) یہاں تک کہ میں نے سو اشعار سنائے۔ (مسلم)

توضیح: "امیہ بن ابی الصلت" زمانہ جاہلیت میں جن لوگوں نے بت پرستی کی مخالفت کی تھی اور توحید کا اجمالی اعلان کیا تھا وہ لوگ حنفاء اور موحدین کے نام سے یاد کئے جاتے تھے انہیں میں سے ایک امیہ بن ابی صلت تھا یہ

---

[1] اخرجه البخاری ۵/۵۳ ومسلم ۲/۳۰۲ [2] المرقات ۸/۵۳۸ [3] سورة رحمن ۲۶،۲۷

[4] المرقات ۸/۵۳۹ [5] اخرجه مسلم ۲/۳۰۲

بہت بڑا شاعر اور بہت بڑا حقیقت پسند شخص تھا اپنے اشعار میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو بہت اچھے اور مدلل انداز سے بیان کرتا تھا اس کے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ شاید نبی آخر الزمان وہ بن جائے، جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا تو امیہ مسلمان تو نہیں ہوا لیکن آنحضرت کی مخالفت بھی نہیں کی خاموش تماشائی بنا رہا لیکن جب جنگ بدر کا واقعہ پیش آیا اور کافروں کے بڑے بڑے سرغنے جہنم رسید ہو گئے تو امیہ بن ابی صلت نے ان کی ہمدردی میں اشعار کہے اور اسلام اور لشکر اسلام کی مذمت کی اس طرح وہ کفر پر جا کر مر گیا آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ''امیہ کی زبان مسلمان ہوگئی مگر دل نے کفر کیا'' آنحضرت ﷺ نے امیہ بن ابی صلت کے حقیقت پر مبنی اشعار کی تعریف کی ہے اس سے امت کو یہ تعلیم مل گئی کہ غیر مسلم شخص اگر کوئی اچھا کام کرے یا پند و نصیحت پر مشتمل اشعار پڑھے یا مسلمانوں کی حمایت میں کوئی بات کرے تو اس اچھے کام کی تعریف کرنا جائز ہے اور نصیحت پر مبنی اشعار کا سننا سنانا جائز ہے۔ [۱]

کیا آنحضرت ﷺ نے کوئی شعر پڑھا ہے؟

﴿۶﴾ وَعَنْ جُنْدُبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ بَعْضِ الْمَشَاهِدِ وَقَدْ دَمِيَتْ اِصْبَعُهُ فَقَالَ هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ مَا لَقِيْتِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت جندب کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک جنگ (غزوہ احد) میں شریک تھے کہ (معرکہ آرائی کے دوران) آپ کی انگلی (زخمی ہوگئی اور اس کی وجہ سے وہ) خون آلود ہوگئی آپ نے (بطور استعارہ یا درحقیقت انگلی کو تسلی دینے کے لئے اس کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا۔ (ترجمہ) یعنی تو کیا ہے صرف ایک انگلی ہے خون آلود ہوگئی اور پھر تجھ کو یہ جو کچھ ہوا ہے خدا کی راہ میں ہوا ہے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "بعض المشاھد" مشاھد کا اطلاق غزوات اور جنگوں پر ہوتا ہے یہاں بعض مشاھد سے جنگ احد مراد ہے۔ [۳]

هل انت الا اصبع دميت وفی سبيل الله مالقيت [۴]

یعنی تو ایک ایسی خون آلود زخمی انگلی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے راستے جہاد میں یہ تکلیف پہنچی ہے۔ یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ﴿وما علمناه الشعر وما ينبغی له﴾ [۵] اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ شعر کیسے پڑھا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام میں قصداً وزن کا ارادہ نہیں کیا گیا اور شعر کے لئے ضروری ہے کہ اس میں وزن کا قصد کیا جائے لہٰذا یہ ایک کلام ہے شعر نہیں ہے۔ یہ جواب اس وقت ہے جب یہ مان لیا جائے کہ یہ آنحضرت کا اپنا کلام ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ ﴿وما علمناه الشعر﴾ میں فن شاعری کی نفی ہے ایک آدھ شعر بنانے

[۱] المرقات ۸/۵۴۰ [۲] اخرجه البخاری ۸/۲۲ و مسلم [۳] المرقات ۸/۵۴۰،۵۴۱ [۴] المرقات ۸/۵۴۱ [۵] سورۃ مائدہ ۶۹

اور پڑھنے سے آدمی کو شاعر نہیں کہا جاتا ہے۔ ۱؎

اس سوال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ شعر عبداللہ بن رواحہ کا ہے یا ولید بن ولید کا ہے آنحضرت ﷺ نے کبھی کبھی کسی شاعر کے شعر کو بطور مثال وامتثال پڑھا ہے اس سے آدمی شاعر نہیں بنتا ہے شاعری کے لئے بڑے قواعد وضوابط درکار ہوتے ہیں لطف کی بات یہ کہ دوسرے شاعر کے شعر پڑھنے میں بھی کبھی کبھی آنحضرت ﷺ سے وزن ٹوٹ جاتا تھا چنانچہ آپ ﷺ نے بطور عبرت ومثال طرفہ بن العبد کا شعر پڑھا ہے۔

ستبدی لك الايام ما كنت جاهلا ویاتیك من لم تزود بالاخبار

اس میں دوسرا مصرعہ آگے پیچھے ہو گیا اور وزن ٹوٹ گیا اصل شعر اس طرح ہے۔

ویاتیك بالاخبار من لم تزود یہی وجہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو شعر کی رہنمائی فرمائی اور اعتراف کیا کہ واقعی {وما علمناه الشعر وما ینبغی له} اللہ تعالیٰ کا سچا کلام ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فن شعر نہیں سکھایا ہے۔

مورخہ ۲ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

حضرت حسان کی قدر ومنزلت

﴿۷﴾وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ قُرَيْظَةَ لِحَسَّانِ بْنِ ثَابِتٍ اُهْجُ الْمُشْرِكِيْنَ فَاِنَّ جِبْرِيْلَ مَعَكَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِحَسَّانٍ اَجِبْ عَنِّيْ اَللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) ۲؎

ترجمہ: اور حضرت براء کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے قریظہ کے دن حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم مشرکین کی ہجو کرو، حضرت جبرئیل تمہارے ساتھ ہیں۔ (یعنی مضامین کے القاء والہام کے سلسلے میں وہ تمہاری مدد کرتے ہیں) اور رسول کریم ﷺ (جب کفار ومشرکین کی ہجو سنتے کہ وہ آپ کی شان میں نازیبا باتیں کرتے ہیں اور آپ ﷺ کو برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں تو) حضرت حسان سے فرمادیتے کہ تم میری طرف سے کفار کو جواب دو اور (پھر یہ فرماتے) اے اللہ جبرئیل کے ذریعہ حسان کی مدد کر اور (ان کی زبان وبیان میں) طاقت وقوت دے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "یوم قریظہ" اس سے جنگ بنو قریظہ مراد ہے مدینہ منورہ میں یہود کے تین بڑے قبائل آباد تھے ❶ بنو قینقاع ❷ بنو قریظہ ❸ بنو نضیر۔ مکہ مکرمہ سے جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی تو بنو قینقاع کو آپ نے مدینہ سے نکالدیا اور بنو نضیر وبنو قریظہ سے معاہدہ ہو گیا جو میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے بنو نضیر نے بہت جلد بغاوت کی اس لئے ان کو مدینہ سے خیبر کی طرف جلاوطن کیا گیا اس کے بعد جب اہل مکہ نے جنگ خندق کے موقع پر مدینہ

۱؎ المرقات ۸/۵۲۲ ۲؎ اخرجه البخاری ۸/۴۵ ومسلم ۲/۳۴۳

کا محاصرہ کیا تو بنوقریظہ نے آنحضرت ﷺ سے کیا ہوا معاہدہ توڑ کر بغاوت کر دی جنگ خندق سے آنحضرت ﷺ جب فارغ ہوئے اور غسل کرنے لگے تو جبرئیل امین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بنوقریظہ پر چڑھائی کی جائے چنانچہ مسلمانوں نے تقریبا ایک ماہ تک بنوقریظہ کے علاقوں کا محاصرہ کیا اور آخر میں ان کے جوانوں کو قتل اور عورتوں بچوں کو غلام بنایا۔

"اھج المشرکین" جنگ خندق کا دوسرا نام جنگ احزاب ہے پانچ ہجری میں مشرکین مکہ نے مکہ مکرمہ کے اطراف سے تمام قبائل کو جمع کیا اور ۱۲ ہزار کا لشکر جرار لیکر مدینہ منورہ کے تھوڑے سے مسلمانوں کا محاصرہ کر کے ان پر حملہ کر دیا قریبا ایک ماہ تک یہ محاصرہ جاری رہا آنحضرت ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے خندقیں کھدوائیں اور اس نیک کام میں خود بھی حصہ لیا۔ حضرت حسان کو آنحضرت ﷺ نے اسی موقع پر فرمایا کہ مشرکین کی ھجو کریں کیونکہ بنوقریظہ کی بغاوت کی اصل جڑ مشرکین مکہ تھے۔ [1] "روح القدس" یعنی پاک روح اس سے مراد جبرئیل امین ہے ان کو روح اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے پاس روح ڈالنے والی چیز لاتے تھے جس کو وحی کہتے ہیں القدس پاک کے معنی میں ہے یعنی جبرئیل امین ہر قسم کے عیوب سے پاک ہیں۔ جبرئیل امین کی تائید کا مطلب یہ ہے کہ وہ القائے مضامین میں حضرت حسان کی مدد کرے گا۔ [2]

میدان جہاد میں کفار کو سخت سُست کہنا جائز ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُهْجُوْا قُرَيْشًا فَاِنَّهُ اَشَدُّ عَلَيْهِمْ مِنْ رَشْقِ النَّبْلِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے (اپنے شعراء سے) فرمادیا تھا کہ کفار قریش کی ہجو کیا کرو کیوں کہ یہ ہجو) ان پر تیر مارنے سے زیادہ سخت ہے۔ (مسلم)

توضیح: "اھجو" یعنی تم لوگ اپنے اشعار میں مشرکین مکہ کی مذمت کرو [4] "رشق" تیر مارنے کو رشق کہتے ہیں۔ "نبل" نبل تیر کو کہتے ہیں یعنی کفار مادی اشیاء کو ترجیح دیتے ہیں روحانی نقصان کو نہیں سمجھتے لہٰذا ان کی مذمت کرنے سے ان کو سخت تکلیف پہنچتی ہے اور اس کو اپنا نقصان سمجھتے ہیں گویا ان کو تیر سے مارا جاتا ہے۔ [5]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میدان جہاد میں زبانی طور پر کافروں کو سخت سست کہنا اور گالی سنانا بھی جائز ہے یہ جہاد کا حصہ ہے اور معمول کی بات ہے۔

[1] المرقات ۸/۵۴۴ [2] المرقات ۸/۵۴۴ [3] اخرجہ مسلم ۲/۲۹۵ [4] المرقات ۸/۵۴۴ [5] المرقات ۸/۵۴۴

﴿۹﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِحَسَّانٍ إِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ لَا يَزَالُ يُؤَيِّدُكَ مَا نَافَحْتَ عَنِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ هَجَاهُمْ حَسَّانُ فَشَفٰى وَاشْتَفٰى۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو حضرت حسان سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تک تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے (کفار و مشرکین کی ہجو کا) مقابلہ کرتے رہتے ہو، حضرت جبرئیل برابر تمہاری مدد و اعانت کرتے رہتے ہیں، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو (یہ بھی) فرماتے ہوئے سنا کہ حسان نے کفار کی ہجو کی تو اس ہجو سے مسلمانوں کو شفا دی اور خود بھی شفا پائی یعنی انہوں نے کفار کی ہجو کا جواب ہجو سے دے کر مسلمانوں کے لئے بھی تسلی و تشفی کا سامان بہم پہنچایا اور خود بھی سکون و طمانیت حاصل کی۔ (مسلم)

توضیح: "نافحت" منافحہ مقابلہ اور دفاع کو کہتے یعنی جب تک تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا دفاع کروگے اور مشرکین کے غلط الزامات و اتہامات اور اعتراضات کا جواب دو گے جبرئیل امین مسلسل تیری مدد میں لگا رہے گا اور تیرے دل پر مضامین کا القاء کرتا رہیگا[2] "شفی" یعنی مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کیا اور ان کے دلوں کی سوزش اور غیظ و غضب کو شفا بخشی۔ "واشتفی" یعنی اپنا دل بھی اسی طرح ٹھنڈا کیا اور شفا پائی۔[3]

میدان جہاد کا ایک عظیم ترانہ

﴿۱۰﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْقُلُ التُّرَابَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتّٰى اغْبَرَّ بَطْنُهٗ يَقُوْلُ:

وَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا : وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا : وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا
إِنَّ الْأُوْلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا : إِذَا أَرَادُوْا فِتْنَةً أَبَيْنَا

يَرْفَعُ بِهَا صَوْتَهٗ أَبَيْنَا أَبَيْنَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت براء کہتے ہیں رسول کریم ﷺ خندق کے دن خود بنفس نفیس مٹی اٹھا اٹھا کر پھینکتے تھے یہاں تک کہ آپ کا شکم مبارک غبار آلود ہو گیا تھا اور (اس موقع پر عبداللہ ابن رواحہ کا یہ رجزیہ کلام) پڑھتے جاتے تھے۔ (ترجمہ) خدا کی قسم اگر اللہ

[1] اخرجہ مسلم ۲/۲۹۵ [2] المرقات ۸/۵۲۲ [3] المرقات ۸/۵۲۲ [4] اخرجہ البخاری ۲/۳۱ و مسلم ۲/۱۰۹

کی ہدایت نہ ہوتی تو ہم راہ راست نہیں پا سکتے تھے نہ ہم صدقہ دے سکتے اور نہ نماز پڑھ سکتے تھے پس اے اللہ ہم پر وقار اور اطمینان نازل فرما اور جب دشمنان دین سے ہماری مڈبھیڑ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ بلاشبہ ان کفار مکہ نے ہم پر زیادتی کی ہے اور جب وہ ہمیں فتنہ میں مبتلا کرنے یعنی کفر کی طرف واپس لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں تو ہم انکار کر دیتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ ان اشعار کو بلند آواز سے پڑھتے تھے خصوصاً ابینا ابینا پر آواز بلند ہو جاتی تھی۔　　(بخاری ومسلم)

توضیح: "یوم الخندق" یوم خندق سے مراد جنگ احزاب ہے اس کو جنگ خندق اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں مسلمانوں نے مدینہ کے دفاع کے لئے اس کے اردگرد زمین میں خندقیں کھدوائی تھیں۔ ۵ھ میں جنگ احزاب کے موقع پر بارہ ہزار کفار نے مدینہ منورہ کا محاصرہ کیا تھا آنحضرت ﷺ نے سخت تنگی کی حالت میں خندقیں بنانے کا حکم دیا تھا سخت سردی تھی وقت بھی نہایت مختصر تھا کھانے کے لئے بھی کچھ نہیں ملتا تھا صحابہ کرام دن رات کھدائی کے کام میں مشغول تھے۔ بعض نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے آنحضرت خود بھی کام میں مشغول تھے اور اپنے مبارک پیٹ پر دو پتھر باندھے ہوئے تھے غبار سے آپ کا مبارک بدن ڈھکا ہوا تھا اور آپ مذکورہ اشعار پڑھ رہے تھے۔[1]

"ان الالی" یہ قصر کے ساتھ ہے اولآء میں ایک لغت ہے کفار کی طرف اشارہ ہے یعنی ان کفار نے ہم پر سرکشی کر کے تجاوز کیا ہے اور ہم سے فتنہ یعنی شرک کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن ہم ان کے اس مطالبہ سے مکمل طور پر انکار کرتے ہیں۔ ابینا کے الفاظ کو بلند آواز سے آنحضرت ﷺ بار بار دہراتے تھے صحابہ کرام بھی اس لفظ کو بلند آواز سے دہراتے تھے۔ یہ میدان جہاد کا ایک عظیم ترانہ ہے جو حقائق اور صحیح عقائد کی تعلیم اور جرأت وشجاعت پر مبنی ہے۔[2]

﴿۱۱﴾ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَعَلَ الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ يَحْفِرُوْنَ الْخَنْدَقَ وَيَنْقِلُوْنَ التُّرَابَ وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَابَقِيْنَا اَبَدًا يَقُوْلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُجِيْبُهُمْ اَللّٰهُمَّ لَاعَيْشَ اِلَّاعَيْشُ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ۔　　(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت انس کہتے ہیں کہ جب (غزوۂ احزاب کے موقع پر) مہاجرین اور انصار نے خندق کھودنا اور مٹی کو اٹھا اٹھا کر پھینکنا شروع کیا تو وہ (اس دوران) یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔ (ترجمہ) ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کی آخری سانس تک جہاد کرتے رہنے کے لئے محمد کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ اور رسول کریم ﷺ ان کے اس رجز کے جواب میں یہ (دعا) فرماتے تھے کہ اے اللہ زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے تو انصار ومہاجرین کو بخش دے۔　　(بخاری ومسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میدان جنگ اور میدان جہاد کو جہادی نظموں سے گرم رکھنا جہاد کا حصہ بھی ہے اور رسول الملاحم ﷺ کا مسنون طریقہ بھی ہے۔

[1] اخرجه البخاری ۸/۴۵ ومسلم ۲/۳۰۳　[2] المرقات ۸/۵۳۶　[3] اخرجه البغوی فی شرح السنة ۱۲/۳۶۸

شعر وشاعری کو اصل مشغلہ نہیں بنانا چاہئے

﴿۱۲﴾وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ یَّمْتَلِئَ جَوْفُ رَجُلٍ قَیْحًا یَرِیْهِ خَیْرٌ مِنْ اَنْ یَّمْتَلِئَ شِعْرًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا یاد رکھو کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھرنا جو اس کے پیٹ کو خراب کردے اس سے بہتر ہے کہ پیٹ کو (مذموم) اشعار سے بھرا جائے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "یریه" وری یری وریاً وعدیعدوعداً کی طرح ہے یہ اس بیماری کو کہتے ہیں جس سے پیٹ فاسد اور برباد ہو جائے یہ قیح کی صفت ہے قیح سے خون اور پیپ مراد ہے مطلب یہ ہے کہ کسی آدمی کا پیٹ بدہضمی اور خون و پیپ سے بھر جائے اور پیٹ کو بالکل فاسد کردے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ پیٹ گندے اور پلید وغلیظ اشعار سے بھر جائے۔ اس حدیث میں مذموم اشعار کی مذمت ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ وہ گندے اشعار اس شخص کے دل پر اس طرح احاطہ کریں کہ دل میں ذکر اللہ اور تلاوت قرآن اور علوم شرعیہ کے لئے کوئی جگہ نہ رہے ظاہر ہے یہ صورت حال گندے اشعار سے نہیں بلکہ اچھے اشعار کی وجہ سے بھی جائز نہیں ہے۔[۲]

الفصل الثانی

جہادی اشعار پڑھنا جہاد باللسان ہے

﴿۱۳﴾عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهُ قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَنْزَلَ فِی الشِّعْرِ مَا اَنْزَلَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ یُجَاهِدُ بِسَیْفِهٖ وَلِسَانِهٖ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَكَاَنَّمَا تَرْمُوْنَهُمْ بِهٖ نَضْحَ النَّبْلِ۔ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَفِی الْاِسْتِیْعَابِ لِاِبْنِ عَبْدِ الْبَرِّ اَنَّهُ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاذَا تَرٰى فِی الشِّعْرِ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ یُجَاهِدُ بِسَیْفِهٖ وَلِسَانِهٖ)[۳]

ترجمہ: حضرت کعب ابن مالک سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے شعر وشاعری کے حق میں جو حکم دیا ہے وہ آیت سے ظاہر ہے جو اس نے نازل فرمائی ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ مؤمن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم کافروں کو اشعار کے ذریعہ اسی طرح زخم پہنچاتے ہو جس طرح تیروں کے ذریعہ سے۔ (شرح السنۃ) اور ابن عبدالبر کی کتاب استیعاب میں یوں ہے کہ حضرت

[۱] المرقات ۸/۵۴۷ [۲] المرقات ۸/۵۴۸ [۳] المرقات ۸/۵۴۸،۵۴۷

کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ شعر و شاعری کے متعلق آپ کیا حکم فرماتے ہیں (یہ کوئی اچھی چیز ہے یا بری؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی۔

توضیح: "ما انزل" قرآن کی آیت {والشعراء یتبعهم الغاؤن} کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ اس سے گھبرا گئے کہ کہیں گمراہ لوگوں میں یہ شامل نہ ہو جائیں اس لئے سوال کیا آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ وہ اس میں داخل نہیں ہے کیونکہ گمراہی کی وادیوں میں بھٹکنے والے کفار ہیں مسلمان نہیں ہیں۔ دین بلکہ دین حق کے دفاع کے لئے اشعار کہنا تو مسلمان کے لئے جہاد باللسان کے حکم میں ہے کیونکہ اس سے کفار جل جاتے ہیں کیونکہ زبان کا زخم تیر کے زخم سے سخت ہوتا ہے۔[1]

جراحات السنان لها التیام ولا یلتام ما جرح اللسان

"نضح النبل" نضح پانی چھڑکنے کو کہتے ہیں اور نبل تیر کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کفار کی مذمت میں تمہارے اشعار ان کو ایسے سخت لگتے ہیں گویا ان پر تیر برسائے جاتے ہیں اور وہ اس سے زخمی ہوتے ہیں۔

"یجاهد بسیفه ولسانه" تلوار سے جہاد کرنا تو معلوم و معروف ہے اور زبان کے جہاد سے مراد جہادی نظمیں ہیں اشعار اور ترانے ہیں جس سے جہاد کو فائدہ پہنچتا ہے نیز یہ جہاد باللسان اس وعظ و تقریر کو بھی شامل ہے جس میں جہاد کی ترغیب ہو یا جہاد کے موضوع پر کوئی تصنیف و تالیف ہو جس سے جہاد کا فائدہ ہو سب جہاد باللسان میں داخل ہیں۔

کم گوئی اور حیاء ایمان کی نشانی ہے

﴿۱۴﴾ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحَيَاءُ وَالْعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْإِيْمَانِ وَالْبَذَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا شرم و حیاء اور زبان کو قابو میں رکھنا ایمان کی دو شاخیں ہیں جب کہ فحش گوئی اور لا حاصل بکواس نفاق کی دو شاخیں ہیں۔ (ترمذی)

توضیح: "العی" عین پر زیر ہے اور یا پر شد ہے اصل میں تھکنے اور عاجز ہونے کے معنی میں ہے یہاں حدیث میں کم کلام کرنا اور باتوں میں مکمل طور پر احتیاط کرنا مراد ہے گویا یہ شخص تھک گیا ہے اور باتوں سے عاجز آ گیا ہے اب یہ بالکل تامل اور سوچ بچار کے بعد احتیاط کے ساتھ کلام کرتا ہے اور گناہ والی بری باتوں سے بالکل خاموشی اختیار کرتا ہے۔ چونکہ مسلمان کو اس کا ایمان حیاء پر ابھارتا ہے تو وہ بے حیائی کے تمام شعبوں سے اجتناب کرتا ہے اور اسی طرح ایمان اس کو کثرت کلام سے روکتا ہے تاکہ زبان سے غلط بات نہ نکل جائے اس لئے حیاء اور قلت کلام

[1] المرقات ۸/۵۴۶ [2] اخرجه الترمذی ۴/۳۷۵

ایمان کے دو شعبے قرار دیئے گئے۔ ۱؎

"البذاء" یعنی بے حیائی بدگوئی اور فحش گفتگو۔ ۲؎ "والبیان" یعنی کثرت کلام، بے احتیاطی، جھوٹ اور بہتان طرازی، بے جالسانی جرأت اور حد سے زیادہ متکلفانہ فصاحت و بلاغت یہ سب نفاق کے شعبے ہیں۔ ۳؎

منہ پھاڑ کر ٹر ٹر کرنے والوں کی مذمت

﴿۱۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَحَبَّكُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبَكُمْ مِنِّیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَحَاسِنُكُمْ اَخْلَاقًا وَاِنَّ اَبْغَضَكُمْ اِلَیَّ وَاَبْعَدَكُمْ مِنِّیْ مَسَاوِیْكُمْ اَخْلَاقًا اَلثَّرْثَارُوْنَ اَلْمُتَشَدِّقُوْنَ اَلْمُتَفَیْهِقُوْنَ۔ (رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ نَحْوَهُ عَنْ جَابِرٍ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ عَلِمْنَا الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ فَمَا الْمُتَفَیْهِقُوْنَ قَالَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ) ۴؎

ترجمہ: اور حضرت ابوثعلبہ خشنی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن مجھ کو سب سے زیادہ عزیز و محبوب اور میرے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سے زیادہ خوش اخلاق ہیں اور میرے نزدیک تم میں سے سب سے برے اور مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو تم میں بداخلاق ہیں اور بداخلاق سے مراد وہ لوگ ہیں جو بہت (بنا بنا کر) باتیں کرتے ہیں بغیر احتیاط کے بک بک لگاتے ہیں اور متفیہقین۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور ترمذی نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ نیز ترمذی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ثرثارون اور متشدقون کے معنی تو ہمیں معلوم ہیں متفیہقون سے کیا مراد ہے یعنی متفیہق کس کو کہتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تکبر کرنے والے۔

توضیح: "الثرثارون" نہایہ میں لکھا ہے کہ "**الثرثارون هم الذین یکثرون الکلام تکلفا خروجا عن الحق من الثرثرة وهی کثرة الکلام وتردیده**" گویا ثرثارون ٹرٹارون کے وزن پر ہے اور ثرثرۃ ٹرٹرہ کے وزن پر ہے فضول بکواس کرنا مراد ہے۔ ۵؎ "**المتشدقون**" منہ پھاڑ پھاڑ کر بے احتیاطی کے ساتھ جھوٹ بول کر استہزا کرنا اور فحش اشعار پڑھنا۔ ۶؎

"**المتفیهقون**" منہ پھاڑ پھاڑ کر گفتگو کرنا اور اپنی بڑائی و عظمت جتلانے کی غرض سے فصیح و بلیغ چست جملے چسپاں کرنا تاکہ لوگ اس سے مرعوب ہو جائیں۔ یہ سارا کام متکبر لوگوں کا ہوتا ہے لہٰذا حدیث میں اس لفظ کی تفسیر خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمائی۔ "**قال المتکبرون**" یعنی **متفیهقون** سے متکبرین مراد ہیں۔ ۷؎

۱؎ المرقات ۸/۵۴۸ ۲؎ المرقات ۸/۵۴۸ ۳؎ المرقات ۸/۵۴۸ ۴؎ اخرجہ البیهقی

۵؎ المرقات ۸/۵۵۰ ۶؎ المرقات ۸/۵۴۸ ۷؎ المرقات ۸/۵۴۸

ظالموں کی مدح سرائی سے پیسہ کمانا جائز نہیں ہے

﴿۱۶﴾ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ قَوْمٌ يَأْكُلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ كَمَا تَأْكُلُ الْبَقَرَةُ بِاَلْسِنَتِهَا۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت سعد ابن ابی وقاص کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ ایک ایسی جماعت پیدا نہیں ہوجائے گی جو اپنی زبانوں کے ذریعہ اس طرح کھائے گی جس طرح گائیں اپنی زبانوں سے کھاتی ہیں۔ (احمد)

توضیح: "بالسنتھم" یہ لسان کی جمع ہے زبان مراد ہے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ زبان کو کھانے پینے کا ذریعہ بنائیں گے وہ اس طرح کہ فساق فجار کی بے جا مدح کریں گے ان کی مدح میں اشعار اور قصیدے پڑھیں گے اور زبان کو موڑ موڑ کر ان کی تعریفیں کریں گے اور اس سے پیسہ کما کر کھائیں گے یا کسی بے گناہ کی مذمت کریں گے اور پیسہ کما کر کھائیں گے یہ لوگ حلال وحرام کی تمیز نہ کرنے میں اس حیوان اور گائے کی مانند ہونگے جو اپنی زبان کے ذریعہ سے ہر قسم رطب و یابس اور صالح وخبیث گھاس کو لپیٹ لپیٹ کر جمع کرتی ہے اور پھر کسی تمیز کے بغیر کھا جاتی ہے اس سے غلط قسم کے شعراء اور خطباء مراد ہیں جو حق و باطل اور حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتے ہیں ساتھ والی حدیث کی تشریح بھی اسی طرح ہے۔[۲]

﴿۱۷﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْبَلِيْغَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِيْ يَتَخَلَّلُ بِلِسَانِهٖ كَمَا يَتَخَلَّلُ الْبَاقِرَةُ بِلِسَانِهَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص سخت ناپسندیدہ ہے جو کلام وبیان میں حد سے زیادہ فصاحت وبلاغت کا مظاہرہ کرے بایں طور کہ وہ اپنی زبان کو اس طرح لپیٹ لپیٹ کر باتیں کریں جس طرح گائے اپنے چارہ کو لپیٹ لپیٹ کر جلدی جلدی اپنی زبان کے ذریعہ کھاتی ہے۔ اس روایت کو ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے نیز ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "البلیغ" بلاغت وفصاحت میں تکلف کے ساتھ بے جا مبالغہ کرنے والا مراد ہے جو منہ پھاڑ پھاڑ کر اور زبان گھما گھما کر حق وباطل میں تمیز کئے بغیر کلام کرتا ہو اور حد شرعی سے تجاوز کرتا ہو، شرعی حدود کے اندر کلام کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے[۴] "یتخلل" ای یلف الکلام بلسانه کما تلف البقرة بلسانها العلف" یعنی

[۱] اخرجه احمد ۴/۳۷۰ [۲] المرقات ۸/۵۵۱ [۳] اخرجه الترمذی ۵/۱۴۱ [۴] المرقات ۸/۵۵۱

زبان کو لپیٹ لپیٹ کر کلام کرنے والا جس طرح گائے گھاس کو لپیٹ کر کھاتی ہے۔ "الباقرة" اس کا مفرد بقرة ہے جماعت بقرہ مراد ہے۔ [۱]

بے عمل واعظین کا حشر

﴿۱۸﴾ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَرْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ بِقَوْمٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنَ النَّارِ فَقُلْتُ يَاجِبْرَئِيْلُ مَنْ هٰؤُلَاءِ قَالَ هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ اُمَّتِكَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معراج کی رات میں میرا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کی زبانیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جارہی تھیں میں نے (یہ دیکھ کر) پوچھا کہ جبرئیل یہ کون لوگ ہیں جبرئیل نے کہا کہ یہ آپ کی امت کے واعظ و خطیب ہیں جو ایسی باتیں کہتے ہیں جن پر خود عمل نہیں کرتے۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "تقرض" یہ قرض سے ہے جو کاٹنے کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو خطباء زبان سے کچھ کہتے ہیں اور عمل دوسرا کرتے ہیں اور حدود شرعیہ کا خیال نہیں رکھتے ہیں۔

معراج کی رات وہ لوگ آنحضرت کو دکھائے گئے کہ ان کی ہونٹوں کو بطور سزا قینچیوں سے کاٹا جارہا تھا کیونکہ ان کا باطن ان کے ظاہر سے مخالف تھا جیسا کسی نے کہا ہے۔ [۳]

واعظاں کہ جلوہ برمحراب و منبری کنند چوں بخلوت می روند آں کار دیگری کنند

چرب لسانی کے بارے میں وعید

﴿۱۹﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ صَرْفَ الْكَلَامِ لِيَسْبِيَ بِهٖ قُلُوْبَ الرِّجَالِ اَوِ النَّاسِ لَمْ يَقْبَلِ اللهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) [۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس مقصد کے لئے گھما پھرا کر بات کرنے کا سلیقہ سیکھے کہ وہ اس کے ذریعے مردوں کے دلوں یا لوگوں کے دلوں پر قابو حاصل کرلے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس کی نفل عبادت قبول کرے گا اور نہ فرض۔ (ابوداؤد)

[۱] المرقات ۸/۵۵۱ [۲] اخرجه الترمذي [۳] المرقات ۸/۵۵۲ [۴] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۰۲

توضیح: "صرف الکلام" کلام کو گھمانا پھرانا مراد ہے یعنی باتوں کے گھمانے پھرانے الٹنے پلٹنے اور چرب لسانی کا خوب سلیقہ سیکھے۔[1] "لیسبی" ضرب یضرب سے ہے قید کرنے کو کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں کو زور لسانی اور مبالغہ آرائی سے اپنی طرف مائل کرتا ہے حقیقت کو چھپا کر ضرورت سے زیادہ فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ کرتا ہے تاکہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں اور یہ شخص اپنا مطلب نکال سکے۔[2]

"صرفا" اس سے نفل عبادت مراد ہے "عدلا" اس سے فرض عبادت مراد ہے بعض علماء نے صرف سے توبہ کرنا مراد لیا ہے اور عدل سے فدیہ دینا مراد لیا ہے۔ مطلب یہ کہ ایسے شخص کی یہ عبادات قبول نہیں ہونگی اس حدیث میں منہ زوری مبالغہ آرائی اور چرب لسانی کی شدید مذمت کی گئی ہے۔[3]

مختصر تقریر اچھی ہوتی ہے

﴿۲۰﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهُ قَالَ يَوْمًا وَقَامَ رَجُلٌ فَاَكْثَرَ الْقَوْلَ فَقَالَ عَمْرٌو لَوْ قَصَدَ فِي قَوْلِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَقَدْ رَاَيْتُ اَوْ اُمِرْتُ اَنْ اَتَجَوَّزَ فِي الْقَوْلِ فَاِنَّ الْجَوَازَ هُوَ خَيْرٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُد)[4]

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن انہوں نے اس وقت فرمایا جب کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور اپنی فصاحت و بلاغت کے اظہار کے خاطر بہت لمبی تقریر کی چنانچہ حضرت عمرو نے فرمایا کہ اگر تم اپنی تقریر میں اعتدال و میانہ روی سے کام لیتے تو بے شک وہ سننے والوں کے حق میں بہتر ہوتی میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے سمجھ لیا ہے یا یہ فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تقریر و گفتگو میں اختصار سے کام لوں حقیقت یہ ہے کہ مختصر تقریر بہتر ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "فقال عمرو" یعنی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس واعظ کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ شخص اپنی تقریر کو مختصر کر دیتا تو اچھا ہوتا کیونکہ تقریر معتدل ہو کر افراط تفریط سے محفوظ رہتی ہے اور سامعین پر اس کا بوجھ نہ پڑتا بلکہ اچھا اثر ہوتا۔ اس روایت میں فقال عمرو کو اعادہ بعد عہد کے طور پر مکرر لایا گیا ہے چونکہ کلام طویل ہو گیا اس لئے اعادہ اور مکرر لانا ضروری ہو گیا تھا۔[5]

"اوامرت" راوی کو شک ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ نے کونسا لفظ استعمال فرمایا تھا۔[6] "اتجوز" یہ اختصار کے معنی میں ہے مطلب یہ کہ مجھے حکم ہے کہ میں کلام میں بیان میں اختصار سے کام لوں کیونکہ اس میں خیر ہے۔

---

[1] المرقات ۸/۵۵۲ [2] المرقات ۸/۵۵۲ [3] المرقات ۸/۵۵۲

[4] اخرجه ابوداؤد ح ۵۰۰۸ [5] المرقات ۸/۵۵۲،۵۵۳ [6] المرقات ۸/۵۵۳

ملا علی قاری نے بحوالہ جامع صغیر ایک حدیث نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"لقد أمرت ان اتجوز فی القول فأن الجواز فی القول هو خیر" ۱

بعض علوم وفنون جہالت کے مترادف ہیں

﴿۲۱﴾وَعَنْ صَخْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا وَإِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَهْلًا وَإِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حُكْمًا وَإِنَّ مِنَ الْقَوْلِ عِيَالًا (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗد) ۲

ترجمہ: اور حضرت صخر ابن عبداللہ ابن بریدہ اپنے والد سے اور وہ صخر کے دادا حضرت بریدہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بعض بیان جادو (کی مانند ہوتے) ہیں بعض علم جہالت ہوتے ہیں بعض اشعار فائدہ مند یعنی حکمت ودانائی سے پر ہوتے ہیں اور بعض قول وکلام وبال جان ہوتا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "ان من العلم جهلا" اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ فرض کرلو کسی شخص نے بے فائدہ علم حاصل کیا مثلاً اس نے علم نجوم اور علم رمل وجفر سیکھ لیا یا منطق وفلسفہ کی طویل بحثیں سیکھیں یا جدید تعلیم کے وساوس اور فضولیات میں لگ گیا جس میں نہ ان کا اپنا فائدہ ہے اور نہ امت کا کوئی فائدہ ہے بلکہ ان فضولیات کے سیکھنے سے وہ شخص قرآن وحدیث اور شرعی علوم کے سیکھنے سے محروم رہا تو جو حاصل کیا وہ اسے علم قرار دے رہا ہے حالانکہ وہ جہالت ہے کیونکہ وہ خدا اور اس کے رسول سے دور کردیتا ہے بابا سعدی نے خوب فرمایا۔

سعدی بشوئے لوح دل از نقش غیر حق علمے کہ رہ حق نہ نماید جہالت است

اے سعدی اپنے دل کی تختی کو اللہ کے نام کے سوا ہر چیز سے دھولو کیونکہ جو علم حق کی طرف راہنمائی نہیں کرتا ہے وہ جہالت ہے۔

اس جملہ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ علم حاصل کرنے والا جب اپنے علم پر عمل نہیں کرتا تو وہ علم اس کے لئے جہالت ہے کیونکہ علم سے اصل مقصود عمل ہے جب وہ اپنے علم پر خود عمل نہیں کرتا تو گویا وہ جاہل ہے۔ ۳

"من القول عيالا" عیال عین کے زیر کے ساتھ ہے بوجھ اور وبال کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ کہ بعض بات ایسی ہوتی ہے کہ سننے والا اس کو پسند نہیں کرتا ہے اور نہ اس کو سننا چاہتا ہے یا وہ بات بے موقع ہوتی ہے تو ایسی بات کرنا کہنے والے کے لئے بوجھ اور وبال جان ثابت ہوتی ہے یا وہ بات کہنے والے سننے والے دونوں کے فہم اور سمجھ سے بالاتر ہوتی ہے تو دونوں کے لئے وبال جان ہوجاتی ہے یا وقت تنگ ہے اور کلام طویل ہوگیا یہ بھی باعث بوجھ ہے اس حدیث کے پہلے جملہ پر اس سے پہلے کلام ہوچکا ہے۔ ۴

۱ المرقات ۸/۵۵۳ ۲ اخرجه ابوداؤد ۴/۳۰۵ ۳ المرقات ۸/۵۵۴ ۴ المرقات ۸/۵۵۴

الفصل الثالث

حضرت حسان کی فضیلت

﴿۲۲﴾عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ لِحَسَّانَ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ يَقُوْمُ عَلَيْهِ قَائِمًا يُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ يُنَافِحُ وَيَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا نَافَحَ اَوْ فَاخَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ مسجد نبوی میں حضرت حسان کے لئے منبر رکھوا دیتے تھے جس پر وہ کھڑے ہوکر رسول کریم ﷺ کی طرف سے اظہار فخر کرتے تھے یا یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت کی طرف سے (کفار کے ذین مخالف اشعار اور ہجو کا) مقابلہ کرتے تھے اور رسول کریم ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل کے ذریعہ حسان کی تائید کرتا ہے جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مقابلہ کرتے ہیں یا یہ الفاظ ہیں کہ جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اظہار فخر کرتے ہیں۔ (بخاری)

توضیح: "یضع لحسان" یعنی آنحضرت ﷺ حضرت حسان کے لئے منبر کا اہتمام فرماتے اور حضرت حسان اس پر کھڑے ہوکر آنحضرت ﷺ کی مدح میں اشعار پڑھا کرتے تھے اور کفار کی مذمت کا جواب دیتے تھے یہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لئے بڑا اعزاز تھا یہی وجہ ہے کہ آپ شاعر رسول اللہ ﷺ کے عظیم لقب سے یاد کئے جاتے ہیں آپ نے کفار قریش پر اس وقت کے دستور کے مطابق نسب حسب کی برتری اور کمتری کے اعتبار سے چوٹیں ماری ہیں جو کفار قریش کے لئے بہت گراں تھا آپ انصاری ہیں غسانی بادشاہوں کی مدح میں زیادہ وقت لگا ایمان لانے کے بعد سفر و حضر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے اور آپ پر فدا تھے صحابہ کرام میں چار بڑے شاعر گزرے ہیں ایک حضرت حسان ہیں دوسرے حضرت لبید ہیں تیسرے عبداللہ بن رواحہ اور چوتھے حضرت کعب بن مالک ہیں حضرت کعب کفار قریش کی مذہبی حیثیت کو نشانہ بنایا کرتے تھے جبکہ حضرت حسان بن ثابت ان کی خاندانی حیثیت کو نشانہ بناتے تھے۔[2]

حُدی خوانی کی حقیقت اور حیثیت

﴿۲۳﴾وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَادٍ يُقَالُ لَهُ اَنْجَشَةُ وَكَانَ حَسَنَ الصَّوْتِ

[1] اخرجه البخاري [2] المرقات ۸/۵۵۴،۵۵۵

فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُوَيْدَكَ يَا اَنْجَشَةُ لَا تُكَسِّرِ الْقَوَارِيْرَ قَالَ قَتَادَةُ يَعْنِيْ ضَعَفَةَ النِّسَاءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ایک حدی خواں تھے جن کا نام انجشہ تھا وہ بہت خوش آواز تھے نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ انجشہ! اونٹوں کو آہستہ آہستہ ہانکو اور شیشوں کو نہ توڑو حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ شیشوں سے آنحضرت کی مراد عورتیں تھیں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "حاد" یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے باب نصر ینصر سے حدواً وحدائی حدی خوانی کو کہتے ہیں سفر کے دوران قافلہ میں جب اونٹوں کی رفتار تھک جانے کی وجہ سے سست ہو جاتی ہے تو بلند آواز سے خاص لے کے ساتھ گانا گایا جاتا ہے جس سے اونٹ چست ہو کر تیز چلنے لگتے ہیں اسی گانے اور اشعار پڑھنے کو حدی کہتے ہیں اس کی ابتداء عجیب طریقہ سے ہوئی ہے وہ اس طرح کہ بنومضر کا ایک آدمی تھا اس نے قافلہ کے سفر کے دوران اپنے غلام کو مارا اور اس کے ہاتھ کو دانتوں سے کاٹا تو غلام چیخ چیخ کر رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا وایداہ وایداہ وایداہ کبھی اس طرح کہتا دی دی یعنی یدی یدی یدی اس رونے سے ایک لے اور ایک سُر پیدا ہو جاتی تھی جس کی وجہ سے تھکے ماندے اونٹ تیز دوڑنے لگے اس پر آقا نے غلام سے کہا کہ اب اسی طرح پڑھتے رہو اس طرح حدی کی بنیاد پڑ گئی اور پھر اس میں ترقی ہو گئی اب اس کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ اگر اس میں باجے بانسریاں اور طبل وطنبور نہ ہو تو صرف اشعار گانا جائز ہے جس کا فائدہ بھی ہے ورنہ جائز نہیں ہے۔

علامہ اقبال نے قومی اور مذہبی تحریکات کو بیدار کرنے کے لئے حدی کا نام لیکر اس طرح اشارہ کیا ہے۔[2]

حدی کو تیز تر کردے چوں محمل گراں می بینی

یعنی جب بوجھ بھاری ہو تو حدی کو مزید تیز کر دو تا کہ بوجھ ہلکا محسوس ہو۔

حکایت:

حدی خوانی سے اونٹ بالکل مست ہو جاتے ہیں ملا علی قاری نے مرقات میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک دیہاتی کے ہاں ایک شخص مہمان بن کر آ گیا وہاں دیکھا کہ ایک سیاہ فام غلام زنجیروں میں جکڑا ہوا پڑا ہے اس غلام نے اس مہمان سے کہا کہ خدا کے لئے میرے آقا سے میری رہائی کی سفارش کر دو کیونکہ وہ مہمان کی بات کبھی رد نہیں کرتا، مہمان نے سفارش کی تو غلام کے آقا نے کہا کہ اس غلام نے ایک بڑا جرم کیا ہے وہ اس طرح کہ میرے دس اونٹ تھے اس ظالم نے ایک سفر میں ایسی حدی خوانی کی کہ کئی راتوں کا سفر ایک رات میں مکمل کیا جب اونٹ منزل مقصود پر پہنچ گئے تو تیز دوڑنے کی وجہ سے سب مر گئے صرف ایک اونٹ رہ گیا ہے لیکن چلو میں آپ کی سفارش پر اس غلام کو چھوڑ دیتا ہوں مہمان نے جب یہ قصہ سنا تو کہا

[1] اخرجه البخاری ۸/۵۸ ومسلم ۲/۳۲۶ [2] المرقات ۸/۵۵۵

کہ اس غلام سے کہدیں کہ یہ ہمیں بھی اپنی حدی سنادے اس نے غلام کو حکم دیا جب غلام نے اپنے خاص انداز سے حدی خوانی شروع کی تو وہاں موجود سارے اونٹ صحراء کی طرف بھاگ کر چلے گئے اور مہمان بھی دیوانہ بن کر صحراء کی طرف بھاگ نکلا۔[۱]

"انجشة" ہمزہ پرفتحہ ہے نون ساکن ہے اور جیم وشین پرفتحہ ہے اس شخص کی کنیت ابو ماریہ تھی آنحضرت ﷺ کا غلام تھا جو حبشی سیاہ فام تھا "میں اس پر قربان جاؤں یہ نبی پاک کا غلام تھا"۔[۲]

"رویدك انجشة" یعنی اے انجشہ ذرا نرمی کرو کچھ مہلت دو زیادہ تیزی نہ دکھاؤ۔ "لا تکسر القواریر" قواریر قارورۃ کی جمع ہے کانچ اور شیشہ کی بوتل کو کہتے ہیں یہ قرار سے ہے کیونکہ اس میں پانی وغیرہ ٹھہر کر قرار پکڑتا ہے اس سے مراد عورتیں ہیں کیونکہ عورتیں بھی صنف نازک ہیں ان کا کمزور اور نازک بدن اور لطیف ساخت بھی شیشہ کی طرح کمزور ہے اس لئے شیشہ سے ان کی تشبیہ دیدی گئی "شیشوں کو نہ توڑو" کے جو الفاظ ہیں اس کے دو مطلب ہیں پہلا مطلب یہ ہے کہ حدی خوانی سے اونٹ ذوق وشوق اور مستی میں آکر تیز دوڑیں گے جس کی وجہ سے وہ ہچکولے کھائیں گے عورتیں کمزور مخلوق ہیں گر جائیں گی اور مر جائیں گی اس لئے آرام آرام سے حدی خوانی کرو۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ قافلہ میں عورتیں بھی ہیں تمہاری آواز اور اشعار سے ان کے جذبات بھڑک اٹھیں گے ان میں ہلچل مچے گی جذبات بے قابو ہو کر فتنہ میں پڑ جائیں گی اس لئے آرام آرام سے حدی خوانی کرو۔[۳]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے مطلب کو راجح قرار دیا ہے اور دوسرے کو غیر مناسب کہا ہے۔

اشعار کی خوبی یا برائی کا تعلق اس کے مضمون سے ہے

﴿۲۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ ذُكِرَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشِّعْرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ كَلَامٌ فَحَسَنُهُ حَسَنٌ وَقَبِيْحُهُ قَبِيْحٌ.

(رَوَاهُ الدَّارِقُطْنِيُّ وَرَوَى الشَّافِعِيُّ عَنْ عُرْوَةَ مُرْسَلًا)[۴]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے سامنے شعر کا ذکر کیا گیا (یعنی یہ دریافت کیا گیا کہ شعر وشاعری کوئی اچھی چیز ہے یا بری؟) تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ شعر بھی ایک کلام ہے چنانچہ اچھا شعر اچھا کلام ہے اور برا شعر برا کلام ہے۔ (دار قطنی) امام شافعی نے اس روایت کو حضرت عروہ سے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

اشعار میں مستغرق رہنا برا عمل ہے

﴿۲۵﴾ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ نَسِيْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَرْجِ

[۱] المرقات ۸/۵۵۵ [۲] المرقات ۸/۵۵۵ [۳] المرقات ۸/۵۵۶ [۴] اخرجه دار قطنی ۴/۱۵۵ والنسائی ۲/۴۱۱

اِذْ عَرَضَ شَاعِرٌ یُنْشِدُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُذُوا الشَّیْطَانَ اَوْ اَمْسِکُوا الشَّیْطَانَ لَاَنْ یَمْتَلِیئَ جَوْفُ رَجُلٍ قَیْحًا خَیْرٌ لَہٗ مِنْ اَنْ یَمْتَلِیَ شِعْرًا (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ سفر کے دوران عرج میں تھے کہ اچانک ایک شاعر سامنے سے نمودار ہوا جو اشعار پڑھنے میں مشغول تھا رسول کریم ﷺ نے (اس کو دیکھ کر) فرمایا کہ اس شیطان کو پکڑ لو یا یہ فرمایا کہ اس شیطان کو شعر پڑھنے سے روک دو، یاد رکھو! انسان کا اپنے پیٹ کو پیپ سے بھرنا اس میں اشعار بھرنے سے بہتر ہے۔ (مسلم)

توضیح: "العرج" مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام عرج ہے جہاں قافلے پڑاؤ کرتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حجۃ الوداع کے سفر کا واقعہ ہے۔[2]

"اوامسکو الشیطان" راوی کو شک ہوگیا کہ آنحضرت ﷺ نے کونسا لفظ استعمال فرمایا تھا۔ اس شاعر کو آنحضرت ﷺ نے یا تو اس لئے شیطان کہدیا کہ یہ اپنے اشعار میں بالکل غرق تھا نہ اس کو مسلمانوں کی پرواہ تھی نہ اپنے احرام کی حالت کا خیال تھا اگر وہ حج کے سفر میں تھا، اور نہ آنحضرت ﷺ سے کوئی حیا آتی تھی، بس صرف اشعار میں مدہوش اور مست و مگن تھا حدیث کے آخری کلمات سے اس مطلب کی تائید بھی ہوتی ہے۔

حدیث سے یہ مطلب بھی لیا جاسکتا ہے کہ یہ شخص قبیح اور مذموم اشعار میں مشغول تھا جو خود ان کے لئے بھی اور عام مسلمانوں کے لئے بھی مضر تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو شیطان قرار دیا۔[3]

گانا بجانا دل کے اندر نفاق پیدا کرتا ہے

﴿۲۶﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ (رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا راگ و گانا دل میں نفاق کو اس طرح اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔ (بیہقی)

توضیح: "ینبت النفاق" موسم برسات میں بہت زیادہ پانی برستا ہے جس سے بہت زیادہ سبزہ اور گھاس پیدا ہوتی ہے یہی حالت راگ اور گانے بجانے کی ہے کہ اس سے بہت جلد اور زیادہ مقدار میں انسان کے دل میں نفاق پیدا ہوجاتا ہے اور دل پر جب نفاق کا قبضہ ہوجائے تو پورے بدن پر نفاق کا کنٹرول ہوجاتا ہے گویا گانے بجانے سے آدمی مکمل طور پر شیطان کے قبضہ میں چلا جاتا ہے اس کے دل اور اس کی روح پر شیطان کا راج قائم ہوجاتا ہے۔

[1] اخرجه مسلم ۲/۳۰۲ [2] المرقات ۸/۵۵۷ [3] المرقات ۸/۵۵۷ [4] اخرجه البیهقی ۴/۲۷۹

اس کے مقابلہ میں ذکر اللہ اور تلاوت قرآن سے انسان کے دل میں ایمان پیدا ہوکر اگتا ہے۔ علامہ نووی نے اپنی کتاب "روضہ" میں لکھا ہے کہ ساز و سارنگی اور طبل و طنبور اور باجوں کے ساتھ گانا حرام ہے اور اس کا سننا بھی حرام ہے یہ شراب نوشوں کا مشغلہ ہے۔ [1]

آنحضرت ﷺ نے بانسری کی آواز کی وجہ سے کانوں میں انگلیاں ڈال دیں

﴿۲۷﴾وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِيْ طَرِيْقٍ فَسَمِعَ مِزْمَارًا فَوَضَعَ إِصْبَعَيْهِ فِيْ أُذُنَيْهِ وَنَأَىٰ عَنِ الطَّرِيْقِ إِلَى الْجَانِبِ الْآخَرِ ثُمَّ قَالَ لِيْ بَعْدَ أَنْ بَعُدَ يَا نَافِعُ هَلْ تَسْمَعُ شَيْئًا قُلْتُ لَا فَرَفَعَ إِصْبَعَيْهِ مِنْ أُذُنَيْهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ صَوْتَ يَرَاعٍ فَصَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ قَالَ نَافِعٌ وَكُنْتُ إِذْ ذَاكَ صَغِيْرًا۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ) [2]

ترجمہ: اور حضرت نافع کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر کے ساتھ راستہ میں تھا ایک جگہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے "نے" کی آواز سنی اور فوراً اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں تیز پر راستہ سے ہٹ کر دوسری طرف ہو لئے پھر اس راستہ سے ہٹنے کے بعد انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ نافع کیا تم بھی کچھ سن رہے ہو یعنی "نے" کی جو آواز آرہی تھی وہ اب بھی جاری ہے یا بند ہوگئی ہے؟ میں نے کہا نہیں انہوں نے اپنی دونوں انگلیاں کانوں سے نکال لیں اور پھر بیان کیا کہ میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ تھا کہ آپ نے "نے" کی آواز سنی اور پھر آپ نے بھی یہی کیا جو اس وقت میں نے کیا ہے۔ حضرت نافع کہتے ہیں کہ اس وقت میں ایک چھوٹی عمر کا لڑکا تھا۔ (احمد وابوداؤد)

توضیح: "مزماراً" بانسری کو مزمار کہتے ہیں جو بانس اور لکڑی سے بنایا جاتا ہے صحیح اور راجح یہی ہے کہ بانسری کا سننا سنانا حرام ہے روایات میں اس کو قطیب اور یراع بھی کہا گیا ہے جو بانس کے معنی میں ہے۔

"ونأی" یعنی قریب راستے سے ہٹ کر دور چلے گئے اور کانوں میں انگلیاں ٹھونس دیں تا کہ بانسری کی آواز نہ سنے۔ [3]

"الصغیر" یہ جملہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ حضرت ابن عمر جب بانسری کی آواز سے اتنا اجتناب فرماتے ہیں کہ کانوں میں انگلیاں ڈالدیں اور راستے سے ہٹ کر دور چلے گئے تو نافع بانسری کی آواز کیوں سنتے رہے کیا ان کے لئے یہ سننا جائز تھا؟ اس کا جواب اس جملہ میں نافع نے خود دیا کہ میں اس وقت نابالغ بچہ تھا اس لئے مکلف نہیں تھا اب سوال اٹھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کیوں بانسری کی آواز سنی؟ تو اس کا جواب بھی وہی ہے کہ شاید حضرت ابن عمر بھی اس وقت نابالغ ہونگے باقی کانوں میں انگلیاں ڈالنا احتیاط اور تقویٰ

[1] المرقات ۸/۵۵۷ [2] اخرجه احمد ۶/۸ وابوداؤد ۴/۲۸۳ [3] المرقات ۸/۵۵۸

کی بنیاد پر ہے ورنہ بلاقصد کانوں میں آواز کا پڑ جانا قابل مواخذہ نہیں ہے کیونکہ یہ انسان کے اختیار سے باہر ہے اور بانسری بجانے والا یہ شخص شاید یہودی تھا۔

بہر حال اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ آلات لہو ولعب اور طبل وسارنگی اور باجے کے ساتھ موسیقی سننا حرام ہے۔

علامہ قاضی خان نے اپنے فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

"اما استماع صوت الملاہی کالضرب بالقضیب ونحوذلك حرام ومعصية لقوله عليه السلام استماع الملاهی معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها من الكفر"

(كذا فی المرقات)[1]

حرمت غنا پر اس باب کی ابتدا میں پوری بحث لکھی جا چکی ہے۔

---

[1] المرقات ۸/۵۵۸

مورخہ ۳ ربیع الثانی ۱۴۱۸

باب حفظ اللسان والغیبة والشتم

زبان کی حفاظت اور غیبت کا بیان

غیبت کی تعریف آیندہ حدیث نمبر ۷ امیں خود آرہی ہے کہ "ذکرك اخاك بمايكره" یعنی غائبانہ طور پر کسی مسلمان بھائی کا اس طرح تذکرہ کرنا کہ اگر اس کے سامنے وہ تذکرہ کیا جائے تو وہ اسے ناپسند کرے۔

غیبت کے لئے یہ شرط ہے کہ عیب اس شخص میں ہو اگر عیب اس میں نہ ہو اور کوئی بتارہا ہے تو یہ بہتان ہے غیبت کے لئے مُغتاب کا غائب ہونا بھی شرط ہے آمنے سامنے عیب کا بیان کرنا بدگوئی اور گالی گلوچ میں آتا ہے۔ [۱]

غیبت حقوق العباد میں سے ہے لہٰذا جب تک مُغتاب معاف نہ کرے توبہ کرنے سے معاف نہیں ہوتی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ غیبت اس وقت حقوق العباد میں سے ہوجاتی ہے جب کہ مغتاب شخص کو اس کی اطلاع ہوجائے اگر اطلاع نہ ہوئی ہو تو یہ حقوق اللہ میں داخل ہے واللہ اعلم۔ حضرت تھانوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص غیبت کرنا ہی چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اپنے والدین کی غیبت کرے تاکہ غیبت کرنے والے کی نیکیاں اس کے والدین کو مل جائیں کسی غیر کو نہ ملیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک شخص نے غیبت کی تو آپ نے پلیٹ میں تحفہ بھر کر اس کو بھیجا کہ آپ نے مجھ پر احسان کیا ہے کہ اپنی نیکیاں مجھے دیدیں ایک شخص نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ میں نے آپ کی غیبت کی ہے آپ اسے میرے لئے حلال بنادیں آپ نے فرمایا کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے میں اس کو کیسے حلال کرسکتا ہوں۔ غیبت سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی مجلس میں کسی کا تذکرہ نہ کیا جائے۔

"والشتم" گالی گلوچ کو شتم کہتے ہیں ایک سب اور سباب ہے وہ بدگوئی کے معنی میں ہے خواہ گالی سے ہو یا کسی اور طریقے سے ہو غیبت کی نسبت شتم میں عموم ہے یہ مردہ، زندہ حاضر غائب قریب اور بعید سب کو شامل ہوسکتی ہے کسی کے ساتھ فحش گفتگو کرنا اس کو برا کہنا اس کے ساتھ بدزبانی کرنا اور ناشائستہ اور غیر سنجیدہ الفاظ سے اس کو یاد کرنا یہ سب کچھ شتم اور گالی میں داخل ہے اسی وجہ سے اس کو غیبت کے بعد ذکر کیا ہے۔ [۲]

اس باب میں ایسی احادیث بیان ہونگی جس میں زبان کی حفاظت کا تذکرہ ہوگا ناشائستہ اور غیر سنجیدہ الفاظ سے زبان کو بچانے کی ترغیب ہوگی شرعی، عرفی اور اخلاقی طور پر بدکلامی کے الفاظ سے زبان کو بچانے کی تعلیم ہوگی خصوصاً چغلی گالی اور غیبت سے بچاؤ کی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ غیبت اور چغلی اور گالی گلوچ ایسی چیزیں ہیں جو معاشرہ میں کینہ وحسد بغض وعداوت اور نفاق پیدا کرتی ہیں۔

اس لئے شریعت نے امن ومحبت کی غرض سے ان ناشائستہ چیزوں پر پابندی لگائی ہے قرآن کی سورتوں میں سورت حجرات

---

[۱] المرقات ۸/۵۵۹ [۲] المرقات ۸/۵۵۹

خاص طور پر ان معاشرتی برائیوں کی حوصلہ شکنی کرتی ہے غیبت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿ولا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیه میتا فکرهتموه﴾ [۱] یہ اعلان بھی ہے ﴿لا یسخر قوم من قوم ولا نساء من نساء﴾ [۲] بہرحال ہر مسلمان مرد وعورت پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے گردن جھکالے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو اپنالے اور غیبت سے اپنے آپ کو بچالے۔

الفصل الاول

زبان اور شرمگاہ کی حفاظت پر جنت کی بشارت

﴿۱﴾ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) [۳]

ترجمہ: حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ اپنی اس چیز کی حفاظت کریگا جو اس کے دونوں کلو کے درمیان ہے یعنی زبان اور دانت اور جو اس کے دونوں پاؤں کے درمیان ہے یعنی شرمگاہ تو میں اس کی جنت کی ضمانت لیتا ہوں۔ (بخاری)

توضیح: "ما بین لحییه" لحییه تثنیہ ہے اس کا مفرد لحی ہے دونوں جبڑوں کو کہتے ہیں جن میں دانت اوپر نیچے لگے ہوتے ہیں ان دونوں جبڑوں اور کلوں کے درمیان زبان ہوتی ہے اس حدیث میں زبان ہی کی طرف اشارہ ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھے اپنی زبان کی حفاظت کی یہ ضمانت دیدے کہ وہ شخص اپنی زبان سے گالی نہیں دیگا چغلی نہیں کھائے گا غیبت نہیں کریگا جھوٹ نہیں بولیگا اور پھر پورے منہ کے ذریعہ حرام نہیں کھائے گا تو میں اس شخص کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں [۴]۔ "وما بین رجلیه" دو ٹانگوں کے درمیان چیز سے مراد شرمگاہ ہے شرمگاہ کی ضمانت یہ ہے کہ اس کو کسی بدکاری اور بدکرداری میں استعمال نہیں کریگا۔ حدیث کا خلاصہ یہ نکلا کہ جو شخص قوت بطنیہ اور قوت شہویہ جو منہ اور شرمگاہ کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے ان دونوں قوتوں کی حفاظت کی ضمانت دیگا تو اس کو جنت کی ضمانت ملے گی۔ [۵]

زبان کو قابو میں رکھنا بہت ضروری ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ لَا يُلْقِيْ لَهَا بَالًا يَرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَاتٍ وَاِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ لَا يُلْقِيْ

[۱] حجرات ۱۲ [۲] حجرات ۱۱ [۳] اخرجه البخاری ۸/۱۲۵ [۴] المرقات ۸/۵۱۰ [۵] المرقات ۸/۵۱۰

لَهَا بَالًا يَهْوِىْ بِهَا فِىْ جَهَنَّمَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ وَفِىْ رِوَايَةٍ لَهُمَا يَهْوِىْ بِهَا فِى النَّارِ أَبْعَدَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ) ؎۱

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ جب بندہ اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نکالتا ہے جس میں حق تعالیٰ کی خوشنودی ہوتی ہے تو اگر چہ وہ بندہ اس بات کی اہمیت کو نہیں جانتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے درجات بلند کر دیتا ہے اسی طرح جب بندہ کوئی ایسی بات زبان سے نکالتا ہے جو حق تعالیٰ کی ناخوشی کا ذریعہ بن جاتی ہے تو اگر چہ وہ بندہ اس بات کی اہمیت کو نہیں جانتا (یعنی وہ اس بات کو بہت معمولی سمجھتا ہے اور اس کو زبان سے نکالنے میں کوئی مضایقہ نہیں سمجھتا) لیکن (حقیقت میں وہ بات نتیجے کے اعتبار سے اتنی ہیبت ناک ہوتی ہے کہ) وہ بندہ اس کے سبب سے دوزخ میں گر پڑتا ہے۔ (بخاری) اور بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ اس کے سبب سے دوزخ میں اتنی دور گرتا ہے جو مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلہ سے بھی زیادہ ہے۔

توضیح: "لا یلقی لھا بالا" یعنی اس شخص نے زبان سے جو بات کہی ہے اس کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی اور نہ وہ اس کو کوئی اہم سمجھتا ہے اور نہ دل و دماغ میں اس کی کوئی پرواہ رکھتا ہے لیکن اس کے دوررس اثرات پڑتے ہیں اور اس کلمہ کی وجہ سے انسان کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی اچھی یا بری بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے خواہ وہ بات بالکل معمولی سی کیوں نہ ہو بہر حال زبان کی نگرانی ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک طرف سے نیکی کر رہا ہو اور دوسری طرف سے اس کو ضائع کر رہا ہو اور اس کہاوت کا مصداق بن رہا ہو "نیکی کر کنوئیں میں پھینک" اس حدیث سے ہمیں یہ تعلیم مل رہی ہے کہ زبان کو قابو میں رکھنا بہت ضروری ہے۔ ؎۲

کسی مسلمان کو گالی دینا بڑا جرم ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) ؎۳

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان کو برا کہنا فسق ہے اور کسی مسلمان کا مار ڈالنا کفر ہے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "وقتالہ کفر" یعنی مسلمان کے ساتھ لڑنا یا اس کو قتل کرنا کفر ہے اب سوال یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے آدمی کافر نہیں ہوتا یہاں اس کو کافر کیسے قرار دیا گیا؟ اس سے تو خوارج اور معتزلہ کا مسلک ثابت ہو رہا ہے۔

؎۱ اخرجہ البخاری: ۸/۱۲۵ ؎۲ المرقات ۸/۵۶۹ ؎۳ اخرجہ البخاری ۱/۱۹ و مسلم ۱/۳۵

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب اور اس میں تاویل یہ ہے کہ جو شخص مسلمان کے قتل وقتال کو حلال اور جائز سمجھتا ہے یہ کفر ہے کیونکہ اس نے حرام کو حلال قرار دیا جو کفر ہے حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے اتنا بڑا گناہ کیا کہ گویا وہ کفر کی حد پر آ گیا جس سے اس شخص کے ایمان کا کمال ختم ہو گیا تو کمال ایمان کی نفی ہے خالص کافر نہیں ہوا ہے اس طرح کلام تشدید وتغلیظ اور تہدید وتوبیخ پر حمل کیا جاتا ہے۔[۱]

کسی مسلمان کی طرف کفر یا فسق کی نسبت نہ کرو

﴿۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِاَخِيْهِ كَافِرٌ فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو ان دونوں میں سے ایک پر کفر لوٹ گیا یعنی یا تو کہنے والا خود کافر ہو گیا یا وہ شخص کہ جس کو اس نے کافر کہا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "فقد باء بها احدهما" یعنی ایک مسلمان نے کسی مسلمان بھائی کو کہا تم کافر ہو اب یہ کلمہ کسی ایک پر صادق آئے گا اور ان دونوں میں سے ایک شخص ضرور اس کفریہ کلمہ کے ساتھ لوٹ کر آئے گا اب دو ہی صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ جس کو کافر کہا گیا ہے اگر وہ واقعی کافر ہے تو یہ کلمہ اس پر جا کر لگ جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر وہ کافر نہیں ہے تو یہ کلمہ لوٹ کر کہنے والے پر آئیگا اب وہ خود کافر بنے گا۔

اس حدیث کے ظاہر کو دیکھ کر علماء اس حدیث کے سمجھنے کو مشکل ترین احادیث میں شمار کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے اہل سنت کے نزدیک آدمی کافر نہیں بنتا ہے حالانکہ یہاں اس کو کافر کہا گیا ہے؟ علما نے اس کی کئی توجیہات بیان فرمائی ہیں۔

پہلی توجیہ یہ ہے کہ کافر کہنے والا شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مسلمان کو کافر کہنا حلال اور جائز ہے تو ظاہر ہے کہ جو شخص اسلام کو کفر بتاتا ہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ جس شخص کو کافر کہا گیا ہے یہ اگر چہ بڑا گناہ تھا لیکن اس نے خود اقرار کیا کہ ہاں تم نے مجھے جو کافر کہا ہے ٹھیک ہے میں کافر ہوں تو اس اقرار کی وجہ سے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اس طرح کفر کا یہ کلمہ اس پر لوٹ کر آ گیا اور یہ کافر ہو گیا۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلوب ومقصود یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کافر نہ کہے یہ ممنوع ہے اگر کوئی اس طرح کہتا ہے تو پھر دیکھا جائیگا کہ اگر سامنے والا کافر ہے تو ٹھیک ہے بات ختم ہو گئی لیکن اگر سامنے والا کافر نہیں ہے تو اس کہنے والے کا گناہ اتنا بڑا ہے کہ گویا یہ کافر ہو گیا یہ تشدید وتہدید اور تغلیظ وتوبیخ پر محمول ہے۔[۳]

[۱] المرقات ۸/۵۶۱،۵۶۲ [۲] اخرجه البخاری ۸/۳۲ ومسلم ۱/۴۴ [۳] المرقات ۸/۵۶۲،۵۶۳

﴿۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْمِيْ رَجُلٌ رَجُلاً بِالْفُسُوْقِ وَلَا يَرْمِيْهِ بِالْكُفْرِ اِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ اِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهٗ كَذَالِكَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص کسی آدمی کو فاسق نہ کہے اور نہ اس پر کفر کی تہمت لگائے کیونکہ اگر وہ آدمی فسق یا کفر کا حامل نہیں ہے تو اس کا کہا ہوا اسی کی طرف لوٹ جائیگا۔ (بخاری)

کسی مسلمان شخص کو دشمن خدا نہ کہو

﴿۶﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعَا رَجُلاً بِالْكُفْرِ اَوْ قَالَ عَدُوَّ اللّٰهِ وَلَيْسَ كَذَالِكَ اِلَّا حَارَ عَلَيْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کو کافر کہہ کر پکارے یا کسی کو خدا کا دشمن کہے اور وہ واقعۃً ایسا نہ ہو تو اس کا کہا ہوا خود اس پر لوٹ پڑتا ہے یعنی کہنے والا خود کافر یا خدا کا دشمن ہو جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

گالی گلوچ کا سارا گناہ ابتدا کرنیوالے پر ہوتا ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ اَنَسٍ وَاَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْتَبَّانِ مَاقَالَا فَعَلَى الْبَادِيْ مَالَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر دو شخص آپس میں گالم گلوچ کریں تو ان کی ساری گالم گلوچ کا گناہ اس شخص پر ہوگا جس نے پہل کی ہے جب تک کہ مظلوم تجاوز نہ کرے۔ (مسلم)

توضیح: "مالم یعتد المظلوم" اعتداء تجاوز اور حد سے بڑھنے کو کہا جاتا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گالی دینے میں جس نے پہل کی سارا گناہ اس کے ذمہ پر ہے پہل کرنے والا ظالم ہے لہٰذا مظلوم اگر صرف جواب دیتا ہے تو جواب دینے کی حد تک اس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ ہاں اگر مظلوم نے پلٹ کر ظالم سے دو قدم آگے نکل جانے کی کوشش کی اور گالی دینے میں تجاوز کر کے حد سے بڑھ گیا تو اب یہ مظلوم خود ظالم بن گیا اور پہل کرنے والا مظلوم بنا تاہم گالی دینے میں پہل کی وجہ سے وہ بھی اس جرم میں شریک رہیگا۔[4]

[1] اخرجه البخاری ۸/۱۸　[2] اخرجه البخاری ۴/۲۱۹ ومسلم ۱/۳۵　[3] اخرجه مسلم ۲/۴۴۲　[4] المرقات ۸/۵۶۴

اچھے لوگ کسی پر لعنت نہیں بھیجا کرتے ہیں

﴿۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَنْبَغِیْ لِصِدِّیْقٍ اَنْ یَّکُوْنَ لَعَّانًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدیق کے لئے یہ جائز (مناسب) نہیں ہے کہ وہ بہت زیادہ لعنت کرنے والا ہو۔ (مسلم)

توضیح: "الصدیق" جس شخص کے قول وفعل میں تضاد نہ ہو اور نبی کے قول کو دلیل وحجت کے بغیر مان لے وہ صدیق کہلاتا ہے نبی کے بعد صدیق کا درجہ ہوتا ہے زیر بحث حدیث میں بتایا گیا کہ صدیق کی شایان شان نہیں کہ وہ لوگوں پر لعنتیں بھیجا کریں کیونکہ لعنت کا ایک مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ! اس شخص کو اپنی رحمت سے دور کر دو، اس طرح بددعا کرنا بہت ہی نامناسب اور بڑا بخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت سے ایک شخص کو نکالنے کی کوشش کر رہا ہے حالانکہ اس کو چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں لانے کی دعا کرتا۔

لعنت کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ لعنت بھیجنے والا خبر دے رہا ہے کہ فلاں شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے خارج ہو چکا ہے یہ بھی بڑا جرم ہے کیونکہ یہ شخص غیب کی بات کر رہا ہے اس کو کیا معلوم کہ فلاں شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے خارج ہو گیا ہے ہاں اگر کوئی شخص کفر پر مرا ہے تو اس پر لعنت ارسال کرنا جائز ہے مگر فرض اور ضروری وہ بھی نہیں ہے۔ [۲]

لعنت کی دوقسمیں:

"لعانا" لعنت کی دوقسمیں ہیں ایک قسم کفار کے ساتھ خاص ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکل نکل جائے اور رحمت سے دور ہو جائے اور رحمت سے بالکل مایوس ہو جائے اس مفہوم کی لعنت کا تعلق صرف کفار سے ہے اس طرح لعنت کسی مسلمان پر بھیجنا حرام ہے۔

لعنت کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً اللہ تعالیٰ کی رضا سے دور ہو جائے اس کے قرب سے دور ہو جائے اس طرح لعنت کی نسبت اور اس کی بددعا اس مسلمان کے لئے ہو سکتی ہے جو کسی نامناسب کام کا ارتکاب کرتا ہے۔

صحابہ کرام یا علماء و اولیاء کے کلام میں اگر لعنت کا ذکر آیا ہے تو اس سے لعنت کی یہی قسم مراد ہے علماء نے لکھا ہے کہ مرنے کے بعد کسی پر لعنت بھیجنا اس کے کفر پر متفرع ہے اگر وہ یقینی طور پر کفر پر مرا ہے تو لعنت بھیجنا ممکن اور جائز ہے اگرچہ فرض وضروری نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کی موت یقینی طور پر کفر پر نہیں آئی تو اس پر مرنے کے بعد لعنت نہیں بھیجی جا سکتی یزید پر لعنت کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے جب اس کی موت کفر پر یقینی نہیں ہے تو لعنت بھی جائز نہیں ہے جمہور کا یہی مسلک ہے تفصیل آخر مشکوۃ میں آئے گی۔

---

[۱] اخرجہ مسلم ۲/۳۳۳ [۲] المرقات ۵۶۳،۵۶۵/۸

"لعانا" مبالغہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ کثیر اللعن نہ ہو تھوڑی بہت لعنت سے بچنا بہت مشکل ہے۔[1]

﴿۹﴾ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللَّعَّانِیْنَ لَایَکُوْنُوْنَ شُھَدَاءَ وَلَاشُفَعَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو لوگ بہت زیادہ لعنت کیا کرتے ہیں وہ قیامت کے دن نہ گواہ بنائے جائیں گے اور نہ شفاعت کر سکیں گے۔ (مسلم)

کسی کی طرف اُخروی ہلاکت کی نسبت نہ کرو

﴿۱۰﴾ وَعَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الرَّجُلُ ھَلَكَ النَّاسُ فَھُوَ اَھْلَكُھُمْ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ لوگ ہلاک ہوئے یعنی جہنم کی آگ کے مستوجب ہو گئے تو اس طرح کہنے والا سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے۔ (مسلم)

توضیح: "ھلك الناس" یعنی جس شخص نے کہا کہ سارے لوگ ہلاک ہو گئے تو در حقیقت وہ خود سب سے بڑھ کر ہلاک شدہ ہے۔ کیونکہ یہ شخص دوسروں کی عیب جوئی میں مشغول ہے اور اپنی بھلائیوں کو دیکھ رہا ہے اس طرح یہ خود پسندی اور پندار میں مبتلا ہے اور دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھ کر ایسا کہتا ہے لہٰذا یہ سب سے زیادہ ہلاک شدہ ہے کیونکہ اس کو دوسروں کی ہمدردی مقصود نہیں اور ان کی حال زار پر کوئی افسوس نہیں اور نہ کوئی غم اور خیر خواہی ہے صرف ان کو مایوس کرنا، ذلیل کرنا، حقیر سمجھنا مقصود ہے۔ ہاں اگر ان کی ہدایت کی فکر ہے، ان کی خیر خواہی مقصود ہے اور ان کی حالت زار پر افسوس کرنا مقصود ہے اور ایک درد کا اظہار ہے تو اس صورت میں اس طرح کہنا منع نہیں ہوگا۔[4]

دوغلی پالیسی اپنانے والا شخص بدترین انسان ہے

﴿۱۱﴾ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ذَا الْوَجْھَیْنِ الَّذِیْ یَأْتِیْ ھٰؤُلَاءِ بِوَجْہٍ وَھٰؤُلَاءِ بِوَجْہٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)[5]

[1] المرقات ۸/۵۶۵ [2] اخرجہ مسلم ۲/۳۲۳ [3] اخرجہ مسلم ۲/۳۲۲
[4] المرقات ۸/۵۶۶ [5] اخرجہ البخاری ۹/۸۹ ومسلم ۲/۳۲۷

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے بدتر شخص وہ ہوگا جو (فتنہ انگیزی کی خاطر) دومنہ رکھتا ہے یعنی منافق کی خاصیت وصفت رکھتا ہے کہ وہ ایک جماعت کے پاس آتا ہے تو کچھ کہتا ہے اور دوسری جماعت کے پاس آتا ہے تو کچھ کہتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "ذوالوجھین" دومنہ رکھنے والا شخص وہ ہوتا ہے جو حق وباطل کے اصول کو نظرانداز کرتا ہے اور لوگوں کے خیالات اور رجحانات پر چلتا ہے ہرایک کے مزاج کے مطابق باتیں بھگارتا ہے گویا وہ چڑھتے سورج کا پجاری ہے اور اس شعر کا مصداق ہے۔

معشوقِ من بشیوۂ ھر کس موافق اند ۔۔۔ باما شراب خورد و بزاھد نماز کرد

گویا اس منافق دومنہ والے کا کوئی عقیدہ اور نظریہ نہیں ہے بلکہ اگر ان سے کوئی پوچھے کہ "ما مذھبک؟" یعنی تیرا دین ومذہب کونسا ہے تو وہ جواب دیتا ہے "فی ای بلد؟" یعنی کس شہر کے مذہب کا پوچھتے ہو میں تو یہودیوں کے ہاں یہودی اور عیسائیوں کے ہاں عیسائی اور قادیانیوں کے ہاں قادیانی اور بریلویوں کے ہاں بریلوی اور دیوبندیوں کے ہاں دیوبندی سنیوں کے ہاں سنی اور شیعوں کے ہاں شیعہ بن جاتا ہوں۔ آپ کس جگہ کے بارے میں پوچھتے ہو؟ آج کل زیادہ تر اسی قسم کے لوگوں کا زور ہے اور اسی بے عزتی پر وہ فخر کرتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ایسے لوگوں کو بدترین خلائق قرار دیا اور انکو شرارتی وفسادی بتایا جائیگا۔[1]

﴿۱۲﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ نَمَّامٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا یعنی وہ نجات پائے ہوئے لوگوں کے ساتھ ابتداء میں جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک اور روایت میں قتات کے بجائے نمام کا لفظ ہے۔

توضیح: "قتات" فساد ڈالنے کی غرض سے ایک شخص کی بات دوسرے کے پاس لے جانے والے اور اُدھر کی بات اِدھر اور اِدھر کی بات اُدھر لانے والے شخص کو قتات اور نمام یعنی چغل خور کہتے ہیں۔ اگر یہ شخص چغلی کھانے کو حلال سمجھتا ہے تو یہ کافر ہوگیا تو جنت میں کبھی نہیں جائے گا اور اگر چغلی گناہ سمجھ کر کرتا ہے تو پھر سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائیگا حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ بغیر سزا کے جنت میں داخل نہیں ہوگا کسی نے خوب کہا ہے۔[3]

وھم نقلوا عنی الذی لم اقل بہ ۔۔۔ وما آفۃ الاخبار الا رواتھا

[1] المرقات ۸/۵۶۶ [2] اخرجہ البخاری ۸/۲۱ ومسلم ۱/۵۶ [3] المرقات ۸/۵۶۶

سچ بولنے اور جھوٹ سے بچنے کی تاکید

﴿۱۲﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ صِدِّيْقًا وَاِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِىْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ كَذَّابًا.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ اِنَّ الصِّدْقَ بِرٌّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْكِذْبَ فُجُوْرٌ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا سچ بولنے کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ (ہمیشہ اور پابندی کے ساتھ) سچ بولنا نیکوکاری کی طرف لیجاتا ہے (یعنی سچ بولنے کی خاصیت یہ ہے کہ نیکی کرنے کی توفیق ہوتی ہے) اور نیکوکاری (نیکوکار کو) جنت کے اعلیٰ درجات تک پہنچاتی ہے اور (یادرکھو) جو شخص ہمیشہ سچ بولتا ہے اور ہمیشہ سچ بولنے کی سعی کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے نیز تم اپنے آپ کو جھوٹ بولنے سے باز رکھو کیونکہ جھوٹ بولنا فسق وفجور کی طرف لیجاتا ہے (یعنی جھوٹ بولنے کی خاصیت یہ ہے کہ برائیوں اور بدعملیوں کے ارتکاب کی طرف رغبت ہوتی ہے) اور فسق وفجور (فاسق فاجر کو) دوزخ کی آگ میں دھکیلتا ہے اور (یادرکھو) جو شخص بہت جھوٹ بولتا ہے اور (زیادہ سے زیادہ) جھوٹ بولنے کی سعی کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب یعنی بڑا جھوٹا لکھا جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ سچ بولنا نیکی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور جھوٹ بولنا فسق وفجور ہے اور فسق وفجور، دوزخ کی آگ میں دھکیلتا ہے۔

توضیح: "یتحری" یعنی سچ بولنے کا خیال رکھتا ہے باتوں میں احتیاط کرتا ہے جھوٹ سے بچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں سچا لکھا جاتا ہے علیین اور فرشتوں کے دفاتر میں ان کا نام "صدیق" لکھا جاتا ہے اور اگر بات بات میں سچ بولنے کی بجائے جھوٹ بولتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے جھوٹ ہی کا خیال پکا تا رہتا ہے تو ایسے شخص کا نام اللہ تعالیٰ کے ہاں اور فرشتوں کے دفاتر میں "کذاب" لکھا جاتا ہے۔ انسان کے جسم کا اعتبار اور اس کا اعتماد دل اور زبان کی وجہ سے قائم رہتا ہے زبان اگر بے اعتبار ہوجائے تو انسان کا پورا جسم اور اسکی پوری زندگی لوگوں کی نظروں میں گرجاتی ہے دنیا بھی گئی آخرت بھی گئی کسی نے کہا ہے "الانسان باصغریه" یعنی انسان تو دو چھوٹے اعضاء دل اور زبان کی وجہ سے انسان ہے ایک شاعر کہتا ہے۔ [2]

لسان الفتی نصف ونصف فؤادہ فلم یبق الا صورۃ اللحم والدم

[1] اخرجه البخاری ۸/۳۰ ومسلم ۲/۳۳۸ [2] المرقات ۸/۵۶۷

مصلحت آمیز دروغ، جھوٹ کے زمرہ میں نہیں آتا

﴿۱۴﴾ وَعَنْ اُمِّ كُلْثُوْمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِيْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُوْلُ خَيْرًا وَيَنْمِي خَيْرًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ام کلثوم کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح وصفائی کراتا ہے بھلائی کی بات کہتا ہے اور (ایک دوسرے سے) اچھی باتیں پہنچاتا ہے (اگر چہ وہ صلح وصفائی کرانے اور اس بات کے کہنے اور پہنچانے میں جھوٹ سے کام لے)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "لیس الکذاب" دو مسلمانوں کا آپس میں مثلاً نزاع ہے یا بُعد ہے اور ایک تیسرا شخص اس فتنہ وفساد اور بغض وبُعد کو دور کرنے کے لئے خلاف واقعہ جھوٹی بات کرتا ہے مثلاً ایک سے کہتا ہے کہ بھائی وہ آدمی تو آپ کا بڑا خیر خواہ ہے وہ آپ کی تعریف کرتا رہتا ہے آپ سے محبت رکھتا ہے اور آپ کے بارے میں انکے بہت اچھے ارادے ہیں اسی طرح باتیں جا کر دوسرے سے کہتا ہے اس میں اگر چہ یہ جھوٹ بولتا ہے لیکن چونکہ یہ اصلاح بین الناس اور اخلاص پر مبنی ہے لہٰذا جھوٹ کی وعید سے خارج ہے اسی طرح میاں بیوی کے درمیان نفرت کو ختم کرنے کے لئے اس طرح باتیں کرنا جھوٹ کی وعید سے باہر ہے اسی طرح کسی کی جان بچانے کے لئے جھوٹ بولنا جائز بلکہ بعض دفعہ فرض ہو جاتا ہے مثلاً کوئی شخص کسی کے قتل کے لئے اسلحہ لیکر پیچھے دوڑ رہا ہے تو کسی نے کہا کہ بھائی اس راستہ سے وہ نہیں گیا ہے بلکہ فلاں راستہ سے گیا ہے اس طرح غلط بیانی جائز بلکہ ضروری ہے۔[2]

مبالغہ آمیز جھوٹی تعریف کرنے والے کی مذمت

﴿۱۵﴾ وَعَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمُ الْمَدَّاحِيْنَ فَاحْثُوْا فِيْ وُجُوْهِهِمُ التُّرَابَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت مقداد ابن اسود کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں خاک ڈال دو۔ (مسلم)

توضیح: "المداحین" یہ مداح کی جمع ہے مدح اور تعریف کرنے والے کو کہتے ہیں یہاں بے جا اور ریاکاری، مکاری، عیاری اور دنیاداری کی غرض سے جھوٹی تعریف کرنے والے لوگ مراد ہیں اس حدیث میں ہے کہ ایسے لوگوں کے منہ میں مٹی ڈال دو، اب مٹی ڈالنے سے کیا مراد ہے تو بعض شارحین کہتے ہیں کہ یہ کلام حقیقت پر مبنی ہے کہ واقعی مٹی اٹھا کر اس مداح

[1] اخرجه البخاري ۲/۲۴۰ ومسلم ۲/۳۲۸ [2] المرقات ۸/۵۶۸ [3] اخرجه مسلم ۲/۵۹۶

کے منہ میں ڈال دو۔ بعض نے کہا کہ اس کلام میں مجاز ہے مطلب یہ ہے کہ اس مداح کو کچھ نہ کچھ دیدو کیونکہ نہ دینے کی صورت میں وہ تمہاری مذمت کریگا یا مطلب یہ ہے کہ اس کو کچھ نہ دو خاک دو تا کہ پھر آ کر تمہاری بے جا تعریف نہ کرے۔[۱]

منہ پر کسی کی تعریف بہت مذموم ہے

﴿۱۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ قَالَ اَثْنٰی رَجُلٌ عَلٰی رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَیْلَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ اَخِیْكَ ثَلَاثًا مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَادِحًا لَا مَحَالَةَ فَلْیَقُلْ اَحْسِبُ فُلَانًا وَاللّٰهُ حَسِیْبُهٗ اِنْ كَانَ یُرٰی اَنَّهٗ كَذٰلِكَ وَلَا یُزَكِّیْ عَلَی اللّٰهِ اَحَدًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ[۲])

ترجمہ: اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک شخص نے ایک آدمی کی (مبالغہ آمیزی کے ساتھ) تعریف کرنا شروع کی (اور وہ شخص بھی کہ جس کی وہ تعریف کررہا تھا وہاں موجود تھا) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ افسوس ہے تم پر، تم نے تو اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی آپ نے یہ الفاظ تین بار دہرائے (اور پھر یہ فرمایا کہ) اگر تم میں سے کوئی شخص کسی کی تعریف کرنا ہی ضروری سمجھے تو اس کو چاہئے کہ (مثلاً) یوں کہے کہ میں فلاں شخص کے بارے میں یہ گمان رکھتا ہوں (کہ وہ ایک نیک آدمی ہے) جب کہ اس شخص کی حقیقی حالت سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے اور وہی ان کے اعمال کا حساب لینے والا ہے نیز اگر تعریف کرنے والا یہ گمان رکھتا ہے کہ اس نے جس شخص کی تعریف کی ہے وہ واقعۃً ایسا ہی ہے تو اس صورت میں بھی وہ خدا کی طرف سے کسی شخص پر جزم ویقین کے ساتھ حکم نہ لگائے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "قطعت عنق اخیك" یعنی منہ پر تعریف کر کے تم نے اس شخص کی گردن کاٹ دی کیونکہ تیری اس تعریف سے یہ شخص عجب اور تکبر میں مبتلا ہو جائے گا جو اس کی آخرت کے لئے تباہ کن ہے۔[۳]

تعریف کی قسمیں:

کسی شخص کی تعریف کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ منہ پر کسی کی تعریف ہو یہ ناجائز ہے اور اس حدیث کا پہلا مصداق یہی صورت ہے۔ تعریف کی دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ تعریف منہ پر نہ ہو بلکہ پس پشت ہو لیکن اس انداز سے ہو کہ تعریف کرنے والے کو یقین ہے کہ یہ تعریف اس شخص تک پہنچ جائے گی یہ صورت بھی پہلی صورت کی طرح ناجائز ہے۔

تعریف کی تیسری صورت یہ ہے کہ پس پشت ایک شخص نے دوسرے کی تعریف کی اور یہ مقصد بالکل نہیں کہ یہ تعریف اس شخص تک پہنچ جائے گی جس کی تعریف کی ہے اور وہ اس تعریف سے خوش ہو جائے گا اس کا مطلق ارادہ نہ ہو تعریف کی یہ صورت جائز ہے لیکن اس کے لئے یہ شرط ہے کہ جس کی تعریف ہو رہی ہے وہ شخص اس تعریف کا مستحق ہو بے جا تعریف نہ ہو۔

[۱] المرقات ۸/۵۶۹ [۲] اخرجه البخاری ۳/۲۳۱ ومسلم ۲/۳۹۶ [۳] المرقات ۸/۵۷۰

مورخہ ۴ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

غیبت کی تعریف اور تفصیل

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَدْرُوْنَ مَا الْغِيْبَةُ قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيْلَ أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِيْ أَخِيْ مَا أَقُوْلُ قَالَ إِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ إِذَا قُلْتَ لِأَخِيْكَ مَا فِيْهِ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَإِذَا قُلْتَ مَا لَيْسَ فِيْهِ فَقَدْ بَهَتَّهٗ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کس کو کہتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا غیبت یہ ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی کا ذکر اس طرح کرو جس کو وہ (اگر سنے تو) ناپسند کرے بعض صحابہ نے (یہ سنکر) عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ بتایئے کہ اگر میرے اس بھائی میں (کہ جس کا میں نے برائی کے ساتھ ذکر کیا ہے) وہ عیب موجود ہو جو میں نے بیان کیا ہے تو کیا جب بھی غیبت ہوگی یعنی میں نے ایک شخص کے بارے میں اس کے پیٹھ پیچھے یہ ذکر کیا کہ اس میں فلاں برائی ہے جبکہ اس میں واقعۃً وہ برائی ہے اور میں نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل سچ ہے اور ظاہر ہے کہ اگر وہ شخص اپنے بارے میں میرے اس طرح ذکر کرنے کو سنے تو یقیناً ناخوش ہوگا تو کیا میرا اس کی طرف کسی ایسی برائی کو منسوب کرنا جو درحقیقت اس میں ہے غیبت کہلائے گا؟ آپ نے فرمایا تم نے اس کی جس برائی کا ذکر کیا ہے اگر وہ واقعی اس میں موجود ہے تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ برائی موجود نہیں ہے جس کو تم نے ذکر کیا ہے تو تم نے اس پر بہتان لگایا یعنی یہی تو غیبت ہے کہ تم کسی کا کوئی عیب اس کے پیٹھ پیچھے بالکل سچ بیان کرو اور اگر تم اس کے عیب کو بیان کرنے میں سچے نہیں ہو کہ تم نے اس کی طرف جس عیب کی نسبت کی ہے وہ اس میں موجود نہیں ہے تو یہ افتراء اور بہتان ہے جو بذات خود ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ (مسلم) اور مسلم ہی کی ایک اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (آپ نے فرمایا) اگر تم نے اپنے کسی (مسلمان) بھائی کی وہ برائی بیان کی جو واقعی اس میں موجود ہے تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر تم نے اس کی طرف ایسی برائی کی نسبت کی جو اس میں موجود نہیں ہے تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔

توضیح: "ذکرك اخاك" یہ غیبت کی تعریف ہے جو خود حدیث میں مذکور ہے یہ ناجائز اور حرام ہے البتہ تین قسم کے لوگوں کی غیبت جائز ہے۔ ان میں اول فاسق مجاہر ہے اسکی غیبت اس نیت سے جائز ہے کہ لوگ اسکی شرارت وخباثت سے محفوظ رہیں۔

دوم ظالم حاکم کی غیبت جائز ہے قرآن میں ہے ﴿لا یحب الله الجهر بالسوء من القول الا من ظلم﴾[2]

سوم وہ بدعتی ہے جس کی بدعت متعدی ہو رہی ہو اور غیبت کرنے والے کی غیبت سے فائدہ بھی ہو رہا ہو اور وہ اصلاح کی نیت سے غیبت کر رہا ہو یا بچاؤ کے ارادہ سے کر رہا ہو اگر یہ فوائد وشرائط نہ ہوں تو بدعتی کی غیبت برائے غیبت جائز نہیں۔

[1] اخرجه مسلم ۲/۳۲۲ [2] سباء ۱۴۸

لوگوں میں فحش گو بدترین شخص ہے

﴿۱۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَجُلًا اِسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِئْذَنُوْا لَهُ فَبِئْسَ اَخُو الْعَشِيْرَةِ فَلَمَّا جَلَسَ تَطَلَّقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَجْهِهٖ وَانْبَسَطَ اِلَيْهِ فَلَمَّا انْطَلَقَ الرَّجُلُ قَالَتْ عَائِشَةُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْتَ لَهُ كَذَا وَكَذَا ثُمَّ تَطَلَّقْتَ فِيْ وَجْهِهٖ وَانْبَسَطْتَ اِلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَتٰى عَاهَدْتِنِيْ فَحَّاشًا اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اِتِّقَاءَ شَرِّهٖ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِتِّقَاءَ فُحْشِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ (ایک دن) ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ اس کو آنے دو، وہ اپنی قوم کا برا آدمی ہے پھر جب وہ شخص آکر بیٹھا تو آپ نے اس سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کی اور مسکرا مسکرا کر اس سے باتیں کرتے رہے جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ نے تو اس شخص کے بارے میں ایسا ایسا کہا تھا (یعنی یہ فرمایا تھا کہ وہ شخص اپنی قوم کا برا آدمی ہے) مگر آپ نے اس سے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات فرمائی اور مسکرا مسکرا کر اس سے باتیں کرتے رہے آپ نے فرمایا تم نے مجھ کو فحش گو کب پایا؟ (یاد رکھو) قیامت کے دن خدا کے نزدیک درجہ کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے بدتر شخص وہ ہوگا جس کو لوگ اس کی برائی کے ڈر سے چھوڑ دیں اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جس کی فحش گوئی سے ڈر کر (لوگ اس سے اجتناب کریں)۔
(بخاری ومسلم)

توضیح: "بئس" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فاسق مجاہر کی شرارت وخباثت سے بچاؤ کی غرض سے اس کی شرارت کا تذکرہ جائز ہے اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ایسے شخص کی شرارت سے بچنے کے لئے اس کے منہ پر بری بات کے بجائے اچھی بات کی جائے۔

ہاں روحانی اعتبار سے ایسا شخص کتنا گرا ہوا ہوتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے اس کی اصلاح کی بات بھی نہیں کر سکتے یہ شخص عیینہ بن حصن فزاری تھا بعد میں مرتد ہوگیا تھا پھر مرتدین کی جنگوں میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فوج نے اس کو گرفتار کیا پھر یہ شخص مسلمان ہوگیا اور پھر مرگیا۔[2]

گناہ کر کے اس کا چرچا کرنا بہت بڑی قباحت ہے

﴿۱۹﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ اُمَّتِيْ مُعَافًا اِلَّا الْمُجَاهِرُوْنَ

[1] اخرجه البخاری ۸/۱۵ ومسلم ۴/۲۲ [2] المرقات ۸/۵۶۳

وَاِنَّ مِنَ الْمَجَانَةِ اَنْ يَّعْمَلَ الرَّجُلُ بِاللَّيْلِ عَمَلًا ثُمَّ يُصْبِحُ وَقَدْ سَتَرَهُ اللهُ فَيَقُوْلُ يَافُلَانُ عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَ كَذَا وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللهِ عَنْهُ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ فِيْ بَابِ الضِّيَافَةِ) [۱]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میری امت پوری عافیت میں ہے علاوہ ان لوگوں کے جو اپنے عیوب اور گناہ کو ظاہر کرتے ہیں (یعنی میری امت کے وہ سارے گناہگار جو ایمان کی حالت میں مریں اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب میں مبتلا نہیں ہوں گے البتہ وہ لوگ یقیناً سخت ترین عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے جو نہ صرف گناہ کرتے ہیں بلکہ اپنے گناہ کو دنیا والوں پر ظاہر بھی کرتے پھرتے ہیں) بلاشبہ یہ بات بڑی بے پروائی کی ہے کہ کوئی شخص رات میں کوئی برا کام کرے اور پھر صبح ہونے پر جب کہ اللہ تعالیٰ نے (اس کے اس برے کام کو) چھپالیا تھا (یا اس کی بدعملی پر اسی رات میں اس کو عذاب میں مبتلا نہیں کیا یہاں تک کہ وہ دن ہونے تک ٹھیک ٹھاک رہا) تو وہ لوگوں سے یہ کہتا پھرے کہ اے فلاں شخص میں نے آج رات میں ایسا ایسا (یعنی فلاں برا کام) کیا ہے حالانکہ اس کے پروردگار نے تو رات میں اس کے گناہ کی پردہ پوشی کی تھی اور اس نے صبح ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کے پردہ کو چاک کردیا۔ (بخاری ومسلم) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت **"من کان یؤمن باللہ" باب الضیافۃ** میں نقل کی جاچکی ہے۔

توضیح: "معافی" باب مفاعلہ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے عافیت اور سلامتی کے معنی میں ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

"کل امتی لایؤاخذون ولایعاقبون عقاباشدیدا الا المجاھرون"

یعنی میری امت کے تمام افراد کو گناہوں پر اتنا سخت مواخذہ اور سخت عذاب وعقاب نہیں ہوگا جتنا کہ مجاہرین اور کھل کر گناہ کرنے والوں کو ہوگا۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے اس حدیث کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ فرما رہے ہیں کہ میری امت کے تمام لوگ غیبت سے محفوظ مامون ہیں ان کی غیبت جائز نہیں مگر جو لوگ کھل کر گناہ کرتے ہیں ان کی غیبت جائز ہے کیونکہ فاسق مجاہر کی غیبت غیبت نہیں ہے۔

ملا علی قاری نے اس مطلب پر رد فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ اس حدیث کو غیبت کے ساتھ خاص کرنا سیاق وسباق کے منافی ہے لہٰذا اس کو عام گناہوں کے لئے عام کرنا چاہئے کہ عام گناہوں کا اتنا سخت مؤاخذہ نہیں ہے جتنا کہ کھل کر گناہ کرنے پر مؤاخذہ ہوتا ہے واللہ اعلم۔ [۲]

"وان من المجانۃ" یعنی یہ جنون اور بے شرمی وبے حیائی ہے کہ آدمی پوشیدہ گناہ رات کے وقت کرتا ہے اور دن

[۱] اخرجه البخاري ۸/۲۲ ومسلم ۲/۵۹۶ [۲] المرقات ۸/۵۷۵ ۱۰ الكاشف ۱۲۵۱۹

کوڈھنڈورا پیٹتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں گناہ کیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ستر اور پردہ ڈالا تھا اس سے پہلے لکھا جاچکا ہے کہ تین قسم کے لوگوں کی غیبت جائز ہے ایک ظالم حکمران دوسرا استعدی مفسد بدعتی تیسرا فاسق مجاہر اس حدیث میں اسی فاسق مجاہر کا بیان کیا گیا ہے۔[1]

الفصل الثانی

تین قسم قربانی دینے والوں کے جنت میں درجات

﴿۲۰﴾ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْكِذْبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهٗ فِيْ رَبَضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهٗ فِيْ وَسَطِ الْجَنَّةِ وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهٗ بُنِيَ لَهٗ فِيْ اَعْلَاهَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ وَكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَفِي الْمَصَابِيْحِ قَالَ غَرِيْبٌ)[2]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص جھوٹ بولنا چھوڑ دے اور وہ (جھوٹ) ناحق وناروا ہو تو اس کے لئے جنت کے کنارے پر محل بنایا جاتا ہے اور جو شخص جھگڑے اور بحث وتکرار چھوڑ دے باوجودیکہ وہ حق پر ہو تو اس کے لئے جنت کے وسط میں محل بنایا جاتا ہے اور جس شخص کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کے لئے جنت کی بلند جگہ پر محل بنایا جاتا ہے اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اسی طرح کی روایت شرح السنۃ اور مصابیح میں منقول ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "الکذب" اس حدیث میں تین قسم لوگوں کو جنت میں مختلف درجات اور مقامات دینے کی بشارت سنائی گئی ہے۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جو جھوٹ بولنے کو ترک کردیں "**وھو باطل**" یعنی وہ جھوٹ حقیقت میں جرم ہو اس طرح جھوٹ نہ ہو جو فی الجملہ جائز ہو جیسے اصلاح بین الناس یا میدان جہاد وغیرہ میں اس کی اجازت ہوتی ہے اسی احتراز کے لئے یہ قید لگائی ہے دوسری قسم وہ لوگ ہیں جو بطور تواضع اور شرافت نفس کی بنیاد پر شر وفساد اور جھگڑے ونزاع سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں باوجودیکہ ان کا دنیوی حق بنتا ہے مگر وہ اپنا حق چھوڑ کر دفع شر کی غرض سے جھگڑے سے دست بردار ہوجاتے ہیں اور تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو اپنے اخلاق کو نہایت شائستہ اور اچھا رکھتے ہیں۔

پہلی قسم کے لوگوں کا انعام "**ربض الجنة**" ہے یعنی جنت کے اندرونی حصہ کے ادنیٰ کنارہ پر ان کے لئے محل تیار کیا جائیگا۔ دوسری قسم لوگوں کا انعام "**وسط الجنة**" ہے جو ان سے اعلیٰ وافضل ہے کیونکہ جنت کے کنارے میں نہیں بلکہ جنت کے درمیان مرکزی مقام میں ان کا محل بنایا جائے گا۔

تیسری قسم لوگوں کا انعام "**اعلى الجنة**" ہے یعنی جنت کے بالاخانوں میں بلندیوں پر ان کا محل بنایا جائے گا۔ یہ لوگ

[1] المرقات ۸/۵۷۷ [2] اخرجه الترمذی ۴/۳۵۸

سب سے اعلیٰ ہونگے کیونکہ ان کا کارنامہ بڑا ہے کیونکہ جھوٹ ترک کرنا اور جھگڑے سے دست بردار ہونا سب اچھے اخلاق کے نتائج میں سے ہیں۔[۱]

جنت اور دوزخ لے جانے والی چیزیں

﴿۲۱﴾وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَدْرُوْنَ مَا اَكْثَرُ مَا یُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ تَقْوَی اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ اَتَدْرُوْنَ مَا اَكْثَرُ مَا یُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ اَلْاَجْوَفَانِ الْفَمُ وَالْفَرْجُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو لوگوں کو عام طور پر کونسی چیز جنت میں داخل کرتی ہے؟ وہ تقویٰ یعنی اللہ سے ڈرنا اور حسن خلق ہے اور جانتے ہو لوگوں کو عام طور پر کونسی چیز دوزخ میں لے جاتی ہیں؟ وہ دو کھوکھلی چیزیں ہیں یعنی منہ اور شرمگاہ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: "اَلْاَجْوَفَان" یہ جوف کا تثنیہ ہے جوف سے مراد کھوکھلی چیز ہے انسانی جسم میں ایک منہ اور دوسری شرمگاہ کھوکھلی چیزیں ہیں اور یہی چیزیں تمام برائیوں کی جڑیں ہیں ایک کا تعلق **شهوة البطن** سے ہے اور دوسرے کا تعلق **شهوة الفرج** سے ہے۔ دوزخ کے تمام اسباب پر اگر نظر دوڑائی جائے تو راستے میں یہی دو چیزیں آئیں گی۔[۳]

زبان یا جنت کی کنجی ہے یا دوزخ کی کنجی ہے

﴿۲۲﴾وَعَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الْخَیْرِ مَا یَعْلَمُ مَبْلَغَهَا یَكْتُبُ اللّٰهُ لَهٗ بِهَا رِضْوَانَهٗ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَاهُ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الشَّرِّ مَا یَعْلَمُ مَبْلَغَهَا یَكْتُبُ اللّٰهُ بِهَا عَلَیْهِ سَخَطَهٗ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَاهُ.

(رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوٰی مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت بلال ابن حارث کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کوئی کلمہ خیر اپنی زبان سے نکالتا ہے درآنحالیکہ وہ اس کی قدر و منزلت سے آگاہ نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اسی کلمۂ خیر کے سبب سے اس کے حق میں اس دن تک کے لئے اپنی خوشنودی کو ثابت کر دیتا ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرلے، اسی طرح کوئی انسان کلمۂ شر اپنی زبان سے نکالتا ہے وہ اس کی قدر و منزلت کو نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ اس کلمۂ شر کے سبب سے اس کے حق میں اس دن تک کے لئے اپنی خفگی ثابت کر دیتا ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرلے۔ (شرح السنہ) اور امام مالک، ترمذی، اور ابن ماجہ نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔

[۱] المرقات ۸/۵۷۶،۵۷۷ [۲] اخرجه الترمذی ۴/۳۶۲ وابن ماجه ۲/۱۴۱۸ [۳] المرقات ۸/۵۷۸ [۴] اخرجه مالك والترمذی ۴/۵۵۹

توضیح: "باالکلمۃ من الخیر" یعنی انسان زبان سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی کوئی بات نکالتا ہے اس کو خود اس بات کی کوئی اہمیت معلوم نہیں ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شخص کو اس کلمہ کی وجہ سے دنیا میں ایسی خوشنودی حاصل ہوجاتی ہے کہ یہ خوشنودی عالم برزخ اور قبر میں ساتھ رہتی ہے پھر قبر سے اٹھ کر میدان محشر میں ساتھ رہتی ہے پھر پل صراط سے گزر کر جنت میں ساتھ رہتی ہے اور پھر جنت میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے ملاقات کے وقت تک یہ خوشنودی ساتھ رہتی ہے اسی طرح شر کا کلمہ ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتا ہے اور پھر وہ غضب اسی طرح قبر و برزخ اور پھر محشر و دوزخ میں ساتھ رہتا ہے۔

علما نے یہ بھی لکھا ہے کہ کلمۃ الخیر سے ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق بلند کرنا مراد ہے اور کلمۃ الشر سے ظالم بادشاہ کے سامنے اس کی تعریف اور تائید و توثیق مراد ہے تاہم حدیث کا مفہوم عام ہے اس کو اسی طرح عام رکھنا چاہئے خاص نہیں کرنا چاہئے۔[۱]

جھوٹے قصوں اور لطیفوں سے لوگوں کو ہنسانے والے کے لئے وعید

﴿۲۳﴾ وَعَنْ بَهْزِبْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِمَنْ يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَهٗ وَيْلٌ لَهٗ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)[۲]

ترجمہ: بہز ابن حکیم اپنے والد (حکیم ابن معاویہ) سے اور وہ بہز کے دادا حضرت معاویہ ابن عبدہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا افسوس اس شخص پر جو بات کرے تو جھوٹ بولے تا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو ہنسائے افسوس اس شخص پر افسوس اس شخص پر۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

توضیح: "ویل" یعنی ایسے شخص کے لئے ہلاکت ہے یا دوزخ کے اندر سب سے نیچے طبقہ ہے۔ اس حدیث کے مصداق وہ لوگ ہیں جو جھوٹے قصے کہانیاں اور جھوٹے قبیح لطیفے بیان کر کے لوگوں کو ہنساتے ہیں یا ایسے لطیفے اور قصے سناتے ہیں جس سے العیاذ باللہ شریعت کے کسی حکم کی توہین ہوتی ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض مسخرے قسم کے لوگ عام لوگوں کے ہنسانے کے لئے زبان سے کلمہ کفر بھی نکالتے ہیں اگر قصوں اور لطیفوں میں ظرافت ہو اور اس میں خوش طبعی کے اسباب ہوں اور کسی مکروہ یا حرام کا اس میں دخل نہ ہو تو ایسے لطیفے سننا سنانا جائز ہے۔[۳]

مسخرے پن اور زبان کی لغزش سے بچو

﴿۲۴﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَقُوْلُ الْكَلِمَةَ لَا يَقُوْلُهَا اِلَّا لِيُضْحِكَ بِهِ النَّاسَ يَهْوِيْ بِهَا اَبْعَدَ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَاِنَّهٗ لَيَزِلُّ عَنْ لِسَانِهٖ

[۱] المرقات: ۸/۵۷۹ [۲] اخرجه احمد: ۵/۲ والترمذی: ۴/۵۵۷ وابوداؤد: ۴/۲۹۹ [۳] المرقات: ۸/۵۸۰

أَشَدَّ مِمَّا يَزِلُّ عَنْ قَدَمِهِ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ جب بندہ ایک بات کہتا ہے اور صرف اس لئے کہتا ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو ہنسائے تو وہ اس بات کی وجہ سے (دوزخ میں) جا گرتا ہے اور اتنی دوری سے گرتا ہے جو زمین و آسمان کے درمیانی فاصلہ سے بھی زیادہ ہوتی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بندہ اپنے قدموں کے ذریعہ پھسلنے سے زیادہ اپنی زبان کے ذریعہ پھسلتا ہے۔ (بیہقی)

ایک چپ لاکھ بلا ٹالتی ہے

﴿۲۵﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَمَتَ نَجَا.
(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خاموش رہا اس نے نجات پائی۔
(احمد، ترمذی، دارمی، بیہقی)

توضیح: "من صمت نجا" زبان کے استعمال کے ساتھ بلائیں لگی ہوئی ہیں چنانچہ انسان جن دنیوی یا اُخروی بلاؤں میں مبتلا ہوتا ہے ان تمام بلاؤں کا تعلق بالواسطہ یا بغیر واسطہ انسان کی زبان سے ہے اسی لئے جو شخص زبان کی لغزشوں سے محفوظ ہو گیا وہ کامیاب ہو گیا اور خاموش رہنا اس کامیابی کی جڑ ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان زبان سے جو کلام کرتا ہے اس کی چار قسمیں ہیں۔ ❶ وہ کلام خالص نقصان ہی نقصان ہو۔ ❷ وہ کلام خالص خیر ہی خیر ہو۔ ❸ وہ کلام نفع اور نقصان دونوں پر مشتمل ہو۔ ❹ اس کلام میں نہ نفع ہو اور نہ نقصان ہو۔

فرماتے ہیں کہ پہلی قسم کلام غیر مفید ہے اس سے سکوت ہی بہتر ہے۔ دوسری قسم کلام اچھا اور بہتر ہے لہٰذا سکوت سے کلام اچھا ہے۔ تیسری قسم کلام سے بچنا افضل ہے کیونکہ فائدہ کے ساتھ نقصان لگا ہوا ہے۔ چوتھی قسم بھی فضولیات میں سے ہے گناہ نہ بھی ہو پھر بھی زبان کو محفوظ رکھنا چاہئے۔[۳]

اُخروی نجات کے لئے تین عمل

﴿۲۶﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَقِيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا النَّجَاةُ فَقَالَ أَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)[۴]

---

[۱] اخرجه البيهقي: ۴/۲۲۰ [۲] اخرجه احمد: ۲/۱۵۹ والترمذي: ۴/۶۵۹ والدارمي: ۲۷۱۶

[۳] المرقات: ۸/۵۸۲ [۴] اخرجه احمد: ۴/۱۴۸ والترمذي: ۴/۶۰۵

ترجمہ: اور حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ (مجھے بتایئے کہ دنیا اور آخرت میں) نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اپنی زبان کو قابو میں رکھو تمہارا گھر تمہاری کفایت کرے اور اپنے گناہوں پر روؤ۔ (احمد و ترمذی)

توضیح: "ما النجاۃ؟" یعنی اخروی نجات کے ذریعے اور اسباب و طریقے کونسے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کو اُخروی نجات کے لئے کافی قرار دیا۔ ❶ زبان کو قابو میں رکھو کسی قسم کی غیبت اور گالم گلوچ اور دھوکہ وجھوٹ میں زبان استعمال نہ ہو۔ ❷ تمہارا گھر تمہارے لئے کشادہ ہو یعنی دن بھر اور رات بھر اپنے گھر میں اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر اور عبادات میں رہو باہر کی مجلسوں اور نشستوں اور جلسوں جلوسوں سے اور عوام الناس کے میل جول سے اپنے آپ کو الگ رکھو کیونکہ ان مواقع میں آدمی طرح طرح کے فتنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

❸ اپنے گناہوں پر نادم و پشیمان ہو کر خوب رویا کرو اور مکمل توبہ کرلو اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بنالو۔[۱]

[illegible]

جسم کے تمام اعضاء روزانہ زبان سے عاجزانہ درخواست کرتے ہیں

﴿۲۷﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ رَفَعَهُ قَالَ إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَإِنَّ الْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُوْلُ اِتَّقِ اللهَ فِيْنَا فَإِنَّا نَحْنُ بِكَ فَإِنِ اسْتَقَمْتَ اِسْتَقَمْنَا وَإِنِ اعْوَجَجْتَ اِعْوَجَجْنَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق مرفوع نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو سارے اعضاء جسم زبان کے سامنے عاجزی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے حق میں اللہ سے ڈرو کیونکہ ہمارا تعلق تجھ ہی سے ہے اگر تو سیدھی رہے گی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔ (ترمذی)

توضیح: "ان استقمت" یعنی تمام اعضاء زبان کے سامنے عاجزی اور تواضع وانکساری کرتے ہیں کہ اگر تم ٹھیک رہی تو ہم ٹھیک رہیں گے اور اگر تم ٹیڑھی ہوگئی تو ہم بھی ٹیڑھے رہیں گے ہمارا دارومدار تم پر ہے۔[۳]

سوال: یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ اس طرح کہ صحیح حدیث میں دل کے بارے میں اس طرح آیا ہے "الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله" یعنی دل کی وجہ سے انسان کا سارا بدن سدھرتا اور بگڑتا ہے حالانکہ زیر بحث حدیث میں زبان کے بارے میں ہے کہ اس کے ذریعہ سے بدن سدھرتا اور بگڑتا ہے یہ تعارض ہے۔

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ زبان دل کی ترجمان ہے تو دل کی طرف نسبت حقیقت ہے اور زبان کی طرف

---

[۱] المرقات: ۸/۵۸۲، ۵۸۳　[۲] اخرجه الترمذی: ۴/۶۰۵　[۳] المرقات: ۸/۵۸۴

نسبت مجازاً ہے شرح عقائد میں یہ شعر مذکور ہے۔ [۱]

ان الكلام لفي الفؤاد وانما جعل اللسان على الفؤاد دليلا [۲]

علماء نے لکھا ہے کہ "الانسان بأصغرية" یعنی انسان دو چھوٹی چیزوں کی وجہ سے انسان ہے ایک دل ہے دوسری زبان ہے۔ایک عاقل شاعر کہتا ہے۔ [۳]

آدمیت لحم وشحم و پوست نیست آدمیت جز رضائے دوست نیست

فضول باتوں کا ترک کرنا اسلام کے محاسن میں سے ہے

﴿۲۸﴾وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَحْمَدُ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ عَنْهُمَا) [۴]

ترجمہ: اور حضرت علی ابن حسین رضی اللہ عنہ یعنی امام زین العابدین کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے جو بے فائدہ ہے۔(مالک، احمد) نیز اس روایت کو ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ترمذی اور شعب الایمان میں بیہقی نے دونوں یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی ابن الحسین سے نقل کیا ہے۔

توضیح: "ترکه مالا یعنیه" لایعنی بے فائدہ کلام کو کہتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ کامل ایمان کی نشانی اور علامت یہ ہے کہ آدمی ان بے فائدہ باتوں سے احتراز و اجتناب کرے جس میں نہ دنیوی فائدہ ہو نہ اخروی فائدہ۔ [۵]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بے فائدہ اور لایعنی باتیں وہ ہیں کہ جس کے نہ کرنے سے کسی آدمی پر گناہ لازم نہ آتا ہو اور کرنے میں لغزش کا خطرہ ہو مثلاً کوئی شخص پرانے زمانے کے اپنے مختلف اسفار کے لمبے چوڑے قصے سناتا ہے اگر وہ ان قصوں کو نہ سنائے تو کوئی ضروری نہیں لیکن اگر سنائے تو اس میں لغزش اور غلطی کا خطرہ ہے یہ فضول اور لایعنی بات ہے اگر لغزش نہ بھی ہو پھر بھی اس سے قیمتی وقت تو ضائع ہو ہی جاتا ہے۔امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اسلام کے چار حصوں میں سے چوتھا حصہ اور ربع الاسلام ہے۔ [۶]

یقین و جزم کے ساتھ کسی کی آخرت کا فیصلہ کرنا مناسب نہیں ہے

﴿۲۹﴾وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ تُوُفِّيَ رَجُلٌ مِنَ الصَّحَابَةِ فَقَالَ رَجُلٌ أَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَلَا تَدْرِيْ فَلَعَلَّهُ تَكَلَّمَ فِيْمَا لَا يَعْنِيْهِ أَوْ بَخِلَ بِمَا لَا يَنْقُصُهُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) [۷]

---

[۱] المرقات: ۸/۵۸۳ والکاشف: ۹/۱۳۲ [۲] المرقات: ۸/۵۸۴ [۳] المرقات: ۸/۵۸۴

[۴] اخرجه مالك: ۹۰۳ واحمد: ۱/۲۰۱ وابن ماجه: [۵] المرقات: ۸/۵۸۵ [۶] المرقات: ۸/۵۸۵، ۵۸۶ [۷] اخرجه الترمذی: ۴/۵۵۸

ترجمہ: اور حضرت انس کہتے ہیں کہ صحابہ میں سے ایک شخص کا انتقال ہوا تو ایک دوسرے شخص نے (مرحوم کی میت کو مخاطب کر کے) کہا کہ (آنحضرت کی صحبت کی برکت سے) تمہیں جنت کی بشارت ہو۔ رسول کریم ﷺ نے (یہ بات سنکر اس شخص سے) فرمایا کہ تم یہ بات کس طرح کہہ رہے ہو جب کہ حقیقت حال کا تمہیں علم نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ اس شخص نے کسی ایسے معاملے میں اپنی زبان سے الفاظ نکالے ہوں جو اس کے لئے ضرر رساں نہ ہو یا کسی ایسی چیز میں بخل کیا ہو جس میں کمی نہ آئے۔ (ترمذی)

توضیح: یعنی کسی کے بارے میں جزم اور یقین کے ساتھ ایسا فیصلہ نہیں کرنا چاہئے کہ یہ شخص جنتی ہے کیونکہ یہ غیب کا معاملہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حوالہ ہے تم کو اس شخص کے ظاہری اور باطنی تمام گوشوں کا علم نہیں ہے اگر چہ بظاہر یہ شخص پاکیزہ زندگی کا مالک ہے بلکہ صحابی بھی ہے لیکن تمہیں اس کے تمام معاملات کا علم نہیں ہے، بہت ممکن ہے کہ اس نے کوئی بے فائدہ بات کی ہو یا ایسی چیز میں بخل کیا ہو جس میں بخل نہیں کرنا چاہئے مثلاً صدقہ کرنے میں سستی کی ہو یا لایعنی بات کی ہو۔ اس حدیث کا خلاصہ و مطلب یہ ہے کہ یقین کے ساتھ ایسا فیصلہ کرنا ایک بندے کے لئے مناسب نہیں ہے جس کے مستقبل کا اس کو علم نہ ہو۔ بخل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سلام کرنے، صدقہ دینے اور علم کے پھیلانے میں بخل کرتا ہے جس سے کسی چیز کے کم ہونے کا خطرہ نہیں ہے۔[1]

زبان کے فتنہ سے بچو

﴿۳۰﴾ وَعَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِاللهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ مَا أَخْوَفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ قَالَ فَأَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهٖ وَقَالَ هٰذَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت سفیان ابن عبداللہ ثقفی کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ میرے بارے میں جن چیزوں سے ڈرتے ہیں ان میں سب سے زیادہ خوفناک چیز کونسی ہے؟ حضرت سفیان کہتے ہیں کہ آنحضرت نے یہ (سنکر) اپنی زبان مبارک کو پکڑا اور فرمایا کہ: یہ چیز (یعنی تمہارے بارے میں مجھے سب سے زیادہ ڈر اس زبان سے لگتا ہے کہ گناہ کی اکثر باتیں اس سے سرزد ہوتی ہیں لہٰذا تم اس زبان کے فتنہ سے بچو)۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

جھوٹ بولنے والے کے منہ سے بدبو اٹھتی ہے

﴿۳۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيْلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب کوئی بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کی پیدا کی ہوئی چیز یعنی جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے (حفاظت کرنے والے) فرشتے اس سے کوس بھر دور چلے جاتے ہیں۔ (ترمذی)

[1] المرقات: ۸/۵۸۸ [2] اخرجه الترمذی: ۴/۶۰۷ [3] اخرجه الترمذی: ۴/۳۴۸

"میلا" یعنی محافظ فرشتے ایک میل کی مسافت تک اس آدمی کے پاس سے دور بھاگ جاتے ہیں جو آدمی جھوٹ بول لیتا ہے کیونکہ اس جھوٹ کی وجہ سے اس کے منہ سے شدید ترین بدبو اٹھتی ہے جس سے فرشتے بھاگ جاتے ہیں۔[1]

اعتماد کے لباس میں دھوکہ دینا بدترین خیانت ہے

﴿۳۲﴾وَعَنْ سُفْيَانَ ابْنِ اَسَدِ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَاَنْتَ بِهٖ كَاذِبٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت سفیان ابن اسد حضرمی کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے (مسلمان) بھائی سے کوئی بات کہو اور وہ تم کو اس بات میں سچا جانے جبکہ حقیقت میں تم نے اس سے جھوٹ بولا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "مصدق" یعنی وہ ساتھی اس دھوکہ دینے والے کی شکل وشباہت کو دیکھتا ہے اس کے معصوم وضع قطع کو دیکھتا ہے اس کی شرافت اور ظاہری طہارت کو دیکھ کر مکمل اعتماد کرتا ہے کہ یہ تو انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے تصوف اور جبہ ودستار کی اسی بھیس میں یہ شخص اس کے لئے بھیڑیا ثابت ہو جاتا ہے اور بری طرح اس کو دھوکہ دیتا ہے اور جھوٹ بول کر اپنا مطلب نکال کر بھاگ جاتا ہے یہ سب سے بڑی خیانت ہے کہ بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا ثابت ہوا۔[3]

حکایت:

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ بعض پرندوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ایک شکاری کی شکایت کی کہ یہ ہمیں شکار کرتا ہے حضرت سلیمان نے اس شخص کو عدالت میں بلایا اور اس سے سوال کیا کہ پرندے آپ سے شکار کرنے کی شکایت کرتے ہیں اس شخص نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ نے ان پرندوں کو انسانوں کے شکار کے لئے پیدا فرمایا ہے تو میں بھی شکار کرتا ہوں اس میں شکایت کی کیا بات ہے۔ حضرت سلیمان نے پرندوں سے فرمایا کہ اس شخص کی بات تو بالکل معقول ہے تم کیوں شکایت کرتے ہو؟ پرندوں نے جواب دیا کہ اے اللہ کے نبی! ہم یہ شکایت نہیں کرتے ہیں کہ یہ شخص ہمارا شکار کیوں کرتا ہے بلکہ شکایت یہ ہے کہ یہ شخص شکاری کی شکل میں نہیں آتا ہے تا کہ ہم ان سے اپنا بچاؤ کریں بلکہ یہ ایک صوفی کی شکل میں جبہ وقبہ میں عابد وزاہد کی صورت میں آتا ہے اور اسلحہ کو جبہ کے نیچے چھپاتا ہے ہم خیال کرتے ہیں کہ یہ عبادت کے لئے جارہا ہے اتنے میں یہ بندوق تان کر ہمیں دھوکہ سے مار دیتا ہے آپ ان کو حکم دیدیں کہ یہ شکاری کی شکل میں آئیں تا کہ ہم بچاؤ کا انتظام کرسکیں۔

[1] المرقات: ۸/۵۹۰ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۴/۲۹۵ [3] المرقات: ۸/۵۹۰

﴿۳۳﴾ وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَارٍ. (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص دنیا میں دورویہ ہوگا قیامت کے دن اس کے (منہ میں) آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ (دارمی)

ایمان کے منافی افعال

﴿۳۴﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَفِي أُخْرَى لَهُ وَلَا الْفَاحِشِ الْبَذِيِّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (کامل) مؤمن نہ تو طعن کرنے والا ہوتا ہے نہ لعن کرنے والا نہ فحش گوئی کرنے والا ہوتا ہے نہ زبان درازی کرنے والا (ترمذی، بیہقی) اور بیہقی کی روایت میں نہ فحش گوئی کرنے والا زبان دراز کے الفاظ ہیں (یعنی اس روایت میں بذی کو فاحش کی صفت قرار دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جو حد سے زیادہ فحش گوئی کرنے والا ہو نیز ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "المؤمن" اس سے کامل مؤمن مراد ہے یا اسلوب حکیم کے طور پر یہ کلام ہے کہ ان بری صفات والا تو مؤمن ہو ہی نہیں سکتا یا یہ کلام تشدیداً تغلیظاً اور تہدیداً و توبیخاً ہے یا اس کو حلال سمجھنے والا مراد ہے۔[۳]

"طعانا" یعنی لوگوں پر شدید طعن کرنے والا نہیں ہوتا یہ مبالغہ کا صیغہ ہے کثیر الطعن ہونا مراد ہے[۴] "لعانا" یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے کثیر اللعن شخص مراد ہے۔ "ولا الفاحش" یعنی فحش گفتگو کرنے والا یا فحاشی کا ارتکاب کرنے والا مؤمن نہیں ہوسکتا۔[۵] "ولا البذی" با پر فتحہ ہے ذال پر کسرہ ہے اور یا پر شد ہے فحش گفتگو کرنے والے بد اخلاق شخص کو کہتے ہیں، فاحش کے بعد اس کو دوبارہ لایا لہٰذا تکرار سے بچنے کے لئے شارحین نے بذی کو فعلی فحاشی کرنے والے پر حمل کیا ہے۔ ملا علی قاری نے البذی کو الفاحش کے لئے عطف تفسیری قرار دیا ہے روایت کا آخری حصہ اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ اس میں عطف تفسیری موجود ہے۔ بہر حال یہ افعال ایمان کے منافی ہیں لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس سے اجتناب کرے۔[۶]

﴿۳۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ لَعَّانًا وَفِي رِوَايَةٍ لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَكُوْنَ لَعَّانًا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۷]

---

[۱] اخرجه الدارمی: ۲۶۷۶ [۲] اخرجه الترمذی: ۴/۳۵۰ [۳] المرقات: ۸/۵۹۱
[۴] المرقات: ۸/۵۹۱ [۵] المرقات: ۸/۵۹۱ [۶] المرقات: ۸/۵۹۱ [۷] المرقات: ۸/۵۹۱

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا وہ شخص (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتا جو بہت زیادہ لعنت کرنے والا اور لعنت کرنے کا عادی ہو۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اور کسی مؤمن کے لئے یہ موزوں نہیں ہے کہ وہ بہت زیادہ لعنت کرنے والا ہو۔ (ترمذی)

لعن طعن اور بددعا سے احتراز کرنا چاہئے

﴿۳۶﴾وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَلَاعَنُوْا بِلَعْنَةِ اللّٰهِ وَلَا بِغَضَبِ اللّٰهِ وَلَا بِجَهَنَّمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَلَا بِالنَّارِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سمرہ ابن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا آپس میں ایک دوسرے کے لئے نہ تو خدا کی لعنت کی بددعا کرو نہ خدا کے غضب کی اور نہ جہنم میں جانے کی بددعا کرو، ایک روایت میں ہے کہ نہ آگ میں جانے کی بدعاء کرو (ترمذی، ابوداؤد)

بے موقع لعنت لوٹ کر لعنت کرنے والے پر آپڑتی ہے

﴿۳۷﴾وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا لَعَنَ شَيْئًا صَعِدَتِ اللَّعْنَةُ اِلَى السَّمَاءِ فَتُغْلَقُ اَبْوَابُ السَّمَاءِ دُوْنَهَا ثُمَّ يَهْبِطُ اِلَى الْاَرْضِ فَتُغْلَقُ اَبْوَابُهَا دُوْنَهَا ثُمَّ تَأْخُذُ يَمِيْنًا وَشِمَالًا فَاِذَا لَمْ تَجِدْ مَسَاغًا رَجَعَتْ اِلَى الَّذِيْ لَعَنَ فَاِنْ كَانَ لِذَالِكَ أَهْلًا وَاِلَّا رَجَعَتْ اِلٰى قَائِلِهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی بندہ کسی چیز یعنی کسی انسان یا غیر انسان پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت آسمان کی طرف جاتی ہے اور آسمان کے دروازے اس لعنت پر بند کردیئے جاتے ہیں پھر وہ لعنت زمین کی طرف اتر کر آجاتی ہے تو زمین کے دروازے اس پر بند کردیئے جاتے ہیں پھر وہ لعنت دائیں بائیں طرف جانا چاہتی ہے (مگر ادھر سے بھی دھتکار دی جاتی ہے) چنانچہ جب وہ کسی طرف بھی راستہ نہیں پاتی تو اس چیز کی طرف متوجہ ہوتی ہے جس پر لعنت کی گئی ہے یہاں تک کہ اگر وہ چیز اس لعنت کی اہل وسزاوار ہوتی ہے تو اس پر واقع ہوجاتی ہے ورنہ اپنے کہنے والے کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "صعدت اللعنة" یعنی اللہ تعالیٰ کے نظام کے تحت یہ لعنت چاہتی ہے کہ ادھر ادھر جا کر ضائع ہوجائے یا دور کسی پر واقع ہو اسی مقصد کے تحت یہ آسمان پر چڑھتی ہے جب وہاں راستہ نہیں ملتا تو زمین پر آکر دائیں بائیں نکل جانے کی کوشش کرتی ہے کہیں گھسنے کی کوشش کرتی ہے جب وہاں راستہ نہیں ملتا تو دائیں بائیں نکل جانے کی

[1] اخرجه الترمذی: ۴/۳۴۱ [2] اخرجه الترمذی: ۳/۵۰ وابوداؤد: ۴/۲۶۸

کوشش کرتی ہے جب وہاں بھی نکلنے کا سراغ نہیں ملتا تو جا کر اس شخص پر چسپاں ہونے کی کوشش کرتی ہے جس پر لعنت بھیجی گئی اگر وہ اس کا مستحق نکلا تو لعنت وہیں پر جم کر برقرار رہیگی ورنہ وہاں سے لوٹ کر اس شخص پر آپڑ یگی جس نے بے موقع و بے محل لعنت بھیجی تھی۔[1]

انسانوں کے علاوہ دیگر اشیاء پر بھی لعنت کرنا منع ہے

﴿۳۸﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا نَازَعَتْهُ الرِّيْحُ رِدَاءَهُ فَلَعَنَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَلْعَنْهَا فَاِنَّهَا مَاْمُوْرَةٌ وَاِنَّهُ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهُ بِاَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن کا واقعہ ہے کہ) ایک شخص کی چادر ہوا میں اڑ گئی تو اس نے ہوا پر لعنت کی چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا پر لعنت نہ کرو کیونکہ وہ تو حکم کے تابع ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت کرے جو اس لعنت کے قابل نہ ہو تو وہ لعنت اسی پر لوٹ آتی ہے۔ (ترمذی، ابوداود)

توضیح: "فانها مامورة" یعنی ہوا تو اپنے حکم سے نہیں چلتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتی ہے انسان کو چاہئے کہ وہ اس پورے نظام کو مدنظر رکھے نہ یہ کہ دل برداشتہ ہو کر ظاہری سبب پر برس پڑے ہوا تو ایک ظاہری سبب ہے اصل حکم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی ہو جائے۔ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ انسانوں کے علاوہ دیگر اشیاء پر بھی لعنت بھیجنا منع ہے ہاں اجمال کے ساتھ لعنت بھیجی جا سکتی ہے جیسے کہا جائے کہ چوروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو شرابیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو قاتلان حسین پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔[3]

بزرگوں کے سامنے آپس کے عیوب ظاہر کرنا مناسب نہیں ہے

﴿۳۹﴾وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايُبَلِّغُنِيْ اَحَدٌ مِّنْ اَصْحَابِيْ عَنْ اَحَدٍ شَيْئًا فَاِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ اَخْرُجَ اِلَيْكُمْ وَاَنَا سَلِيْمُ الصَّدْرِ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ میں سے کوئی شخص کسی کے بارے میں مجھ تک کوئی (ایسی) بات نہ پہنچائے جس سے اس کی برائی ظاہر ہوتی ہو یعنی میرے پاس آ کر کسی کے بارے میں یہ نہ کہے کہ فلاں آدمی نے یہ برا کام کیا ہے۔ یا یہ بری بات کہی ہے اور یا وہ اس بری عادت میں مبتلا ہے کیونکہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جب میں (گھر سے) نکل کر تمہارے پاس آؤں تو میرا سینہ صاف ہو (کہ میرے دل میں تم میں سے کسی کی طرف سے کوئی ناراضگی، غصہ اور بغض نہ ہو)۔ (ابوداود)

[1] المرقات: ۸/۵۹۲ [2] اخرجه الترمذی: ۴/۳۵۰ وابوداود: ۴/۲۷۹ [3] المرقات: ۸/۵۹۳ [4] اخرجه ابوداود: ۴/۲۶۸

توضیح: "سلیم الصدر" مطلب یہ ہے کہ کسی کے بارے میں اگر کسی کو کوئی عیب معلوم بھی ہو پھر بھی اس کا تذکرہ نہیں کرنا چاہئے اور ویسے اندازہ سے عیب لگانا تو بہت ہی برا ہے انسان کے طبائع میں سے ہے کہ [1] "من یسمع یخل" یعنی جو کچھ انسان سنتا ہے اس کو کچھ نہ کچھ خیال ضرور آتا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کو اس سے منع فرمادیا کہ ان کے سامنے کسی صحابی کے بارے میں کوئی کچھ نہ کہے کیونکہ اس سے دل میں کچھ نہ کچھ میل آجاتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس دنیا سے اس طرح اٹھ جاؤں کہ میرا دل اپنے ہر صحابی کے لئے صاف اور راضی ہو۔ اس حدیث سے صحابہ کی بڑی شان کا اندازہ ہوجاتا ہے اور اس سے امت کو یہ تعلیم بھی مل گئی کہ حاکم اور مقتدا اور بڑوں کی مجلس میں کسی مسلمان کی چغلی یا غیبت یا بدگوئی نہیں کرنی چاہئے جس سے بڑے کے دل میں میل پیدا ہوسکتا ہو۔ [2]

کسی کی جسمانی ساخت میں عیب نکالنا بھی غیبت ہے

﴿۴۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسْبُكَ مِنْ صَفِيَّةَ كَذَا وَكَذَا تَعْنِيْ قَصِيْرَةً فَقَالَ لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَ بِهَا الْبَحْرُ لَمَزَجَتْهُ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

ترجمہ: اور حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نبی کریم ﷺ سے یہ کہہ بیٹھی کہ صفیہ کے تئیں بس آپ کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ ایسی ایسی ہیں اس بات سے حضرت عائشہ کی مراد حضرت صفیہ کے قد کی کوتاہی کو ذکر کرنا تھا رسول کریم ﷺ نے میری بات سنکر ناگواری کے ساتھ فرمایا کہ تم نے اپنی زبان سے ایک ایسی بات نکالی ہے کہ اگر اس کو دریا میں ملایا جائے تو بلاشبہ یہ بات دریا پر غالب آجائے۔ (احمد، ترمذی، ابوداود)

توضیح: "من صفیۃ کذا و کذا" یعنی صفیہ کے معیوب ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ اس کا قد چھوٹا ہے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خیبر کے مال غنیمت میں آئی تھی آنحضرت ﷺ نے صفیہ کو آزاد کیا اور پھر ان سے نکاح کیا جو ام المؤمنین بن گئیں خیبر کے بڑے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں اور اولاد ھارون علیہ السلام میں سے تھیں حضرت صفیہ کھانا پکانے میں بہت ماہرہ تھیں جس کی وجہ سے دیگر ازواج مطہرات کو خطرہ تھا کہ آنحضرت کی توجہات ان کیطرف مکمل طور پر متوجہ نہ ہوں سوکنوں میں یہ ایک طبعی امر ہوتا ہے اگر بشریت ہے تو ان چیزوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ایک امر واقعی کا تذکرہ آنحضرت کے سامنے کیا کہ صفیہ کا قد چھوٹا ہے یہ بات غیبت کے زمرہ میں آتی تھی کیونکہ اگر یہی بات صفیہ کے سامنے ہوتی تو وہ اسے ناپسند کرتیں اور غیبت اسی چیز کا نام ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ایسا تلخ کلمہ کہدیا کہ اگر اس کو سمندر میں ڈالا جائے تو وہ اس سے کڑوا ہوجائے گا۔ [3] "مزج بھا البحر" یعنی اگر اس کلمہ کو سمندر میں ملایا جائے اور سمندر میٹھے پانی کا ہو۔ "لمزجتہ" یعنی یہ کلمہ سمندر کو

[1] المرقات: ۸/۵۹۳ [2] اخرجہ احمد: ۶/۱۲۸ وابوداود: ۴/۱۷۰ [3] المرقات: ۸/۵۹۳، ۸۰

بھی متغیر کردیگا اور وہ اس کے برے اثرات سے کڑوا اور بدبودار ہوجائے گا۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کذا وکذا کے الفاظ کے ساتھ اپنی بالشت کی طرف اشارہ کیا کہ وہ اتنی ٹھگنی ہے جیسے یہ بالشت ہے۔[1]

فحاشی باعث قباحت اور حیا باعث زینت ہے

﴿۴۱﴾ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ الْفُحْشُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا شَانَهٗ وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا زَانَهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس چیز میں بدگوئی اور سخت کلامی ہو وہ اس کو عیب دار بنا دیتی ہے اور جس چیز میں حیاء و نرمی ہو وہ اس کو زیب و زینت عطا کرتی ہے۔ (ترمذی)

توضیح: "الفحش" فحش سے فحاشی اور بدگوئی و بے شرمی کا معنی لیا جا سکتا ہے اور یہ چیزیں انسان میں عیب پیدا کرتی ہیں اس کے مقابلے میں حیا اور نرمی کی خصلتیں ہیں جو انسان کے لئے باعث زینت ہیں۔ بعض شارحین نے فحش سے مزاج کی سختی مراد لی ہے اور حیاء سے نرمی مراد لی ہے۔[3]

توبہ کرنے والے کو ملامت کرنا خطرناک گناہ ہے

﴿۴۲﴾ وَعَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَيَّرَ اَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهٗ يَعْنِيْ مِنْ ذَنْبٍ قَدْ تَابَ مِنْهُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ خَالِدًا لَمْ يُدْرِكْ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ)[4]

ترجمہ: اور حضرت خالد ابن معدان حضرت معاذ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کو کسی گناہ پر عار دلاتا ہے (یعنی اگر کسی مسلمان سے کوئی گناہ سرزد ہوجاتا ہے اور کوئی شخص اس کو شرم و غیرت دلاتا ہے اور سرزنش و ملامت کرتا ہے تو وہ عار دلانے والا مرنے سے پہلے خود بھی اس گناہ میں (کسی نہ کسی طرح ضرور) مبتلا ہوتا ہے آنحضرت کی مراد اس گناہ سے وہ گناہ تھا جس سے اس نے توبہ کرلی ہو۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ خالد نے حضرت معاذ کا زمانہ نہیں پایا ہے۔

توضیح: "حتی یعمله" یعنی ایک شخص نے بشری تقاضا سے کوئی گناہ کیا اور پھر کمال اخلاص کے ساتھ اس گناہ سے توبہ کیا مگر ایک شخص توبہ کرنے کے بعد بھی اس کے پیچھے لگا ہوا ہے اور اس پرانے گناہ کی عار اس کو دلا رہا ہے جس میں سوائے تذلیل کے اور کوئی فائدہ نہیں تو ایسا شخص اس وقت تک نہیں مریگا جب تک اسی گناہ میں مبتلا نہ ہوجائے مطلب یہ کہ توبہ کے بعد سابقہ گناہ پر کسی کو ملامت کرنا جائز نہیں اگر کوئی ایسا کریگا تو سزا پائے گا۔ ہاں اگر اس گناہ گار نے توبہ نہیں کی اور اب بھی

[1] المرقات: ۸/۵۹۴ [2] اخرجه الترمذی: ۴/۳۴۹ [3] المرقات: ۸/۵۹۶ [4] اخرجه الترمذی: ۴/۶۶۱

اپنے سابقہ گناہ میں لگا ہوا ہے تو اس کو عار دلانا اور اس کی سرزنش جائز ہے کیونکہ بار بار جرم کے ارتکاب نے اس کے ناموس کو تار تار کر کے رکھ دیا ہے۔[1]

کسی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے

﴿۴۳﴾وَعَنْ وَاثِلَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لِاَخِيْكَ فَيَرْحَمُهُ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيْكَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت واثلہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اپنے مسلمان بھائی کی تکلیف پر اتنی خوشی مت ظاہر کرو۔ (یعنی اگر کسی ایسے مسلمان کو کسی دنیوی یا دینی مصیبت و آفت میں مبتلا دیکھو کہ جس سے تم عداوت رکھتے ہو تو اس کی تکلیف پر خوشی کا اظہار نہ کرو) کیوں کہ (ہوسکتا ہے کہ تمہاری بے جا خوشی سے ناراض ہو کر) اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت نازل کر دے اور تمہیں اس آفت و مصیبت میں مبتلا کر دے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

کسی کی نقل اتارنا حرام ہے

﴿۴۴﴾وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اُحِبُّ اَنِّيْ حَكَيْتُ اَحَدًا وَاَنَّ لِيْ كَذَا وَكَذَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ میں کسی شخص کی نقل اتاروں اگرچہ میرے لئے اس میں فلاں فلاں چیز کیوں نہ ہو۔ یعنی اگر کوئی مجھے بے حساب مال و زر اور کتنا ہی زیادہ روپیہ پیسہ بھی دے تو بھی میں کسی کی نقل اتارنا گوارا نہ کروں۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

توضیح: "حکیت" یہ حکایت سے ہے۔ حکایت نقل اتارنے کو کہتے ہیں مثلاً کسی لنگڑے کی نقل اتار کر لنگڑا کر چلنا یا کسی کانے کی نقل اتار دی الغرض کسی کے چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے اور دیکھنے بولنے کی نقل اتارنے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے نقل اتارنے کے بدلے میں پوری دنیا مل جائے میں پھر بھی کسی کی نقل نہیں اتاروں گا۔[4]

اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کو محدود نہیں کرنا چاہئے

﴿۴۵﴾وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ فَاَنَاخَ رَاحِلَتَهُ ثُمَّ عَقَلَهَا ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى خَلْفَ

[1] المرقات: ۸/۵۹۶ [2] اخرجه الترمذی: ۴/۶۶۲ [3] اخرجه الترمذی: ۴/۶۶۰ [4] المرقات: ۸/۵۹۷

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَلَّمَ اَتٰى رَاحِلَتَهٗ فَأَطْلَقَهَا ثُمَّ رَكِبَ ثُمَّ نَادٰى اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ وَمُحَمَّدًا وَلَاتُشْرِكْ فِيْ رَحْمَتِنَا أَحَدًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَقُوْلُوْنَ هُوَ أَضَلُّ أَمْ بَعِيْرُهٗ أَلَمْ تَسْمَعُوْا اِلٰى مَاقَالَ قَالُوْا بَلٰى۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا فِيْ بَابِ الْاِعْتِصَامِ فِي الْفَصْلِ الْاَوَّلِ۔ [1]

ترجمہ: اور حضرت جندب کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک دیہاتی شخص (اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ) آیا اور (مسجد نبوی کے قریب پہنچ کر) اس نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور اس کے پاؤں کو باندھ کر مسجد میں داخل ہوا پھر اس نے رسول کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی اور سلام پھیرنے کے بعد اپنے اونٹ کے پاس آیا (اور اس کو کھول کر) اس پر سوار ہوا اور پھر اس نے با آواز بلند اس طرح کہا کہ اے اللہ مجھ پر اور محمد ﷺ پر اپنی رحمت نازل فرما اور ہماری رحمت میں کسی اور کو شریک نہ کر۔ رسول کریم ﷺ نے (اس کو اس طرح دعا مانگتے سنا تو صحابہ سے) فرمایا کہ تم بتا سکتے ہو کہ یہ دیہاتی زیادہ جاہل ہے یا اس کا اونٹ؟ کیا تم نے سنا نہیں اس نے کیا کہا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ جی ہاں ہم نے سنا ہے۔ (ابوداؤد) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کفی بالمرء کذبا باب الاعتصام میں نقل کی جا چکی ہے۔

توضیح: "اتقولون" یہ لفظ اتظنون کے معنی میں ہے یعنی تمہارا کیا خیال ہے اور تم کیا کہہ سکتے ہو کہ یہ آدمی زیادہ جاہل ہے یا اس کا اونٹ زیادہ جاہل ہے؟ کیا تم نے نہیں سنا کہ اس نے ابھی ابھی کیا دعا مانگی سن تو لو اس نے اللہ تعالیٰ کی کتنی وسیع رحمت کو محدود کر کے رکھ دیا بلکہ دیگر مسلمانوں کے حق میں بددعا دی کہ اور کسی کے اوپر رحم نہ فرما صرف ہم دو پر رحم فرما۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ یہ وہی دیہاتی ہے جس نے مسجد کے صحن میں پیشاب کیا تھا۔ [2]

"**فلماسلم**" اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ جب واپسی کے وقت آنحضرت کو سلام کیا اور چلا گیا۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ نماز کا سلام جب پھیر دیا اور سواری پر آگیا تو یہ دعا مانگی۔ [3]

الفصل الثالث

فاسق کی تعریف کرنے سے عرش میں زلزلہ آتا ہے

﴿۴۶﴾ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَامُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ تَعَالٰى وَاهْتَزَّلَهُ الْعَرْشُ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ) [4]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب فاسق کی مدح و تعریف کی جاتی ہے (یعنی کوئی شخص

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۴/۲۷۳ [2] المرقات: ۸/۵۹۸ [3] المرقات: ۸/۵۹۸ [4] اخرجہ البیہقی: ۴/۲۳۰

اس کے حق میں تعظیم و توقیر کے الفاظ استعمال کرتا ہے) تو اللہ تعالیٰ (مدح و تعریف کرنے والے پر) غصہ ہوتا ہے اور اس کی مدح و تعریف کی وجہ سے عرش کانپ اٹھتا ہے۔ (بیہقی)

توضیح: "اذا مدح الفاسق" یعنی جب فاسق فاجر کی تعریف شروع ہوتی ہے تو غضب الٰہی سے عرش کانپ اٹھتا ہے عرش کا اس طرح کانپ اٹھنا یا تو حقیقت پر مبنی ہے کہ واقعۃً عرش میں زلزلہ آتا ہے یا یہ کلام اس بات سے کنایہ ہے کہ فاسق کی تعریف اتنا بڑا گناہ ہے جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا اس سے تو ایسی نازک صورت حال پیدا ہوجاتی ہے کہ گویا عرش میں زلزلہ آتا ہے فاسق کی تعریف اتنا بڑا جرم اس وجہ سے ہے کہ اس میں اس کے فسق و فجور اور اس کے ظلم و زیادتی کی تائید اور حمایت ہے اور ایک حرام کام کو گویا حلال کیا جاتا ہے جس میں کفر کا خطرہ ہے۔ [1]

خیانت اور جھوٹ کسی مسلمان میں نہیں ہوسکتے ہیں

﴿۴۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَى الْخِلَالِ كُلِّهَا اِلَّا الْخِيَانَةَ وَالْكَذِبَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان جھوٹ اور خیانت کے سوا ہر طرح کی خصلت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ (احمد) بیہقی نے شعب الایمان میں اس روایت کو حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

توضیح: "والکذب" یعنی مسلمان بزدل، کنجوس، شرابی کبابی اور ہر قسم کے گناہوں میں آلودہ ہوسکتا ہے لیکن دو بری خصلتیں ایسی ہیں جو کسی مسلمان کے ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی ہیں ایک خیانت کی خصلت ہے اور دوسرا جھوٹ ہے مطلب یہ ہے کہ ایمان کے روشن چراغ کے ساتھ جھوٹ اور خیانت کا سیاہ اندھیرا اکٹھا نہیں رہ سکتا کامل مؤمن کی رگ و پے میں ایمان رچا بسا ہوتا ہے وہ طبعی اور تخلیقی طور پر ان دو خصلتوں سے دور رہتا ہے آنحضرت کے اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ ان دو بری خصلتوں سے ہر مسلمان کو بطور خاص اجتناب و احتراز کرنا چاہئے۔ اس حدیث کے بعد آنے والی حضرت صفوان کی روایت میں اس مضمون کو زیادہ واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اس میں صرف جھوٹ کا ذکر ہے۔ [3]

مسلمان جھوٹا نہیں ہوسکتا

﴿۴۸﴾ وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ اَنَّهُ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا قَالَ نَعَمْ فَقِيْلَ لَهُ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِيْلًا قَالَ نَعَمْ فَقِيْلَ لَهُ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا قَالَ لَا۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا [4]

[1] المرقات: ۸/۵۹۹　[2] اخرجه احمد: ۵/۲۵۲　[3] المرقات: ۸/۶۰۰　[4] اخرجه مالك والبهقي: ۴/۲۰۷

ترجمہ: اور حضرت صفوان ابن سلیم کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا مؤمن بزدل ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہوسکتا ہے۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کیا مومن بخیل ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہوسکتا ہے۔ پھر جب آپ سے پوچھا گیا کہ کیا مؤمن بہت جھوٹا ہوسکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں اس روایت کو مالک اور بیہقی نے شعب الایمان میں بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

توضیح: حضرت صفوان بن سلیم زہری بڑی شان کے تابعی ہیں چالیس سال تک بیٹھے بیٹھے زندگی گزاری زمین پر پہلو نہیں لگایا یہاں تک کہ موت بھی بیٹھے بیٹھے واقع ہوگئی کثرت سجود کی وجہ سے پیشانی میں گڑھا پڑ گیا تھا کبھی بادشاہوں کا عطیہ قبول نہیں کیا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے زیادہ روایت کرتے ہیں تابعی ہیں لہٰذا یہ مذکورہ حدیث مرسل ہے۔[1]

شیطان مسلمانوں میں جھوٹی حدیثیں پھیلاتا ہے

﴿۹۴﴾وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَتَمَثَّلُ فِيْ صُوْرَةِ الرَّجُلِ فَيَأْتِي الْقَوْمَ فَيُحَدِّثُهُمْ بِالْحَدِيْثِ مِنَ الْكَذِبِ فَيَتَفَرَّقُوْنَ فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ سَمِعْتُ رَجُلاً اَعْرِفُ وَجْهَهُ وَلَا اَدْرِيْ مَا اسْمُهُ يُحَدِّثُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیطان کسی آدمی کی صورت اختیار کر کے کسی جماعت کے پاس آتا ہے اور ان تک جھوٹی خبر پہنچا دیتا ہے پھر جب اس جماعت کے لوگ ادھر ادھر منتشر ہوتے ہیں تو ان میں سے کوئی شخص کہتا ہے کہ میں نے ایک شخص سے سنا ہے جس کی صورت تو میں پہچانتا ہوں (کہ اگر اس کو دیکھوں تو بتا سکتا ہوں کہ یہ وہی شخص ہے) مگر اس کا نام نہیں جانتا وہ یہ بات بیان کرتا تھا۔ (مسلم)

توضیح: "بالحدیث من الکذب" حضرت ابن مسعود کا اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ حدیث سننے سنانے میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے جب تک مکمل تحقیق واطمینان نہ ہو کہ یہ واقعی حدیث ہے اس وقت تک حدیث کے حوالہ سے اس کلام کو آگے نقل نہیں کرنا چاہئے کیونکہ کبھی کبھی خود ابلیس یا ابلیس نام کا انسان آتا ہے اور مجمع میں جھوٹی حدیث چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وعظ ونصیحت کرنے والے کا تعارف ضروری ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ کون ہے آیا عالم ہے یا جاھل ہے، انسان ہے یا شیطان ہے یا اس شعر کا مصداق ہے۔

کس نمی داند کہ بھیا کون ہے پاؤ ہے یا سیر ہے یا پون ہے[3]

بعض حضرات اپنے بیانات میں کسی آدمی کو لاتے ہیں اس سے گھنٹہ گھنٹہ بیان کرواتے ہیں اور اس کا نام نہیں لیتے ہیں کہ

[1] المرقات: ۸/۶۰۱ [2] اخرجہ مسلم: ۱/۷ [3] المرقات: ۸/۶۰۲

عالم ہے یا غیر عالم ہے وہ دو گھنٹہ الٹی سیدھی باتیں کر کے چلا جاتا ہے۔ یہ حضرات خوش ہوتے ہیں کہ ہم نام لیکر ریا کاری نہیں کرتے ہیں ان کا یہ طریقہ غلط ہے اور اس میں فتنہ آنے کا خطرہ ہے۔ مذکورہ حدیث سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنا چاہئے۔

برے ہمنشین سے تنہائی بہتر ہے

﴿۵۰﴾وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حِطَّانَ قَالَ اَتَيْتُ اَبَاذَرٍّ فَوَجَدْتُّهٗ فِي الْمَسْجِدِ مُحْتَبِيًا بِكِسَاءٍ اَسْوَدَ وَحْدَهٗ فَقُلْتُ يَا اَبَاذَرٍّ مَاهٰذِهِ الْوَحْدَةُ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِنْ جَلِيْسِ السُّوْءِ وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِّنَ الْوَحْدَةِ وَاِمْلَاءُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِّنَ السُّكُوْتِ وَالسُّكُوْتُ خَيْرٌ مِّنْ اِمْلَاءِ الشَّرِّ [1]

ترجمہ: اور حضرت عمران ابن حطان کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں حضرت ابوذر غفاری کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو مسجد میں پایا اس وقت وہ ایک کالی کملی لپیٹے ہوئے تنہا بیٹھے تھے میں نے عرض کیا کہ ابوذر! یہ تنہائی کیوں اختیار کر رکھی ہے؟ حضرت ابوذر نے جواب دیا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، برے ہمنشینوں کے ساتھ بیٹھنے سے تنہا بیٹھنا بہتر ہے اور تنہا بیٹھنے سے نیک ہم نشینوں کے ساتھ بیٹھنا بہتر ہے۔ نیز چپ رہنے سے بھلائی کا سکھانا بہتر ہے اور برائی سکھانے سے چپ رہنا بہتر ہے۔

خاموشی اختیار کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے

﴿۵۱﴾وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُقَامُ الرَّجُلِ بِالصَّمْتِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً [2]

ترجمہ: اور حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا چپ رہنے کی وجہ سے آدمی کو جو درجہ حاصل ہوتا ہے وہ ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔

توضیح: "ستین سنة" یعنی خاموشی کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا اور اللہ تعالیٰ کے شؤون کا مراقبہ کرنا اس ساٹھ سالہ عبادت سے افضل ہے جس میں طرح طرح کا کثیر کلام ہو رہا ہو اور زبان کی بے احتیاطی ہو رہی ہو۔
بعض صوفیاء کرام نے اس سے مراقبہ اور مکاشفہ اور کائنات الٰہیہ میں سوچ وفکر اور تدبر کرنے کے لئے خاموش بیٹھنا مراد لیا ہے کہ اس مراقبہ سے دل ودماغ میں انقلاب آجاتا ہے لہٰذا یہ ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔ بہر حال حدیث

[1] اخرجه البيهقي: ۴/۲۵۶ [2] اخرجه البيهقي: ۴/۲۴۵

کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے اور اگر مراقبہ نہ بھی ہو پھر بھی خاموش رہنے سے ذکر وفکر کی خاموشی مراد ہے صرف گنگ خاموش رہنا مراد نہیں۔[1]

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند نصائح

﴿۵۲﴾وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ بِطُوْلِهٖ اِلٰی اَنْ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْصِنِیْ قَالَ اُوْصِیْكَ بِتَقْوَی اللّٰهِ فَاِنَّهٗ اَزْیَنُ لِاَمْرِكَ کُلِّهٖ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ عَلَیْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَذِکْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّهٗ ذِکْرٌ لَكَ فِی السَّمَاءِ وَنُوْرٌ لَكَ فِی الْاَرْضِ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ عَلَیْكَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّهٗ مَطْرَدَةٌ لِلشَّیْطَانِ وَعَوْنٌ لَكَ عَلٰی اَمْرِ دِیْنِكَ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ اِیَّاكَ وَکَثْرَةَ الضِّحْكِ فَاِنَّهٗ یُمِیْتُ الْقَلْبَ وَیَذْهَبُ بِنُوْرِ الْوَجْهِ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ لَاتَخَفْ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ لِیَحْجُزْكَ عَنِ النَّاسِ مَاتَعْلَمُ مِنْ نَفْسِكَ[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے بعد (خود ابوذر رضی اللہ عنہ نے یا ابوذر سے نقل کرنے والے راوی نے) طویل حدیث بیان کی (جو یہاں نقل نہیں کی گئی بلکہ اس کے یہ آخری جملے نقل کئے گئے ہیں) پھر ابوذر نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھ کو کوئی نصیحت فرمایئے، آپ نے فرمایا میں تم کو تقوی اللہ یعنی اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ تقویٰ تمہارے تمام (دینی دنیاوی) امور واعمال کو بہت زیادہ زینت وآراستگی بخشنے والا ہے، میں نے عرض کیا کہ میرے لئے کچھ اور (نصیحت) فرمایئے، آپ نے فرمایا تلاوت قرآن اور ذکر اللہ کو اپنے لئے ضروری سمجھو کیونکہ تلاوت قرآن اور ذکر اللہ تمہارے لئے آسمان میں ذکر کا موجب ہوگا اور زمین پر نور کا سبب ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ میرے لئے کچھ اور (نصیحت) فرمایئے، آپ نے فرمایا طویل خاموشی کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ خاموشی شیطان کو دور بھگاتی ہے اور دینی امور میں تمہاری مددگار رہوتی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے کچھ اور (نصیحت) فرمایئے، آپ نے فرمایا بہت زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کردیتا ہے اور چہرے کی موزونیت کو کھودیتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میرے لئے کچھ اور (نصیحت) فرمایئے، آپ نے فرمایا سچی بات کہو اگرچہ وہ کڑوی ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میرے لئے کچھ اور (نصیحت) فرمایئے، آپ نے فرمایا خدا کے دین اور خدا کے پیغام کو ظاہر کرنے اور اس کی تائید وتقویت میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرو۔ میں نے عرض کیا کہ میرے لئے کچھ اور (نصیحت) فرمایئے، آپ نے فرمایا چاہئے کہ وہ چیز تمہیں لوگوں کے عیوب (ظاہر کرنے) سے روکے جس کو تم اپنے نفس کے بارے میں جانتے ہو۔

[1] المرقات: ۸/۶۰۲ [2] اخرجہ البیهقی: ۴/۲۴۲

خاموشی اور خوش خلقی کی فضیلت

﴿۵۳﴾وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَبَاذَرٍّ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى خَصْلَتَيْنِ هُمَا اَخَفُّ عَلَى الظَّهْرِ وَاَثْقَلُ فِي الْمِيْزَانِ قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ طُوْلُ الصَّمْتِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا عَمِلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا۔[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوذر کیا میں تمہیں وہ دو خصلتیں نہ بتادوں جو (مکلف انسان کی) پشت پر یعنی اس کی زبان کے اوپر بہت ہلکی ہیں لیکن اعمال کے ترازو میں بہت بھاری ہیں۔ حضرت ابوذر نے بیان کیا کہ میں نے (یہ سنکر) عرض کیا کہ ہاں ضرور بتایئے۔ آپ نے فرمایا معرفت الٰہیہ اور نظام قدرت میں غور وفکر کے لئے طویل خاموشی اور خوش خلقی۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مخلوق کے لئے ان دونوں خصلتوں سے بہتر کوئی کام نہیں ہے۔

﴿۵۴﴾وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَبِيْ بَكْرٍ وَهُوَ يَلْعَنُ بَعْضَ رَقِيْقِهٖ فَالْتَفَتَ اِلَيْهِ فَقَالَ لَعَّانِيْنَ وَصِدِّيْقِيْنَ كَلَّا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَاَعْتَقَ اَبُوْبَكْرٍ يَوْمَئِذٍ بَعْضَ رَقِيْقِهٖ ثُمَّ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا اَعُوْدُ۔ (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الْخَمْسَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)[2]

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق کے پاس سے گزر رہے تھے تو (دیکھا کہ) وہ اپنے کسی غلام پر لعنت کر رہے ہیں۔ آنحضرت ان کی طرف متوجہ ہوگئے اور فرمایا کہ بھلا تم نے لعنت کرنے والے اور صدیقین کو بھی دیکھا ہے؟ نہیں رب کعبہ کی قسم! یہ دونوں باتیں کسی ایک شخص میں ہرگز جمع نہیں ہوسکتیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے (یہ ارشاد سنکر اپنی اس تقصیر کے کفارہ کے طور پر) اس دن اپنے بعض غلاموں کو آزاد کیا اور پھر (معذرت خواہی کے لئے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں آئندہ کبھی ایسا کام نہیں کروں گا حضرت عمران بن حطان کی روایت سے لے کر اس حدیث تک کی ان پانچوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

زبان کی ہلاکت خیزی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خوف

﴿۵۵﴾وَعَنْ اَسْلَمَ قَالَ اِنَّ عُمَرَ دَخَلَ يَوْمًا عَلٰى اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ وَهُوَ يَجْبِذُ لِسَانَهٗ فَقَالَ عُمَرُ مَهْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْبَكْرٍ اِنَّ هٰذَا اَوْرَدَنِي الْمَوَارِدَ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)[3]

[1] اخرجه البيهقي: ۴/۲۴۲ [2] اخرجه البيهقي: ۴/۲۹۴ [3] اخرجه مالك: ۹۸۸

ترجمہ: اور حضرت اسلم کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر فاروق امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں حاضر ہوئے تو (دیکھا کہ) حضرت ابوبکر اپنی زبان کو کھینچ رہے ہیں، حضرت عمر نے (یہ دیکھ کر) کہا کہ ٹھہریئے ایسا نہ کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ (یہ زبان اسی سزا کی مستوجب ہے کیونکہ) اس نے مجھے ہلاکت کی جگہوں میں ڈالا ہے۔ (مالک)

چھ خصلتیں جنت کی ضامن ہیں

﴿۵٦﴾وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِضْمَنُوْالِي سِتًّا مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ اُصْدُقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ وَاَوْفُوْا اِذَا وَعَدْتُّمْ وَاَدُّوْا اِذَااؤْتُمِنْتُمْ وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ وَغُضُّوْااَبْصَارَكُمْ وَكُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ. ؎

ترجمہ: اور حضرت عبادہ ابن صامت روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم لوگ اپنے بارے میں مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو یعنی چھ باتوں پر عمل کرنے کا عہد کرلو تو میں (نجات پائے ہوئے اور صالحین کے ساتھ) تمہارے جنت میں جانے کا ضامن بنتا ہوں ❶ جب بھی بولو سچ بولو ❷ وعدہ کرو تو پورا کرو ❸ تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو امانت کو ادا کرو ❹ اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرو یعنی حرام کاری سے بچو ❺ اپنی نگاہ کو محفوظ رکھو یعنی اس چیز کی طرف نظر اٹھانے سے پرہیز کرو جس کو دیکھنا جائز نہیں ❻ اپنے ہاتھوں پر قابو رکھو یعنی اپنے ہاتھوں کو ناحق مارنے اور حرام و مکروہ چیزوں کو پکڑنے سے باز رکھو، یا یہ کہ اپنے آپ کو ظلم و تعدی کرنے سے باز رکھو۔

اچھے لوگوں کی نشانی

﴿۵۷﴾وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ وَاَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ عِبَادِاللّٰهِ الَّذِيْنَ اِذَا رُاُوْا ذُكِرَاللّٰهُ وَشِرَارُعِبَادِاللّٰهِ الْمَشَّاؤُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ اَلْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ الْبَاغُوْنَ الْبُرَاءَ الْعَنَتَ۔ (رَوَاهُمَا اَحْمَدُوَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ) ؎

ترجمہ: اور حضرت عبدالرحمن ابن غنم اور اسماء بنت یزید راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد آجائے اور اللہ کے بدترین بندے وہ ہیں جو لوگوں میں چغلی کھاتے پھرتے ہیں (جس سے ان کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا) کہ وہ دوستوں کے درمیان نفاق و جدائی ڈال دیں اور پاکیزہ لوگوں کے دامن پر فساد اور خرابی اور زنا کاری کے چھینٹے ڈالیں یعنی خدا کے جو نیک بندے فتنہ و فساد، گناہ و معصیت اور کسی عیب سے پاک و منزہ ہوتے ہیں ان پر فتنہ و فساد اور گناہ

؎ اخرجہ احمد: ۵/۳۲۳ ؎ اخرجہ احمد: ۶/۴۲۸

ومعصیت جیسے زنا کاری وغیرہ کا بہتان لگاتے ہیں اور اس طرح ان کو ہلاکت ومشقت اور دشواریوں میں مبتلا کرتے ہیں۔

(احمد وبیہقی)

توضیح: "رُاُوْا" یعنی اللہ والے تو وہ ہوتے ہیں جن کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے جن کے خوبصورت چمکدار نورانی اور معصوم چہرے ہوتے ہیں جس پر عبادت کی نشانی ہر کس وناکس کو نظر آتی ہے کسی نے خوب کہا۔ [۱]

مرد حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

"الباغون" باغی کی جمع ہے طلب کرنے والے کو کہتے ہیں اس کا پہلا مفعول **البراء** ہے [۲] اور **العنت** اس کا دوسرا مفعول ہے "البراء" با کے فتحہ کے ساتھ بری کے معنی میں مصدر ہے اور اگر با پر ضمہ ہو تو یہ بریئ کی جمع ہے جو بے گناہ بری الذمہ اور پاک دامن پاکیزہ آدمی کو کہتے ہیں "العنت" فساد وفتنہ اور مصیبت ومشقت کے معنی میں ہے یعنی بے گناہ لوگوں پر بہتان باندھنا ان کو فساد اور آزمائشوں اور مشقتوں میں ڈالنا اور ان کو تنگ کرنا بدترین لوگوں کی نشانی ہے۔ [۳]

غیبت کرنے سے روزہ کا ثواب جاتا رہتا ہے

﴿۵۸﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلَيْنِ صَلَّيَا صَلٰوةَ الظُّهْرِ اَوِ الْعَصْرِ وَكَانَا صَائِمَيْنِ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ قَالَ اَعِيْدُوْا وُضُوْءَ كُمَا وَصَلٰوتَكُمَا وَامْضِيَا فِي صَوْمِكُمَا وَاقْضِيَاهُ يَوْمًا اٰخَرَ قَالَا لِمَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِغْتَبْتُمْ فُلَانًا [۴]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ (ایک دن) دو آدمیوں نے جو روزہ دار تھے (نبی کریم ﷺ کے پیچھے ظہر یا عصر کی) نماز پڑھی جب نبی کریم ﷺ نماز پڑھ چکے تو (ان دونوں سے) فرمایا کہ تم دونوں دوبارہ وضو کرو اپنی اس نماز کو لوٹاؤ اور اپنے اس روزے کو پورا کرو اور اس کے بدلے میں احتیاطاً دوسرے دن روزہ رکھ لو۔ ان دونوں نے (یہ سنکر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایسا کیوں؟ یعنی وضو نماز اور روزے کو لوٹانے کا حکم کس سبب سے ہے؟ آپ نے فرمایا اس لئے کہ تم نے فلاں شخص کی غیبت کی ہے۔

توضیح: "اعیدوا وضوئکما" تثنیہ کے لئے جمع کا صیغہ عربی میں استعمال کیا جاتا ہے یہاں ایسا ہی کیا گیا ہے دو آدمیوں کے لئے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے اور ایک روایت میں اعیدا تثنیہ بھی ہے یہ کلام زجر وتوبیخ اور تہدید وتشدید اور سخت ممانعت پر محمول ہے کیونکہ علماء میں سے کسی نے یہ فتویٰ نہیں دیا ہے کہ غیبت سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ہاں غیبت سے روزہ کا ثواب کم ہو جاتا ہے اور اسی طرح وضو کا ثواب متاثر ہو جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے اسی نقصان کو پورا کرنے کے لئے حکم دیا کہ نئے سرے سے وضو بنالو نیز اس حکم سے آپ نے غیبت کی شدت وقباحت کو ظاہر

[۱] المرقات: ۸/۶۰۸ [۲] المرقات: ۸/۶۰۸ [۳] المرقات: ۸/۶۰۸ [۴] اخرجه البیهقی: ۴/۳۴۳

کرنا چاہا ہے اگرچہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات میں لکھتے ہیں کہ یہ حکم خواص کے لئے ہے اور یہ تقویٰ وفتویٰ خواص کے لئے ہے یہ عوام کے احکام میں سے نہیں ہے۔ ملاعلی قاری یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر روزہ نفلی ہے تو اس سے مقصود ہی ثواب ہے جب ثواب ختم ہوگیا تو روزہ بھی جاتا رہا اور آدمی کے گلے میں گناہ رہ گیا۔ [1]

غیبت زنا سے بدتر گناہ ہے

﴿۹۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَجَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَ کَیْفَ الْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَزْنِیْ فَیَتُوْبُ فَیَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَیَتُوْبُ فَیَغْفِرُ اللّٰہُ لَہٗ وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِیْبَۃِ لَایُغْفَرُ لَہٗ حَتّٰی یَغْفِرَھَا لَہٗ صَاحِبُہٗ وَفِیْ رِوَایَۃِ اَنَسٍ قَالَ صَاحِبُ الزِّنَا یَتُوْبُ وَصَاحِبُ الْغِیْبَۃِ لَیْسَ لَہٗ تَوْبَۃٌ۔

(رَوَی الْبَیْہَقِیُّ الْاَحَادِیْثَ الثَّلٰثَۃَ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا غیبت کرنا، زنا کرنے سے زیادہ سخت برائی ہے، صحابہ نے (یہ سنکر) عرض کیا کہ یارسول اللہ! غیبت زنا سے زیادہ سخت برائی کس طرح سے ہے؟ آپ نے فرمایا (اس طرح کہ) جب آدمی زنا کرتا ہے تو توبہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے لیکن غیبت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نہیں بخشا جب تک کہ اس کو وہ شخص معاف نہ کردے جس کی اس نے غیبت کی ہے اور حضرت انس کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا زنا کرنے والا تو بہ کرتا ہے اور غیبت کرنے والے کے لئے توبہ نہیں ہے۔ (ان تینوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے)

توضیح: "لایغفر لہ" ظالم بادشاہ، متعدی بدعتی اور فاسق مجاہر کی غیبت اس لئے جائز ہے تاکہ لوگوں کو اس کے ظلم اور فتنہ وفساد سے باخبر رکھا جائے لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ غیبت کرنے والے کی نیت خالص ہو نیز وہ اتنا بااثر ہو کہ اس کی غیبت سے عام مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہو اور اثر ہوتا ہو اگر ایسا نہ ہو تو فضول غیبت فضول ہی ہے زجاجۃ المصابیح یعنی مشکوٰۃ حنفی میں لکھا ہے کہ غیبت اس وقت حقوق العباد میں سے بن جاتی ہے کہ مُغتاب شخص کو اس کی اطلاع ہوجائے اگر اطلاع نہیں ہوئی تو غیبت حقوق اللہ میں سے ہے اس کا فائدہ اور ثمرہ یہ نکلے گا کہ جب تک غیبت حقوق اللہ میں رہیگی تو صرف استغفار اور توبہ سے معاف ہوجائیگی لیکن جب حقوق العباد میں شامل ہوگئی تو اب مغتاب شخص کا معاف کرنا ضروری ہوجاتا ہے خود بخود توبہ سے معاف نہیں ہوتی یہی معنی لایغفر لہ کا ہے۔

[1] المرقات: ۸/۶۰۹ [2] اخرجہ البیہقی: ۵/۳۰۶

اس باب کی ابتداء میں غیبت سے متعلق تمام ابحاث پر کلام کیا گیا ہے ایک نظر وہ دیکھ لیا جائے۔ "لیس له توبة" اس جملہ کے دو مطلب ہیں۔ پہلا مطلب یہ ہے کہ آدمی غیبت کو معمولی چیز سمجھتا ہے اس لئے توبہ نہیں کرتا تو غیبت کی توبہ نہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ توبہ کی قبولیت اور اس کی صحت کا مدار مغتاب شخص کے معاف کرنے پر موقوف ہے لہٰذا یہ کہنا درست ہے کہ غیبت کے لئے توبہ نہیں یعنی مستقل توبہ نہیں جو غیبت کرنے والے کے اختیار میں ہو اور جب توبہ نہیں تو مغفرت بھی نہیں۔ [1]

غیبت کا کفارہ

﴿۶۰﴾وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ كَفَّارَةِ الْغِيْبَةِ اَنْ تَسْتَغْفِرَ لِمَنِ اغْتَبْتَهٗ تَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلَهٗ.

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ وَقَالَ فِيْ هٰذَا الْاِسْنَادِ ضُعْفٌ) [2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تم اس شخص کی مغفرت وبخشش کی دعا مانگو جس کی تم نے غیبت کی ہے اور اس طرح دعا مانگو کہ اے اللہ ہم کو اور اس شخص کو (کہ جس کی میں نے غیبت کی ہے) بخش دے۔ اس روایت کو بیہقی نے (اپنی کتاب) دعوات کبیر میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے۔

توضیح: "کفارة الغيبة" اس حدیث میں غیبت کرنے والے شخص کی غیبت کا کفارہ بتایا گیا ہے کہ وہ مُغتاب کے لئے مستقل استغفار جاری رکھے، اس میں غیبت کرنے والے کی کتنی سبکی اور توھین ہے کہ جس سے وہ نفرت کر رہا تھا اور اس کی غیبت میں لگا ہوا تھا بلکہ اس کی بدگوئی اور غیبت میں وہ لذت محسوس کر رہا تھا اب اس کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ مغتاب کے لئے استغفار کرو اور ان کے لئے دعائیں مانگا کرو۔ اس حدیث سے ہر عقلمند کی آنکھیں کھل جانی چاہئے کہ وہ آج ایسا فعل کیوں کرتا ہے اور ایسا کلام کیوں اختیار کرتا ہے جس کی معذرت اور معافی کے لئے کل ناک رگڑنی پڑتی ہے اور ذلت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ [3]

---

[1] المرقات: ۸/۶۱۰ [2] اخرجه البيهقي: ۵/۳۰۶ [3] المرقات: ۸/۶۱۰

مورخہ ۷ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

باب الوعد

وعدہ کرنے کا بیان

قال اللہ تعالیٰ واوفوا بالعھد ان العھد کان مسؤلا [1]

وعد یعد عدۃ ضرب یضرب سے ہے وعدہ کرنے کے معنی میں ہے یعنی کسی سے یہ کہنا کہ میں آپ کے پاس فلاں وقت آؤں گا آپ کا فلاں کام کروں گا یا آپ کو فلاں چیز دوں گا یہ وعدہ ہے۔

وعدہ کا لفظ جب مطلق بولا جائے تو یہ خیر کے وعدے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور وعید کا لفظ شر کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اگر لفظ وعدہ کو خیر یا شر کے ساتھ مقید کیا جائے تو اس میں خیر اور شر کے دونوں معنی آسکتے ہیں جیسے "**وعدته خیرا وعدته شرا**"

قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے ایفاء عہد کا بار بار حکم دیا ہے جیسے ﴿**یاایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود**﴾ [2] (مائدہ) دوسری آیت اس طرح ہے ﴿**وابراھیم الذی وفی**﴾ [3] تیسری آیت ہے ﴿**وکان صادق الوعد وکان رسولا نبیا**﴾ (انبیاء) [4]

ایفاء عہد انسانی معیار اور انسانی اخلاق وآداب کا بنیادی پتھر ہے وعدہ خلافی کرنے والا شخص جس طرح شریعت کی نظروں اور رحمتوں سے گر جاتا ہے اسی طرح وہ معاشرہ کے لوگوں کی نظروں سے بھی گر جاتا ہے اور اس کا نہ کوئی معیار باقی رہتا ہے نہ اعتبار باقی رہتا ہے۔ شرعی عذر کے بغیر وعدہ خلافی کرنا مکروہ تحریمی ہے امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل جمہور فقہاء کے نزدیک اگرچہ وعدہ پورا کرنا مستحب کے درجہ میں ہے لیکن بعض دیگر فقہاء کے نزدیک وعدہ پورا کرنا واجب ہے قرآن وحدیث کی تاکیدات اور وعیدات کو دیکھتے ہوئے یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ وعدہ پورا کرنا واجب ہے کیونکہ وعدہ خلافی منافقین کی خاص علامت ہے، نیز عمر بن عبدالعزیز کے نزدیک بھی وعدہ پورا کرنا واجب ہے اب وعدہ کے لئے ضابطہ یہ بنا کہ اگر ایک شخص وعدہ کرتا ہے اور پوری کوشش کرتا ہے کہ اس کو پورا کرے لیکن بوجہ مجبوری اس کو پورا نہیں کر سکتا تو وہ شخص قرآن وحدیث کی بیان کردہ وعید میں نہیں آئے گا احادیث کی یہ وعیدیں اس شخص کی طرف متوجہ ہیں جو وعدہ کرتے کرتے وعدہ خلافی کی نیت کرتا ہے اور اس کو پورا نہیں کرتا اور دوستوں سے کہتا ہے کہ میں اس کو ٹرخاتا ہوں یہ مسلمان کا کام نہیں ہے۔

---

[1] بنی اسرائیل: ۳۴　[2] مائدہ: ۱　[3] نجم: ۳۷　[4] انبیا.........

الفصل الاول

جانشین کو اپنے پیشرو کا وعدہ پورا کرنا چاہئے

﴿۱﴾ عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَاءَ اَبَابَكْرٍ مَالٌ مِنْ قِبَلِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَضْرَمِيِّ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ مَنْ كَانَ لَهٗ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنٌ اَوْ كَانَتْ لَهٗ قِبَلَهٗ عِدَةٌ فَلْيَأْتِنَا قَالَ جَابِرٌ فَقُلْتُ وَعَدَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُعْطِيَنِيْ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا فَبَسَطَ يَدَيْهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَ جَابِرٌ فَحَثٰى لِيْ حَثْيَةً فَعَدَدْتُهَا فَاِذَا هِيَ خَمْسُ مِائَةٍ وَقَالَ خُذْ مِثْلَيْهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب رسول کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور (خلیفہ اول) حضرت ابوبکر صدیق کے پاس علاء بن حضرمی کے ہاں سے مال آیا تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ جس شخص کا آنحضرت پر قرض ہو یا جس شخص سے آنحضرت نے کچھ (دینے کا) وعدہ کیا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ ہمارے پاس آئے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (یہ سنکر) میں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے اتنا اور اتنا اور اتنا دینے کا مجھ سے وعدہ فرمایا تھا (یہ کہہ کر) حضرت جابر نے اپنے دونوں ہاتھ تین مرتبہ کھولے۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ پس حضرت ابوبکر نے ایک بار اپنے دونوں (ہاتھ) بھر کر مجھ کو (زر نقد) عطا فرمایا، میں نے اس کو شمار کیا تھا تو وہ تعداد میں پانچ سو درہم تھے پھر انہوں نے فرمایا کہ اسی طرح دو مرتبہ اور لے لو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "قبله عدة" قاف پر زیر ہے با اور لام پر فتحہ ہے عندہ کے معنی میں ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے ان سے کوئی وعدہ کیا ہو یا کسی شخص کا آنحضرت ﷺ پر قرض ہو وہ میرے پاس آجائے میں ادا کروں گا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی کا خلیفہ یا جانشین بن جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے پیشرو کے وعدوں اور قرضوں کو پورا کرے یہ مستحب ہے خواہ وہ جانشین وارث ہو یا وارث نہ ہو صدیق اکبر وارث نہیں تھے لیکن آنحضرت کے جانشین تھے مگر آپ نے حضور اکرم کے وعدوں کی ذمہ داری قبول کی۔

"هكذا" یہ لپیں بھرنے کی طرف اشارہ ہے[۲] "فحثى" حثية اسی لپیں بھرنے کو کہتے ہیں یعنی حضرت ابوبکر نے دونوں ہاتھ بھر کر درہم دیدیئے جب میں نے گن لیا تو اس میں پانچ سو درہم تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے دو مثل مزید لے لو تا کہ تین لپیں بن جائیں اور آنحضرت کا وعدہ پورا ہو جائے گویا حضرت جابر کو پندرہ سو درہم مل گئے اور اسی کا وعدہ تھا۔[۳]

---

[۱] اخرجه البخاری: ۲/۱۲۶ ومسلم: ۲/۳۲۲۰ [۲] المرقات: ۸/۶۱۲، ۶۱۳ [۳] المرقات: ۸/۶۱۳

الفصل الثانی

﴿۲﴾وَعَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَبْیَضَ قَدْ شَابَ وَكَانَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ یُشْبِهُهٗ وَاَمَرَلَنَا بِثَلٰثَةَ عَشَرَ قَلُوْصًا فَذَهَبْنَا نَقْبِضُهَا فَاَتَانَا مَوْتُهٗ فَلَمْ یُعْطُوْنَا شَیْئًا فَلَمَّا قَامَ اَبُوْبَكْرٍ قَالَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عِدَةٌ فَلْیَجِیئْ فَقُمْتُ اِلَیْهِ فَاَخْبَرْتُهٗ فَاَمَرَ لَنَا بِهَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)[1]

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ کا رنگ (سرخی مائل) سفید تھا اور آپ پر بڑھاپا ظاہر ہو چکا تھا اور حضرت حسن ابن علی آنحضرت سے بہت مشابہ تھے آنحضرت نے ہماری جماعت کو تیرہ جوان اونٹنیاں دیئے جانے کا حکم فرمایا تھا، چنانچہ ہم ان اونٹنیوں کو لینے گئے تو اسی دوران ہمیں آنحضرت کی وفات کی خبر ملی اور ہمیں کچھ بھی نہیں دیا گیا پھر جب حضرت ابوبکر صدیق (خلیفہ اول قرار پائے اور خطبہ دینے کے لئے) کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ جس شخص سے رسول کریم ﷺ نے کچھ دینے کا وعدہ فرمایا ہو اس کو چاہئے کہ وہ ہمارے پاس آئے۔ میں ان کے سامنے جا کھڑا ہوا اور ان کو اس بارے میں بتایا چنانچہ حضرت ابوبکر نے ہمیں تیرہ اونٹنیاں دینے کا حکم فرمایا۔ (ترمذی)

توضیح: "ابیض شاب" یعنی آنحضرت کا رنگ ملاحت کے ساتھ سفید تھا شاب کا مطلب یہ ہے کہ آپ عمر رسیدہ تھے یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کے بالوں پر سفیدی چھائی ہوئی تھی کیونکہ آنحضرت کے سر اور داڑھی میں بیس بالوں سے زیادہ سفید نہیں تھے آنحضرت کے روشن چہرہ کے بارے میں آپ کے چچا ابوطالب نے ایک لمبے قصیدے میں یہ شعر بھی پڑھا ہے۔[2]

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامی عصمة للارامل

بہرحال اس حدیث سے اور اس سے پہلی والی حدیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ میت کے وارث یا اس کے خلیفہ اور وصی کے لئے مستحب ہے کہ میت کا وعدہ پورا کریں اور اس کے ذمہ جو قرض ہو وہ ادا کریں کیونکہ وعدہ بھی قرض اور دین میں شامل ہے۔[3]

ایفاء عہد کا اعلیٰ نمونہ

﴿۳﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِی الْحَسْمَاءِ قَالَ بَایَعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ یُّبْعَثَ وَبَقِیَتْ لَهٗ بَقِیَّةٌ فَوَعَدْتُّهٗ اَنْ اٰتِیَهٗ بِهَا فِیْ مَكَانِهٖ فَنَسِیْتُ فَذَكَرْتُ بَعْدَ ثَلٰثٍ فَاِذَا هُوَ فِیْ مَكَانِهٖ فَقَالَ لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَیَّ اَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلٰثٍ اَنْتَظِرُكَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)[4]

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۱۲۸ [2] المرقات: ۸/۶۱۲ [3] المرقات: ۸/۶۱۳ [4] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۰۱

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن ابوحسماء کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے نبی ہونے سے پہلے (ایک مرتبہ) میں نے آپ سے (کسی چیز کو) خریدا اور اس کے کچھ حصہ کی ادائیگی مجھ پر باقی رہ گئی اور میں نے وعدہ کیا کہ میں بقیہ قیمت لے کر اسی جگہ (جہاں آپ تشریف فرما تھے یا جہاں میں نے وہ چیز خریدی تھی) آپ کی خدمت میں حاضر ہونگا لیکن میں اس وعدہ کو بھول گیا اور پھر تیسرے دن یہ بات یاد آئی (کہ میں نے آپ سے کوئی وعدہ کیا تھا جبھی میں وہ بقیہ قیمت لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھتا ہوں کہ) آپ اسی جگہ بیٹھے ہوئے ہیں اور (مجھے دیکھ کر) فرمایا کہ تم نے مجھ کو بڑی زحمت میں مبتلا کر دیا میں تین دن سے اسی جگہ (بیٹھا ہوا) تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (ابوداؤد)

توضیح: "بایعت" اس سے خرید وفروخت کی بیع مراد ہے اصلاحی بیعت مراد نہیں ہے صحابی کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت کے ساتھ ان کا کوئی معاملہ ہوا اور حضور اکرم کی طرف سے اس شخص کے ذمہ کچھ پیسہ دینا باقی تھا انہوں نے آنحضرت سے کہا کہ آپ یہیں پر بیٹھ جائیں میں وہ پیسہ لیکر آتا ہوں اس شخص کا کہنا ہے کہ میں گیا اور تین دن تک بھول گیا تیسرے دن یاد آیا تو واپس اس جگہ پر آ گیا دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ اسی جگہ میں تشریف فرما ہیں آنحضرت ایفاء عہد کے لئے بیٹھے تھے اس لئے نہیں کہ آپ اپنے پیسوں کے لئے بیٹھے تھے یاد رہے یہ واقعہ نبوت ملنے سے پہلے کا ہے "**قبل ان یبعث**"[1] کا مطلب یہی ہے۔

وعدہ پورا کرنے میں شرعی عذر کا آنا

﴿۴﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ اَخَاهُ وَمِنْ نِيَّتِهٖ اَنْ يَفِيَ لَهٗ فَلَمْ يَفِ وَلَمْ يَجِئْ لِلْمِيْعَادِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت زید ابن ارقم نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب کوئی آدمی اپنے کسی بھائی سے کوئی وعدہ کرے اور اس کے اس وعدہ کو پورا کرنے کا قصد رکھتا ہو مگر (کسی عذر کے سبب) اس وعدہ کو پورا نہ کر سکے اور وقت موعود پر نہ آئے تو گناہ گار نہیں ہوگا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

توضیح: "**فلا اثم علیہ**" اس حدیث سے علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر شرعی یا عرفی عذر پیش آجائے تو اس کے بعد ایفاء عہد واجب نہیں رہتا۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایفاء عہد مکارم اخلاق میں سے ہے کوئی واجب شرعی نہیں ہے اور وعدہ خلافی کرنا مکروہ تحریمی ہے لیکن اکثر علماء کے نزدیک ایفاء عہد واجب شرعی ہے۔ بلا عذر خلاف وعدہ کرنا حرام ہے احادیث کی روشنی میں یہی مسلک راجح معلوم ہوتا ہے ہاں اگر وعدہ کے ساتھ کوئی شخص ان شاء اللہ کہہ دے تو پھر وہ آزاد ہے وعدہ کا پابند نہیں ہے۔[3]

[1] المرقات: ۸/۶۱۴ [2] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۰۰ والترمذی: ۵/۲۰ [3] المرقات: ۸/۶۱۵

الفصل الثالث

بچے کے ساتھ کیا ہوا وعدہ بھی پورا کرنا ضروری ہے

﴿۵﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ دَعَتْنِيْ اُمِّيْ يَوْمًا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِيْ بَيْتِنَا فَقَالَتْ هَا تَعَالَ اُعْطِيَكَ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَرَدْتِ اَنْ تُعْطِيَهٗ قَالَتْ اَرَدْتُّ اَنْ اُعْطِيَهٗ تَمْرًا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّكِ لَوْلَمْ تُعْطِيْهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كِذْبَةٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ) [۱]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عامر کہتے ہیں کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ: لو آؤ میں تمہیں (ایک چیز) دوں گی اس وقت رسول کریم ﷺ ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے (جب میری والدہ نے مجھ سے کہا تو) رسول کریم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے اس کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ میں اس کو ایک کھجور دینا چاہتی تھی رسول کریم ﷺ نے (یہ سنکر) ان سے فرمایا کہ یاد رکھو اگر تم اس کو کچھ نہ دیتیں تو تمہارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔ (ابوداؤد، بیہقی)

توضیح: "کذبة" یعنی اس بچے کو کچھ دینے کے وعدہ پر بلانے کے بعد اگر کچھ نہ دیتی تو تجھ پر ایک جھوٹ کا گناہ لکھا جاتا۔ یہ واقعہ عبداللہ بن عامر کے بچپن کا ہے والدین وغیرہ اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بچے سے پیار کرنے یا اسے پکڑنے کی غرض سے اس کو بلاتے ہیں اور کہتے ہیں آؤ بیٹے تجھے کچھ دیتا ہوں بچہ جب آجاتا ہے تو بلانے والا اس کو کچھ نہیں دیتا اور اس عمل کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے حالانکہ زیر بحث حدیث میں اس کو وعدہ قرار دیا گیا ہے اور اس کو وعدہ کے مطابق کچھ دینا چاہئے ورنہ یہ جھوٹ بن جائے گا اور جھوٹ کا گناہ اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھدیا جائے گا۔ [۲]

آدمی کب تک وعدے کا پابند رہتا ہے؟

﴿۶﴾وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَعَدَ رَجُلًا فَلَمْ يَأْتِ اَحَدُهُمَا اِلٰى وَقْتِ الصَّلٰوةِ وَذَهَبَ الَّذِيْ جَاءَ لِيُصَلِّيَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

---

[۱] اخرجه ابوداؤد: ۲۹۹/۴ والبيهقي [۲] المرقات: ۶۱۶/۸

ترجمہ: حضرت زید ابن ارقم سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی آدمی سے (کہیں ملنے کا) وعدہ کرے اور ان دونوں میں سے کوئی ایک نماز کے وقت تک وہاں نہ پہنچے اور وہ شخص نماز پڑھنے کے لئے چلا جائے جو وہاں آ گیا تھا تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔ (رزین)

توضیح: ''اذا وعد'' مثلاً دو آدمیوں نے کسی جگہ پہنچنے اور ملنے کا وعدہ ایک دوسرے کے ساتھ کیا ایک شخص پہنچ گیا اور دوسرا نہیں پہنچا تو یہ شخص حقیقی عذر لاحق ہونے تک انتظار کرے مثلاً نماز کا وقت آ گیا یا قضاء حاجت کا تقاضا ہو گیا یا کھانے پینے یا علاج معالجہ کی ضرورت پیش آئی تو اب یہ شخص مزید انتظار کرنے کا پابند نہیں ہے شرعی یا عرفی عذر کے پیش آنے کے بعد ایفاء عہد واجب نہیں رہتا جمہور فقہاء کے نزدیک وعدہ پورا کرنا مستحب ہے اور خلاف وعدہ کرنا سخت مکروہ ہے مگر بعض دیگر علماء کا قول ہے کہ ایفاء عہد واجب ہے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی فتویٰ ہے قرآن وحدیث سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے۔[1]

[1] المرقات: ۸/۶۱۶، ۶۱۷

باب المزاح

مزاح کا بیان

مزاح خوش طبعی کو کہا جاتا ہے ہنسی مذاق کے معنی میں ہے۔ مزاح کے کسرۂ میم اور ضمۂ میم دونوں جائز ہے۔ مزاح اور مذاق اس وقت تک خوش طبعی ہے جب تک کسی کی دل شکنی اور ایذا رسانی نہ ہو جب ایذا رسانی کی نوبت آ گئی تو پھر مزاح خوش طبعی نہیں بلکہ بدطبعی ہے جو ناجائز ہے۔ وہ مزاح جو حد سے متجاوز نہ ہو بلکہ حدود کے اندر اندر ہو اور کبھی کبھار ہو اس میں ظرافت کی باتیں ہوں تو یہ صرف مباح نہیں بلکہ صحت مزاج، وفور نشاط اور سلامتی طبع کی علامت ہے چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے مزاح کا مقصد بھی مخاطب کی دل بستگی، خوش وقتی اور محبت وانس اور الفت وراحت کے جذبات کو اجاگر اور مستحکم کرنا ہوتا تھا کیونکہ انسان انس سے بنا ہے۔ شاعر نے کہا ہے

وماسمی الانسان الالانسه وماسمی القلب الالان یتقلب

اگر مزاح میں لوگوں کی تحقیر مقصود ہو اور توہین شریعت اور مکروہ امور کا ارتکاب ہو اور اس میں فتنہ وفساد اور جھگڑے کی بنیاد ہو اور اس میں قساوت قلب اور شقاوت باطن کے اسباب ہوں تو ایسا مزاح ناجائز ہے یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں مزاح سے منع کیا گیا ہے ارشاد ہے "لاتمار اخاك ولاتمازحه" یعنی اپنے بھائی سے نہ جھگڑا کرو نہ ان سے مزاق کرو۔[1]

الفصل الاول

آنحضرت کی خوش طبعی

﴿۱﴾عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُخَالِطُنَا حَتّٰى يَقُوْلَ لِاَخٍ لِيْ صَغِيْرٍ يَا اَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ وَكَانَ لَهٗ نُغَيْرٌ يَلْعَبُ بِهٖ فَمَاتَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہم سے اختلاط وخوش طبعی فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ میرے چھوٹے بھائی سے (ازراہ مذاق) فرماتے ابوعمیر! نغیر کہاں گیا؟ (حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میرے اس چھوٹے بھائی کے پاس ایک نغیر تھا جس سے وہ کھیلا کرتا تھا اور جو مر گیا تھا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "یا اباعمیر" اس چھوٹے بچے کو آنحضرت ﷺ نے ابوعمیر کنیت سے یاد کیا اس چھوٹے کا نام کبشہ تھا حضرت انس کا سوتیلا بھائی تھا۔ حضرت طلحہ کا بیٹا تھا۔ اس نے ایک چھوٹا پرندہ پال رکھا تھا جس کا نام نغیر تھا یہ چڑیا نما

[1] المرقات: ۸/۶۱۷ [2] اخرجه البخاری: ۸/۳۷ ومسلم

چھوٹا پرندہ تھا اس کو ہندی میں لال کہتے ہیں اس کا سر اور چونچ سرخ ہوتا ہے۔ بعض علماء نے اس کو بلبل کہا ہے جب یہ پرندہ مرگیا تو آنحضرت ﷺ نے اس بچے کی دل بستگی کے لئے بطور مزاح فرمایا ابو عمیر نغیر پرندہ نے کیا کیا؟ اس جملہ سے اس بچے کی تسلی اور خوش طبعی مقصود تھی۔ علماء نے اس حدیث سے بہت سارے مسائل کا استنباط کیا ہے ایک تو یہ بات معلوم ہوگئی کہ چھوٹے بچے کو کنیت کے ساتھ یاد کیا جاسکتا ہے۔ دوسرا یہ ثابت ہوا کہ مزاح کرنا جائز ہے۔ تیسرا یہ معلوم ہوا کہ معمولی سی تکلیف پہنچنے پر بھی تعزیت کرنا جائز ہے۔ چوتھا یہ کہ مدینہ منورہ میں شکار کرنا اور پالنا جائز ہے۔ پانچواں یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ عام طور پر پنجروں میں رکھ کر پرندوں کا پالنا اور اس سے کھیلنا جائز ہے بشرطیکہ اس کی دیکھ بھال ٹھیک ٹھاک ہو۔[۱]

الفصل الثالث

حضور اکرم ﷺ کا مزاح سچ پر مبنی ہوتا تھا

﴿۲﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّكَ تُدَاعِبُنَا قَالَ إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۲]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں؟ آنحضرت نے فرمایا (ہاں لیکن اس خوش طبعی میں بھی) میں سچی بات کہتا ہوں۔ (ترمذی)

توضیح: "تداعبنا" یہ "مداعبہ" سے بنا ہے مطلب یہ ہے کہ صحابہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ آپ بھی ہمارے ساتھ خوش طبعی کے طور پر مزاح کرتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ ہاں مزاح میں بھی کرتا ہوں لیکن میرے مزاح میں ہمیشہ سچائی ہوتی ہے میں اس طرح احتیاط اور حد بندی کے ساتھ مزاح کرتا ہوں جو دوسرا نہیں کرسکتا ہے۔ صحابہ کرام نے بطور تعجب یہ سوال اس لئے کیا کہ صحابہ کو زیادہ ہنسنے اور مذاق سے آنحضرت ﷺ نے روکا تھا۔ نیز آنے والی حدیث میں ولا تمازحہ کے الفاظ بھی ہیں کہ اپنے بھائی سے مذاق نہ کرو ان چیزوں کو دیکھ کر صحابہ کرام نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! آپ ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہیں؟ آنحضرت نے مزاح کی اباحت کی طرف اشارہ فرمادیا۔[۳]

آنحضرت کی ظرافت اور خوش طبعی کے چند واقعات

﴿۳﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا اسْتَحْمَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي حَامِلُكَ عَلَى وَلَدِ نَاقَةٍ فَقَالَ مَا أَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَّا النُّوقُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ)[۴]

---

[۱] المرقات: ۸/۶۱۸ [۲] اخرجه الترمذي: ۴/۳۵۷ [۳] المرقات: ۸/۶۱۹، ۶۲۰ [۴] اخرجه الترمذي: ۴/۳۵۷ وابوداؤد: ۴/۳۰۱

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کا ایک جانور مانگا تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری سواری کے لئے اونٹنی کا بچہ دونگا اس شخص نے (حیرت کے ساتھ) کہا یا رسول اللہ! میں اونٹنی کے بچہ کا کیا کروں گا؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونٹ کو اونٹنی ہی تو جنتی ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح: "النوق" ناقة کی جمع ہے اونٹنی کو کہتے ہیں اس شخص نے سمجھا کہ **ولد ناقة** چھوٹا بچہ ہوگا جو سواری کے قابل نہیں ہوتا تو میں اس کے ساتھ کیا کروں گا آنحضرت نے بطور مزاح **ولد الناقة** کہدیا اور یہ حقیقت بھی تھی کیونکہ اونٹ کتنا بڑا بھی ہوجائے آخر **ولد الناقة** ہی ہوتا ہے اس سے خارج تو نہیں ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہ آدمی پریشان ہورہا ہے تب آپ نے مطلب کو واضح فرمادیا کہ "**وهل تلد الخ**" [1]۔ "**استحمل**" سین اور "ت" طلب کے لئے ہے یعنی اس نے سواری مانگی۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ آدمی جب کوئی بات سنے تو سننے کے بعد اس پر غور وفکر کرنا ضروری ہے تاکہ آدمی اس کے مطلب اور تہ تک پہنچ جائے جلد بازی میں فوراً سوال وجواب نہیں کرنا چاہئے اگر یہ شخص کچھ تامل کرتا اور سوچتا تو اصل حقیقت کو پالیتا اور پریشان نہ ہوتا۔[2]

﴿۴﴾ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ يَاذَا الْاُذُنَيْنِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے دو کانوں والے!۔ (ابوداؤد، ترمذی)

توضیح: "ذا الاذنین" اس جملہ میں مزاح ہے جہاں محبت والفت اور بے تکلفی ہوتی ہے وہاں ایسا ہوتا ہے سب لوگ دو کانوں والے ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بطور مزاح دو کانوں والا فرمایا جیسے ہم اپنی زبان میں بطور مزاح کسی کو کہتے ہیں "اے غوگو" اس مزاح کے ضمن میں آنحضرت نے اس شخص کی تعریف بھی فرمائی ہے کہ یہ شخص نہایت فہم والا اور بات سمجھنے والا ہے۔[4]

﴿۵﴾ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِامْرَاَةٍ عَجُوْزٍ اِنَّهٗ لَاتَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَجُوْزٌ فَقَالَتْ وَمَالَهُنَّ وَكَانَتْ تَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ فَقَالَ لَهَا اَمَاتَقْرَئِيْنَ الْقُرْاٰنَ اِنَّا اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا۔

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ)[5]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ (ایک دن) ایک بوڑھی عورت نے جب آپ سے یہ درخواست کی کہ میرے جنت میں جانے کی دعا فرمایئے تو اس سے آپ نے فرمایا کہ جنت میں کوئی بوڑھی عورت نہیں جائے گی اس

---

[1] المرقات: ۸/۶۲۰ [2] المرقات: ۸/۶۲۰ [3] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۰۲ والترمذی: ۴/۳۵۸

[4] المرقات: ۸/۶۲۰ [5] اخرجه البغوی فی شرح السنة ۱۳/۱۸۳

پر اس نے کہا کہ بوڑھیوں کا کیا قصور ہے وہ عورت قرآن پڑھی ہوئی تھی تو آنحضرت نے فرمایا کہ تم نے قرآن میں یہ نہیں پڑھا کہ ﴿انا انشأنهن انشاء فجعلنهن ابكارا﴾ یعنی ہم جنت کی عورتوں کو پیدا کریں گے جیسا کہ پیدا کیا جاتا ہے پس ہم ان کو کنواری بنادیں گے (اس اعتبار سے یہ خوش طبعی مبنی برحقیقت تھی اور آپ کا یہ فرمانا درست ہوا کہ یہ بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی کیونکہ واقعۃً کوئی عورت اپنے بڑھاپے کے ساتھ جنت میں نہیں جائیگی) اس روایت کو رزین نے نقل کیا ہے اور (بغوی نے) اپنی دوسری کتاب شرح السنۃ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے جو مصابیح میں مذکور ہیں۔

توضیح: "عجوز" بوڑھی عورت کو عجوز کہتے ہیں اس عورت نے آنحضرت ﷺ سے دعا کی درخواست کی تھی کہ مجھے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمادے۔ جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بوڑھی عورت جنت میں داخل نہیں ہوگی یہ سن کر وہ رونے لگی اور واپس چلی گئی اور کہا کہ بوڑھیوں کا کیا قصور ہے کہ جنت نہیں جائیں گی آنحضرت نے ان کے پیچھے آدمی بھیجا اور فرمایا کہ ان سے کہو کہ جنت میں جوان بن کر عورتیں جائیں گی بوڑھیاں نہیں ہونگی پھر آنحضرت ﷺ نے بطور استشہاد قرآن کی آیت تلاوت فرمائی۔[1]

﴿۶﴾ وَعَنْهُ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ كَانَ اسْمُهُ زَاهِرَ بْنَ حَرَامٍ وَكَانَ يُهْدِيْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْبَادِيَةِ فَيُجَهِّزُهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ زَاهِرًا بَادِيَتُنَا وَنَحْنُ حَاضِرُوْهُ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّهُ وَكَانَ دَمِيْمًا فَأَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا وَهُوَ يَبِيْعُ مَتَاعَهُ فَاحْتَضَنَهُ مِنْ خَلْفِهِ وَهُوَ لَا يُبْصِرُهُ فَقَالَ أَرْسِلْنِيْ مَنْ هٰذَا فَالْتَفَتَ فَعَرَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ لَا يَأْلُوْ مَا أَلْزَقَ ظَهْرَهُ بِصَدْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عَرَفَهُ وَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يَشْتَرِي الْعَبْدَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِذًا وَاللهِ تَجِدُنِيْ كَاسِدًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لٰكِنْ عِنْدَ اللهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شہر سے باہر کا رہنے والا ایک شخص جس کا نام زاہر ابن حرام تھا۔ نبی کریم ﷺ کے لئے بطور ہدیہ شہر کے باہر سے کچھ لایا کرتا تھا (یعنی ایسی چیزیں جو شہر سے باہر جنگل میں پیدا ہوتی ہیں جیسے ساگ، سبزی، لکڑی اور پھول پھل وغیرہ) اور جب وہ مدینہ سے باہر جانے لگتا تو رسول کریم ﷺ اس کو رخصت فرماتے اور اس

[1] المرقات: ۸/۶۲۱ [2] اخرجه البغوی فی شرح السنة ۱۳/۱۸۱

کے بارے میں فرماتے کہ زاہر ہمارا باہر کا گماشتہ ہے (کہ وہ ہمارے لئے باہر کی چیزیں لاتا ہے) اور ہم اس کے شہر کے گماشتہ ہیں (کہ ہم اس کو شہر کی چیزیں دیتے ہیں) نیز نبی کریم ﷺ زاہر سے بہت محبت وتعلق رکھتے تھے ویسے وہ ایک بے صورت شخص تھا، ایک دن نبی کریم ﷺ (بازار میں) تشریف لے گئے تو (دیکھا کہ) وہ اپنا سودا سلف بیچ رہا ہے آپ نے پیچھے سے اس کی اس طرح کولی بھرلی کہ وہ آپ کو دیکھ نہیں سکتا تھا (یعنی آپ اس کی بے خبری میں اس کے پیچھے بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ اس کی دونوں بغلوں کے نیچے سے نکال کر اس کی آنکھیں چھپالیں تاکہ وہ پہچان نہ سکے) زاہر نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو، یہ شخص کون ہے پھر اس نے کوشش کر کے کن آنکھیوں سے دیکھا اور نبی کریم ﷺ کو پہچان گیا پھر تو وہ آپ کو پہچاننے کے بعد اپنی پیٹھ کو نبی کریم ﷺ کے سینۂ مبارک سے چمٹانے کی پوری کوشش کرنے لگا (تاکہ زیادہ سے زیادہ برکت حاصل کرلے) ادھر نبی کریم ﷺ نے یہ آواز لگانی شروع کردی کہ کون شخص ہے جو اس غلام کا خریدار ہے؟ اس نے عرض کیا یارسول اللہ! خدا کی قسم آپ مجھ کو ناکارہ پائیں گے (یعنی بالکل سستا اور بے کار مال) نبی کریم ﷺ نے فرمایا لیکن تم خدا کے نزدیک ناکارہ نہیں ہو۔ (شرح السنۃ)

توضیح: "من اهل البادية" یعنی ایک صحرانشین بادیہ نشین شخص تھا جس کا نام زاہر تھا آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ شخص ہمارا صحرائی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں یعنی یہ صحرا سے وہاں کے مناسب تحفے لاکر ہمیں دیتا ہے اور ہم شہر کے مناسب تحفے ان کو دیتے ہیں پھر آنحضرت ﷺ نے بطور مزاح ان کو غلام فرمایا کیونکہ سارے لوگ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں۔[1]

"**من يشترى العبد**" یعنی اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ کسی چیز کا تذکرہ بطور استفہام کرنا کہ کون اس کو خریدتا ہے یہ واقعی خرید وفروخت کے لئے نہیں ہوتا یہاں بطور مزاح اس طرح ہوا ہے۔ پھر بھی علماء نے لکھا ہے کہ نبی اگر کسی آزاد آدمی کو فروخت کرنا چاہے تو وہ اسے فروخت کرسکتا ہے۔[2]

"**لكاسد**" یعنی اگر بازار میں میری قیمت لگنی شروع ہوجائے تو میں بے قیمت اور بیکار ثابت ہوجاؤں گا کہتے ہیں کہ یہ صحابی خوبصورت نہیں تھے اس لئے انہوں نے اس طرح فرمایا اس کے جواب میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بازار کی بات چھوڑ دو اللہ تعالیٰ کے ہاں تیری بڑی قیمت ہے۔ بہر حال جو چیز بازار میں فروخت نہ ہوتی ہو اس کو کاسد کہتے ہیں۔

بعض علماء نے من یشتری العبد کا ترجمہ ومفہوم یہ بتایا ہے کہ اس غلام کے مقابلے کا کوئی غلام اگر کسی کے پاس ہے تو وہ لاکر پیش کردے۔ یہ معنی بہت بعید ہے۔ بعض تفصیلی روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پیچھے سے آکر ان کی آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھے یہ کہتا رہا کون ہو مجھے چھوڑ دو، جب آنحضرت کے ہاتھوں کو چھولیا اور معلوم ہوگیا کہ حضور ﷺ ہیں تو آپ ﷺ کے ساتھ چپک گیا تب حضور ﷺ نے فرمایا ان کو خریدنے والا کون ہے؟" راقم عاجز فضل محمد کہتا ہے کہ یہ بہت ہی خوش قسمت شخص تھا"۔[3]

[1] المرقات: ۸/۶۲۳ [2] المرقات: ۸/۶۲۴ [3] المرقات: ۸/۶۲۴

آنحضرت کی صحابہ کرام سے بے تکلفی

﴿۷﴾وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَهُوَ فِيْ قُبَّةٍ مِنْ اَدَمٍ فَسَلَّمْتُ فَرَدَّ عَلَيَّ وَقَالَ اُدْخُلْ فَقُلْتُ اَكُلِّيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ كُلُّكَ فَدَخَلْتُ قَالَ عُثْمَانُ بْنُ اَبِي الْعَاتِكَةِ اِنَّمَا قَالَ اَدْخُلُ كُلِّيْ مِنْ صِغَرِ الْقُبَّةِ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عوف ابن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے دوران (ایک دن) میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ چمڑے کے خیمہ میں تشریف فرما تھے میں نے آپ کو سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ اندر آجاؤ۔ میں نے (مزاح کے طور پر) عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں سب کا سب اندر آجاؤں؟ یعنی سارے جسم کو اندر لے آؤں؟ آپ نے فرمایا ہاں سارے بدن کو اندر لے آؤ، چنانچہ میں خیمہ کے اندر داخل ہو گیا۔ حضرت عثمان ابن ابو عاتکہ (جو اس حدیث کے راوی ہیں) کہتے ہیں کہ حضرت عوف نے یہ بات کہ ''کیا میں سب کا سب اندر آجاؤں'' اس مناسبت سے کہی تھی کہ خیمہ چھوٹا تھا، (ابوداود)

توضیح: ''اکلی'' غزوۂ تبوک کے موقع پر مزاح کا یہ واقعہ پیش آیا ہے آنحضرت ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے خیمہ چھوٹا تھا اندر جگہ کم تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اندر آنے کا فرمایا تو صحابی نے جواب میں فرمایا کہ یارسول اللہ! پورا آجاؤں یا جسم کا کچھ حصہ باہر چھوڑ کر اندر آجاؤں کیونکہ جگہ کم ہے اس لفظ میں مزاح کا عنصر ہے اس پر حضور اکرم نے فرمایا کہ پورے آجاؤ کوئی حصہ باہر چھوڑ کر اندر نہ آؤ۔[2]

اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ جس طرح صحابہ کے سامنے آنحضرت گاہ گاہ خوش طبعی اور مزاح کی بات فرماتے تھے اسی طرح صحابہ بھی آنحضرت کے سامنے گاہ گاہ مزاح کیا کرتے تھے۔ سبحان اللہ جنتیوں کی مجلس تھی بہر حال مزاح سے متعلق یہ چند احادیث ہیں مکمل تفصیل انوار الرشید میں ہے جس میں ایک مستقل رسالہ باب المزاح کے نام سے لکھا گیا ہے اسی طرح لطائف علمیہ کے مقدمہ میں حضرت مولانا قاری طیب صاحب رحمہ اللہ نے مزاح پر بہت عمدہ اور جامع کلام فرمایا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان مزاح کا ایک واقعہ

﴿۸﴾وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اِسْتَاْذَنَ اَبُوْبَكْرٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ صَوْتَ

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۰۲ [2] المرقات: ۸/۶۲۵

عَائِشَةَ عَالِيًا فَلَمَّا دَخَلَ تَنَاوَلَهَا لِيَلْطِمَهَا وَقَالَ لَا أَرَاكِ تَرْفَعِينَ صَوْتَكِ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْجُزُهُ وَخَرَجَ أَبُوْبَكْرٍ مُغْضَبًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ خَرَجَ أَبُوْبَكْرٍ كَيْفَ رَأَيْتِنِيْ أَنْقَذْتُكِ مِنَ الرَّجُلِ قَالَتْ فَمَكَثَ أَبُوْبَكْرٍ أَيَّامًا ثُمَّ اسْتَأْذَنَ فَوَجَدَهُمَا قَدِ اصْطَلَحَا فَقَالَ لَهُمَا أَدْخِلَانِيْ فِيْ سِلْمِكُمَا كَمَا أَدْخَلْتُمَانِيْ فِيْ حَرْبِكُمَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ فَعَلْنَا قَدْ فَعَلْنَا۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت نعمان ابن بشیر کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت ابوبکر صدیق نے نبی کریم ﷺ (کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے دروازے پر کھڑے ہوکر آپ) سے گھر آنے کی اجازت طلب کی جبھی انہوں نے حضرت عائشہ کی آواز کو سنا جو زور زور سے بول رہی تھیں پھر جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے حضرت عائشہ کا ہاتھ پکڑا اور طمانچہ مارنے کا ارادہ کیا اور کہا کہ (خبردار آئندہ) میں تمہیں رسول کریم ﷺ کی آواز سے اونچی آواز میں بولتے ہوئے نہ دیکھوں، ادھر نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر کو (حضرت عائشہ کو مارنے سے) روکنا شروع کیا اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غصہ کی حالت میں نکل کر چلے گئے، نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر کے چلے جانے کے بعد (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے) فرمایا کہ تم نے دیکھا میں نے تمہیں اس آدمی یعنی ابوبکر کے ہاتھ سے کس طرح بچالیا؟ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ (اس کے بعد) حضرت ابوبکر (مجھ سے خفگی کی بنا پر یا آنحضرت سے شرمندگی کی وجہ سے) کئی دن تک آنحضرت کی خدمت میں نہیں آئے پھر (ایک دن) انہوں نے دروازے پر حاضر ہوکر (اندر آنے کی) اجازت مانگی (اور اندر آئے تو) دیکھا کہ دونوں (آنحضرت ﷺ اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) صلح کی حالت میں ہیں انہوں نے دونوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم دونوں مجھ کو اپنی صلح میں شریک کرو جس طرح تم نے مجھ کو اپنی لڑائی میں شریک کیا تھا، آنحضرت نے (یہ سنکر) فرمایا بے شک ہم نے ایسا ہی کیا، بے شک ہم نے ایسا ہی کیا یعنی تمہیں اپنی صلح میں شریک کرلیا (گویا آپ نے اپنی بات کو موکد کرنے کے لئے یہ جملہ دو مرتبہ فرمالیا۔ (ابوداؤد)

توضیح: "انقذتك من الرجل" طبعی طور پر حضرت عائشہ کی آواز میں بلندی تھی اسی طبعی انداز پر آپ کی آواز حضور اکرم ﷺ کے سامنے بلند ہوئی لیکن صدیق اکبر نے برداشت نہیں کیا اور حضرت عائشہ پر ہاتھ اٹھانا چاہا آنحضرت ﷺ بیچ میں آگئے اور حضرت عائشہ کو صدیق سے بچالیا حضرت صدیق چلے گئے تو حضور اکرم ﷺ نے بطور مزاح فرمایا "کیف رأیتنی الخ" پشتو میں اس کا مطلب یہ ہے **"خنکه م دسری نه ته خلاسه کری"** اس میں آنحضرت کی طرف سے مزاح تھا اس کے بعد ایک موقع پر جب صدیق نے فرمایا کہ جس طرح آپ دونوں نے مجھے اپنی جنگ میں داخل کیا تھا اب مجھے اپنی صلح میں بھی داخل کردیں اس جملہ میں صدیق کی طرف سے مزاح تھا۔[2]

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۰۲ [2] المرقات: ۸/۶۲۹

"لیلطمھا" ضرب ونصر دونوں بابوں سے یہ مضارع کا صیغہ ہے چہرہ پر تھپڑ مارنے کو کہتے ہیں۔[۱] "ترفعین" آواز بلند کرنے کے معنی میں ہے۔[۲] "مغضباً" اسم مفعول کا صیغہ ہے غضبان کے معنی میں ہے۔[۳] "من الرجل" ظاہر اور واضح یہ تھا کہ "من ابیك" کا لفظ آنحضرت ارشاد فرماتے مگر بطور مزاح آپ نے رجل کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔[۴]

ایسا مذاق نہ کرو جس سے کسی کو ایذاء پہنچے

﴿۹﴾عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تم اپنے (مسلمان) بھائی سے جھگڑا نہ کرو، نہ اس سے (ایسا) مذاق کرو (جس سے اس کو تکلیف پہنچے) اور نہ ایسا وعدہ کرو جس کو پورا نہ کرسکو، (حضرت شیخ عبدالحق نے "لا تعدہ موعداً فتخلفہ" کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ تم وعدہ نہ کرو جیسا کہ وعدہ کیا جاتا ہے تاکہ تم وعدہ خلافی نہ کرو یعنی اگر وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو یا پھر سرے سے وعدہ ہی نہ کرو اور وعدہ کا راستہ ہی بند کردو تاکہ وعدہ خلافی کے وبال میں پڑنے کا تمہیں خوف ہی نہ رہے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "ولا تمازحہ" یعنی ایسا مذاق نہیں کرنا چاہئے جس سے کسی انسان کو ایذاء اور تکلیف پہنچے۔ مذاق کا مطلب انبساط اور خوش طبعی ہے انقباض اور بد خلقی نہیں ہے جس مذاق سے کسی کو تکلیف ہو اور ان کو شرمندگی کا سامنا ہو اور ان کی رسوائی ہو تو اس طرح مزاح کی اجازت شریعت نہیں دیتی شرعی حدود میں رہتے ہوئے مزاح کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔

ملاحظہ: اس باب میں فصل ثالث نہیں ہے۔[۶]

[۱] المرقات: ۸/۶۲۵ [۲] المرقات: ۸/۶۲۶ [۳] المرقات: ۸/۶۲۶ [۴] المرقات: ۸/۶۲۶ والکاشف: ۹/۱۵۶
[۵] اخرجہ الترمذی: ۴/۳۵۸ [۶] المرقات: ۸/۶۲۷

مورخہ ۸ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

باب المفاخرۃ والعصبیۃ

مفاخرت اور عصبیت کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم﴾ (سورۃ الحجرات آیۃ ۱۳)[۱]

"**مفاخرۃ**" باب مفاعلہ سے ہے دو آدمیوں کے آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنے اور ناز ونخرے میں برابری کے دعوے کے اظہار کو مفاخرہ کہتے ہیں ذرا واضح الفاظ میں یوں سمجھ لیں کہ اپنے نسب حسب اپنے خاندان وقبیلہ یا اپنی قوم و جماعت یا اپنے علم واخلاق یا اپنی مالداری اور قوت پر نازاں ہونا اس پر اترانا اور گھمنڈ میں آنا یہ مفاخرہ ہے۔ ناحق معاملہ میں اور اسی طرح تکبر ونفسیات میں یہ تفاخر اور مفاخرہ حرام ہے لیکن حق کی حفاظت اور اسی کی حمایت اور اپنی دینی غیرت اور ملی ثقافت پر فخر کرنا اور اس پر متمسک رہنا عین ایمان واسلام ہے۔[۲]

"**العصبیۃ**" عصبیت کا معاملہ بھی مفاخرہ کی طرح ہے چنانچہ اپنے مسلک ونظریہ کی بے جا حمایت کیلئے اپنی قوم اور اپنی جماعت کی شان وشوکت کی برتری کے لئے ان کے باطل موقف کی حمایت وحفاظت کے لئے اندھا ہو کر کھڑے ہونے کو تعصب اور عصبیت کہتے ہیں یہ شرعاً مذموم ہے لیکن اگر یہ تعصب اور عصبیت حق کی حمایت کے لئے ہو اور اس میں ظلم وتعدی نہ ہو بلکہ اعتدال ہو تو یہ تعصب مستحسن ہے۔[۳]

ابن خلدون نے جب بھی کسی بادشاہ کی دینداری کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے تو اس نے لکھا ہے کہ وہ کیسے دیندار نہیں ہوگا جبکہ وہ اپنے دین کے بارہ میں تعصب پر قائم تھا گویا یہ حق کی مضبوط حمایت کا نام ہے جو جائز ومطلوب ہے البتہ یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ فخر وافتخار اور عصبیت وتعصب کے الفاظ عام طور پر مذموم مقاصد کے لئے استعمال ہوتے ہیں مگر اس میں خیر کا پہلو بھی ہوتا ہے جس طرح اوپر تفصیل میں بات آگئی ہے اسی اصول کے تحت سلف صالحین میں سے بعض نے اپنے مفاخر کے تذکرے کئے ہیں۔[۴]

[۱] سورۃ الحجرت: ۱۳ [۲] المرقات: ۸/۶۲۸ [۳] المرقات: ۸/۶۲۸ [۴] المرقات: ۸/۶۲۸

الفصل الاول

خاندانی شرافت کا حسن علم دین سے ہے

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ اَكْرَمُ فَقَالَ اَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقَاهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْئَلُكَ قَالَ فَاَكْرَمُ النَّاسِ يُوْسُفُ نَبِیُّ اللهِ ابْنُ نَبِیِّ اللهِ بْنِ نَبِیِّ اللهِ ابْنِ خَلِيْلِ اللهِ قَالُوْا لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْئَلُكَ قَالَ فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُوْنِیْ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَخِيَارُكُمْ فِی الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقُهُوْا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون شخص زیادہ معزز و مکرم ہے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ معزز و مکرم وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار و متقی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ سے ہمارے سوال کا مطلب یہ نہیں ہے، آپ نے فرمایا انسانوں میں سب سے زیادہ شریف و بزرگ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو خدا کے نبی خدا کے نبی کے بیٹے خدا کے نبی کے پوتے اور خدا کے دوست (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے پڑپوتے ہیں صحابہ نے عرض کیا کہ آپ سے ہمارے سوال کا یہ مطلب نہیں ہے، آنحضرت نے فرمایا تو کیا تم عربوں کی خاندانی شرافت اور ذات وحسب کی اعلیٰ خصوصیات کے اعتبار سے پوچھ رہے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا کہ: ہاں! ہمارے سوال کا مطلب یہی ہے، آنحضرت نے فرمایا تم میں سے جو لوگ زمانہ جاہلیت میں سب سے بہتر تھے وہی اسلام میں سب سے بہتر ہیں جبکہ وہ فقیہ ہوں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "خیارهم" یعنی زمانہ جاہلیت میں جن لوگوں میں اعلیٰ صفات اور امتیازی خصوصیات موجود ہوں مثلاً ہمدردی انصاف پسندی، حق گوئی، شجاعت وسخاوت کی صفات ہوں تو اسلام ان صفات کو توڑتا نہیں ہے اسی طرح خاندانی شرافت اور دنیوی ثروت ہو تو اسلام ان صفات کو توڑتا نہیں ہے بلکہ اسلام تو ان کو مزید بڑھاتا ہے کیونکہ اس کے اصول میں سے ایک اصل یہ ہے کہ "**الاسلام یزین الشریف شرفاً**" تو جو لوگ اچھے صفات والے تھے مگر کفر اور شرک نے ان پر بدنما پردہ ڈالا تھا اب اسلام نے اس گندے پردہ کو ہٹا دیا اور اس شخص کی شخصیت نکھر کر سامنے آگئی تو یہ شخص اسی سابقہ شرافت پر برقرار رہیگا البتہ اس کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ شخص علم دین اور دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرلے اگر اس نے علم دین حاصل نہیں کیا صرف اسلام قبول کیا اور دوسرے کمزور صفات والے نے علم دین حاصل کیا تو وہ علم وفقاہت اور دین کی سمجھ بوجھ کی وجہ سے آگے بڑھ جائے گا۔ چنانچہ علم دین کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ آدمی کی کمزور خاندانی صفت کو چھپا دیتا ہے مثلاً نائی کو نائی سے یاد نہیں کیا جاتا بلکہ وہ عالم دین کہلاتا ہے اور عزت وعظمت میں آگے نکل جاتا ہے۔[۲]

[۱] اخرجه البخاری: ۳/۲۱۶ ومسلم: ۲/۳۰۸ [۲] المرقات: ۸/۶۲۹، ۶۳۰

سب سے زیادہ مکرم کون ہے؟

﴿۲﴾عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَرِيْمُ بْنُ الْكَرِيْمِ بْنِ الْكَرِيْمِ بْنِ الْكَرِيْمِ يُوْسُفُ بْنُ يَعْقُوْبَ بْنِ إِسْحٰقَ ابْنِ إِبْرَاهِيْمَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم (اگر کوئی ہوسکتا ہے) تو وہ حضرت **یوسف** ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم ہیں۔ (بخاری)

توضیح: **الکریم** "حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو صاحبزادے نمایاں تھے ایک حضرت اسماعیل تھے ان کی اولاد میں ایک نبی در یتیم خاتم النبیین محمد ﷺ آئے ہیں۔

دوسرے صاحبزادے حضرت اسحاق کے بیٹے حضرت یعقوب تھے اور حضرت یعقوب کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام تھے حضرت یوسف علیہ السلام سے بنی اسرائیل کے سارے نبیوں کا سلسلہ نسب چلا ہے حضرت یوسف علیہ السلام بنو اسرائیل کے تمام انبیاء کرام کے لئے مرکز تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو جمال عطا کیا تھا اور عظیم کمال سے نوازا تھا سلیقۂ کلام اور تعبیر رؤیا علم وانصاف اور دانائی عطا فرمائی تھی اسی طرح آپ کو اللہ تعالیٰ نے شہرۂ آفاق پاکبازی اور عفت نفس اور معصومیت سے سرفراز فرمایا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اوپر سے نیچے تک ہر لحاظ سے مکرم اور معظم حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔

خاندانی شرافت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا

﴿۳﴾وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ فِيْ يَوْمِ حُنَيْنٍ كَانَ أَبُوْسُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ آخِذًا بِعِنَانِ بَغْلَتِهٖ يَعْنِيْ بَغْلَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا غَشِيَهُ الْمُشْرِكُوْنَ نَزَلَ فَجَعَلَ يَقُوْلُ أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ قَالَ فَمَا رُئِيَ مِنَ النَّاسِ يَوْمَئِذٍ أَشَدُّ مِنْهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت براء ابن عازب کہتے ہیں کہ غزوۂ حنین کے دن آپ کے خچر یعنی رسول کریم ﷺ کے خچر کی باگ ابوسفیان ابن حارث نے پکڑ رکھی تھی چنانچہ جب آنحضرت کو مشرکوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا تو آپ نیچے اتر پڑے اور یہ رجز فرمانا شروع کیا "میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور میں عبدالمطلب کا سپوت ہوں۔ راوی کا بیان ہے کہ پس اس دن آنحضرت سے زیادہ بہادر دلیر اور کسی کو نہیں دیکھا گیا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "انا ابن عبدالمطلب" فتح مکہ کے کچھ دنوں بعد غزوۂ حنین کا معرکہ پیش آیا ابتداء میں مسلمانوں کو

[1] اخرجه البخاری: ۴/۱۸۱ [2] اخرجه البخاری: ۴/۳۷ ومسلم: ۲/۹۲

عارضی شکست ہوئی لیکن آنحضرت استقامت کے ساتھ میدان میں کفار کے مقابلے میں کھڑے رہے آپ ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹے بلکہ دوران معرکہ آپ پر چاروں طرف سے کفار کے حملہ کے باوجود آپ آگے بڑھتے رہے حضرت عباس اور حضرت ابوسفیان بن حارث آپ کے ساتھ تھے آپ اپنے سفید خچر سے اترے اور نہایت استقلال کے ساتھ عظمت کے یہ جملے ارشاد فرمائے "انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب" یعنی میں عبدالمطلب جیسے اعلیٰ صفات والے سردار کا بیٹا ہوں اس خاندانی شرافت وعظمت کا تقاضا یہ ہے کہ میں میدان کارزار میں ایک قدم پیچھے نہ ہٹوں اور میں اللہ تعالیٰ کا سچا نبی ہوں اور نبوت کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ میں میدان جہاد میں بجائے پیچھے ہٹنے کے آگے بڑھوں،

آنحضرت ﷺ نے ان رجزیہ کلمات میں کفار کے مقابلے میں اپنی خاندانی شرافت علو ہمت اور جرأت وشجاعت اور سچی نبوت کی طرف اشارہ فرمایا جو حقیقت پر مبنی تھا اس میں دینی غیرت وحمیت کا اظہار تھا کفار پر رعب بٹھانا مقصود تھا اور دین اسلام کی شوکت کا اظہار تھا جو اس وقت ضروری تھا۔

اس کے مقابلے میں ایک جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو ذرا دیکھ لو کہ یمامہ کی جنگ میں جب وہ حدیقۃ الموت میں اپنے قلعہ کے اندر مسلمانوں کے گھیرے میں آگیا تو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ بھائیو! یہاں نبوت وغیرہ کچھ نہیں اپنی عزت کو خود بچانے کی کوشش کرو "لعنة الله علی المفتری الکذاب"۔[1]

خیر البریۃ کا مصداق

﴿۴﴾وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَاخَيْرَ الْبَرِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ اِبْرَاهِيْمُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو یوں مخاطب کیا: اے وہ شخص! جو ساری مخلوق میں بہتر ہے آپ نے فرمایا وہ شخص جو ساری مخلوق میں بہتر ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (مسلم)

توضیح: "خیر البریۃ" یعنی کائنات میں سب سے افضل آپ ہی ہیں یہاں یہ اشکال ہے کہ آنحضرت علی الاطلاق خیر البریۃ اور سید الاولین والآخرین ہیں پھر یہاں اپنی ذات سے اس کی نفی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اس کو ثابت کرنے کا کیا مطلب ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آنحضرت کے جد امجد ہیں تو آپ نے تواضعاً فرمایا کہ اصل میں خیر البریۃ تو میرے جد امجد تھے میں کہاں ہوں، محاورۂ کلام بھی اسی طرح ہوتا ہے۔

[1] المرقات: ۸/۶۳۱ [2] اخرجه مسلم: ۲/۳۳۳

دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ ابتداء نبوت کا واقعہ ہو اور آپ کی سیادت وقیادت عامہ بذریعہ وحی اس وقت واضح نہ ہوئی ہو بعد میں بذریعہ وحی آنحضرت کو یہ رتبہ ملا ہو تو پہلے آپ نے انکار کیا پھر بعد میں اقرار کیا۔[1]

آنحضرت کی منقبت میں شرعی حدود کا خیال رکھنا ضروری ہے

﴿۵﴾ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم لوگ میری مدح وتعریف میں حد سے زیادہ تجاوز نہ کرو جس طرح کہ نصاریٰ نے ابن مریم (یعنی حضرت عیسیٰ) کی تعریف میں حد سے تجاوز کیا ہے میں تو خدا کا بندہ ہوں لہٰذا تم (مجھ کو) اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "لا تطرونی" باب افعال سے اطراء ہے جامدح اور مدح وتعریف میں مبالغہ اور غلو وتجاوز کو کہتے ہیں اصل میں **لا تطریون** ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ فرما رہے ہیں کہ میری تعریف وثنا اور مدح ومنقبت میں اس طرح تجاوز اور غلط طریقہ اختیار نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں اختیار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندے کو بندگی اور عبودیت کے مقام سے اٹھا کر معبودیت کے مقام پر لا کھڑا کیا اور ان کو عبد اللہ کے بجائے ابن اللہ کہہ دیا، یا اللہ کہہ دیا، یا ثالث ثلاثہ کہہ دیا۔ تم ایسا نہ کرو ہاں اتنا کہنا مدح وثناء کے لئے کافی ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول کہہ دو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں بڑا اعزاز ہے کما قیل[3]

لا تدعنی الا بیا عبدها فانه افضل اسمائیا[4]

اسی طرح یہ کہنا کہ میں اللہ کا رسول ہوں یہ تعریف کی آخری حد ہے کیونکہ رسول اس مقام پر فائز ہوتا ہے جس کے بعد اللہ تعالیٰ کی شان شروع ہوتی ہے اس لئے عبدیت ونبوت کے اعزاز سے میری تعریف کافی ہے الوہیت کے مقام سے میری تعریف نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے کیا۔ علامہ بوصیری نے کیا خوب فرمایا

فان فضل رسول الله لیس له حد فیعرب عنه ناطق بفم

بہرحال شرعی حدود سے نکل کر آنحضرت کی مدح وثنا آپ کی تعریف نہیں بلکہ آپ کو ناراض کرنا ہے مدح وتمدح کے میدان میں بریلوی حضرات خطرناک حد تک تجاوز کر جاتے ہیں اور آنحضرت کو الوہیت اور معبودیت کے مقام پر لے جاتے ہیں ان کا یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ نور اللہ ہیں اس کا مطلب دبے الفاظ میں یہی نکلتا ہے کہ آپ ابن اللہ ہیں نصاریٰ نے بھی اسی طرح گول مول الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ دیا بریلویوں نے آنحضرت کو المدد یا رسول اللہ کہہ

[1] المرقات: ۸/۶۳۳ [2] اخرجه البخاری: ۵/۲۰۸ ومسلم: ۲/۳۹ [3] المرقات: ۸/۶۳۴ [4] المرقات: ۸/۶۳۵

کر پکارا یہ الوہیت اور معبودیت کا مقام ہے۔ زیر بحث حدیث بریلویوں ہی کی تردید کے لئے ہے اگر اس سے بھی ان لوگوں کی آنکھیں نہ کھلیں تو پھر مرنے کے بعد آنکھیں بند ہونے کے بعد کھل جائیں گی شیعہ روافض کو بھی خیال کرنا چاہئے وہ اپنے بارہ اماموں کو اسی طرح معبودیت کا درجہ دیتے ہیں اس حدیث کا اعلان ہے کہ ''بریلوی روافض ہوشیار باش''۔[1]

﴿۶﴾ وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ الْمُجَاشِعِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتَّى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ وَلَا يَبْغِيَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عیاض ابن حمار مجاشی سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھے حکم دیا ہے کہ عاجزی اور فروتنی اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی شخص کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی شخص کسی پر ظلم و زیادتی کرے۔ (مسلم)

الفصل الثانی

باپ دادا اور خاندان پر فخر کرنا کوئی چیز نہیں ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ يَفْتَخِرُونَ بِآبَائِهِمُ الَّذِينَ مَاتُوا إِنَّمَا هُمْ فَحْمٌ مِنْ جَهَنَّمَ أَوْ لَيَكُونُنَّ أَهْوَنَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْجُعَلِ الَّذِي يُدَهْدِهُ الْخِرَاءَ بِأَنْفِهِ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْآبَاءِ إِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ أَوْ فَاجِرٌ شَقِيٌّ النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا لوگ اپنے (ان) باپ دادا پر فخر کرنا چھوڑ دیں جو مر چکے ہیں اور جن کی حقیقت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ وہ دوزخ کا کوئلہ بن گئے ہیں ورنہ وہ خدا کے نزدیک گھوں (غلاظت کے کیڑے) سے بھی زیادہ ذلیل و خوار ہونگے جو گھوں غلاظت کو اپنی ناک سے ہٹاتا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے جاہلیت کی نخوت کو اور باپ دادا پر فخر کرنے کی عادت کو دور کر دیا ہے (یاد رکھو) آدمی (اب) یا تو مؤمن متقی ہے یا فاجر بدکار، تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح: "الجعل" جعل حشرات الارض میں سے ایک کیڑے کو کہتے ہیں جس کو گبریلا کہا جاتا ہے پشتو میں اس کو ''گونگٹ'' کہتے ہیں گبریلا منہ کے ذریعہ سے انسانی اور حیوانی غلاظت کی بہترین گولی بناتا ہے اور پھر منہ کے ذریعہ سے اس کو دھکا دے کر آگے لے جاتا ہے اگر سوراخ کے برابر گولی ہو تو اندر لے جاتا ہے ورنہ افسوس کے ساتھ باہر چھوڑ دیتا ہے اسی طرح انسان حبّ جاہ اور منصب کی گندگی کو اٹھاتا رہتا ہے لیکن قبر میں داخل ہوتے وقت یہ ساری نخوت و تکبر دھری کی دھری

[1] المرقات: ۸/۶۳۴،۶۳۵ [2] اخرجہ مسلم: [3] اخرجہ الترمذی: ۵/۶۲۲ و ابو داؤد: ۴/۴۳۲

رہ جاتی ہے اور انسان اپنے عمل کے ساتھ قبر میں چلا جاتا ہے۔ ؎۱

"الفحم" فحم کوئلہ کو کہتے ہیں جہنم کی ایندھن مراد ہے۔ ؎۲ "یدھدہ" دھکہ دینے کو کہتے ہیں۔ "الخرواء" غلاظت اور گھوں کو کہتے ہیں۔ ؎۳ "عبیة الجاھلیة" عین پر ضمہ ہے اور با پر فتحہ اور کسرہ دونوں ہیں یا پر شد ہے نخوت وتکبر کو کہتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ پر سردار کا اطلاق کیسا ہے؟

﴿۸﴾ وَعَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ قَالَ اِنْطَلَقْتُ فِيْ وَفْدِ بَنِيْ عَامِرٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا اَنْتَ سَيِّدُنَا فَقَالَ السَّيِّدُ اللّٰهُ فَقُلْنَا وَاَفْضَلُنَا فَضْلًا وَاَعْظَمُنَا طَوْلًا فَقَالَ قُوْلُوْا قَوْلَكُمْ اَوْ بَعْضَ قَوْلِكُمْ وَلَا يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) ؎۴

ترجمہ: اور حضرت مطرف ابن عبداللہ ابن شخیر کہتے ہیں کہ (میرے والد حضرت عبداللہ صحابی نے بیان کیا کہ) بنو عامر کا جو وفد رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اس میں میں بھی شریک تھا، چنانچہ (جب ہم آپ کی خدمت میں پہنچے تو) ہم نے عرض کیا کہ آپ ہمارے سردار ہیں، آپ نے فرمایا سردار تو خدا ہے، ہم نے عرض کیا آپ بھلائی وبہتری کے اعتبار سے ہم میں سب سے بہتر ہیں اور بخشش کے اعتبار سے ہم میں سب سے بزرگ و برتر ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں اس طرح کچھ کہو بلکہ اس سے بھی کم درجہ کے الفاظ استعمال کرو (یعنی میری تعریف و مدح میں مبالغہ آرائی سے کام نہ لو اور ان صفات کو میری طرف منسوب نہ کرو جو صرف حق تعالیٰ کی ذات سے مخصوص ہیں تم نے آخر میں جو بات کہی ہے زیادہ سے زیادہ اسی حد تک میری تعریف کر سکتے ہو بلکہ میرے تئیں اس سے بھی ہلکے درجہ کی تعریف کرو تو زیادہ بہتر ہے) اور (دیکھو) شیطان تم کو اپنا وکیل نہ بنائے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "انت سیدنا" سید کے لفظ کا اطلاق مختلف احادیث میں مخلوق پر ہوا ہے جو جائز ہونے کی دلیل ہے حضور ﷺ نے خود اپنے کو سید سے یاد کیا ہے البتہ یہاں اس انکار کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے اس لفظ کے ساتھ خطاب کا جو انداز اپنایا تھا وہ ایسا تھا کہ گویا آنحضرت ﷺ کو دنیا کے سرداروں میں سے ایک سردار قرار دیا تھا حالانکہ آنحضرت کی خصوصیت آپ کی نبوت اور رسالت تھی دنیا کے سرداروں کی طرح سرداری نہیں تھی اس لئے آپ نے فرمایا کہ سردار یعنی مشکل کشا، حاجت روا صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ؎۵

"ولا یستجرینکم" یہ جری سے ہے اور جری یہاں وکیل کے معنی میں ہے جو اپنے موکل کا قائم مقام اور جاری مجری ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ حد سے تجاوز نہ کرو کہیں ان بے جا تجاوزات میں شیطان تم کو اپنا وکیل نہ بنائے یا یہ لفظ جرأت سے بنا ہے یعنی شیطان تم کو میری بے جا تعریف میں جری اور بہادر نہ بنائے کہ تم بے جا تعریفیں شروع کردو، یہ معنی زیادہ واضح اور مناسب ہے۔ ؎۶

؎۱ المرقات: ۸/۶۳۶ ؎۲ المرقات: ۸/۶۳۶ ؎۳ المرقات: ۸/۶۳۶ ؎۴ المرقات: ۸/۶۳۶ ؎۵ المرقات: ۸/۶۳۶ ؎۶ المرقات: ۸/۶۳۹ المرقات: ۸/۶۴۰

اصل فضیلت تقویٰ ہے

﴿۹﴾وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَسَبُ اَلْمَالُ وَالْكَرَمُ اَلتَّقْوٰى۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت حسن حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسب مال داری اور کرم پرہیزگاری کا نام ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح:

"الحسب المال" یعنی عام لوگوں کے ہاں تو حسب نسب کا مالک اور عالیشان اور مکرم و معظم اور بزرگ و برتر وہ شخص ہے جس کے پاس مال ہو لوگ اسی کی عزت و عظمت کرتے ہیں اور انہیں کو لوگ خوش قسمت اور کامیاب قرار دیتے ہیں اور محبوب خدا سمجھتے ہیں کسی نے خوب کہا ہے۔

رأيت الناس قدمالوا الى من عنده مال
ومن لاعنده مال فعنه الناس قدمالوا

یہ لوگوں کا معاملہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم و معظم وہ شخص ہے جو متقی اور پرہیزگار ہو اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے اور چھوٹے ہونے کا مدار تقویٰ پر ہے "ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم"[۲]

باپ دادا پر فخر کرنے والے کی سزا

﴿۱۰﴾وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَعَزّٰى بِعَزَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَعِضُّوْهُ بِهَنِ اَبِيْهِ وَلَا تَكْنُوْا۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابی بن کعب کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص زمانہ جاہلیت کی نسبت کے ساتھ اپنے کو منسوب کرلے تو اس کے باپ کے ہن کو کٹواؤ اور اس میں اشارہ کنایہ سے کام نہ لو۔ (شرح السنۃ)

توضیح: "بعزاء" عزا نسبت کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو شخص جاہلیت کی رسموں عادتوں اور بدعتوں کو اپناتا ہے اور اسے زندہ کرکے چلاتا ہے تو اس کو صاف طور پر ماں باپ کی گالی سنادو کہ یہ طریقہ اسلام کا نہیں بلکہ جاہلیت کا طریقہ ہے اور جاہلیت میں تمہارا باپ یہ گندی حرکات کرتا تھا وہ اعلیٰ درجہ کا فاسق اور فاجر تھا اس کا ذکر کس منہ سے کرتے ہو؟ اس جملہ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص زمانہ جاہلیت کی طرح فحش گفتگو کرتا ہے اور قبیح گالیاں دیتا ہے تو تم اس کو ننگی گالیاں

[۱] اخرجه ابن ماجه: ۱۴۱۰/۸۲ والترمذی: ۵/۳۹۰ [۲] المرقات: ۸/۶۴۰، ۱۴۱ [۳] اخرجه البغوی فی شرح السنة

دو کہ شرم کرو تم جاہلیت کی طرح گالیاں دیتے ہو تمہارا باپ تو فاسق وفاجر بدکار وبدکردار اور زناکار شخص تھا اس طرح وہ بدگو آدمی تمہیں گالیاں دینے سے باز آجائے گا۔ "فاعضوہ" دانتوں سے پکڑ کر کاٹنے کو کہتے ہیں "هن" شرم گاہ کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اس شخص سے کہدو کہ دانتوں سے اپنے باپ کے ذکر کو کاٹ ڈالو۔[۱]

اپنا تشخص اپناؤ

﴿۱۱﴾ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عُقْبَةَ عَنْ أَبِي عُقْبَةَ وَكَانَ مَوْلًى مِنْ أَهْلِ فَارِسَ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُحُدًا فَضَرَبْتُ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَقُلْتُ خُذْهَا مِنِّيْ وَأَنَا الْغُلَامُ الْفَارِسِيُّ فَالْتَفَتَ إِلَيَّ فَقَالَ هَلَّا قُلْتَ خُذْهَا مِنِّيْ وَأَنَا الْغُلَامُ الْأَنْصَارِيُّ

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عبدالرحمن ابن ابوعقبہ حضرت ابوعقبہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں جو (کسی انصاری) کے ایک فارس نژاد مولیٰ تھے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ میں بھی غزوۂ احد میں شریک تھا چنانچہ (معرکہ آرائی کے دوران) میں نے مشرکین میں سے ایک شخص کو (تلوار یا نیزہ کھینچ کر) مارا اور کہا کہ ایک وار میری طرف سے بھی کھا میں ایک فارسی غلام یعنی فارس نژاد ہوں (جو دلیر اور بہت مار دینے والا ہے) رسول کریم ﷺ نے (میرا یہ جملہ سنا تو) میری طرف متوجہ ہو گئے اور فرمایا کہ تم نے اس طرح کیوں نہیں کہا کہ لے میری طرف سے بھی ایک وار کھا میں ایک انصاری غلام ہوں۔ (ابوداود)

توضیح: "الغلام الفارسی" یہ شخص خود تابعی ہیں ان کے باپ ابوعقبہ صحابی تھے یہ شخص مولی الموالات میں سے تھے مولی العتاقہ میں سے نہیں تھے کسی انصاری کے زیر سایہ تھے اس لئے انصاری نسبت لگ گئی ورنہ یہ انصار میں سے نہیں تھے۔ بہرحال انہوں نے بجائے انصاری اپنے باپ کو فارس کی طرف منسوب کیا جو ایک آتش پرست قوم تھی یہ ان کے لئے مناسب نہیں تھا بلکہ اسلامی روایات کے مطابق انصار کی طرف نسبت اچھی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ فارس کی طرف فارسی نسبت کو ترک کرو انصار کی طرف انصاری نسبت کو اپنالو۔[۳]

قومی تعصب کرنے والے کی مثال

﴿۱۲﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَصَرَ قَوْمَهُ عَلَى غَيْرِ الْحَقِّ فَهُوَ كَالْبَعِيْرِ الَّذِيْ رَدٰى فَهُوَ يُنْزَعُ بِذَنَبِهٖ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص اپنی قوم کی ناحق حمایت

[۱] المرقات: ۸/۶۲۱_۶۲۲ [۲] اخرجہ ابوداؤد: ۴/۳۳۳ [۳] المرقات: ۸/۶۲۲ [۴] اخرجہ ابوداؤد: ۴/۳۳۳

ومدد کرے وہ اس اونٹ کی مانند ہے جو کنویں میں گر پڑے اور پھر اس کی دم پکڑ کر اس کو کھینچا جائے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "کالبعیر" یہ ایک تشبیہ ہے اس تشبیہ کی وضاحت اس طرح ہے کہ مثلاً ایک قوم تعصب پر آ گئی جو تباہ ہو گئی اب ان کی مثال ایک مردار اونٹ کی طرح ہے جو کسی گندے کنوئیں میں گر گیا ہو۔ کنوئیں سے اس کا نکالنا بہت مشکل ہے لیکن ایک شخص اس کو دم سے پکڑ کر کنوئیں سے باہر نکالنے کی کوشش کر رہا ہے اب یہ ایک ناممکن اور لاحاصل سعی ہے بلکہ حماقت ہے کیونکہ دم جیسے کمزور حصہ سے اتنا وزنی اونٹ کیسے باہر لایا جا سکتا ہے۔

بالکل اسی طرح وہ شخص ہے جو تعصب کی بنیاد پر کسی متعصب قوم کی حمایت کرتا ہے اور اس کی ہر ناجائز حرکت کو جائز کہتا ہے اس تعصب سے وہ اس ہلاک شدہ قوم کو نہیں بچا سکتا اور جو کوشش کرتا ہے وہ بے فائدہ ہے اور سعی لاحاصل ہے۔[۱]

"ردی" یہ گرنے کے معنی میں ہے۔[۲] "ینزع" کھینچنے اور چھڑانے کو کہتے ہیں[۳] "بذنبہ" دم کو کہتے ہیں اس کی جمع اذناب ہے۔[۴]

عصبیت کس کو کہتے ہیں؟

﴿۱۳﴾وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ مَاالْعَصَبِيَّةُ قَالَ اَنْ تُعِيْنَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلْمِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)[۵]

ترجمہ: حضرت واثلہ ابن اسقع کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! عصبیت (یعنی جاہلیت) کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا عصبیت یہ ہے کہ تم ظلم پر اپنی قوم وجماعت کی حمایت کرو۔ (ابوداؤد)

اپنی قوم سے ظلم کو دفع کرنا جائز ہے

﴿۱۴﴾وَعَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ خَيْرُكُمُ الْمُدَافِعُ عَنْ عَشِيْرَتِهٖ مَالَمْ يَأْثَمْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)[۶]

ترجمہ: اور حضرت سراقہ ابن مالک ابن جعشم کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے ہمارے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنی قوم جماعت کے لوگوں کے ظلم وزیادتی کا دفعیہ کرے جب تک کہ اس دفعیہ کی وجہ سے ظلم کے گناہ کا خود مرتکب نہ ہو۔ (ابوداؤد)

توضیح: "مالم یأثم" حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً اپنی قوم اور اقارب سے کسی ظلم کو دفع کرتا ہے تو یہ بہت اچھا عمل ہے کیونکہ اس میں مظلوم کی نصرت بھی ہے اور اقارب کا صلہ پالنا بھی ہے لیکن اس حمایت اور دفاع کے

[۱] المرقات: ۸/۶۳۳ [۲] المرقات: ۸/۶۳۳ [۳] المرقات: ۸/۶۳۳
[۴] المرقات: ۸/۶۳۳ [۵] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۳۳ [۶] اخرجه ابوداؤد: ۵۱۲۰

لئے شرط یہ ہے کہ یہ شخص خود ظالم نہ بن جائے مثلاً زبان سے اگر ظلم دور ہوسکتا ہے تو وہاں ہاتھ اٹھانا اور مارنا ظلم ہوگا جو گناہ ہے اور اگر مار پیٹ سے ظلم دور ہوسکتا ہے تو مظلوم کی حمایت میں ظالم کا قتل کرنا خود ظلم ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ شرعی حدود میں رہ کر ظلم کو دفع کرے اگر شرعی حد سے تجاوز کیا تو خود ظالم بن کر گناہ گار ہوگا۔[1]

عصبیت کی مذمت

﴿۱۵﴾ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِيَّةً وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جبیر ابن مطعم سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو لوگوں کو عصبیت کی دعوت دے، یعنی لوگوں کو کسی ناحق معاملہ میں حمایت کرنے پر آمادہ کرے نہ وہ شخص ہم میں سے ہے جو عصبیت کے سبب جنگ کرے اسی طرح وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی حالت میں مرجائے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "لیس منا" اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں یہ شخص ہمارے مسلمانوں کے طریقہ پر نہیں ہے اگر چہ باقی دین پر ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کو حلال سمجھتا ہے تو یہ شخص مسلمان نہیں رہ سکتا۔
تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہ اسلوب حکیم کے طور پر ہے کیونکہ مسلمان اس طرح کی وعید سن کر فوراً برائی کو چھوڑ دیگا۔
چوتھا مطلب یہ ہے کہ یہ تشدیداً تغلیظاً تھدیداً اور توبیخاً کہا گیا ہے۔

کسی چیز کی محبت آدمی کو اندھا بہرا بنا دیتی ہے

﴿۱۶﴾ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابودرداء نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کسی چیز سے تمہارا محبت کرنا تم کو اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "یعمی" مطلب یہ کہ کسی چیز کی محبت میں جب آدمی گرفتار ہوجاتا ہے تو محبت کا یہ جذبہ آدمی کو اندھا بنا دیتا ہے اس کو اپنے نصب العین کی حمایت کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آتا اس کے پاس نہ حق و باطل کا معیار باقی رہ سکتا ہے اور نہ حق کا ترازو باقی رہ سکتا ہے بس وہ اپنے خواہش تک پہنچنے کے سوا کسی چیز کے سننے کے لئے تیار ہے اور نہ دیکھنے کے لئے

[1] المرقات: ۸/۶۴۳ [2] اخرجه ابوداؤد: ۵۱۲۱ [3] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۳۶

تیار ہے شاعر نے سچ کہا ہے۔ ؎

فعین الرضا عن کل عیب کلیلة ولکن عین السخط تبدی المساویا[1]

الفصل الثالث

عصبیت کا معنی

﴿۱۷﴾عَنْ عُبَادَةَ بْنِ كَثِيْرٍ الشَّامِيِّ مِنْ اَهْلِ فِلَسْطِيْنَ عَنِ امْرَاَةٍ مِّنْهُمْ يُقَالُ لَهَا فَسِيْلَةُ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ اَبِيْ يَقُوْلُ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ اَمِنَ الْعَصَبِيَّةِ اَنْ يُحِبَّ الرَّجُلُ قَوْمَهٗ قَالَ لَا وَلٰكِنْ مِنَ الْعَصَبِيَّةِ اَنْ يَّنْصُرَ الرَّجُلُ قَوْمَهٗ عَلَى الظُّلْمِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَه)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبادہ ابن کثیر شامی جن کا تعلق فلسطین سے تھا اپنے ہی لوگوں میں کی ایک خاتون سے جن کا نام فسیلہ تھا نقل کرتے ہیں کہ وہ خاتون بیان کرتی تھیں میں نے اپنے والد کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا عصبیت اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی قوم و جماعت کو عزیز رکھے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ عصبیت اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص ظلم کے معاملہ میں اپنی قوم و جماعت کی حمایت و مدد کرے۔ (احمد، ابن ماجہ)

توضیح: "ینصر" مثلاً اپنے خاندان کی ایک شخص اس وجہ سے حمایت کرتا ہے کہ وہ اس کا خاندان ہے خواہ وہ ظالم کیوں نہ ہو فاسق و فاجر اور جابر کیوں نہ ہو اس سے سروکار نہیں اس کو بھی نہیں دیکھتا کہ یہاں حق کس طرف ہے اور باطل کس طرف ہے سب سے آنکھیں بند کر کے صرف خاندان کی راگ الاپتا رہتا ہے یہ عصبیت ہے جاہلیت کے لوگ یوں کہا کرتے تھے۔

"انصرا خاك ظالما او مظلوما"[4]

یہ محض تعصب ہے جو حرام ہے جاہلیت کے لوگ یہ بھی کہتے تھے "ان لم تنصر اخاك ظالما لاتنصره مظلوما"

اپنے نسب حسب پر گھمنڈ نہ کرو

﴿۱۸﴾وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْسَابُكُمْ هٰذِهٖ لَيْسَتْ بِمَسَبَّةٍ عَلٰى اَحَدٍ كُلُّكُمْ بَنُوْا اٰدَمَ طَفُّ الصَّاعِ بِالصَّاعِ لَمْ تَمْلَؤُوْهُ لَيْسَ لِاَحَدٍ عَلٰى اَحَدٍ فَضْلٌ

[1] المرقات: ۸/۶۲۲ [2] المرقات: ۸/۶۲۲ [3] اخرجه احمد: ۴/۱۰۷ [4] المرقات: ۸/۶۸۸

اِلَّا بِدِيْنٍ وَتَقْوٰى كَفٰى بِالرَّجُلِ اَنْ يَّكُوْنَ بَذِيًّا فَاحِشًا بَخِيْلًا ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عقبہ ابن عامر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا نسب کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے سبب تم کسی کو برا کہو اور عار دلاؤ تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو جس طرح ایک صاع دوسرے صاع کے برابر ہوتا ہے کہ جس کو تم نے بھرا نہ ہو کسی کو کسی پر کوئی فضیلت و ترجیح نہیں ہے علاوہ دین اور تقویٰ کے، آدمی کی برائی کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ زبان دراز، فحش گوئی اور لچر باتیں کرنے والے بخیل ہو، اس روایت کو احمد اور شعب الایمان میں بیہقی نے نقل کیا ہے۔

توضیح: "**طف الصاع**" صاع پیمانہ کو کہتے ہیں جس سے غلہ پیمانہ کیا جاتا ہے "ب" ملابست کے لئے ہے طف کا لفظ لغت میں کمی اور نقص کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی سے تطفیف ہے اور اسی سے **ویل للمطففین** ہے یہاں طف سے وہ پیمانہ مراد ہے جو بھرنے کے قریب ہو مگر بھر نہ جائے بلکہ ناقص رہ جائے فخر و مباہات میں انسانوں کا موازنہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کسی انسان کو کسی پر اس طرح فضیلت نہیں کہ اس کا پیمانہ بھر گیا ہو اور دوسرے کا ناقص رہ گیا ہو بلکہ نقص و نقصان میں دونوں برابر ہیں نہ یہ پورا ہے نہ وہ پورا ہے سب ایک باپ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور سب مٹی سے پیدا ہیں ہاں تقویٰ اور پرہیزگاری اور نیک عمل ایسی چیز ہے جس سے ایک شخص فضیلت میں دوسرے سے بازی لیجا سکتا ہے مٹی کا پتلا تو مٹی ہی ہے۔[۲]

ما للعلوم وللتراب وانما   يسعى ليعلم انه لا يعلم

"**كفى بالرجل**" اى **كفى الرجل مسبةً وعاراً ونقصاناً** یہ تمیز محذوف ہے مطلب یہ ہوا کہ بس کسی آدمی کی برائی اور عار کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ بذی ہو فاحشا بذی کا ترجمہ ہے۔ بخیل سے وہ کنجوس مکھی چوس آدمی مراد ہے جو واجبی حقوق میں بوجہ بخل کوتاہی کرتا ہو۔[۳]

---

[۱] اخرجه البيهقي: واحمد: ۴/۱۴۵ [۲] الكاشف: ۹/۱۶۰ [۳] المرقات: ۸/۶۳۶

مورخہ ۱۱ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ

باب البر والصلة
نیکی اور صلہ کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿ويقطعون ما امر الله به ان يوصل﴾ (بقرہ)[1]

"البر" نیکی اور "الصلة" صلہ رحمی کو کہتے ہیں۔

لفظ بر کا اطلاق اگر چہ عام نیکی پر کیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں یہ لفظ والدین کے ساتھ حسن سلوک بھلائی، نیکی اور احسان واطاعت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک شرعی حکم ہے حدیث میں آیا ہے "انت ومالك لابيك" لہٰذا ہر صورت میں والدین کے حقوق کو اولاد کے حق میں برتری حاصل ہے اگر چہ بظاہر وہ ظلم پر کھڑا ہو چنانچہ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کو قتل کر دیتا ہے تو دنیا میں شریعت اس کا مواخذہ نہیں کرتی ہے آخرت میں دیکھا جائے گا یہی وجہ ہے کہ بیٹے کے قتل میں باپ سے دنیا میں قصاص نہیں لیا جائیگا کیونکہ باپ اس بیٹے کی حیات اور زندگی کا ذریعہ بنا ہے لہٰذا یہ بیٹا اپنے باپ کی موت کا ذریعہ نہیں بن سکتا ہاں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی باپ نے بیٹے کو ذبح کر کے قتل کیا تو دنیا میں مواخذہ ہوگا کہ اس طرح بے دردی سے کیوں قتل کیا؟ بہر حال یہ دنیا کا معاملہ ہے قیامت کا معاملہ اور ہوگا۔[2]

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی لڑکا اپنے دوستوں کے ہاں بیٹھا ہوا ہو اور اس کا باپ آ گیا لوگوں نے بیٹے سے پوچھا یہ کون ہے؟ تو بیٹے نے جواب دیا کہ یہ میرا رشتہ دار ہے اس طرح کہنے سے وہ بیٹا عاق ہو جائیگا کیونکہ اس نے باپ کے نام سے شرم اور عار محسوس کیا اور یہ نہیں کہا کہ یہ میرا باپ ہے۔

لفظ "بر" کے مقابلہ میں لفظ عقوق آتا ہے جو حسن سلوک کے منافی بدسلوکی ایذا رسانی اور نافرمانی پر بولا جاتا ہے۔[3]

"الصلة" صلہ کا لغوی معنی ملانا اور پیوند لگانا ہے مگر اس کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ اپنے عزیز واقارب کے ساتھ احسان کرنا، ان سے اچھے سلوک کا معاملہ کرنا، ان کے حقوق کا خیال رکھنا، ان کو عطایا سے نوازنا، ان کا ہر قسم تعاون کرنا ان کی ایذا پر صبر کرنا اور ان کو ہر قسم راحت وفائدہ پہنچانا صلہ رحمی ہے اسی طرح عام مسلمانوں کے ساتھ جوڑ پیدا کرنا اور بائیکاٹ نہ کرنے کو بھی صلہ کا لفظ شامل ہے۔[4]

---

[1] سورۃ بقرہ ۲۷ [2] المرقات: ۸/۶۴۷ [3] المرقات: ۸/۶۴۷ [4] المرقات: ۸/۶۴۷

الفصل الاول

اولاد پر ماں کے حقوق

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللهِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَبُوْكَ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ اُمَّكَ ثُمَّ اُمَّكَ ثُمَّ اُمَّكَ ثُمَّ اَبَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ اَدْنَاكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! میری اچھی رفاقت (یعنی میری طرف سے حسن سلوک واحسان اور خدمت گزاری) کا سب سے زیادہ مستحق کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے عرض کیا کہ پھر کون؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے عرض کیا کہ پھر کون؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے عرض کیا کہ پھر کون؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارا باپ۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے (اس شخص کے جواب میں) فرمایا تمہاری ماں پھر تمہاری ماں پھر تمہاری ماں پھر تمہارا باپ پھر تمہارا وہ عزیز جو نزدیک کی قرابت رکھتا ہو۔ (بخاری مسلم)

توضیح: "امك" سائل کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ والدین میں سے کس کا حق زیادہ ہے یا تمام انسانوں میں سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ سائل کے اس سوال کے جواب میں آنحضرت نے والدہ کے حق کو سب سے زیادہ بتایا اس شخص کا ارادہ تھا کہ والد کے حقوق کا تعین ہوجائے اس لئے بار بار سوال کو دہرایا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے چوتھے مرتبہ میں والد کے حق کا ذکر فرمایا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سب سے زیادہ حق والدہ کا ہے پھر والد کا ہے اور پھر باقی رشتہ داروں کا درجہ بدرجہ حق ہے گویا والدہ کا حق والد کے مقابلہ میں تین گنا زیادہ ہے کیونکہ بچے کی پیدائش میں اور اس کے پالنے میں والد سے والدہ کا کردار زیادہ ہے۔ نو ماہ تک پیٹ میں رکھ کر اٹھانا اور پھرانا، پھر اس کا جننا اس کے بعد اس کو دودھ پلانا اور مکمل دیکھ بھال کرنا یہ تین بڑے مرحلے ہیں جو والدہ کو طے کرنے پڑتے ہیں اس لئے اس کا حق والد سے تین گنا زیادہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے[2] ﴿وقضی ربك ان لا تعبدوا الا ایاه وبالوالدین احسانا﴾[3]

والدین کی خدمت سے دنیا میں آدمی کو دو فائدے حاصل ہوجاتے ہیں ایک عمر میں برکت آجاتی ہے دوسرا عزت وعظمت اور مال میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ والدین کے حقوق کی ادائیگی میں اگر والدین میں تنازعہ ہوجائے کہ والد اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ والدہ کا حق ادا نہ کرو میرا ادا کرو تو اولاد پر لازم ہے کہ احترام اور تعظیم میں والد کو مقدم رکھے اور خدمت واطاعت میں والدہ کے حق کو مقدم رکھے یعنی والدہ کا حق خدمت کے حوالہ سے مقدم ہے اور والد کا حق ادب واحترام اور تعظیم وتکریم کے حوالہ سے مقدم ہے۔

[1] اخرجه البخاری: ۸/۲ ومسلم: ۲/۳۱۶ [2] المرقات: ۸/۶۴۷ [3] بنی اسرائیل: ۲۳

والدین کی خدمت نہ کرنے والے کے حق میں بددعا

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ قِيْلَ مَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ اَحَدَهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا خاک آلود ہوناک اس شخص کی، خاک آلود ہوناک اس شخص کی، خاک آلود ہوناک اس شخص کی، (یعنی آپ نے تین مرتبہ گویا یہ بددعا فرمائی کہ وہ شخص ذلیل وخوار ہو) پوچھا گیا کہ یارسول اللہ! وہ کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا وہ شخص جو اپنے والدین میں سے کسی ایک یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پائے اور پھر جنت میں داخل نہ ہو یعنی جس شخص کے ماں باپ یا دونوں میں کوئی ایک بڑھاپے کی حالت میں ہو اور وہ شخص ان کی خدمت کر کے ان کو راضی نہ کرے تو وہ انتہائی بدقسمت ہے کیونکہ خصوصیت سے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کرنا بڑے اجر کی بات ہے اور جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے۔ (مسلم)

توضیح: "رغم" را پر فتحہ ہے اور غین پر کسرہ ہے یہ رغام سے ہے جو مٹی کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کی ناک مٹی میں مل جائے یعنی یہ ذلیل وخوار ہو جائے یا یہ جملہ اخباریہ ہے یعنی ایسا شخص ذلیل وخوار ہو ہی گیا۔[۲] "لم یدخل الجنة" یعنی والدین کی خدمت کر کے ان کی دعاؤں سے یہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوا تو یہ شخص ذلیل وخوار ہو جائے۔[۳]

مشرک ماں باپ کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنا چاہئے

﴿۳﴾ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ قَالَتْ قَدِمَتْ عَلَيَّ اُمِّیْ وَهِیَ مُشْرِكَةٌ فِیْ عَهْدِ قُرَيْشٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّیْ قَدِمَتْ عَلَيَّ وَهِیَ رَاغِبَةٌ اَفَاَصِلُهَا قَالَ نَعَمْ صِلِيْهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت اسماء بنت ابوبکر کہتی ہیں کہ میری والدہ شرک کی حالت میں (مکہ سے مدینہ) آئی جبکہ قریش کیساتھ صلح کا زمانہ تھا، (یعنی مدینہ میں میری والدہ کے آنے کا یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جبکہ صلح حدیبیہ کی صورت میں آنحضرت اور قریش مکہ کے درمیان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو چکا تھا اور میری والدہ اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئی تھیں) چنانچہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میری والدہ میرے پاس آئی ہیں اور وہ اسلام سے بیزار ہیں کیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "وھی راغبة" اس جملہ کے مطلب بیان کرنے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے میں رغبت رکھتی ہے اور مکہ سے میرے پاس مدینہ میں آئی ہے ابھی تک مشرکہ ہے کیا میں اس

---

[۱] اخرجه مسلم [۲] المرقات: ۸/۶۴۸ [۳] المرقات: ۸/۶۴۹ [۴] اخرجه البخاری: ۸/۵ ومسلم: ۱/۴۰۱

کی خدمت کرسکتی ہوں اور اس کے حقوق بجالاسکتی ہوں؟

اس قول کے مقابلہ میں تفصیلی روایات میں دوسرا قول یہ ہے کہ "راغبة عن الاسلام" یعنی اسلام کا نام سننا نہیں چاہتی اس کے قبول کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں لیتی اپنے کفر پر قائم ہے کیا میں اس طرح کافرہ عورت کی خدمت کرسکتی ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے خدمت کی اجازت دیدی کیونکہ اس کا تعلق انسانیت سے ہے ایمان اور کفر سے نہیں ہے۔

تفصیلی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ماں اسلام سے کراہت رکھتی تھی دلچسپی نہیں لیتی تھی یہ قول راجح ہے کیونکہ خدمت کی اجازت کا سوال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اسلام سے نفرت کرتی تھی حضرت اسماء کی والدہ الگ ہے اور حضرت عائشہ کی الگ ہے۔ حضرت عائشہ کی والدہ ام رومان مسلمان تھیں۔ [۱]

صلہ رحمی کی اہمیت

﴿۴﴾وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اٰلَ اَبِيْ فُلَانٍ لَيْسُوْا لِيْ بِاَوْلِيَاءَ اِنَّمَا وَلِيِّيَ اللهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنْ لَّهُمْ رَحِمٌ اَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ابوفلاں کی اولاد میرے دوست نہیں ہیں میرا دوست یا تو خدا ہے یا نیک بخت مؤمنین البتہ ان لوگوں سے میری قرابت داری ہے جس کو میں تر چیزوں سے تر کرتا رہتا ہوں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "ابوفلان" اس کنیت میں تصریح نہیں ہے کہ یہ شخص کون تھا گویا کنیت میں کنایہ ہے، اس کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے نام کی تصریح نہیں فرمائی کیونکہ نام کی تصریح میں فتنہ اٹھنے کا خطرہ تھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نام لیا تھا مگر راوی کو نام یاد نہ رہا پھر علماء نے اس کے تعین کے بارے میں لکھا ہے کہ شاید ابولہب کی اولاد مراد ہو یا ابوسفیان کی اولاد مراد ہو یا حکم بن العاص کی اولاد مراد ہو۔ [۳]

"لیسوا باولیاء" یعنی میرے دوست نہیں مجھے دوسروں سے زیادہ محبوب نہیں مجھے بالکل پسند نہیں ان سے مالی تعاون کرنا کسی دینی اور روحانی تعلق کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ [۴] "سأبلها" بل یبل بلاو بللا گیلا اور تر کرنے کے معنی میں ہے یعنی میں اس قرابت داری کو تر چیزوں سے تر کرتا ہوں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میں ان لوگوں کے ساتھ جو مالی تعاون کرتا ہوں یہ ان کے محبوب ہونے کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ رشتہ وقرابت کی بنیاد پر تعاون کرتا ہوں ورنہ میرے دوست تو صالح مؤمنین مثل ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی اور ان جیسے لوگ ہیں۔ [۵]

---

[۱] المرقات: ۸/۶۴۹، ۶۵۰ [۲] اخرجه البخاری: ۸/۷ ومسلم: ۱/۱۱۰ [۳] المرقات: ۸/۶۵۰ [۴] المرقات: ۸/۶۵۰ [۵] المرقات: ۸/۶۵۰

والدین کی نافرمانی حرام ہے

﴿۵﴾ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوْقَ الْأُمَّهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَمَنْعَ وَهَاتِ وَكَرِهَ لَكُمْ قِيْلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّوَالِ وَاِضَاعَةَ الْمَالِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر اس امر کو حرام قرار دیا ہے کہ ماں کی نافرمانی کر کے اس کا دل دکھایا جائے، لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیا جائے اور بخیلی و گدائی اختیار کی جائے نیز قیل وقال، سوال کی زیادتی اور مال ضائع کرنے کو تمہارے لئے مکروہ قرار دیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "**عقوق الامهات**" عقوق نافرمانی کو کہتے ہیں اور امہات سے مراد ماں باپ ہیں لیکن امہات کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ ان کے حقوق زیادہ ہیں از دیاد حقوق کی طرف اشارہ مقصود ہے۔[۲] "**منع وهات**" اس سے مراد بخل اور کنجوسی ہے مطلب یہ کہ دوسروں کے حقوق کا تو بالکل انکار کرے اور دوسروں سے ایسے حقوق کا مطالبہ کرے جس کی ادائیگی ان پر واجب نہیں ہے خلاصہ یہ کہ جائز حق نہ دے اور ناجائز حق مانگتا پھرتا ہے۔[۳]

"**وقیل وقال**" یعنی ایسی بحث ومباحثہ اور اس طرح گفتگو میں لگا ہوا ہے جس میں نہ دین کا فائدہ ہے اور نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہے لایعنی اور فضول بک بک کر رہا ہے دوراز کار سوالات اور جوابات چلا رہا ہے بلا فائدہ حجت وتکرار میں اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہا ہے مثلاً منطق کی طویل مباحث میں بے مقصد الجھ رہا ہے اور اس شعر کا مصداق بن رہا ہے۔[۴]

ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا
سوا ان جمعنا قيل وقالوا

یعنی زندگی بھر ہم نے اپنی ان طویل بحثوں سے قیل وقال کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔ "**و کثرة سوال**" یعنی کثرت سے سوال کرنا منع ہے اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے احوال میں اور ان کے اموال اور معاملات میں بے جا مداخلت کرتا ہے اس میں تجسس اور جستجو کرتا ہے اور بہت زیادہ پوچھ پاچھ کرتا ہے یہ منع ہے جس سے نفرت وعداوت اور غیبت کا دروازہ کھلتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اپنے علم وکمال کی برتری ثابت کرنے کے لئے دوسروں پر دقیق وعمیق اشکالات کرتا ہے اور بطور امتحان ان سے سخت امتحانی سوالات کرتا ہے اور بے فائدہ مباحثہ ومناظرہ اور علمی سوالات کر کے اپنے علم کا سکہ لوگوں پر بٹھاتا ہے۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ اس سے صحابہ کی جماعت مراد ہے جن کو حضور اکرم سے زیادہ سوالات کرنے سے روکا گیا تھا۔[۵]

---

[۱] اخرجه البخاری: ۸/۴ ومسلم: ۲/۶۱ [۲] المرقات: ۸/۶۵۱ [۳] المرقات: ۸/۶۵۱
[۴] المرقات: ۸/۶۵۲ [۵] المرقات: ۸/۶۵۲

"اضاعة المال" یعنی مال میں فضول خرچی کرے یا بد انتظامی کرے جہاں شریعت نے حکم دیا ہے وہاں خرچ نہ کرے اور جہاں منع کیا ہے وہاں خرچ کرنے لگے رشتہ دار بھوک سے مر رہا ہے اور یہ خود عالیشان مکانات تعمیر کر رہا ہے اور مرغ مسلم اڑا رہا ہے اور ہر قسم آرائش وزیبائش میں پیسہ ضائع کر رہا ہے یہ سب منع ہیں اور اضاعت مال کی صورتیں ہیں۔ [۱]

﴿۶﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلَ وَالِدَيْهِ قَالَ نَعَمْ يَسُبُّ اَبَاالرَّجُلِ فَيَسُبُّ اَبَاهُ وَيَسُبُّ اُمَّهُ فَيَسُبُّ اُمَّهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اپنے ماں باپ کو گالی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے صحابہ نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو بھی گالی دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! (کیوں نہیں) کبھی کبھار تو خود کوئی جاہل شخص اپنے ماں باپ کو گالی بک دیتا ہے اور یہ تو اکثر ہوتا ہے کہ لوگ اپنے ماں باپ کو اگرچہ حقیقتاً خود گالی نہیں دیتے، مگر ان کو گالی دلوانے کا سبب ضرور بنتے ہیں (اور وہ اس طرح کہ) اگر کوئی شخص کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔ (بخاری)

باپ کے دوستوں سے احسان کا سلوک کرو

﴿۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةَ الرَّجُلِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ بَعْدَ اَنْ يُّوَلِّيَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا سب سے اعلیٰ نیکیوں میں سے ایک اعلیٰ نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے باپ کے مرنے کے بعد یا اس کی غیر موجودگی میں اس کے دوستوں کے ساتھ احسان وسلوک کرے۔ (مسلم)

توضیح: "بعد ان یولی" یعنی باپ کا انتقال ہوگیا یا گھر سے غائب رہا اس صورت میں باپ کے دوستوں سے احسان ومروت کرنا باپ کے صلہ کا حق ہے اور اس کا تقاضا ہے حدیث میں باپ کا ذکر ہے علماء نے لکھا ہے کہ ماں کی سہیلیوں سے حسن سلوک اور احسان کرنا بھی یہی حکم رکھتا ہے ماں کے صلہ کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد ان کی سہیلیوں کا خیال رکھا جائے۔ [۴]

صلہ رحمی پالنے سے مال بڑھتا ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهُ فِيْ رِزْقِهٖ

[۱] المرقات: ۸/۶۵۳ [۲] اخرجه البخاری: ۸/۳ ومسلم: ۱/۵۰ [۳] اخرجه مسلم: ۲/۳۲۰ [۴] المرقات: ۸/۶۲

وَيُنْسَأَلَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت و فراخی اور اس کی موت میں تاخیر کی جائے یعنی اس کی عمر دراز ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کرے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "فی اثرہ" یعنی اس کی موت میں تاخیر کی جائے اثر نشانات قدم کو کہتے ہیں آدمی جب تک زندہ رہتا ہے اس کے قدموں کے نشانات زمین پر پڑتے ہیں جب مرجاتا ہے یہ نشانات ختم ہوجاتے ہیں "اثرہ ای حیاتہ"[۲]

سوال: اب سوال یہ ہے کہ رزق اور اسی طرح انسان کی عمر کا تعلق تقدیر الٰہی سے ہے تو صلہ رحمی تقدیر کو کیسے بدل سکتی ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تقدیر مبرم ہے دوسری تقدیر معلق ہے اس دوسری قسم میں چونکہ تعلیق ہوتی ہے کہ مثلاً اس شخص نے اگر صلہ رحمی کو قائم رکھا اور اسے جوڑ دیا تو ان کی عمر نوے سال ہوگی ورنہ ستر سال ہوگی اسی طرح صلہ پالنے سے اللہ تعالیٰ انسان کے مال میں اضافہ فرماتا ہے مثلاً دل نہیں چاہتا ہے مگر صلہ اور رشتے ناتے کی وجہ سے بھائیوں چچاؤں اور چچازاد بھائیوں سے احسان کرتا ہے اس کی وجہ سے اس آدمی کا مال بڑھتا ہے تجربہ گواہ ہے کہ ایسا ہوتا ہے کوئی آزما کر دیکھے میں نے بہت آزمایا ہے اور اسی طرح پایا ہے۔[۳]

صلہ رحمی جوڑنے کی اہمیت

﴿۹﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ فَأَخَذَتْ بِحَقْوِيِ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ مَهْ قَالَتْ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِبِكَ مِنَ الْقَطِيْعَةِ قَالَ أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ قَالَتْ بَلٰى يَارَبِّ قَالَ فَذَاكِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا جب اس سے فارغ ہوا تو رحم یعنی رشتہ ناتا کھڑا ہوا اور پروردگار کی کمر تھام لی پروردگار نے فرمایا کہہ کیا چاہتا ہے؟ رحم نے عرض کیا کہ یہ کاٹے جانے کے خوف سے تیری پناہ کے طلبگار کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے، پروردگار نے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ جو شخص تجھ کو قائم و برقرار رکھے اس کو میں بھی قائم و برقرار رکھوں اور جو شخص تجھ کو منقطع کردے میں بھی (اپنے احسان و انعام کا تعلق) اس سے منقطع کرلوں؟ رحم نے عرض کیا کہ پروردگار! بیشک میں اس پر راضی ہوں پروردگار نے فرمایا اچھا تو یہ وعدہ تیرے لئے ثابت و برقرار ہے۔ (بخاری و مسلم)

[۱] اخرجه البخاري: ۸/۶ ومسلم: ۲/۳۲۱ [۲] المرقات: ۸/۶۵۵ [۳] المرقات: ۸/۶۵۵ [۴] اخرجه البخاري: ۸/۶ ومسلم: ۲/۳۲۱

توضیح: "حقوی رحمان" حقو کمر کو کہتے ہیں خاص کر پتلی کمر پر بولا جاتا ہے انسانوں کو سمجھانے کے لئے یہ لفظ بولا گیا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ جسم وتجسم سے مبرا ومنزہ ہے اور انسانی تصور سے وراء الوراء ہے۔

اے برتر از قیاس وگمان ووہم زہر چہ گفتہ اند وشنیدم وخواندیم

دفتر تمام گشت وبپایان رسید عمر ما ہم چنیں در اول وصف تو ماندیم [۱]

یہ کلام متشابہات میں سے ہے، سلف صالحین اس کا ترجمہ **مایلیق بشانہ** سے کرتے ہیں اور یہی راجح ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رشتہ ناتہ کو جب اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا تو یہ کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کو کمر سے پکڑ لیا "مہ" یعنی ایسا نہ کرو، کہہ، کیا کہتا ہے مانگ کیا مانگتا ہے؟

"**من القطیعة**" یعنی صلہ کے توڑنے سے بچاؤ کے لئے یہ مقام بطور پناہ گاہ ہے اس کے خوف سے جو شخص بھی پناہ پکڑیگا تو اس مقام پر آکر پناہ حاصل کریگا۔

﴿۱۰﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ اللّٰهُ مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهٗ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحم (کا لفظ) رحمن (کے لفظ) سے نکلا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (رحم یعنی رشتہ ناتے سے) فرمایا کہ جو شخص تجھ کو جوڑے گا یعنی تیرے حق کو ملحوظ رکھے گا میں بھی اس کو (اپنی رحمت کے ساتھ) جوڑوں گا اور جو شخص تجھ کو توڑے گا یعنی تیرے حق کا لحاظ نہیں کرے گا میں بھی اس کو توڑوں گا یعنی ایسے شخص کو اپنی رحمت سے محروم کر دونگا۔ (بخاری)

توضیح: "شجنة" غرفة کی طرح فا کلمہ پر تینوں حرکات جائز ہیں جیم ساکن ہے نون پر فتحہ ہے۔ "شجنة" یہ شاخ اور ریشہ کے معنی میں آتا ہے مطلب یہ ہے کہ رحم رحمان کی شاخ ہے اسی سے مشتق بھی ہے اور اسی کا ریشہ بھی ہے اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ نام کے اشتراک کا بھی اثر پڑتا ہے اور اس کا اعتبار بھی ہے یہاں رحمان اور رحم کا مادہ مشترک ہے۔ [۳]

﴿۱۱﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ مَنْ وَصَلَنِيْ وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَنِيْ قَطَعَهُ اللّٰهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۴]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحم یعنی ناتا عرش سے لٹکا ہوا ہے اور کہتا ہے کہ جو شخص مجھ کو جوڑے گا اس کو اللہ تعالیٰ جوڑے گا اور جو شخص مجھ کو توڑیگا اللہ تعالیٰ اس کو جدا کر دیگا۔ (بخاری ومسلم)

[۱] المرقات: ۸/۶۵۵ [۲] اخرجه البخاری: ۸/۷ [۳] المرقات: ۸/۶۵۸ [۴] اخرجه البخاری: ۸/۷ ومسلم: ۲/۲۴۱

توضیح: "معلقة بالعرش" یعنی عرش کے پایہ کے ساتھ رشتہ ناطہ لٹکا ہوا ہے اس رشتہ وناطہ نے عرش کا پایہ پکڑ رکھا ہے اور یہ اعلان کر رہا ہے کہ جس نے مجھے جوڑا رحمان اسے جوڑیگا اور جس نے مجھے توڑا رحمان اسے توڑیگا۔[1]

﴿۱۲﴾ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جبیر ابن مطعم کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قطع رحم کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "قاطع" جو شخص صلہ رحمی توڑنے کو جائز مانتا ہے اس شخص نے حرام کو حلال کہدیا اس لئے کافر ہو گیا لہٰذا جنت میں نہیں جائیگا بلکہ ہمیشہ دوزخ میں رہیگا۔ یا دخول سے مراد دخول اوّلی ہے کہ ابتداء میں جنت میں نہیں جائے گا سزا بھگتنے کے بعد جائے گا۔[3]

﴿۱۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِيْ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلُ الَّذِيْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (کامل) صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں ہے جو بدلہ چکائے بلکہ کامل صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس کی قرابت کو منقطع کیا جائے تو وہ اس قرابت کو قائم رکھے۔ (بخاری)

﴿۱۴﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ لِيْ قَرَابَةً أَصِلُهُمْ وَيَقْطَعُوْنِيْ وَأُحْسِنُ إِلَيْهِمْ وَيُسِيْئُوْنَ إِلَيَّ وَأَحْلُمُ عَنْهُمْ وَيَجْهَلُوْنَ عَلَيَّ فَقَالَ لَئِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ فَكَأَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ وَلَا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللّٰهِ ظَهِيْرٌ عَلَيْهِمْ مَادُمْتَ عَلٰى ذٰلِكَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے کچھ قرابت دار ایسے ہیں کہ میں تو ان کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہوں لیکن وہ میرے ساتھ نیک سلوک نہیں کرتے ہیں میں ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں میں ان کے ساتھ حلم وبردباری اور درگزر کا رویہ اختیار کرتا ہوں اور وہ مجھ سے جہالت کے ساتھ پیش آتے ہیں یعنی مجھے برا بھلا کہتے ہیں اور مجھ پر غیظ وغضب کا اظہار کرتے ہیں (اس کی یہ باتیں سنکر) حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم ایسے ہی ہو جیسا کہ تم نے بیان کیا ہے تو گویا تم ان کو گرم راکھ پھکاتے ہو اور تمہارے ساتھ اللہ کی طرف سے ہمیشہ مدد ونصرت ہے جو ان کی ایذاء رسانی اور ان کے شر سے تمہاری محافظ ہے جب تک کہ تم اسی صفت پر قائم ہو۔ (مسلم)

[1] المرقات: ۸/۶۵۸ [2] اخرجه البخاري: ۸/۶ ومسلم: ۲/۳۲۱ [3] المرقات: ۸/۶۵۹
[4] اخرجه البخاري: ۸/۷ [5] اخرجه مسلم: ۲/۳۲۱

توضیح: "تسفهم الملّ" الملّ گرم راکھ کو کہتے ہیں اور تسف باب افعال سے ہے منہ میں راکھ پھکانا اور ڈالنا مراد ہے یعنی اگر واقعہ ایسا ہی ہے تو پھر تمہارا یہ احسان گویا ان کے منہ میں گرم گرم راکھ ہے جو تم ڈال رہے ہو کیونکہ وہ لوگ تمہارے احسان کا نہ بدلہ دیتے ہیں نہ تذکرہ کرتے ہیں اور نہ شکریہ ادا کرتے ہیں بلکہ الٹا تنگ کرتے ہیں گویا تم نے ان لوگوں کو اس طرح ذلیل کیا کہ ان کے منہ میں راکھ پھانک دی۔[1]

الفصل الثانی

﴿۱۵﴾ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَرُدُّ الْقَدَرَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَلَايَزِيْدُ فِي الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)[2]

ترجمہ: حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تقدیر الٰہی کو دعا کے علاوہ کوئی چیز نہیں بدلتی اور عمر کو دراز کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے علاوہ والدین اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک اور (یادرکھو) انسان کو جس سبب سے روزی سے محروم کیا جاتا ہے وہ صرف گناہ ہے جس کا وہ مرتکب ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ)

توضیح: "القدر" اس سے وہی تقدیر معلق مراد ہے جس کا فیصلہ اٹل نہیں بلکہ مشروط ہوتا ہے اس سے قضا مبرم مراد نہیں ہے کیونکہ اس میں آگے پیچھے ہونا محال ہوتا ہے۔[3]

لیحرم الرزق بالذنب

سوال: سوال یہ ہے کہ بہت سارے کفار مالدار عیش وعشرت میں ہوتے ہیں وہ گناہ کیا بلکہ کفر وشرک میں پڑے رہتے ہیں تو اس حدیث کا خارج کے واقعاتی حقائق سے تعارض ہے اس کا جواب کیا ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ رزق سے محرومی کی جس سزا کا اس حدیث میں ذکر ہے یہ مسلمانوں کے حق میں ہے جو ان کے لئے ابتلا ہے کفار کے بارے میں یہ حدیث نہیں ہے۔

دوسرا جامع جواب یہ ہے کہ ایک رزق ہے ایک رزق کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اصل مقصود رزق نہیں بلکہ اس کا ثمرہ اور نتیجہ مقصود ہوتا ہے رزق کا ثمرہ اطمینان وسکون اور راحت وفرحت ہوتی ہے۔ کفار اگرچہ بظاہر مال سے مالا مال ہوتے ہیں لیکن ان کو مال کا نتیجہ جو اطمینان وسکون اور راحت وفرحت ہے وہ حاصل نہیں ہوتی بلکہ خود یہی مال ان کے لئے وبال جان ہوتا ہے اور وہ زندگی میں اس مال کی وجہ سے شدید عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں تو درحقیقت وہ معصیت کی وجہ سے رزق کے اصل فائدہ سے محروم رہ گئے یہ جواب کفار اشرار اور فساق وفجار سب کو شامل ہے۔[4]

---

[1] المرقات: ۸/۶۶۰ [2] اخرجه ابن ماجه: ۱/۳۵ [3] المرقات: ۸/۶۶۱ [4] المرقات: ۸/۶۶۱، ۶۶۲

والدین کی خدمت کرنے کی فضیلت

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَسَمِعْتُ فِيْهَا قِرَائَةً فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا حَارِثَةُ ابْنُ النُّعْمَانِ كَذَالِكُمُ الْبِرُّ كَذَالِكُمُ الْبِرُّ وَكَانَ اَبَرَّ النَّاسِ بِأُمِّهٖ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ نِمْتُ فَرَأَيْتُنِيْ فِي الْجَنَّةِ بَدَلَ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ) [1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں جنت میں گیا تو میں نے وہاں قرآن پڑھنے کی آواز سنی میں نے (فرشتوں سے) پوچھا کہ یہ کون شخص ہے تو فرشتوں نے بتایا کہ یہ حارثہ بن نعمان ہیں، یہی وہ فضیلت وثواب ہے جو والدین کے ساتھ نیکی کرنے پر حاصل ہوتا ہے، یہی وہ فضیلت وثواب ہے جو والدین کے ساتھ نیکی کرنے پر حاصل ہوتا ہے اور حارثہ ابن نعمان اپنی ماں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرنے والا تھا۔ اس روایت کو بغوی نے شرح السنۃ میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور بیہقی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے (''میں جنت میں گیا'' کے بجائے) یہ فرمایا کہ میں سو گیا تھا تو اسی حالت میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں جنت میں ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی رضا والدین کی رضا کے ساتھ مربوط ہے

﴿۱۷﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِضَى الرَّبِّ فِيْ رِضَى الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِيْ سَخَطِ الْوَالِدِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) [2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو کہتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا پروردگار کی رضامندی وخوشنودی ماں باپ کی رضامندی وخوشنودی میں ہے اور پروردگار کی ناخوشی وناراضگی باپ کی ناخوشی وناراضگی میں ہے۔ (ترمذی)

توضیح: ''سخط الرب'' چھوٹوں پر بڑوں کے غضب کے لئے سخط کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اس حدیث میں عجیب فصاحت اور والدین کے مقام کی عجیب بلندی وعظمت کی طرف اشارہ ہے وہ اس طرح کہ والدین کی ناراضگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو جوڑا گیا ہے یہ نہیں کہا کہ والدین کی نافرمانی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ والدین ناراض ہونگے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہے یعنی کسی بیٹے سے اگر اس کا باپ ناراض اور ناخوش ہوگا تو اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوگا یہاں والد کا ذکر ہے مگر والدہ بھی مراد ہے دونوں کا حکم ایک جیسا ہے اگر والد سے **من له الولد** مراد لیا جائے تو پھر اس لفظ میں والد اور والدہ دونوں مقصود ہو جائیں گے۔

[1] اخرجه البیهقی: ۶/۱۷۷ والبغوی فی شرح السنة ۱۳/۷ [2] اخرجه الترمذی: ۴/۳۱۰

والدین کا حکم بیوی کی محبت پر مقدم ہے

﴿۱۸﴾ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ اَنَّ رَجُلًا اَتَاهُ فَقَالَ اِنَّ لِيْ اِمْرَاَةً وَاِنَّ اُمِّيْ تَاْمُرُنِيْ بِطَلَاقِهَا فَقَالَ لَهُ اَبُوالدَّرْدَاءِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْوَالِدُ اَوْسَطُ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَاِنْ شِئْتَ فَحَافِظْ عَلَى الْبَابِ اَوْضَيِّعْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابودرداء سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں ایک بیوی والا ہوں اور میری والدہ چاہتی ہیں کہ میں اس بیوی کو طلاق دے دوں حضرت ابودرداء نے اس سے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ والد جنت کے بہترین دروازوں میں سے ہے پس تم کو اختیار ہے کہ چاہے اس دروازے کی محافظت کرو اور چاہے اس کو ضائع کردو۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: "بطلاقها" اگر بیوی میں شرعی قباحت بھی ہو اور والدین کا حکم بھی ہو کہ طلاق دے دو تو بیٹے پر واجب ہے کہ طلاق دیدے لیکن اگر بیوی میں شرعی قباحت نہ ہو اور والدین کا حکم ہو کہ طلاق دے دو تو پھر طلاق دینا مستحب ہوگا واجب نہیں ہوگا آیندہ حدیث نمبر ۳۰ میں بھی یہ مسئلہ آرہا ہے۔[2]

"الوالد" حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو جو جواب دیا ہے اس میں والد سے "من له الولد" مراد لیا ہے جس میں ماں باپ دونوں شریک ہیں حضرت ابودرداء نے یہی فیصلہ فرمادیا کہ جنت والدین کے قدموں میں ہے اور یہ جنت کے مرکزی دروازے ہیں اگر ان کا حکم مان لیا تو دروازہ کھل جائے گا ورنہ دروازہ بند رہیگا۔[3]

﴿۱۹﴾ وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَبَرُّ قَالَ اُمَّكَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمَّكَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمَّكَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَبَاكَ ثُمَّ الْاَقْرَبَ فَالْاَقْرَبَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)[4]

ترجمہ: اور حضرت بہزابن حکیم اپنے والد سے اور وہ بہز کے دادا (حضرت معاویہ ابن صدہ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں کس کے ساتھ بھلائی اور (نیک سلوک) کروں؟ حضور ﷺ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ میں نے عرض کیا کہ پھر کس کے ساتھ؟ حضور ﷺ نے فرمایا اپنی ماں کیساتھ، میں نے عرض کیا کہ پھر کس کے ساتھ؟ حضور ﷺ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ میں نے عرض کیا کہ پھر کس کے ساتھ۔ آپ نے فرمایا اپنے باپ کے ساتھ اور پھر اس کے ساتھ جو (ماں باپ کے بعد) تمہارا قریب تر عزیز ہے (جیسے بھائی بہن) اور پھر اس کے ساتھ جو ان کے بعد اوروں کے زیادہ قریبی عزیز ہے (جیسے چچا اور ماموں اور اسی ترتیب کے مطابق چچا اور ماموں کی اولاد وغیرہ)۔ (ترمذی، ابوداؤد)

[1] اخرجه الترمذی: ۴/۳۱۱ وابن ماجه: ۱/۶۷۵ [2] المرقات: ۸/۶۶۴، ۶۶۴
[3] المرقات: ۸/۶۶۴ [4] اخرجه ابوداؤد: ۴/۴۴۸ والترمذی: ۴/۳۰۹

صلہ جوڑنے اور توڑنے والے کا حکم

﴿۲۰﴾ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَنَا اللّٰهُ وَاَنَا الرَّحْمٰنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنْ اِسْمِيْ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهٗ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبدالرحمن ابن عوف کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ بزرگ و برتر ارشاد فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں، میں رحمن ہوں، میں نے رحم یعنی رشتے ناتے کو پیدا کیا ہے اور میں نے اس کے نام کا لفظ اپنے نام یعنی رحمن کے لفظ سے نکالا ہے لہٰذا جو شخص رحم کو جوڑیگا یعنی رشتہ ناتے کے حقوق ادا کریگا تو میں بھی اس کو (اپنی رحمت کیساتھ) جوڑ ونگا اور جو شخص رحم کو توڑیگا یعنی رشتہ ناتے کے حقوق ادا نہیں کریگا میں بھی اس کو (اپنی رحمت خاص سے) جدا کر دونگا۔ (ابوداؤد)

صلہ کاٹنے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت بند ہو جاتی ہے

﴿۲۱﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عَلٰى قَوْمٍ فِيْهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس قوم پر رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں ناتا توڑنے والا ہو۔ (بیہقی)

توضیح: "لا تنزل الرحمة" یعنی ناتا توڑنے اور صلہ کاٹنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمانی رحمت بند ہو جاتی ہے ممکن ہے کہ اس رحمت سے عام رحمت مراد ہو یا خاص باران رحمت مراد ہو، اور ظاہر ہے کہ جب رحمت کا نزول بند ہو گیا تو عذاب کا نزول ہوگا لہٰذا ایسی قوم پر اجتماعی عذاب کا نزول ہو سکتا ہے جس میں کوئی آدمی ناتہ رشتہ توڑنے والا موجود ہو اور پوری قوم صلہ کے کاٹنے کے جرم پر خاموش ہو اور اس کو منع نہیں کرتی ہو بلکہ اس کی حمایت بھی کرتی ہو شارحین نے لکھا ہے کہ قوم سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو صلہ توڑنے والے شخص کی حمایت کرتے ہوں اور اس کو منع نہیں کرتے ہوں پوری قوم مراد نہیں ہے، آج کل جن سرحدی علاقوں میں ان سالوں میں تباہ کن زلزلے آئے ہیں رشتے ناتے توڑنے کا گناہ یہاں بہت عام تھا۔[3]

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۱۳۶ [2] اخرجہ البیهقی [3] المرقات: ۸/۶۶۶

باغی اور صلہ توڑنے والے کو دنیا و آخرت دونوں میں عذاب ہوگا

﴿۲۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَامِنْ ذَنْبٍ اَحْرٰی اَنْ یُّعَجِّلَ اللّٰہُ لِصَاحِبِہِ الْعُقُوْبَۃَ فِی الدُّنْیَا مَعَ مَا یَدَّخِرُ لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْبَغْیِ وَقَطِیْعَۃِ الرَّحِمِ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوبکرۃ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کوئی گناہ اس بات کے زیادہ لائق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ارتکاب کرنے والے کو دنیا میں بھی اس کی سزا دے دے اور آخرت میں بھی دینے کے لئے (اس سزا کو) ذخیرہ رکھے، ہاں دو گناہ بیشک اس بات کے لائق ہیں، ایک تو امام وقت کے خلاف بغاوت کرنا اور دوسرے ناتا توڑنا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح: "یدخر لہ" یعنی آخرت کا عذاب بھی ہوگا اس کا ذخیرہ بھی جمع رہیگا اور دنیا کا عذاب بھی بطور پیشگی ہوگا یہ دُگنا عذاب دو قسم بدبختوں کو ہوگا ایک قسم وہ لوگ ہیں جو امام برحق اور اسلامی خلافت کے سربراہ کے خلاف بغاوت کریں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو صلہ توڑنے کا جرم کریں یہ دونوں گناہ اتنے گھناؤنے ہیں کہ اس سے پورا معاشرہ تباہ ہوکر اسلام کی جڑیں ہل جاتی ہیں اس لئے بطور خاص اس کا ذکر کیا گیا ہے۔[۲]

تین قسم لوگ جنت میں داخل نہیں ہونگے

﴿۲۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنَّانٌ وَلَاعَاقٌّ وَلَامُدْمِنُ خَمْرٍ۔ (رَوَاہُ النَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جنت میں نہ تو وہ شخص داخل ہوگا جو کسی کے ساتھ بھلائی کر کے اس پر احسان رکھے نہ وہ شخص جو ماں باپ کی نافرمانی کرے اور نہ وہ شخص جو شراب نوشی کرے (اور بغیر توبہ کے مرجائے)۔ (نسائی، دارمی)

توضیح: "منان" منان اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی کے ساتھ احسان کر کے پھر جتلاتا ہے اور اس کو مسلسل تنگ کرتا رہتا ہے۔[۴] "ولاعاق" عاق اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے والدین کی نافرمانی کرتا ہے اور بلاوجہ ان کو تنگ کرتا ہے یا اپنے اقرباء کے ساتھ اسی طرح معاملہ کرتا ہے۔[۵]

"مدمن خمر" یہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو مسلسل شراب نوشی کرتا ہو، اگر ان لوگوں نے ان محرمات کو حلال سمجھ کر کیا تو کافر

[۱] اخرجہ الترمذی: ۴/۶۶۴ وابوداؤد: ۴/۲۷۷ [۲] المرقات: ۸/۶۶۶

[۳] اخرجہ النسائی: ۸/۳۱۸ والدارمی: ۲۱۰۰ [۴] المرقات: ۸/۶۶۷ [۵] المرقات: ۸/۶۶۷

ہو گئے تو جنت میں نہیں جائیں گے یا دخول جنت سے دخول اوّلی مراد ہے تو سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہونگے یا یہ حکم تشدید اتغلیظاً ہے۔ ۱؎

صلہ جوڑنے سے مال اور عمر میں برکت آتی ہے

﴿۲۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوْا مِنْ اَنْسَابِکُمْ مَاتَصِلُوْنَ بِهٖ اَرْحَامَکُمْ فَاِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِی الْاَهْلِ مَثْرَاةٌ فِی الْمَالِ مَنْسَأَةٌ فِی الْاَثَرِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ) ۲؎

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم اپنے نسبوں میں سے اس قدر سیکھو کہ جس کے ذریعہ تم اپنے ناتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کر سکو کیونکہ ناتا داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اقرباء میں باہمی محبت و موانست کا سبب، مال میں کثرت و برکت کا ذریعہ اور درازی عمر کا باعث بنتا ہے۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "محبة" صلہ جوڑنے سے آپس کی محبتوں میں اضافہ ہوتا ہے یہ تو مجرب اور مشاہدہ شدہ عمل ہے۔ ۳؎ "مثراة" یہ ثروۃ سے ہے مال کی کثرت کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے صلہ میں احسان کرتا ہے اور صلہ جوڑتا ہے ان کو خوش رکھتا ہے اس سے مال میں اضافہ ہوتا ہے۔ ۴؎ "منسأة فی الاثر" منسأة نسا اور نسیان سے ہے جو تاخیر کے معنی میں ہے اور الاثر سے مراد اجل اور موت کا وقت ہے مطلب یہ ہے کہ صلہ جوڑنے سے عمر طویل ہو جاتی ہے پہلے تفصیل گزر چکی ہے۔ ۵؎

صلہ جوڑنے سے گناہ معاف ہو جاتا ہے

﴿۲۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِیْمًا فَهَلْ لِیْ مِنْ تَوْبَةٍ قَالَ هَلْ لَکَ مِنْ اُمٍّ قَالَ لَا قَالَ وَهَلْ لَکَ مِنْ خَالَةٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَبِرَّهَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ) ۶؎

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے ایک بڑا گناہ صادر ہو گیا ہے میری توبہ کے لئے کیا چیز ہے؟ یعنی کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جس کو اختیار کر کے میں خدا کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرا سکوں اور اپنا وہ گناہ معاف کرا سکوں! حضور نے فرمایا کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں!

۱؎ المرقات: ۸/۶۶۷ ۲؎ اخرجه الترمذی: ۴/۳۵۱ ۳؎ المرقات: ۸/۶۶۷
۴؎ المرقات: ۸/۶۶۷ ۵؎ المرقات: ۸/۶۶۸ ۶؎ اخرجه الترمذی: ۴/۳۱۳

حضور ﷺ نے فرمایا تو کیا تمہاری خالہ ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! حضور ﷺ نے فرمایا تم اس کے ساتھ نیک سلوک کرو یعنی اس کی خدمت واطاعت کرو اور اس کی دیکھ بھال رکھو نیز اپنی حیثیت واستطاعت کے مطابق اس کی مالی امداد واعانت کرتے رہو۔

(ترمذی)

توضیح: "ذنباً عظیماً" حضور اکرم ﷺ نے اس شخص سے پوچھا کہ: تیری والدہ زندہ ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ پوچھا خالہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں خالہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ حسن سلوک رکھ تیرا گناہ معاف ہوجائے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صلہ جوڑنے اور صلہ کی خدمت کرنے سے کبیرہ گناہ بھی معاف ہوجاتا ہے کیونکہ صلہ والا بھی اس کی مغفرت کی دعا مانگتا ہے اور یہ شخص خود بھی مغفرت کی غرض سے خدمت کرتا ہے تو کبیرہ بھی معاف ہوجاتا ہے یا ممکن ہے کہ خوف کی وجہ سے اس شخص نے اس گناہ کو کبیرہ سمجھ لیا ہو اور حقیقت میں وہ کبیرہ نہیں تھا تو صلہ کی خدمت سے صغیرہ گناہ معاف ہوا یا ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث اس شخص کے معاملہ کے ساتھ خاص ہو اور تمام مسلمانوں کے لئے عام نہ ہو لہٰذا اس شخص کا بڑا گناہ صلہ کی خدمت کی وجہ سے معاف ہوگیا یہ ان کی خصوصیت تھی ہر شخص کا کبیرہ معاف نہیں ہوگا۔ "فبرھا" یہ امر کا صیغہ ہے یعنی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو احسان وانعام کرو۔[1]

والدین کی وفات کے بعد ان کے ساتھ احسان کی صورتیں

﴿۲۶﴾ وَعَنْ اَبِيْ اُسَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ سَلِمَةَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ بَقِيَ مِنْ بِرِّ اَبَوَيَّ شَيْءٌ اَبَرُّهُمَا بِهٖ بَعْدَ مَوْتِهِمَا قَالَ نَعَمْ اَلصَّلٰوةُ عَلَيْهِمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَاِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِيْ لَا تُوْصَلُ اِلَّا بِهِمَا وَاِكْرَامُ صَدِيْقِهِمَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابواسید ساعدی کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم لوگ رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جو (قبائل انصار میں سے ایک قبیلہ) بنوسلمہ سے تعلق رکھتا تھا اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میرے ماں باپ کے حسن سلوک کا کچھ حصہ ابھی باقی ہے جس کو میں ان کی وفات کے بعد پورا کروں؟ یعنی میں اپنے ماں باپ کی زندگی میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا تھا اب وہ مرچکے ہیں تو کیا ان کی وفات کے بعد بھی ان کے حق میں حسن سلوک کرنے کی کوئی صورت ہے؟ حضور نے فرمایا ہاں! ان کے حق میں دعا کرنا ان کے لئے استغفار کرنا، ان کی موت کے بعد ان کی وصیت کو پورا کرنا، ان کے ان ناتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا جن کے ساتھ حسن سلوک کرنا محض ان (ماں باپ) کے سبب سے ہے، اور ماں باپ کے دوستوں کی عزت وتعظیم کرنا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] المرقات: ۸/۶۶۸ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۴/۳۳۸ وابن ماجہ: ۲/۱۲۰۸

توضیح: "**بینا**" یعنی اسی اثناء اور اسی دوران جب ہم آنحضرت کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا اور اس نے سوال کیا کہ والدین کی وفات کے بعد ان کے ساتھ احسان کرنے کی کوئی صورت ہوسکتی ہے جس کو میں اختیار کروں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "**الصلوٰۃ علیهما**" یعنی ان کے حق میں دعا کرنا جس میں ان پر نماز جنازہ پڑھنا بھی داخل ہے یہ ایک صورت ہے۔[1]

"**وانفاذ عهدهما**" یعنی انہوں نے اگر کسی کے ساتھ کوئی وعدہ کیا ہے اور پورا کرنے سے پہلے مرگئے ہیں اس وعدہ کو پورا کرنا یہ ان کے ساتھ احسان کرنے کی دوسری صورت ہے۔[2] "**وصلة الرحم**" یعنی اس رشتے ناتے کا خیال رکھنا جو صرف والدین کی وجہ سے قائم کیا جاتا ہے تاکہ وہ خوش ہوجائیں والدین کے ناتے کے علاوہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی دوسرا تعلق نہ ہو یہ احسان کرنے کی تیسری صورت ہے۔[3] "**واکرام صدیقهما**" یعنی والدین کے دوستوں اور ان کے تعلق والوں کا اکرام واحترام کرنا یہ احسان کی چوتھی صورت ہے۔ ان چاروں صورتوں کے ذریعہ سے آدمی اپنے مرے ہوئے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرسکتا ہے۔[4]

آنحضرت کا اپنی رضاعی ماں کے ساتھ حسن سلوک

﴿۲۷﴾ وَعَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُ لَحْمًا بِالْجِعِرَّانَةِ إِذْ أَقْبَلَتِ امْرَأَةٌ حَتّٰى دَنَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَسَطَ لَهَا رِدَاءَهُ فَجَلَسَتْ عَلَيْهِ فَقُلْتُ مَنْ هِيَ فَقَالُوْا هِيَ أُمُّهُ الَّتِي أَرْضَعَتْهُ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابوطفیل کہتے ہیں کہ **جعرانہ** میں میں نے دیکھا کہ رسول کریم ﷺ گوشت تقسیم فرمارہے تھے کہ اچانک ایک خاتون آئیں جب وہ نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچی تو آپ نے ان کے لئے اپنی چادر مبارک بچھادی اور وہ اس پر بیٹھ گئیں میں نے (ان کے ساتھ آنحضرت کا یہ حسن سلوک دیکھا تو لوگوں سے) پوچھا کہ یہ خاتون کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ آنحضرت کی وہ ماں ہیں جنہوں نے آنحضرت کو دودھ پلایا تھا۔ (ابوداود)

توضیح: "**فجلست علیه**" جنگ حنین واوطاس کے بعد آنحضرت ﷺ غنائم کی تقسیم کے لئے جعرانہ میں تشریف فرما تھے اسی موقع پر آنحضرت کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ تشریف لائیں آنحضرت نے اپنی چادر ان کے نیچے بچھادی جس پر آپ بیٹھ گئیں لوگوں نے پوچھا یہ کون عورت ہے؟ جن کا یہ احترام آنحضرت نے کیا۔ جواب دیا گیا کہ یہ آنحضرت کی رضاعی ماں ہیں جن کا نام حلیمہ تھا اور سعد قبیلہ سے ان کا تعلق تھا۔[6]

---

[1] المرقات: ۸/۶۶۸ [2] المرقات: ۸/۶۶۹ [3] المرقات: ۸/۶۶۹

[4] المرقات: ۸/۶۶۹ [5] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۳۹ [6] المرقات: ۸/۶۷۰

الفصل الثالث

حدیث الغار کا قصہ

﴿۲۸﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا ثَلٰثَةُ نَفَرٍ يَتَمَاشَوْنَ اَخَذَهُمُ الْمَطَرُ فَمَالُوْا اِلٰى غَارٍ فِي الْجَبَلِ فَانْحَطَّتْ عَلٰى فَمِ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: اُنْظُرُوْا اَعْمَالًا عَمِلْتُمُوْهَا لِلّٰهِ صَالِحَةً ، فَادْعُوا اللهَ بِهَا لَعَلَّهُ يُفَرِّجُهَا. فَقَالَ اَحَدُهُمْ: اَللّٰهُمَّ اِنَّهُ كَانَ لِيْ وَالِدَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ، وَلِيْ صِبْيَةٌ صِغَارٌ كُنْتُ اَرْعٰى عَلَيْهِمْ، فَاِذَا رُحْتُ عَلَيْهِمْ فَحَلَبْتُ بَدَاْتُ بِوَالِدَيَّ اَسْقِيْهِمَا قَبْلَ وَلَدِيْ، وَاِنَّهُ قَدْ نَاَى بِيَ الشَّجَرُ، فَمَا اَتَيْتُ حَتّٰى اَمْسَيْتُ، فَوَجَدْتُهُمَا قَدْ نَامَا، فَحَلَبْتُ كَمَا كُنْتُ اَحْلُبُ، فَجِئْتُ بِالْحِلَابِ، فَقُمْتُ عِنْدَ رُؤُسِهِمَا اَكْرَهُ اَنْ اُوْقِظَهُمَا، وَاَكْرَهُ اَنْ اَبْدَاَ بِالصِّبْيَةِ قَبْلَهُمَا والصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَيَّ. فَلَمْ يَزَلْ ذَالِكَ دَاْبِيْ وَدَاْبُهُمْ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ، فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ فَعَلْتُ ذَالِكَ اِبْتِغَاءَ وَجْهِكَ ، فَافْرُجْ لَنَا فُرْجَةً نَرٰى مِنْهَا السَّمَاءَ فَفَرَّجَ اللهُ لَهُمْ حَتّٰى يَرَوْنَ السَّمَاءَ. قَالَ الثَّانِيْ: اَللّٰهُمَّ اِنَّهُ كَانَتْ لِيْ بِنْتُ عَمٍّ اُحِبُّهَا كَاَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَاءَ فَطَلَبْتُ اِلَيْهَا نَفْسَهَا، فَاَبَتْ حَتّٰى اٰتِيَهَا بِمِائَةِ دِيْنَارٍ، فَسَعَيْتُ حَتّٰى جَمَعْتُ مِائَةَ دِيْنَارٍ، فَلَقِيْتُهَا بِهَا، فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا. قَالَتْ: يَا عَبْدَ اللهِ: اِتَّقِ اللهَ وَلَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ. فَقُمْتُ عَنْهَا. اَللّٰهُمَّ فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اِنِّيْ فَعَلْتُ ذَالِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ . فَافْرُجْ لَنَا مِنْهَا، فَفَرَّجَ لَهُمْ فُرْجَةً. وَقَالَ الْاٰخَرُ: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ كُنْتُ اسْتَاْجَرْتُ اَجِيْرًا بِفَرَقِ اَرُزٍّ . فَلَمَّا قَضٰى عَمَلَهُ قَالَ: اَعْطِنِيْ حَقِّيْ. فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَقَّهُ. فَتَرَكَهُ وَرَغِبَ عَنْهُ. فَلَمْ اَزَلْ اَزْرَعُهُ حَتّٰى جَمَعْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَرَاعِيَهَا، فَجَاءَ نِيْ فَقَالَ: اِتَّقِ اللهَ وَلَا تَظْلِمْنِيْ وَاَعْطِنِيْ حَقِّيْ فَقُلْتُ: اِذْهَبْ اِلٰى ذَالِكَ الْبَقَرِ وَرَاعِيْهَا فَقَالَ: اِتَّقِ اللهَ وَلَا تَهْزَاْ بِيْ. فَقُلْتُ: اِنِّيْ لَا اَهْزَاُ بِكَ فَخُذْ ذَالِكَ الْبَقَرَ وَرَاعِيَهَا. فَاَخَذَهُ فَانْطَلَقَ بِهَا. فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ فَعَلْتُ ذَالِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا مَا بَقِيَ فَفَرَّجَ اللهُ عَنْهُمْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ (ایک مرتبہ) تین آدمی ایک ساتھ کہیں چلے جارہے تھے کہ (راستہ میں) سخت بارش نے ان کو آلیا وہ (اس بارش سے بچنے کے لئے) پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے اتنے میں

[۱] اخرجہ البخاری: ۳/۱۲ ومسلم: ۲/۳۸۸

پہاڑ سے ایک بڑا پتھر گر کر اس غار کے منہ میں آ پڑا اور ان تینوں پر باہر نکلنے کا راستہ بند کر دیا وہ تینوں آپس میں کہنے لگے کہ اب تم اپنے ان اعمال پر نظر ڈالو جو تم نے (کسی دنیاوی فائدہ کی تمنا اور جذبۂ نمود کے بغیر) محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے کئے ہوں اور ان اعمال کے وسیلہ سے خدا سے دعا مانگو شاید اللہ تعالیٰ ہماری نجات کے راستہ کو کھول دے! چنانچہ ان میں ایک نے کہا، اے اللہ (تو خوب جانتا ہے کہ) میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے کئی چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے اور میں بکریاں چرایا کرتا تھا تا کہ (ان کے دودھ کے ذریعہ) ان سب کا انتظام کرسکوں، چنانچہ جب میں شام کو اپنے گھر والوں کے پاس لوٹتا اور بکریوں کا دودھ نکالتا تو اپنے ماں باپ سے ابتداء کرتا اور ان کو اپنی اولاد سے پہلے دودھ پلاتا۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ (چراگاہ کے) درخت مجھ کو دور لے گئے یعنی بکریوں کو چراتا چراتا بہت دور نکل گیا یہاں تک کہ شام ہوگئی اور میں گھر واپس نہ آسکا اور (جب رات گئے گھر پہنچا تو) اپنے ماں باپ کو سوتے ہوئے پایا پھر میں نے اپنے معمول کے مطابق دودھ دوہا اور دودھ سے بھرا ہوا برتن لے کر ماں باپ کے پاس پہنچا اور ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا کیونکہ میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ ان کو جگاؤں اور نہ ہی مجھے یہ گوارا ہوا کہ ان سے پہلے اپنے بچوں کو دودھ پلاؤں جب کہ وہ بچے میرے پیروں کے پاس پڑے ہوئے مارے بھوک کے بلک بلک کر رو رہے تھے میں اور وہ سب اپنے حال پر قائم رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی (یعنی پوری رات اسی حالت میں میں دودھ کا برتن لئے ماں باپ کے سرہانے کھڑا رہا وہ دونوں پڑے سوتے رہے اور میرے بچے بھوک سے بیتاب ہو کر روتے اور چیختے چلاتے رہے) پس اے خدا اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام محض تیری رضا اور خوشنودی کی طلب میں کیا ہے تو (میں اپنے اس عمل کا واسطہ دیتے ہوئے تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ) تو ہمارے لئے اس پتھر کو اتنا کھول دے کہ اس کشادگی کے ذریعہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو اتنا سرکا دیا کہ ان کو آسمان نظر آنے لگا۔ دوسرے شخص نے اس طرح کہا کہ اے اللہ میرے چچا کی ایک بیٹی تھی میں اس کو اتنا ہی زیادہ چاہتا تھا جتنا زیادہ کوئی مرد کسی عورت کو چاہ سکتا ہے جب میں نے اس سے اپنے آپ کو میرے سپرد کر دینے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے یہ کہہ کر میری خواہش کو ماننے سے انکار کر دیا کہ جب تک میں سو دینار اس کو پیش نہیں کر دیتا میری جنسی خواہش پوری نہیں ہوگی پھر (میں نے محنت مشقت کر کے سو دینار فراہم کئے اور) ان دیناروں کو لے کر اس کے پاس پہنچا (وہ اپنی شرط پوری ہو جانے پر میری خواہش کی لئے راضی ہوگئی) جب میں (جنسی فعل کیلئے) اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھا تو وہ کہنے لگی کہ بندۂ خدا اللہ سے ڈر اور میری مہر امانت کو توڑنے سے باز رہ (یعنی اس نے مجھے خدا کا خوف دلاتے ہوئے التجا کی کہ میری آبرو کو نہ لوٹو اور حرام طور پر ازالہ بکارت کر کے میرے پردۂ ناموس کو جو کسی کی امانت ہے یوں تار تار نہ کرو) میں اس کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا پس اے خدا! اگر تو جانتا ہے کہ میرا یہ عمل (یعنی قابو حاصل ہونے کے باوجود اس کو چھوڑ کر ہٹ جانا اور اپنے نفس کو کچل دینا) محض تیری رضا اور خوشنودی کی طلب میں تھا تو میں اپنے اس عمل کے واسطہ سے تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ اس پتھر کو ہٹا کر ہمارے لئے راستہ کھول دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو تھوڑا اسا اور سرکا دیا پھر تیسرے شخص نے اس طرح کہنا شروع کیا، اے اللہ میں نے ایک مزدور کو ایک فرق چاول کے عوض مزدوری پر لگایا جب اس نے اپنا کام پورا کر لیا تو مطالبہ کیا کہ لاؤ میری اجرت دو میں نے اس کی اجرت اس کو پیش کر دی مگر وہ بے نیازی کے ساتھ اس کو چھوڑ

کر چلا گیا پھر میں نے ان چاولوں کو اپنی زراعت میں لگا دیا اور کاشت کرتا رہا یہاں تک کہ انہی چاولوں کے ذریعہ میں نے بیل اوران بیلوں کے چرواہے جمع کر لئے پھر ایک بڑے عرصہ کے بعد وہ مزدور میرے پاس آیا اور کہنے لگا خدا سے ڈرو مجھ پر ظلم نہ کرو اور میرا حق (جو تمہارے پاس چھوڑ دیا تھا) مجھ کو واپس کر دو، میں نے کہا کہ (بیشک وہ سب تمہارا حق مجھ پر واجب ہے) ان بیلوں اوران کے چرواہوں کے پاس جاؤ (اوران کو اپنے قبضے میں کرلو وہ سب تمہارا ہی حق ہے) اس نے کہا کہ خدا سے ڈرو اور میرے ساتھ مذاق نہ کرو، میں نے کہا کہ (میری بات کو جھوٹ نہ سمجھو) میں تم سے مذاق نہیں کر رہا ہوں جا کر ان بیلوں اوران کے چرواہوں کو لے لو اس کے بعد اس نے ان سب کو اپنے قبضہ میں کیا اور لے کر چلا گیا۔ پس اے خدا! اگر تو جانتا ہے کہ میرا وہ عمل محض تیری رضا وخوشنودی کی طلب میں تھا تو میں (اپنے اس عمل کا واسطہ دے کر تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ) تو یہ پتھر جتنا باقی رہ گیا اس کو بھی سرکا دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (اس شخص کی دعا بھی قبول فرمائی اور) غار کے منہ کا باقی حصہ بھی کھول دیا۔

(بخاری، مسلم)

توضیح: یہ ایک لمبی حدیث ہے جس میں تین آدمیوں کا لمبا قصہ مذکور ہے جو کسی غار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ پتھر لڑھکا اور غار کا منہ بند ہو گیا تینوں میں سے ہر ایک نے اپنے سب سے زیادہ مقبول عمل کو اللہ تعالیٰ کے سامنے بطور وسیلہ پیش کیا اور مقصود حاصل ہو گیا اس سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال دفع مضرت کے لئے بہترین وسیلہ ہیں۔ عام مفسرین اور عام سلف صالحین نے اعمال کے وسیلہ کو بلا خلاف قبول فرمایا ہے۔ "**ارعیٰ علیہم**" یعنی ان کی خدمت اور نفقہ وخرچہ کی غرض سے بکریاں چراتا تھا۔ "**یتضاغون**" باب تفاعل سے ہے بلک بلک کر رونے کو کہتے ہیں یہ بچے بھوک کی وجہ سے رو رہے تھے باپ نے ان کو دودھ اس لئے نہیں دیا کہ وہ پہلے والدین کو پلانا چاہتا تھا صبح تک وہ فرمان بردار بیٹا کھڑا رہا یہ معمولی عقیدت نہیں ہے نہ معمولی محنت ہے دوسرے شخص نے عین شباب میں تنہائی میں خوبصورت عورت کے جماع پر قابو پانے کے بعد خوف خدا کی وجہ سے چھوڑ دیا سو دینار بھی چھوڑ دئے یہ کوئی معمولی قربانی نہیں ہے زمینی حقائق بہت بڑے ہیں اگر چہ قصہ آسان ہے۔

"**البقر وراعیہا**" یہ ایک مزدور شخص تھا ناراض ہو کر مزدوری چھوڑ دی مگر مزدوری دینے والا شخص بہت دیندار تھا اس نے اس کی مزدوری کا مال ضائع نہیں کیا بلکہ بڑھا دیا اور کئی گائیں اور چرواہے اور دیگر اموال اس کے سپرد کیے اس سے معلوم ہوا کہ فضولی کا تصرف جائز ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔ بہرحال ان تین اشخاص کے یہ نمایاں اعمال وسیلہ بن گئے اور تینوں آدمی آفت سے چھوٹ گئے۔ [1]

جنت ماں کے قدموں میں ہے

﴿۲۹﴾ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ، اَنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ

[1] المرقات: ۸/۶۶۳

اللہ: اَرَدْتُ اَنْ اَغْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ اَسْتَشِيْرُكَ . فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ اُمٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ قَالَ فَالْزَمْهَا. فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت معاویہ ابن جاہمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) حضرت جاہمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں اور اس وقت اسی سلسلے میں آپ سے مشورہ کرنے حاضر ہوا ہوں، حضور نے فرمایا کیا تمہاری ماں (زندہ) ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! حضور نے فرمایا پھر تم انہی کی خدمت کو ضروری سمجھو کیونکہ جنت ماں کے قدموں میں ہے۔ (احمد، نسائی، بیہقی)

توضیح: "عند رجلها" یعنی جنت ماں کے پاؤں کے پاس ہے، مطلب یہ ہے کہ اس کی خدمت کرو وہ خدمت کی طرف محتاج ہے کوئی اور خدمت کرنے والا نہیں ہے اس کی خدمت اب تیرے ذمہ پر فرض عین ہوگئی ہے اس صحابی کو ان مخصوص احوال اور ان مجبوریوں اور ضرورتوں کے پیش نظر آنحضرت نے ماں کی خدمت کے لئے مقرر فرمایا اور جہاد پر نکلنے کا ثواب ان کو اس خدمت سے حاصل ہونے کا اشارہ فرمادیا۔ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس کی ماں موجود ہو وہ جہاد پر نہیں جاسکتا ہے جیسے بعض حضرات اس کو پیش کرتے ہیں یہ استدلال اس لئے غلط ہے کہ صحابہ کرام ہزاروں کی تعداد میں جہاد پر نکلے ہیں تو کیا ان سب کی مائیں مرگئیں تھیں اس لئے جانا جائز ہوا؟ خدا کا خوف کرو جہاد کا انکار نہ کرو۔ [2]

اگر والدین بیوی کی طلاق کا مطالبہ کریں تو بیٹا کیا کرے؟

﴿۳۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَتْ تَحْتِيْ اِمْرَأَةٌ اُحِبُّهَا، وَكَانَ عُمَرُ يَكْرَهُهَا. فَقَالَ لِيْ: طَلِّقْهَا فَاَبَيْتُ فَاَتٰى عُمَرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَالِكَ لَهٗ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلِّقْهَا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ) [3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی جس سے میں بہت محبت کرتا تھا لیکن (میرے والد محترم) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو ناپسند کرتے تھے چنانچہ انہوں نے (ایک دن) مجھ سے کہا کہ تم اس عورت کو طلاق دیدو، میں نے انکار کردیا پھر جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور سے اس بات کا ذکر کیا تو حضور نے مجھ سے فرمایا کہ اس عورت کو طلاق دیدو۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح: "طلقها" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حکم دیدیا تو اس حکم کی وجہ سے اب طلاق دینا واجب تھا، ویسے عام مسئلہ اس طرح ہے کہ اگر والدین ناحق پر بیٹے کو بیوی کی طلاق کا حکم دیدیں بہو میں کوئی شرعی عرفی عیب نہ ہو تو بیٹے پر لازم

[1] اخرجه احمد: ۳/۴۲۹ والنسائی: [2] المرقات: ۸/۶۷۶ [3] اخرجه الترمذی: ۳/۴۹۳ وابوداؤد: ۴/۳۳۶

نہیں کہ وہ بیوی کو طلاق دے اگر والدین کے حکم کی تعمیل کی تو یہ مباح ہے اور اگر شرعی قباحت بہو میں موجود ہو اور والدین کا حکم بھی ہو جائے تو طلاق دینی واجب ہو جاتی ہے۔ [1]

اولاد کے لئے والدین جنت ہیں یا دوزخ

﴿۳۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ، اَنَّ رَجُلًا قَالَ: یَارَسُوْلَ اللهِ : مَاحَقُّ الْوَالِدَیْنِ عَلٰی وَلَدِهِمَا؛ قَالَ هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اولاد پر ماں باپ کا کیا حق ہے؟ حضور نے فرمایا تمہارے ماں باپ تمہارے لئے جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی۔ (ابن ماجہ)

توضیح: اگر اولاد نے والدین کی اطاعت کی فرمان برداری اور خوشنودی کا پورا خیال رکھا اور ہر قسم خدمت کی تو یہ والدین اولاد کے لئے جنت ہیں ان کی رضامندی میں اولاد کو جنت ملے گی ورنہ بصورت دیگر یہی والدین اولاد کے لئے دوزخ اور جہنم کی آگ ثابت ہونگے اور اولاد جہنم رسید ہو جائے گی۔ [3]

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

والدین کا نافرمان بیٹا کیسے فرمانبردار بن سکتا ہے؟

﴿۳۲﴾ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ الْعَبْدَ لَيَمُوْتُ وَالِدَاهُ اَوْ اَحَدُهُمَا وَاِنَّهُ لَهُمَا لَعَاقٌّ فَلَا يَزَالُ يَدْعُوْلَهُمَا وَيَسْتَغْفِرُلَهُمَا حَتّٰى يَكْتُبَهُ اللهُ بَارًّا [4]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب کسی بندے کے ماں باپ مرجاتے ہیں یا ان دونوں میں سے کوئی ایک مرتا ہے اور وہ بیٹا ان کی نافرمانی کیا کرتا تھا اور پھر (ان کی موت کے بعد) وہ ان کے لئے برابر دعا و استغفار کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نیکوکار لکھ دیتا ہے۔

توضیح: "بارًّا" یعنی یہ نافرمان بیٹا فرمانبردار لکھدیا جائے گا اس حدیث میں نافرمان بندے کے فرمانبردار بننے کی ترتیب بتائی گئی ہے وہ اس طرح کہ مثلاً کسی شخص کے والدین ان سے ناراض چلے گئے اب مرنے کے بعد اس شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے والدین کے لئے کثرت سے استغفار کرے ان کے لئے دعائیں مانگے اس طرح وہ آدمی نافرمانی کے زمرہ سے خارج ہو جائے گا بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ "رحمت حق بہانہ می جوید" ورنہ والدین کے مرنے کے بعد زندہ

[1] المرقات: ۸/۱۷۷ [2] اخرجه ابن ماجه: ۲/۲۰۸ [3] المرقات: ۸/۱۷۷ [4] اخرجه البيهقي: ۶/۲۰۲

نافرمان بیٹے کی معافی کا تصور کون کرسکتا ہے، سبحان اللہ اللہ تعالیٰ کتنا مہربان ہے۔ ۱؎
بعض علماء نے بتایا ہے کہ اگر کوئی نافرمان بیٹا اپنے والد کی قبر پر مسلسل سات جمعہ تک جمعہ کے دن حاضر ہوتا رہا اور ان کے لئے استغفار اور اپنے لئے دعا مانگتا رہا تو اللہ تعالیٰ اس بیٹے کو والدین کی فرمانبردار اولاد میں شامل فرمادیگا۔

اولاد کے لئے والدین کی حیثیت

﴿۳۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصْبَحَ مُطِيْعًا لِلّٰهِ فِيْ وَالِدَيْهِ اَصْبَحَ لَهٗ بَابَانِ مَفْتُوْحَانِ مِنَ الْجَنَّةِ. وَاِنْ كَانَ وَاحِدًا فَوَاحِدًا وَمَنْ اَمْسٰى عَاصِيًا لِلّٰهِ فِيْ وَالِدَيْهِ اَصْبَحَ لَهٗ بَابَانِ مَفْتُوْحَانِ مِنَ النَّارِ اِنْ كَانَ وَاحِدًا فَوَاحِدًا قَالَ رَجُلٌ وَاِنْ ظَلَمَاهُ؟ قَالَ وَاِنْ ظَلَمَاهُ وَاِنْ ظَلَمَاهُ وَاِنْ ظَلَمَاهُ. ۲؎

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اس حالت میں صبح کی کہ وہ ماں باپ کے حق میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے والا ہے (یعنی اس نے ماں باپ کے حقوق ادا کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی ہے) تو وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کے لئے جنت کے دو دروازے کھلے ہوتے ہیں اور اگر اس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک (زندہ) ہو تو ایک دروازہ کھولا جاتا ہے اور جس شخص نے اس حالت میں صبح کی کہ وہ ماں باپ کے حق میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والا ہے (یعنی اس نے ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی وتقصیر کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی ہے) تو وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کے لئے دوزخ کے دو دروازے کھلے ہوتے ہیں اور اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک (زندہ) ہو تو ایک دروازہ کھولا جاتا ہے۔ (یہ ارشاد سنکر) ایک شخص نے عرض کیا کہ اگرچہ ماں باپ اس پر ظلم کریں؟ آپ نے فرمایا ہاں اگرچہ ماں باپ اس پر ظلم ہی کیوں نہ کریں، اگرچہ ماں باپ اس پر ظلم ہی کیوں نہ کریں اگرچہ ماں باپ اس پر ظلم ہی کیوں نہ کریں۔

والدین کو نظر رحمت کے ساتھ دیکھنے سے قبول شدہ حج کا ثواب ملتا ہے

﴿۳۴﴾ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ يَنْظُرُ اِلٰى وَالِدَيْهِ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَبْرُوْرَةً قَالُوْا: وَاِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ؟ قَالَ نَعَمْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَاَطْيَبُ. ۳؎

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والا جو بھی لڑکا اپنے ماں باپ کو محبت واحترام کی نظر سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر نظر کے بدلے ایک مقبول (نفلی) حج (کا ثواب) لکھتا ہے، صحابہ

۱؎ المرقات: ۸/۶۶۹ ۲؎ اخرجہ البیہقی: ۶/۲۰۶ ۳؎ اخرجہ البیہقی: ۶/۱۸۶

نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر چہ وہ دن بھر میں سو مرتبہ دیکھے حضور نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ بہت بڑا اور بہت پاکیزہ ہے یعنی تمہارے گمان میں جو یہ بات ہے کہ ہر نظر کے بدلے ایک مقبول نفلی حج کا ثواب کیونکر لکھا جا سکتا ہے تو یہ اجر و انعام اللہ تعالیٰ کی شان اور اس کی وسعت رحمت کی نسبت سے کچھ بھی بعید نہیں وہ اگر چاہے تو اس سے بھی بڑا اجر عطا کر سکتا ہے۔

توضیح: "مأة مرة" یہ حدیث آنحضرت ﷺ نے لوگوں کے تعجب کو دور کرنے کے لئے ارشاد فرمائی لوگوں کو تعجب ہوا کہ اگر ایک نظر شفقت سے ایک حج کا ثواب ملتا ہے تو اگر کوئی آدمی سو مرتبہ نظر شفقت سے والدین کو دیکھے تو سو قبول شدہ حج کا ثواب ملیگا آنحضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے وہاں کوئی تنگی نہیں ہے، علماء نے لکھا ہے کہ اس نظر شفقت سے قبول شدہ حج کا اصل ثواب ملتا ہے اضافی ثواب تو اسی شخص کو ملیگا جو محنت کر کے حج پر جائے خرچ بھی کرے اور وقت بھی دے اور محنت بھی اٹھائے۔[1]

والدین کی نافرمانی کی سزا نقد ہوتی ہے

﴿۳۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ الذُّنُوْبِ يَغْفِرُ اللّٰهُ مِنْهَا مَاشَاءَ اِلَّا عُقُوْقَ الْوَالِدَيْنِ فَاِنَّهٗ يُعَجِّلُ لِصَاحِبِهٖ فِي الْحَيَاةِ قَبْلَ الْمَمَاتِ۔[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (شرک کے علاوہ) تمام گناہ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے جس قدر چاہتا ہے بخش دیتا ہے مگر ماں باپ کی نافرمانی کے گناہ کو نہیں بخشتا بلکہ اللہ تعالیٰ ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے کو موت سے پہلے اس کی زندگی میں جلد ہی سزا دے دیتا ہے۔

توضیح: "یعجل" حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ماں باپ کی نافرمانی کا گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں اس شخص کو موت سے پہلے سزا دیتا ہے اس حدیث کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ والدین کی حیات میں اللہ تعالیٰ اس شخص کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے اور والدین دیکھتے رہتے ہیں دونوں احتمال ہیں ہاں آخرت کی سزا اپنی جگہ پر ہوگی۔ گویا اس حدیث میں اعلان ہے کہ والدین کو جس شخص نے تکلیف پہنچائی اس شخص کی سزا نقد ہوتی ہے وہ دنیا ہی میں سزا بھگتے گا چنانچہ ایک قصہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ ایک بیٹا اپنے بوڑھے باپ کو سمندر میں پھینکنے کے لئے جب کنارے پر پہنچا اور اس کو پھینکنا چاہا تو باپ ہنسنے لگا بیٹے نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو باپ نے کہا کہ مجھے اس پر ہنسی آئی کہ میں نے بھی اپنے باپ کو اسی جگہ سے سمندر میں پھینکا تھا لیکن تم مجھے چند قدم اس جگہ سے آگے لے آئے ہو اس پر ہنسی آئی کہ تیرے ساتھ کیا ہوگا میں نے جو کیا اور میرے ساتھ جو کچھ ہوا وہ تو میں نے دیکھ لیا۔[3]

[1] المرقات: ۸/۶۷۸ [2] اخرجه البیهقی: ۶/۱۹۷ [3] المرقات: ۸/۶۷۹

بڑا بھائی باپ کی مانند ہوتا ہے

﴿۳۶﴾ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ كَبِيْرِ الْإِخْوَةِ عَلٰى صَغِيْرِهِمْ حَقُّ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهٖ. (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْأَحَادِيْثَ الْخَمْسَةَ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ) [۱]

ترجمہ: اور حضرت سعید ابن العاص کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا چھوٹے بھائی پر بڑے بھائی کا وہی حق ہے جو بیٹے پر اس کے باپ کا ہوتا ہے۔ (یہ پانچوں روایتیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں)

توضیح: عام لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ بھائی بہر حال بھائی ہوتا ہے چاہے بڑا ہو یا چھوٹا ہو اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے بتادیا کہ بڑے بھائی کا احترام واکرام ایسا ہی ہے جیسا باپ کا ہوتا ہے اگر باپ مرجائے تو بڑا بھائی چھوٹوں کے لئے شفقت ورحمت اور ہمدردی میں باپ کی مانند ہونا چاہئے اور چھوٹوں پر لازم ہے کہ وہ بڑے بھائی کو باپ کی مانند تصور کریں۔ [۲]

یہ اصول اس وقت تک قائم رہتے ہیں جب لوگ دیندار بھی ہوں اور دیہاتی ماحول میں ہوں اگر لوگ شہری ماحول میں آجائیں اور عصری تعلیم حاصل کریں تو یہ اصول پارہ پارہ ہوجاتے ہیں انگریزی تعلیم نے کچھ دیا یا نہیں دیا البتہ نئی نسل کو بڑوں کا نافرمان اور خودسر بنادیا۔

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں — نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
تمامی دیکھ لو سارے جہاں میں — نظر آنے لگے ہیں داڑھی منڈے

---

[۱] اخرجہ البیہقی: ۶/۲۱۰ [۲] المرقات: ۸/۶۸۰

[illegible]

باب الشفقة والرحمة على الخلق

مخلوق خدا پر شفقت ورحمت کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿انما المؤمنون اخوة فأصلحوا بين أخويكم﴾

اس باب میں یتیموں، بیواؤں، مظلوموں، مصیبت میں گرفتار غمزدہ لوگوں، بوڑھوں اور چھوٹوں پر شفقت اور پیار ومحبت کرنے کی احادیث آئیں گی، اور وہ احادیث بیان ہونگی جن میں ان لوگوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ادب واحترام کرنے پرزور دیا گیا ہے بچیوں کی پرورش کی فضیلت بیان کی گئی ہے اسی طرح ان احادیث میں دنیا بھر کے مظلوموں اور بے سہارا مسلمانوں کی مدد کا حکم دیا گیا ہے۔

دنیا بھر کے مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بتایا گیا ہے اور ایک دستاویزی معاہدہ کرایا گیا ہے کہ مسلمان آپس میں جسد واحد کی طرح ہے ان کا ہر فرد ایک دوسرے کے لئے معاون ومددگار ہونا چاہئے ورنہ وہ مسلمان کہلانے کے مستحق نہیں ہونگے اللہ تعالیٰ کی کل سو رحمتیں ہیں ان میں سے ایک رحمت کائنات میں اپنا کام دکھارہی ہے جس کی وجہ سے انسان اور حیوان آپس میں رحمت کا معاملہ کرتے ہیں۔

الفصل الاول

جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا وہ اللہ کی رحمت کا مستحق نہیں

﴿۱﴾ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَرْحَمُ اللهُ مَنْ لَّايَرْحَمُ النَّاسَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) ۱

ترجمہ: حضرت جریر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں کرتا (یعنی اس کو اپنی خاص وکامل رحمت کا مستحق نہیں گردانتا) جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (بخاری ومسلم)

۱ اخرجه البخاري: ۸/۱۲ ومسلم: ۲/۳۲۴

بچوں کو پیار کرنے کی فضیلت

﴿۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَتُقَبِّلُوْنَ الصِّبْيَانَ؟ فَمَا نُقَبِّلُهُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَأَمْلِكُ لَكَ أَنْ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) ۱

ترجمہ: اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی حاضر ہوا (اور جب اس نے صحابہ کو دیکھا کہ وہ بچوں کو چومتے اور پیار کرتے ہیں) تو کہنے لگا کہ کیا تم لوگ بچوں کو چومتے ہو؟ ہم تو بچوں کو نہیں چومتے، نبی کریم ﷺ نے (اس کی یہ بات سنکر) فرمایا کیا میں اس بات پر قادر ہوسکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں سے جس رحم وشفقت کو نکال لیا ہے اس کو روک دوں۔ (بخاری ومسلم)

لڑکیوں کی پرورش کی خاص فضیلت

﴿۳﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ جَاءَتْنِي امْرَأَةٌ وَمَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا تَسْأَلُنِي، فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي غَيْرَ تَمْرَةٍ وَاحِدَةٍ فَأَعْطَيْتُهَا إِيَّاهَا فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ فَقَالَ مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) ۲

ترجمہ: حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ (ایک دن) میرے پاس ایک عورت آئی اس کے ساتھ اس کی دو بچیاں بھی تھیں اس نے مجھ سے سوال کیا (یعنی کچھ مانگا) لیکن اس کو میرے پاس ایک کھجور کے علاوہ کچھ بھی نہ مل سکا۔ چنانچہ میں نے اس کو وہی ایک کھجور دے دی، اس نے کھجور کو آدھا آدھا اپنی دونوں بچیوں میں بانٹ دیا اور خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا اور پھر وہ اٹھی اور باہر چلی گئی اتنے میں نبی کریم ﷺ گھر تشریف لائے میں نے آپ سے (اس عورت کا) یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص ان بچیوں میں سے کچھ یعنی ایک یا دو یا زیادہ لڑکیوں کی وجہ سے ابتلاء وآزمائش میں ڈالا جائے اور وہ ان بچیوں کے ساتھ احسان وسلوک کرے تو وہ بچیاں اور اس کے ساتھ کی گئی وہ نیکی اس کے لئے دوزخ کی آگ سے پردہ بنیں گی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "من ابتلی" لڑکیوں سے متعلق اس فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ لڑکیاں بڑی ہوکر دوسروں کی خدمت کرتی ہیں ماں باپ کے کام نہیں آتی ہیں گویا ماں باپ نے جو پندرہ بیس سال تک اس کو پالا تو دوسروں کے فائدے کے لئے پالا یہ محض ہمدردی اور رحمت وشفقت ہے کوئی دنیوی اغراض ومقاصد مقصود نہیں ہوتے ہیں اس لئے لڑکیوں کے پالنے پر یہ

۱ اخرجه البخاري: ۸/۹ ومسلم: ۲/۲۴۴ ۲ اخرجه البخاري: ۲/۱۳۶ ومسلم: ۲/۳۴۶

ثواب ملتا ہے رہ گئے لڑکے تو ان کے پالنے میں دنیاوی مقاصد پیش نظر ہوتے ہیں کہ وہ بڑے ہو کر باپ کے کام کو سنبھال لیتے ہیں اس لئے ان کے پالنے پر یہ ثواب نہیں ملتا ہاں جن علاقوں میں لڑکیوں کو فروخت کر کے پیسہ لیا جاتا ہے شاید وہاں یہ ثواب نہیں ملے گا بلکہ الٹا عذاب ہوگا شریعت کے اصول کی تعلیم اسی طرح معلوم ہوتی ہے۔

اس حدیث میں لڑکیوں کی پیدائش کو ابتلا اور آزمائش قرار دیا گیا ہے لہٰذا یہ ثواب لڑکیوں کے ساتھ خاص ہے اور صرف ان کی پرورش پر یہ ثواب ملے گا۔ یہاں اس واقعہ کو دیکھ لیا جائے اور ماں کی شفقت ورحمت کو دیکھ لیا جائے کہ خود کچھ نہیں کھایا لیکن بچیوں کو کھلایا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا پرتو ہے اللہ تعالیٰ کی سو رحمتوں میں سے صرف ایک رحمت دنیا میں اثر دکھا رہی ہے باقی رحمتوں کا ظہور قیامت میں ہوگا۔ [۱]

﴿۴﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ هٰكَذَا وَضَمَّ أَصَابِعَهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص دو بچیوں کی پرورش اور دیکھ بھال کرے یہاں تک کہ وہ بلوغ کی حد تک پہنچ جائیں تو وہ شخص قیامت کے روز اس طرح آئے گا کہ میں اور وہ اس طرح ایک دوسرے کے قریب ہوں گے، یہ کہہ کر آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر رکھ دیا۔ (مسلم)

بیوہ اور مسکین کی خدمت کی فضیلت

﴿۵﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلسَّاعِيْ عَلَى الْأَرْمِلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالسَّاعِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَأَحْسِبُهُ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بیوہ عورت اور مسکین کی خبر گیری کرنے والا اس شخص کے مانند ہے جو خدا کی راہ میں سعی کرے یعنی جو شخص بیوہ عورت اور مسکین کی دیکھ بھال اور خبر گیری کرتا ہے اور ان کی ضروریات کو پورا کر کے ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو اس کا ثواب اس ثواب کے برابر ہے جو خدا کی راہ میں جہاد اور حج کرنے والے کو ملتا ہے اور میرا گمان ہے کہ انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ بیوہ عورت اور مسکین کی خبر گیری کرنے والا اس شخص کے مانند ہے جو نماز و عبادت میں شب بیداری کرتا ہے اور اپنی شب بیداری میں نہ کوئی سستی کرتا ہے اور نہ کسی فتور اور نقصان کو گوارا کرتا ہے اور اس شخص کے مانند ہے جو (دن کو بھی) افطار نہیں کرتا (کہ جس کو صائم الدہر کہا جاتا ہے)۔ (بخاری ومسلم)

[۱] المرقات: ۸/۶۸۲ [۲] اخرجه مسلم: ۲/۳۳۶ [۳] اخرجه البخاری: ۷/۸۰ ومسلم: ۲/۵۹۱

یتیم کی پرورش کرنے کی فضیلت

﴿۶﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ لَهٗ وَلِغَيْرِهٖ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) [1]

ترجمہ: اور حضرت سہل ابن سعد کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا کہ وہ یتیم خواہ اس کا ہو یا کسی اور کا جنت میں اس طرح ہوں گے، یہ کہہ کر آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے ذریعہ اشارہ کیا اور دونوں کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی۔ (بخاری)

دنیا کے تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں

﴿۷﴾ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عُضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت نعمان ابن بشیر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (اے مخاطب) تو مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے سے رحم کا معاملہ کرنے، ایک دوسرے سے محبت وتعلق رکھنے اور ایک دوسرے کیساتھ مہربانی ومعاونت کے سلوک کرنے میں ایسا پائیگا جیسا کہ بدن کا حال ہے کہ جب بدن کا کوئی عضو دکھتا ہے تو بدن کے باقی اعضاء اس ایک عضو کی وجہ سے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں اور بیداری وبخار کے تعب ودرد میں سارا جسم شریک رہتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "کمثل الجسد" مسلمانوں کے لئے اسلام کی طرف سے عالمی سطح پر ایک دستاویزی شرعی معاہدہ ہے کہ رنگ ونسل اور ملک ووطن اور زبان وخاندان کے روابط سے بالاتر ہو کر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے ہمدردی اور رحمت بن جائے۔ جو مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے اس طرح جذبہ نہیں رکھتا وہ مسلمان تو کیا بلکہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ بابا سعدی نے فرمایا [3]

بنی آدم اعضائے یك دیگر اند
که در آفرینش زیك جوهر اند
چون عضو بدرد آورد روزگار
دیگر عضوها را نماند قرار

---

[1] اخرجه البخاری: ۷/۶۸ [2] اخرجه البخاری: ۸/۱۱ ومسلم: ۲/۳۲۱ [3] المرقات: ۸/۶۸۵

ایک حدیث میں آیا ہے کہ "**من لم یھتم بامور المسلمین فلیس منا**" ایک حدیث میں ہے "**المسلمون ید علی من سواھم**" مسلمانوں کے آپس کی اس ہمدردی کے لئے صرف اسلام اور مسلمان ہونا شرط ہے ذات پات سے بالاتر ہو کر مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح اور زنجیر کی مسلسل کڑیوں کی طرح متفق ومتحد ہوں چاہے قریب ہوں یا دور ہوں مشرق میں ہوں یا مغرب میں اقبال نے کہا

درویش خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر اس کا نہ دلی نہ صفاہاں نہ سمرقند

مسلمانوں کے اس اتحاد واتفاق کو توڑنے والی ہر چیز الحاد وزندقہ ہے یہ اتفاق واتحاد فکری ہم آہنگی اور عملی کردار سے قائم ہے۔

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

وحدت کی حفاظت نہیں بے قوت و بازو
آتی نہیں کچھ کام یہاں عقل خداداد

قرآن وحدیث اور اسلام تمام مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیتا ہے اور ان کے آپس کے تعلقات کو مضبوط کرنے والے ہر کلام وسلام اور تحفے تحائف کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے قرآن مسلمانوں کو عقیدہ کے ایک اتفاقی نقطہ پر جمع کرتا ہے اور پھر ایک دوسرے کے غمخوار اور بھائی بناتا ہے لیکن آج کل دنیا بھر کے مسلمان نظریات وافکار کے انتشار کے شکار ہیں وہ علاقوں، قومیتوں، الگ الگ حکومتوں اور بلاکوں میں بٹ چکے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اتحادی نقطہ کے تعارفی نشان "المسلمون" کا مرکز کمزور کردیا گیا ہے۔ اس وقت میں بیت اللہ کے سامنے رمضان ۱۴۲۶ھ کی ۳۰ تاریخ کو یہ سطور لکھ رہا ہوں آخر رمضان ہے لاکھوں انسان جمع ہیں لیکن سوچ وفکر میں سب منتشر ہیں کسی کی نگاہیں امریکہ پر لگی ہوئی ہیں توکسی کی آنکھیں چین کی طرف اٹھی ہوئی ہیں کوئی ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتا ہے تو کوئی کیمونسٹوں کی طرف جھکا ہوا ہے، بیٹھا ہوا مکہ یا مدینہ میں ہے مگر نہ مکہ کو دیکھا اور نہ مدینہ کو دیکھا حالانکہ مسلمان جسد واحد کی طرح ایک دوسرے کے ہمدرد ہوتے ہیں اور ان کی نگاہ اپنے مرکز پر ہوتی ہے۔

درویش خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر اس کا نہ دلی نہ صفاہاں نہ سمرقند

﴿۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ وَاِنِ اشْتَكٰى رَأْسُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [1]

ترجمہ: اور حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (ایک خدا، ایک رسول ﷺ اور ایک دین کو ماننے کی وجہ سے) سارے مسلمان ایک شخص (کے اعضاء وجسم) کے مانند ہیں کہ اگر اس کی آنکھ دکھتی ہے تو اسکا سارا جسم بے

---

[1] اخرجہ مسلم: ۲/۳۳۱

چین و مضطرب ہو جاتا ہے اور اگر اس کا سر دکھتا ہے تو پورا بدن تکلیف محسوس کرتا ہے (اسی طرح ایک مسلمان کی تکلیف کو سارے مسلمانوں کو محسوس کرنا چاہیئے)۔ (مسلم)

دنیا کے مسلمانوں کی مثال ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہے

﴿۹﴾وَعَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا مسلمان، مسلمان کے لئے ایک مکان کے مانند ہے (یعنی سارے مسلمان مضبوطی وطاقت حاصل کرنے کے اعتبار سے اس مکان کی طرح ہیں) جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط رکھتا ہے یہ کہہ کر آپ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیا۔ (بخاری ومسلم)

جائز سفارش کرنا ثواب کا کام ہے

﴿۱۰﴾وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَتَاهُ السَّائِلُ أَوْ صَاحِبُ الْحَاجَةِ قَالَ اِشْفَعُوْا فَلْتُؤْجَرُوْا وَيَقْضِي اللّٰهُ عَلَى لِسَانِ رَسُوْلِهِ مَا شَاءَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کے پاس کوئی سائل یا حاجتمند آتا تو (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) فرماتے کہ (مجھ سے) اس شخص کی سفارش کرو تا کہ تمہیں سفارش کا ثواب مل جائے اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان سے جو حکم چاہتا ہے جاری فرماتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "اشفعوا" جب کسی حاجت مند کی کسی شخص کی طرف حاجت ہو اور اس کی پہنچ اس تک نہ ہو اس مقام تک اس حاجت مند کو پہنچانا اور سفارش کرنا ضروری بھی ہے۔ اور ثواب کا کام بھی ہے زیر بحث حدیث کا مطلب یہی ہے نیز اس حدیث کا مصداق وہ صورت بھی ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی کام کا اہل بھی ہے اور لائق و مستحق بھی ہے اس کو مناسب مقام تک پہنچنے میں دشواری ہے کسی نے اس کی سفارش کی اور اس کو اس کے مناسب مقام تک پہنچا دیا یہ بھی ممدوح اور ثواب کا کام ہے اس کے برعکس کسی نالائق کو کسی اہم مقام پر بٹھلانے کے لئے سفارش کرنا قیامت کی علامات میں سے ہے "اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة"

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو روکنے کے لئے سفارش کرنا منع اور حرام ہے اسی طرح اشرار اور مفسدین کے لئے سفارش کرنا جائز نہیں ہے بہر حال جائز سفارش ثواب کا کام ہے خواہ سفارش قبول ہو یا قبول نہ ہو سفارش کرنے والے کو ثواب ملے گا

[1] اخرجه البخاری: ۱/۱۲۹ ومسلم: ۲/۳۳۱ [2] اخرجه البخاری: ۲/۱۴۰ ومسلم: ۲/۳۳۶

آج کل چونکہ اکثر سفارشات ناجائز شروع ہوگئی ہیں اس لئے لفظ سفارش لفظ رشوت کی طرح برائی کے ساتھ مشہور ہوگیا ہے۔[۱]

ظالم کا ہاتھ ظلم سے روکو یہ اس کے ساتھ مدد ہے

﴿۱۱﴾وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْصُرُهٗ مَظْلُوْمًا فَكَيْفَ اَنْصُرُهٗ ظَالِمًا قَالَ تَمْنَعُهٗ مِنَ الظُّلْمِ فَذَالِكَ نَصْرُكَ اِيَّاهُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، ایک صحابی نے (یہ ارشاد سن کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جو مسلمان مظلوم ہے اس کی مدد تو مجھے کرنی چاہئے لیکن میں اس مسلمان کی کس طرح مدد کرسکتا ہوں جو ظلم کرتا رہا ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کو ظلم سے روکو اور اس کو ظلم سے روکنا اس کے حق میں تمہاری مدد ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "انصر اخاك ظالماً اومظلوماً" یہ جملہ جاہلیت میں لوگ استعمال کرتے تھے اور مزید یہ کہا کرتے تھے کہ اگر تم نے ظالم کی مدد نہیں کی تو مظلوم کی مدد کیسے کرسکو گے؟ یہ اس معاشرہ کی جاہلیت اور بربریت تھی جب اسلام کی تعلیم عام ہوگئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تو صحابہ کرام کی فرشتہ صفت طبیعتوں نے اس کو اسلامی اخلاق کے منافی سمجھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے یہ ظالم کی مدد کیسے ہوسکتی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب مل کر ظالم کے ہاتھ کو ظلم سے روکو وہ ظلم سے باز آجائے گا یہ اس کے ساتھ دائمی مدد ہے کہ آخرت کے عذاب سے بچ جائے گا۔[۳]

تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں

﴿۱۲﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْلِمُ أَخُوالْمُسْلِمِ لَايَظْلِمُهٗ وَلَايُسْلِمُهٗ وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ أَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا دینی بھائی ہے، (اور اس اعتبار سے شریعت کو وہی مقام حاصل ہے جو ماں کو حاصل ہوتا ہے، اور شارع صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے دینی باپ ہیں لہٰذا

[۱] المرقات: ۸/۶۸۶،۶۸۷ [۲] اخرجه البخاري: ۳/۱۶۸ ومسلم [۳] المرقات: ۸/۶۸۸ [۴] اخرجه مسلم: ۲/۳۳۳ والبخاري: ۳/۱۶۸

اس دینی اخوت کا تقاضا ہے کہ) کوئی مسلمان کسی مسلمان پر ظلم نہ کرے اور اس کو کسی ہلاکت میں مبتلا نہ کرے اور نہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو اس کے دشمن کے ہاتھوں میں چھوڑے بلکہ اس دشمن کے مقابلہ پر اس کی مدد واعانت کرے اور جو شخص کسی مسلمان بھائی کی حاجت روائی کی سعی وکوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے جو شخص کسی مسلمان بھائی کے کسی غم کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن غموں میں سے ایک بڑے غم سے نجات دے گا اور جو شخص کسی مسلمان بھائی کے بدن یا اس کے عیب کو ڈھانکتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب ڈھانکے گا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "**المسلم اخو المسلم**" اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور یہ ان کے درمیان ایک عالمی دستاویزی شرعی معاہدہ ہے لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ پہلے خود مسلمان مسلمان تو بن جائے یہاں مصیبت اور مشکل یہ ہے کہ خود تو مسلمان نہیں بنتے ہیں اور معاشرت مسلمانوں کی مانگتے ہیں حدیث میں آنحضرت ﷺ نے مسلمان کو مسلمان کا بھائی بتایا اور بنایا ہے کسی کافر بدعقیدہ کو مسلمان کا بھائی نہیں کہا ہے آج کل بے دین لوگ یہی کہتے ہیں کہ خواہ کوئی کیسا ہی کیوں نہ ہو آپس میں بھائی بھائی ہونا چاہئے اس پر جب عمل نہیں ہوتا تو شور کرتے ہیں کہ مسلمان مسلمان کا دشمن ہے، میرے بھائی! ایک آدمی قادیانی ہے، آغا خانی ہے، رافضی ہے، ملحد اور بے دین ہے۔ وہ ایک مؤمن کا بھائی کیسے بن سکتا ہے؟[۱]

پہلے اس کو مؤمن اور مسلمان بناؤ پھر وہ خود بخود بھائی بھائی ہو جائیں گے دنیا میں اہل حق کے دینی مدارس کو لے لیجئے اس میں سارے طلبہ خود بخود بھائی بھائی ہیں کیونکہ دین آگیا ہے تو ایک ہو گئے بے دین کو دیندار کے ساتھ جوڑنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص پتھر میں لکڑی جوڑنے کی کوشش کرتا ہے "**لایظلمہ والایسلمہ**" یعنی مسلمان اپنے مسلمان بھائی پر نہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ ظلم کے لئے اس کو کافروں کے سپرد کرتا ہے یہ حدیث ایک دستاویزی معاہدہ ہے مگر آج کل دیکھو کہ مسلمانوں کے حکمران سچے مسلمانوں کو پکڑ کر امریکہ اور کافروں کے حوالے کر دیتے ہیں اور ڈالر لیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ محبت رکھو ہماری اطاعت کرو ایسا کیسے ہوگا۔[۲]

"**ستر مسلما**" مثال کے طور پر ایک باحیاء شریف اور نیک آدمی ہے اس میں کوئی عیب ہے یا بدقسمتی سے ان سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو اس کو چھپانے کی ترغیب ہے کیونکہ اس کو اچھالنے سے وہ آدمی تباہ ہو جائے گا اور چھپانے سے اسکی اصلاح ہو جائے گی اور اس کو نئی زندگی مل جائے گی حدیث کا حکم ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے لیکن اشرار ومفسدین اور عادی مجرموں کے متعدی جرائم کا چھپانا جائز نہیں ہے بلکہ اس کا تدارک کرنا چاہئے اور ازالہ کی فکر کرنی چاہئے پہلے خود تنبیہ کرے اگر اس سے باز نہیں آیا تو وقت کے حکمران کو اطلاع کرے مگر آج کل مسلمان حکمران کہاں؟[۳]

---

[۱] اخرجه مسلم: ۲/۶۸۸ [۲] المرقات: ۸/۶۸۸، ۶۹۸۹ [۳] المرقات: ۸/۶۹۰

کسی مسلمان کو حقیر نہ سمجھو

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا وَيُشِيْرُ اِلٰى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ أَنْ يَّحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا دینی بھائی ہے (لہٰذا) مسلمان، مسلمان پر ظلم نہ کرے اس کی مدد و اعانت کو ترک نہ کرے اور اس کو ذلیل وحقیر نہ سمجھے، پھر آپ نے اپنے سینے کی طرف تین دفعہ اشارہ کر کے فرمایا کہ پرہیزگاری اس جگہ ہے نیز فرمایا کہ مسلمان کے لئے اتنی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو ذلیل وحقیر کرے اور مسلمان پر مسلمان کی ساری چیزیں حرام ہیں جیسے اس کا خون اس کا مال اور اس کی عزت وآبرو۔ (مسلم)

توضیح: "التقوی" یعنی تقوی ایک پوشیدہ امر ہے جس کا تعلق دل سے ہے اس لئے کسی خستہ حال اور کمزور ومحتاج اور فقیر مسلمان کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کا باطن تم سے لاکھ درجہ اچھا اور روشن ہو اور تم کو اس کا علم نہ ہو یہ جملہ درحقیقت اس سے پہلے جملہ کی تاکید ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی مسلمان کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔ [2]

جنتی اور دوزخی لوگوں کی قسمیں

﴿۱۴﴾ وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ ذُوْسُلْطَانٍ مُقْسِطٌ مُتَصَدِّقٌ مُوَفَّقٌ وَرَجُلٌ رَحِيْمٌ رَقِيْقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِيْ قُرْبٰى وَمُسْلِمٍ وَعَفِيْفٌ مُتَعَفِّفٌ ذُوْعِيَالٍ وَأَهْلُ النَّارِ خَمْسَةٌ اَلضَّعِيْفُ الَّذِيْ لَا زَبْرَلَهُ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْكُمْ تَبَعٌ لَا يَبْغُوْنَ أَهْلًا وَلَا مَالًا وَالْخَائِنُ الَّذِيْ لَا يَخْفٰى لَهُ طَمَعٌ وَاِنْ دَقَّ اِلَّا خَانَهُ وَرَجُلٌ لَا يُصْبِحُ وَلَا يُمْسِيْ اِلَّا وَهُوَ يُخَادِعُكَ عَنْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ وَذَكَرَ الْبُخْلَ أَوِ الْكِذْبَ وَالشِّنْظِيْرَ الْفَحَّاشَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [3]

ترجمہ: اور حضرت عیاض ابن حمار کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جنتی لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ حاکم جو عدل وانصاف کرتا ہو اور لوگوں کے ساتھ احسان کرنے والا ہو اور جس کو نیکیوں اور بھلائیوں کی توفیق دی گئی، دوسرے وہ شخص جو (چھوٹوں اور بڑوں پر) مہربان اور قرابتداروں اور مسلمانوں کے لئے رقیق القلب یعنی نرم دل ہو۔ اور تیسرے وہ شخص جو (غیر حلال چیزوں سے) بچنے والا (غیر اللہ کے آگے دست سوال دراز کرنے سے) پرہیز کرنے والا اور اہل وعیال کے بارے

[1] اخرجه مسلم: ۲/۳۲۹ [2] المرقات: ۸/۶۹۰ [3] اخرجه مسلم: ۲/۵۴۲

... مجنون بن جائے اور اس شعر کا مصداق بن جائے۔

ہر کہ عاشق شد اگر چہ نازنین عالم است   نازکی کے کار آید باری باید کشید

خدا کرے بریلویوں کی آنکھیں کھل جائیں۔

پڑوسی کا خیال رکھنا ایمان کا حصہ ہے

﴿۴۵﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلٰى جَنْبِهِ۔ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جو پیٹ بھر کر کھالے درآنحالیکہ اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا ہو، دونوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

پڑوسیوں کو ستانے والی عورت کی عبادت قبول نہیں

﴿۴۶﴾وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللهِ: إِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلَاتِهَا وَصِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا غَيْرَ أَنَّهَا تُؤْذِيْ جِيْرَانَهَا بِلِسَانِهَا قَالَ: هِيَ فِي النَّارِ قَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ: فَإِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ قِلَّةُ صِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا وَصَلَاتِهَا وَإِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْأَثْوَارِ مِنَ الْأَقِطِ وَلَاتُؤْذِيْ بِلِسَانِهَا جِيْرَانَهَا قَالَ هِيَ فِي الْجَنَّةِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن مجلس نبوی میں) کسی شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! فلاں عورت کا زیادہ نماز روزے اور کثرت صدقہ وخیرات کی وجہ سے بڑا چرچا ہے لیکن اپنی زبان کے ذریعہ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ حضور نے (یہ سنکر) فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائے گی، اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! فلاں عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بہت کم روزے رکھتی ہے بہت کم صدقہ وخیرات کرتی ہے اور بہت کم نماز پڑھتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا صدقہ وخیرات اقط کے چند ٹکڑوں سے آگے نہیں بڑھتا لیکن وہ اپنی زبان کے ذریعہ اپنے ہمسائیوں کو تکلیف نہیں پہنچاتی، حضور نے فرمایا کہ وہ عورت جنت جائے گی۔ (احمد بیہقی)

توضیح: "بلسانها" یعنی زبان کے ذریعہ سے پڑوسیوں کو ایذا پہنچاتی ہے ورنہ عبادت میں بہت آگے ہے نوافل نمازیں پڑھتی ہے اور روزے رکھتی ہے۔ آنحضرت نے فرمایا اس قسم کی عورت دوزخ میں جائے گی اس طرح کی عورت کی

[1] المرقات: ۸/۷۴   [2] اخرجہ البیہقی: ۳/۲۲۵   [3] اخرجہ احمد: ۲/۴۴۰ والبیہقی

عبادت مقبول نہیں۔ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ نفلی عبادت میں مشغول ہوتے ہوئے حرام کا ارتکاب آدمی کے لئے تباہ کن ہے کیونکہ مستحب میں لگنا اور حرام میں پڑنے سے نہ بچنا **تلبیس ابلیس** ہے۔ [1]

"**هي في النار**" یعنی اس عورت نے ایک مستحب کو اختیار کیا جس کا چھوڑنا مباح تھا اور پڑوسیوں کی ایذا رسانی میں واقع ہوگئی جو حرام عمل تھا اس لئے دوزخ میں گئی۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اسی قسم کے وہ اعمال بھی ہیں جس میں لوگ واقع ہو رہے ہیں مثلاً بیت اللہ میں داخل ہوتے وقت لوگ بھیڑ بنا کر ایذا رسانی کرتے ہیں۔ رکن یمانی اور حجر اسود پر بھیڑ بنا کر ایذا رسانی کرتے ہیں۔ اسی طرح ظالموں اور حرام خوروں کا وہ حرام مال ہے جس سے وہ مساجد اور مدارس تعمیر کرتے ہیں اور لوگوں کو خیرات کھلاتے ہیں۔ [2]

"**بالاثوار**" یہ ثور کی جمع ہے پنیر کے ٹکڑوں کو کہا جاتا ہے اس کے بعد اقط کا ذکر بطور تاکید ہے کیونکہ دونوں ایک ہی چیز ہیں یا بطور تجرید مذکور ہے۔ (مرقات) [3]

بہتر اور بدتر شخص کا معیار

﴿۴۷﴾ وَعَنْهُ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ عَلٰى نَاسٍ جُلُوْسٍ فَقَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ؛ قَالَ فَسَكَتُوْا فَقَالَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَخْبِرْنَا بِخَيْرِنَا مِنْ شَرِّنَا فَقَالَ خَيْرُكُمْ مَنْ يُرْجٰى خَيْرُهٗ وَيُؤْمَنُ شَرُّهٗ وَشَرُّكُمْ مَنْ لَّا يُرْجٰى خَيْرُهٗ وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهٗ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ) [4]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھے ہوئے صحابہ کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا، کیا میں تمہیں یہ بتاؤں کہ تم میں نیک ترین کون شخص ہے اور تمہارے بہترین آدمیوں کو تمہارے بدترین آدمیوں سے جدا کر کے دکھادوں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ (یہ سنکر) خاموش رہے۔ جب حضور نے مذکورہ ارشاد تین مرتبہ فرمایا تو ایک صحابی نے عرض کیا کہ ہاں یارسول اللہ! ہمیں بتادیجئے اور ہمارے نیک آدمیوں کو ہمارے بدآدمیوں سے ممیز وممتاز فرما دیجئے۔ حضور نے فرمایا تم میں بہترین شخص وہ ہے جس سے لوگ بھلائی کی توقع کریں اور اس کے شر سے محفوظ و مامون ہوں اور تم میں بدترین شخص وہ ہے جس سے لوگ بھلائی کی توقع نہ کریں اور اس کے شر سے محفوظ و مامون نہ ہوں، (ترمذی وبیہقی) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

دنیا اچھے برے سب کو ملتی ہے مگر دین صرف اچھے کو ملتا ہے

﴿۴۸﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَسَمَ بَيْنَكُمْ

[1] المرقات: ۸/۴۲۵ [2] المرقات: ۸/۴۲۵ [3] المرقات: ۸/۴۲۶ [4] اخرجه الترمذی: ۴/۵۲۸ والبیهقی

أَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُحِبُّ وَمَنْ لَا يُحِبُّ وَلَا يُعْطِي الدِّيْنَ إِلَّا مَنْ أَحَبَّ فَمَنْ أَعْطَاهُ اللّٰهُ الدِّيْنَ فَقَدْ أَحَبَّهُ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُسْلِمُ عَبْدٌ حَتّٰى يُسْلِمَ قَلْبُهُ وَلِسَانُهُ وَلَا يُؤْمِنُ حَتّٰى يَأْمَنَ جَارُهُ بَوَائِقَهُ۔ [1]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان تمہارے اخلاق کو اسی طرح تقسیم فرمایا ہے جس طرح رزق کو تمہارے درمیان تقسیم کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا تو اس شخص کو بھی دیتا ہے جس کو وہ دوست رکھتا ہے اور اس شخص کو بھی دیتا ہے جس کو دوست نہیں رکھتا، لیکن دین یعنی اچھے اخلاق کی دولت صرف اسی شخص کو عطا کرتا ہے جس کو وہ دوست رکھتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا کسی شخص کو دین عطا فرمانا اس بات کی علامت ہے کہ اس کو اس نے دوست رکھا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کوئی بندہ اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل اور زبان مسلمان نہ ہو جائے اور اس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ و مامون نہ ہو۔

باہمی الفت ایمان کی علامت ہے

﴿۴۹﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُؤْمِنُ مَأْلَفٌ وَلَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ۔ (رَوَاهُمَا أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مسلمان الفت ومحبت کا مقام ومخزن ہے اور اس شخص میں بھلائی نہیں جو الفت نہیں کرتا اور نہ اس سے الفت کی جاتی ہے یعنی جو شخص ایسا ہو کہ نہ تو وہ مسلمانوں سے الفت ومحبت کرے اور نہ مسلمان اس سے محبت والفت کریں تو وہ کسی کام کا نہیں ہے، ان دونوں روایتوں کو احمد نے اور شعب الایمان میں بیہقی نے نقل کیا ہے۔

خوش کرنے کی غرض سے کسی کی خدمت پر عجیب فضیلت

﴿۵۰﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَضٰى لِأَحَدٍ مِنْ أُمَّتِي حَاجَةً يُرِيْدُ أَنْ يَسُرَّهُ بِهَا فَقَدْ سَرَّنِي وَمَنْ سَرَّنِي فَقَدْ سَرَّ اللّٰهَ وَمَنْ سَرَّ اللّٰهَ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ۔ [3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو آدمی میری امت میں سے کسی شخص کی کسی (دینی ودنیاوی) حاجت وضرورت کو پورا کرے اور اس سے اس کا مقصد اس کو خوش کرنا ہو تو اس نے مجھ کو خوش کیا اور جس نے مجھ کو خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا اس کو اللہ جنت میں داخل کر دیگا۔

[1] اخرجہ البیہقی: ۱/۲۲۵ [2] اخرجہ البیہقی [3] اخرجہ البیہقی: ۶/۱۱۵

مجبور کی اعانت کی عجیب فضیلت

﴿۵۱﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَغَاثَ مَلْهُوْفًا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ ثَلَاثًا وَّسَبْعِيْنَ مَغْفِرَةً وَاحِدَةٌ فِيْهَا صَلَاحُ أَمْرِهِ كُلِّهِ وَثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ لَهُ دَرَجَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ ۱

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص مظلوم کی فریاد رسی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے تہتر بخششیں لکھ دیتا ہے اور ان میں سے ایک بخشش تو وہ ہے جو اس کے تمام (دنیاوی اور اخروی) امور کی اصلاح کی ضامن بن جاتی ہے اور باقی بہتر بخششیں قیامت کے دن اس کے درجات کی بلندی کا سبب ہونگی۔

ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے

﴿۵۲﴾ وَعَنْهُ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللّٰهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ۔ (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ لَاَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ) ۲

ترجمہ: اور حضرت انس اور حضرت عبداللہ دونوں کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے لہٰذا خدا کے نزدیک مخلوق میں بہترین وہ شخص ہے جو خدا کے کنبہ کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کرے، ان تینوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح: "عیال اللہ" عیال کا معنی کسی شخص کے ان متعلقین کا ہے جن کا کھانا پینا کپڑا اور مکان اس کے ذمہ پر ہوتا ہے اس اعتبار سے عیال کی نسبت غیر اللہ کی طرف مجازی ہے اصلی رازق تو اللہ تعالیٰ ہے جن کے ذمہ مخلوق کا رزق ہے اس اعتبار سے تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا عیال اور کنبہ ہے اب جو شخص مخلوق خدا کے ساتھ احسان کرتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے عیال اور کنبہ کے ساتھ احسان وبھلائی کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ بہت زیادہ خوش ہوتا ہے جس طرح ایک انسان اس شخص سے بہت خوش ہوتا ہے جو ان کے اہل وعیال کے ساتھ احسان کرتا ہے۔ ۳

قیامت میں سب سے پہلا مقدمہ دو پڑوسیوں کا پیش ہوگا

﴿۵۳﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلُ خَصْمَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جَارَانِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ) ۴

ترجمہ: اور حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے دو جھگڑنے والے دو ہمسایہ ہوں گے۔ (احمد)

۱ اخرجه البیهقی: ۶/۱۲۰ ۲ اخرجه البیهقی: ۶/۴۳ ۳ اخرجه المرقات: ۸/۷۳ ۴ اخرجه احمد: ۴/۱۵۱

توضیح: "جاران" یعنی قیامت میں سب سے پہلے جن لوگوں کا مقدمہ پیش ہوگا وہ دو پڑوسیوں کا ہوگا۔[۱]

سوال: ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز سب سے پہلے جو قضیہ شروع کیا جائے گا وہ نماز کا قضیہ ہوگا دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز سب سے پہلے قاتل اور مقتول کا مقدمہ پیش ہوگا مگر مذکورہ حدیث میں دو پڑوسیوں کے قضیے کی بات ہے بظاہر یہ تعارض ہے اس کا جواب کیا ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کا مسئلہ اٹھایا جائے گا اور حقوق العباد میں سب سے پہلے خون اور قتل کا مسئلہ اٹھایا جائیگا جس میں ایک خالص ظالم اور دوسرا خالص مظلوم ہے لیکن اگر کچھ لوگ ایسے ہوں کہ حقوق العباد میں دونوں نے کچھ نہ کچھ ظلم ایک دوسرے پر کیا ہو ہر ایک کچھ ظالم اور کچھ مظلوم ہے ایسے لوگوں میں سب سے پہلے دو پڑوسیوں کا معاملہ اٹھایا جائیگا تو پڑوسیوں کا معاملہ حقوق العباد ہی کا ہے لیکن حقوق العباد کی ایسی صورت ہے جو قاتل اور مقتول سے مختلف ہے وہاں ایک ظالم تھا دوسرا مکمل مظلوم تھا زیر بحث حدیث میں دونوں ایک دوسرے کے لئے کچھ نہ کچھ ظالم ہیں ایسے لوگوں کا مقدمہ سب سے پہلے اٹھایا جائیگا۔ دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اول وثانی یہ اضافی امور ہیں تو اضافی نسبت سے ہر ایک کو اول کہا جاسکتا ہے کوئی تضاد نہیں ہے۔[۲]

قساوت قلبی کا علاج

﴿۵۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا شَکَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَسْوَةَ قَلْبِهٖ فَقَالَ اِمْسَحْ رَأْسَ الْیَتِیْمِ وَاَطْعِمِ الْمِسْکِیْنَ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے اپنی سنگدلی کی شکایت کی (اور اس کا علاج پوچھا) تو آپ نے فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔ (احمد)

بیوہ بیٹی کی کفالت کا ثواب

﴿۵۵﴾ وَعَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی اَفْضَلِ الصَّدَقَةِ؟ اِبْنَتُكَ مَرْدُوْدَةً اِلَیْكَ لَیْسَ لَهَا کَاسِبٌ غَیْرُكَ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت سراقہ ابن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں بہترین صدقہ کے بارے میں بتادوں؟ اور وہ صدقہ اپنی اس بیٹی کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے جو تمہارے پاس واپس بھیجدی گئی ہے اور جس کے لئے تمہارے علاوہ

[۱] اخرجہ البیہقی: ۶/۳۳ [۲] المرقات: ۸/۷۳۱ [۳] اخرجہ احمد: ۲/۲۶۳ [۴] اخرجہ ابن ماجہ: ۲/۱۱۱۰

اور کوئی کمانے والا نہیں ہے یعنی اگر تمہاری بیٹی کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی ہو اور نہ تو اس کے پاس کوئی ایسا ذریعہ ہو جس سے وہ اپنی زندگی کے دن پورے کر سکے اور نہ کوئی ایسا بیٹا اور کوئی ایسا خبر رکھنے والا ہو جو اپنی کمائی کے ذریعہ اس کے لئے گزر بسر کا سامان فراہم کر سکے بلکہ صرف تم ہی اس کے لئے واحد سہارا بن سکتے ہو اور وہ اسی لئے ناچار ہو کر تمہارے گھر آن پڑی ہو تو تمہاری طرف سے اس کی کفالت اور اس کے ساتھ حسن سلوک ایک بہترین صدقہ ہے۔ (ابن ماجہ)

توضیح: اس حدیث کے ترجمہ میں اس کی پوری تشریح موجود ہے اس کو دیکھ لیا جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی بیٹی بیاہی گئی مگر شوہر کے ساتھ نباہ نہ ہوئی اس لئے اس کو طلاق پڑ گئی اور وہ اپنے والدین کے ہاں آ گئی والد نے اس بے آسرا بیٹی کو سنبھالا اور اس کو پالا اس پر خرچ کیا اور اس کو کھلایا پلایا یہ خرچ اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل ترین صدقہ میں شمار ہوگا اور اس پر والد کو بہترین اجر و ثواب ملے گا۔

"**مردودة**" یہ حال ہے ای **مطلقة راجعة اليك**"[1]

---

[1] المرقات: ۸/۶۳۲

مورخہ ۱۳ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

باب الحب فی اللّٰہ ومن اللّٰہ

اللہ کے لئے محبت کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا﴾ [1]

اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنے کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ کسی بندے کے ساتھ تعلق ومحبت کا جو بھی رشتہ قائم کیا جائے وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، اس میں کوئی دنیوی غرض نہ ہو نہ کوئی لالچ ہو بلکہ یہ محبت صرف اس بنیاد پر ہو کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ ہے اس کی محبت سے اللہ تعالیٰ راضی اور خوش ہوتا ہے اور انسان کو اس کی خوشنودی حاصل ہو جاتی ہے یہاں عنوان میں لفظ "من" سببیہ اور "ر" اجلیہ ہے "ای لاجل رضاء اللہ ولوجھہ الکریم"

انسان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو اس عبادت سے فائدہ اور اصل مقصود اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں سے محبت نہ ہو، عبادت کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت بھی عبادت کا حصہ بن جائے اگر محبت نہیں تو صرف بوجھ والی عبادت سے کیا حاصل ہوگا۔ ربوبیت عامہ اور خالق ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا تمام انسانوں سے ایک عام تعلق ہے اور پھر ربوبیت خاصہ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے جس کی طرف الرحمان اور الرحیم میں اشارہ کیا گیا ہے اسی حقیقت کے پیش نظر ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس کے سارے احساسات وجذبات اور اس کی حرکات وسکنات کا مثبت ومنفی ہر پہلو رضائے الٰہی کا مظہر ہو اور اس میں جو تغیر رونما ہو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے پیش نظر ہو خود کوئی چاہت نہ ہو جو کچھ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اس طرح جب انسان کے مثبت اور منفی احساسات اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائیں گے تو یہ کامل الایمان بن جائیگا کہ کچھ دے تو اللہ تعالیٰ کے لئے، نہ دے تو اللہ کے لئے، اگر کسی سے محبت رکھے تو اللہ تعالیٰ کے لئے، دشمنی رکھے تو اللہ تعالیٰ کے لئے جب تکمیل ایمان ہو جائے تو پھر اس طرح مستانہ نعرہ لگائے۔ [2]

فلیتك تحلو والحیاۃ مریرۃ ولیتك ترضیٰ والانام غضاب

الفصل الاول

دنیا میں اتحاد واختلاف کی بنیاد روز ازل میں پڑی ہے

﴿۱﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْأَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ

[1] دھر ۸ [2] المرقات: ۸/۷۴۳

مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ) ؎۱

ترجمہ: حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا روحیں جسموں میں داخل کئے جانے سے پہلے لشکر کی طرح ایک جگہ مجتمع تھیں اور پھران کو الگ الگ کر کے ایک ایک جسم میں داخل کیا گیا چنانچہ جسموں میں داخل ہونے سے پہلے جو روحیں ایک دوسرے کی صفات سے مناسبت ومشارکت رکھنے کی وجہ سے آپس میں مانوس ومتعارف تھیں، وہ جسموں میں پہنچنے کے بعد اس دنیا میں بھی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت والفت رکھتی ہیں۔ اور جو روحیں ایک دوسرے سے انجان ونامانوس تھیں وہ اس دنیا میں بھی آپس میں اختلاف رکھتی ہیں۔ (بخاری)

توضیح: قیامت تک جتنے انسان پیدا ہونگے انکی ارواح پہلے پیدا ہوچکی ہیں ان تمام ارواح کو اللہ تعالیٰ نے روز ازل میں عالم اراوح میں اکٹھا فرمایا اور سب سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا سب نے اقرار کیا اس اجتماع میں جن ارواح کا آپس میں تعلق قائم ہوگیا محبت پیدا ہوگئی الفت آگئی تو دنیا میں آنے اور اپنے اپنے جسموں میں داخل ہونے کے بعد بالھام اللہ یہ ارواح آپس میں محبت کرتی ہیں اور ان کے درمیان الفت ہوتی ہے تو روح کے ساتھ اجسام بھی متفق اور متحد ہوجاتے ہیں اور آپس میں تعلق قائم ہوجاتا ہے لیکن اگر عالم ارواح کے روز ازل میں جن ارواح کا آپس میں الفت کے بجائے عدم الفت رہی محبت کے بجائے عداوت رہی تو دنیا میں آنے کے بعد بھی اسی طرح معاملہ رہتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں اس حدیث کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ دنیا میں جو نیک لوگ دوسرے نیک لوگوں کو پسند کرتے ہیں اور بے دینوں کو پسند نہیں کرتے ہیں اسی طرح جو فساق دوسرے فساق وفجار کو پسند کرتے ہیں اور دینداروں کو پسند نہیں کرتے ہیں یہ پسند اور عدم پسند عالم ارواح اور روز ازل کی پسند اور عدم پسند کا مظہر ہے جو وہاں ہوا وہ یہاں ہورہا ہے۔ ؎

کند ہم جنس باہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز

جس شخص کو اللہ تعالیٰ پسند کرے وہ مقبول الکل ہوجاتا ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيْلَ فَقَالَ إِنِّي أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ قَالَ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ ثُمَّ يُنَادِيْ فِي السَّمَاءِ فَيَقُوْلُ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْأَرْضِ وَإِذَا أَبْغَضَ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيْلَ فَيَقُوْلُ إِنِّيْ أُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضْهُ قَالَ فَيُبْغِضُهُ جِبْرِيْلُ ثُمَّ يُنَادِيْ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ إِنَّ اللهَ يُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضُوْهُ قَالَ فَيُبْغِضُوْنَهُ ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ الْبَغْضَاءُ فِي الْأَرْضِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) ؎۲

؎۱ اخرجه البخاري: ۴/۱۶۲ ومسلم ؎۲ اخرجه البخاري: ۴/۱۶۲ ومسلم ؎۳ اخرجه مسلم: ۲/۳۲۸

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت والفت رکھتا ہے یعنی جب وہ اپنے بندوں میں کسی بندے کے تئیں اپنی خوشنودی ومحبت کو ظاہر کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو جبرئیل کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت رکھتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو آنحضرت نے فرمایا جبرئیل یہ سنکر اس بندے سے محبت رکھتے ہیں اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت رکھتا ہے لہٰذا تم سب بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور پھر اس بندے کے لئے زمین میں بھی قبولیت رکھی جاتی ہے یعنی زمین والوں کے دلوں میں بھی اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ اور تمام جن وانس اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے نفرت کرتا ہے تو جبرئیل کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص سے نفرت کرتا ہوں تم بھی اس سے نفرت کرو آنحضرت ﷺ نے فرمایا جبرئیل یہ سن کر اس شخص سے نفرت کرتے ہیں اور پھر وہ آسمان میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے نفرت کرتا ہے لہٰذا تم سب بھی اس سے نفرت کرو۔ چنانچہ آسمان والے بھی اس شخص سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ یہاں تک اس شخص کے لئے زمین میں بھی عداوت ونفرت رکھی جاتی ہے جس کی وجہ سے تمام جن وانس اس شخص سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ (مسلم)

توضیح: "اذا احب عبداً" اللہ تعالیٰ جس بندے کو پسند فرماتا ہے تو فرشتے بھی اسے پسند کرتے ہیں آسمان میں اس شخص کی پسندیدگی کا چرچا ہو جاتا ہے پھر یہ مقبولیت زمین پر آجاتی ہے اور زمین والے اس کو پسند کرنے لگتے ہیں اس طرح وہ شخص مقبول الکل بن جاتا ہے۔

اس کے برعکس اگر اللہ تعالیٰ اوپر آسمانوں میں کسی شخص کو مبغوض قرار دیتا ہے تو فرشتوں میں اعلان ہوتا ہے تو فرشتے اس کو مبغوض سمجھتے ہیں پھر یہ مبغوضیت زمین کی طرف آتی ہے اور لوگ اس شخص کو مبغوض سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ زمین میں اس مبغوضیت اور مقبولیت کا معیار وہ لوگ ہیں جو دیندار اور متقی پرہیزگار ہیں ورنہ فساق وفجار کے نزدیک تو وہی آدمی اچھا اور دوست ومحبوب ہوتا ہے جو انتہائی درجہ کا فاسق وفاجر اور ذلیل وکمینہ ہوتا ہے لہٰذا قبولیت کے اس انتخاب میں دارومدار اچھے اور دیندار لوگوں پر ہے ان کی رائے اور ان کا میلان معیار اور معتبر ہے۔[1]

اللہ کی رضا کے لئے آپس میں محبت کرنے والوں کا مقام

﴿۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِيْ، أَلْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِيْ ظِلِّيْ يَوْمَ لَا ظِلَّ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب لوگوں کے سامنے اپنے بعض بندوں کی عظمت وبزرگی کو ظاہر کرنے کے لئے فرمائے گا کہاں ہیں وہ لوگ جو میری بڑائی کے اظہار اور میری تعظیم کی خاطر آپس

[1] المرقات: ۸/۶۳۵ [2] اخرجہ مسلم: ۲/۳۲۵

میں محبت وتعلق رکھتے تھے یا کہاں ہیں وہ لوگ جو میری رضا وخوشنودی کی خاطر اور حصول ثواب کی غرض سے آپس میں محبت وتعلق رکھتے تھے آج میں ان لوگوں کو اپنے سایہ میں پناہ دوں گا اور آج کے دن میرے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہے۔
(مسلم)

توضیح: "فی ظلی" یعنی آج میں ان کو اپنے خاص سایہ میں رکھوں گا اس سایہ سے مراد میدان محشر میں عرش کا سایہ ہے جیسا کہ بعض روایات میں تصریح بھی ہے یا سایہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت وحفاظت مراد ہے جیسے "**السلطان ظل الله فی الارض**" لہٰذا سایہ سے قیامت کی رحمتوں نعمتوں اور راحتوں کی طرف اشارہ ہے۔ عربی میں ظل کا لفظ نعمتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔[۱]

رضاء الٰہی کے لئے محبت کرنے کی فضیلت

﴿۴﴾ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا زَارَ أَخًا لَهُ فِي قَرْيَةٍ أُخْرَى فَأَرْصَدَ اللّٰهُ لَهُ عَلَى مَدْرَجَتِهِ مَلَكًا قَالَ أَيْنَ تُرِيدُ؟ قَالَ أُرِيدُ أَخًا لِي فِي هٰذِهِ الْقَرْيَةِ قَالَ هَلْ لَكَ عَلَيْهِ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا؟ قَالَ لَا غَيْرَ أَنِّي أَحْبَبْتُهُ فِي اللّٰهِ قَالَ فَإِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكَ بِأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ فِيهِ.
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے مسلمان بھائی کی ملاقات کے لئے روانہ ہوا جو کسی دوسری آبادی میں رہتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے راستہ پر اس کے انتظار میں ایک فرشتہ کو بٹھادیا جب وہ شخص اس جگہ پہنچا تو فرشتہ نے اس کو روک کر پوچھا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے اس شخص نے کہا کہ میں اپنے ایک مسلمان بھائی کی ملاقات کے لئے جارہا ہوں جو اس آبادی میں رہتا ہے فرشتہ نے پوچھا کہ کیا اس پر تمہارا کوئی حق نعمت ہے؟ جس کو حاصل کرنے کے لئے تم اس کے پاس جارہے ہو۔ اس شخص نے کہا کہ نہیں میں محض اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس سے محبت وتعلق رکھتا ہوں۔ فرشتہ نے کہا تو پھر سنو! مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں بشارت دوں کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرتا ہے جس طرح کہ تم محض اللہ تعالیٰ کی خاطر اس شخص سے محبت وتعلق رکھتے ہو۔ (مسلم)

توضیح: یہ سابقہ امتوں میں سے کسی کا واقعہ آنحضرت نے بیان فرمایا ہے ان لوگوں کے ساتھ انسان کی شکل میں فرشتے ملتے تھے اب یہ سلسلہ بند ہو چکا ہے حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک آدمی کسی اللہ والے کی زیارت کے لئے روانہ ہوا تو راستے میں اس کو فرشتہ ملا، فرشتہ نے اس سے پوچھا کہ کہاں جارہے ہو؟ اس نے کہا اس شہر میں میرا ایک دینی بھائی ہے اس کی زیارت کے لئے جارہا ہوں کوئی دنیوی اغراض ومقاصد نہیں ہیں صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لئے جارہا ہوں، فرشتہ نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تیرے پاس بھیجا ہے تاکہ میں تجھے یہ بشارت سناؤں کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے

[۱] المرقات: ۸/۷۳۰ [۲] اخرجه مسلم: ۲/۳۲۵

محبت رکھتا ہے جس طرح تم اس اللہ کے بندے سے محبت رکھتے ہو۔ ۱ "تربھا" یعنی کوئی احسان کی غرض ہے جس کی تکمیل کے لئے جارہے ہو یعنی کیا وہ تیرا غلام ہے یا بیٹا ہے یا ایسا رشتہ دار ہے جس کو کھلانا پلانا تیرے ذمہ ہے اور تم اس کی تکمیل کے لئے جارہے ہو؟ بعض نسخوں میں ہے "هل له عليك من نعمة تربها" یعنی ان کا کوئی احسان تم پر ہے جس کے شکریہ ادا کرنے کے لئے تم جارہے ہو۔

علامہ طیبی نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ کیا اس شخص پر تمہارا کوئی احسان ہے جس کا بدلہ لینے کے لئے تم اس کے پاس جارہے ہو، تا کہ تمہارے احسان سے اس شخص کا بدلہ زیادہ مل جائے۔ یہ مطلب بہت عمدہ ہے۔ ۲

"ارصد الله" مقرر کرنے اور تاک میں بیٹھنے کو رصد کہتے ہیں۔ ۳ "مدرجته" کھلے راستہ کو مدرجہ کہتے ہیں۔ ۴

"تربها" رب یرب پالنے اور بڑھانے کو کہتے ہیں یہاں بڑھانا مراد ہے۔ ۵

جو شخص جس کے ساتھ محبت رکھے گا قیامت میں انہیں کے ساتھ ہوگا

﴿۵﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَقُوْلُ فِيْ رَجُلٍ أَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ؟ فَقَالَ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) ۶

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو کسی جماعت یعنی علماء وصلحاء اور بزرگانِ دین سے محبت وعقیدت رکھتا ہو لیکن ان کی صحبت اس کو نہ ہوئی ہو یا وہ ان کے علم وعمل تک نہ پہنچا ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص اسی کے ساتھ ہے جس کو وہ محبوب رکھتا ہو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "المرأ مع من احب" یعنی جو شخص علماء صلحاء اور بزرگوں سے عقیدت ومحبت رکھتا ہے اور اپنے اعمال سے شریعت کی روشنی میں ان کی متابعت اور موافقت کرتا ہے تو وہ شخص ان ہی حضرات کے ساتھ حشر میں اٹھے گا اور ان کے ساتھ ہوگا۔ ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں ان سے ملاقات ہوگی اکٹھے ہونگے بڑے بڑے درجات والے اپنی جگہوں سے نکل کر ان کے پاس آئیں گے اور ملاقات ہوگی یا یہ مطلب ہے کہ ایک ساتھ ہونگے مگر اس معیت کے باوجود اپنے اپنے درجات کے موافق جنت کی نعمتوں کی لذت محسوس کریں گے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ ہم پیالہ وہم نوالہ ہونگے مگر عائشہ اپنے درجے کے موافق نعمت کا ادراک کرے گی۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات میں لکھا ہے کہ یہ حدیث عام ہے لہٰذا جو شخص دینداروں کو پسند کریگا وہ ان کے ساتھ ہوگا اور جو شخص بدکاروں کو پسند کریگا قیامت کے دن وہ ان کے ساتھ اٹھے گا۔ ۷

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز

---

۱ المرقات: ۸/۶۳۸ ۲ المرقات: ۸/۶۳۹ والکاشف: ۹/۲۳۲ ۳ المرقات: ۸/۶۳۸ ۴ المرقات: ۸/۶۳۸
۵ المرقات: ۸/۶۳۹ ۶ اخرجه البخاری: ۸/۴۸ ومسلم: ۲/۳۳۹ ۷ المرقات: ۸/۶۴۰

آنے والی حدیث نمبر ۱۵ سے ملاعلی قاری کی اس تشریح کی تائید ہوتی ہے اور ساتھ والی روایت نمبر ۶ کی تشریح وتوضیح بھی سابق حدیث کی توضیح کی طرح ہے۔ بہرحال کسی سے محبت رکھنے کے لئے شرط اول یہ ہے کہ اس کی اطاعت ہو مخالفت نہ ہو ورنہ اس شعر کا مصداق بن جائے گا۔

تعصی الرسول وانت تظھر حبه — ھذا لعمری فی الفعال بدیع

لو کان حبك صادقا لا طعته — ان المحب لمن یحب مطیع

﴿ومن یطع الله ورسوله فاؤلئك مع الذین انعم الله علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین﴾[۱]

﴿۶﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ وَيْلَكَ وَمَاأَعْدَدْتَّ لَهَا؟ قَالَ مَاأَعْدَدْتُّ لَهَا إِلَّاأَنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ قَالَ أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ قَالَ أَنَسٌ فَمَارَأَيْتُ الْمُسْلِمِيْنَ فَرِحُوْا بِشَيْءٍ بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَرَحَهُمْ بِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک دن ایک شخص نے یہ سوال کیا کہ یارسول اللہ! قیامت کب آئے گی تو حضور ﷺ نے فرمایا تم پر افسوس ہے! کیا تم نے قیامت کے لئے کوئی تیاری کر رکھی ہے؟ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا آنحضرت کو اس کا یہ سوال اچھا نہیں لگا اور آپ کو گمان ہوا کہ اس شخص نے اچھا اعتقاد رکھتے ہوئے از راہ خوف یہ سوال نہیں کیا ہے بلکہ قیامت کے آنے کو ایک دور دراز کی بات سمجھتے ہوئے لاپرواہی کے طور پر یہ سوال کر رہا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو جواب بھی اسی انداز میں دیا کہ یہ کیا پوچھتے ہو؟ قیامت کب آئے گی تم اپنا عقیدہ وعمل درست رکھو اور اچھے کام کرو جب قیامت کے دن کو آنا ہوگا آجائے گا لیکن جب اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے تو کوئی تیاری نہیں کی ہے البتہ میرے پاس ایک دولت ضرور ہے اور وہ یہ کہ میں خدا اور رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوں تو آنحضرت ﷺ نے جانا کہ اس شخص کا مذکورہ سوال ایک مخلص وکامل مؤمن کے اعتقاد کا مظہر اور از راہ خوف ہے کسی لاپرواہی کا غماز نہیں ہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا تم دنیا وآخرت میں اسی کے ساتھ ہو، جس سے محبت رکھتے ہو حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام کے بعد کسی اور چیز سے اتنا زیادہ خوش نہیں دیکھا جتنا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے خوش ہوئے۔ (بخاری ومسلم)

صحابہ اس لئے خوش ہوئے کہ ان کی محبت حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھی اس سے ان کو رفاقت نبی کی بشارت ملی۔

[۱] نساء: ۶۹ [۲] اخرجه البخاری: ۱۴/۸ ومسلم: ۲/۳۳۸

اچھے اور برے ہم نشین کی مثال

﴿۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْجَلِیْسِ الصَّالِحِ وَالسُّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيْرِ فَحَامِلُ الْمِسْكِ اِمَّا اَنْ يُّحْذِيَكَ وَاِمَّا اَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَاِمَّا اَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيْحًا طَيِّبَةً وَنَافِخُ الْكِيْرِ اِمَّا اَنْ يُّحْرِقَ ثِيَابَكَ وَاِمَّا اَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيْحًا خَبِيْثَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا نیک اور بدہمنشین کی مثال مُشک رکھنے والے اور دھونکنی دھونکنے والے کی سی ہے مشک رکھنے والا یا تو تمہیں مشک مفت دیدے گا یا تم اس سے خرید لوگے اور یا اگر کسی بھی صورت میں اس کا مشک تمہارے ہاتھ نہیں لگتا تو کم از کم اس کی خوشبو تو ضرور تمہیں حاصل ہو جائیگی اسی طرح نیک اور صالح ہم نشین سے کوئی فیض یا کوئی خاص نعمت نہ بھی ملے تو یہی کیا کم ہے کہ کچھ ساعتوں کے لئے اس کی صحبت میں سکون وطمانیت کے ساتھ بیٹھنا نصیب ہو جائے اور دھونکنی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑوں کو جلا دے گا یا تمہیں اس سے دماغ پاش بد بو یعنی دھواں ملے گا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "الکیر" دومشکوں سے لوہار ایک مشکیزہ بناتا ہے جس کو کوئلہ میں آگ تیز کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اس میں دونوں ہاتھوں سے ہوا بھری جاتی ہے اور پھر آگ میں چھوڑی جاتی ہے اس سے لوہے کی بھٹی سے چنگاریاں اٹھتی ہیں اور بدبو بھی ہوتی ہے آج کے زمانہ میں اس فن میں ترقی آگئی ہے بہر حال ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ کم از کم یہ دیکھے کہ ان کے روزمرہ کے تعلقات کن اور کس قسم کے لوگوں کے ساتھ ہیں۔[2]

یار بد بدتر بود از مار بد

الفصل الثانی

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تعلقات کی فضیلت

﴿۸﴾ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَجَبَتْ مَحَبَّتِيْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِيْ جَلَالِيْ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَاءُ)۔[3]

ترجمہ: حضرت معاذ ابن جبل کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ میرا محبت کرنا ایک طے شدہ امر ہے جو محض میری رضامندی وخوشنودی کی خاطر آپس میں میل محبت رکھتے ہیں محض

[1] اخرجه البخاری: ۳/۸۲ ومسلم: ۲/۳۳۶ [2] المرقات: ۸/۶۲۲ ... [3] اخرجه مالك: ۵۹۱ والترمذی: ۴/۵۹۷

میری رضاوخوشنودی کی خاطر اور میری حمد وثناء کرنے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔ محض میری رضاوخوشنودی کی خاطر ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور محض میری رضاوخوشنودی کی خاطر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ (مالک) ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جولوگ میری عظمت وجلال کے سبب آپس میں محبت رکھتے ہیں ان کے لئے (آخرت میں) نور کے منبر ہوں گے جن پر انبیاء اور شہداء (بھی) رشک کریں گے۔

توضیح: "**المتزاورین**" آپس میں زیارت کرنے کے معنی میں ہے [۱] "**والمتباذلین**" یہ بذل سے ہے خرچ کرنے کے معنی میں ہے۔ [۲] "**یغبطھم**" غبطہ رشک کرنے کو کہتے ہیں۔ [۳]

سوال: یہاں ایک بڑا سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ انبیاء کرام کا درجہ قیامت کے روز بہت اونچا ہوگا شہداء کے درجات بھی بہت بڑے ہونگے ان حضرات کا ایک عام آدمی کے درجہ پر رشک کرنا سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس سے اس شخص کا انبیاء اور شہداء پر افضل ہونے کا وہم پیدا ہوسکتا ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے؟

جواب: اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ کلام فرض پر مبنی ہے یعنی فرض کرلو اگر انبیاء اور شہداء کسی چیز پر غبطہ کرتے تو ان دوآدمیوں کے درجہ پر کرتے لیکن وہ رشک نہیں کریں گے دوسرا واضح جواب یہ ہے کہ کسی مفضول کے پاس کوئی عمدہ چیز ہو اور فاضل نے اس کی تمنا کی تو اس سے مفضول کا درجہ فاضل سے نہیں بڑھتا ہے بسااوقات مفضول کی عمدہ چیز فاضل کو پسند آجاتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ یہ چیز میرے پاس ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے پاس اس طرح کی نعمت موجود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ عمدہ چیز بھی ان کے کمالات میں شامل ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا اس سے افضل غیر افضل کا مسئلہ نہیں اٹھتا۔ [۴]

دین اسلام اور قرآن کی وجہ سے آپس میں محبت کی فضیلت

﴿۹﴾ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَاُنَاسًا مَاهُمْ بِاَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللّٰهِ قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ؟ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ عَلٰى غَيْرِ اَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَلَا اَمْوَالٍ يَتَعَاطَوْنَهَا فَوَاللّٰهِ اِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَاِنَّهُمْ لَعَلٰى نُوْرٍ وَلَا يَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَقَرَأَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ "اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ". (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْ اَبِيْ مَالِكٍ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ مَعَ زَوَائِدَ وَكَذَا فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ) [۵]

ترجمہ: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کے بندوں میں سے کتنے ہی لوگ (یعنی اولیاء اللہ)

[۱] المرقات ۸/۷۳۲ [۲] المرقات: ۸/۷۳۳ [۳] المرقات: ۸/۷۳۳ [۴] المرقات: ۸/۷۳۳ [۵] اخرجه ابوداؤد: ۲/۲۸۶ ومالك

ایسے ہیں جو اگر چہ نبی اور شہید نہیں ہیں۔ لیکن قیامت کے دن اللہ کے نزدیک ان کے مراتب و درجات دیکھ کر انبیاء اور شہداء بھی ان پر رشک کریں گے صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمیں بتا دیجئے وہ کون لوگ ہونگے؟ حضور نے فرمایا وہ لوگ ہیں جو خدا کی روح یعنی قرآن کریم کے سبب آپس میں محبت رکھتے ہیں حالانکہ ان کے درمیان نہ کوئی رشتہ ناتا ہوتا ہے (جس کا تقاضا انہیں ایک دوسرے سے محبت کرنے پر مجبور کرے) اور نہ مال و دولت کی لین دین کا معاملہ ہوتا ہے۔ پس قسم ہے اللہ کی (قیامت کے دن) ان کے چہرے نورانی ہونگے یا وہ مجسم نور ہونگے نور پر متمکن و مستولی ہونگے وہ لوگ اس وقت بھی خوف زدہ نہیں ہونگے جب کہ دوسرے لوگ خوف میں مبتلا ہوں گے اور وہ اس وقت بھی غمگین و رنجیدہ نہیں ہوں گے۔ جب کہ دوسرے لوگ غمگین و رنجیدہ ہونگے ۔ پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (جس کا ترجمہ ہے) ''آگاہ ہو کہ خدا تعالیٰ کے دوستوں پر نہ تو خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین و رنجیدہ ہونگے'' اس روایت کو ابو داؤد نے نقل کیا ہے اور بغوی نے شرح السنۃ میں اس روایت کو بالفاظ مصابیح ابو مالک سے روایت کیا ہے لیکن اس میں کچھ الفاظ کا اضافہ بھی ہے اور اس طرح باضافہ الفاظ اس روایت کو بیہقی نے بھی شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح: "روح اللہ" دنیا کے لوگ مال و دولت اور دنیوی مفادات کے تحت ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں حالانکہ یہ ناپائیدار اشیاء ہیں دنیا ہی میں رہ جائیں گی محبت کے لئے اصل چیز تو قرآن و اسلام ہے جو پائیدار ہیں اور جن کی محبت پائیدار ہے اس لئے اس حدیث میں فرمایا قیامت میں قابل رشک لوگ وہ ہیں جو دینی رشتہ کی بنیاد پر آپس میں محبت رکھتے ہیں۔

روح اللہ سے شارحین نے قرآن کریم مراد لیا ہے کیونکہ قرآن بھی مردہ جسموں کے لئے حیات اور روح ہے اور اس کی وجہ سے آپس میں محبت، مضبوط دینی رشتہ ہے جو قیامت میں ضرور کام آئیگا۔[۱]

انسانوں کے آپس کا مضبوط ترین رشتہ اسلام ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِيْ ذَرٍّ يَاۤاَبَاذَرٍّ أَيُّ عُرَى الْاِيْمَانِ أَوْثَقُ؟ قَالَ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ اَلْمُوَالَاةُ فِي اللّٰهِ وَالْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ.

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوذر! (جانتے ہو) ایمان کی کونسی رسی اور شاخ زیادہ مضبوط ہے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جاننے والے ہیں، حضور نے فرمایا خدا کی رضا و خوشنودی کے لئے آپس میں ایک دوسرے سے میل محبت رکھنا اور خدا کی رضا و خوشنودی کیلئے کسی سے دوستی رکھنا اور خدا کی رضا و خوشنودی کیلئے کسی سے بغض و نفرت رکھنا۔ (بیہقی)

[۱] المرقات: ۴۳۶/۸،۴۳۵ [۲] اخرجہ البیہقی: ۷۰/۷

مسلمان بھائی کی عیادت کی فضیلت

﴿۱۱﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا عَادَ الْمُسْلِمُ أَخَاهُ أَوْ زَارَهُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کی عیادت کے لئے یا اس کی ملاقات کی خاطر اس کے ہاں جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ (بلا واسطہ یا فرشتوں کی زبانی) فرماتا ہے کہ (دنیا وآخرت میں) تیری زندگی خوش ہوئی تیرا چلنا مبارک رہا (کہ تو چل کر یہاں تک آیا) ہر قدم پر تجھے ثواب ملا اور تجھ کو جنت میں ایک بڑی اور عالی مرتبہ جگہ حاصل ہوئی۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

جس شخص سے محبت ہو اس کو اطلاع کرو

﴿۱۲﴾ وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَحَبَّ الرَّجُلُ أَخَاهُ فَلْيُخْبِرْهُ أَنَّهُ يُحِبُّهُ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ) [2]

ترجمہ: اور حضرت مقدام ابن معدیکرب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے کسی مسلمان بھائی سے دوستی و محبت رکھے تو چاہئے کہ وہ اس مسلمان کو بتادے کہ وہ اس کو دوست و محبوب رکھتا ہے۔ (ترمذی)

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ نَاسٌ فَقَالَ رَجُلٌ مِمَّنْ عِنْدَهُ إِنِّي لَأُحِبُّ هٰذَا لِلّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلَمْتَهُ؟ قَالَ لَا قَالَ قُمْ إِلَيْهِ فَأَعْلِمْهُ فَقَامَ إِلَيْهِ فَأَعْلَمَهُ فَقَالَ أَحَبَّكَ الَّذِي أَحْبَبْتَنِي لَهُ قَالَ ثُمَّ رَجَعَ فَسَأَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ بِمَا قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكَ مَا احْتَسَبْتَ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَفِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ وَلَهُ مَا اكْتَسَبَ) [3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک شخص گزرا جب کہ آپ کے پاس بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ یہ آدمی جو ابھی سامنے سے گزر رہا ہے میں اس سے محض اللہ کی رضا و خوشنودی کیلئے محبت کرتا ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سنکر) فرمایا کہ کیا تم نے اس کو بتادیا ہے کہ تم اس سے محبت رکھتے ہو؟ اس شخص نے کہا کہ نہیں! حضور نے فرمایا تو اٹھو اور اس کے پاس جا کر اس کو بتادو۔ چنانچہ وہ شخص (مجلس نبوی سے) اٹھ کر اس کے پاس

[1] اخرجه الترمذي: ۴/۳۶۵ [2] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۳۳ والترمذي [3] اخرجه البيهقي: والترمذي

گیا اور اس کو بتایا کہ میں تم سے محبت رکھتا ہوں۔ اس شخص نے (جواب میں بطور دعا) کہا کہ وہ ذات (یعنی اللہ تعالیٰ) تم سے محبت کرے جس کی رضا وخوشنودی کی خاطر تم مجھ سے محبت کرتے ہو! حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر وہ شخص لوٹ کر آیا تو نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ اس شخص نے جواب میں کیا کہا ہے؟ اس نے آنحضرت کو اس کا جواب بتایا جو اس نے دیا تھا حضور نے فرمایا کہ تم (آخرت میں) اس شخص کے ساتھ ہوگے جس سے تم محبت رکھتے ہو اور تم (محبت رکھنے بلکہ ہر عمل میں) اس چیز پر اجر و جزاء پاؤ گے جس کی اللہ تعالیٰ کے لئے نیت کرو گے۔ (بیہقی) اور ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آدمی اس شخص کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے اور اس کو اس چیز پر اجر ملے گا جس کو وہ بہ نیت ثواب اختیار کرے گا۔

صرف دیندار سے تعلق قائم کرو

﴿۱۴﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: مسلمان کے علاوہ اور کسی (کافر ومشرک) کو اپنا ہم نشین اور دوست نہ بناؤ، (یا یہ مراد ہے کہ نیکوکار مسلمان کے علاوہ کسی فاسق وبدکار سے دوستی مت کرو، اس ارشاد کا قرینہ وہ جملہ ہے جو آگے فرمایا کہ) تمہارا کھانا پرہیزگار نیکوکار کے علاوہ اور کوئی کھانے نہ پائے۔

توضیح: لاتصاحب" یعنی بُرے لوگوں کی ہمراہی دوستی اور ہم نشینی سے بچو کیونکہ یہ تیرے لئے مار آستین ہیں تیرے جسم کے بجائے تیرے ایمان اور روح کو ڈنگ ماریں گے تجھے شرک اور بدعات میں ڈالدیں گے اور تجھے بداخلاقی اور بدکرداری سکھائیں گے اس لئے مؤمنین کے ساتھ دوستی اور تعلق رکھو۔[۲]

"الاتقی" یعنی تیرا حلال لقمہ ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس کو نیک متقی آدمی کھائے مطلب یہ ہے کہ فاسق فاجر کا تجھ پر ایسا احسان نہیں ہونا چاہئے کہ کل تجھے اس کو مجبوراً کھلانا پڑے بلکہ تیرا معاملہ نیک لوگوں کے ساتھ ہونا چاہئے ہاں مجبوری کی صورت الگ ہے۔

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْءُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ وَقَالَ النَّوَوِيُّ إِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے (یعنی جو

[۱] اخرجه الترمذی: ۴/۶۰۰ وابوداؤد: ۴/۲۶۰ والدارمی: ۲۰۶۳ [۲] المرقات: ۸/۷۵۰

[۳] اخرجه احمد: ۲/۳۰۳ والترمذی: ۴/۵۸۹ وابوداؤد: ۴/۲۶۱

شخص کسی کو دلی دوست بناتا ہے تو عام طور پر اس کے عقائد ونظریات اور اس کی عادات واطوار کو قبول واختیار کرتا ہے) لہٰذا یہ ضروری ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو دوست بنائے تو دیکھ لے کہ کس کو دوست بنا رہا ہے (احمد، ترمذی، ابوداود، بیہقی) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور نووی نے کہا ہے اس روایت کی اسناد صحیح ہے۔

توضیح: من یخالل" اس دوستی سے مراد قلبی محبت ہے کہ قلبی دوستی اور قلبی محبت فاسق فاجر اور بدکردار آدمی کے ساتھ نہیں ہونی چاہئے ہاں ظاہری رواداری اور مدارات جائز ہے۔

با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

اس حدیث کو بعض علماء مثلاً سراج الدین قزوینی نے موضوع قرار دیا ہے اس لئے صاحب مشکوٰۃ نے ترمذی اور نووی کے حوالوں کا ذکر کیا کہ انہوں نے اس حدیث کو حسن اور صحیح قرار دیا ہے لہٰذا اس کو موضوع کہنا صحیح نہیں ہے۔[۱]

کسی سے تعلق قائم کرتے ہو تو نام ونسب معلوم کرو

﴿۱۶﴾ وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ نُعَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اٰخَى الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلْيَسْأَلْهُ عَنْ اِسْمِهٖ وَاِسْمِ أَبِيْهِ وَمِمَّنْ هُوَ؟ فَإِنَّهٗ أَوْصَلُ لِلْمَوَدَّةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت یزید ابن نعامہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص کسی شخص سے بھائی چارہ قائم کرے تو چاہئے کہ وہ اس سے اس کا اور اس کے باپ کا نام دریافت کرلے اور پوچھ لے کہ وہ کس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ یہ دریافت کرنا دوستی اور تعلق کو بہت زیادہ مضبوط بنانے کا ذریعہ ہوگا (ترمذی)

الفصل الثالث

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے محبت اور عداوت کی فضیلت

﴿۱۷﴾ عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَدْرُوْنَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ تَعَالٰى، قَالَ قَائِلٌ اَلصَّلَاةُ وَالزَّكَاةُ وَقَالَ قَائِلٌ اَلْجِهَادُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ تَعَالٰى اَلْحُبُّ فِي اللهِ وَالْبُغْضُ فِي اللهِ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَرَوٰى أَبُوْدَاوُدَ اَلْفَصْلَ الْأَخِيْرَ)[۳]

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ (اپنے حجرہ مبارک سے) نکل کر (مسجد نبوی میں) ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت پیارا عمل کونسا ہے؟ کسی کہنے والے نے کہا کہ نماز

[۱] المرقات: ۸/۷۵۱ [۲] اخرجه الترمذی: ۴/۵۹۹ [۳] اخرجه احمد: ۵/۱۴۶ وابوداؤد: ۴/۱۹۸

یا زکوۃ اور ایک کہنے والے نے یہ کہا کہ جہاد! حضور نے (یہ سنکر) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت پیارا عمل خدا کی رضا وخوشنودی کی خاطر کسی سے محبت کرنا اور اور خدا کی رضا وخوشنودی کی خاطر کسی سے بغض ونفرت رکھنا ہے۔ (احمد) اور ابوداؤد نے اپنی روایت میں حدیث کا صرف آخری جزو یعنی ان احب الاعمال الخ نقل کیا ہے۔

توضیح: "الجهاد" یہاں سوال یہ ہے کہ **حب فی اللہ** اور **بغض فی اللہ** کو نماز روزہ زکوۃ اور جہاد سے کیوں افضل قرار دیا گیا جب کہ یہ اعمال فرض ہیں؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ قلبی اعمال میں حب فی اللہ افضل عمل اور بدنی اعمال میں نماز روزہ زکوۃ حج اور جہاد افضل ترین اعمال ہیں۔ الگ الگ حیثیت ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ باقی تمام فرائض کے پورا ہونے کے بعد **الحب فی اللہ** اور **البغض فی اللہ** افضل عمل ہے مطلقاً نہیں یعنی نماز، روزہ، زکوۃ اور جہاد کی تکمیل کے بعد حب فی اللہ افضل عمل ہے۔ بعض روایات میں اس تاویل کی تصریح بھی ہے جیسے طبرانی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے "**احب الاعمال الی اللہ بعد الفرائض ادخال السرور فی قلب المؤمن**" [1]

﴿۱۸﴾ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحَبَّ عَبْدٌ عَبْدًا لِلّٰهِ إِلَّا أَكْرَمَ رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بندے نے کسی بندے سے محض اللہ کی رضا وخوشنودی کی خاطر محبت ودوستی رکھی تو اس نے درحقیقت اپنے پروردگار عزوجل کی تعظیم وتکریم کی۔ (احمد)

جسے دیکھ کر خدا یاد آئے وہ بہترین لوگ ہیں

﴿۱۹﴾ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخِيَارِكُمْ قَالُوْا بَلَى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ خِيَارُكُمُ الَّذِيْنَ إِذَا رُؤُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ۔ [3]

ترجمہ: اور حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں بہترین لوگ کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں! ضرور بتایئے، حضور نے فرمایا تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد آجائے۔ (ابن ماجہ)

خدا کے لئے آپس میں محبت کی فضیلت

﴿۲۰﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَنَّ عَبْدَيْنِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ

[1] المرقات: ۸/۶۵۳ [2] اخرجه احمد: ۵/۲۵۹ [3] اخرجه ابن ماجه ۲/۱۳۷۸

عَزَّوَجَلَّ وَاحِدٌ فِي الْمَشْرِقِ وَاٰخَرُ فِي الْمَغْرِبِ لَجَمَعَ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُوْلُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتَ تُحِبُّهٗ فِيَّ۔ لے

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر دو بندے محض خدا کی رضا وخوشنودی کی خاطر آپس میں محبت رکھیں خواہ ان میں سے ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن یکجا کریگا (تاکہ وہ ایک دوسرے کی شفاعت کریں یا جنت میں ایک دوسرے کے ساتھ رہیں) نیز اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک سے فرمائیگا کہ یہ بندہ وہ ہے کہ جس سے تو میری خاطر محبت رکھتا تھا۔

ذکر کی مجلسوں کی پابندی کرو

﴿۲۱﴾ وَعَنْ أَبِيْ رَزِيْنٍ أَنَّهٗ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَ لَاأَدُلُّكَ عَلٰى مِلَاكِ هٰذَا الْأَمْرِ الَّذِيْ تُصِيْبُ بِهٖ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ عَلَيْكَ بِمَجَالِسِ أَهْلِ الذِّكْرِ وَإِذَا خَلَوْتَ فَحَرِّكْ لِسَانَكَ مَا اسْتَطَعْتَ بِذِكْرِ اللّٰهِ وَأَحِبَّ فِي اللّٰهِ وَأَبْغِضْ فِي اللّٰهِ يَا أَبَا رَزِيْنٍ هَلْ شَعَرْتَ أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ زَائِرًا أَخَاهُ شَيَّعَهٗ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ كُلُّهُمْ يُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا أَنَّهٗ وَصَلَ فِيْكَ فَصِلْهُ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُعْمِلَ جَسَدَكَ فِيْ ذَالِكَ فَافْعَلْ۔ ٢

ترجمہ: اور حضرت ابورزین سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ میں تمہیں اس امر یعنی دین کی جڑ نہ بتادوں جس کے ذریعہ تم دنیا وآخرت کی بھلائی حاصل کرسکو؟ (تو سنو) ان چیزوں کو تم اپنے پر لازم کرلو۔ اہل ذکر کی مجالس میں بیٹھا کرو (تاکہ تمہیں بھی ذکر اللہ کی توفیق وسعادت نصیب ہو) جب تنہا رہو تو جس قدر ممکن ہو ذکر اللہ کے ذریعہ اپنی زبان کو حرکت میں رکھو یعنی لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر بھی ذکر اللہ کرو اور تنہائی میں بھی خدا کی یاد میں مشغول رہو (اگر تم کسی کو دوست رکھو تو) محض اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے دوست رکھو اور (جس کو دشمن رکھو تو) محض اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے اس سے بغض رکھو یعنی کسی سے تمہاری دوستی اور دشمنی کا معیار تمہاری اپنی ذات کی خواہشات یا کوئی دنیاوی نفع نقصان نہ ہونا چاہئے بلکہ اللہ کی رضا وخوشنودی کو معیار بناؤ جس کا مطلب یہ ہے کہ اسی شخص کو اپنا دلی دوست بناؤ جس کی دوستی سے خدا خوش ہوتا ہو اور اسی شخص سے دشمنی رکھو جس کی دشمنی سے خدا کی خوشنودی حاصل ہو اور اے ابورزین کیا تمہیں معلوم ہے؟ کہ جب کوئی شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی زیارت وملاقات کے ارادہ سے گھر سے نکلتا ہے اور اس مسلمان کے ہاں جاتا ہے) تو ستر ہزار فرشتے اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں اور وہ (سب فرشتے) اس کے لئے دعا استغفار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! اس شخص نے محض تیری رضا وخوشنودی

لے اخرجہ البیہقی ۶/۴۹۲ ٢ اخرجہ البیہقی ۶/۴۹۲

کی خاطر (ایک مسلمان بھائی سے) ملاقات کی ہے تو اس کو اپنی رحمت و مغفرت کے ساتھ منسلک کر، پس (اے ابورزین) اگر تمہارے لئے ان (مذکورہ) چیزوں میں اپنی جان کو لگانا (یعنی ان پر عمل کرنا) ممکن ہو تو ان چیزوں کو ضرور اختیار کرو۔

خدا کے لئے محبت کی بڑی فضیلت ہے

﴿۲۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَعُمُدًا مِنْ يَاقُوْتٍ عَلَيْهَا غُرَفٌ مِنْ زَبَرْجَدٍ لَهَا أَبْوَابٌ مُفَتَّحَةٌ تُضِيْئُ كَمَا تُضِيْئُ الْكَوْكَبُ الدُّرِّيُّ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ يَّسْكُنُهَا؛ قَالَ الْمُتَحَابُّوْنَ فِي اللّٰهِ وَالْمُتَجَالِسُوْنَ فِي اللّٰهِ وَالْمُتَلَاقُوْنَ فِي اللّٰهِ. (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْأَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا کہ آپ فرمانے لگے جنت میں یاقوت کے ستون ہیں جن پر زمرد کے بالاخانے بنے ہوئے ہیں ان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور وہ بالاخانے اور ان کے دروازے اسی طرح روشن اور چمکتے ہیں جیسا کہ روشن ستارے چمکتے ہیں۔ صحابہ نے (یہ سنکر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان میں کون لوگ رہیں گے؟ حضور نے فرمایا وہ لوگ جو خدا کی رضا و خوشنودی کی خاطر آپس میں محبت رکھتے ہیں خدا کی رضا و خوشنودی کی خاطر ایک دوسرے کی صحبت و ہم نشینی اختیار کرتے ہیں اور خدا کی رضا و خوشنودی کی خاطر آپس میں ملاقات کرتے ہیں۔ (ان تینوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے)۔

---

[1] اخرجه البيهقي ۴/۴۸۶

[illegible]

باب ماینھی عنه من التهاجر والتقاطع واتباع عورات الناس

چند ممنوعہ چیزوں کا بیان

یعنی یہ چند ممنوعہ چیزیں ہیں جن میں ترک ملاقات آپس میں ہجران و بائیکاٹ قطع تعلق اور عیب جوئی شامل ہے۔ "تهاجر" **ہجرت** اور **ہجران** ترک کرنے کے معنی میں ہے، **ھاجرۃ** اور **ھجیرۃ** ترک کرنے اور چھوڑنے کے معنی میں آتا ہے اور "**تقاطع** قطع تعلق اور کاٹنے اور بائیکاٹ کے معنی میں آتا ہے تقاطع کا لفظ گویا **تهاجر** کا ترجمہ اور اس کا بیان اور وضاحت ہے دو مسلمانوں کا ایک دوسرے سے تین دن سے زیادہ عرصہ تک سلام کلام بند کرنے اور قطع تعلق کا نام تہاجر ہے دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیں کہ اسلامی بھائی چارہ کو کاٹ کر رکھنے کا نام تہاجر اور تقاطع ہے۔ عنوان میں ''من'' لاکر تبعیض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ بعض حالات میں کسی حد تک تہاجر اور قطع تعلق کی اجازت ہوتی ہے جیسا کہ ابھی ابھی مندرجہ ذیل حدیث میں اس کی تفصیل آرہی ہے۔ [1] "**العورات**" یہ عورۃ کی جمع ہے لغت میں عورت اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ظاہر ہونے سے آدمی عار اور شرم محسوس کرتا ہو اور دل سے چاہتا ہو کہ وہ چیز پوشیدہ رہے یہاں عورات سے پوشیدہ عیوب مراد ہیں یعنی لوگوں کے پوشیدہ عیوب کے پیچھے لگنا اچھی بات نہیں ہے بلکہ منع ہے۔ [2]

الفصل الاول

تین دن سے زیادہ بائیکاٹ کرنا حرام ہے

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هٰذَا وَيُعْرِضُ هٰذَا وَخَيْرُهُمَا الَّذِيْ يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [3]

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کسی شخص کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی سے ملنا جلنا چھوڑے رکھے اور صورت یہ ہو کہ (جب وہ کہیں ایک دوسرے کے سامنے آئیں تو) یہ اپنا منہ ادھر کو پھیر لے اور وہ اپنا منہ دوسری طرف پھیر لے اور دونوں میں بہتر شخص وہ ہے جو (خفگی کو دور کرنے کے لئے اور بحالئ تعلقات کی خاطر) سلام میں پہل کرے۔ (بخاری و مسلم)

[1] المرقات ۸/۷۵۸ [2] المرقات ۸/۷۵۸ [3] اخرجه البخاری ۸/۲۶ و مسلم ۲/۴۲۳

توضیح: "فوق ثلاث" یعنی تین دن سے زیادہ ترک تعلق کسی کے لئے حلال نہیں ہے اس حدیث میں تین دن کی قید لگانے سے معلوم ہوا کہ انسانی طبع اور غصہ وغضب کو پیش نظر رکھتے ہوئے تین دن تک ایک آدمی کے لئے ترک تعلق اور بائیکاٹ کی گنجائش ہے۔ غیرت وحمیت کے پیش نظر انسان تین دن تک اپنے غضب کے جذبات کی وجہ سے معذور ہے اس لئے کہ مزاج کی تندہی اور بے صبری کا مادہ تین دن تک جوش میں رہتا ہے لہٰذا تین دن تک معذور سمجھا گیا ہے تین دن سے زیادہ قطع تعلق مزاج کی مغلوبیت نہیں بلکہ شرارت ہے اس لئے حرام ہے۔ تین دن تک معذور سمجھنے کی وجہ سمجھ بھی آتی ہے کیونکہ انسان مدنی الطبع ہے عام میل جول کی وجہ سے کبھی گالی سن لیتا ہے کبھی غیبت وچغلی سنتا ہے روزمرہ کے اس باہمی معاملات کی وجہ سے نزاع اور جھگڑے کی صورتیں پیدا ہوسکتی ہیں اس لئے تین دن تک قطع تعلق کی گنجائش ہے زیادہ نہیں۔ علامہ سیوطی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے اس بات پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ خوف ہو کہ اگر فلاں شخص سے ملاقات کروں گا یا عام لوگوں سے عام میل جول رکھوں گا تو اس سے مجھے دینی اور دنیوی نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے اور میرا قیمتی وقت بھی ضائع ہوسکتا ہے تو ایسے شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرے اور میل جول سے اجتناب کرے لیکن وہ اس کنارہ کشی میں لوگوں کی غیبت نہ کرے انکی برائی نہ کرے اور ان سے کینہ وحسد نہ رکھے۔

اسی طرح دینی حمیت کی وجہ سے اور دینی غیرت کی بنیاد پر دین کے فائدہ کے لئے تین دن سے زیادہ ترک تعلق کی گنجائش ہے کیونکہ یہ ترک موالات دین کے لئے بھی مفید ہے اور اس شخص کے لئے بھی مفید ہے جس سے ترک تعلق کیا گیا ہے چنانچہ حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور حضرت مرارہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے اہل مدینہ نے اور پیغمبر خدا نے پچاس دن تک مکمل قطع تعلق کیا تھا۔ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت زینب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے تقریباً پونے تین ماہ تک قطع تعلق کیا تھا۔ حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے اپنے بیٹے حضرت بلال سے زندگی بھر قطع تعلق کیا تھا۔ حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے ایک عرصہ تک حضرت عبداللہ بن زبیر سے تعلق قطع کیا تھا غرضیکہ جب خواہش نفس نہ ہو کینہ وحسد نہ ہو صرف دینی حمیت وغیرت کے لئے قطع تعلق ہو تو یہ جائز ہے اسی طرح اہل بدعت واھواء سے ان کی بدعت کی وجہ سے قطع تعلق ضروری ہے دیگر بدعقیدہ لوگوں کا بھی یہی حکم ہے۔

تہاجر اور بائیکاٹ کی صورت میں جس نے سلام میں پہل کیا وہ دوسرے سے افضل واعلیٰ بنے گا اگر بوقت قطع تعلق ایک نے سلام کیا اور دوسرے نے جواب نہیں دیا تو اب تقاطع کے گناہ سے سلام کرنے والا خارج ہوگیا دوسرا اس میں پڑا رہیگا اس پوری بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ ارتکاب قبیح کے بعد ادب اور زجر وتوبیخ وتنبیہ اور اصلاح کی غرض سے تین دن سے زیادہ تہاجر جائز ہے اور صرف بغض وعناد اور کینہ وحسد کی بنیاد پر حرام ہے اس بیان سے تمام احادیث میں تطبیق آجائے گی۔ [1]

---

[1] المرقات ۸/۶۵۸،۶۵۹

بغض ونفرت اور بُعد وعداوت پیدا کرنے والے کام منع ہیں

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا وَفِيْ رِوَايَةٍ وَلَا تَنَافَسُوْا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بدگمانی قائم کرنے سے اجتناب کرو کیونکہ بدگمانی باتوں کا سب سے بدتر جھوٹ ہے (اپنے غیر سے متعلق امور اور بلاضرورت دوسروں کے احوال کی) ٹوہ میں نہ رہو کسی کی جاسوسی نہ کرو کسی کے سودے نہ بگاڑو، آپس میں حسد نہ کرو ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو اور سارے مسلمان خدا کے بندے اور ایک دوسرے کے بھائی بن کر رہو، اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپس میں حرص نہ کرو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "ایاکم والظن" یعنی بدگمانی سے بچو نیز گمان اور مفروضوں کی بنیاد پر باتیں بیان کرنے سے بچو کیونکہ اس طرح فرضی باتیں یا سنی سنائی باتیں بدترین جھوٹ ہیں اور "**کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ماسمع**" والی حدیث نے اس کو منع کیا ہے۔ [۲]

"**ولاتحسسوا**" کسی کے احوال کی ٹوہ میں نہ پڑو اور دوسروں کی خبروں کی تلاش میں نہ رہو "**ولاتجسسو**" اور کسی کی جاسوسی نہ کرو، **تحسس** اور **تجسس** کے فرق میں دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ دونوں مترادف الفاظ ہیں معنی ایک ہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تجسس اس ٹوہ اور کھوج کو کہتے ہیں جو دوسروں کی مدد اور تعاون سے ہو اور تحسس وہ ہے جو کسی کی مدد اور واسطہ سے نہ ہو بلکہ اپنی مدد آپ اپنے حواس کی بنیاد پر ہو مگر خفیہ طریقہ سے ہو جیسے کان لگا کر سننے کی کوشش کی یا خفیہ طور پر آنکھوں سے معلوم کیا۔ [۳]

"**ولاتناجشوا**" **تناجش** کا یہ لفظ اصل میں شکار کو برانگیختہ کرنے اور بھگانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے پھر اس کا اطلاق اس مصنوعی خریدار پر ہونے لگا جو گاہک پر قیمت بڑھانے کے لئے مصنوعی سودا لگاتا ہے اس جملہ کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ کسی کے سودے کو نہ بگاڑو۔ [۴]

"**ولاتحاسدو**" یعنی حسد نہ کرو حسد کی تعریف یہ ہے کہ دوسرے کی نعمت کے ازالہ کی تمنا کرے، خواہ اسے ملے یا نہ ملے مگر دوسرے سے زائل ہو جائے۔ [۵]

"**ولاتباغضوا**" ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو یعنی دینی اور دنیوی اعتبار سے ایسے اسباب پیدا نہ کرو جس سے بغض وحسد جنم لیتا ہو۔ [۶]

---

[۱] اخرجه البخاری ۷/۲۴ ومسلم ۲/۳۲۴ [۲] المرقات ۸/۶۶۰ [۳] المرقات ۸/۱۹۴
[۴] المرقات ۸/۶۶۱،۶۶۰ [۵] المرقات ۸/۶۶۱ [۶] المرقات ۸/۶۶۱

"ولا تدابروا" یعنی ایک دوسرے کی پیٹھ پیچھے برائی اور غیبت نہ کرو یہ ایک مطلب ہے۔ دوسرا مطلب ملا علی قاری نے یہ بیان کیا ہے کہ جب دو مسلمان ملتے ہوں تو قطع تعلق کی وجہ سے ایک دوسرے کو پیٹھ نہ دکھاؤ جیسا کہ عام عادت ہے کہ دو ناراض ساتھی منہ موڑ کر پیٹھ دکھا کر اعراض کرتے ہیں یہ مطلب زیادہ واضح ہے۔ [۱]

"و کونوا عباد اللہ" یعنی سب کے سب دینی مسلمان بھائی بن جاؤ یہ جملہ بطور خلاصہ اور نتیجہ ہے کیونکہ اوپر بیان کردہ مکروہ کام جب نہ ہوں تو خود بخود مسلمان بھائی بھائی بن جائیں گے کیونکہ سب کا رب ایک ہے نبی ایک ہے کتاب ایک ہے قبلہ ایک ہے مکمل اتحاد ہے۔ [۲]

"ولا تنافسوا" یعنی حرص ولالچ کر کے دنیوی نفیس چیزوں میں دلچسپی لیکر ایک دوسرے سے آگے نہ بڑھو۔ ایک روایت میں یہ جملہ موجود ہے اب زیادہ واضح یہ ہے کہ یہ جملہ ولاتحاسدوا کے بعد ہو۔ (مرقات) [۳]

باہمی عداوت کی قباحت

﴿۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيْهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ أَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور پھر ہر اس بندے کی بخشش کی جاتی ہے جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو البتہ وہ شخص اس بخشش سے محروم رہتا ہے جو اپنے اور کسی مسلمان بھائی کے درمیان عداوت رکھتا ہو پس فرشتوں سے کہا جاتا ہے ان دونوں کو جو آپس میں عداوت ودشمنی رکھتے ہیں مہلت دو یہاں تک کہ وہ آپس میں صلح وصفائی کرلیں۔ (مسلم)

توضیح: "الشحناء" آپس میں بدترین قسم کی عداوت کو شحناء کہتے ہیں یہ انسان کے لئے اتنی بڑی تباہی ہے کہ شرک کے علاوہ بڑے بڑے گناہ معاف کئے جاتے ہیں مگر یہ گناہ معاف نہیں کیا جاتا۔ پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت عام ہو جاتی ہے لیکن یہ دو آدمی جو آپس میں بغض وعداوت رکھتے ہیں ان کا یہ گناہ معاف نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ جب تک یہ دونوں آپس میں صلح اور معافی تلافی نہیں کرتے میں ان کو پیر اور جمعرات والے دنوں میں بھی معاف نہیں کرونگا۔ [۵]

"انظروا" باب افعال سے امر کا صیغہ ہے انتظار اور مہلت دینے کے معنی میں ہے ساتھ والی حدیث میں [۶] اتر کوا کے الفاظ آئے ہیں۔ "یصطلحا" صلح کرنے کے معنی میں ہے ساتھ والی روایت [۷] میں یفیئا ہے جو رجوع کے معنی میں

[۱] المرقات ۸/۶۶۱ [۲] المرقات ۸/۶۶۱ [۳] المرقات ۸/۶۶۱ [۴] اخرجه مسلم ۲/۳۲۲
[۵] المرقات ۸/۶۶۲،۶۶۳ [۶] المرقات ۸/۶۶۳ [۷] المرقات: ۸/۶۶۳

ہے یعنی ان کو مؤخر کر کے چھوڑ دو جب تک خود صلح نہیں کریں گے میں معاف نہیں کروں گا۔

﴿۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُعْرَضُ أَعْمَالُ النَّاسِ فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّتَيْنِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ اِلَّا عَبْدًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيْهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ أُتْرُكُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَفِيْئَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہر ہفتہ میں دو بار پیر اور جمعرات کے دن پروردگار کے حضور لوگوں کے عمل پیش کئے جاتے ہیں چنانچہ ہر مومن بندہ کی مغفرت کی جاتی ہے علاوہ اس بندے کے جو اپنے اور کسی مسلمان کے درمیان عداوت رکھتا ہو ان کے بارے میں کہہ دیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو مہلت دو تا کہ وہ رجوع کرلیں اور عداوت سے باز آجائیں۔ (مسلم)

تین مواقع میں دروغ مصلحت آمیز جائز ہے

﴿۵﴾ وَعَنْ أُمِّ كُلْثُوْمٍ بِنْتِ عُقْبَةَ بْنِ أَبِيْ مُعَيْطٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِيْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُوْلُ خَيْرًا وَيَنْمِيْ خَيْرًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ قَالَتْ وَلَمْ أَسْمَعْهُ تَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَخِّصُ فِيْ شَيْءٍ مِمَّا يَقُوْلُ النَّاسُ كَذِبٌ اِلَّا فِيْ ثَلَاثٍ اَلْحَرْبُ وَالْاِصْلَاحُ بَيْنَ النَّاسِ وَحَدِيْثُ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ وَحَدِيْثُ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا وَذُكِرَ حَدِيْثُ جَابِرٍ إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ فِيْ بَابِ الْوَسْوَسَةِ)۔ [2]

ترجمہ: اور حضرت ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو (اپنی باتوں کے ذریعہ) لوگوں کے درمیان اصلاح کرے یعنی باہمی عداوت رکھنے والوں کے درمیان صلح وصفائی کرائے (آپس میں دشمنی رکھنے والوں میں سے ہر ایک سے) بھلی بات کہے (جو صلح کا باعث بنے) اور (ہر ایک کی طرف سے دوسرے کو) بھلی بات پہنچائے۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ مزید نقل کئے گئے ہیں کہ حضرت ام کلثوم نے کہا میں نے اس ذات گرامی یعنی نبی کریم ﷺ سے ایسی کوئی بات نہیں سنی جس سے ثابت ہوتا کہ آپ نے ان میں سے کسی بات کی اجازت دی ہو جس کو لوگ جھوٹ کہتے ہیں (یعنی آپ نے کسی معاملہ میں جھوٹ بولنے کی کبھی اجازت نہیں دی) علاوہ تین باتوں کے (کہ ان میں جھوٹ بولنے کی اجازت عطا فرمائی) ایک تو جہاد میں جنگ کی حالت میں دوسرے لوگوں کے درمیان صلح وصفائی کرانے میں اور تیسرے اس وقت جبکہ شوہر اپنی بیوی سے باتیں کررہا ہو اور بیوی اپنے شوہر سے باتیں کررہی ہو، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت "ان الشیطان قد ایس الخ باب الوسوسہ میں نقل کی جاچکی ہے۔

[1] اخرجه مسلم: ۲/۳۲۲ [2] اخرجه البخاري: ۳/۲۴۰ ومسلم: ۲/۳۲۸

توضیح: "الحرب" اس سے عام جنگ مراد نہیں ہے بلکہ مقدس جنگ جہاد مراد ہے جہاد کے احکام نرالے اور البیلے ہیں ایک چیز دیگر میدانوں میں حرام ہوتی ہے لیکن جہاد کے میدان میں جائز اور حلال ہو جاتی ہے شاعر کہتا ہے۔

تفرد بالاحکام فی اهله الهوی فانت جمیل الخلف مستحسن الکذب

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جہاد کے میدان میں ضرورت پڑنے پر خلاف واقعہ باتوں کے استعمال کی اجازت ہے جن باتوں کا تعلق مسلمانوں کی طاقت اور لشکر کی برتری کے اظہار سے ہو مثلاً یہ کہنا کہ ہماری طاقت کا کیا کہنا ہم نے دشمن کو تباہ کر کے رکھدیا ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا اب ان کی طاقت ختم ہو چکی ہے ہماری مزید تازہ دم فوج آچکی ہے دشمن بھاگنے کے لئے تیار کھڑا ہے یا آمنے سامنے دشمن سے بطور حیلہ و خداع کہتا ہے کہ دیکھو تمہارے پیچھے کتنا بڑا لشکر آرہا ہے جب وہ مڑ کر دیکھتا ہے تو مجاہد اپنا کام تمام کر دیتا ہے یہ تمام حربے میدان جہاد میں استعمال کرنا جائز ہیں "**الحرب خدعة**" اسی کا نام ہے۔ [1]

"**وحدیث الرجل**" مثلاً شوہر اپنی بیوی سے کہتا ہے تیرا کیا کہنا تیرا حسن دنیا میں کہیں بھی نہیں ہے تیری خوبیوں کا کیا کہنا تیری نظیر دنیا میں نہیں تو بے نظیر ہے اور تیرا ہنر و کمال اور حسن و جمال لاجواب ہے اور میرے کمالات تو گنتی سے باہر ہیں میرے کارناموں کا کیا کہنا میری طاقت تو دنیا کے کسی فرد بشر میں نہیں اور میری خوبیوں کا دنیا میں کوئی مقابل نہیں ہے۔ [2]

حکایت:

حیوٰۃ الحیوان میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک چڑا اپنی رفیقہ حیات چڑی کو قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا وہ ادھر ادھر بھاگ رہی تھی تو چڑے نے کہا تو مجھ سے بھاگتی ہے حالانکہ مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ میں حضرت سلیمان کے محل کو اٹھا کر سمندر میں پھینک سکتا ہوں، اس بے ادبی اور گستاخی کی شکایت پرندوں نے دربار سلیمانی میں لگائی چڑا شاہی حکم کے تحت حاضر کیا گیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے غصہ سے فرمایا اے چڑے! تو چھٹانک بھر ہے! چھٹانک بھر تیرا وزن ہے تو میرے محل کو اٹھا کر سمندر میں کیسے پھینک سکتا ہے؟ چڑے نے پر ہلا کر کہا کہ جی حضور آپ کو خوب معلوم ہے کہ محبوب و معشوق کو قابو کرنے کے لئے اس طرح ڈینگیں ماری جاتی ہیں یہ اسی قسم کا ایک حیلہ تھا تا کہ معشوق ہاتھ آجائے۔

"**والاصلاح**" لوگوں کے درمیان اصلاح کی غرض سے اس طرح خلاف واقعہ بات کرنا جائز ہے مثلاً کہتا ہے بھائی! وہ شخص آپ کی بڑی تعریف کرتا ہے آپکا بڑا مداح اور گرویدہ ہے۔ [3]

الفصل الثانی

﴿۶﴾ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ الْكَذِبُ إِلَّا فِيْ ثَلَاثٍ كَذِبُ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ لِيُرْضِيَهَا وَالْكَذِبُ فِي الْحَرْبِ وَالْكَذِبُ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ) [4]

[1] المرقات: ۸/۶۶۶ [2] المرقات: ۸/۶۶۶ [3] المرقات: ۸/۶۶۶ [4] اخرجه احمد: والترمذی: ۴/۳۸۰

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے علاوہ تین موقعوں کے ایک تو شوہر کا اپنی بیوی سے جھوٹ بولنا جس سے وہ خوش ہو جائے دوسرے کفار سے جنگ کی حالت میں اور تیسرے اس مقصد کے لئے جھوٹ بولنا تا کہ لوگوں کے درمیان صلح وصفائی ہو جائے۔ (احمد وترمذی)

ترک تعلق کے گناہ سے نکلنے کا طریقہ

﴿۷﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَكُوْنُ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَّهْجُرَ مُسْلِمًا فَوْقَ ثَلَاثَةٍ فَإِذَا لَقِيَهُ سَلَّمَ عَلَيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ كُلُّ ذَالِكَ لَا يَرُدُّ عَلَيْهِ فَقَدْ بَاءَ بِإِثْمِهِ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان بھائی سے ملنا جلنا چھوڑے رکھے جب وہ اس مسلمان سے کہیں ملے جو اس سے خفا ہے اور اس کو تین مرتبہ سلام کرے اور وہ ایک مرتبہ بھی جواب نہ دے تو وہ (جواب نہ دینے والا) اس کے گناہ کا وبال لے کر وہاں سے لوٹے گا۔ (ابوداود)

ترک تعلق کی حالت میں مرنے والا دوزخ میں جائے گا

﴿۸﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَّهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان کیلئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک ملاقات کرے لہٰذا جو شخص تین دن سے (خواہ ایک ساعت بھی) زیادہ ملنا جلنا چھوڑے رکھے اور پھر وہ (اسی حالت میں توبہ کئے بغیر) مرجائے تو آگ میں جائے گا۔

سال بھر ترک تعلق قتل کے گناہ کے برابر ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ أَبِيْ خِرَاشٍ السُّلَمِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ هَجَرَ أَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ كَسَفْكِ دَمِهِ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوخراش سلمی سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے

[۱] اخرجہ ابوداؤد: ۴/۲۸۰ [۲] اخرجہ احمد: ۲/۳۹۲ وابوداؤد: ۴/۲۸۰ [۳] اخرجہ ابوداؤد: ۴/۲۸۰

(ناراضگی کے ساتھ) اپنے مسلمان بھائی سے ایک سال تک ملنا جلنا چھوڑے رکھا اس نے گویا اس کا خون کیا یعنی طویل مدت تک ترک ملاقات کا گناہ اور ناحق قتل کرنے کا گناہ قریب قریب ہے۔ (ابوداؤد)

"السلمی" یہ کاتبین کی غلطی ہے علامہ میرک نے کہا ہے کہ یہ لفظ اسلمی ہے۔

تین دن کے بعد ترک تعلق ختم کرو

﴿۱۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّهْجُرَ مُؤْمِنًا فَوْقَ ثَلَاثٍ فَاِنْ مَرَّتْ بِهٖ ثَلَاثٌ فَلْيَلْقَهٗ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ فَاِنْ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَقَدِ اشْتَرَكَا فِي الْاَجْرِ وَاِنْ لَّمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ فَقَدْ بَاءَ بِالْاِثْمِ وَخَرَجَ الْمُسْلِمُ مِنَ الْهِجْرَةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مؤمن کے لئے حلال نہیں کہ وہ کسی مؤمن سے تین دن سے زیادہ ملنا جلنا چھوڑے رکھے لہٰذا جب (ناراضگی کو) تین دن گزر جائیں تو چاہئے کہ اس سے ملے اور اس کو سلام کرے اگر اس نے سلام کا جواب دے دیا تو پھر وہ دونوں ثواب میں شریک ہونگے اور اگر اس نے سلام کا جواب نہ دیا تو اس صورت میں وہ (سلام کا جواب نہ دینے والا) گناہ کے ساتھ لوٹے گا اور سلام کرنے والا ترک ملاقات کے گناہ سے بری ہو جائے گا۔ (ابوداؤد)

صلح کرانے کی فضیلت

﴿۱۱﴾ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ وَالصَّلَاةِ؟ قَالَ قُلْنَا بَلٰى قَالَ اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ[2]

ترجمہ: اور حضرت ابودرداء کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں ایک ایسا عمل نہ بتادوں جس کے ثواب کا درجہ روزے سے، صدقے اور نماز کے ثواب سے زیادہ ہے؟ ابودرداء کہتے ہیں کہ ہم نے (یہ سنکر) عرض کیا کہ ہاں (ضرور بتایئے) آپ نے فرمایا (آپس میں دشمنی رکھنے والے) دو شخصوں کے درمیان صلح کرانا ہے، اور دو آدمیوں کے درمیان فساد و نفاق پیدا کرنا ایک ایسی خصلت ہے جو مونڈنے والی ہے (یعنی اس خصلت کی وجہ سے مسلمانوں کے معاملات اور دین میں نقصان و خلل پیدا ہوتا ہے) اس روایت کو ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کیا ہے اور (ترمذی نے) کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "بافضل" یعنی نماز روزہ اور صدقہ کی مجموعہ عبادات سے اصلاح ذات البین افضل عمل ہے۔ بعض علماء

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴/۲۸۰ [2] اخرجه ابوداؤد: ۴/۲۶۳

نے نماز روزہ اور صدقہ سے نفلی عبادات مراد لی ہیں کہ ان نفلی عبادات سے اصلاح ذات البین افضل ہے لیکن ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ راجح یہ ہے کہ ان اعمال سے فرض اعمال مراد ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ مثلاً دو آدمی آپس میں شدید مخالف ہیں ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا جس سے بڑے بڑے فتنے پیدا ہو گئے اور مزید فتنوں کے پیدا ہونے کا امکان ہے تو ایسی صورت میں ان دو مخالفین کے درمیان صلح کرانا فرائض سے زیادہ اہم ہے کیونکہ فرض اگر ساقط ہو جائے تو اس کا تدارک اور قضا کرنا ممکن ہے لیکن خون جب گر گیا اور آدمی مر گیا تو اس کا کوئی علاج نہیں۔[۱]

"**وفساد ذات البین**" یہ مبتداء ہے اور "**ھی الحالقة**" اسکی خبر ہے حالقہ مونڈنے کے معنی میں ہے مگر بال مونڈنا مراد نہیں ایمان مونڈنا مراد ہے جس طرح ساتھ والی حدیث میں تصریح ہے۔[۲]

بغض وحسد ایمان کو مونڈ دیتا ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے کی امتوں کی بیماری تمہارے اندر سرایت کر گئی ہے اور وہ بیماری حسد اور بغض ہے جو مونڈنے والی ہے اس سے میری مراد بالوں کو مونڈنا نہیں ہے بلکہ دین کو مونڈنا ہے (یعنی بغض یا حسد اتنی بری خصلت ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کا دین واخلاق تباہ وبرباد ہو جاتا ہے، بلکہ یہ خصلت دین ودنیا دونوں کے لئے بڑی نقصان دہ ہے)۔ (احمد، ترمذی)

حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے

﴿۱۳﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حسد سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو۔ کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح لکڑیوں کو آگ کھا جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "**یأکل الحسنات**" یعنی حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے اس حدیث سے معتزلہ نے بے جا استدلال کیا ہے کہ برے اعمال سے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور ارتکاب معصیت سے اچھے اعمال بلکہ ایمان مٹ جاتا ہے۔

---

[۱] المرقات: ۸/۶۶۹، ۷۷۰ [۲] المرقات: ۸/۷۷۰ [۳] اخرجہ احمد: ۱/۱۶۷ والترمذی: ۴/۶۶۴ [۴] اخرجہ ابوداؤد: ۴/۲۷۸

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ حسد نیکیوں کے حسن اور اس کے کمال کو مٹا دیتا ہے اصل اعمال کو نہیں مٹاتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حسد اور شرارت کی وجہ سے قیامت کے روز حاسد کے اچھے اعمال محسود کو دیئے جائیں گے گویا حسد نے اس کے اعمال کو کھالیا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا میں نامۂ اعمال سے اس کے اعمال مٹائے جائیں گے اگر ایسا ہو گیا تو پھر قیامت میں حساب کتاب کا کیا مطلب ہوا جبکہ فیصلہ دنیا ہی میں ہو گیا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ حاسد جب حسد کرتا رہتا ہے تو اس کو خود نیک اعمال کی توفیق نہیں ہوتی بلکہ نیک اعمال کے کرنے سے محروم رہتا ہے گویا حسد نے اس کی استعداد ہی کو خراب کر دیا اس طرح گویا حسد نے اس کے سارے اچھے اعمال چاٹ لئے یہ جواب اچھا ہے۔[۱]

﴿۱۴﴾ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَسُوْءَ ذَاتِ الْبَيْنِ فَإِنَّهَا الْحَالِقَةُ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تم اپنے آپ کو دو آدمیوں کے درمیان برائی ڈالنے کی خصلت سے بچاؤ کیونکہ یہ خصلت مونڈنے والی یعنی دین کو تباہ کرنے والی ہے۔ (ترمذی)

کسی مسلمان کو ضرر پہنچانے کا نقصان

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَبِي صِرْمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللهُ بِهِ وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللهُ عَلَيْهِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوصرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی (مسلمان کو بلا وجہ شرعی) کوئی ضرر و نقصان پہنچائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرر و نقصان پہنچائے گا یعنی اس کو برے عمل کی سزا دیگا اور جو شخص (کسی مسلمان کو) مشقت و تکلیف میں ڈالے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو مشقت و تکلیف میں مبتلا کریگا، (ابن ماجہ، ترمذی) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

﴿۱۶﴾ وَعَنْ أَبِي بَكْرِ الصِّدِّيْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا أَوْ مَكَرَ بِهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ملعون ہے جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے یا اس کے ساتھ مکر و فریب کرے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[۱] المرقات: ۸/۷۶۲،۷۶۳ [۲] اخرجه الترمذی: ۴/۶۶۳ [۳] اخرجه الترمذی: ۴/۳۳۲ وابن ماجه [۴] اخرجه الترمذی: ۴/۳۳۲

کسی مسلمان کو عار دلانے اور عیب ڈھونڈنے کی ممانعت

﴿۱۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادٰى بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ فَقَالَ يَامَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ لَاتُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَاتُعَيِّرُوْهُمْ وَلَاتَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْفِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں کو بآواز بلند اس طرح مخاطب فرمایا اے وہ لوگو! جو زبان سے تو اسلام لائے ہیں اور ان کے دل تک ایمان نہیں پہنچا ہے (تمہیں آگاہ کیا جاتا ہے کہ) تم (ان) مسلمانوں کو اذیت نہ دو (جو کامل مسلمان ہیں بایں طور کہ انہوں نے زبان سے بھی اسلام قبول کیا ہے اور ان کا دل بھی ایمان کے نور سے منور ہے) ان کو عار نہ دلاؤ اور نہ ان کے عیب ڈھونڈو۔ یاد رکھو! جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب تلاش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا عیب ڈھونڈیگا اور جس کا عیب اللہ تعالیٰ ڈھونڈے اس کا رسوا کیا جانا یقینی ہے اگرچہ وہ (لوگوں کی نگاہوں سے بچ کر اپنے گھر میں) چھپا ہوا کیوں نہ ہو۔ (ترمذی)

توضیح: "یامعشر المسلمین" آنحضرت کے خطاب کے تحت منافقین بھی آگئے اور وہ مسلمان بھی آگئے جو ایمان کے باوجود فسق و فجور میں مبتلا ہوں، علامہ طیبی نے اس خطاب کو صرف منافقین کے ساتھ خاص کیا ہے مگر حدیث کے ظاہری مفہوم اور سیاق و سباق سے تخصیص نہیں بلکہ عموم معلوم ہوتا ہے۔[۲]

"ولا تعیروهم" یعنی ان کو عار نہ دلاؤ مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے گناہ کیا اور پھر توبہ کی اور نیک بن گیا اب ایک عار دلانے والا اس کو عار دلاتا ہے اور پرانا عیب یاد کرا کر اس کو ذلیل کرتا ہے یہ ناجائز ہے ہاں اگر وہ شخص عادی مجرم ہے اور فی الحال بھی اسی پرانے گناہ میں آلودہ پڑا ہے اور گناہ بھی متعدی ہے تو پھر اصلاح کی غرض سے تنبیہ اور زجر و توبیخ اور عار دلانا جائز ہے۔[۳]

"یتبع الله" یعنی جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیوب کی تلاش میں لگا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے عیوب کے ظاہر کرنے کے پیچھے پڑ جائیگا اور ان سے درگزر نہیں فرمائے گا بلکہ عوام الناس کے سامنے اس کے ایک ایک عیب کھول کر اس کو رسوا کر دیگا اگرچہ وہ شخص چھپنے کی غرض سے اپنے کجاوہ کے بیچ میں جا کر چھپ جائے۔[۴]

مسلمان کی عزت و آبرو کو نقصان پہنچانا بڑا جرم ہے

﴿۱۸﴾ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اَرْبَى الرِّبَا الْاِسْتِطَالَةَ فِيْ

---

[۱] اخرجه الترمذی: ۴/۳۷۸ [۲] المرقات: ۸/۷۷۵ [۳] المرقات: ۸/۷۷۵ [۴] المرقات: ۸/۷۷۵، ۷۷۶

عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقٍّ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت سعید ابن زید رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سب سے بڑھ کر سُود یہ ہے کہ کسی مسلمان کی عزت وآبرو کو ناحق بگاڑنے کے لئے زبان درازی کی جائے۔ (ابوداؤد و بیہقی)

توضیح: "اربی الربوا" ربو الغت میں زیادت اور تجاوز کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ملا علی قاری کے قول کے مطابق یہاں ربوا ناجائز تجاوز اور ناجائز زیادت کے معنی میں استعمال ہوا ہے، مطلب یہ ہوا کہ ہر ناجائز تجاوز گناہ ہے لیکن کسی مسلمان کی عزت، ورناموس میں زبان درازی اور تجاوز کرنا سب سے زیادہ بُرا اور بڑا گناہ ہے کیونکہ عقلاء کے نزدیک مال کی حفاظت سے عزت کی حفاظت زیادہ اہم ہوتی ہے حضرت حسان کا قول دیوان حماسہ میں اس طرح ہے۔

أَصُوْنُ عِرْضِيْ بِمَالٍ لَا أُدَنِّسُهُ لَا بَارَكَ اللّٰهُ بَعْدَ الْعِرْضِ فِي الْمَالِ [2]

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں بطور مبالغہ عزت وآبرو کو مال میں داخل کر دیا گیا ہے پھر ربا کی دو قسمیں بنا کر بیان کی گئی ہیں۔ پہلی قسم تو وہی معروف شرعی ربا ہے وہ یہ کہ مدیون سے مالی معاملہ میں عوض کے بغیر زیادہ مال لیا جائے، دوسرا غیر معروف ربا ہے وہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کی عزت وناموس میں زبان درازی اور تجاوز کیا جائے۔

اس حدیث میں ربا کی ان دو قسموں میں سے بدترین قسم ربا اس کو کہا گیا ہے جو زبان درازی کی وجہ سے ہو۔ (طیبی) [3]

اب اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ کسی شرعی مصلحت کے بغیر ناروا طریقہ سے کسی مسلمان کے بارے میں اپنی زبان سے برے الفاظ نکالنا، اس کی غیبت کرنا اس کے ساتھ تکبر کا معاملہ کرنا اور اپنی بڑائی جتانے کے لئے اس کی تحقیر کرنا اس کی عزت وآبرو پامال کرنا یہ ایسا گناہ ہے کہ مالی سُود سے شناعت وقباحت میں بڑھ کر ہے۔ "**بغیر حق**" حدیث میں ناحق زبان درازی کی قید لگائی گئی ہے اس سے برحق زبان درازی کی اجازت کی گنجائش نکلتی ہے مثلاً مالدار مقروض قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرتا ہے اس پر زبان درازی جائز ہے یا گواہوں پر جرح ہے یا راویان حدیث پر اصحاب الجرح والتعدیل کی سخت تنقید کا معاملہ ہے یا ایسے بدعتی شخص پر تنقید کا معاملہ ہے جس کی بدعت کی شرارت متعدی ہو یا کوئی کسی فسادی اور فتنہ باز کے فتنہ وفساد پر تنبیہ کرنی ہو تو اس قسم کی زبان درازی ممنوع نہیں ہے۔ [4]

کسی کی آبروریزی اور غیبت پر شدید وعید

﴿۱۹﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا عَرَجَ بِيْ رَبِّيْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمِشُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ؟ قَالَ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴/۰۰ والبیهقی [2] المرقات: ۸/۴۴۴ [3] المرقات: ۸/۴۴۴ والکاشف: ۹/۲۵۳ [4] المرقات: ۸/۴۴۴

يَأْكُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ وَيَقَعُوْنَ فِيْ أَعْرَاضِهِمْ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُد)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ مجھے (معراج کی رات میں) اوپر لے گئے (تو عالم بالا میں) میرا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان ناخنوں سے اپنے چہروں کو کھرچ رہے تھے (ان کی اس حالت کو دیکھ کر) میں نے پوچھا کہ جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے اور ان کی عزت وآبرو کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، (ابوداؤد)

لقمہ میٹھا کرنے کی غرض سے کسی کی تحقیر یا بے جا تعریف بڑا جرم ہے

﴿۲۰﴾ وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَكَلَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ أُكْلَةً فَإِنَّ اللّٰهَ يُطْعِمُهُ مِثْلَهَا مِنْ جَهَنَّمَ وَمَنْ كَسَا ثَوْبًا بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ فَإِنَّ اللّٰهَ يَكْسُوْهُ مِثْلَهُ مِنْ جَهَنَّمَ وَمَنْ قَامَ بِرَجُلٍ مَقَامَ سُمْعَةٍ وَرِيَاءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ يَقُوْمُ لَهُ مَقَامَ سُمْعَةٍ وَرِيَاءٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُد)[2]

ترجمہ: اور حضرت مستورد رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کی غیبت (برائی کرنے یا اس پر زنا وغیرہ کی تہمت لگانے کے ذریعہ اس کی آبروریزی کر کے) ایک لقمہ کھائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس لقمہ کی مانند دوزخ کی آگ کھلائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی تحقیر واہانت کے بدلہ میں کسی کو کپڑا پہنائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کپڑے کی مانند دوزخ کی آگ کا کپڑا پہنائے گا اور جو شخص کسی کو سنانے اور دکھانے کیلئے کھڑا کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے سنانے اور دکھانے کیلئے خود کھڑا ہوگا۔ (ابوداؤد)

توضیح: "**اکل برجل مسلم**" اس حدیث میں چند جملے ہیں جن کا سمجھانا اور سمجھنا بہت ضروری ہے پہلا جملہ "**من اکل برجل مسلم**" ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص سے دوسرے شخص کی بنتی نہیں ہے بیچ میں ایک تیسرا شخص جا کر ان میں سے ایک کے سامنے دوسرے کی برائی بیان کرتا ہے اس کی غیبت کرتا ہے اور اس عیب جوئی اور غیبت کے سبب اس سے کھانا حاصل کر کے کھاتا ہے اور وہ بھی خوب کھلاتا ہے کیونکہ اس کے مخالف کی خوب برائی بیان کی جارہی ہے تو اس کھانے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس برائی بیان کرنے والے کو جہنم سے کھانا کھلائے گا۔ برجل میں حرف با سببیت کے لئے ہے۔[3]

"**ومن کسی ثوبا برجل**" کسی کا صیغہ اگر معلوم پڑھا جائے تو اس کا ترجمہ ومطلب یہ ہوگا کہ کسی مسلمان کی تحقیر واہانت کے بدلے میں اہانت کرنے والے کو کپڑا پہنائے تو اللہ تعالیٰ اس تحقیر کرنے والے کو دوزخ کا لباس پہنائے گا اور اگر

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۲۷۱ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۲۷۱ [3] المرقات: ۸/۶۶۸

یہ صیغہ مجہول کا ہے تو ترجمہ اس طرح ہوگا کہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کی تحقیر و توہین کے عوض کپڑا پہنایا جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں کپڑا پہنائے گا یہ ترجمہ اور مطلب زیادہ واضح ہے۔ برجل میں حرف باسببیت کے لئے ہے۔ [1]

"ومن قام برجل" اس میں حرف باسببیت کے لئے بھی ہوسکتا ہے اور تعدیت کے لئے زائد بھی ہوسکتا ہے اگر سببیت کے لئے ہوتو مطلب یہ ہوگا کہ ایک شخص خود نمود ونمائش کے مقام پر کھڑا ہوگیا اپنی تعریفیں کرنے لگا تقویٰ اور صلاح کو دکھاتا رہا اور اپنے منہ میاں مٹھو بنا رہا تا کہ اس کو کوئی مالدار آدمی دیکھ لے اور اس کا معتقد بن جائے اور اس کو اس مالدار سے مال وجاہ حاصل ہوجائے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو قیامت کے دن رسوائی کے مقام پر کھڑا کردیگا عربی عبارت اس طرح ہوگی **"من قام مقام السمعة والریاء لاجل رجل صاحب مال"** اور اگر با زائد ہو صرف تعدیت کے لئے ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص نے کسی دوسرے شخص کو نام ونمود اور دکھاوے کے مقام پر کھڑا کردیا اور خود اسکی تعریف شروع کردی کہ یہ شخص اتنا بڑا بزرگ ہے فلاں ہے اور فلاں ہے اس سے اصلاح کا تعلق قائم کرو اس کے مرید بنو اس طرح تعریف کرکے اس کی آڑ میں اپنی دنیا بنا رہا ہے جس طرح آج کل ہو رہا ہے کہ ؎

پیراں نمی پرند مریداں می پرانند [2]

اس حدیث کا یہ مطلب شیخ مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے جس کو ملا علی قاری نے نقل کیا ہے عربی عبارت اس طرح ہوگی **"ومن اقام رجلا مقام السمعة"**۔ بہر حال اس جملہ کے کئی مطلب بیان کئے جاسکتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص یا اپنی تعریف خود کرتا ہے تا کہ دنیا داروں سے مال کمائے یہ بھی تباہ حال ہے یا کسی بزرگ کی وجہ سے اپنی دکان چمکاتا ہے یہ بھی تباہ حال ہے یا کسی اور کو اپنی تعریف میں لگاتا ہے یہ بھی تباہ حال ہے یا کسی عالم محدث یا کسی پیر فقیر کا لبادہ اوڑھ کر بڑا بزرگ بن کر آتا ہے اور مال بٹورتا ہے یہ سب دنیا کے طالب نمائشی ہیں مطلوب صرف دنیا ہے رنگ الگ الگ ہے کسی نے خوب کہا۔ ؎

وما الرزق الا طائر اعجب الوریٰ   فمدت له من کل فن حبائل

دنیا کا مال ومتاع ایک خوشنما پرندہ ہے جس نے سب کو حیران کر رکھا ہے تو اس کے پکڑنے کے لئے ہر طرح کے جال بچھائے گئے ہیں۔

اچھا گمان رکھنا عبادت ہے

﴿۲۱﴾وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ) [3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا گمان رکھنا من جملہ بہترین عبادات کے ہے۔ (احمد وابوداؤد)

---

[1] المرقات: ۸/۷۷۸ [2] المرقات: ۸/۷۷۸،۷۷۹ [3] اخرجه احمد: ۲/۲۹۷ وابوداؤد: ۴/۳۰۰

توضیح: "حسن الظن" اس حدیث کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے متعلق اچھا گمان قائم کرنا اچھی عبادتوں میں سے بہترین عبادت ہے، اچھا گمان یہ ہے کہ عبادت کرتے ہوئے مغفرت کا گمان ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت و مہربانی کا خوب یقین ہو یہ مطلب نہیں کہ عبادت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ گمان پکا تا رہے کہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے معاف کر دیگا یہ شیطان کا دھوکہ ہے، بہرحال حدیث کا یہ مطلب ایک احتمال ہے ظاہر حدیث میں اس طرح تفصیل نہیں ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے متعلق اچھا گمان قائم کرنا اور بدگمانی سے بچنا یہ بہترین عبادت ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دھلوی اور علامہ طیبی نے یہی مطلب بیان کیا ہے علامہ طیبی فرماتے ہیں۔

یعنی اعتقاد الخیر و الصلاح فی حق المسلمین عبادۃ

حدیث کا یہ مطلب واضح تر بلکہ متعین معلوم ہوتا ہے۔[1]

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعلق حضرت زینب کا ایک جملہ

﴿۲۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِعْتَلَّ بَعِيْرٌ لِصَفِيَّةَ وَعِنْدَ زَيْنَبَ فَضْلُ ظَهْرٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِزَيْنَبَ اَعْطِيْهَا بَعِيْرًا فَقَالَتْ اَنَا اُعْطِيْ تِلْكَ الْيَهُوْدِيَّةَ؟ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَجَرَهَا ذَا الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمِ وَبَعْضَ صَفَرٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَذُكِرَ حَدِيْثُ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ مَنْ حَمٰى مُؤْمِنًا فِيْ بَابِ الشَّفَقَةِ وَالرَّحْمَةِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) صفیہ کا اونٹ بیمار ہو گیا اس وقت زینب کے پاس ان کی ضرورت سے زیادہ سواری تھی (یعنی ان کے پاس ایک اونٹ ضرورت سے زائد تھا) لہٰذا رسول کریم ﷺ نے زینب سے فرمایا کہ تم اپنا وہ اونٹ (جو تمہاری ضرورت سے زیادہ ہے) صفیہ کو دے دو۔ زینب نے جواب دیا کہ بھلا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں گی (یعنی انہوں نے صفیہ کو اپنا اونٹ دینے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ ان کے بارے میں نازیبا الفاظ بھی زبان سے نکالے) چنانچہ رسول کریم ﷺ ان سے سخت ناراض ہو گئے یہاں تک کہ آپ نے ذی الحجہ اور محرم (کے پورے مہینے) اور ماہ صفر کے کچھ دنوں تک ان سے ملنا جلنا اور ان کے پاس جانا چھوڑے رکھا۔ (ابوداؤد) اور معاذ ابن انس کی روایت من **حمی مؤمنا الخ باب الشفقه والرحمة** میں نقل کی جا چکی ہے۔

توضیح: حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنگ خیبر کے موقع پر مسلمانوں کے ہاتھ آئی تھیں آنحضرت نے ان کو آزاد کیا اور ان سے نکاح کیا کھانے پکانے میں ماہرہ تھیں اس وجہ سے دیگر ازواج مطہرات کی طرف سے گاہ گاہ کچھ کلمات سننے کو

[1] المرقات: ۸/۷۶۹ الکاشف: ۹/۲۵۶ اشعة اللمعات: [2] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۹۹

ملتے تھے۔ حضرت صفیہ، حیی بن اخطب یہودی کی بیٹی اور ابوالحقیق یہودی کی بیوی تھیں اور حضرت ہارون کی اولاد میں سے تھیں اسی وجہ سے ان کو یہودیت کا طعنہ ملا اور حضور ناراض ہو گئے ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ نے حضرت صفیہ سے فرمایا تم اس طعنہ کا یہ جواب دو کہ میں ایک نبی کی بیٹی ہوں اور دوسرے نبی کی بیوی ہوں تم میں سے کون میرا مقابلہ کر سکتی ہے؟

"فضل ظهر" یعنی زائد سواری تھی جو فارغ تھی۔[1]

الفصل الثالث

اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم بڑی چیز ہے

﴿۲۳﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ رَجُلاً يَسْرِقُ فَقَالَ لَهُ عِيْسَى سَرَقْتَ ؟ قَالَ كَلاَّ وَالَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَقَالَ عِيْسَى اٰمَنْتُ بِاللهِ وَكَذَّبْتُ نَفْسِيْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (ایک مرتبہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے دیکھ لیا! حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے اس شخص سے کہا کہ تم نے چوری کی ہے؟ اس شخص نے کہا کہ ہرگز نہیں، اس ذات پاک کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے (میں نے چوری نہیں کی ہے) حضرت عیسیٰ نے (اس کو اس طرح قسم کھاتے ہوئے سنا تو) کہا کہ میں خدا پر ایمان لایا اور اپنے نفس کو جھوٹا قرار دیا۔ (مسلم)

توضیح: "کذبت نفسی" حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چور کی زبان سے جب اللہ تعالیٰ کی تعریف اور پھر اس بزرگ و برتر بادشاہ کے نام کی قسم سن لی تو اپنے مشاہدہ سے پیچھے ہٹ گئے اور اللہ تعالیٰ کے نام کا احترام کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی جھوٹی قسم بھی کھائے تو سننے والے کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کا احترام رکھ کر اس قسم کا اعتبار کرے۔[3]

فقر و فاقہ بڑی آزمائش ہے

﴿۲۴﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا وَكَادَ الْحَسَدُ أَنْ يَّغْلِبَ الْقَدَرَ۔[4]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا فقر و افلاس قریب ہے کہ کفر کی حد تک پہنچا دے اور حسد قریب ہے کہ تقدیر پر غالب آجائے۔

[1] المرقات: ۸/۷۸۰ [2] اخرجہ مسلم: ۲/۳۳۱ [3] المرقات: ۸/۷۸۱ [4] اخرجہ البیہقی: ۶/۳۲۱

توضیح: "ان یکون کفراً" یعنی قریب ہے کہ فقر وفاقہ آدمی کو کفر تک پہنچادے یہ بڑی آزمائش ہے کیونکہ فقر وفاقہ کی وجہ سے یہ احتمال ہے کہ بے صبری اور خدا کی ناشکری ہو جائے چوری ہو جائے حرام خوری ہو جائے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہو جائے تو اس طرح یہ فقر وفاقہ آدمی کو کفر تک پہنچادیتا ہے۔

اور اگر صبر وشکر ہو، اللہ تعالیٰ کی قضاء پر رضا ہو یقین وبھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہو قناعت ہو تو اس اعتبار سے فقر وفاقہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ "الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر"[1]

مسلمان کی عذر خواہی کو قبول کرنا چاہئے

﴿۲۵﴾ وَعَنْ جَابِرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اعْتَذَرَ إِلَى أَخِيْهِ فَلَمْ يَعْذِرْهُ أَوْ لَمْ يَقْبَلْ عُذْرَهُ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ خَطِيْئَةِ صَاحِبِ مَكْسٍ۔

(رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَقَالَ الْمَكَّاسُ الْعَشَّارُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے (اپنے کسی قصور پر) عذر خواہی کرے اور وہ مسلمان شخص اس کو معذور نہ قرار دے (یعنی اس کے عذر کو ناقابل تسلیم قرار دیدے اور کہے کہ تمہیں کوئی عذر لاحق نہیں ہے بلکہ عذر خواہی کے نام پر جھوٹ بول رہے ہو) یا اس کا عذر قبول نہ کرے (یعنی یوں کہے کہ تم عذر تو رکھتے ہو مگر میں تمہارے عذر کو قبول نہیں کرتا) تو وہ اسی درجہ کا گناہ گار ہوگا جس درجہ کا صاحب مکس گناہ گار ہوتا ہے۔ (ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ مکاس عشر لینے والے کو کہتے ہیں)۔

توضیح: "صاحب مکس" محصول اور چنگی کو مکس کہتے ہیں اس کے وصول کرنے والے کو مکاس، صاحب مکس اور پٹواری اور عشار کہتے ہیں یہ شخص بھی کوئی عذر قبول نہیں کرتا اس لئے عذر قبول نہ کرنے والے شخص کے گناہ کی تشبیہ صاحب مکس کے ساتھ دیدی گئی ہے ایک حدیث میں ہے کہ مسلمان کے عذر کو قبول نہ کرنے والا شخص حوض کوثر پر بھی نہیں جاسکے گا۔ لہٰذا اس حدیث کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان بھائی کے عذر کو قبول کرنا چاہئے۔[3]

والعذر عند کرام الناس مقبول
ومن دق باب کریم فتح

[1] المرقات: ۸/۸۱، ۸۲
[2] اخرجه البیهقی: ۶/۳۲۱
[3] المرقات: ۸/۸۳

باب الحذر والتأني في الأمور

معاملات میں بیدار مغزی اور سنجیدگی کا بیان

"الحذر" حذر حا اور ذال پر زبر ہے اور را ساکن ہے چوکنا اور بیدار مغز رہنے کے معنی میں ہے جو غفلت اور کسل وحماقت کی ضد ہے۔ "تأني" تاخر وتوقف اور اچھی طرح غور کرنے کے معنی میں ہے جس کو وقار اور سنجیدگی بھی کہتے ہیں جو جلد بازی کی ضد ہے۔[1]

اس پورے عنوان کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو چاہئے کہ وہ زمانہ کے شر وفساد اور لوگوں کی آفات وبلیات سے اپنے آپ کو بچائے رکھے اور ہر وقت اپنے معاملات میں چوکنا متیقظ اور بیدار مغز رہے تا کہ نہ اس کو کوئی دھوکہ دے سکے اور نہ وہ کسی کو دھوکہ دے جیسا ایک صحابی نے حضرت عمر فاروق کے بارے میں ایک غیر مسلم بادشاہ کے سوال کے جواب میں کہا کہ "اَمِيْرُنَا لَا يَخْدَعُ وَلَا يُخْدَعُ" ہمارا امیر نہ کسی کو دھوکہ دیتا ہے اور نہ کسی سے دھوکہ کھاتا ہے۔

اسی طرح ایک مسلمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عُجب، خود پسندی اور جلد بازی سے اجتناب کرے، سنجیدگی اور وقار کو اختیار کرے اور اپنے ہر کام میں خوب غور وخوض کر کے پھر اقدام کرے۔ غرضیکہ ہر معاملہ میں راہِ اعتدال اختیار کرے خواہ دنیوی معاملہ ہو یا اُخروی معاملہ ہو۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

آسائشِ دو گیتی تفسیرِ ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

یعنی دنیا وآخرت کی راحت اس میں ہے کہ دوستوں سے نرمی کرو اور دشمنوں سے نبھائے رکھو۔

کسی نے کہا ہے۔

انسان کو چاہئے کہ نہ بولے کسی سے سخت   اس واسطے زبان میں کوئی استخواں نہیں

الفصل الاول

مؤمن بیدار مغز ہوتا ہے

﴿۱﴾ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

[1] المرقات: ۸/۷۸۴ [2] اخرجه البخاري: ۸/۳۸ ومسلم: ۲/۵۹۴

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔ (بخاری، مسلم)

توضیح: "لایلدغ" یعنی مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔ اس ارشاد گرامی کا پس منظر اس طرح ہے کہ جنگ بدر کے قیدیوں میں ایک شاعر بھی گرفتار ہو کر مدینہ لایا گیا تھا جس کا نام **ابو عزہ جمحی** تھا اس نے آنحضرت سے معافی دینے اور مفت رہا کرنے کی درخواست کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس شرط پر معاف کر دیا کہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف نہ جنگ میں آؤ گے اور نہ اشعار سے ان کی مذمت کرو گے۔ اس نے عہد و پیمان کیا لیکن ابوسفیان کے بھڑکانے پر یہ شاعر پھر بھڑک اٹھا اور اپنے اشعار کے ذریعہ قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے لگا اور خود کفار کے لشکروں کے ساتھ جنگ احد میں آ گیا وہاں دوبارہ گرفتار ہو گیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا گیا تو اس نے پھر معافی کی درخواست کی اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب ایسا نہیں ہو سکتا تم پھر اہل مکہ کے پاس جا کر مونچھوں کو تاؤ دو گے اور کہو گے کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دو دفعہ دھوکہ دیا، مسلمان ایک جگہ اور ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جا سکتا۔ یہ کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا چنانچہ وہ بدبخت جہنم رسید ہو گیا۔ اس حدیث سے مسلمانوں کو خارجہ اور داخلہ پالیسی کے لئے اسی طرح جنگ اور صلح کے لئے بیشمار حکیمانہ اصول فراہم ہو جاتے ہیں کاش کوئی غور کرے اور اس کو اپنا لے۔[1]

حلم و بردباری کی فضیلت

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ اِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ اَلْحِلْمُ وَالْاَنَاةُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عبدالقیس کے سردار اشج سے فرمایا کہ تمہارے اندر جو دو خوبیاں ہیں ان کو اللہ تعالیٰ بہت پسند کرتا ہے (خواہ وہ کسی شخص میں ہوں) ایک تو حلم و بردباری اور دوسرے توقف و آہستگی۔ (مسلم)

توضیح: "لِاَشج" عبدالقیس ان کے بڑے دادا کا نام تھا جس کے نام سے قبیلہ مشہور ہوا یا اس وفد کے بڑے لیڈر کا نام عبدالقیس تھا یہ وفد راجح قول کے مطابق ایک دفعہ ۵ھ کو مدینہ منورہ آیا تھا اور دوسری دفعہ ۹ھ کو آیا تھا ۴۰ آدمیوں پر مشتمل تھا، اشج عبدالقیس کا نام منذر بن حیان تھا توضیحات جلد اول صفحہ ۱۸۰ پر ساری تفصیلات موجود ہیں البتہ وہاں منذر کا نام منقذ لکھا گیا ہے جو کاتب کی غلطی ہے یا مؤلف کی غلطی ہے یا تاریخ میں تضاد ہے۔ بہر حال مدینہ پہنچنے پر وفد کے لوگوں نے دوڑ دوڑ کر آنحضرت کو سلام کیا لیکن اشج نے پہلے سامان سنبھالا پھر کپڑے تبدیل کیے پھر سلام کے لئے

[1] المرقات: ۸/۶۸۴ [2] اخرجه مسلم: ۱/۳۶

آیا تو آنحضرت ﷺ نے اس کی تعریف کی کہ تیرے اندر دو خصلتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اس نے پوچھا یا رسول اللہ یہ خصلتیں خلقی ہیں یا مصنوعی ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا تخلیقی ہیں اس پر اشج نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری تخلیق میں ایسی دو خصلتیں رکھیں جو اس کو پسند ہیں اور شکر ہے کہ تخلیقی ہیں مصنوعی نہیں زوال کا خدشہ نہیں رہیگا۔

چونکہ منذر کے چہرہ پر زخم کا نشان تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو اشج کا لقب عنایت کیا۔ [1] "الاناۃ" نواۃ کے وزن پر ہے تاخیر کے معنی میں ہے بعض نے اس کا ترجمہ وقار اور سنجیدگی سے کیا ہے بعض نے کہا کہ مستقبل کے بارے میں بہتر نگاہ رکھنے کو اناۃ کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ طاعات پر ثابت قدم رہنے کو اناۃ کہتے ہیں اس سے پہلے [2] حلم کا لفظ ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ظالم سے بدلہ لینے میں آدمی صبر سے کام لے جس کو بردباری کہتے ہیں تو بردباری اور سنجیدگی دو الگ الگ صفات ہیں۔ [3]

الفصل الثانی

﴿۳﴾ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْاَنَاةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ اَهْلِ الْحَدِيْثِ فِيْ عَبْدِ الْمُهَيْمِنِ بْنِ عَبَّاسٍ الرَّاوِيْ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهٖ [4]

ترجمہ: حضرت سہل ابن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کسی کام میں آہستگی و بردباری اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، (یعنی یہ خوبی الہام خداوندی کے ذریعہ کسی انسان کو حاصل ہوتی ہے) اور جلد بازی شیطان کی خصلت ہے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، نیز بعض محدثین نے عبد المہیمن ابن عباس کی یادداشت کے بارے میں کلام کیا ہے۔

ٹھوکریں کھانے سے مزاج میں ٹھہراؤ آتا ہے

﴿۴﴾ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَلِيْمَ اِلَّا ذُوْ عَثْرَةٍ وَلَا حَكِيْمَ اِلَّا ذُوْ تَجْرِبَةٍ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ [5]

ترجمہ: اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کوئی شخص کامل بردبار نہیں ہوتا جب تک اس کو لغزش نہ ہوئی ہو اور کوئی شخص کامل حکیم نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو تجربہ نہ ہو۔ اس روایت کو احمد اور ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] المرقات: ۸/۷۸۵ [2] المرقات: ۸/۷۸۵ [3] المرقات: ۸/۷۵۸

[4] اخرجه الترمذی: ۴/۳۶۸ [5] اخرجه احمد: ۳/۸،۶۹ والترمذی: ۴/۳۴۹

توضیح: "ذوعثرة" عثر لغزش اور ٹھوکر کے معنی میں ہے یعنی حلم و بردباری اور لحاظ و مروت کا جوہر اسی شخص میں آتا ہے جس نے دھوکہ کھایا ہو، لغزشوں سے دوچار ہوا ہو، اپنے معاملات میں جابجا نقصان اٹھا چکا ہو، اور اس کے بڑوں نے اس کو معاف کیا ہو ایسے شخص کے مزاج میں اپنے چھوٹوں کے لئے بلکہ پورے معاشرہ کے لئے حلم و بردباری کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ہر اونچ نیچ کے عواقب کو جاننے لگتا ہے اس لئے اس میں برداشت کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے اسی کو حدیث میں حلیم کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔[1]

آسائش دوگیتی تفسیر ایں دوحرف است   بادوستاں تلطف بادشمناں مدارا

"حکیم" دانا کو بھی کہتے ہیں جو معاملات کے عواقب پر نظر رکھتا ہو۔ اور اس سے طبیب بھی مراد لیا جا سکتا ہے غرض جس کا تجربات سے سابقہ پڑا ہو وہی اصل حکیم ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ **"سل المجرب ولا تسأل الحکیم"**۔[2]

سوچ سمجھ کر کام کرو

﴿۵﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصِنِيْ فَقَالَ خُذِ الْأَمْرَ بِالتَّدْبِيْرِ فَإِنْ رَأَيْتَ فِيْ عَاقِبَتِهِ خَيْرًا فَأَمْضِهِ وَإِنْ خِفْتَ غَيًّا فَأَمْسِكْ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت مجھ کو (کوئی ایسی) وصیت فرما دیجئے (جس پر میں اپنے کاموں اور معاملات میں عمل کروں اور جس کی وجہ سے میرا کوئی کام و عمل بگڑنے نہ پائے) حضور نے فرمایا تم جب بھی کسی کام کو (کرنے کا ارادہ) کرو تو تدبر اختیار کرو، (یعنی انجام پر نظر ڈالو اور اس کے تمام مصالح و مفاسد پر اچھی طرح غور و فکر کرلو) اور پھر اگر تمہیں اس کام کے انجام میں (دینی و دنیوی) خیر و بھلائی نظر آئے تو اس کو کرو اور اگر تمہیں اس کے انجام میں (کسی دینی یا دنیوی) گمراہی و اخروی کا خوف محسوس ہو تو اس کو چھوڑ دو۔ (شرح السنہ)

آخرت والے اعمال میں تاخیر نہ کرو

﴿۶﴾ وَعَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ الْأَعْمَشُ لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التُّؤَدَةُ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ خَيْرٌ إِلَّا فِيْ عَمَلِ الْآخِرَةِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[4]

ترجمہ: اور حضرت مصعب ابن سعد نے اپنے والد سے ایک روایت نقل کی ہے جس کے بارے میں (حدیث کے راوی)

[1] المرقات: ۸/۶۸۔ [2] المرقات: ۸/۶۸۹ [3] اخرجه البغوی فی شرح السنة ۱۳/۱۶۸ [4] اخرجه ابوداؤد: ۴/۲۵۶

حضرت اعمش کہتے ہیں کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس حدیث کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے (اور وہ یوں ہے کہ) آنحضرت نے فرمایا توقف وتاخیر ہر عمل میں بہتر ہے مگر آخرت کے عمل میں نہیں۔ (ابوداؤد)

توضیح: "اَلتُّؤَدَةُ" ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس لفظ میں تا پر ضمہ ہے اور ہمزہ پر فتحہ ہے تاخیر اور توقف کو کہتے ہیں جس طرح اناۃ ہے اسی طرح **تؤدۃ** ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر کام میں توقف وتاخیر بہتر ہے لیکن آخرت کے کام میں تاخیر اچھی نہیں ہے کیونکہ ہر آنے والے وقت کے لئے اس کے مناسب کوئی کام ہوتا ہے۔ لہٰذا اس نیک کام سے رہ جاؤ گے تو جلدی کرو۔ قرآن میں ہے کہ ﴿فاستبقوا الخیرات﴾[1] نیکی میں جلدی کرو۔[2]

میانہ روی اچھی چیز ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ سَرْجِسَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلسَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتُّؤَدَۃُ وَالْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ اَرْبَعٍ وَّعِشْرِیْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّۃِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)[3]

ترجمہ: اور عبداللہ ابن سرجس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نیک راہ روش، کسی کام میں آہستگی اور غور وفکر کے لئے تاخیر کرنا اور میانہ روی وہ خوبیاں ہیں جو نبوت کے چوبیس اجزاء میں سے ایک جزء ہیں۔ (ترمذی)

توضیح: "الاقتصاد" خرچ کرنے میں میانہ روی کو اقتصاد کہتے ہیں لیکن یہاں ہر چیز میں اقتصاد اور میانہ روی مراد ہے یعنی اعمال وافعال واقوال، عبادات، اخلاقیات، خرچ واخراجات غرض تمام احوال میں میانہ روی اختیار کرنا اچھی خصلت ہے تا کہ آدمی ظلم واسراف اور تجاوز بغاوت سے محفوظ رہے افراط وتفریط کسی بھی چیز میں اچھی نہیں ہے۔[4]

"جزء من اربع" یہ بھی ممکن ہے کہ مذکورہ تینوں اشیاء ملکر نبوت کے چوبیس اجزاء میں سے ایک جزء کا درجہ رکھتی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہر ہر چیز چوبیس اجزاء میں سے ایک جزء ہو۔

اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ اشیاء انبیاء کرام کی مبارک عادات میں سے تھیں اور یہ ان کے فضائل میں داخل تھیں تم کو بھی چاہئے کہ تم ان انبیاء کرام کی ان اشیاء اور فضائل میں پیروی اور اقتداء کرو اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس شخص میں یہ خصلتیں آگئیں وہ نبی بن جائیگا کیونکہ نبوت متجزی نہیں ہوتی۔ (کذا فی المرقات)[5]

باقی چوبیس کا عدد جو بیان کیا گیا ہے یہ تکثیر کے لئے ہے تحدید کے لئے نہیں ہے چنانچہ دوسری روایت میں پچیس کا عدد مذکور ہے یا یوں سمجھ لیں کہ عدد کا بیان کرنا شارع کے علم اور حکمت پر موقوف ہے ہم نہ اس میں دخل دے سکتے ہیں اور نہ کوئی رائے قائم کر سکتے ہیں۔ "سمت حسن" سے مراد اچھے اخلاق، اچھے طریقے اور اچھی عادات ہیں۔[6]

---

[1] مائدہ ۴۸ [2] المرقات: ۸/۷۸۸ [3] اخرجه الترمذی: ۴/۳۶۶ [4] المرقات: ۸/۷۸۸ [5] المرقات: ۸/۷۸۹ [6] المرقات: ۸/۷۸۸

﴿۸﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْهَدْىَ الصَّالِحَ وَالسَّمْتَ الصَّالِحَ وَالْاِقْتِصَادَ جُزْءٌ مِنْ خَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا نیک سیرت اور نیک راہ وروش اور میانہ روی وہ خوبیاں ہیں جو نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جزء ہیں۔ (ابوداؤد)

راز کی بات امانت کا درجہ رکھتی ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيْثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ اَمَانَةٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت جابر ابن عبداللہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب کوئی شخص ایسی بات کہے (جس کا وہ اخفا چاہتا ہے) اور پھر وہ ادھر اُدھر دیکھے تو اس کی وہ بات امانت ہے۔ (ترمذی وابوداؤد)

جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَبِي الْهَيْثَمِ بْنِ التَّيِّهَانِ هَلْ لَكَ خَادِمٌ؟ قَالَ لَا فَقَالَ فَاِذَا اَتَانَا سَبْيٌ فَاْتِنَا فَاُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَأْسَيْنِ فَاَتَاهُ اَبُو الْهَيْثَمِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِخْتَرْ مِنْهُمَا فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِخْتَرْ لِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ خُذْ هٰذَا فَاِنِّيْ رَاَيْتُهُ يُصَلِّيْ وَاسْتَوْصِ بِهِ مَعْرُوْفًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے (ایک صحابی) حضرت ابوالہیثم ابن تیہان سے پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی خادم ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں، آپ نے فرمایا جب ہمارے پاس کہیں سے غلام آئیں تو تم آجانا، چنانچہ (کچھ عرصہ کے بعد) جب نبی کریم ﷺ کے پاس دو غلام لائے گئے تو ابوالہیثم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ یہ دو غلام ہیں ان دونوں میں سے کسی ایک کو اپنے لئے پسند کرلو، ابوالہیثم نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ! آپ ہی میرے لئے کوئی غلام پسند فرما دیجئے، حضور نے فرمایا جس شخص سے مشورہ لیا جائے اس کو امین ہونا چاہئے (یعنی مشیر کو چاہئے کہ مشورہ چاہنے والے کی بھلائی و بہبودی کو بہر صورت ملحوظ رکھے اور وہی مشورہ دے جو اس کے حق میں بہتر ہو، گویا حضور نے اس ارشاد کے ذریعہ ابوالہیثم پر واضح کیا کہ جب تم نے حق انتخاب میرے سپرد کر دیا ہے اور مجھ سے مشورہ چاہتے

[۱] اخرجه ابوداؤد: ۴/۲۹۶ [۲] اخرجه ابوداؤد: ۴/۲۶۹ والترمذی: ۴/۳۴۱ [۳] اخرجه الترمذی: ۴/۵۸۳

ہو تو میں تمہیں وہی غلام دوں گا جو تمہارے لئے بہتر و مناسب ہو اس کے بعد حضور نے ان دونوں غلاموں میں سے ایک غلام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ) اس غلام کو لے جاؤ کیونکہ میں نے اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک اور بھلائی اختیار کرنے کی میری وصیت پر ہمیشہ عمل کرنا۔ (ترمذی)

ہر حال میں تین باتوں کا ظاہر کرنا ضروری ہے

﴿۱۱﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ اِلَّا ثَلَاثَةَ مَجَالِسَ سَفْكُ دَمٍ حَرَامٍ اَوْ فَرْجٌ حَرَامٌ اَوِ اقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ سَعِيْدٍ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَمَانَةِ فِيْ بَابِ الْمُبَاشَرَةِ فِي الْفَصْلِ الْاَوَّلِ۔[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجلسیں امانت کے ساتھ وابستہ ہیں البتہ تین مجلسیں یعنی تین چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں کہیں کوئی بات کی جائے تو دوسروں تک ان کو پہنچا دینا ضروری ہے اور وہ تینوں یہ ہیں ❶ جس خون کو ناحق بہانا حرام ہے اس کو بہانے یعنی کسی کو ناحق قتل کرنے کے مشورہ و ارادہ کی بات ❷ حرام کاری یعنی زنا کرنے کے مشورہ و ارادہ کی بات ❸ کسی کا مال ناحق چھیننے کے مشورہ و ارادہ کی بات۔ (ابوداؤد) اور حضرت ابوسعید کی یہ روایت "ان اعظم الامانة" باب المباشرة کی پہلی فصل میں ذکر کی جا چکی ہے۔

توضیح: "المجالس بالامانة" یعنی مجالس کا دارومدار امانت و دیانت پر ہے۔ یہ اس وقت ہے کہ مجلس کی بات مجلس کی حد تک محدود ہو اگر محدود نہ ہو تو مجلس کی بات باہر نکالی جا سکتی ہے۔ اور اگر مجلس میں راز کی بات بھی ہو لیکن وہ تین قسم کی باتوں سے متعلق ہو تو اس کو راز میں رکھنا جائز نہیں ہے بلکہ ظاہر کرنا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ مجلس میں کسی سے متعلق ناجائز قتل کی بات ہو گئی ہو تو اس راز کو فاش کرنا ضروری ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی مجلس میں کسی زنا کاری کا منصوبہ بنایا جا رہا ہو تو اس راز کو فاش کرنا ضروری ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ کسی مجلس میں کسی کے مال کو ناجائز طور پر ہڑپ کرنے کی بات ہو رہی ہو اس کو فاش کرنا جائز بلکہ ضروری ہے۔[2]

الفصل الثالث

عقل سے متعلق ایک موضوع حدیث

﴿۱۲﴾ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللهُ الْعَقْلَ قَالَ لَهٗ قُمْ فَقَامَ ثُمَّ قَالَ لَهٗ اَدْبِرْ فَاَدْبَرَ ثُمَّ قَالَ لَهٗ اَقْبِلْ فَاَقْبَلَ ثُمَّ قَالَ لَهٗ اُقْعُدْ فَقَعَدَ ثُمَّ قَالَ لَهٗ مَا خَلَقْتُ خَلْقًا

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴/۲۶۹ [2] المرقات: ۸/۶۹۲

هُوَ خَيْرٌ مِنْكَ وَلَا أَفْضَلُ مِنْكَ وَلَا أَحْسَنُ مِنْكَ بِكَ آخُذُ وَبِكَ أُعْطِي وَبِكَ أُعْرَفُ وَبِكَ أُعَاتِبُ وَبِكَ الثَّوَابُ وَعَلَيْكَ الْعِقَابُ وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ [1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا کہ کھڑی ہوجا! وہ کھڑی ہوگئی پھر اس سے فرمایا کہ پشت پھیر اس نے پشت پھیری پھر اس سے فرمایا کہ میری طرف منہ کر اس نے خدا کی طرف منہ کر لیا پھر اس سے فرمایا بیٹھ جا! وہ بیٹھ گئی اور پھر اس سے فرمایا کہ میں نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو تجھ سے بہتر ہو، فضل وکمال میں تجھ سے بڑھی ہوئی ہو اور خوبیوں میں تجھ سے اچھی ہو میں تیرے ہی سبب سے بندوں کا مواخذہ کروں گا میں تیرے ہی سبب سے (بندوں کو ثواب ودرجات) دیتا ہوں میں تیرے ہی سبب سے پہچانا جاتا ہوں میں تیرے ہی سبب غضبناک ہوتا ہوں میں تیرے ہی سبب سے ثواب دیتا ہوں اور تیرے ہی سبب سے عذاب دیتا ہوں، بعض علماء نے اس حدیث کے صحیح ہونے میں کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

توضیح: "**وقد تکلم**" صاحب مشکوٰۃ کے طرز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ زیر بحث حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں ہے۔ علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی نے اپنی کتاب المختصر میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث بالاتفاق کذب اور موضوع ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ "**ھو کذب موضوع عند اھل المعرفة بالحدیث**"

ابوجعفر عقیلی رحمہ اللہ، ابوحاتم، دارقطنی اور ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع اور کذب قرار دیا ہے۔ صاحب مشکوٰۃ کی پوری کتاب میں یہی ایک حدیث موضوعی ہے "**لکل جواد کبوة ولکل سیف نبوة**" ہر عمدہ گھوڑا کبھی ٹھوکر کھا جاتا ہے اور ہر عمدہ تلوار کبھی اچٹ جاتی ہے یہاں عمدہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی ہے اور عمدہ تلوار اپنے وار میں اچٹ گئی ہے۔ [2]

قیامت کے دن عقل کے مطابق جزا ملے گی

﴿۱۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَكُونُ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ وَالزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ حَتّٰى ذَكَرَ سِهَامَ الْخَيْرِ كُلَّهَا وَمَا يُجْزٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا بِقَدْرِ عَقْلِهِ [3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص جو نماز پڑھنے والوں میں سے ہو، روزہ رکھنے والوں میں سے ہو، زکوٰۃ دینے والوں میں سے ہو، حج اور عمرہ کرنے والوں میں سے ہو، یہاں تک کہ آپ نے اسی طرح نیکی

[1] اخرجه البیهقی: ۴/۱۵۴ [2] المرقات: ۸/۷۹۳ [3] اخرجه البیهقی: ۴/۱۵۵

اور بھلائی سے متعلق ساری بڑی بڑی چیزوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ لیکن وہ قیامت کے دن اپنی عقل کے مطابق جزاء پائے گا۔

توضیح: "بقدر عقله" عقل سے مراد وہ اعلیٰ جوہر ہے جس کے ذریعہ انسان اسباب واشیاء کی حقیقت کا ادراک کرتا ہے اور جس کی وجہ سے انسان انسانیت کے دائرے میں رہتا ہے گویا یہ انسان کے لئے گاڑی کی بریک کی مانند ہے اگر یہ فیل ہوجائے تو انسانی باڈی بے قابو ہوجائے گی۔ اب جس شخص میں عقل کا جوہر جتنا کامل ومکمل ہوگا اتنا ہی اس کا کام اعلیٰ وارفع ہوگا اسی وجہ سے اس حدیث میں فرمایا گیا کہ جس شخص میں جتنی عقل ہوگی اس کو اس کے مطابق جزا دی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام واکرام قیامت کے دن عبادات کی مقدار کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ عبادت کے حسن وکمال کی وجہ سے ہوگا اور یہ بات واضح ہے کہ عبادات وطاعات میں حسن وکمال کا مدار اسی عقل پر ہے اس لئے فرمایا گیا کہ قیامت کے دن جزا وسزا عقل کی بنیاد پر دی جائے گی چنانچہ شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ صاحب عقل عالم کی ایک رکعت نماز دوسرے لوگوں کی ایک ہزار رکعتوں سے افضل قرار پائے گی۔ [1]

تدبیر کی فضیلت

﴿۱۴﴾ وَعَنِ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَاذَرٍّ! لَا عَقْلَ كَالتَّدْبِيْرِ وَلَا وَرَعَ كَالْكَفِّ وَلَا حَسَبَ كَحُسْنِ الْخُلُقِ. [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر یہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ابوذر (جان لو) عقل تدبیر کے برابر نہیں، ورع یعنی پرہیزگاری اجتناب واحتیاط کے برابر نہیں اور حسب وفضیلت خوش خلقی کے برابر نہیں ہے۔

توضیح: "کالتدبیر" عواقب پر غور وخوض کا نام تدبیر ہے لہٰذا اعلیٰ واولیٰ عقل تو تدبیر ہی ہے اس لئے فرمایا کہ بہتر تدبیر کی طرح کوئی عقل نہیں ہے تدبیر ہی بہترین عقل ہے۔ [3]

"**ولا ورع کالکف**" یعنی پرہیز کی طرح کوئی تقویٰ نہیں ہے تقویٰ تو محرمات سے بچنے اور ظاہراً وباطناً اپنا معاملہ اپنے رب کے ساتھ صاف رکھنے کا نام ہے تو جو آدمی ہر لمحہ اپنے آپ کو ہر ناجائز سے بچاتا ہے اس سے بڑھ کر کونسا تقویٰ ہوسکتا ہے ایک آدمی عبادت کرتا ہے مگر ساتھ ساتھ گناہ کا ارتکاب بھی کرتا ہے یہ تقویٰ کے مقام تک کہاں پہنچ سکتا ہے لیکن جو آدمی عبادت کے ساتھ گناہوں سے پرہیز کرتا ہے اصل متقی تو وہی ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی دوائی کھاتا ہے لیکن اس کے بعد پرہیز نہیں کرتا ہے بلکہ بدپرہیزی کرتا ہے تو اس کو دوائی فائدہ نہیں دے سکتی ہے۔ [4]

شارحین نے کالکف کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو شخص لوگوں کی ایذارسانی سے بچتا ہے اس کی مانند کوئی تقویٰ نہیں ہوسکتا ہے یہ اعلیٰ تقویٰ ہے۔ "**ولا حسب**" حسب نسب کا مطلب یہی ہے کہ آدمی اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور اعلیٰ خاندان کے لوگ اعلیٰ اخلاق کے مالک ہوتے ہیں کیونکہ وہ شرفاء ہوتے ہیں نتیجہ یہ نکلا کہ اچھے اخلاق کا مالک ہونا اس بات

[1] المرقات: ۸/۵۹۳ [2] اخرجه البیهقی: ۶/۲۳۶ [3] المرقات: ۸/۶۹۵ [4] المرقات: ۸/۶۹۵

کی دلیل ہے کہ یہ شخص اعلیٰ خاندان سے متعلق ہے اس لئے فرمایا کہ اچھے اخلاق کی طرح کوئی حسب نسب نہیں ہوسکتا ہے۔

خرچ میں میانہ روی زندگی کا آدھا سرمایہ ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيْشَةِ وَالتَّوَدُّدُ اِلَى النَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ وَحُسْنُ السُّوَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ۔

(رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الْاَرْبَعَةَ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اخراجات میں میانہ وری اختیار کرنا نصف معیشت ہے انسانوں سے دوستی نصف عقل ہے اور خوبی کے ساتھ سوال کرنا آدھا علم ہے ان چار روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح: "نصف المعیشة" یعنی خرچ میں میانہ روی اختیار کرنا نصف معیشت اور آدھا گزران ہے انسان کی معاشی زندگی کا مدار دو چیزوں پر ہے ایک اس کی آمدنی ہے دوسرا خرچ ہے ان دونوں میں توازن برقرار رکھنا خوشحالی کی علامت اور استحکام معیشت ہے لہٰذا جس طرح آمدن کے توازن کا بگڑ جانا خوشحالی کے منافی اور معیشت کے عدم استحکام کا سبب ہے اسی طرح اگر اخراجات کا توازن بگڑ جائے تو خوشحالی بھی جاتی رہیگی اور معیشت کا سارا ڈھانچہ درہم برہم ہو کر رہ جائے گا لہٰذا مصارف میں اعتدال اور خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرنا معیشت کا نصف حصہ ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا۔[2]

"والتودد" یعنی اچھے لوگوں سے میل جول رکھنا ان سے دوستی قائم کرنا یہ عقل کا آدھا حصہ ہے جو حسن معاشرت کا ضامن ہے گویا پوری عقلمندی یہ ہے کہ انسان جائز طریقہ سے محنت کر کے خود کمائے اور لوگوں کے ساتھ محبت کے جذبات بھی برقرار رکھے۔[3]

"وحسن السوال" یعنی اچھا سوال نصف علم ہے کیونکہ آدھا علم اچھے سائل کے سوال میں آ گیا اور آدھا علم جواب دینے والے کے جواب میں آ گیا لہٰذا سلیقہ سے سوال کرنا علم کے اضافہ کا ذریعہ ہے جو نصف علم ہے، اچھے سوال کا اچھا جواب آئے گا تو سائل کا نصف علم جواب سے پورا ہو جائے گا اور مسئول کا نصف علم سائل کے سوال سے پورا ہو جائے گا تو اچھا سوال سائل و مسئول دونوں کے لئے نصف علم ہے۔[4]

---

[1] اخرجه البیهقی: ۵/۲۵۵ [2] المرقات: ۸/۶۹۵ [3] المرقات: ۸/۶۹۵، ۶۹۶ [4] المرقات: ۸/۶۹۶

مورخہ ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

باب الرفق والحیاء وحسن الخلق

نرمی، اچھے اخلاق کا بیان

"رفق" نرمی کو کہتے ہیں جو عُنف اور سختی کی ضد ہے عاجزی وانکساری اختیار کرنا اور اپنے ساتھیوں کے لئے مہربان اور نرم خو ہونا رفق ہے۔ [1] "الحیاء" توضیحات جلد اول کتاب الایمان کی ابتدائی حدیثوں میں "والحیاء شعبة من الایمان" کے تحت حیاء کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات تفصیل کے ساتھ لکھی گئیں ہیں یہاں بھی کچھ لکھا جاتا ہے تاکہ قارئین کو زحمت نہ ہو۔

حیاء کی تعریفات:

حیاء کی پہلی تعریف اس طرح ہے "الحیاء ھو خلق یمنع الشخص عن ارتکاب القبیح لاجل الایمان"

حیاء کی دوسری تعریف یہ ہے "الحیاء ھو تغیر وانکسار یعتری المرء من خوف مایلام ویعاقب علیه"

حیاء کی تیسری تعریف بعض علماء نے یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کا تصور کر کے اپنی کوتاہیوں پر نظر ڈالنے سے دل ودماغ میں قصور کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ حیاء ہے۔

حیاء کی چوتھی تعریف یہ کی گئی ہے "ھو ان لایراك مولاك حیث نھاك"

پہلی تعریف حیاء ایمانی کی ہے اور دوسری تعریف حیاء انسانی کی ہے تیسری تعریف پھر حیاء ایمانی کی ہے اور چوتھی تعریف حیاء انسانی اور حیاء ایمانی دونوں کو شامل ہے۔

حیاء انسانی کا تعلق انسان سے ہوتا ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر ہو اور حیاء ایمانی کا تعلق ایمان واسلام کے ساتھ ہے لہٰذا یہ مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے بہر حال یہاں عنوان میں جس حیاء کا ذکر ہے اس سے حیاء شرعی ایمانی مراد ہے۔

سوال: یہاں یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر حیاء کسی کافر میں پائی جائے تو کیا وہ بھی مسلمان کہلائے گا کیونکہ حدیث میں حیاء کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ حیاء کا معاملہ باب فتح یفتح کی طرح ہے کہ جہاں فتح کا باب ہوگا حرف حلقی کا ہونا ضروری ہوگا لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس باب میں حرف حلقی آجائے وہ فتح یفتح کا باب ہوگا جیسے سمع یسمع میں حرف حلقی ہے

[1] المرقات: ۸/۷۹۶

لیکن فتح یفتح نہیں ہے اسی طرح مسلمان کا معاملہ ہے کہ جہاں مسلمان ہے وہاں حیاء لازم ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جہاں حیاء ہو وہاں مسلمان کا ہونا لازم ہو۔

حیاء کی قسمیں:

حیاء کی تین قسمیں ہیں۔(۱) حیاء جنایت جیسے حضرت آدم علیہ السلام گندم کا دانہ کھانے کے بعد ایک طرف بھاگ رہے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آدم کہاں بھاگ رہے ہو؟ "قال حیاء منك یاالله" (۲) حیاء حشمت وعظمت جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت مقداد کے ذریعہ سے حضور اکرم ﷺ سے مذی کا مسئلہ پوچھوایا اور خود سوال نہیں کیا۔(۳) حیاء اجلال جیسے تسربل اسرافیل بجناحیه حیاء من الله لاجلاله، بہرحال حیاء اس کیفیت کے طاری ہونے کا نام ہے کہ قبیح کے ارتکاب کے انجام کے خوف سے اعضاء سکڑ جائیں اور آدمی ارتکاب قبیح سے پیچھے ہٹ جائے لیکن اگر جائز حق مانگنے میں ایک آدمی حیاء کرتا ہے اور شرم کے مارے اچھی بات یا اپنا حق چھوڑ دیتا ہے تو یہ حیاء نہیں ہے بلکہ بزدلی ہے۔

"وحسن الخلق" حسن خلق یہ ہے کہ بیک وقت آدمی خالق اور مخلوق کے حقوق کو بجالائے جس سے وہ خالق کو بھی راضی کرے اور مخلوق کو بھی راضی رکھے۔ بالفاظ دیگر احکام شرعیہ کو بجالانا ایک مسلمان کے لئے سب سے اعلیٰ اخلاق ہیں اس باب کی حدیث نمبر ۲۸ کے تحت حسن خلق کی مزید تعریفات درج ہیں اس کو بھی دیکھ لیا جائے۔

الفصل الاول

شفقت اور نرمی کی فضیلت

﴿۱﴾ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِيْ عَلَى الرِّفْقِ مَالَا يُعْطِيْ عَلَى الْعُنْفِ وَمَالَا يُعْطِيْ عَلٰى مَاسِوَاهُ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ قَالَ لِعَائِشَةَ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَاِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ اِنَّ الرِّفْقَ لَايَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا زَانَهُ وَلَايُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا شَانَهُ) [۱]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نرم ومہربان ہے اور نرمی ومہربانی کو پسند کرتا ہے اس لئے وہ نرمی ومہربانی پر وہ چیز عطا فرماتا ہے جو درشتی وسختی پر عطا نہیں فرماتا اور نرمی ومہربانی پر جو چیز عطا کرتا ہے وہ نرمی ومہربانی کے علاوہ کسی بھی دوسری چیز پر عطا نہیں فرماتا۔(مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت نے حضرت عائشہ سے فرمایا: نرمی ومہربانی کو لازمی طور پر اختیار کرو اور سختی ودرشتی اور بے حیائی سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ جس چیز میں نرمی ہوتی ہے اس کو زینت بخشتی ہے اور جس چیز میں سے نکالی جاتی ہے، وہ عیب دار ہو جاتی ہے۔

توضیح: اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نرمی کو پسند کرتا ہے گویا اس میں مخلوق خدا کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تم

[۱] اخرجه مسلم: ۲/۳۲۳

آپس میں نرمی اور مہربانی سے پیش آیا کرو اس سے تمہاری دنیا وآخرت دونوں بنیں گی کیونکہ تمام برکات کا تعلق نرمی اور مہربانی سے ہے سختی اور درشتی میں کچھ بھی نہیں ہے بلکہ جس چیز میں نرمی ومہربانی ہوگی اس میں زینت پیدا ہوگی سختی ودرشتی ہر چیز کو بدنما اور عیب دار بنا کر چھوڑ دیتی ہے نرمی سے ناممکن کام ممکن بن جاتا ہے اور سختی سے ممکن کام ناممکن ہوجاتا ہے کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎[1]

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است با دوستاں ملطف با دشمناں مدارا

ترجمہ: دنیا وآخرت کی راحت کا خلاصہ ان دو باتوں میں ہے کہ دوستوں کے ساتھ نرمی کرو اور دشمنوں کے ساتھ مدارات رکھو

نرمی سے محروم شخص ہر بھلائی سے محروم ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ جَرِيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جریر نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس شخص کو نرمی ومہربانی سے محروم کیا جاتا ہے وہ گویا نیکی سے محروم کیا جاتا ہے۔ (مسلم)

حیاء کی فضیلت

﴿۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ اَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ فَاِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ایک انصاری صحابی کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو حیاء کے بارے میں نصیحت کررہا تھا تو رسول کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اس کو کچھ مت کہو کیونکہ حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "یعظ اخاہ" وعظ اس بیان اور نصیحت کا نام ہے جس میں دل نرم کرنے والی باتیں ہوں جس سے خوف خدا بیدار ہوتا ہو اور آخرت کی یاد تازہ ہوجاتی ہو لیکن یہاں حدیث میں وعظ سے ڈرانا دھمکانا اور عتاب وسرزنش مراد ہے۔ یہ صحابی اپنے ساتھی کو حیاء سے ڈرا رہا تھا کہ حیاء کرو گے تو کچھ نہیں پاؤ گے علم سے بھی محروم رہو گے اور رزق سے بھی محروم رہو گے نہ دنیا کے رہو گے نہ آخرت کے رہو گے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس سرزنش کرنے والے کو منع کردیا اور فرمایا کہ ایسا مت کرو کیونکہ حیاء تو ایمان کے اجزاء میں سے ایک اہم جزء ہے اس سے کامیابیاں ملتی ہیں ناکامی نہیں ملتی، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام شرم وحیاء اور عزت وعظمت کا درس دیتا ہے چنانچہ اس کے پیروکاروں میں یہ چیزیں نمایاں طور پر موجود ہیں اور اسکول کالجز بے حیائی، بداخلاقی، رذالت وقباحت کا درس دیتے ہیں چنانچہ اس کے حاصل کرنے والوں

---

[1] المرقات: ۸/۶۹۶، ۶۹۸
[2] اخرجه مسلم: ۲/۳۲۳
[3] اخرجه البخاري: ۱/۱۲ ومسلم: ۱/۳۵

میں یہ چیزیں نمایاں ہیں۔ کالج کے ایک لڑکے سے میں نے ۱۹۷۴ء میں کہا کہ کچھ شرم وحیاء تو کرو وہ کہنے لگا میں نے حیاء کو کالج میں ڈیسک کے نیچے دفن کر دیا ہے۔ [1]

چلتے چلتے ایک صاحب یہ نصیحت کر گئے گوشت گر ملتا نہیں تو دال کھایا کیجئے

کالجوں نے آپ کو خچر بنا ڈالا تو آپ ملک کے اصطبل میں ہنہنایا کیجئے

﴿۴﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِيْ إِلَّا بِخَيْرٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا حیاء نیکی اور بھلائی کے سوا کوئی بات پیدا نہیں کرتی ایک اور روایت میں یہ ہے کہ حیاء کی تمام صورتیں بہتر ہیں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "الا بخیر" سوال یہ ہے کہ بعض اوقات حیاء کی وجہ سے حق بات کہنا رہ جاتا ہے امر معروف سے آدمی باز رہ جاتا ہے تو کیسے فرمایا کہ حیاء خیر لاتی ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ حیاء ہی نہیں جو حق بات کہنے کے لئے مانع بن جائے۔ بلکہ وہ بزدلی ہے حدیث میں حیاء کی فضیلت کا بیان ہے بزدلی کا نہیں ہے۔ اصل حیاء تو وہ ہے کہ آدمی ان امور سے بچ جائے جن کو شریعت نے برا قرار دیا ہے شریعت نے جن امور کو پسند کیا ہے وہ تو سب خیر ہی خیر ہیں تو اس حدیث میں الا بخیر سے شرعی امور مراد ہیں۔ [3]

جب تم باحیاء نہیں ہو تو جو چاہو کرو

﴿۵﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُوْلٰى إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) [4]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا لوگوں نے پہلے انبیا پر اترنے والے کلام میں سے جو بات پائی ہے وہ یہ ہے کہ جب تو بے شرم ہو جائے تو جو جی چاہے کر۔ (بخاری)

توضیح: "ان مما ادرک الناس" مطلب یہ ہے کہ سابقہ انبیاء کرام پر اترنے والے کلام میں سے جو بات لوگوں کو بطور ورثہ ملی ہے اور جو ثابت غیر منسوخ چلی آرہی ہے وہ یہ ہے کہ جب تم میں حیاء باقی نہ رہی اور تم بے شرم ہو گئے تو پھر جو چاہو کر لیا کرو۔ [5]

ع بے حیاء باش وہر چہ خواہی کن [6]

---

[1] المرقات: ۸/۷۹۹،۸۰۰ [2] اخرجه البخاری: ۸/۳۵ ومسلم: ۱/۳۶

[3] المرقات: ۸/۸۰۰ [4] اخرجه البخاری: ۸/۳۵ [5] المرقات: ۸/۸۰۱

"فاصنع" یہ امر کا صیغہ ہے لیکن اس سے حکم دینا یا کسی چیز کا طلب کرنا مراد نہیں ہے بلکہ یہ امر انشاء بمعنی خبر ہے یعنی انسان کو قابو کرنے اور بری حرکتوں سے روکنے والی چیز حیاء ہے جب کسی نے حیاء اور شرم کو اٹھا کر بالائے طاق رکھ دیا اور بے حیائی کو شیوہ بنالیا تو وہ جو چاہیگا کریگا۔

یا یہ امر کا صیغہ ہے مگر بطور توبیخ وتہدید ہے یعنی جو چاہو کرو لیکن یاد رکھو ایک نہ ایک دن حساب کا آئے گا اس کے لئے تیار رہو۔[1]

گناہ کی پہچان کیا ہے

﴿۶﴾ وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ فَقَالَ اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت نواس ابن سمعان کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے نیکی اور گناہ کے بارے میں پوچھا (کہ نیکی کیا ہے اور گناہ کیا ہے؟) تو آپ نے فرمایا کہ نیکی خوش خلقی کا نام ہے (یعنی نیکی کی عمدہ صورت خوش خلقی ہے) اور گناہ وہ (کام) ہے جو تمہارے دل میں تردد پیدا کردے اور تم اس بات کو پسند نہ کرو کہ لوگ تمہارے اس کام سے واقف ہوجائیں۔

(مسلم)

توضیح: "ما حاك" یعنی گناہ کی پہچان یہ ہے کہ اس عمل کے دوران آدمی کے دل میں ایک کھٹکا اور تردد پیدا ہو کہ شاید یہ گناہ کا کام ہے۔ دل میں خلش ہو اور تردد ہو کہ جو کچھ میں کررہا ہوں یہ اچھا نہیں ہے تو سمجھ لو کہ یہ گناہ کا کام ہے۔ دوسری پہچان یہ ہے کہ اس کام کو عوام الناس کے سامنے ظاہر کرنے کی جرأت نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کے چھپانے کی کوشش ہوتی ہے لیکن یہ بات ان لوگوں کی ہے جن کے دل شیشہ کی طرح صاف ہوں ان کو یہ تردد اور خلش پیدا ہوتا ہے ورنہ بے دین لوگوں کے دلوں میں گناہ کی وجہ سے کوئی کھٹکا اور تردد پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ ڈنکے کی چوٹ پر گناہ کرتے ہیں۔[3]

خوش اخلاقی کی فضیلت

﴿۷﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَيَّ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں سے وہ شخص مجھ کو بہت پیارا ہے جو اچھے اخلاق کا حامل ہو۔ (بخاری)

[1] المرقات: ۸/۸۰۱ [2] اخرجہ مسلم: ۴/۴۲۱ [3] المرقات: ۸/۸۰۲ [4] اخرجہ البخاری: ۸/۱۵

﴿۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)۱

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں، (بخاری ومسلم)

الفصل الثانی

نرمی سے محروم ہر خیر سے محروم ہے

﴿۹﴾ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ اُعْطِيَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ حُرِمَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)۲

ترجمہ: حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو نرمی میں سے حصہ دیا گیا اس کو گویا دنیا و آخرت کی بھلائیوں میں سے حصہ عطا ہوا اور جو شخص نرمی میں سے اپنے حصے سے محروم رہا وہ گویا دنیا و آخرت کی بھلائیوں میں سے اپنے حصہ سے محروم کیا گیا، (شرح السنہ)

حیاء ایمان کا جزء ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ وَالْاِيْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)۳

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیا (یعنی برے کاموں سے حجاب رکھنا) ایمان کا جزء ہے اور ایمان (یعنی مؤمن) جنت میں جائے گا اور بے حیائی (کہ جس کی وجہ سے فحش باتوں اور بری باتوں کا ارتکاب ہوتا ہے) بدی کا جزء ہے اور بدی دوزخ کی آگ میں جائے گی۔ (احمد، ترمذی)

توضیح: "البذاء" بے حیائی اور فحش گفتگو کو البذاء کہتے ہیں۔ ۴ "الجفاء" بدی برائی اور گنوار پن اور جہالت کو جفاء کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جٹ ہونا، اجڈ جاہل ہونا، بدگو بداخلاق اور فحش گفتگو کرنے والا آدمی دوزخ میں ہوگا اب اگر یہ شخص اعتقادی منافق ہے تو دائماً دوزخ میں رہیگا اور اگر عملی منافق ہے تو سزا بھگتنے کے بعد چھوٹ جائے گا۔ ۵

۱ اخرجه البخاري: ۳/۲۳۰ ومسلم: ۲/۳۲۶ ۲ اخرجه البغوي في شرح السنة:
۳ والترمذي: ۳/۳۶۵ واحمد: ۱/۵۰۱ ۴ المرقات: ۸/۸۰۶ ۵ المرقات: ۸/۸۰۶

خوش اخلاقی بہترین عطیۂ خداوندی ہے

﴿۱۱﴾ وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ مُزَيْنَةَ قَالَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ مَاخَيْرُمَاأُعْطِيَ الْإِنْسَانُ؟ قَالَ الْخُلُقُ الْحَسَنُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ [1]

ترجمہ: اور قبیلۂ مزینہ کے ایک شخص کا بیان ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! جو چیزیں انسان کو عطا کی گئی ہیں ان میں سے بہترین چیز کیا ہے؟ تو حضور نے فرمایا خوش خلقی۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور شرح السنۃ میں یہ روایت اسامہ ابن شریک سے منقول ہے۔

بداخلاقی کی مذمت

﴿۱۲﴾ وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَّاظُ وَلَاالْجَعْظَرِيُّ قَالَ وَالْجَوَّاظُ الْغَلِيْظُ الْفَظُّ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ فِيْ سُنَنِهِ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَصَاحِبُ جَامِعِ الْأُصُوْلِ فِيْهِ عَنْ حَارِثَةَ وَكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ وَلَفْظُهُ قَالَ لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَّاظُ الْجَعْظَرِيُّ يُقَالُ الْجَعْظَرِيُّ الْفَظُّ الْغَلِيْظُ وَفِيْ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ عِكْرَمَةَ بْنِ وَهْبٍ وَلَفْظُهُ قَالَ وَالْجَوَّاظُ الَّذِيْ جَمَعَ وَمَنَعَ وَالْجَعْظَرِيُّ الْغَلِيْظُ الْفَظُّ) [2]

ترجمہ: اور حضرت حارثہ ابن وہب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جنت میں نہ تو سخت کلام داخل ہوگا اور نہ بدخلق اور راوی کہتے ہیں کہ جواظ کے معنی ہیں سخت کلام اور بدخلق، اس روایت کو ابوداود نے اپنی سنن میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے نیز صاحب جامع الاصول نے بھی جامع الاصول میں اس روایت کو حارثہ ہی سے نقل کیا ہے اور اسی طرح یہ روایت شرح السنۃ میں حضرت حارثہ ہی سے ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے کہ جنت میں جواظ جعظری داخل نہیں ہوگا (گویا کہ ان الفاظ میں جعظری کو جواظ کی صفت قرار دیا گیا ہے) اور کہا گیا ہے کہ جعظری کے معنی ہیں بدخلق اور سخت کلام (یعنی اس روایت کے مطابق جواظ اور جعظری کے ایک ہی معنی ہیں) اور مصابیح کے (بعض) نسخوں میں یہ روایت حضرت عکرمہ ابن وہب سے منقول ہے، ان میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ راوی نے کہا ہے کہ جواظ اس شخص کو کہتے ہیں جو مال و دولت جمع کرے لیکن سائل کو کچھ نہ دے اور جعظری اس شخص کو کہتے ہیں جو سخت کلام اور بدخلق ہو۔

توضیح: "الجواظ ولاالجعظری" یہ دو لفظ ہیں اور دونوں کی تشریح اس حدیث کے ضمن میں کسی راوی نے کی ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں لفظ ہم معنی، مترادف الفاظ ہیں یعنی بداخلاق بدزبان اور بکواس کرنے والا ہے۔ ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ جواظ اور جعظری وہ شخص ہے جو بداخلاق اور سخت دل ہو تو سخت دل کا تعلق باطنی احوال سے ہے جس

[1] اخرجه البهقی: ۶/۲۳۲ [2] اخرجه ابوداؤد: وبغوی فی شرح ۱۳/۷۶

کے لئے الجواظ کا لفظ لایا گیا ہے جس کا ترجمہ الغلیظ سے کیا گیا ہے اور بداخلاق کا تعلق ظاہری احوال سے ہے یہ شخص ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے تباہ حال ہے۔ ملاعلی قاری مزید لکھتے ہیں کہ زیادہ مناسب یہ ہے کہ الجعظری کی تفسیر وتشریح غلیظ قلب سے کی جائے "قال فاللائق ان یفسر الجعظری بغلیظ القلب" اس عبارت سے معلوم ہوا کہ الجواظ کی تفسیر وہی ہے جو کسی راوی نے الغلیظ الفظ سے کی ہے یعنی بداخلاق بدزبان۔ بہر حال الجواظ سے بداخلاق اور الجعظری سے سخت دل مراد لیا گیا ہے اگر ایسا شخص اعتقادی منافق ہے تو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور اگر عملی منافق ہے تو پھر سزا کے بعد جنت میں جائے گا۔[1]

خوش اخلاقی کی فضیلت

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَثْقَلَ شَيْءٍ يُوْضَعُ فِيْ مِيْزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خُلُقٌ حَسَنٌ وَإِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَرَوَى أَبُوْ دَاوُدَ الْفَصْلَ الْأَوَّلَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابودرداء نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن مؤمن کے میزان اعمال میں رکھی جانے والی چیزوں میں بہت وزنی چیز حسن خلق ہے اور اللہ تعالیٰ فحش بکنے والے بے ہودہ گو سے سخت نفرت اور دشمنی رکھتا ہے، اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے نیز ابوداؤد نے بھی اس روایت کا حصہ یعنی "خلق حسن" تک نقل کیا ہے

﴿۱۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّيْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مؤمن (یعنی کامل مؤمن کہ جو عالم باعمل ہوتا ہے) خوش خلقی کے سبب وہ درجہ ومرتبہ حاصل کرتا ہے جو (عبادت وذکر الٰہی کے لئے) شب بیداری کرنے والے اور ہمیشہ دن میں روزہ رکھنے والے کو ملتا ہے۔ (ابوداؤد)

لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کرو

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)[4]

[1] المرقات: ۸/۸۰۶ [2] اخرجه الترمذي: ۴/۳۶۱ [3] اخرجه ابوداؤد: ۴/۲۵۳ [4] اخرجه احمد: ۵/۱۵۳ والترمذي: ۴/۳۵۵ والدارمي: ۲۷۹۴

ترجمہ: اور حضرت ابو درداء کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا اللہ سے ڈرو تم جہاں کہیں بھی ہو اگر تم سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اس کے بعد نیک کام ضرور کر دو تا کہ وہ نیکی اس برائی کو مٹا دے اور لوگوں سے خوش خلقی کے ساتھ معاملہ کرو۔

(احمد، ترمذی، داری)

توضیح: "اتق الله حيث ما كنت" اس جملہ میں درحقیقت تقویٰ کی تعریف ہے یعنی ظاہراً اور باطناً اپنا معاملہ اپنے رب کے ساتھ صاف رکھا جائے یہ تقویٰ ہے۔ دوسرے جملہ میں ہے کہ اگر گناہ ہو جائے تو اس کے بعد فوراً نیک عمل کر لو تا کہ وہ نیکی اس برائی کو مٹا ڈالے کیونکہ یہ ضابطہ ہے "ان الحسنات يذهبن السيئات" یاد رہے اس سے حقوق اللہ میں تقصیر معاف ہو جاتی ہے لیکن حقوق العباد کی تقصیر معاف نہیں ہوتی نیز یہ صغائر کی بات ہے کبائر کے لئے توبہ ہے۔ تیسرے جملہ میں ہے کہ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کرو۔[۱]

نرم مزاج اور نرم خو شخص کی فضیلت

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَّحْرُمُ عَلَى النَّارِ وَبِمَنْ تَحْرُمُ النَّارُ عَلَيْهِ؟ عَلٰى كُلِّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيْبٍ سَهْلٍ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کیا میں بتاؤں کہ وہ شخص کون ہے جو آگ پر حرام ہوگا اور جس پر آگ حرام ہوگی؟ (تو سنو) دوزخ کی آگ ہر اس شخص پر حرام ہوگی جو نرم مزاج، نرم طبیعت ہو، لوگوں سے نزدیک اور نرم خو ہو، اس روایت کو احمد اور ترمذی نے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح: "على كل هين" آگ کا انسان پر حرام ہونا اور انسان کا آگ پر حرام ہونا۔ اس جملہ میں بڑی تاکید اور مبالغہ ہے دونوں جملوں کا مآل اور مفہوم ایک ہی ہے کہ ایسا شخص ہر مصیبت سے آزاد ہے آنحضرت ﷺ نے سوال کے جواب کا انتظار نہیں کیا بلکہ خود ہی جواب دیا ھین اور لین دونوں کا معنی ایک ہی ہے یعنی نرم مزاج اور نرم خو آدمی دوزخ کی آگ پر حرام ہے "قریب" یعنی خوش اخلاق ہے اس لئے لوگوں سے قریب ہے کنارہ کش نہیں ہے [۳] "سھل" آسان اور نرم اخلاق والا ہے ان تینوں الفاظ کے اوقات حالات اور مواقع مختلف ہو سکتے ہیں یعنی کسی پر بوجھ نہیں بنتا، بے تکلف ہے یہ ھین کا مصداق ہو سکتا ہے اور نرم طبیعت کا مالک ہے یہ عام اخلاق کے اعتبار سے ہو سکتا ہے جو لین کا مصداق بن سکتا ہے اور سھل کا تعلق ممکن الحصول سے ہو سکتا ہے کہ نرم اخلاق والا ہے اس لئے لوگوں سے چھپتا نہیں بلکہ عام میل جول رکھتا ہے یہ چھوٹے چھوٹے فرق بنائے جا سکتے ہیں اگرچہ شارحین نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔[۴]

[۱] المرقات: ۸/۸۱۰ [۲] اخرجه احمد: ۱/۴۱۵ والترمذی: ۴/۶۵۴ [۳] المرقات: ۸/۸۱۲ [۴] المرقات: ۸/۸۱۲

مؤمن بھولا بھالا اور منافق مکار ہوتا ہے

﴿۱۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ کَرِیْمٌ وَالْفَاجِرُ خَبٌّ لَئِیْمٌ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا نیکوکار مومن بڑا بھولا اور شریف ہوتا ہے جب کہ بدکار منافق بڑا مکار و بخیل اور کمینہ ہوتا ہے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

توضیح: "غر کریم" یعنی مؤمن سیدھا سادہ اور بھولا بھالا ہوتا ہے نہایت شرافت کی وجہ سے دھوکہ کھاجاتا ہے زیادہ آزمودہ تجربہ کار اور عیار، دعار، شطار، مکار نہیں ہوتا، فرزدق شاعر نے یوں نقشہ پیش کیا ہے۔

ان الکریم اذا خادعته انخدعا — واستمطروا من قریش کل منخدع[۲]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اپنے غلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تو آزاد فرماتے تھے کسی نے کہا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں ہوسکتا ہے یہ دھوکہ دیتے ہوں۔ آپ نے جواب میں فرمایا "من خادعنا باللہ ننخدع" یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے نام پر ہمیں دھوکہ دیتا ہے ہم اس سے دھوکہ کھاجاتے ہیں۔

یاد رہے زیر بحث حدیث میں غر کریم سے کوئی بیوقوف آدمی مراد نہیں ہے بلکہ ایسا شخص مراد ہے جو دنیا کے معاملات میں دخل دینا نہیں چاہتا، یہ اس کے مزاج کی شرافت ہے سب کچھ سمجھ لیتا ہے مگر دخل نہیں دیتا، رہ گیا دین کا معاملہ تو اس میں نہایت بیدار مغز ہوتا ہے جس طرح حدیث میں ہے "اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الایمان" اور جیسا حدیث میں ہے "المؤمن لا یلدغ من جحر واحد مرتین" اور جس طرح روم کے بادشاہ کے سامنے ایک صحابی نے حضرت عمر فاروق کے متعلق فرمایا "اَمِیْرُنَا لَا یَخْدَعُ وَلَا یُخْدَعُ" یعنی ہمارا امیر نہ کسی کو دھوکہ دیتا ہے نہ کسی سے دھوکہ کھاتا ہے۔

"خب" فاجر سے مراد منافق اور بدکار آدمی ہے خب خا پر فتحہ ہے اور با پر شد ہے۔ مکار و عیار و شطار اور دعار شخص کو کہتے ہیں حدیث کا خلاصہ یہ نکلا کہ مؤمن بھولا بھالا ہوتا ہے مگر جہالت کی وجہ سے نہیں بلکہ شرافت کی وجہ سے اور منافق تیز طرار ہوتا ہے مگر عقل کی وجہ سے نہیں بلکہ خباثت اور شرارت کی وجہ سے[۳] ﴿ولکل وجهة هو مولیها﴾[۴]

مؤمن کی شان

﴿۱۸﴾ وَعَنْ مَکْحُوْلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُوْنَ هَیِّنُوْنَ لَیِّنُوْنَ کَالْجَمَلِ الْاَنِفِ اِنْ قِیْدَ انْقَادَ وَاِنْ اُنِیْخَ عَلٰی صَخْرَةٍ اسْتَنَاخَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ مُرْسَلًا)[۵]

---

[۱] اخرجه احمد: والترمذی: ۴/۳۴۴ وابوداؤد: ۴/۲۵۱ [۲] المرقات: ۸/۸۱۳

[۳] المرقات: ۸/۸۱۳ [۴] سورة بقره ۱۴۸ [۵] اخرجه الترمذی:

ترجمہ: اور حضرت مکحول کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ایمان رکھنے والے لوگ بردبار، نرم خو اور فرمانبردار ہوتے ہیں اس اونٹ کی مانند جس کی ناک میں نکیل پڑی ہو کہ اگر اس کو کھینچا جائے تو کھنچتا چلا آئے اور اگر بٹھایا جائے تو پتھر پر بیٹھ جائے، اس حدیث کو ترمذی نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

توضیح: یعنی مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ فرمانبردار تابعدار صاحب انکسار عاجز اور نرم خو ہوتا ہے جس طرح ایک اونٹ کی ناک میں نکیل پڑی ہو اور وہ مالک کے ہاتھ میں ہو چاہے اسے کھینچ کرلے جائے یا اسے پتھر پر بٹھلائے ہر حالت کو قبول کرنے کے لئے تیار رہتا ہے [۱] "ان قید" کھینچنے کے معنی میں ہے [۲] "انیخ" بٹھلانے کے معنی میں ہے۔ [۳] "استناخ" بیٹھ جانے کے معنی میں ہے۔ [۴]

لوگوں کی تکلیفوں پر صبر کرنا باعث اجر ہے

﴿۱۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْلِمُ الَّذِيْ يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلٰى اَذَاهُمْ اَفْضَلُ مِنَ الَّذِيْ لَا يُخَالِطُهُمْ وَلَا يَصْبِرُ عَلٰى اَذَاهُمْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو مسلمان لوگوں کے ساتھ ربط واختلاط رکھے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرے وہ اجر وثواب کے اعتبار سے اس سے افضل ہے جو لوگوں سے ربط واختلاط نہ رکھے اور ان کی اذیتوں پر صبر نہ کرے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: "یخالط" یعنی جو شخص لوگوں سے میل جول رکھتا ہے، ان کی نگرانی کرتا ہے، رہنمائی کرتا ہے اور امر معروف اور نہی منکر کرتا ہے اور اس میں لوگوں کی طرف سے تکلیف اٹھاتا ہے، اس کو برداشت کرتا ہے یہ شخص اس گوشہ نشین شخص سے بہتر ہے جو تنہائی میں عبادت کرتا ہے اور لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے ان کے کسی معاملہ میں دلچسپی نہیں لیتا دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلا شخص خالق اور مخلوق دونوں کو راضی کرتا ہے جو کامل اخلاق ہیں اس لئے یہ افضل ہے اور دوسرا شخص صرف خالق کی رضا کی کوشش کرتا ہے مخلوق کو نظر انداز کرتا ہے جو نقص ہے اس لئے یہ مفضول ہے لیکن یہ یاد رکھیں کہ یہ دو نظریے اور دو مختلف رویے اپنے اپنے زمانے میں، الگ الگ مقامات، الگ الگ حالات اور مختلف اقوام کے خصوصی مفادات کے پیش نظر چلیں گے بعض عوام کے خصوصی احوال کے پیش نظر پہلا نظریہ کامیاب ہوگا۔ اور بعض کیساتھ دوسرا نظریہ بہتر رہیگا دونوں کا دارومدار دین اور دنیا کے فائدے پر ہوگا ایک اللہ والے نے اپنے زمانہ میں کہا کہ میرا مقام امام احمد بن حنبل سے بڑھ کر تھا لیکن وہ مرتبہ کے لحاظ سے مجھ سے آگے نکل گئے کیونکہ وہ شادی شدہ ہیں بچوں کے باپ ہیں اور میری شادی نہیں مجرد ہوں اور مجرد اور غیر مجرد میں فرق ہوتا ہے۔

---

[۱] المرقات: ۸/۸۱۳ [۲] المرقات: ۸/۱۳ [۳] المرقات: ۸/۸۱۴
[۴] المرقات: ۸/۸۱۴ [۵] اخرجه الترمذی: ۴/۶۶۲ وابن ماجه: ۲/۱۳۳۸

دوسرے کی خاطر اپنا حق دبانے کی فضیلت

﴿۲۰﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى اَنْ يُّنَفِّذَهٗ دَعَاهُ اللّٰهُ عَلٰى رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُخَيِّرَهٗ فِيْ اَيِّ الْحُوْرِ شَاءَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوُدَ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَبْنَاءِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ مَلَاَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ اَمْنًا وَّاِيْمَانًا وَذُكِرَ حَدِيْثُ سُوَيْدٍ مَنْ تَرَكَ لُبْسَ ثَوْبِ جَمَالٍ فِيْ كِتَابِ اللِّبَاسِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سہل بن معاذ اپنے والد (حضرت معاذ) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے غصہ کو پی جائے باوجودیکہ وہ اس غصہ پر عمل کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو مخلوق کے روبرو بلائے گا اور اس کو یہ اختیار دے گا کہ وہ جس حور کو چاہے پسند کرلے، اس روایت کو ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اور ابوداؤد کی ایک اور روایت میں جو انہوں نے سوید بن وہب سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے کسی صحابی کے ایک صاحبزادے سے نقل کی ہے یہ الفاظ ہیں کہ حضور نے اس طرح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے دل کو امن وامان سے معمور کریگا (جو اپنے غصہ کو پی جائے) اور حضرت سوید کی یہ روایت "من ترك لبس ثوب جمال" کتاب اللباس میں نقل کی جا چکی ہے۔

الفصل الثالث

اسلام کی بنیاد شرم وحیاء پر ہے

﴿۲۱﴾ عَنْ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَيَاءُ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ اَنَسٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ)[2]

ترجمہ: اور حضرت زید بن طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہر دین اور مذہب میں ایک خلق ہے اور اسلام کا وہ خلق حیاء ہے۔ اس روایت کو مالک نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔ نیز ابن ماجہ اور شعب الایمان میں بیہقی نے اس روایت کو حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

توضیح: "خلقاً" یعنی ہر آسمانی دین کا ایک غالب مزاج رہا ہے اور اس کا ایک بنیادی مقصد رہا ہے اور اس کا ایک خاص رجحان رہا ہے اور اس کی ایک نمایاں صفت رہی ہے جو باقی اوصاف پر غالب رہی ہے، اسلام میں وہ صفت وطبیعت اور وہ میلان ورجحان حیاء ہے اگرچہ دوسرے مذاہب میں بھی حیاء کا حکم تھا لیکن اسلام کا غالب مزاج

[1] المرقات: ۸/۸۱۴، ۸۱۵ [2] اخرجہ الترمذی: ۴/۳۷۲ وابوداؤد: ۴/۲۴۸

حیاء ہے اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد تکمیل مکارم اخلاق قرار دیا جس میں حیا سرفہرست ہے آپ نے فرمایا، "**انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق**" ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا "**استحیوا من اللہ حق الحیاء**"۔[1]

خلاصہ یہ کہ حیاء انسانی گاڑی کے لئے بمنزلہ بریک اور ٹائر راڈ ہے اگر بریک فیل ہوگیا تو نہ معلوم یہ گاڑی کہاں کہاں جا کر ٹکرائے گی اور تباہ و برباد ہوجائے گی۔ آج کل دنیا میں سب سے زیادہ فحاش اور بے حیاء قوم یہود و نصاریٰ ہیں جو فحاشی کو بطور مذہب استعمال کرتے ہیں اور دیگر اقوام میں سپلائی کرتے ہیں۔[2]

ایمان اور حیاء لازم وملزوم ہیں

﴿۲۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَيَاءَ وَالْاِيْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِيْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَاِذَا سُلِبَ اَحَدُهُمَا تَبِعَهُ الْاٰخَرُ.

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حیا اور ایمان کو ایک دوسرے کے ساتھ یکجا کیا گیا ہے لہٰذا جب کسی کو ان دونوں میں سے کسی ایک سے محروم کیا جاتا ہے تو وہ دوسرے سے بھی محروم رکھا جاتا ہے اور ایک دوسری روایت میں جو حضرت ابن عباس سے منقول ہے یوں ہے کہ ان دونوں میں سے جب ایک کو دور کیا جاتا ہے تو دوسرا بھی جاتا رہتا ہے۔ (بیہقی)

خوش خلقی کی اہمیت

﴿۲۳﴾ وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ كَانَ اٰخِرُ مَا وَصَّانِيْ بِهٖ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ وَضَعْتُ رِجْلِيْ فِي الْغَرْزِ اَنْ قَالَ يَا مُعَاذُ اَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ. (رَوَاهُ مَالِكٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت معاذ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے جن باتوں کی نصیحت و وصیت فرمائی ان میں سب سے آخری وصیت جو آپ نے اس وقت فرمائی جبکہ میں نے گھوڑے پر سوار ہونے کے لئے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا تھا یہ تھی کہ معاذ! لوگوں کی تربیت و تعلیم کے لئے خوش خلقی اختیار کرنا۔ (مالک)

توضیح: "رجلی" حضرت معاذ کو آنحضرت ﷺ نے یمن کا گورنر مقرر فرمایا تھا ان کو رخصت کرتے وقت آنحضرت ﷺ نے خلاف معمول ان کے ساتھ ایسا معاملہ فرمایا جس کی نظیر نہیں ملتی، خود آنحضرت ﷺ پیدل جارہے ہیں اور ان کو گھوڑے پر سوار کیا ہے اور جاتے جاتے ان کو وہ نصائح ارشاد فرماتے ہیں جس کی نظیر نہیں ملتی ابھی حضرت

[1] اخرجہ مالک: ۹۰۵ و ابن ماجہ: ۲/۱۳۹۹ [2] المرقات: ۸/۸۱۶ [3] اخرجہ البیہقی: ۶/۱۳۰ [4] اخرجہ مالک: ۹۰۲

معاذ پورے سوار بھی نہیں ہوئے۔ پاؤں رکاب پر ہی رکھا ہے اور آنحضرت ﷺ نے ایک نادر نصیحت ارشاد فرمائی کہ اے معاذ لوگوں کے ساتھ تعلیم وتربیت کے لئے اپنے اخلاق کو اچھا رکھو، یہاں لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو نصیحت قبول کرنے والے ہوں یا اس کی امید کی جاسکتی ہو لیکن جو لوگ نصیحت کو ٹھکرائیں اور دعوت حق کو مسترد کریں ان سے تلوار کے ذریعہ سے بات ہوگی اب تلوار ان کو سمجھائے گی اور ان کی تربیت جہاد کے میدان میں ہوگی چنانچہ جہاد جس طرح مسلمانوں کے لئے رحمت ہے اسی طرح کفار کے لئے بھی رحمت ہے کیونکہ اس سے کفار کو ہدایت ملتی ہے اور مسلمانوں کو ثواب اور صالح معاشرہ ملتا ہے اور دنیا کو امن ملتا ہے جس طرح اخلاق کی جگہ تلوار استعمال کرنا مناسب نہیں ہے اسی طرح تلوار کی جگہ اخلاق استعمال کرنا مناسب نہیں ہے کسی شاعر نے یہی بات کہی ہے۔ [1]

فوضع الندیٰ فی موضع السیف بالعلیٰ
قبیح کوضع السیف فی موضع الندیٰ

یعنی تلوار استعمال کرنے کے موقع میں احسان کرنا اسی طرح برا ہے جس طرح احسان کی جگہ تلوار کا استعمال برا ہے

آنحضرت کی بعثت کا مقصد تکمیل اخلاق ہے

﴿۲۴﴾ وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّا وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ [2]

ترجمہ: اور حضرت مالک سے منقول ہے کہ ان تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں یعنی اس دنیا میں میری بعثت کا ایک عظیم مقصد یہ ہے کہ انسانی اخلاق واوصاف کو بیان کروں اور ان کو درجہ کمال تک پہنچادوں (موطا امام مالک) اور احمد نے اس روایت کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

آئینہ میں چہرہ دیکھنے کی دعا

﴿۲۵﴾ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَظَرَ فِي الْمِرْاٰةِ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ حَسَّنَ خَلْقِيْ وَخُلُقِيْ وَزَانَ مِنِّيْ مَاشَانَ مِنْ غَيْرِيْ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا) [3]

ترجمہ: اور حضرت جعفر بن محمد اپنے والد بزرگوار حضرت امام باقر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا رسول کریم ﷺ جب آئینہ دیکھتے تو فرماتے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں وہ اللہ جس نے مجھ کو بہترین تخلیق سے نوازا میرے

[1] المرقات: ۸/۸۱۹ [2] اخرجہ مالک: ۹۰۴ [3] اخرجہ البیہقی: ۴/۱۱۱

اخلاق وکردار کو اچھا بنایا اور مجھ میں ان چیزوں کو آراستہ کیا جو میرے غیر میں عیب ونقصان کا باعث ہیں، اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

توضیح: "حسن خلقی" انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور اس کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس کو احسن تقویم میں رکھ کر خوبصورت بنایا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان جب اپنی تخلیق پر نظر کرے تو اپنے رب اور پیدا کرنے والے کا شکر ادا کرے آئینہ میں چہرہ دیکھنے کے وقت پیغمبر اسلام نے امت کو جس دعا کی تعلیم دی ہے اس میں اسی حقیقت کو ظاہر کیا گیا ہے تاکہ انسان اپنا چہرہ دیکھنے کے وقت نہ تو تکبر میں مبتلا ہو اور نہ تخلیق کے پس منظر کو نظر انداز کرے۔

اس حدیث کے ساتھ آنے والی حدیث میں بھی ایک دعا کا ذکر ہے اس میں بھی آنحضرت ﷺ نے امت کو تعلیم دی ہے کہ اس طرح دعا مانگو، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے لئے دعا مانگ رہے ہیں بلکہ امت کی تعلیم کے لئے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ آنے والی حدیث کی تشریح وتوضیح اسی طرح ہے جو اوپر لکھی گئی ہے۔ [۱]

﴿۲۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَأَحْسِنْ خُلُقِيْ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ (یہ دعا) فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! تو نے میری جسمانی تخلیق کو اچھا کیا ہے لہٰذا میرے اخلاق کو بھی اچھا بنا۔ (احمد)

طویل عمر اور اچھے اخلاق بہترین چیزیں ہیں

﴿۲۷﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِخِيَارِكُمْ؟ قَالُوْا بَلٰى قَالَ خِيَارُكُمْ اَطْوَلُكُمْ اَعْمَارًا وَاَحْسَنُكُمْ اَخْلَاقًا. (رَوَاهُ اَحْمَدُ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں بہترین لوگ کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں ضرور بتائیے۔ حضور نے فرمایا تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو لمبی عمر والے ہیں اور جن کے اخلاق بہت اچھے ہیں۔ (احمد)

توضیح: طول عمر کی فضیلت ان لوگوں کے لئے ہے جن کے اعمال اچھے ہوں، جتنی عمر لمبی ہوگی اچھے اعمال زیادہ ہونگے یہ فائدہ کی بات ہے، لیکن جن لوگوں کے اعمال برے ہونگے ان کی عمر اگر طویل ہوگی تو اس میں فائدہ کے بجائے نقصان ہوگا بہر حال اچھے اخلاق اچھے اعمال کا ایک حصہ ہیں۔

[۱] المرقات: ۸/۸۲۰ [۲] اخرجہ احمد: ۶/۶۸ [۳] اخرجہ احمد: ۶/۳۶۹

کامل مؤمن وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں

﴿۲۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا.
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ایمان میں کامل ترین لوگ وہی ہیں جن کے اخلاق بہتر ہیں۔ (ابوداؤد، دارمی)

توضیح: "حسن الخلق" اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ احادیث میں اچھے اخلاق کی جتنی فضیلتیں وارد ہیں اس کے برعکس بداخلاقی کی اتنی ہی مذمت ہوگی اگرچہ مذمت کا ذکر نہ بھی ہو کیونکہ[2]

ع وبضدها تتبین الاشیاء

یہاں چند الفاظ وارد ہیں جو مختلف اکابر کی جانب سے حسن خلق کی تعریف وتعارف میں ہیں:

❶ قال الحسن البصری رحمہ اللہ حسن الخلق بسط الوجه وبذل الندیٰ و کف الاذیٰ

❷ وقال الواسطی رحمہ اللہ هو ان لا یخاصم ولا یخاصم من شدة معرفته بالله

❸ وقال ایضاً هو ارضاء الخلق فی السراء والضراء

❹ وقال سهل رحمہ اللہ ادنی حسن الخلق الاحتمال وترك المكافاة والرحمة للظالم والاستغفار له

حضرت سہل تستری فرماتے ہیں کہ معمولی اخلاق یہ ہیں کہ مخلوق خدا کی ایذا کو برداشت کیا جائے، بدلہ نہ لیا جائے، ظالم پر ترس کھائے اور ان کے لئے استغفار کرے۔

تین بڑی اہم باتیں

﴿۲۹﴾ وَعَنْهُ اَنَّ رَجُلًا شَتَمَ اَبَابَكْرٍ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ يَتَعَجَّبُ وَيَتَبَسَّمُ فَلَمَّا اَكْثَرَ رَدَّ عَلَيْهِ بَعْضَ قَوْلِهٖ فَغَضِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ فَلَحِقَهٗ اَبُوْبَكْرٍ وَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ يَشْتِمُنِيْ وَاَنْتَ جَالِسٌ فَلَمَّا رَدَدْتُّ عَلَيْهِ بَعْضَ قَوْلِهٖ غَضِبْتَ وَقُمْتَ قَالَ كَانَ مَعَكَ مَلَكٌ يَرُدُّ عَلَيْهِ فَلَمَّا رَدَدْتَّ عَلَيْهِ وَقَعَ الشَّيْطَانُ ثُمَّ قَالَ يَا اَبَابَكْرٍ ثَلَاثٌ كُلُّهُنَّ حَقٌّ مَامِنْ

[1] اخرجه ابوداؤد: والدارمی: ۲۶۹۵ [2] المرقات: ۸/۸۲۲

عَبْدٌ ظُلِمَ بِمَظْلَمَةٍ فَيُغْضِي عَنْهَا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا اَعَزَّ اللّٰهُ بِهَا نَصْرَهٗ وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ عَطِيَّةٍ يُرِيْدُ بِهَا صِلَةً اِلَّا زَادَ اللّٰهُ بِهَا كَثْرَةً وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ يُرِيْدُ بِهَا كَثْرَةً اِلَّا زَادَ اللّٰهُ بِهَا قِلَّةً۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ) [۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا، آنحضرت (اس کی سخت سست باتوں کو سن کر) حیرت کرتے اور مسکراتے تھے یہاں تک کہ جب وہ شخص برا بھلا کہنے میں حد سے گزر گیا تو حضرت ابوبکر نے بھی اس کی بعض باتوں کا جواب دیا (یعنی انہوں نے بھی اس شخص کو جواب میں کچھ برا کہا) اس پر نبی کریم ﷺ ناراض ہو گئے اور وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے، حضور کے پیچھے پیچھے حضرت ابوبکر بھی آ گئے اور خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! جب وہ شخص مجھ کو برا بھلا کہہ رہا تھا تو آپ وہاں بیٹھے رہے لیکن میں نے جب اس کی بعض باتوں کا جواب دیا (اور اسی کے الفاظ میں دوسرے انداز میں اس کو برا بھلا کہا تو آپ ناراض ہو گئے اور وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضور نے فرمایا اصل بات یہ ہے کہ جب تک تم خاموش رہے تو) تمہارے ساتھ فرشتہ تھا جو (تمہاری طرف سے) اس کو جواب دے رہا تھا مگر جب تم نے خود جواب دیا (اور اس طرح نفس کی خواہش کا عمل دخل ہو گیا) تو شیطان درمیان میں کود پڑا۔ پھر فرمایا ابوبکر! تین باتیں ہیں اور وہ سب حق ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو بندہ کسی کے ظلم کا شکار ہوتا ہے اور محض اللہ کے لئے اس ظالم سے چشم پوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بناء پر دنیا و آخرت میں اپنی مدد کے ذریعہ اس بندہ کو مضبوط و قوی بناتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جو بھی بندہ اپنی عطاء و بخشش کا دروازہ کھولتا ہے تا کہ اس کے ذریعہ اپنے قرابت داروں اور مسکینوں کے ساتھ احسان اور نیک سلوک کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی عطا و بخشش کے سبب اس کے مال و دولت میں اضافہ کرتا ہے اور تیسرے یہ کہ جو شخص سوال و گدائی کا دروازہ کھولتا ہے تا کہ اس کے ذریعہ اپنی دولت کو بڑھائے تو اللہ تعالیٰ اس کی گدائی کے سبب اس کے مال و دولت کو اور کم کر دیتا ہے۔ (احمد)

اصولی طور پر نرمی میں فائدہ اور سختی میں نقصان ہے

﴿۳۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرِيْدُ اللّٰهُ بِاَهْلِ بَيْتٍ رِفْقًا اِلَّا نَفَعَهُمْ وَلَا يَحْرِمُهُمْ اِيَّاهُ اِلَّا ضَرَّهُمْ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس گھر والوں کے لئے نرمی و مہربانی پسند کرتا ہے اس کے ذریعہ ان کو نفع پہنچاتا ہے اور جس گھر والوں کو نرمی و مہربانی سے محروم رکھتا ہے اس کے ذریعہ ان کو نقصان پہنچاتا ہے۔ (بیہقی)

[۱] اخرجه احمد: ۲/۴۳۶ [۲] اخرجه البيهقي:

مورخہ ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

باب الغضب والکبر

غصہ اور تکبر کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین﴾ [1]

غضب اس شیطانی اغوا اور برانگیختگی کا نام ہے جس کی وجہ سے انسان ظاہری اور باطنی اعتبار سے اپنے طبعی مزاج اور حدود اعتدال سے نکل جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں یہ انسان اس طرح بے مقصد گفتگو اور مذموم افعال کا ارتکاب کرتا ہے جو نہ شریعت میں جائز ہے اور نہ عرف میں اس کو پسند کیا جاتا ہے پھر یہی جنونی کیفیت اس انسان کو مغضوب علیہ سے انتقام کی طرف متوجہ کرتی ہے اور یہ اس پر حملہ آور ہو جاتا ہے، غضب کی اس جنونی کیفیت کا اثر اس شخص کے چہرہ پر بھی ظاہر ہو جاتا ہے چنانچہ اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اور گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں بعض اوقات یہ جنونی کیفیت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ آدمی مر جاتا ہے غضب کا مقابل حلم ہے جو بردباری، سنجیدگی اور وقار کا نام ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

اس بات کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ غضب بذات خود کوئی بری خصلت نہیں ہے کہ اس کو اصلاً قبیح کہا جائے بلکہ غضب تو انسانی کمال کا ایک حصہ ہے لیکن غضب کے استعمال کی وجہ سے اس میں برائی آجاتی ہے مثلاً کوئی شخص حق کو چھوڑ کر باطل کی حمایت میں غضب کو استعمال کرتا ہے احکام شرعیہ کو پامال کرتا ہے عصبیت اور ظلم و تشدد میں غضب کو استعمال کرتا ہے تو یہ ایک بری خصلت اور شریعت کی رُو سے مذموم حرکت ہے لیکن اسی غضب کو اگر کوئی شخص حق کی حمایت میں استعمال کرتا ہے تو یہ غضب نہایت محمود اور پسندیدہ صفت ہے یہی وجہ ہے کہ شریعت انسانی غضب کو ختم نہیں کرنا چاہتی ہے بلکہ اس کو راہ اعتدال پر لا کر اس کی اصلاح کرتی ہے اور اس قوت غضبیہ کو شریعت کا تابع بنانا چاہتی ہے اللہ تعالیٰ نے نباتات اور جمادات کو قوت غضبیہ سے محروم رکھا ہے اس کے علاوہ ہر انسان و حیوان میں غضب کا ایک مادہ رکھا ہے جتنے حیوانات ہیں ان میں غضب کی قوت موجود ہے اور اس کے استعمال کے لئے ان کے پاس مناسب آلات اور ہتھیار بھی موجود ہیں۔

چنانچہ اپنے دفاع کے لئے پرندوں کے پاس پنجے اور چونچ موجود ہیں درندوں کے پاس برچھی نما ناخن اور داڑھ موجود ہیں گائے اور بھینس کے پاس سینگ ہیں جن کے پاس سینگ نہیں تو ان کے پاس ٹانگیں ہیں جو دفاع کا کام کرتی ہیں جیسے گدھا گھوڑا خچر ہیں، ہاتھی اور اونٹ کے پاس جبڑے ہیں جس سے وہ مضبوط سے مضبوط چیز کو پیس کر رکھ دیتے ہیں۔

سانپ کے پاس اگر ظاہر میں کچھ بھی نہیں تو اللہ تعالیٰ نے دفاع کے لئے اس کو ایسا زہر دیا ہے کہ جس سے وہ شیر کو بھی ٹھنڈا کر دیتا ہے اور انسان کو تڑپا کر رکھ دیتا ہے، بچھو اور شہد کی مکھیوں کو ڈنگ مارنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کانٹا دیا ہے یہاں تک

---

[1] نساء: ۱۳۴

کہ مچھر کو ایسا حساس آلہ دیا کہ وہ سیکنڈوں میں انسان کی مضبوط کھال سے خون جاری کر دیتا ہے غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے جب حیوانات کو غضب کی قوت عطا کی تو دفاع کے آلات بھی عطا کر دیئے انسان کو عقل دی جس کے ذریعہ سے وہ اپنے دفاع کے لئے عجیب عجیب حیلے تیار کرتا ہے اور اس کو بروئے کار لاتا ہے جیسے تیز دھار آلے ہیں، گولیاں اور راکٹ اور میزائل ہیں، خلاصہ یہ کہ شریعت قوت غضبیہ کی اصلاح کرتی ہے اس کو ختم نہیں کرتی۔

"**والكبر**" اصل میں کبر کے معنی بڑائی کے ہیں یعنی اپنے آپ کو اس طرح بڑا سمجھنا کہ جس سے دل ودماغ میں خود پسندی، خود بینی اور عُجب پیدا ہو جائے جس کے نتیجہ میں آدمی دوسرے لوگوں کو حقیر وذلیل سمجھنے لگ جائے اور حق کے ٹھکرانے پر اتر آئے، انسان میں چونکہ ذاتی اور حقیقی بڑائی نہیں ہے اس لئے اس کو کبر وتکبر اور شیخی جتلانے سے منع کیا گیا ہے۔ انسان کی حقیقت تو یہ ہے کہ:

ما للتراب وللعلوم وانما　　یسعیٰ لیعلم انه لایعلم

اللہ تعالیٰ جل جلالہ چونکہ ذاتی کبریائی کے مالک ہیں وہ **المستجمع لجمیع صفات الکمال** ہیں اس لئے کبریائی اور بڑائی ان کے ساتھ خاص ہے وہ الجبار المتکبر ہیں انہوں نے اعلان کیا ہے: "**الکبریاء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی فیهما قذفته النار**"

اسی وجہ سے انسان کو میدان کبریائی میں قدم رکھنے کی کوشش کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کو تواضع اور عاجزی کی تعلیم دی گئی ہے اگر کسی انسان میں عطائی فضائل ہوں، اس پر وہ شکر تو کر سکتا ہے لیکن بڑائی کا دعویٰ نہیں کر سکتا لوگ اگر اس کو بڑا سمجھتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی قبولیت ہے جیسے ایک دعا میں ہے "**اللهم اجعلنی فی عینی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا**" بہر حال استکبار اور ذلت وصغار دونوں منع ہیں تواضع میں توسط اور اعتدال ہے نبی پاک کی تعلیمات میں غصہ ٹھنڈا کرنے کا علاج بھی موجود ہے کہ غصہ میں مبتلا شخص غسل کرے یا وضو بنائے یا ٹھنڈا پانی استعمال کرے یا اعوذ باللہ پڑھے کھڑا ہو تو بیٹھ جائے بیٹھا ہوا ہو تو لیٹ جائے یا اس کے عکس کرے کیونکہ حالت بدل دینے سے غصہ جاتا رہتا ہے۔[1]

الفصل الاول

غصہ کرنے سے اجتناب کی تاکید

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْصِنِیْ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّ ذٰلِكَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرما دیجئے

[1] المرقات: ۸/۸۵　[2] اخرجه البخاری: ۸/۳۵

آپ نے فرمایا غصہ مت کرو اس شخص نے یہ بات کئی مرتبہ کہی اور آپ نے ہر مرتبہ یہی فرمایا کہ غصہ مت کرو۔ (بخاری)

توضیح: "لاتغضب" اس شخص کو آنحضرت ﷺ نے بار بار یہی فرمایا کہ "غصہ" نہ کر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص میں صبر کی کمزوری تھی اور غضب کا مادہ زیادہ تھا یہ شخص بار بار درخواست کر رہا تھا کہ اے اللہ کے رسول مجھے کوئی وصیت ونصیحت کریں مگر آنحضرت ﷺ نے بار بار تاکید کی کہ غصہ نہ کر کیونکہ درحقیقت غضب عقل کی مغلوبیت کا نام ہے اور جب عقل مغلوب ہوجائے تو یہ ایک برائی نہیں بلکہ تمام برائیوں کی جڑ ہے جب عقل مغلوب ہوجائے تو پھر کیا رہ گیا؟ گویا اس شخص کے لئے بڑی نصیحت یہ تھی کہ غصہ نہ کر تم جب غصہ نہیں کروگے تو دین اور دنیا کے فوائد پاؤگے۔[۱]

غصہ کو قابو کرنے والا اصل پہلوان ہے

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا طاقتور اور پہلوان وہ شخص نہیں جو لوگوں کو پچھاڑے بلکہ طاقتور اور پہلوان وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "یملك نفسه" یعنی یہ کوئی کمال نہیں کہ کسی کو کشتی میں گرایا جائے یا پنجہ آزمائی میں غلبہ حاصل کیا جائے اور پہلوانی کا تمغہ اس کو مل جائے لیکن غصہ اور غضب کے وقت وہ شخص مغلوب الحال بن کر آپے سے باہر ہوجائے اور اول فول بکنے لگ جائے اور جنگ شروع کرے پہلوانی کی زورآزمائی میں تو وہ مضبوط رہا مگر غصہ کے ہاتھوں شکست کھا گیا۔[۳] گلستان سعدی میں بابا سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک پہلوان غصہ سے مغلوب ہو کر اول فول بک رہا تھا آنکھیں لال ہوگئیں تھیں گردن کی رگیں پھول گئیں تھیں اور چہرہ سرخ ہوگیا تھا بابا سعدی نے پوچھا یہ شخص کون ہے اور اس کو کیا ہوگیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ پہلوان ہے کسی نے غصہ میں ڈالا ہے اس لئے یہ کیفیت ہوگئی بابا سعدی نے فرمایا عجیب پہلوان ہے کہ پنجہ آزمائی میں تو ثابت قدم رہتا ہے لیکن زبان کی ذراسی بات کے سامنے گر کر چت لیٹ گیا ہے۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ظاہری قوت کی بجائے باطنی قوت کو اصل قرار دیا ہے اور دنیوی قوت کی بجائے دین کی قوت کو اصل قرار دیا ہے "الشدید" سے مراد پہلوان ہے۔ "بالصرعة" صرعہ کشتی اور دھینگا مشتی کو کہتے ہیں۔[۴]

جنتی اور دوزخی لوگوں کی علامات

﴿۳﴾ وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ؟

[۱] المرقات: ۸/۸۲۵ [۲] اخرجه البخاری: ۸/۳۴ ومسلم: ۲/۴۳۹ [۳] المرقات: ۸/۸۲۶ [۴] المرقات: ۸/۸۲۶

كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ؛ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ كُلُّ جَوَّاظٍ زَنِيمٍ مُتَكَبِّرٍ. [۱]

ترجمہ: اور حضرت حارثہ بن وہب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کیا میں جنتیوں کو بتلا دوں یعنی کیا میں یہ کہوں کہ کون لوگ جنتی ہیں؟ (تو سنو) ہر وہ ضعیف شخص (جنتی ہے) جس کو لوگ ضعیف و حقیر سمجھیں (اور اس کی کمزوری و شکستہ حالی کی وجہ سے اس کے ساتھ جبر و تکبر کا معاملہ کریں، حالانکہ (حقیقت کے اعتبار سے وہ ضعیف و کمزور اللہ کے نزدیک اس قدر اونچا مرتبہ رکھتا ہے کہ) اگر وہ اللہ کے بھروسہ پر کسی بات پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو سچا کر دے۔ اور کیا میں تمہیں وہ لوگ بتلا دوں جو دوزخی ہیں؟ (تو سنو) ہر وہ شخص جو جھوٹی اور لغو باتوں پر سخت گوئی کرنے والا جھگڑالو ہو، مال جمع کرنے والا بخیل ہو اور تکبر کرنے والا ہو۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہر وہ شخص جو مال جمع کرنے والا حرام زادہ اور تکبر کرنے والا ہو۔

توضیح: ضعیف تو کمزور کو کہتے ہیں لیکن متضعف اس کو کہا جاتا ہے جو خود کمزور نہ ہو لیکن لوگ اس کو حقیر اور کمزور سمجھتے ہوں مطلب یہ کہ جو کمزور اور گمنام ہو نہ گھمنڈ والا ہو نہ تکبر والا ہو یہ جنتی آدمی ہے۔ [۲] **"لو اقسم"** یعنی اگر وہ کسی بات پر قسم کھائے کہ یہ کام ایسا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی لاج رکھتا ہے جس طرح حضرت انس نے قسم کھائی تھی کہ اس کی پھوپھی کے دانت نہیں توڑے جائیں گے پھر ایسا ہی ہوا۔ [۳]

"عتل" سخت سرکش جھگڑالو کو کہتے ہیں۔ [۴] **"جواظ"** اس کی ایک تشریح یہ بھی ہے کہ "**ای جمع ومنع**" متکبر سخت متکبر مراد ہے پہلے تشریح ہو چکی ہے۔ [۵]

"**زنیم**" بدنام اور ولد زنا کو زنیم کہتے ہیں معروف بالشر کو بھی کہتے ہیں قرآن کی آیت ہے [۶] ﴿**عتل بعد ذلك زنيم**﴾ [۷]

تکبر کرنے والا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا

﴿۴﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۸]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا وہ شخص (ہمیشہ کیلئے) دوزخ میں داخل نہیں ہوگا

[۱] اخرجه البخاری: ۶/۱۹۸ ومسلم: ۲/۵۳۶ [۲] المرقات: ۸/۸۲۶ [۳] المرقات: ۸/۸۲۶ [۴] المرقات: ۸/۸۲۶
[۵] المرقات: ۸/۸۲۶ [۶] المرقات: ۸/۸۲۸ [۷] قلم: ۱۳ [۸] اخرجه مسلم: ۱/۵۱

جس کے دل میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہوگا۔ اور وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ برابر بھی تکبر ہوگا۔ (مسلم)

توضیح: "لایدخل" اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر ایمان ہوگا وہ دوزخ سے نکل آئے گا کافر کی طرح ہمیشہ اندر نہیں رہیگا، اسی طرح جس شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر تکبر ہوگا وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ کبر اور تکبر سے یہاں کفر و شرک مراد ہے جیسا کہ آئندہ حدیث نمبر ۵ میں آرہا ہے کہ کبر "بطریق الحق وغمط الناس" کے معنی میں ہے۔ یعنی حق کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھنا۔ ظاہر ہے جو آدمی حق کو ٹھکراتا ہے وہ مسلمان کہاں رہ سکتا ہے۔ اس حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہاں کبر سے کفر مراد نہیں بلکہ خود پسندی گھمنڈ اور غرور مراد ہے تو اس کا حاصل یہ نکلا کہ یہ شخص گناہ گار ہے دخول اولی کے ساتھ جنت میں نہیں جائے گا البتہ سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے گا۔[1]

تکبر کی حقیقت و ماہیت

﴿۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَنَعْلُهٗ حَسَنًا قَالَ إِنَّ اللهَ تَعَالٰى جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔ (یہ سنکر) ایک شخص نے عرض کیا کہ کوئی آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس عمدہ ہو اور اس کے جوتے اچھے ہوں (اور وہ اپنی اس پسند وخواہش کے تحت اچھا لباس پہنتا ہے اور اچھے جوتے استعمال کرتا ہے تو کیا اس کو بھی تکبر کہیں گے؟) آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل یعنی اچھا اور آراستہ ہے اور جمال یعنی اچھائی اور آراستگی کو پسند کرتا ہے اور تکبر یہ ہے کہ حق بات کو ہٹ دھرمی کے ساتھ نہ مانا جائے اور لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھا جائے۔ (مسلم)

توضیح: "ثوبه حسنا" سائل کا مطلب یہ تھا کہ اچھے کپڑے اور اچھا جوتا اور اچھا رہنا سہنا ہر مسلمان پسند کرتا ہے تو کیا یہ بھی تکبر کے دائرہ میں آتا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ نہیں! یہ تو زینت و جمال ہے اور جمال اللہ تعالیٰ کو پسند ہے تکبر یہ ہے کہ آدمی حق کو ٹھکرائے اور لوگوں کو حقیر و ذلیل جان کر دور بھگائے یعنی اصل تکبر اس خود پسندی اور غرور کا نام ہے جو انسان کو حق سے ہٹادے اور راہ راست سے بھٹکادے۔[3]

"جمیل" باطنی خوبیوں اور اچھے صفات پر جمال کا لفظ بولا جاتا ہے گویا جمال کا تعلق باطنی خوبیوں سے ہے اس لئے اس

[1] المرقات: ۸/۸۲۸ [2] اخرجہ مسلم: ۱/۵۱ [3] المرقات: ۸/۸۲۹

کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے "اللّٰہ جمیل" کہہ سکتے ہیں لیکن حسن کا تعلق ظاہری جسمانی اعضا کے تناسب سے ہے اس لئے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوتا اور اللّٰہ حسین کہنا جائز نہیں۔ [1]

تین بڑے بدبخت لوگ

﴿۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَفِیْ رِوَايَةٍ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ شَيْخٌ زَانٍ وَمَلِكٌ كَذَّابٌ وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کی تعریف وستائش کرے گا اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اور نہ ان کی طرف (رحمت وعنایت کی نظر سے) دیکھے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ ایک تو زنا کار بڈھا، دوسرا جھوٹا بادشاہ اور تیسرا تکبر کرنے والا مفلس۔ (مسلم)

توضیح: "ثلاثة" یعنی تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا یہ ترستے ہونگے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں اور ان سے ہمکلام ہوں لیکن ان کو رحمت کے اس میدان سے دور رکھا جائے گا۔ [3] **"شیخ زان"** ان تینوں میں سے ایک قسم کے لوگ وہ ہیں کہ خود بوڑھے ہوچکے ہونگے مگر پھر بھی زنا میں مبتلا ہونگے بوڑھے زانی کا گناہ اس لئے بڑھ کر ہے کہ جوانی میں شہوت کا جنون اور ہیجان ہوتا ہے جوش وجذبہ اور مردمی طاقت مجبور کرتی ہے تو اگرچہ جوانی میں بھی زنا کرنا گناہ ہے مگر کچھ مجبوری بھی ہے لیکن بڑھاپے میں قوت شہویہ ماند پڑ جاتی ہے بڈھے گڈھے میں جنسی خواہش بھی غالب نہیں ہوتی قبر بھی قریب ہے ایسی حالت میں زنا کرنا صرف خباثت نفسی ہے نہ کہ غلبہ جنسی ہے۔ **"وملك كذاب"** جھوٹ بولنا ہر شخص کے لئے گناہ ہے لیکن بادشاہ کے لئے اوروں سے بڑھ کر گناہ اس لئے ہے کہ بادشاہ کی وجہ سے رعایا جھوٹ پر لگ جائے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ بادشاہ کی کوئی مجبوری نہیں ہے وہ خود مختار ہوتا ہے اس کو کوئی ضرورت نہیں ہوتی تو باوجود خود مختار ہونے اور غیر مجبور ہونے کے بے ضرورت جھوٹ بولنا جھوٹ کے عام گناہ سے بڑھ کر خباثت ہے۔ **"وعائل مستکبر"** عائل صاحب عیال فقیر کو کہا جاتا ہے اب ایک شخص فقیر بھی ہے عیال دار بھی ہے اس مجبوری اور احتیاج کے باوجود وہ زکوٰۃ صدقات لینے سے انکار کرتا ہے اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو ہلاکت میں ڈالتا ہے اور یہ سب کچھ ایسے تکبر کی بنیاد پر کر رہا ہے جہاں تکبر کی گنجائش نہیں ہے اس لئے یہ گناہ اس قسم کے دیگر گناہوں سے بڑھ کر ہے۔ سوال کرنے اور زکوٰۃ لینے سے اپنے آپ کو بچانا ایک اچھا عمل ہے لیکن اس طرح احتیاج کے باوجود احتیاج کو ازراہ تکبر وغرور چھپانا مزید گناہ ہے اس لئے اس کا

[1] المرقات: ۸/۸۲۹ [2] اخرجه مسلم: ۰۷۱ [3] المرقات: ۸/۸۳۰

گناہ بڑھ کر ہے فقر و فاقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور زکوٰۃ انہیں فقیروں کا حق ہے پھر اس میں تکبر کرنا بہت برا ہے۔[1]

بڑائی اور کبرائی صرف اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے

﴿۷﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِىْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِىْ فَمَنْ نَازَعَنِىْ وَاحِدًا مِّنْهُمَا اَدْخَلْتُهُ النَّارَ وَفِىْ رِوَايَةٍ قَذَفْتُهُ فِى النَّارِ۔ (رواه مسلم)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ذاتی بزرگی میری چادر ہے اور صفاتی عظمت میری تہبند ہے پس جو شخص اس میں میرا مقابلہ کریگا تو میں اس کو آگ میں داخل کروں گا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ میں اس کو آگ میں پھینک دوں گا۔ (مسلم)

توضیح: "الکبریاء ردائی" یعنی یہ میرا ذاتی حق ہے پس جو شخص اس میں میرا مقابلہ کریگا کہ میری ذاتی بلندیوں اور صفاتی عظمتوں میں دخل دیتا ہے تو میں اس کو دوزخ میں ڈال دوں گا۔ اس حدیث میں ایک لفظ الکبریاء کا ہے دوسرا العظمۃ کا ہے بعض علماء نے اس کو مترادف الفاظ قرار دیکر ایک ہی معنی پر حمل کیا ہے لیکن بعض دیگر علماء مثل ملا علی قاری اور علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ الکبریاء اس بڑائی کو کہتے ہیں جس کا تعلق ذات سے ہو اور مخلوق اس کو کما حقہ نہیں جانتی ہو اور عظمت اس بزرگی کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفت سے متعلق ہو اور مخلوق اس کو جانتی ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی اس کائنات کے وجود سے ساری مخلوق جانتی ہے اسی فرق کے پیش نظر کبریا کی نسبت چادر کی طرف کردی گئی اور عظمت کی نسبت تہبند کی طرف کردی گئی ہے اور چادر بنسبت ازار اعلیٰ وارفع ہوتی ہے۔ "رداء" اور "ازار" کے الفاظ متشابہات میں سے ہیں اس کا ترجمہ مایلیق بشانہ سے ہوگا۔ "نازعنی" یعنی جو شخص میری ذاتی یا اضافی بڑائیوں میں شریک ہونے کی کوشش کرتا ہے اور چھینا جھپٹی کرتا ہے تو میں اس کو دوزخ میں ڈالتا ہوں۔[3]

یہ حدیث متشابہات کے قسم میں سے ہے سلف صالحین کے ہاں الفاظ کا وہی ترجمہ ہوگا جو ہے لیکن مایلیق بشانہ لگا کر حقیقت اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنی ہوگی۔ مگر متأخرین نے کچھ تاویلات سے کام لیا ہے لیکن سلف کے ہاں اس کی ضرورت نہیں ہے۔

الفصل الثانی

خود پسندی تباہی ہے

﴿۸﴾ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهٖ حَتّٰى يُكْتَبَ فِى الْجَبَّارِيْنَ فَيُصِيْبَهٗ مَا اَصَابَهُمْ۔ (رواه الترمذي)[4]

[1] المرقات: ۸/۸۲۰، ۸۲۱ [2] اخرجه مسلم: [3] المرقات: ۸/۸۲۱ [4] اخرجه الترمذي: ۴/۳۶۲

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کوئی شخص اپنے نفس کو برابر کھینچتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کا نام سرکشوں یعنی ظالم اور متکبر لوگوں کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے اور پھر جو چیز دنیا وآخرت کی آفت وبلا ان سرکشوں کو پہنچتی ہے وہی اس شخص کو بھی پہنچتی ہے۔ (ترمذی)

توضیح: "یذھب بنفسه" کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص مسلسل خود پسندی میں مبتلا رہتا ہے غرور وتکبر اس کو جہاں لیجانا چاہتا ہے لیجاتا ہے اس طرح وہ خود پسندی اور بڑائی میں حد سے بڑھ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ متکبرین اور سرکش لوگوں کی فہرست میں لکھا جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں ڈالدیتا ہے۔ معلوم ہوا خود پسندی اور غرور وتکبر بڑی تباہی ہے۔[1]

قیامت کے دن متکبرین چیونٹیوں کی طرح ذلیل ہوں گے

﴿۹﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ أَمْثَالَ الذَّرِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ يُسَاقُوْنَ إِلَى سِجْنٍ فِيْ جَهَنَّمَ يُسَمّٰى بُوْلَسَ تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْأَنْيَارِ يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ طِيْنَةِ الْخَبَالِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کو چھوٹی چیونٹیوں کی طرح مردوں کی صورت میں ایک جگہ جمع کیا جائے گا اور ہر طرف سے ذلت وخواری ان کو پوری طرح گھیر لے گی پھر ان کو جہنم کے ایک قید خانہ کی طرف کہ جس کا نام بولس ہے ہانکا جائے گا وہاں آگوں کی آگ ان پر چھا جائے گی اور دوزخیوں کا نچوڑ یعنی دوزخیوں کے بدن سے بہنے والا خون، پیپ ان کو پلایا جائے گا جس کا نام طینۃ الخبال ہے۔ (ترمذی)

توضیح: "الذر" چھوٹی چیونٹی کو الذر کہتے ہیں جو لوگ دنیا میں تکبر کرتے ہیں وہ درحقیقت اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں لہٰذا ایسے متکبرین کو قیامت کے روز ذلیل وخوار کر کے اتنا چھوٹا کر دیا جائے گا جس طرح زمین پر رینگنے والی چھوٹی سرخ قسم کی چیونٹیاں ہوتی ہیں یہ جزا وسزا اس کے فعل کے بالکل مناسب ہے[3] ایک قصہ ہم نے سنا ہے کہ ہندوستان میں ایک نہایت خوبصورت نوجوان تھا کسی نے اس کو دیکھا تو حیرت میں پڑ گیا کہ یہ اتنا خوبصورت کیسے ہے چنانچہ اس نے اس سے پوچھا کہ تیری شکل وصورت کی خوبصورتی کو دیکھ کر مجھے تعجب ہو رہا ہے اس نوجوان نے بطور تکبر کہدیا کہ اگر تجھے تعجب ہو رہا ہے تو اس میں کیا تعجب ہے میری شکل کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کو بھی تعجب آتا ہے یہ کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس چیونٹی کے برابر چھوٹا کر دیا اور ذلیل کر کے رکھدیا۔ (اللہ کی پناہ)

[1] المرقات: ۸/۸۲۲ [2] اخرجه الترمذی: ۴/۶۵۵ [3] المرقات: ۸/۸۲۳

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ میدان حشر اور دوزخ میں مختلف احوال آتے ہیں عذاب اور سزا کی یہ صورت بھی کبھی آئے گی اور کبھی جسم بڑے بھی ہو جائیں گے اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

"بولس" با پر ضمہ اور فتحہ دونوں ہیں دوزخ کے اندر ایک خاص جیل خانہ اور خاص کوٹھری کا نام ہے اس کا لفظی لغوی مفہوم ناامیدی اور تحیر ہے شیطان کا نام ابلیس بھی اسی مادہ سے مشتق ہے۔ [1] "نار الانیار" یعنی آگوں کی آگ یہ بطور مبالغہ اس آگ کی شدت کی طرف اشارہ ہے۔ [2] "عصارة" دوزخیوں کے جسموں کا نچوڑ یعنی بہنے والا خون اور پیپ اور کچ لہو پلایا جائیگا جس کا نام طینۃ الخبال ہے جو مفسد تلچھٹ ہے۔ [3]

غصہ ٹھنڈا کرنے کا طریقہ

﴿۱۰﴾ وَعَنْ عَطِيَّةَ بْنِ عُرْوَةَ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَإِنَّمَا يُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ فَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ) [4]

ترجمہ: اور حضرت عطیہ ابن عروہ سعدی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا غصہ شیطانی اثر ہے (یعنی ناحق غصہ کرنا شیطان کے مشتعل کرنے اور اس کے فریب میں آجانے کا نتیجہ ہوتا ہے) اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے اس لئے جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اس کو چاہئے کہ وضو کر لے۔ (ابوداود)

توضیح: ٹھنڈا پانی استعمال کرنے سے غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے کیونکہ غضب خون کی گرمائش کا اثر ہے لہٰذا پانی کے پینے یا سر پر ڈالنے یا دیگر استعمال کی یہی خاصیت ہے لیکن اسلام کی نظر میں ٹھنڈک حاصل کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ آدمی وضو بنائے اور پھر دو رکعت نفل پڑھ لے، غصہ کے علاج میں سب سے عمدہ طریقہ تو اعوذ باللہ کا پڑھ لینا ہے، اگر اس سے نہ ہوا تو پھر وضو بنانا ہے، اگر اس سے نہیں ہوا تو پھر نماز پڑھنا ہے، ایک علاج یہ بھی ہے کہ حالت کو تبدیل کر دے جس طرح آنے والی حدیث میں ہے۔ [5]

غصہ ٹھنڈا کرنے کا ایک نفسیاتی علاج

﴿۱۱﴾ وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ فَإِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَإِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ) [6]

---

[1] المرقات: ۸/۸۳۵ [2] المرقات: ۸/۸۳۵ [3] المرقات: ۸/۸۳۵

[4] اخرجه ابوداؤد: ۴/۲۵۰ [5] المرقات: ۸/۸۳۶ [6] اخرجه احمد: ۵/۱۵۲ والترمذی:

ترجمہ: اور حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ اس وقت کھڑا ہو تو (فوراً) بیٹھ جائے اور اگر غصہ جاتا رہے تو خیر ورنہ پھر پہلو پر لیٹ جائے۔ (احمد و ترمذی)

بدترین آدمی کی علامات

﴿۱۲﴾ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ تَخَيَّلَ وَاخْتَالَ وَنَسِيَ الْكَبِيْرَ الْمُتَعَالَ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ تَجَبَّرَ وَاعْتَدٰى وَنَسِيَ الْجَبَّارَ الْاَعْلٰى بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ سَهٰى وَلَهٰى وَنَسِيَ الْمَقَابِرَ وَالْبِلٰى بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ عَتٰى وَطَغٰى وَنَسِيَ الْمُبْتَدَأَ وَالْمُنْتَهٰى بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ يَخْتِلُ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ يَخْتِلُ الدِّيْنَ بِالشُّبُهَاتِ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ طَمَعٌ يَقُوْدُهٗ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ هَوًى يُضِلُّهٗ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ رَغَبٌ يُذِلُّهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَا لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ اَيْضًا هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت اسماء بنت عمیس کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، برا بندہ ہے وہ بندہ جس نے اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر جانا اور تکبر کیا اور خداوند بزرگ و برتر کو وہ بھول گیا برا بندہ ہے وہ بندہ جس نے لوگوں پر جبر و جور کیا اور ظلم وفساد ریزی میں حد سے بڑھ گیا اور خداوند جبار وقہار کو بھول گیا جس کی قدرت وعزت سب سے بلند ہے۔ برا بندہ ہے وہ بندہ جو دین کے کاموں کو بھول گیا اور دنیاداری میں مشغول رہا اور اس نے مقبروں کو اور خاک میں مل جانے والے جسم کی بوسیدگی کو فراموش کر دیا۔ برا بندہ ہے وہ بندہ جس نے فتنہ وفساد برپا کیا اور حد سے متجاوز ہو گیا اور اپنی ابتدا وانتہاء کو بھول گیا۔ برا بندہ ہے وہ بندہ جو دین کے ذریعہ دنیا حاصل کرے برا بندہ ہے وہ بندہ جو دین کو شبہات کے ذریعہ سے دھوکہ دیتا ہے۔ برا بندہ ہے وہ بندہ جس نے مخلوق سے طمع وامید قائم کی اور حرص وطمع اس کو دنیاداروں کے دروازے پر کھینچے کھینچے پھرتی ہے اور جدھر چاہتی ہے لے جاتی ہے اور برا بندہ ہے وہ بندہ جس کو دنیا کی طرف اس کی رغبت وخواہش، حصول دنیا کی حرص اور کثرت مال وجاہ کی ہوس ذلیل وخوار کرتی ہے اور اس کے دین کی آبروریزی کرتی ہے۔ اس روایت کو ترمذی نے اور شعب الایمان میں بیہقی نے نقل کیا ہے اور دونوں نے کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے نیز ترمذی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "تخیل" یعنی جس نے عجب وتکبر اور غرور اختیار کیا اور بڑے بادشاہ کو بھول گیا وہ بدترین لوگوں میں سے ہے "تجبر واعتدیٰ" یعنی جس نے مظلوموں پر ظلم کیا اور اپنی قدر وقیمت سے تجاوز کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا خیال نہ کیا یہ بدترین آدمی ہے[2] "سھی" یعنی حقوق واجبہ اور طاعات سے غافل رہا۔ "ولھی" اور لہو ولعب میں لگا رہا مطلب یہ ہے کہ دین کو بھولا اور دنیا کے لہو ولعب میں لگ گیا[3] "البلی" قبر اور قبرستان کی ویرانی اور جسم کی ٹوٹ پھوٹ اور اس کا ریزہ ریزہ ہونا بھول گیا۔[4]

---

[1] اخرجه الترمذی: ۴/۶۳۲ والبیهقی [2] المرقات: ۸/۸۳۸ [3] المرقات: ۸/۸۳۸ [4] المرقات: ۸/۸۳۹

"یختل الدنیا" یعنی دین کے ذریعہ سے دنیا کمائے اور دین کو دنیا کمانے کا وسیلہ اور ذریعہ بنائے یا یہ مطلب ہے کہ صلحاء اور زہاد اور بزرگوں کا لبادہ اوڑھ کر اس دیندار شکل سے لوگوں کو دھوکہ دیکر مال کمائے اور پھر کھا کر اڑائے ختل اسی قسم کے فراڈ کا نام ہے۔[1]

یختل الدین بالشبہات" یہاں ختل فساد کے معنی میں ہے یعنی دین اسلام میں شکوک وشبہات ڈالکر اس میں فساد پیدا کرتا ہے اور اس طرح مال کماتا ہے۔[2] "عبد طمع" ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اگر عبد کی اضافت طمع کی طرف کی جائے تو اس جملہ کا ترجمہ آسان ہوجائے گا یعنی لالچ اور طمع کا بندہ ہے[3] "یَقُوْدُہٗ" اضافت کی صورت میں یقودہ کا جملہ طمع کی صفت ہوجائے گا اور مطلب یہ ہوجائے گا کہ یہ اس طرح کی طمع ولالچ ہے کہ جہاں اس لالچی شخص کو کھینچ کر لیجانا چاہیگی وہیں پر لے جائے گی۔

"ھوی" خواہش نفس کو کہتے ہیں اضافت کی صورت میں عبد کی اضافت ھوی کی طرف ہے اور یضلہ ھوی کی صفت ہے ای "عَبْدُ طَمَعٍ وَعَبْدُ ھَوًی" دونوں جملوں میں مبالغہ ہے کہ یہ بندہ شدت طمع اور شدت خواہش نفس کی وجہ سے گویا خود مجموعہ طمع اور مجموعہ ھوی بن گیا مطلب یہ ہے کہ طمع اور لالچ اس شخص کو دنیا داروں کی طرف کھینچ کر لاتی ہے اور ان کے دروازوں میں گھماتی پھراتی ہے۔[4] "عبد رغب یذلہ" رغب حرص اور لالچ کو کہتے ہیں یعنی مرغوبات کا غلام ہے جس نے اس کو ذلیل وخوار کر کے رکھدیا ہے۔[5]

الفصل الثالث

غصہ پی لینا بہت ہی افضل عمل ہے

﴿۱۳﴾عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ اَفْضَلَ عِنْدَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ جُرْعَۃِ غَیْظٍ یَکْظِمُھَا اِبْتِغَاءَ وَجْہِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ)[6]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بندہ کسی چیز کا ایسا کڑوا گھونٹ نہیں پیتا جو خدا کے نزدیک غصہ کا گھونٹ پینے سے بہتر ہو جس کو وہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے پی جاتا ہے۔ (احمد)

توضیح: "جرعۃ" پانی کے گھونٹ کو جرعۃ کہتے ہیں "غیظ" غصہ اور غضب کو کہتے ہیں، قرآن کی آیت ہے ﴿والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس﴾[7] کہ سینہ جب منہ تک غصہ سے بھرا ہوا ہو اور آدمی صبر کرے تو اس کو کظم کہا جاتا ہے علماء نے ایک قصہ بیان کیا ہے کہ ایک غلام سے کوئی کام خراب ہوگیا تو آقا بہت غصہ ہوا، غلام نے یہ آیت پڑھی ﴿والکاظمین الغیظ﴾ آقا نے جواب دیا کظمت غلام نے پڑھا ﴿والعافین عن الناس﴾

[1] المرقات: ۸/۸۳۹ [2] المرقات: ۸/۸۳۹ [3] المرقات: ۸/۸۳۹ [4] المرقات: ۸/۸۳۹
[5] المرقات: ۸/۸۴۰ [6] اخرجہ احمد: ۲/۱۲۸ [7] نساء ۱۳۴

تو آقا نے کہا قد عفوت لک غلام نے پڑھا ﴿واللہ یحب المحسنین﴾ آقا نے کہا میں نے تجھے آزاد کر دیا یہ صحابہ کے دور کا واقعہ ہے۔

کہتے ہیں کہ شیخ عبد القادر جیلانی کے لئے کوئی شخص بطور ہدیہ چین سے ایک نہایت عمدہ آئینہ لایا تھا، شیخ عبد القادر جیلانی کی لونڈی اس کو صاف کر رہی تھی کہ اچانک آئینہ گر گیا اور ٹوٹ گیا لونڈی بہت گھبرائی اور آکر فارسی کا ایک مصرعہ پڑھا ؎

از قضا آئینہ چینی شکست

یعنی تقدیر الٰہی کی وجہ سے چین سے لایا ہوا آئینہ ٹوٹ گیا۔

شیخ نے فوراً دوسرا مصرعہ بنا کر جواب دیا ؎

خوب شد اسباب خود بینی شکست

یعنی بہت اچھا ہوا کہ خود بینی اور خود پسندی کے اسباب ٹوٹ گئے

اس حدیث کے بعد ساتھ والی حدیث کی تشریح بھی اسی طرح ہے۔

﴿۱۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى (اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ) قَالَ اَلصَّبْرُ عِنْدَ الْغَضَبِ وَالْعَفْوُ عِنْدَ الْاِسَاءَةِ فَاِذَا فَعَلُوْا عَصَمَهُمُ اللّٰهُ وَخَضَعَ لَهُمْ عَدُوُّهُمْ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ قَرِيْبٌ.
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيْقًا)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ﴿ادفع بالتی ھی احسن﴾ تم برائی کو بھلائی کے ذریعہ دفع کرو کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ غصہ کے وقت صبر کرنا اور برائی کے وقت عفو و درگزر کرنا، اس ارشاد خداوندی کی مراد ہے، لہٰذا جب لوگ صبر و عفو کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو نفس اور مخلوقات کی آفتوں سے محفوظ رکھتا ہے اور ان کے دشمن اس طرح پست ہو جاتے ہیں جیسے وہ (دشمن نہ ہوں بلکہ) بہت قریبی دوست ہوں۔ اس روایت کو بخاری نے بطریق تعلیق نقل کیا ہے۔

غصہ ایمان کو بگاڑ دیتا ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنْ بَهْزِبْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ[2]

ترجمہ: اور حضرت بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ بہز کے دادا (حضرت معاویہ ابن حیدۃ القشیری) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا غصہ ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔

توضیح: "الصبر" صبر ایک شیرہ کا نام ہے جس کو ایلوا کہتے ہیں سخت کڑوا ہے اس کے چند قطروں سے شہد خراب ہو جاتا ہے۔ یہاں ایمان کے فساد سے کمال ایمان کا فساد مراد ہے اور یہ خطرہ بھی ہے کہ مکمل ایمان چلا جائے بعض دفعہ آدمی

[1] اخرجه البخاري: ۸/۵۵۵ [2] اخرجه البيهقي: ۶/۳۱۱

پانچ منٹ کی بے صبری اور غصہ کی وجہ سے قتل جیسا بڑا جرم کر کے عمر بھر کے لئے جیل کی ذلتوں کو برداشت کرتا رہتا ہے اور آخرت کا عذاب الگ ہے۔ [1]

تکبر کی مذمت اور تواضع کی فضیلت

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَاأَيُّهَا النَّاسُ تَوَاضَعُوا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللهُ فَهُوَ فِي نَفْسِهِ صَغِيرٌ وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيمٌ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللهُ فَهُوَ فِي أَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيرٌ وَفِي نَفْسِهِ كَبِيرٌ حَتّٰى لَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ أَوْ خِنْزِيرٍ [2]

ترجمہ: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) انہوں نے منبر پر کھڑے ہو کر (خطبہ دیتے ہوئے) فرمایا لوگو! تواضع اور فروتنی اختیار کرو کیونکہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی حاصل کرنے کے لئے لوگوں کے ساتھ تواضع اور فروتنی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مرتبہ کو بلند کر دیتا ہے، چنانچہ وہ اپنی نظر میں تو حقیر ہوتا ہے لیکن لوگوں کی نظر میں بلند مرتبہ ہوتا ہے اور جو شخص لوگوں کے ساتھ تکبر وغرور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مرتبہ کو گرا دیتا ہے چنانچہ وہ لوگوں کی نظر میں تو حقیر ہوتا ہے لیکن اپنی نظر میں خود کو بلند مرتبہ سمجھتا ہے یہاں تک کہ وہ لوگوں کے نزدیک کتے یا سور سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

قدرت کے وقت معاف کرنے کی فضیلت

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوسَى بْنُ عِمْرَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَارَبِّ مَنْ أَعَزُّ عِبَادِكَ عِنْدَكَ؟ قَالَ مَنْ إِذَا قَدَرَ غَفَرَ [3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ ابن عمران علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! تیرے بندوں میں سے کون بندہ تیرے نزدیک زیادہ عزیز ہے؟ پروردگار نے فرمایا وہ بندہ جو قادر ہونے کے باوجود عفو ودرگزر کرے۔

غصہ کو ضبط کرنے کی فضیلت

﴿۱۸﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَزَنَ لِسَانَهُ سَتَرَ اللهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللهُ عَنْهُ عَذَابَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنِ اعْتَذَرَ إِلَى اللهِ قَبِلَ اللهُ عُذْرَهُ۔ [4]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی زبان کو بند رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس

[1] المرقات: ۸/۸۳۳ [2] اخرجه البيهقي: ۶/۲۷۶ [3] اخرجه البيهقي: ۶/۳۱۹ [4] اخرجه البيهقي: ۶/۳۱۵

کے عیوب کو ڈھانک لیتا ہے اور جو شخص اپنے غصہ کو ضبط کرتا ہے (اور انتقام لینے سے باز رہتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اپنے عذاب سے بچائے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے عفو خواہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عفو خواہی کو قبول کرتا ہے۔

تین اشیاء باعث نجات اور تین باعث ہلاکت

﴿۱۹﴾وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مُنْجِيَاتٌ وَثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ فَاَمَّا الْمُنْجِيَاتُ فَتَقْوَى اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِي الرِّضٰى وَالسَّخَطِ وَالْقَصْدُ فِي الْغِنٰى وَالْفَقْرِ وَاَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَهَوًى مُتَّبَعٌ وَشُحٌّ مُطَاعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ وَهِيَ اَشَدُّهُنَّ۔ (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الْخَمْسَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین چیزیں آخرت میں ہلاک کرنے والی ہیں۔ جو چیزیں نجات دینے والی ہیں ان میں سے ایک تو باطن و ظاہر میں خدا سے ڈرنا ہے۔ دوسری چیز خوشی و ناخوشی میں حق بات کہنا ہے۔ تیسری چیز دولت مندی و فقیری دونوں حالتوں میں میانہ روی اختیار کرنا ہے۔ اور جو تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں ان میں ایک تو خواہش نفس ہے جس کی پیروی کی جائے۔ دوسری چیز حرص و بخل ہے انسان جس کا غلام بن جائے۔ اور تیسری چیز مرد کا اپنے نفس پر گھمنڈ کرنا ہے اور یہ تیسری چیز ان سب میں بدترین خصلت ہے۔ مذکورہ بالا پانچوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح: **"تقوی اللہ"** یعنی ظاہراً اور باطناً اپنا معاملہ اپنے رب کے ساتھ صاف رکھنا تقویٰ ہے[2] **"القول بالحق"** یعنی حالات کیسے بھی ہوں واقعات جیسے بھی ہوں کوئی خوش ہو رہا ہو یا کوئی ناراض ہو رہا ہو زبان سے حق بات کہنا اور حق پر برقرار رہنا باعث نجات ہے۔[3]

"والقصد" یعنی خواہ آدمی مالدار ہو یا غریب ہو کچھ بھی ہو مگر وہ اپنے ہاتھ سے میانہ روی کو جانے نہیں دے رہا ہو ہر حالت میں افراط و تفریط سے پاک رہتا ہو اور اسراف و تبذیر اور اقتار و کنجوسی سے دور رہتا ہو یہ باعث نجات بات ہے۔[4]

"هوی متبع" یعنی ہر وقت اپنی خواہشات پورا کرنے کے پیچھے پڑا ہوا ہو اور اسی کی پیروی کر رہا ہو بس خواہش کو اس نے اپنا معبود بنا رکھا ہے جس طرف سے جو اشارہ ملتا ہے اس پر عمل کے لئے لپک کر جاتا ہے۔[5] **"وشح مطاع"** یعنی بخل و کنجوسی کا غلام بنا ہوا ہے جس میں بہت ممکن ہے کہ کسی وقت ایسا شخص زکوٰۃ اور واجبی حق کا انکار کر دے اور ہلاک ہو جائے۔[6] **"اعجاب المرء"** یعنی خود پسندی کبر اور عجب خود بینی اور خود ستائی یہ ایسی بیماریاں ہیں جو انسان میں داخل ہونے کے بعد نکلنے کا نام نہیں لیتی ہیں یہاں تک کہ اس کو تباہ کر دیتی ہیں اس لئے اس کو سب سے سخت بتایا گیا ہے۔[7]

[1] اخرجه البيهقي: ۵/۴۵۲ [2] المرقات: ۸/۸۲۵ [3] المرقات: ۸/۸۲۵ [4] المرقات: ۸/۸۲۵

[5] المرقات: ۸/۸۵۴ [6] المرقات: ۸/۸۲۵ [7] المرقات: ۸/۸۲۵

مورخہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

باب الظلم

ظلم کا بیان

قال الله تعالىٰ ﴿والله لا يهدي القوم الظالمين﴾ [1]

"الظلم". "هو وضع شئ في غير موضعه" یعنی کسی چیز کو اس کے اصل مقام کے بجائے دوسرے مقام میں رکھنے کا نام ظلم ہے ظلم کی اس تعریف کا یہ مفہوم ہر اس چیز کو شامل ہے جس میں تعدی اور تجاوز ہوا ہو لیکن شریعت کی روشنی میں ظلم کی تعریف میں یہ خیال رکھنا ہوگا کہ شرعی اصطلاحی ظلم وہ ہے جس میں امور شرعیہ کی حدود سے تجاوز کیا گیا ہو۔

عرف عام میں ظلم لوگوں کے ان حقوق میں تجاوز اور زیادتی کو کہتے ہیں جن کا تعلق لوگوں کے مال وجان اور عزت وآبرو سے ہو یعنی لوگوں کے مال وجان اور عزت وآبرو میں تجاوز اور زیادتی کرنے کا نام ظلم ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ سابقہ اقوام کے واقعات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے کافر قوموں پر اس وقت ہاتھ ڈالا ہے جب یہ قومیں شرک وکفر کے بعد ظلم پر اتر آئیں اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ لوگو! میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کیا ہے اور تم بھی ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو میں تم پر بھی ظلم کو حرام قرار دیتا ہوں۔ [2]

الفصل الاول

قیامت کے دن ظلم اندھیروں کی صورت میں ہوگا

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [3]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کا باعث ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "الظلم ظلمات" یعنی ظلم کی پاداش میں ایسے اندھیروں میں مبتلا ہوگا جو اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہونگے اور اس ظالم کے پاس کوئی نور نہیں ہوگا ظلم کی یہ تاریکیاں ایک نہیں بلکہ مختلف شکلوں میں ہونگی اور یہ ظالم اس میں بھٹکتا پھرتا ہوگا جبکہ مسلمانوں کے پاس ایمان کا نور ہوگا جس کی مدد سے وہ آسانی سے ادھر ادھر جاتے ہونگے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظلم کے جرم کے ضمن میں کئی دیگر جرائم کا بھی ارتکاب ہوتا ہے اس لئے قیامت میں ایک نہیں بلکہ کئی تاریکیاں بن جاتی ہیں۔ [4]

---

[1] جمعہ ۵ [2] المرقات: ۸/۸۳۶ [3] اخرجه البخاري: ۳/۱۶۹ ومسلم: ۲/۳۲۹ [4] المرقات: ۸/۸۳۶

اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر پکڑتا ہے

﴿۲﴾وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ لَیُمْلِیْ الظَّالِمَ حَتّٰی اِذَا اَخَذَہٗ لَمْ یُفْلِتْہُ ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَ کَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ الاٰیۃ﴾ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب اس کو پکڑے گا تو چھوڑے گا نہیں اس کے بعد آنحضرت نے یہ آیت پڑھی ﴿و کذلك اخذ ربك الخ﴾ اور اس آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں ﴿ان اخذہ الیم شدید﴾ (بخاری و مسلم)

ظالم قوم ثمود کے علاقہ سے آنحضرت کا گزرنا

﴿۳﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا مَرَّ بِالْحِجْرِ قَالَ لَا تَدْخُلُوْا مَسَاکِنَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ اِلَّا اَنْ تَکُوْنُوْا بَاکِیْنَ اَنْ یُّصِیْبَکُمْ مَا اَصَابَھُمْ ثُمَّ قَنَّعَ رَاْسَہٗ وَاَسْرَعَ السَّیْرَ حَتّٰی اجْتَازَ الْوَادِیَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ جب مقام حجر سے گزرے تو (صحابہ سے) فرمایا کہ تم ان لوگوں کے مکانات (کھنڈرات) میں نہ گھسنا جنہوں نے (کفر اختیار کرکے اور اپنی طرف بھیجے گئے اللہ کے پیغمبر کو جھٹلا کر) خود اپنے آپ پر ظلم کیا ہے الا یہ کہ تم رونے والے ہو مبادا تم پر بھی وہی مصیبت نازل ہو جائے جو ان پر نازل ہوئی تھی اس کے بعد آنحضرت نے چادر سے اپنا سر ڈھانک لیا اور تیز تیز چل کر اس علاقہ سے گزر گئے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "الحجر" آنحضرت ﷺ ۹ھ میں جہاد کی غرض سے رومیوں کے مقابلہ کے لئے تبوک کی طرف روانہ ہوئے تھے آپ کے ساتھ صحابہ کرام کا تیس ہزار نفوس قدسیہ پر مشتمل لشکر جرار تھا، راستہ میں آپ کا گزر قوم ثمود کے ان علاقوں پر ہوا جہاں قوم ثمود پر ایک ہولناک عذاب آیا تھا۔ "الحجر" اسی جگہ کا نام ہے جہاں قوم ثمود پر عذاب نازل ہوا تھا یہ ایک تاریخی وادی ہے جس کو وادی القریٰ بھی کہتے ہیں۔ حجر تبوک سے کوئی چار سو میل مدینہ کی طرف واقع ہے ان علاقوں میں وہ چٹان بھی ہے جس سے ناقۃ صالح نکلی تھی اس جگہ کو فج الناقۃ کہتے ہیں اور پورے علاقے کو مدائن صالح بھی کہتے ہیں غزوۂ تبوک کے موقع پر آنحضرت ﷺ اسی راستے سے گئے تھے آپ نے قوم ثمود کے علاقوں میں پانی پینے سے منع کیا تھا بلکہ کسی بھی استعمال میں لانے سے منع فرمایا تھا چنانچہ جس نے اس پانی سے آٹا گوندھا تھا آنحضرت ﷺ نے اس آٹے کے استعمال سے اس کو روکا تھا بلکہ حکم دیا کہ اونٹوں کو کھلا دو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس علاقہ میں عذاب کے اثرات اب بھی ہیں اس لئے روتے ہوئے جلدی جلدی ان علاقوں سے گزر جاؤ۔ [3]

---

[1] اخرجه البخاری: ۶/۹۳ و مسلم: ۲/۳۲۹ [2] اخرجه البخاری: ۱/۱۱۸ و مسلم: ۲/۵۹۱ [3] المرقات: ۸/۸۲۶، ۸۲۸

آپ نے خود بھی سر پر چادر ڈالدی اور روتے ہوئے گزرے اس سے معلوم ہوا کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے اس کے اثرات صدیوں تک باقی رہتے ہیں ثمود کی ہلاکت کئی ہزار سال پرانی تھی مگر اثرات اب بھی تھے۔ آج کل پاکستان میں جہاں آٹھ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو ایک تباہ کن زلزلہ آیا ہے اس کو بھی عذاب الٰہی سے کوئی نہیں نکال سکتا، یہ بھی عذاب الٰہی ہے جس کے اثرات علاقوں اور انسانوں پر بلکہ ان جسموں پر بھی ہیں جن پر اس زلزلہ میں زخم لگے ہیں اب اس کے لئے اجتماعی توبہ اور استغفار کی ضرورت ہے اس عذاب کے پیش نظر ہمارے مسلمانوں کو چاہئے کہ صبح وشام یا ہفتہ وار اجتماعی دعا کے ساتھ اجتماعی توبہ اور استغفار کریں اور گناہوں اور این جی اوز اور ان کے امداد سے اجتناب کریں۔ چند دنوں بعد مجھے ایک سفر پر سعودی عرب جانا ہے ۳۰ دن کا آزاد ویزہ ہے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں تبوک کا سفر کروں گا اور مدائن صالح کا معاینہ کروں گا۔

الحمد للہ میں اس سفر پر گیا مدائن صالح میں العلاء مقام پر رات گزاری اور صبح مدائن صالح، وادی ثمود اور الحجر کے علاقہ میں جانا ہوا میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرتوں کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کا مشاہدہ کیا تباہ شدہ علاقوں میں عذاب کے اثرات چہروں پر محسوس کئے اور پھر غسل کرنے سے یہ اثرات زائل ہوئے۔ اس پتھر کو دیکھا جس سے حضرت صالح کی اونٹنی نکل آئی تھی اور پھر اس جگہ کو دیکھا جہاں اس اونٹنی کو ظالموں نے قتل کیا تھا قوم ثمود کے سنگ تراش مکانات اور محلات دیکھے اور قرآن عظیم کی صداقت کے بڑے نشانات دیکھے واپسی پر میں نے اس سفر سے متعلق ایک کتابچہ لکھا جس میں ان علاقوں کے عجیب حالات اور عجیب واقعات سپرد قلم کئے ہیں اس کتاب کا نام ہے۔ قوم ثمود کیسے تباہ ہوئی؟

قیامت کے دن ظالم سے ظلم کا بدلہ کس طرح لیا جائے گا؟

﴿۴﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ مَظْلَمَةٌ لِاَخِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَّلَا دِرْهَمٌ اِنْ كَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَيْهِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کا کوئی حق رکھتا ہو اور وہ حق خواہ (غیبت وبرائی کرنے اور روحانی وجسمانی ایذا رسانی وغیرہ کی صورت میں) آبروریزی کا ہو یا کسی اور چیز سے متعلق ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اس حق کو آج ہی کے دن (یعنی اسی دنیا میں) معاف کرالے اس سے پہلے کہ وہ دن آئے (یعنی قیامت کا دن کہ جس میں) وہ نہ تو درہم رکھتا ہوگا نہ دینار (کہ جو اس حق کے بدلے کے طور پر دے سکے) اگر (اس نے اپنے حق کو معاف کردیا تو بہتر ہے ورنہ پھر) ظالم کے اعمال نامہ میں جو کچھ نیکیاں ہوں گی تو ان میں سے اس کے ظلم کے برابر یا واجب حق

[1] اخرجه البخاري: ۳/۱۶۰

کے بقدر نیکیاں لے لی جائیں گی اور (مظلوم یا حق دار کو دیدی جائیں گی) اور اگر وہ کچھ بھی نیکیاں نہیں رکھتا ہوگا تو اس صورت میں اس مظلوم یا حق دار کے گناہوں میں سے (اس کے حق کے بقدر) گناہ لے کر ظالم پر لاد دیے جائیں گے۔ (بخاری)

توضیح: "مظلمة" یعنی اگر کسی کے ذمہ کسی ظالم مظلوم کا ایسا حق باقی ہو جو اس نے مظلوم پر بصورت ظلم کیا تھا۔[۱]

"من عرضه" یعنی اس حق کا تعلق خواہ مظلوم کی عزت وعظمت سے ہو یا کسی اور وجہ سے ہو کہ اس کو گالی دی ہو یا قول وفعل کے ذریعہ سے اس کو ایذا پہنچائی ہو۔[۲]

"اوشئی" یعنی کسی کا مال چھینا ہو یا چرایا ہو یا دبایا ہو۔ "فليتحلله" تو اس سے معافی مانگ کر قیامت سے پہلے ہر قسم کا حق معاف کرادے، اگر مالی معاملہ ہے تو معاوضہ ادا کرے یا ویسے معاف کرائے اگر زبانی معاملہ ہے تو معافی تلافی کرادے جس طرح بھی ہو مگر دنیا میں معاف کرادے ورنہ قیامت کے دن نہ دینار ہونگے نہ درہم ہونگے وہاں یہ مظلوم ظالم سے اس کی نیکیاں وصول کریگا اگر نیکیاں ختم ہوگئیں تو پھر مظلوم کی برائیاں اور گناہ ظالم پر ڈالے جائیں گے جیسا کہ اگلی حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔[۳]

قیامت کا سب سے بڑا فقیر

﴿۵﴾ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا الْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَّادِرْهَمَ لَهٗ وَلَامَتَاعَ فَقَالَ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكٰوةٍ وَيَاْتِيْ قَدْشَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطِىْ هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ بعض صحابہ نے جواب دیا کہ ہم میں مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ تو درہم و دینار ہو اور نہ سامان واسباب، چنانچہ آپ نے فرمایا میری امت مرحومہ میں مفلس شخص درحقیقت وہ ہے جو قیامت کے دن میدان حشر میں (دنیا سے) نماز روزہ اور زکوۃ لے کر آئیگا مگر حال یہ ہوگا کہ اس نے کسی کو گالی دی تھی کسی پر تہمت لگائی تھی کسی کو ناحق مارا پیٹا تھا چنانچہ اس کی نیکیوں میں سے (پہلے) کسی ایک مظلوم وصاحب حق کو (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی یہاں تک کہ اگر اس کے ان گناہوں کا فیصلہ ہونے سے پہلے اس کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان حقداروں اور مظلوموں کے گناہ (جو انہوں نے دنیا میں کئے ہوں گے) ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دیے جائیں گے اور پھر اس کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسلم)

توضیح: "المفلس" دنیا کے عرف میں تو مفلس کا وہی تعارف تھا جو صحابہ کرام نے حضور اکرم کے سوال کے جواب

---

[۱] المرقات: ۸/۸۵۰ [۲] المرقات: ۸/۸۵۰ [۳] المرقات: ۸/۸۵۰، ۸۵۱ [۴] مسلم: ۳۸

میں بتادیا لیکن شارع کی نظر میں اصل اور حقیقی مفلس وہ ہے جو میدان محشر میں آخرت کا مفلس ہوگا کیونکہ اس کی کمائی کا امکان ہی ختم ہو جاتا ہے اس لئے آنحضرت نے اس کا بیان کیا۔

"**فطرحت علیه**" یعنی جب لوگوں کے مظالم کے مقابلہ میں ظالم کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو پھر لوگوں کی برائیاں اور گناہ ظالم پر ڈالے جائیں گے۔ **طرحت** کے الفاظ سے معلوم ہوگیا کہ قیامت کے دن اعمال **متجسد** ہونگے اور ڈالے جانے کے قابل ہونگے، اس کی ایک صورت تو یہ ہوسکتی ہے کہ یہ اعمال قیامت کے دن کاغذات اور رجسٹرڈ و دستاویزات کی شکل میں ہونگے دوسری صورت یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عمل کو قیامت میں ایک جسم عطا فرمائے گا تو پھر تولنا یا کسی پر ڈالنا ممکن ہو جائے گا۔ تیسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ وہاں کا ترازو دنیا کے گز تو لنے والے ترازو کی طرح نہیں ہوگا اس سے اعراض بھی تولے جاسکیں گے، ویسے اعراض تولے جانے کا اعتراض کسی زمانے میں ہوتا تھا آج کل تو جدید ٹیکنالوجی سے اعراض آسانی سے تولے جاسکتے ہیں، ہوائی جہاز کا ارتفاع وانخفاض عرض ہے تولا جاتا ہے، موسم کی حرارت اور ہوا تولی جاتی ہے، قوت باصرہ اور سامعہ کو تولا جاتا ہے۔ اب تو یہ اعتراض کہ اعراض وکیفیات کیسے تولے جائیں گے مہمل سا ہو کر رہ گیا ہے۔

"**ثم طرح فی النار**" معلوم ہوا حقوق العباد بندے کے معاف کرنے کے بغیر معاف نہیں ہوسکتے دوزخ میں جانا پڑیگا ہاں اگر اللہ تعالیٰ مظلوم کو عوض میں عطا یا دیدے اور اس کو راضی کرا دے تو پھر ممکن ہے۔ بہر حال دوزخ میں یہ شخص دوسروں کے گناہوں کی وجہ سے نہیں گیا بلکہ درحقیقت یہ مظالم اور حقوق اس کے اپنے کئے ہوئے جرائم ہیں جس کی وجہ سے دوزخ میں چلا گیا لہٰذا یہ حدیث قرآن کی آیت ﴿ولا تزر وازرة وزر اخری﴾ سے متصادم ومتعارض نہیں ہے۔

آخرت میں ہر ظالم سے حساب لیا جائیگا

﴿۶﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ إِلٰى أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ جَابِرٍ اِتَّقُوا الظُّلْمَ فِيْ بَابِ الْإِنْفَاقِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن حق داروں کو ان کے حقوق ادا کئے جائیں گے یہاں تک کہ بے سینگ بکری کا قصاص سینگ دار بکری سے لیا جائے گا (مسلم) اور حضرت جابر کی روایت "**اتقوا الظلم**" باب الانفاق میں ذکر کی جاچکی ہے۔

توضیح: "**الجلحاء**" یعنی بغیر سینگ والی مظلوم بکری کیلئے سینگ والی ظالم بکری سے قصاص اور بدلہ لیا جائیگا مطلب یہ ہے کہ جس حیوان نے دوسرے حیوان پر دنیا میں ظلم وزیادتی اور تجاوز وتعدی کی ہوگی اس ظالم سے بدلہ لیا جائے گا یعنی

[1] اخرجه مسلم: ۲/۳۲۹

اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کا اتنا ظہور ہو جائے گا کہ انسانوں کے علاوہ جانوروں میں بھی عدل کا ظہور ہو جائیگا حالانکہ جانور غیر مکلف ہوتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ حیوان تو غیر مکلف ہیں ان سے قصاص و بدلہ لینے کا کیا مطلب ہے؟[1]

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ﴿فعال لما یرید﴾[2] ہے ﴿لایسئال عما یفعل وھم یسئلون﴾[3] کی صفت عالی سے متصف ہے وہ جہاں بھی بدلہ لے یا جس سے بھی بدلہ لے وہ مختار علی الاطلاق ہے جانوروں کے معاملہ میں اگر انسان نے حیوان پر ظلم کیا ہوگا اس سے بھی قصاص لیا جائے گا اور پھر جانوروں کے بارے میں فرمائیگا "کونوا ترابا" سب مٹی ہو جاؤ تو سب مٹی ہو جائیں گے اس موقع پر کافر کہیں گے ﴿یالیتنی کنت ترابا﴾[4] اے کاش میں بھی مٹی ہو جاتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں سینگ دار بکری سے ظالم انسان مراد ہے اور بے سینگ بکری سے مظلوم انسان مراد ہے اور اس طرح محاورہ بھی جاری ہے تو اس حدیث میں یہ واضح کیا گیا کہ قیامت میں ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا، ظالم سے مظلوم کا پورا پورا حساب لیا جائے گا، فرض کرلو اگر غیر مکلف حیوان بھی ظالم بنا ہو اس سے بھی بدلہ لیا جائے گا تو اے انسان تم حساب سے کہاں بچ سکتے ہو؟[5]

"جلحاء" یہ وہ حیوان ہے جس کے سینگ پیدائشی طور پر نہیں ہوتے ہیں۔ "القرناء" یہ وہ حیوان ہوتا ہے جس کے بڑے بڑے سینگ ہوں۔[6]

الفصل الثانی

اِمَّعَةٌ نہ بنو، برائی کا بدلہ برائی نہیں ہے

﴿۷﴾ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَكُوْنُوْا اِمَّعَةً تَقُوْلُوْنَ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَحْسَنَّا وَاِنْ ظَلَمُوْا ظَلَمْنَا وَلٰكِنْ وَطِّنُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَنْ تُحْسِنُوْا وَاِنْ اَسَاؤُوْا فَلَا تَظْلِمُوْا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[7]

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم امعہ نہ ہو یعنی یہ نہ کہو کہ اگر لوگ ہمارے ساتھ بھلائی کریں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ بھلائی کریں گے اور اگر لوگ ہمارے ساتھ ظلم کریں گے تو ہم بھی انکے ساتھ ظلم کریں گے بلکہ تم اپنے آپ کو اس امر پر قائم رکھو کہ اگر لوگ بھلائی کریں تو تم بھی بھلائی کرو اور اگر لوگ برائی کریں تو تم ظلم نہ کرو۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے۔

[1] المرقات: ۸/۸۵۲ [2] بروج: ۱۶ [3] الانبیاء: ۲۳ [4] النباء: ۴۰

[5] المرقات: ۸/۸۵۲، ۸۵۳ [6] المرقات: ۸/۸۵۲ [7] اخرجه الترمذی: ۴/۳۶۴

توضیح: "امعة" امعہ اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی کوئی رائے نہیں رکھتا ہے بلکہ سوچے سمجھے بغیر یوں کہتا پھرتا ہے "انا مع فلان" دعوت کے بغیر کھانے پر دوسروں کے تابع بن کر جاتا ہے اور کہتا ہے "انا مع فلان" اپنا کوئی مقام نہیں رکھتا دوسروں کے کہنے پر دوسروں کی رائے کے تابع بن کر وقت گزارتا ہے۔ امعہ کی کچھ تفصیل توضیحات جلد چہارم باب الامارۃ میں گزر چکی ہے یہاں حدیث میں امعہ سے وہ شخص مراد ہے جو کہتا ہے کہ میرے ساتھ لوگوں نے جو سلوک روا رکھا میں ان کے ساتھ وہی سلوک کرونگا اگر لوگ میرے ساتھ اچھے رہے تو میں بھی اچھا رہوں گا اگر لوگ برے ہوئے تو میں بھی برائی کروں گا گویا اس شعر کو ہاتھ میں لئے کھڑا کہہ رہا ہے۔[1]

فمن شآء تقویمی فانی مقوم ۔۔۔ ومن شاء تعویجی فانی معوج

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح امعہ نہ بنو بلکہ اگر لوگ احسان کریں تو تم احسان کرو اور اگر لوگ برائی کا معاملہ کریں تو تم بھلائی اور احسان کا معاملہ کرو اور "تخلقوا باخلاق اللّٰہ" کا نمونہ بنو۔ "فلا تظلموا" اس جملہ کا ترجمہ یہ ہے کہ لوگوں کی برائی پر تم ظلم نہ کرو۔ پھر اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ برائی کرنے والوں سے اعتدال میں رہتے ہوئے بدلہ لو مگر ظلم وزیادتی نہ کرو یہ ادنیٰ مؤمن کا درجہ بتایا گیا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ برائی کرنے والوں کے ساتھ صرف برائی کا مت سوچو بلکہ معاف کرنے کا خیال بھی کرو یہ دوسرے درجہ کے متوسط مؤمن کا درجہ بتایا گیا ہے۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ برائی کرنے والے کے ساتھ اچھائی کرو یہ اعلیٰ مؤمن کا درجہ بتایا گیا ہے تو "فلا تظلموا" کے جملہ میں گویا تین قسم کے مسلمانوں کے تین درجات کا ذکر ہے۔ ادنیٰ، متوسط۔ اور اعلیٰ درجہ کے مؤمن۔[2]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خط

﴿۸﴾ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ اَنَّهُ كَتَبَ اِلٰى عَائِشَةَ اَنِ اكْتُبِيْ اِلَيَّ كِتَابًا تُوْصِيْنِيْ فِيْهِ وَلَا تُكْثِرِيْ فَكَتَبَتْ "سَلَامٌ عَلَيْكَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ". (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لکھا کہ آپ مجھ کو ایک نصیحت نامہ لکھ کر بھیج دیجئے اور وہ نصیحت نامہ طویل نہ ہو چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ کلمات لکھ بھیج دیئے: تم پر سلامتی ہو! بعد ازاں میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ کی رضامندی وخوشنودی کو مدنظر رکھتا ہے اور لوگوں کی خفگی وناراضگی سے بے پرواہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کی محبت کی طرف سے اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور جو شخص

[1] المرقات: ۸/۸۵۳ [2] المرقات: ۸/۸۵۲ [3] اخرجه الترمذی: ۲/۶۰۹

لوگوں کی رضامندی وخوشنودی کو مدنظر رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خفگی وناراضگی سے بے پرواہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کے سپرد کر دیتا ہے اور سلامتی ہو تم پر۔ (ترمذی)

توضیح: "ولاتکثری" یعنی طویل مضمون اور طویل الفاظ نہ ہوں بلکہ مختصر اور جامع نصیحت لکھ دو۔ [۱] "سخط الناس" یعنی لوگوں کی ناراضگی اور خفگی کو قبول کیا لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی رکھا۔ [۲] "مؤنة الناس" یعنی لوگوں کی محنت ومشقت اور ضروریات کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہوجائے گا۔ [۳] "وکله الی الناس" یعنی جو شخص خدا کو چھوڑ کر لوگوں کو راضی کرنے کی کوشش کریگا اللہ تعالیٰ اس شخص کو لوگوں کے حوالہ کر دیگا پھر لوگ اسکی بوٹیاں اڑا دیں گے۔ [۴]

الفصل الثالث

لفظ ظلم کا مفہوم ومطلب

﴿۹﴾ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ شَقَّ ذَالِكَ عَلٰى اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ ذَاكَ اِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ اَلَمْ تَسْمَعُوْا قَوْلَ لُقْمَانَ لِاِبْنِهٖ ﴿يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَيْسَ هُوَ كَمَا تَظُنُّوْنَ اِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۵]

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت ﴿الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلم﴾ نازل ہوئی تو اس سے رسول کریم ﷺ کے صحابہ کو بڑا بوجھ محسوس ہوا چنانچہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں ایسا کون شخص ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا ہے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہ بات نہیں ہے (یعنی ظلم سے وہ مراد نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو یعنی مطلق گناہ) بلکہ ظلم سے شرک مراد ہے۔ کیا تم نے لقمان کی وہ نصیحت نہیں سنی جو انہوں نے اپنے (مومن) بیٹے کو کی تھی (اور وہ یہ کہ) اے میرے بیٹے! خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا کیونکہ شرک یقینا بہت بڑا ظلم ہے اور ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ (آپ نے فرمایا) ظلم سے وہ مراد نہیں ہے جس کا تم نے گمان کیا ہے بلکہ اس سے وہ مراد ہے جو لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا۔
(بخاری ومسلم)

توضیح: ﴿ولم یلبسوا ایمانهم بظلم﴾ [۶] "شق ذلك" یعنی یہ آیت جب نازل ہوئی تو اس کا مطلب صحابہ کرام پر بہت گراں گزرا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خیال کیا کہ ظلم کے لفظ سے مراد گناہ ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ انبیاء کرام کے علاوہ گناہوں سے پاک کون ہوسکتا ہے اس لئے انہوں نے سوال کیا کہ "اینا لم یظلم" یہ انکی پریشانی کا بہت بڑا اظہار تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ ظلم سے مراد کامل درجہ کا ظلم ہے جو شرک ہے

[۱] المرقات: ۸/۸۵۴، ۸۵۵ [۲] المرقات: ۸/۸۵۵ [۳] المرقات: ۸/۸۵۵ [۴] المرقات: ۸/۸۵۵
[۵] اخرجه البخاری: ۱/۱۵ ومسلم: ۱/۶۳ [۶] الانعام: ۸۲

کیونکہ سورت لقمان کی ایک آیت میں ہے ﴿ان الشرك لظلم عظيم﴾[1] یہاں اس ظلم سے مراد عام گناہ نہیں ہے بلکہ ایک خاص قسم کا گناہ مراد ہے جو شرک ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جن لوگوں نے ایمان کو کفر سے مخلوط نہیں کیا یعنی ایسا منافق نہیں رہا جس کی زبان پر تو ایمان ہو اور دل میں شرک پڑا ہوا ہو۔

بدترین شخص وہ ہے جو دوسرے کی دنیا پر اپنی آخرت کو خراب کرے[2]

﴿۱۰﴾وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَبْدٌ اَذْهَبَ اٰخِرَتَهٗ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن مرتبہ کے اعتبار سے بدترین آدمی وہ ہوگا جو دنیا کے سبب آخرت کو ضائع کر دے۔ (ابن ماجہ)

توضیح: "بدنیا غیرہ" مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے دنیوی فائدہ اور مقصد کے لئے اپنی آخرت کو برباد کرتا ہے تو یہ بھی سنگین جرم ہے لیکن یہ جرم اس وقت مزید سنگین ہو جاتا ہے جبکہ کسی دوسرے کی دنیا بنانے کے لئے ہو مثلاً ایک شخص اپنے مفادات کے لئے نہیں بلکہ دوسرے کے مفادات کے لئے کسی پر ظلم شروع کرتا ہے اور اس میں استعمال ہوتا ہے جس طرح کہ سرکاری وغیر سرکاری اداروں میں بہت سارے لوگ دوسروں کو خوش کرنے کے لئے عوام الناس پر ظلم کرتے ہیں یہ غیر کی دنیا بنانے کے لئے اپنی آخرت برباد کرنا ہے جس طرح آج کل پرویز مشرف امریکہ کو خوش کرنے کے لئے اپنے مسلمانوں کو نشانہ بنا رہا ہے۔

قیامت میں تین قسم کے دیوانی کیس ہونگے

﴿۱۱﴾وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدَّوَاوِيْنُ ثَلَاثَةٌ دِيْوَانٌ لَايَغْفِرُهُ اللّٰهُ اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ يَقُوْلُ عَزَّوَجَلَّ (اِنَّ اللّٰهَ لَايَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ) وَدِيْوَانٌ لَايَتْرُكُهُ اللّٰهُ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِيْمَا بَيْنَهُمْ حَتّٰى يَقْتَصَّ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ وَدِيْوَانٌ لَايَعْبَأُ اللّٰهُ بِهٖ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ فَذَاكَ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ وَاِنْ شَاءَ تَجَاوَزَ عَنْهُ[4]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دفتر یعنی نامۂ اعمال تین طرح کے ہیں ایک تو وہ نامۂ اعمال ہے جس کو اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اور یہ نامۂ اعمال وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کیا گیا ہو (یعنی کفر و شرک کا گناہ جس نامۂ اعمال میں ہوگا اس کی بخشش ممکن نہیں ہوگی) چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا شرک کو نہیں بخشتا۔ دوسرا نامۂ اعمال وہ ہے جو اللہ

[1] لقمٰن ۱۳ [2] المرقات: ۸/۸۵۵، ۸۵۶ [3] اخرجه ابن ماجه: ۲/۱۳۱۲ [4] اخرجه البيهقي: ۶/۵۲

تعالیٰ یوں ہی نہیں چھوڑے گا اور یہ نامہ اعمال وہ ہے جس میں بندوں کے آپس کے مظالم درج ہیں، چنانچہ وہ ایک دوسرے سے بدلہ لیں گے۔ اور تیسرا اعمال نامہ وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ کو پرواہ نہیں ہوگی اور وہ اعمال نامہ وہ جس میں بندوں کا اللہ کے ساتھ ظلم کرنا ہے، یعنی ان کی طرف سے حقوق اللہ میں تقصیر وکوتاہی کا مرتکب ہونا درج ہے، چنانچہ یہ اعمال نامہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہوگا کہ چاہے وہ بندے کو اس کے عمل کے مطابق سزا دے اور چاہے اس سے درگزر وعفو کا معاملہ کرے اور اس کو سزا نہ دے۔

توضیح: "دواوین" یہ دیوان کی جمع ہے دیوان دفتر کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کے فیصلے تین قسم دفاتر میں ہونگے یہ دیوانی کیس تین الگ الگ سیکشنوں میں چلیں گے یہ دفاتر اور سیکشن ومراحل درحقیقت لوگوں کے اعمال نامے ہونگے۔ تو مختلف لوگوں کے مختلف اعمال نامے ہونگے جن کے الگ الگ جگہوں میں فیصلے ہونگے۔

پہلا دیوان شرک ہے جہاں سارے شرک کے ریکارڈ جمع ہونگے اس کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا، یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے۔ دوسرا حقوق العباد کا دیوان ہے جہاں ایک دوسرے پر مظالم کے ریکارڈ اور اعمال نامے ہونگے ان لوگوں کو اس وقت تک اللہ تعالیٰ معاف نہیں کریگا جب تک ان لوگوں کا پورا پورا بدلہ ایک دوسرے کو نہ دیا جائے ہاں اگر ان میں سے مظلوم کو اللہ تعالیٰ قیامت میں اپنی طرف سے راضی کردے اور اس کو اپنی جانب سے انعام دیدے اور وہ ظالم کو معاف کردے تو ایسا ہوسکتا ہے۔

تیسرا دیوان حقوق اللہ کا ہے جہاں انسانوں کے اعمال کے وہ اعمال نامے ہونگے جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہوگا کہ ان انسانوں نے حقوق اللہ میں کوتاہیاں کی ہیں اس کا حکم اور عام فیصلہ اس طرح ہوگا کہ اگر اللہ تعالیٰ معاف کرنا چاہے تو معاف کردیگا اور اگر سزا دینا چاہے تو سزا دیگا۔[1] ﴿ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشآء﴾ [2]

مظلوم کی بددعا سے بچو

﴿۱۲﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكَ وَدَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّمَا يَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى حَقَّهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَمْنَعُ ذَا حَقٍّ حَقَّهٗ۔[3]

ترجمہ: اور حضرت علی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اپنے آپ کو مظلوم کی بددعاء سے بچاؤ (یعنی کسی پر ظلم نہ کرو کہ وہ تمہارے حق میں بددعا کرے) کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے صرف اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب حق کو اس کے حق سے باز نہیں رکھتا (یعنی ہر حق دار کو اس کا حق ضرور دیتا ہے)

توضیح: "حقہ" یعنی مظلوم جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ظالم کی فریاد کرتا ہے تو درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی صاحب حق کا حق روکتا نہیں ہے اس لئے مظلوم کی بددعا فوراً لگتی ہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس کا استقبال ہوتا ہے کسی نے کہا ہے [4]

[1] المرقات: ۸/۸۵۷ [2] ال عمران ۱۱۶ [3] اخرجه البهقي: ۶/۲۹ [4] المرقات: ۸/۸۵۸

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

یعنی مظلوموں کی آہ وفریاد سے ڈرو کیونکہ ان کی بددعا کی قبولیت کے لئے آسمان سے استقبال آتا ہے

ظالم کی مدد کرنے والا اسلام سے خارج ہوجاتا ہے

﴿۱۳﴾ وَعَنْ اَوْسِ بْنِ شُرَحْبِیْلٍ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ مَشٰی مَعَ ظَالِمٍ لِیُقَوِّیَهٗ وَهُوَ یَعْلَمُ اَنَّهٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ۔[1]

ترجمہ: اور حضرت اوس ابن شرحبیل سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو شخص کسی ظالم کی تقویت وتائید کیلئے اس کے ساتھ چلے یعنی اس کی موافقت وحمایت کرے اور وہ یہ جانتا ہو کہ (جس شخص کی مدد وتائید کر رہا ہے) وہ ایک ظالم انسان ہے تو وہ شخص اسلام سے خارج ہوجاتا ہے یعنی وہ کمال ایمان سے محروم ہوجاتا ہے۔

توضیح: "من مشی مع ظالم" یعنی جس شخص نے کسی ظالم کے ظلم میں اس کی اس طرح تائید اور مدد کی کہ ظالم اپنے ظلم میں مضبوط ہوگیا اور یہ تائید کرنے والا جانتا ہے کہ یہ شخص ظالم ہے اس صورت میں یہ تائید کرنے والا اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے کوئی شخص اہل سنت کے نزدیک اسلام سے خارج نہیں ہوتا تو یہاں "**فقد خرج من الاسلام**" کا کیا مطلب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ظالم کی نصرت ومدد کرنے والا اس ظالم کے ظلم کو حلال سمجھتا ہے تو حرام کو حلال سمجھنے والا کافر ہوجاتا ہے لہٰذا یہ شخص اسلام سے خارج ہوگیا جس طرح آج کل مسلمان حکمران امریکہ کی بربریت میں ان کی مدد کو لازم سمجھتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حکم **تشدیداً تغلیظاً تهدیداً** اور **زجراً وتوبیخاً** ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اسلام سے مراد کامل اسلام ہے تو یہ شخص کمال اسلام سے نکل جائے گا ویسے اسلام میں رہیگا۔[2]

ظالم کے ظلم کی نحوست عام ہوتی ہے

﴿۱۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَجُلًا یَقُوْلُ اِنَّ الظَّالِمَ لَا یَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ فَقَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ بَلٰی وَاللّٰهِ حَتَّی الْحُبَارٰی لَتَمُوْتُ فِیْ وَكْرِهَا هُزْلًا لِظُلْمِ الظَّالِمِ۔ (رَوَی الْبَیْهَقِیُّ الْاَحَادِیْثَ الْاَرْبَعَةَ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ظالم حقیقت میں اپنے آپ

---

[1] اخرجہ البیہقی: ۶/۱۲۲ [2] المرقات: ۸/۸۵۸ [3] اخرجہ البیہقی: ۶/۵۴

ہی کو نقصان پہنچاتا ہے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے (یہ سنکر) فرمایا بیشک (ظالم اپنی ظالمانہ حرکتوں سے اپنے آپ ہی کو نقصان پہنچاتا ہے لیکن اس کی نحوست دوسروں کو بھی متاثر کرتی ہے) یہاں تک کہ حباری اپنے گھونسلے میں ظالم کے ظلم کے سبب دبلا ہو کر مرجاتا ہے چاروں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح: "حباری" ایک پرندہ کا نام ہے جس کو اردو میں سرخاب کہتے ہیں یہ پرندہ پانی کی تلاش میں بہت ماہر ہے اور سینکڑوں میل دور جا کر پانی حاصل کرتا ہے مگر ظالم کے ظلم کا اثر اتنا منحوس ہے کہ خشک سالی کی وجہ سے سرخاب بھی اپنے گھونسلہ میں پیاسا مرجاتا ہے حالانکہ یہ پرندہ پانی حاصل کرنے میں اپنی نظیر آپ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ کلام ایک شخص کے جواب میں ارشاد فرمایا وہ شخص کہہ رہا تھا کہ ظالم کے ظلم کا اثر صرف اس کے نفس تک خاص رہتا ہے اور کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیوں نقصان نہیں پہنچاتا؟ دیکھو حباری جیسا پرندہ پیاس کی وجہ سے مرجاتا ہے کیونکہ ظالم کے ظلم کے سبب بارش بند ہوجاتی ہے تو پانی ختم ہوجاتا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے شاید کوئی حدیث سنی ہوگی جس کا مضمون بیان کیا ہے۔[1]

---

[1] المرقات: ۸/۸۵۹

مورخہ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

باب الامر بالمعروف

امر بالمعروف کا بیان

نوٹ: امر بالمعروف کی بحث کا مقام اس لکھی ہوئی تاریخ سے پہلے تھا مگر بوجہ اہتمام اس بحث کو مؤخر کر کے لکھ دیا گیا اب ششماہی امتحان کے بعد اس کو پڑھایا جا رہا ہے ساتھ ساتھ تحریر بھی جاری ہے

قال اللہ تعالیٰ ﴿کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر﴾[1]

"**الامر بالمعروف**" یہاں اس عنوان پر سب سے پہلے شارحین کی طرف سے یہ اعتراض آتا ہے کہ قرآن وحدیث میں تقریباً ہر جگہ امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر کا لفظ جوڑ دیا گیا ہے یہاں صاحب مشکوٰۃ نے عنوان باندھتے ہوئے اس لفظ کو کیوں چھوڑ دیا ہے؟[2]

جواب: اس کا ایک جواب یہ ہے کہ معروف ماعرفہ الشرع کے معنی میں ہے جو منکر کو بھی شامل ہے، چنانچہ علامہ ابن اثیر نے نہایہ میں لکھا ہے کہ طاعات اللہ اور تقرب الی اللہ اور احسان الی الناس اور ہر وہ چیز جس کی طرف شرع نے بلایا ہے یا منع کر دیا ہے سب کو معروف کا لفظ شامل ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ احد الضدین کو یہاں ذکر کیا گیا ہے اور دوسرے مقابل نہی منکر کو فہم سامع کی بنیاد پر چھوڑ دیا گیا ہے اور اس طرح فصیح کلام میں ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وجعل لکم سرابیل تقیکم الحر﴾[3] یہاں والبرد کو فہم سامع پر چھوڑ دیا گیا ہے۔[4]

تیسرا جواب: ہے کہ شاید بعض ناسخین اور لکھنے والوں سے لکھنے میں یہ لفظ رہ گیا ہے اور پھر اسی طرح رواج چل پڑا یہ جواب زیادہ واضح ہے بہر حال یہ لفظ شناسا اور جانے پہچانے کے معنی میں ہے تو جس کو شریعت نے معروف کہا ہے شرعاً وہی معروف ہے اور جس کو شریعت نے منکر قرار دیا ہے شرعاً وہی منکر ہے اب یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ امر معروف کے تحت ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی سے لیکر اعلیٰ سے اعلیٰ تک نیکی داخل ہے اسی طرح المنکر کے تحت بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا گناہ داخل ہے اس میں کسی تخصیص کی گنجائش نہیں ہے امر اور نہی میں ایک پہلو شریعت کا ایجابی پہلو ہے اور دوسرا سلبی پہلو ہے اول کو مامورات اور اوامر کہتے ہیں اور دوسرے کو نواہی اور منہیات کہتے ہیں۔ ایک پہلو نرم ہے دوسرا گرم ہے جس طرح بجلی میں ایک گرم تار ہوتا ہے اور ایک ٹھنڈا تار ہوتا ہے دونوں کو ملا کر بجلی روشن ہوجاتی ہے دونوں کو ملائے بغیر روشنی نہیں آتی

[1] ال عمران ۱۱۰ [2] المرقات: ۸/۸۶۰ [3] النحل ۸۱ [4] المرقات: ۸/۸۶۰

نہ گرم تارا کیلئے مفید ہے نہ ٹھنڈا مفید ہے دونوں میں تلازم ہے امر اور نہی کی بھی یہی حیثیت ہے اس کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا ہے جس طرح بعض لوگ کرتے ہیں۔

اب نتیجہ یہ نکلا کہ امر معروف سنن و مستحبات کو بھی شامل ہے اور فرائض اور واجبات کو بھی شامل ہے اور منکر مکروہات کو بھی شامل ہے اور حرام قطعی کو بھی شامل ہے۔

مثال کے طور پر معروف کو لیجئے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا اور مسلمان بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا معروف کا ایک ادنیٰ درجہ ہے اور کلمۂ شہادت کا اقرار کرنا اور کفار کو توحید کی طرف دعوت دینا امر معروف کا ایک اعلیٰ درجہ ہے یا مثال کے طور پر منکر کو لیجئے کہ جس طرح بائیں ہاتھ سے کھانا کھانا دائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا کھڑے ہو کر الٹے ہاتھ سے پانی پینا جس طرح منکر کا ادنیٰ درجہ ہے اور اس سے منع کرنا نہی عن المنکر ہے اسی طرح کفر و شرک اور بدعت و زندقہ بھی منکر کا اعلیٰ درجہ ہے اور اس سے روکنا بھی نہی عن المنکر ہے۔

گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں میں ایک ابتدائی اور ادنیٰ درجہ ہے اور ایک انتہائی اور اعلیٰ درجہ ہے اب جو شخص معروف یا منکر کے جس درجہ میں محنت اور کام کریگا وہ اسی کے مطابق ثواب پائیگا وہ اگر کسی کو مکروہات سے منع کرتا ہے تو اس کے مناسب ثواب ملیگا اور اگر کفر سے روکتا ہے تو اس کے مطابق ثواب پائے گا اسی طرح معاملہ معروف کا بھی ہے اور دونوں کے الگ الگ درجے ہونگے، ظاہر ہے کہ جتنا بڑا کام کیا اتنا بڑا مقام ملیگا ایسا تو نہیں ہوگا کہ کام تو کیا چھوٹا سا اور بڑے ثواب ملنے کی امید میں انتظار کرنے لگا ایسا نہیں ہوگا "لایقاس الملوك بالحدادین" اسی طرح جس شخص نے معروف کا کام کیا اور اس کی دعوت دیدی لیکن منکر کو نہیں چھیڑا بلکہ اس کو مکمل طور پر چھوڑا تو اس کو منکر سے منع کرنے کا ثواب نہیں ملے گا کیونکہ اس نے اس میں کام ہی نہیں کیا تو ثواب کہاں سے ملے گا اور کیوں ملیگا؟ جو کیا اسی کا ثواب ملے گا۔

نیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں میں تلازم ہے اب اگر کوئی شخص یہ عقیدہ جمالے کہ صرف معروف کا حکم کروں گا منکر خود بخود ختم ہو جائیگا اور یہ شخص اپنے بیانات اور مکتوبات میں نشر کرتا رہتا ہے کہ معروف کو کرتے رہنا اور منکر کو نہ چھیڑنا ایسا عقیدہ رکھنا غلط ہے کیونکہ یہ نیا فلسفہ اور نئی ایجاد ہے اور نئی شریعت ہے اس کے لئے العیاذ باللہ نئے نبی اور نئے قوانین وقواعد کی ضرورت ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث کے پرانے قوانین میں تو ان دونوں کو ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے جس میں تلازم کی طرف اشارہ ہے اب اگر کسی شخص کی حکمت عملی سے نہی عن المنکر کے بغیر کہیں منکر کا ازالہ ہو گیا تو یہ حکمت عملی شریعت کے کسی حکم کو موقوف یا منسوخ نہیں کرسکتی ہے نیز نہی عن المنکر کی ضرورت کو ختم کرنے کے لئے یہ فرضی مثال بیان کرنا کہ معروف کی مثال روشنی کی طرح ہے اور منکر اندھیرا ہے جب روشنی آئے گی اندھیرا خود ختم ہو جائیگا یہ مفروضہ غلط ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے متواتر حکم کو ان مثالوں سے نہ توڑا کرو ﴿فلا تضربوا لله الامثال﴾[۱]

---

[۱] نحل ۷۴

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعریف

اب آیئے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شرعی اصطلاحی تعریف سمجھ لیجئے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ لفظ "امر" اور لفظ "نھی" کا شرعی مفہوم کیا ہے چنانچہ اصول فقہ کی تمام کتابوں مثلاً اصول الشاشی، نور الانوار اور حسامی وغیرہ میں اصول فقہ کے علماء نے امر اور نھی کی تعریفات اس طرح لکھی ہیں۔

❶ الامر هو قول القائل لغيره على سبيل الاستعلاء "افعل" (اصول الشاشی نور الانوار)

❷ الامر امرته اذا كلفته ان يفعل شيئاً (مفردات القرآن)

❸ الامر طلب الفعل وموجبه عند الجمهور الالزام والنهي قول القائل لغيره على سبيل الاستعلاء لا تفعل (حسامی)

ان تمام تعریفات کا خلاصہ یہ نکلا کہ امر آڈر کے معنی میں ہے جس میں غیر کو حکم دیا جاتا ہے کہ یہ کام کرو اور اس کو کرنا ہوگا اس میں رضا کارانہ طور پر کام کرنے کی اپیل والتماس اور درخواست نہیں ہوتی ہے بلکہ دوٹوک الفاظ میں حکم ہوتا ہے کہ یہ کام کرو اگر نہیں کیا تو سزا کے لئے تیار ہو جاؤ اور ان تمام تعریفات سے معلوم ہو گیا کہ آج کل تبلیغی حضرات امر کے مفہوم کو التماس اور اپیل و درخواست کے معنی میں سمجھ بیٹھے ہیں، کرتے ہیں التماس اور ثواب لیتے ہیں "امر" کا "فیا عجباً لهم"۔

امر کا صیغہ تقریباً ۲۵ معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن شریعت نے اپنی شرعی اصطلاح میں امر کا جو مفہوم فراہم کیا ہے وہ وہی مفہوم ہے جو اوپر اصول فقہ کی کتابوں میں درج ہے جس میں آرڈر کا مفہوم پڑا ہے اور چونکہ امر کا یہ مفہوم قوت نافذہ اور طاقت کا تقاضا کرتا ہے اسی وجہ سے نزول قرآن کے وقت تیرہ سال تک اللہ تعالیٰ نے مکی دور میں "تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر" کے الفاظ اور اس اصطلاح کو قرآن میں بالکل ذکر نہیں فرمایا، جب مسلمانوں اور پیغمبر اسلام ﷺ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور آسمان سے جہاد کا حکم آ گیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر کی اصطلاح کو بیان فرمایا، آپ کو کسی بھی مکی سورت میں یہ اصطلاح اور یہ الفاظ نہیں ملیں گے یہ سب مدنی سورتوں میں ہے۔

گویا اسلامی حدود اور سزائیں، تعزیرات اور جہاد، اوامر اور نواہی یہ سب ایک عنوان امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کے مختلف نام ہیں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ معارف القرآن جلد ۱ صفحہ نمبر ۱۵۰ پر لکھتے ہیں کہ اگر چہ امر معروف اور نھی منکر پچھلی امتوں میں تھی جس کی تفصیل قرآن وحدیث میں ہے مگر اول تو ان امتوں میں جہاد کا حکم بڑے پیمانے پر نہ تھا اس لئے ان کا امر زبان اور دل سے ہو سکتا تھا امت محمدیہ میں اس کا تیسرا درجہ ہاتھ کی قوت سے امر معروف کا بھی ہے جس میں جہاد کی تمام اقسام بھی داخل ہیں۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۱۵۰)[1]

[1] معارف القرآن ص ۱۴۵/۲

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی اس تشریح سے معلوم ہوا کہ امر اور نہی کے مفہوم میں جو اعلیٰ اور بلند درجہ ہے وہ جہاد ہے چنانچہ جہاد کے حکم کے آنے کے بعد ہی اسلام نے امر اور نہی کی اصطلاح کو اپنایا ہے۔ چند تفاسیر سے چند عبارتیں نقل کرتا ہوں تا کہ معلوم ہو جائے کہ امر ونہی اور جہاد میں کیا نسبت ہے۔

❶ علامہ جصاص رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں لکھا ہے "فان الجهاد ضَرْبٌ من الامر بالمعروف والنهي عن المنكر" یعنی جہاد مقدس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ایک اعلیٰ قسم ہے (ج ۳ ص ۱۱۹)

❷ علامہ قرطبی تفسیر قرطبی میں لکھتے ہیں "فجعل الله الامر بالمعروف والنهي عن المنكر فرقا بين المؤمنين والمنافقين فدل على ان اخص اوصاف المؤمنين الامر بالمعروف والنهي عن المنكر ورأسها الدعاء الى الاسلام والقتال عليه. (قرطبی ج ۴ ص ۴۷)[1]

❸ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے "كنتم خير امة اخرجت للناس" کے تحت لکھا ہے۔ قال ابوهريرة رضی اللہ عنہ كنتم خير الناس للناس تأتون بهم في السلاسل في اعناقهم حتى يدخلوا في الاسلام وقال ابوهريرة رضی اللہ عنہ نحن خير الناس للناس نسوقهم بالسلاسل الى الاسلام (ترمذی ج ۱ ص ۳۹۱)[2]

❹ علامہ روح المعانی نے كنتم خير امة کے تحت حضرت ابن عباس کی تفسیر کو اس طرح نقل کیا ہے۔ وعن ابن عباس ان المعنى تأمرونهم ان يشهدوا ان لا اله الا الله وتقاتلونهم عليها ولا اله الا الله هو اعظم المعروف وتنهون عن المنكر والمنكر هو التكذيب وهو انكر المنكر.

(روح المعانی ج ۴ ص ۲۸)[3]

❺ تفسیر کبیر میں علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے ایک سوال اٹھایا ہے کہ امر معروف اور نہی منکر تو دوسری امتوں میں بھی تھی پھر یہ امت کیوں خیر الامم قرار دی گئی؟

اس سوال کا جواب علامہ رازی رحمہ اللہ نے اس طرح دیا ہے: (عربی عبارت کو نقل کر رہا ہوں)۔

جواب: قال القفال رحمہ اللہ تفضيلهم على الامم انما حصل لاجل انهم يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر بآكد الوجوه وهو القتال لأن الامر بالمعروف قد يكون بالقلب وباللسان وباليد واقواها ما يكون بالقتال لانه القاء النفس في خطر القتل واعرف المعروف الدين الحق والايمان بالتوحيد والنبوة وانكر المنكر الكفر بالله فكان الجهاد في الدين محملا لاعظم المضار لغرض ايصال الشخص الى اعظم المنافع فوجب ان يكون الجهاد اعظم العبادات. ولما كان الجهاد في شرعنا اقوى منه من سائر الشرائع لاجرم صار ذالك موجبا لفضل هذه الامة من سائر الامم. (تفسير كبير ج ۸ ص ۱۹۱۔۱۹۲)[4]

---

[1] قرطبی ج ۴ ص ۴۷ [2] ترمذی ج ۱ ص ۳۹۱ [3] روح المعانی ج ۴ ص ۲۸ [4] موضع القران شفیق پرس کراچی/۹۶

❶ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کنتم خیر امۃ کے تحت امر معروف کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے:
یہ امت ہر امت سے بہتر ہے اس دو صفت میں امر معروف یعنی جہاد اور ایمان یعنی توحید کی تقید (تاکید) اسقدر اور دین میں نہیں (موضح القرآن ص ۱۰۳)

شاہ عبدالقادر آیت ولتکن منکم امۃ کے تحت امر معروف سے متعلق اس طرح لکھتے ہیں: معلوم ہوا مسلمانوں میں فرض ہے ایک جماعت قائم رہے جہاد کرنے کو اور دین کا تقید رکھنے کو تا خلاف دین کوئی نہ کرے۔

مندرجہ بالا لکھی جانے والی تمام عبارات کا خلاصہ یہ نکلا کہ امر کے شرعی اصطلاحی مفہوم میں دعوت کے ساتھ جہاد کا مفہوم پڑا ہے جو امر کا اصل اور بنیادی مفہوم ہے اور اسی جہاد کی وجہ سے یہ امت خیر الامم بنی ہے لہٰذا امر کے مفہوم سے جہاد کو خارج نہیں کیا جاسکتا بلکہ جہاد کے بغیر امر کا مفہوم مکمل ہی نہیں ہوسکتا، تبلیغی جماعت کے لوگ یا تو خود دھوکہ میں پڑے ہیں یا دوسروں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

امر بالمعروف کا حکم

امر بالمعروف کرنے کا حکم فرض کفایہ کے درجہ میں ہے اگر مسلمانوں کی ایک جماعت یہ کام کر رہی ہو تو باقی مسلمانوں کا ذمہ ساقط ہو جائے گا ہاں اگر کسی شخص کو کسی خاص منکر کا علم ہو اور دوسروں کو نہ ہو اور وہ شخص اس منکر کے ازالہ پر قادر بھی ہو تو اس وقت امر بالمعروف کرنا اس کے لئے فرض عین ہو جائے گا۔ اسی طرح امر بالمعروف اس وقت بھی فرض عین ہو جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کو برائی سے روکدے اور سامنے سے وہ شخص منع ہونے سے مکمل انکار کردے اب براہ راست اس منکر کی نہی اس شخص پر فرض ہو جائے گی۔

امر بالمعروف کے باب میں ہر آدمی پر دو چیزیں لازم اور واجب ہیں۔ پہلی چیز تو امر معروف اور نہی منکر کرنا واجب ہے اور دوسری چیز اس پر خود عمل کرنا واجب ہے اگر کوئی شخص خود عمل نہیں کرتا ہے تو یہ بہت بڑا جرم ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ شخص امر اور نہی کے فریضہ کو ترک کرے، ایک نیک کام اگر نہ کرسکا دوسرا تو کرے البتہ ایسے شخص کی دعوت اور وعظ میں تاثیر نہیں ہوگی مگر کرنا لازم ہے۔

عارفین کا کلام ہے "انظروا الی ما قال ولا تنظروا الی من قال" بابا سعدی نے اس نظریہ کو غلط قرار دیا ہے کہ عمل نہ کرنے والا وعظ ہی نہ کرے، کہا کہ

باطل است آنچہ مدعی گوید خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

یعنی مدعی کا یہ کہنا غلط ہے کہ سویا ہوا شخص کسی سوئے ہوئے کو بیدار نہیں کرسکتا ہے دیکھو دیوار پر لکھی ہوئی عبارت سے لوگ نصیحت لیتے ہیں۔

اس بحث کے بعد یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ امر اور نہی کرنے والے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ امر اور نہی کو پہچانتا ہو

اور اس کے پاس اس کا علم ہو ورنہ وہ معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنا دیگا اور نقصان اٹھائے گا یہی وجہ ہے کہ ﴿ولتکن منکم﴾ میں من تبعیض کے لئے ہے کیونکہ ہر آدمی اس کا اہل نہیں ہے ہاں علماء نے لکھا ہے کہ جو طبقہ جن اوامر ونواہی سے مناسبت رکھتا ہو ان کو اسی شعبہ کے دائرہ میں امر اور نہی پر مامور کیا جائے چنانچہ حکام کے لئے حدود وتعزیرات کا شعبہ سنبھالنا چاہئے وہ اس کو نافذ کریں اور علماء کے ذمہ شریعت کے دقیق مسائل ہیں وہ انکی دعوت دیں اور عام نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا عوام کے ذمہ ہے یعنی واضح موٹے موٹے احکام کو عوام بیان کریں تفصیلات میں نہ جائیں۔

بعض علماء نے ان ذمہ داریوں کو اس طرح ترتیب کے ساتھ تقسیم کیا ہے کہ حکام کے لئے امر بالسنان ہے یعنی نیزہ کی نوک پر دعوت دیکر منکرات سے لوگوں کو باز رکھے اور علماء کے لئے امر باللسان ہے اور عوام الناس کے لئے دل سے برا ماننے کا درجہ ہے اس کے بعد یہ بات بھی سمجھ لیں کہ اگر آمر اور داعی کے سامنے فرض حکم آ گیا تو اس کی دعوت فرض ہے اور اگر واجب ہے تو دعوت بھی واجب ہے اور اگر حکم استحبابی ہے تو دعوت بھی مستحب ہے اور سنت کی دعوت بھی سنت ہے ہاں اگر خوف فتنہ ہو تو پھر امر معروف ترک کیا جا سکتا ہے۔

امام غزالی نے احیاء علوم میں امر بالمعروف کی اور نہی عن المنکر کی جو بحث کی ہے وہ سرکاری محکمہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بحث ہے جسے دوسرے الفاظ میں "حسبہ" کہا گیا ہے آج کل ۲۰۰۵ء میں صوبہ سرحد میں جو حسبہ ایکٹ مجلس عمل کی حکومت نے تیار کیا ہے وہ یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا شعبہ ہے بہر حال کوئی مانے یا نہ مانے ہمارا کام بتانا تھا۔

مسافر راستہ دیکھے نہ دیکھے چراغ رہ گزر جلتا رہیگا
کوئی اس خیر کو مانے نہ مانے خطیبوں کا خطاب ہوتا رہیگا

مزید تفصیل اس باب کی حدیث نمبر ا کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

مورخہ ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

الفصل الاول

جس نے برائی دیکھی وہ اسے مٹا دے

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذَالِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تم میں سے جو شخص کسی

[1] اخرجه مسلم: ۱/۳۹

خلاف شرع امر کو دیکھے تو اس کو چاہئے کہ اس چیز کو اپنے ہاتھوں سے بدل ڈالے اور اگر وہ ہاتھوں کے ذریعہ اس امر کو انجام دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان کے ذریعہ اس امر کو انجام دے اور اگر زبان کے ذریعہ بھی اس امر کو انجام دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر دل کے ذریعہ اس امر کو انجام دے اور یہ (آخری درجہ) ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے (مسلم)

توضیح: "**من رأی منکم**" پہلی چیز تو برائی کا اپنی آنکھوں سے دیکھنا ہے جب تک کوئی شخص کسی منکر کو دیکھتا نہیں اس وقت تک اس کی طرف برائی کا ازالہ متوجہ نہیں ہوتا اور جب اس نے برائی کو دیکھ لیا تو قدرت کی صورت میں ہاتھ سے اس کا ازالہ کرنا اور مٹانا فرض ہے بشرطیکہ کسی بڑے فتنے کا خطرہ نہ ہو۔ "**منکم**" کے لفظ سے اشارہ کیا گیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری ان حضرات پر ہے جو معروف اور منکر کو جانتے ہیں اور وہ لوگ **متفق علیہا** اور مختلف فیہا مسائل میں فرق کر سکتے ہوں وہ ناسخ اور منسوخ کو پہچانتے ہوں اور مکی و مدنی نصوص میں فرق کر سکتے ہوں "**ولتکن منکم امة**" میں من تبعیضیہ سے بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بہرحال قوت سے نافذ کرنے والے احکامات کا تعلق حکمرانوں سے ہے اور دقیق مسائل پر مشتمل اوامر ونواہی کا تعلق علماء سے ہے اور عام فہم مسائل کی ذمہ داری عوام الناس پر ہے مثلاً اس طرح کے سطحی مسائل جن کو عوام الناس جانتے ہوں مثال کے طور پر یہ کہنا کہ شراب حرام ہے اور نماز پڑھنا فرض ہے روزہ فرض ہے سود کھانا حرام ہے اس سے زیادہ فلسفے بیان کرنا اور دو دو گھنٹے بیان کرنا عوام کے لئے جائز نہیں ہے جس طرح جہال اہل تبلیغ کرتے ہیں۔[1] "**فلیغیرہ بیدہ**" یعنی ہاتھ ڈال کر برائی کو روک دے اور اس کے خلاف مسلح جدوجہد کرے یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے اس میں قوت بازو استعمال کرنے کی ترغیب دی گئی ہے جو درحقیقت جہاد کرنے اور اس کے علاوہ منکرات کے دفاع کو شامل ہے **بیدہ** کا زور بازو کی طرف اشارہ ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ منکر اور برائی کا ازالہ ہو جائے فقط ازالہ مقصود ہے خواہ وہ زبان سے ہو یا کسی اور حکمت سے ہو لہٰذا نہی عن المنکر کی ضرورت نہیں ہے یہ ان حضرات کی غلط سوچ کا نتیجہ ہے کیونکہ یہاں "**بیدہ**" کا لفظ موجود ہے اگر ہاتھ سے روکنے اور ید کا لفظ مذکور نہ ہوتا تو پھر ان کی بات سنی جا سکتی تھی لیکن جب ہاتھ سے روکنے کی تصریح موجود ہے تو اس کے بعد دوسرا معنی لینا حدیث سے اعراض یا اس پر اعتراض کے مترادف ہے جس میں تحریف کا خطرہ ہے۔

کیونکہ پیغمبر اسلام ﷺ نے منکر کے ازالہ کے تین درجات بتائے ہیں جس میں پہلا درجہ ازالہ بالید ہے اب ازالہ بالید کے درجہ کو اپنی کمزوریوں کے پردوں میں چھپانا اور اس میں تاویلیں کرنا اور اس کے لئے مثالوں کو بیان کرنا اور قصوں سے اس کی افادیت کو کم کرنا یہ دین کا کام نہیں نہ دین کی کوئی خدمت ہے ﴿**فلا تضربوا لله الامثال**﴾[2] تبلیغی جماعت کو چاہئے کہ دین کے تابع ہو جائیں دین کو اپنا تابع نہ بنائیں۔[3]

"**فبلسانه**" زبان سے منکر کے ازالہ کا مطلب یہ ہے کہ حق کو کھول کر بیان کیا جائے واضح الفاظ میں زبان سے حق کا

[1] المرقات: ۸/۸۶۰_۸۶۱ [2] النحل: ۷۴ [3] المرقات: ۸/۸۶۱

اعلان کیا جائے اور پھر اس حق کو دوسروں تک پہنچایا جائے اس میں زبان سے تہدید وتغلیظ بھی ہو موقع ومحل کے مناسب گرمی بھی ہو اور نرمی بھی ہو ترغیب بھی ہو اور ترہیب بھی ہو، اس فریضہ کو آج کل علماء کرام تدریس کے ذریعہ سے پورا کر رہے ہیں مساجد میں تقریر اور جرائد ورسائل میں تحریر کے ذریعہ سے پورا کر رہے ہیں، جماعت تبلیغ کے احباب چلوں اور گشتوں کے ذریعہ پورا کر رہے ہیں اور دین اسلام کے مجاہدین میدان جہاد میں کفار واغیار پر مجاہدانہ للکار اور جہادی اشعار کی یلغار سے پورا کر رہے ہیں مگر یاد رکھنا چاہئے امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر بھی لازم ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ آدمی پہلے زبان کے ذریعہ سے نرمی سے سمجھائے اگر نہیں مانا تو پھر سختی کرے اور اگر قدرت وطاقت ہو تو پھر ہاتھ ڈال کر منع کر دے مثلاً شراب کو ضائع کر دے اور طبل باجے کے آلات کو توڑ ڈالے۔

زجاجة المصابیح میں لکھا ہے کہ اگر امر کرنے والے آمر کی غالب رائے ہو کہ لوگ اس کی بات کو قبول کر لیں گے اور منکر سے باز آجائیں گے تو اس وقت نہی عن المنکر واجب ہے اور اگر گمان یہ ہو کہ لوگ نہیں مانیں گے گالیاں دیں گے بلکہ ماردیں گے تو اس وقت نہی عن المنکر ترک کرنا افضل ہے اسی طرح اگر بڑے فتنہ کے اٹھنے کا خطرہ ہو تو اس وقت بھی نہی عن المنکر ترک کرنا جائز ہے اور اگر داعی اور امر کرنے والا آدمی تمام مشقتوں کو برداشت کر سکتا ہے تو پھر نہی عن المنکر کرنا افضل ہے اور آدمی مجاہد ہے، علامہ زندیسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امر بالید حکام کا کام ہے امر باللسان علماء کا کام ہے اور امر بالقلب عوام الناس کا کام ہے۔

"**فبقلبه**" اس کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اس منکر سے نفرت ہو اس کے مرتکب پر غصہ ہو اور دل میں پکا ارادہ ہو کہ جب موقع ملیگا تو میں ہاتھ سے اس منکر کو ختم کر دوں گا یہ ادنیٰ درجہ ایمان ہے اگر یہ جذبہ بھی دل میں نہیں تو پھر دل میں کچھ بھی نہیں۔[1]

"**اضعف الایمان**" یعنی ایمان کے ثمرات کا یہ کمزور ثمرہ ہے اور ایمان کے حوالے سے یہ آدمی آخری درجہ کا مسلمان ہے اس کے بعد وہ مسلمان نہیں رہیگا کیونکہ جو شخص برائی اور بھلائی میں فرق نہیں مانتا وہ اپنی شریعت اور قرآن وحدیث کے اوامر اور نواہی کا انکار کرتا ہے اور یہ کفر ہے کیونکہ حرام سے نہی واجب ہے مکروہات سے نہی مستحب ہے۔ یہ شخص ایمان میں کمزور تر اس لئے قرار دیا گیا کہ اس نے قوت کے پہلے دو درجوں کو نظر انداز کیا ہے فتاویٰ عالمگیری میں امر بالمعروف کے لئے پانچ شرائط ہیں۔[2]

❶ داعی کا عالم ہونا ❷ رضاء الٰہی اور اعلاء کلمۃ اللہ مقصود ہونا ❸ جس کو دعوت دے رہا ہے اس پر شفقت ونرمی کرنا ❹ ہر مشقت پر صبر کرنا ❺ داعی جو کہتا ہو اس پر خود عمل بھی کرتا ہو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑنا اجتماعی عذاب کو دعوت دینا ہے

﴿۲﴾ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُدْهِنِ فِيْ حُدُوْدِ

---

[1] المرقات: ۸/۸۶۱ [2] المرقات: ۸/۸۶۱

اللهِ وَالْوَاقِعِ فِيهَا مَثَلُ قَوْمٍ اِسْتَهَمُوْا سَفِيْنَةً فَصَارَ بَعْضُهُمْ فِيْ اَسْفَلِهَا وَصَارَ بَعْضُهُمْ فِيْ اَعْلَاهَا فَكَانَ الَّذِيْ فِيْ اَسْفَلِهَا يَمُرُّ بِالْمَاءِ عَلَى الَّذِيْنَ فِيْ اَعْلَاهَا فَتَاَذَّوْا بِهٖ فَاَخَذَ فَاْسًا فَجَعَلَ يَنْقُرُ اَسْفَلَ السَّفِيْنَةِ فَاَتَوْهُ فَقَالُوْا مَالَكَ، قَالَ تَاَذَّيْتُمْ بِيْ وَلَابُدَّ لِيْ مِنَ الْمَاءِ فَاِنْ اَخَذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ اَنْجَوْهُ وَنَجَّوْا اَنْفُسَهُمْ وَاِنْ تَرَكُوْهُ اَهْلَكُوْهُ وَاَهْلَكُوْا اَنْفُسَهُمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی مقرر کردہ حدود میں غفلت اور سستی کرنے والے اور ان حدود میں گر پڑنے والے یعنی گناہ کا ارتکاب کرنے والے کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو قرعہ ڈال کر کشتی میں بیٹھے ہوں چنانچہ ان میں سے بعض لوگ کشتی کے نیچے کے حصے میں بیٹھ گئے اور بعض لوگ اوپر کے حصہ میں بیٹھ گئے پھر جو لوگ کشتی کے نیچے حصہ میں ہوں وہ جب پانی لینے کے لئے اوپر کے حصے میں آئیں تو اس حصے میں بیٹھے ہوئے لوگ اس شخص کے آنے جانے کی وجہ سے تکلیف محسوس کرنے لگیں لہٰذا نیچے کے حصہ والوں میں سے ایک شخص یہ کرے کہ کلہاڑا لے کر کشتی کی سطح کو توڑنا شروع کردے پس اوپر کے لوگ اس کے پاس آئیں اور ان سے کہیں کہ یہ تمہیں کیا ہوا ہے؟ اس پر وہ شخص یہ جواب دے کہ جب میں اوپر جاتا ہوں اور تم لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوں تو تم تکلیف و ناگواری محسوس کرتے ہو اور میں پانی حاصل کرنے پر مجبور ہوں ایسی حالت میں یا تو لوگ اس شخص کے ہاتھ کو روکیں تا کہ اس کو بھی اور خود اپنے آپ کو بھی بچائیں یا اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں اور پھر اس کو بھی ہلاکت میں ڈالیں اور خود بھی ہلاک ہو جائیں۔ (بخاری)

توضیح: "المداهن" جو شخص منکر کو دیکھ رہا ہو مثلاً زنا ہو رہا ہو، شراب پی جا رہی ہو، چوریاں ہو رہی ہوں، ڈاکے پڑ رہے ہوں، خیانتیں ہو رہی ہوں، رقص و سرور کی مجلسیں سجائی جا رہی ہوں اور یہ شخص اس کے روکنے پر قدرت بھی رکھتا ہو مگر کسی کی رعایت کی وجہ سے یا طمع و لالچ کی وجہ سے کچھ نہیں کر رہا ہو بلکہ سب کو خوشی خوشی برداشت کر رہا ہو یہ مداہنت ہے جو حرام ہے اور یہ شخص مداہن ہے اور اسی کے لئے یہ وعید ہے۔

مداہنت کے مقابلہ میں مدارات ہے وہ اس نرمی کا نام ہے کہ کوئی شخص اپنے حقوق سے دست بردار ہوتا ہے شر اور ضرر سے بچنے کے لئے شرافت نفس کے تحت لوگوں کی ایذائیں برداشت کرتا ہے اور نرم برتاؤ رکھتا ہے اسی کو کہا گیا ہے کہ "**دارهم مادمت فی دارهم**" یعنی جب تک ان کے گھر میں اور پڑوس میں ہو ان سے نبھائے رکھو اور اسی سے متعلق کہا گیا ہے کہ

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است — با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

اسلام میں مدارات جائز ہے اور مداہنت حرام ہے۔ حضرت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے ملفوظات میں لکھا ہے کہ مسلمان کو ریشم کی مانند ہونا چاہئے کہ ریشم بہت ہی نرم ہے لیکن اگر کوئی توڑنا چاہتا ہے تو ٹوٹتا نہیں ہے یعنی حق بات کہو مگر لہجہ ریشم کی طرح نرم رکھو اور حق کو چھوڑو نہیں ریشم کی طرح اس پر مضبوط رہو۔

[1] اخرجه البخاری: ۳/۱۸۲

خلاصہ یہ کہ مداہنت میں شخصی اور ذاتی مفادات کا خیال رکھا جاتا ہے اور مدارات میں شریعت اور اس کے قواعد کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اس میں دین کا عمومی فائدہ ہے۔ [1]

"استھموا سفینة" یعنی مکان اور سیٹ پکڑنے کے لئے قرعہ ڈالا۔ یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ سمندری جہاز میں بیٹھنے کے لئے مختلف حصے ہوتے ہیں اور سب میں راحت وآسائش کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے سب سے اوپر والا حصہ عرشہ کہلاتا ہے جو سب سے زیادہ عمدہ ہوتا ہے پہلے زمانہ میں جہاز میں بیٹھنے کے اعتبار سے ٹکٹ میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا تمام درجات کا ٹکٹ ایک قیمت کا ہوتا تھا اس لئے اس زمانہ میں اچھی اور بری جگہ کی تقسیم میں نزاع کو ختم کرنے کے لئے قرعہ ڈالنا پڑتا تھا تاکہ گلہ شکوہ نہ رہے آج کل قیمت اور ٹکٹ کا اعتبار ہے اگر مہنگا ٹکٹ لیا ہے تو اچھی جگہ ملیگی جس کو فرسٹ کلاس کہتے ہیں ورنہ سیکنڈ اور تھرڈ کلاس میں بیٹھنا ہوگا اور روکھے کھانے ہونگے اس حدیث میں قرعہ اندازی کا جو ذکر ہے وہ اسی پس منظر کی روشنی میں ہے۔ [2]

"فی اسفلھا" قدیم زمانہ میں سمندری جہاز کا قانون یہ تھا کہ پانی اوپر عرشہ میں ملتا تھا لہٰذا نیچے بیٹھنے والے اوپر چڑھ کر پانی حاصل کر کے نیچے لاتے تھے بسا اوقات ان گزرنے والوں کی وجہ سے وہاں کے لوگ تکلیف محسوس کرتے تھے تو وہ ان سے کہتے تھے کہ ہم پر نہ گزرو ہم کو تنگ نہ کرو خود اپنے پانی کا بندوبست کرلو۔ اس حدیث میں ہے کہ فرض کرلو اگر ایسی صورت پیدا ہوگئی اور نیچے والوں نے کلہاڑی لیکر جہاز کے نچلے حصے کو توڑنا شروع کر دیا تاکہ سمندر سے پانی حاصل کریں اب اگر اوپر والوں نے اس منکر کو روکنے کی کوشش کی تو سب بچ جائیں گے لیکن اگر انہوں نے منع نہیں کیا تو سوراخ سے پانی اندر آکر جہاز پانی سے بھر جائے گا اور پھر غرق ہوجائے گا یہ مثال ہے امر معروف اور نہی منکر کی اگر منکر پر انکار معاشرہ میں ہوگا تو معاشرہ بچ جائے گا لیکن اگر منکر کا انکار ختم ہوگیا تو اجتماعی عذاب کی آمد سے سارا معاشرہ تباہ ہوجائے گا لہٰذا مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں پر فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کی پاسداری کریں ورنہ سب تباہ ہونگے۔ [3]

بے عمل واعظ کا برا انجام

﴿۳﴾ وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجَاءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقٰى فِي النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُهُ فِي النَّارِ فَيَطْحَنُ فِيْهَا كَطَحْنِ الْحِمَارِ بِرَحَاهُ فَيَجْتَمِعُ اَهْلُ النَّارِ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُوْنَ اَيْ فُلَانُ مَاشَانُكَ؟ اَلَيْسَ كُنْتَ تَأْمُرُنَا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَانَا عَنِ الْمُنْكَرِ؟ قَالَ كُنْتُ اٰمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا اٰتِيْهِ وَاَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاٰتِيْهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [4]

ترجمہ: اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا جس

[1] المرقات: ۸/۸۶۳، ۸۶۴ [2] المرقات: ۸/۸۶۳ [3] المرقاة: ۸/۸۶۴ [4] اخرجه البخاری: ۴/۱۴۷ ومسلم: ۲/۵۹۳

کو آگ میں ڈال دیا جائیگا اور آگ میں پہنچتے ہی اس کی آنتڑیاں فوراً باہر نکل پڑیں گی اور وہ انتڑیوں کو اس طرح پیسے گا جس طرح گدھا اپنی چکی کے ذریعہ آٹے کو پیستا ہے چنانچہ (اس شخص کو اس حالت میں دیکھ کر) دوزخی اس کے گرد جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ اے فلاں شخص! تمہارا یہ کیا حال ہے؟ تم تو ہمیں نیک کام کی تلقین ونصیحت کیا کرتے تھے اور برے کام سے منع کرتے تھے وہ شخص جواب دے گا کہ بے شک میں تمہیں نیک کام کی تلقین کیا کرتا تھا مگر خود اس نیک کام کو نہیں کرتا تھا اور تمہیں برے کام سے منع کرتا تھا مگر خود اس برے کام سے باز نہیں رہتا تھا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "فتندلق" اندلاق پھٹنے اور جلدی جلدی باہر نکلنے کے معنی میں ہے یعنی اس بے عمل واعظ کو جب دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا تو آگ میں اس کی آنتڑیاں پھٹ کر فوراً باہر آ جائیں گی۔ "اقتاب" یہ جمع ہے اس کا مفرد **قتب** ہے قاف پر کسرہ اور تا پر فتحہ ہے آنتوں کو کہتے ہیں لیکن لغت کے امام ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ اقتاب پیٹ کے اندر آنتوں سمیت تمام اشیاء کو کہا جاتا ہے اور آنتوں کے لئے **اقصاب** کا لفظ بولا جاتا ہے اس فرق سے حدیث کا مفہوم زیادہ وسیع ہو گیا اور مطلب واضح ہو گیا۔[1] **فیطحن**" یہ مضارع معلوم کا صیغہ ہے آٹا پیسنے کے معنی میں ہے یعنی یہ شخص آنتوں کے گرد گھوم گھوم کران کو روندتا ہوا پیستا رہیگا۔ "**کطحن الحمار**" یہاں طحن مصدر ہے جو مضاف الی الفاعل ہے اور مفعول محذوف ہے اور "برحاہ" میں با استعانت کے لئے ہے، اصل عبارت اس طرح ہے "**کطحن الحمار الدقیق باستعانة الرحی**" (طیبی)[2]

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہاں تشبیہ المرکب بالمرکب ہے جس کو تمثیل کہتے ہیں جس میں ایک ہیئت کے ساتھ دوسری ھیئت کی تشبیہ دی جاتی ہے، یہاں رہٹ پر باندھا ہوا گدھا یا چکی کے ساتھ باندھا ہوا گدھا اور اس کا گھومنا اور چکی کا چلنا اور آٹے کا پیسنا یہ ایک کیفیت اور ہیئت ہے اور امر معروف کر کے بدعمل واعظ کا دوزخ میں جانا اور پیٹ سے تمام اشیاء کا نکل کر ڈھیر ہو جانا اور اس شخص کا اس پر گھوم گھوم کر روندنا اور آنتوں وغیرہ کا پس جانا یہ دوسری کیفیت ہے ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ بہر حال اس شخص کو یہ سزا عمل نہ کرنے کی وجہ سے ملیگی اس وجہ سے نہیں کہ اس نے دعوت کیوں دی ہے۔[3]

الفصل الثانی

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو ورنہ اجتماعی عذاب کے لئے تیار ہو جاؤ

﴿۴﴾عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتَامُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ عِنْدِهٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهٗ وَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[4]

[1] المرقات: ۸/۸۶۶ [2] المرقات: ۸/۸۶۶ والکاشف: ۹/۳۱۳ [3] الکاشف: ۹/۳۱۳ [4] اخرجه الترمذی: ۴/۴۶۸

ترجمہ: حضرت حذیفہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم یقیناً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دو گے یا عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کرے گا پھر تم اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں کی جائے گی۔ (ترمذی)

توضیح: "عذاباً" اس حدیث کا ایک مطلب یہ ہے کہ تم امر معروف اور نہی منکر کرتے رہو ورنہ تم پر اللہ تعالیٰ عذاب بھیج دیگا پھر تم اس عذاب کے رفع ہونے کے لئے دعائیں مانگو گے لیکن دعا قبول نہیں ہوگی، اس حدیث کا دوسرا مطلب خود بزار اور طبرانی کی ایک حدیث سے واضح ہو جاتا ہے وہ مطلب اس طرح ہے کہ حضرت ابو ہریرہ حضور اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا دو باتوں میں سے ایک بات کا ہونا ضروری ہے یا تم یقیناً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو گے یا ان دونوں فریضوں کے ترک کرنے پر یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے برے لوگوں کو مسلط کر دیگا پھر تمہارے نیک لوگ (برے لوگوں کی ہلاکت کے لئے) دعا کریں گے مگر ان کی دعا قبول نہیں کی جائے گی۔ (طبرانی اوسط)[1]

گناہ سے نفرت نہ کرنا اس میں شرکت کی مانند ہے

﴿٥﴾ وَعَنِ الْعُرْسِ بْنِ عَمِيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا عُمِلَتِ الْخَطِيْئَةُ فِي الْأَرْضِ مَنْ شَهِدَهَا فَكَرِهَهَا كَانَ كَمَنْ غَابَ عَنْهَا وَمَنْ غَابَ عَنْهَا فَرَضِيَهَا كَانَ كَمَنْ شَهِدَهَا۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عرس بن عمیرہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب زمین پر گناہ کئے جائیں تو جو شخص ان گناہوں کو برا جانے وہ اس شخص کی مانند ہے جو وہاں موجود نہ ہو اور جو شخص وہاں موجود نہ ہو لیکن وہ ان گناہوں کے وقوع کو جانتا ہو اور وہ ان گناہوں کو برا نہ جانے تو وہ اس شخص کی مانند ہوگا جو وہاں موجود ہو۔ (ابوداؤد)

توضیح: "کمن شھدھا" ظاہر ہے جو شخص کسی گناہ کا سنتا ہے اور اس کے منہ میں رال ٹپکتا ہے کہ کاش میں بھی اس میں ہوتا اور لطف اٹھاتا اور تفریح کا سامان ہو جاتا اور مزے اڑاتا تو اس شخص نے گناہ سے موافقت کر لی نفرت نہ کی یہ اگر چہ اس گناہ سے ہزاروں میل دور ہو اس کو اس گناہ میں شریک سمجھا جائے گا لیکن ایک شخص مثلاً گناہ کی مجلس اور اس کے علاقہ میں ہے گناہ کا مشاہدہ کر رہا ہے مگر دل سے اس سے نفرت کر رہا ہے اور اس کو برا مان رہا ہے یہ شخص ایسا ہے گویا اس نے نہ گناہ کیا ہے اور نہ اس کو دیکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے ایمان کا ادنیٰ آخری درجہ دل سے برا ماننے کا ہے، جس نے برا مانا کامیاب رہا جس نے برا نہ مانا ناکام ہو گیا قرب و بعد کا اعتبار نہیں ہے۔

[1] المرقات: ۸/۸۶۶ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۴/۱۲۲

ہمت نہ ہارو ابھی گناہوں کے مٹانے کا وقت ہے

﴿۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ قَالَ یَاۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّکُمْ تَقْرَءُوْنَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ (یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَایَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ) فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوْا مُنْکَرًا فَلَمْ یُغَیِّرُوْهُ یُوْشِكُ اَنْ یَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابِهٖ. (رواه ابن ماجة والترمذی وصححه وفی روایة ابی داود اذا رأوا الظالم فلم یأخذوا علی یدیه اوشك ان یعمهم الله بعقابه وفی اخری له ما من قوم یعمل فیهم بالمعاصی ثم یقدرون علی ان یغیروا ثم لا یغیرون الا یوشك ان یعمهم الله بعقاب وفی اخری له ما من قوم یعمل فیهم بالمعاصی هم اکثر ممن یعمله) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابوبکر صدیق سے روایت ہے کہ (ایک دن) انہوں نے فرمایا لوگو! تم اس آیت کو پڑھتے ہو {یاایها الذین امنوا علیکم انفسکم لایضرکم الخ} یعنی اے مومنو! تم اپنے نفسوں کو لازم پکڑلو جو شخص گمراہ ہوگیا ہے وہ تم کو ضرر نہیں پہنچائے گا جبکہ تم ہدایت یافتہ ہو چنانچہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ کسی خلاف شرع امر کو دیکھیں اور اس کی اصلاح وسرکوبی کے لئے کوشش نہ کریں اور لوگوں کو اس سے باز نہ رکھیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے عذاب میں مبتلا کردے۔ اس روایت کو ابن ماجہ اور ترمذی نے نقل کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے نیز ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ جب لوگ کسی کو ظلم کرتے دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے اور ابوداؤد ہی کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جس قوم میں گناہ ومعاصی کا ارتکاب ہونے لگے اور اس قوم کے لوگ ان کی اصلاح وسرکوبی کی قدرت رکھتے ہوں لیکن اس کے باوجود وہ اس اصلاح وسرکوبی کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب میں مبتلا کردے۔ ابوداؤد ہی کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جس قوم میں گناہ ومعاصی کا ارتکاب ہونے لگے اور اس قوم میں ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہو جو گناہ ومعاصی کا ارتکاب نہیں کرتے (لیکن اس کے باوجود وہ اپنے میں سے گناہ گار لوگوں کو گناہوں سے باز نہ رکھیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب میں گرفتار کریگا)۔

توضیح: "هذه الآیة" اس آیت کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر لوگ گمراہ ہوجائیں تو تم اپنے آپ کو بچاؤ، اپنے نفس کی فکر کرو گمراہ لوگ تم کو ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکتے بشرطیکہ تم ہدایت پر رہو۔ شاید حضرت صدیق اکبر سے کچھ لوگوں نے پوچھا ہوگا کہ اب امر اور نہی کا وقت نہیں رہا لہٰذا ہم اس کو ترک کر کے اپنی فکر میں بیٹھنا چاہتے ہیں تاکہ خود گمراہی سے بچ جائیں۔ اس پر حضرت صدیق اکبر نے عوام کو عمومی خطاب کر کے سمجھا دیا، شاید آپ نے جمعہ کے خطبہ یا کسی اور عام مجمع میں یہ بات کہی ہے۔ آپ کے اعلان کا مطلب اور مقصد یہ ہے کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اس آیت کے

[1] اخرجه ابن ماجه: ۲/۱۳۲۷

ارشاد کے مطابق تم امر ونہی کے عمل کو ترک کردو ابھی تو تمہیں آگے بڑھنا ہے اور دنیا پر چھا جانا ہے حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق اس وقت اگر امر ونہی کو ترک کروگے تو قریب ہے کہ تم پر عمومی اور اجتماعی عذاب آجائے کیونکہ ہاتھ کی قدرت کے باوجود اور افراد کی کثرت کے باوجود امر ونہی کو ترک کرنا موجب ذلت ہے۔ [1]

"ان یعمهم الله" یعنی قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ عمومی اور اجتماعی عذاب نازل کردے۔ اس عمومی عذاب کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ کافر اقوام آکر مسلمانوں پر قابض ہوجائیں اور ان کو طرح طرح کی ذلتوں میں ڈالدیں چنانچہ آج کل ہر جگہ مسلمانوں کے ساتھ یہی ہورہا ہے۔ یہ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ امر ونہی کے مصداق میں پہلا مصداق جہاد ہے۔ عذاب کی دوسری صورت یہ ہے کہ جب نہی عن المنکر بند ہوجائے گی تو یہی منکر اور معصیت اتنی عام ہوجائے گی کہ تمام لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیگی، گناہ کا اس طرح عام ہوجانا خود ایک عذاب ہے مثلاً قتل عام ہوجائے، زنا عام ہوجائے، رشوت وخیانت عام ہوجائے، جھوٹ اور خلاف وعدگی عام ہوجائے تو شریف انسان کے لئے زندگی گزارنا دشوار ہوجائے گا یہی عذاب ہے۔ [2] "هم اکثر" یعنی گناہ کے نہ کرنے والے گناہ کرنے والوں سے زیادہ ہوں یعنی خیر غالب ہو مغلوب نہ ہو، اچھے لوگوں کے ہاتھ میں قدرت واختیار ہو اور پھر بھی نہی عن المنکر نہیں کررہے ہوں تو سب کو عام عذاب گھیر لیگا۔ [3]

قدرت کے باوجود منکر سے نہ روکنا باعث عذاب ہے

﴿۷﴾وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَامِنْ رَجُلٍ يَّكُوْنُ فِيْ قَوْمٍ يَّعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِيْ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُّغَيِّرُوْا عَلَيْهِ وَلَايُغَيِّرُوْنَ اِلَّا اَصَابَهُمُ اللهُ مِنْهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتُوْا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ) [4]

ترجمہ: اور حضرت جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس قوم کا کوئی شخص گناہ ومعاصی کا ارتکاب کرتا ہو اور اس قوم کے لوگ اس پر قدرت رکھتے ہوں کہ (ہاتھ یا زبان کے ذریعہ) اس گناہ کی اصلاح وسرکوبی کریں اور اس شخص پر قابو پائیں لیکن اس کے باوجود اس کی اصلاح نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر اپنی طرف سے عذاب نازل کرتا ہے قبل اس کے کہ وہ مریں۔ (ابوداؤد وابن ماجہ)

مورخہ ۸ جمادی الاول ۱۴۱۸ھ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وقت کب تک ہے؟

﴿۸﴾وَعَنْ اَبِيْ ثَعْلَبَةَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى (عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَايَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ) فَقَالَ

[1] المرقات: ۸/۸۶۸ [2] المرقات: ۸/۸۶۸ [3] المرقات: ۸/۸۶۹ [4] اخرجه ابوداؤد: ۴/۱۲۰ وابن ماجه: ۲/۱۳۲۸

اَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ سَأَلْتُ عَنْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَلِ ائْتَمِرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ حَتّٰى إِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَهَوًى مُتَّبَعًا وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ وَرَأَيْتَ أَمْرًا لَا بُدَّ لَكَ مِنْهُ فَعَلَيْكَ نَفْسَكَ وَدَعْ أَمْرَ الْعَوَامِّ فَإِنَّ وَرَاءَكُمْ أَيَّامَ الصَّبْرِ فَمَنْ صَبَرَ فِيهِنَّ قَبَضَ عَلَى الْجَمْرِ لِلْعَامِلِ فِيهِنَّ أَجْرُ خَمْسِينَ رَجُلًا يَعْمَلُوْنَ مِثْلَ عَمَلِهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَجْرُ خَمْسِيْنَ مِنْهُمْ قَالَ أَجْرُ خَمْسِيْنَ مِنْكُمْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابوثعلبہ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم﴾ کی تفسیر میں منقول ہے کہ انہوں نے کہا جان لو خدا کی قسم! میں نے رسول کریم ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا (کہ کیا میں اس آیت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے سے باز رہوں؟) تو آپ نے فرمایا کہ (ہرگز نہیں) تم اس فریضہ کی ادائیگی سے باز نہ رہو) بلکہ نیکیوں کا حکم دیتے رہو، یہاں تک کہ جب تم بخل کو دیکھو کہ لوگ اس کی اتباع کرنے لگے ہیں جب تم خواہشات نفس کو دیکھو کہ لوگ اس کے غلام بن گئے ہیں جب دنیا کو دیکھو کہ لوگ اس کو آخرت پر ترجیح دینے لگے ہیں جب تم دیکھو کہ ہر عقل منداور کسی مسلک کا پیروکار اپنی ہی عقل اور اپنے ہی مسلک کو سب سے اچھا اور پسندیدہ سمجھنے لگا ہے اور جب تم کسی ایسی چیز کو دیکھو کہ جس کے علاوہ تمہارے لئے کوئی چارہ کار نہ ہو تو تم اپنے آپ کو لازم پکڑو (یعنی اپنی ذات کو گناہوں سے محفوظ رکھو) اور عوام کے معاملات سے کوئی تعلق نہ رکھو کیونکہ تمہارے سامنے آخر زمانہ میں ایسے دن آنے والے ہیں جن میں صبر کرنا ضروری ہوگا لہٰذا جس شخص نے ان دنوں میں صبر کرلیا اس کی حالت یہ ہوگی کہ گویا اس نے اپنے ہاتھ میں انگارا لے لیا ہے اور ان دنوں میں جو شخص دین و شریعت کے احکام پر عمل کرے گا اس کو ان پچاس لوگوں کے عمل کے برابر ثواب ملے گا جو اس شخص جیسے عمل کریں۔ صحابہ نے (یہ سنکر) عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ان پچاس لوگوں کے عمل کا اعتبار ہوگا جو ان کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہونگے آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ تم سے پچاس آدمیوں کا اجر و ثواب۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: "لایضرکم من ضل" اس آیت سے متعلق سوال حضرت ابوثعلبہ سے بھی ہوا تھا، سائل کا مقصد یہ تھا کہ شاید امر و نہی کا زمانہ ختم ہوگیا اب ان سب کو چھوڑ چھاڑ کر گھر میں جا کر چپ چاپ بیٹھنا چاہئے، حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح جواب دیا جس طرح صدیق اکبر نے دیا تھا کہ میں نے اس آیت سے متعلق آنحضرت ﷺ سے خود سوال کیا تھا آپ نے فرمایا کہ اب تو امر و نہی کا وقت ہے ہاں جب پانچ کام شروع ہوجائیں گے تو پھر تم اپنے کو بچاؤ اور عوام کو رہنے دو وہ پانچ کام یہ ہیں۔ ❶ جب تم نے دیکھا کہ لوگ بخل و کنجوسی کی اتباع کرنے لگے ہیں ❷ جب خواہشات نفسانیہ کو دیکھو کہ لوگ اس کے غلام بن گئے ہیں۔ ❸ جب تم دیکھو کہ لوگ دنیا کے غلام بن کر اس کو دین پر ترجیح دیں گے۔ ❹ جب تم دیکھو کہ ہر عقلمند اپنی رائے پر گھمنڈ کریگا اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو نظر انداز کریگا۔ ❺ اور جب تم نے دیکھ لیا کہ اب

[1] اخرجه الترمذي: ۵/۲۵۷ وابن ماجه: ۲/۱۳۲۹

گناہ میں خود مبتلا ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا گناہ سر پر ایسے منڈلا رہا ہے کہ اس سے بچنا مشکل ہوگیا ہے تو اب عوام کا معاملہ ان پر چھوڑ دو اس لئے کہ اب امر ونہی کی دعوت کا وقت نہیں رہا جان بچانے کے لئے جہاں ہو سکے بھاگ نکلو کیونکہ اب کیچڑ ہی کیچڑ ہے پھسلنے کا خطرہ ہے۔[1]

ع چون گل بسیار شد پیلان بلغزند

آنحضرت کا جامع اور طویل خطبہ

﴿۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَطِیْبًا بَعْدَ الْعَصْرِ فَلَمْ یَدَعْ شَیْئًا یَکُوْنُ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ اِلَّا ذَکَرَہٗ حَفِظَہٗ مَنْ حَفِظَہٗ وَنَسِیَہٗ مَنْ نَسِیَہٗ وَکَانَ فِیْمَا قَالَ اِنَّ الدُّنْیَا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ وَّاِنَّ اللّٰہَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْہَا فَنَاظِرٌ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ اَلَا فَاتَّقُوا الدُّنْیَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ وَذَکَرَ اَنَّ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِقَدْرِ غَدْرَتِہٖ فِی الدُّنْیَا وَلَا غَدْرَ اَکْبَرُ مِنْ غَدْرِ اَمِیْرِ الْعَامَّۃِ یُغْرَزُ لِوَاؤُہٗ عِنْدَ اِسْتِہٖ قَالَ وَلَا یَمْنَعَنَّ اَحَدًا مِنْکُمْ ہَیْبَۃُ النَّاسِ اَنْ یَّقُوْلَ بِحَقٍّ اِذَا عَلِمَہٗ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اِنْ رَاٰی مُنْکَرًا اَنْ یُّغَیِّرَہٗ فَبَکٰی اَبُوْ سَعِیْدٍ وَقَالَ قَدْ رَاَیْنَاہُ فَمَنَعَتْنَا ہَیْبَۃُ النَّاسِ اَنْ نَتَکَلَّمَ فِیْہِ ثُمَّ قَالَ اَلَا اِنَّ بَنِیْ اٰدَمَ خُلِقُوْا عَلٰی طَبَقَاتٍ شَتّٰی فَمِنْہُمْ مَنْ یُّوْلَدُ مُؤْمِنًا وَیَحْیٰی مُؤْمِنًا وَیَمُوْتُ مُؤْمِنًا وَّمِنْہُمْ مَنْ یُوْلَدُ کَافِرًا وَّیَحْیٰی کَافِرًا وَّیَمُوْتُ کَافِرًا وَمِنْہُمْ مَنْ یُّوْلَدُ مُؤْمِنًا وَّیَحْیٰی مُؤْمِنًا وَّیَمُوْتُ کَافِرًا وَمِنْہُمْ مَنْ یُّوْلَدُ کَافِرًا وَّیَحْیٰی کَافِرًا وَّیَمُوْتُ مُؤْمِنًا۔ قَالَ وَذَکَرَ الْغَضَبَ فَمِنْہُمْ مَنْ یَّکُوْنُ سَرِیْعَ الْغَضَبِ سَرِیْعَ الْفَیْءِ فَاِحْدَاہُمَا بِالْاُخْرٰی وَمِنْہُمْ مَّنْ یَّکُوْنُ بَطِیْءَ الْغَضَبِ بَطِیْءَ الْفَیْءِ فَاِحْدَاہُمَا بِالْاُخْرٰی وَخِیَارُکُمْ مَّنْ یَّکُوْنُ بَطِیْءَ الْغَضَبِ سَرِیْعَ الْفَیْءِ وَشِرَارُکُمْ مَنْ یَّکُوْنُ سَرِیْعَ الْغَضَبِ بَطِیْءَ الْفَیْءِ قَالَ اتَّقُوا الْغَضَبَ فَاِنَّہٗ جَمْرَۃٌ عَلٰی قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ اَلَا تَرَوْنَ اِلٰی اِنْتِفَاخِ اَوْدَاجِہٖ وَحُمْرَۃِ عَیْنَیْہِ فَمَنْ اَحَسَّ بِشَیْءٍ مِّنْ ذٰلِکَ فَلْیَضْطَجِعْ وَلْیَتَلَبَّدْ بِالْاَرْضِ قَالَ وَذَکَرَ الدَّیْنَ فَقَالَ مِنْکُمْ مَنْ یَّکُوْنُ حَسَنَ الْقَضَاءِ وَاِذَا کَانَ لَہٗ اَفْحَشَ فِی الطَّلَبِ فَاِحْدَاہُمَا بِالْاُخْرٰی وَمِنْہُمْ مَّنْ یَّکُوْنُ سَیِّءَ الْقَضَاءِ وَاِنْ کَانَ لَہٗ اَجْمَلَ فِی الطَّلَبِ فَاِحْدَاہُمَا بِالْاُخْرٰی وَخِیَارُکُمْ مَّنْ اِذَا کَانَ عَلَیْہِ الدَّیْنُ اَحْسَنَ الْقَضَاءِ وَاِنْ کَانَ لَہٗ اَجْمَلَ فِیْ

[1] المرقات: ۸/۸۷۱

الطَّلَبِ وَشِرَارُكُمْ مَنْ إِذَا كَانَ عَلَيْهِ الدَّيْنُ أَسَاءَ الْقَضَاءَ وَإِنْ كَانَ لَهُ أَفْحَشَ فِي الطَّلَبِ حَتّٰى إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ عَلٰى رُؤُسِ النَّخْلِ وَأَطْرَافِ الْحِيْطَانِ فَقَالَ أَمَا إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا فِيْمَا مَضٰى مِنْهَا إِلَّا كَمَا بَقِيَ مِنْ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْمَا مَضٰى مِنْهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) عصر کے بعد رسول کریم ﷺ ہمارے سامنے کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا اس خطبہ میں آپ نے ایسی کوئی ضروری بات نہیں چھوڑی جو قیامت تک پیش آسکتی ہے آپ نے ان باتوں کو ذکر فرمایا اور یاد رکھنے والے نے ان کو یاد رکھا اور بھولنے والا اس کو بھول گیا۔ آپ نے اس وقت جو کچھ فرمایا اس میں یہ بھی تھا کہ: دنیا بڑی شیرین اور ہری بھری ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دنیا میں خلیفہ بنایا ہے۔ لہٰذا وہ دیکھتا ہے کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو، پس خبردار! تم دنیا سے بچنا اور عورتوں کے فتنے سے بچ کر رہنا۔ آنحضرت نے یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے ایک نشان کھڑا کیا جائیگا جو دنیا میں اس کی عہد شکنی کے بقدر ہوگا اور کوئی عہد شکنی امیر عامہ کی عہد شکنی سے زیادہ بڑی نہیں، چنانچہ اس کا نشان اس کی مقعد کے قریب کھڑا کیا جائے گا (تاکہ اس کی زیادہ فضیحت و رسوائی ہو) حضور نے یہ بھی فرمایا کہ تم میں سے کسی کو بھی کوئی خوف و ہیبت حق بات کہنے سے باز نہ رکھے جب کہ وہ حق بات سے واقف ہو اور ایک روایت میں اس جگہ "ولا یمنعن احدامنکم ھیبۃ الناس ان یقول بحق" کے بجائے یہ ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی خلاف شرع امر کو دیکھے تو اس کو رد کرے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہنے لگے کہ ہم نے خلاف شرع امر کو دیکھا اور لوگوں کے خوف سے ہم اس کے بارے میں کچھ نہ کہہ سکے (اس کے بعد حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ) حضور نے یہ بھی فرمایا جان لو! آدم کی اولاد کو مختلف جماعتوں اور متضاد اقسام و مراتب کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے چنانچہ ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو مومن پیدا کیا جاتا ہے جو ایمان کی حالت میں زندہ رہتے ہیں اور ایمان ہی پر ان کا خاتمہ ہوتا ہے اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو کافر پیدا کیا جاتا ہے وہ کفر ہی کی حالت میں زندہ رہتے ہیں اور کفر ہی پر ان کا خاتمہ ہوتا ہے اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو مومن پیدا کیا جاتا ہے وہ ایمان ہی کی حالت میں رہتے ہیں لیکن ان کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے اور ان میں بعض وہ ہیں جن کو کافر پیدا کیا جاتا ہے وہ کفر ہی کی حالت زندگی میں گزارتے ہیں لیکن ان کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے۔ حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ (اس موقع پر) حضور نے غضب و غصہ کی قسموں کو بھی ذکر کیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا بعض آدمی بہت جلد غضبناک ہو جاتے ہیں لیکن ان کا غضب و غصہ جلد ہی ختم بھی ہو جاتا ہے چنانچہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا بدل بن جاتا ہے اور بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو غصہ دیر میں آتا ہے اور دیر سے جاتا ہے لہٰذا تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جن کو غصہ دیر سے آتا ہے اور جلد فرو ہو جاتا ہے جبکہ تم میں بدترین شخص وہ ہے جس کو جلد غصہ آئے اور دیر میں جائے (اس کے بعد) حضور نے فرمایا تم غصہ سے بچو کیونکہ وہ غصہ ابن آدم کے قلب پر ایک دہکتا ہوا انگارہ ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کی گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں لہٰذا جب کوئی شخص یہ محسوس کرے کہ اب غصہ آیا ہی چاہتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ وہ فوراً پہلو پر لیٹ جائے اور زمین سے چمٹ جائے۔

[1] اخرجہ الترمذی: ۴/۸۶۳

اور ابوسعید نے کہا کہ حضور ﷺ نے قرض کا بھی ذکر کیا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ (قرض کی) آدیگی میں تو اچھے رہتے ہیں لیکن اپنا قرض وصول کرنے میں سختی کرتے ہیں اور بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ قرض ادا کرنے میں تو برے ثابت ہوتے ہیں لیکن کسی سے اپنا قرض وصول کرنے میں اچھے ثابت ہوتے ہیں چنانچہ ان کی ان دونوں خصلتوں میں سے ہرایک دوسری کا بدل ہوجاتی ہے لہٰذا تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو کسی کا قرض ادا کرنے میں بھی اچھے ہوں اور کسی سے اپنا قرض وصول کرنے میں بھی اچھے ہوں اور تم میں بدترین لوگ وہ ہیں جو کسی کا قرض ادا کرنے میں بھی برے ہوں اور کسی سے اپنا قرض وصول کرنے میں بھی برے ہوں۔ حضور نے اپنے خطبہ میں یہ نصیحتیں فرمائیں یہاں تک کہ جب سورج کا اثر صرف کھجوروں کی چوٹیوں اور دیواروں کے کناروں پر رہ گیا تو آپ نے فرمایا یاد رکھو! اس دنیا کا جو زمانہ گزر چکا ہے اس کی بہ نسبت اب صرف اتنا زمانہ باقی رہ گیا ہے جتنا کہ آج کے دن کے گزرے ہوئے حصہ کی بہ نسبت یہ آخری وقت (یعنی جس طرح آج کے دن کا قریب قریب پورا حصہ گزر چکا ہے اب بہت قلیل عرصہ باقی رہ گیا ہے)۔ (ترمذی)

توضیح: "خطیباً" آنحضرت کی زندگی کے طویل خطبوں میں سے یہ ایک خطبہ ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو بیان کیا ہے اور انسانوں کے مختلف طبائع اور معاملات ونفسیات اور ان کی ابتداء وانتہاء کو بیان کیا ہے۔

"**فلم یدع شیئاً**" یعنی قیامت تک آنے والے دین سے متعلق اہم اہم امور کو بیان کیا ان میں سے کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔ [1] "**حلوة**" یعنی دنیا ایک میٹھی لذیذ خوبصورت اور شیرین چیز ہے۔ [2] "**خضرة**" **ای ناعمة طریة** یعنی سرسبز وشاداب تر وتازہ گلزار وسبزہ زار ہے۔ عرب سبزہ زار کو بہت پسند کرتے ہیں دنیا کو سبزہ زار قرار دیا کیونکہ سبزہ سریع الزوال ہوتا ہے تو دنیا بھی اسی طرح ہے۔ [3] "**مستخلفکم**" مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو عارضی طور پر دنیا کی چیزوں کا مالک بنایا ہے اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ [4] "**غدر امیر العامة**" اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ ایک ظالم، غاصب، متغلب حاکم آجائے اور کسی کی جائز حکومت پر قبضہ جمالے، نہ شوریٰ اور مشورہ ہو، نہ کسی کی مرضی ہو بلکہ زبردستی اقتدار پر قابض ہوجائے ایسے غدار کی دبر میں لمبا جھنڈا قیامت کے روز نصب کیا جائے گا کیونکہ اس نے عوام کے عام امیر المؤمنین کی خلافت پر قبضہ کرلیا اور غداری کی دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایک باغی شخص بغاوت کا جھنڈا بلند کرکے اور عوام الناس کے متفقہ امیر کے خلاف بغاوت کا اعلان کرے۔ [5]

"**خلقوا**" اس میں انسان کی تخلیق اور انجام کو ہدایت وضلالت کے اعتبار سے چار طبقات پر تقسیم کیا گیا ہے۔ (۱) کامیاب انسان (۲) ناکام انسان (۳) ابتدا میں کامیاب انتہاء میں ناکام (۴) ابتداء میں ناکام انتہاء میں کامیاب۔

"**وذکر الغضب**" اس میں انسان کے غصہ کے مختلف حالات بیان کئے گئے ہیں انسان کے توازن اور بگاڑ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ (۱) ایک وہ شخص ہے کہ بہت جلدی غصہ ہوجاتا ہے لیکن جلدی راضی ہوجاتا ہے یہ برابر سرابر ہے۔ [6]

[1] المرقات: ۸/۸۶۳ [2] المرقات: ۸/۸۶۳ [3] المرقات: ۸/۸۶۳
[4] المرقات: ۸/۸۶۳ [5] المرقات: ۸/۸۶۳ [6] المرقات: ۸/۸۶۶

فاحدا هما بالاخری" کا یہی مطلب ہے۔ ❷ اسی طرح ایک شخص بہت دیر سے غصہ ہوتا ہے مگر غصہ کے بعد دیر تک غصہ باقی رہتا ہے یہ بھی برابر سرابر ہے۔ ❸ ایک شخص ایسا ہے کہ بہت دیر سے غصہ ہوتا ہے لیکن بہت جلدی راضی ہوتا ہے یہ سب سے عمدہ صفت کا آدمی ہے۔ ❹ ایک شخص ایسا ہے کہ بہت جلدی غصہ ہوجاتا ہے اور پھر راضی ہونے کا نام نہیں لیتا ہے یہ شخص بدترین صفت والا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے قرض اور دین کا ضابطہ بیان فرمایا اور اس میں بھی لوگوں کے چار طبقات بنائے۔ ❶ ایک شخص ایسا ہے کہ اگر وہ مدیون ہے تو بہتر طریقہ پر قرض ادا کرتا ہے لیکن قرض لینے میں دوسرے کے ساتھ سختی کرتا ہے افحش کا مطلب یہی ہے کہ سختی کرتا ہے اور غلیظ انداز اختیار کرتا ہے یہ بھی برابر سرابر ہے۔ ❷ ایک وہ شخص ہے کہ قرض دینے میں تو اچھا نہیں ہے لیکن مانگنے میں بہت نرم اور اچھا ہے یہ بھی برابر سرابر ہے۔ ❸ ایک وہ شخص ہے کہ دین ادا کرنے میں بھی اچھا اور نرم ہے اور قرض مانگنے میں بھی بہت نرم اور اچھا ہے یہ بہترین خصلت کا آدمی ہے۔ ❹ ایک وہ شخص ہے کہ قرض دینے میں بہت برا ہے اور اگر اس کا کسی پر قرض ہو تو مانگنے میں بھی بہت برا ہے یہ بدترین آدمی ہے اب غروب آفتاب کا وقت ہو چکا تھا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی عمر ختم ہوگئی ہے بس اتنی باقی ہے جتنا پورے دن کا ایک ذرہ وقت ابھی باقی ہے۔[1]

گناہ کی کثرت سے قومیں تباہ ہوجاتی ہیں

﴿۱۰﴾ وَعَنْ اَبِي الْبُخْتَرِيِّ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَّهْلِكَ النَّاسُ حَتّٰى يُعْذِرُوْا مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوالبختری نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا لوگ اس وقت تک ہرگز ہلاک و برباد نہیں ہوں گے جب تک کہ ان سے بہت زیادہ گناہ اور برائیاں صادر ہونے لگیں۔ (ابوداؤد)

توضیح: "یعذروا" یہ اعذار باب افعال سے ہے اور سلب مأخذ کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان لوگوں نے اتنے گناہ کئے کہ اب ان کی طرف سے عذر معذرت بھی ختم ہوگئی اب یہ لوگ خود اپنے آپ کو صاحب عذر نہیں سمجھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا کوڑا رسید ہوتا ہے۔ اس جملے کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اب یہ لوگ اپنے گناہوں کی خود بھی معذرت نہیں کرتے بلکہ گناہ کا اقرار بھی کرتے ہیں اور کھل کر سر عام گناہ بھی کرتے ہیں تو ہلاک ہوجاتے ہیں۔

اس جملہ کا تیسرا مطلب یہ ہے کہ عذر و اعذار پیش نظر رکھ کر باطل تاویلیں کرنے لگتے ہیں اور گناہ کو قانونی شکل دیتے ہیں یہ علمی غلطی ہے جس سے آدمی گمراہ ہو کر ہلاک ہوجاتا ہے کیونکہ اس طرح گناہوں کی کثرت ہوجاتی ہے اور اس میں قومیں غرق ہوجاتی ہیں۔[3]

[1] المرقات: ۸/۸۶۷ [2] اخرجه ابوداؤد: ۴/۱۲۲ [3] المرقات: ۸/۸۶۹

قدرت کے باوجود منکر کو نہ روکنا اجتماعی عذاب کو دعوت دینا ہے

﴿۱۱﴾ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ عَدِيٍّ الْكِنْدِيِّ قَالَ حَدَّثَنَا مَوْلًى لَنَا اَنَّهُ سَمِعَ جَدِّيْ عَنْهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَايُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِعَمَلِ الْخَاصَّةِ حَتّٰى يَرَوُا الْمُنْكَرَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ وَهُمْ قَادِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُّنْكِرُوْهُ فَلَايُنْكِرُوْا فَاِذَا فَعَلُوْا ذَالِكَ عَذَّبَ اللّٰهُ الْعَامَّةَ وَالْخَاصَّةَ. (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت عدی بن عدی کندی کہتے ہیں کہ ہم سے ہمارے ایک آزاد کردہ غلام نے بیان کیا کہ اس نے میرے دادا حضرت عمیر کندی سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، اللہ تعالیٰ کسی قوم کے بعض افراد کے اعمال بد کے سبب اس کے اکثر افراد کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا ہاں اگر اس قوم کے لوگ یہ دیکھیں کہ ان کے درمیان بعض افراد کی وجہ سے خلاف شرع امور کا ارتکاب ہورہا ہے اور وہ ان خلاف شرع امور کی اصلاح وسرکوبی نہ کریں بشرطیکہ وہ اس اصلاح وسرکوبی کی قدرت رکھتے ہوں اور اس صورت حال میں قوم کے اکثر لوگ مبتلا ہوجائیں تو پھر اللہ تعالیٰ عام وخاص سب کو عذاب میں مبتلا کردیتا ہے۔ (شرح السنہ)

بنی اسرائیل نہی عن المنکر کے چھوڑنے سے خنزیر بن گئے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَقَعَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ فِى الْمَعَاصِى نَهَتْهُمْ عُلَمَاؤُهُمْ فَلَمْ يَنْتَهُوْا فَجَالَسُوْهُمْ فِىْ مَجَالِسِهِمْ وَاٰكَلُوْهُمْ وَشَارَبُوْهُمْ فَضَرَبَ اللّٰهُ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ فَلَعَنَهُمْ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَالِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ قَالَ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ لَاوَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ حَتّٰى تَأْطِرُوْهُمْ اَطْرًا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَفِىْ رِوَايَتِهٖ قَالَ كَلَّا وَاللّٰهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَتَأْخُذُنَّ عَلٰى يَدَىِ الظَّالِمِ وَلَتَأْطِرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ اَطْرًا وَلَتَقْصُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا اَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللّٰهُ بِقُلُوْبِ بَعْضِكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ثُمَّ لَيَلْعَنَنَّكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ)

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل جب گناہوں میں مبتلا ہوئے تو ان کے علماء نے ان کو روکا اور جب وہ باز نہ آئے تو ان کے وہ علماء بھی ان کی مجلسوں کے ہم نشین بن گئے اور ان کے ہم نوالہ وہم

[1] اخرجه البغوی فی شرح السنة

پیالہ ہو گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو خلط ملط کر دیا اور ان کے دلوں کو آپس میں ایک دوسرے کے دل کے ساتھ ملا دیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زبان کے ذریعہ لعنت فرمائی اور یہ لعنت اس لئے کی گئی تھی کہ ان لوگوں نے گناہ کئے اور حد سے تجاوز کیا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول کریم ﷺ جو اس وقت تکیہ لگائے بیٹھے تھے سیدھے بیٹھ گئے چنانچہ فرمایا اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اس وقت تک عذاب الٰہی سے نجات نہیں پاسکو گے جب تک کہ ظالموں کو ان کے ظلم سے اور فاسقوں کو ان کے گناہوں سے نہیں روکو گے۔ (ترمذی، ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا (تمہارا یہ گمان ہے کہ سکوت و مداہنت کے باوجود تمہیں عذاب الٰہی سے نجات مل جائے گی تو) ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ خدا کی قسم تمہارے لئے ضروری ہے کہ لوگوں کو نیکی کی راہ اختیار کرنے کا حکم دو اور ان کو برائی کی راہ سے روکو، ظالم کا ہاتھ پکڑو اس کو حق کی طرف مائل کرو اور اس کو حق و انصاف کی راہ پر قائم کرو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو بھی آپس میں ایک دوسرے کے دل کے ساتھ خلط ملط کر دیگا اور پھر تم پر لعنت فرمائے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر (ان کے گناہوں کی وجہ سے) لعنت فرمائی تھی۔

توضیح: "**فضرب الله**" یعنی جب علماء نے بنی اسرائیل کو خوب منع کیا مگر وہ لوگ گناہوں سے باز نہیں آئے تو علماء بھی ان کے ساتھ گناہوں میں شریک ہو گئے اس سے ان پر اجتماعی عذاب آ گیا اور ان کا نام ونشان مٹا دیا گیا [۱] ﴿**فضرب الله قلوب بعضهم**﴾ [۲] کا مطلب یہی ہے کہ سب ملکر گناہ میں پڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کے دلوں کو سیاہ کر دیا اور اس میں ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط ہو گئے پھر ان کے دل اجتماعی طور پر سخت کر دیئے گئے جس سے وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہو گئے اب وہ اس قابل نہیں رہے کہ حق کو قبول کر سکیں اس لئے مسخ ہو کر کچھ تو خنزیر بن گئے اور کچھ لنگور بن گئے۔ اس بیان کے بعد آنحضرت ﷺ اہتمام کے ساتھ بیٹھ گئے اور مزید ارشادات کو مجمع کے سامنے بیان فرمادیا جس میں یہ ارشاد تھا کہ خدا کی قسم! تمہیں ظالم کا ہاتھ پکڑ کر منکر سے روکنا ہوگا ورنہ تمہارے دل بھی ان کے دلوں کی طرح ہو جائیں گے "**تأطروهم اطراً**" یہ لفظ ضرب اور نصر دونوں سے آتا ہے اطراً اس کا مصدر ہے روکنے اور منع کرنے کے معنی میں ہے یعنی تم پر لازم ہے کہ گناہ گاروں اور اہل ظلم اور فساد کرنے والوں کے ہاتھوں کو پکڑ کر گناہ سے روک دو، اگر وہ باز نہیں آئے تو تم ان سے الگ ہو جاؤ اور کنارہ کشی اختیار کرو نہ ان کے پاس بیٹھا کرو نہ ان کو کھلاؤ نہ ان سے کھاؤ نہ پیو نہ پلاؤ۔

ایک روایت میں ہے "**ولتأطرنه على الحق اطراً**" اس کی تشریح بھی ساتھ لگی ہوئی ہے "**اى لتقصرنه على الحق قصراً**"۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں "**اى لتمنعن الظالم باللسان عند العجز عن اخذ اليد باليد على الحق اى على اجباره على الحق وانكاره على الباطل اطراً اى منعا ظاهراً ليس فيه لومة لائم**"۔ [۳]

---

[۱] المرقات: ۸/۸۸۰ [۲] المرقات: ۸/۸۸۱ [۳] المرقات: ۸/۸۸۱

بے عمل واعظ اور بے عمل عالم کیلئے وعید

﴿۱۳﴾وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَاَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ رِجَالًا تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنْ نَّارٍ قُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَاجِبْرَئِيْلُ؟ قَالَ هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ مِنْ اُمَّتِكَ يَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَيَنْسَوْنَ اَنْفُسَهُمْ. (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ خُطَبَاءُ مِنْ اُمَّتِكَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ وَيَقْرَؤُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَلَا يَعْمَلُوْنَ) [1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں نے معراج کی رات میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کترے جارہے ہیں، میں نے پوچھا کہ جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ آپ کی امت کے وہ علماء وواعظ اور مشائخ ہیں جو لوگوں کو تو نیکی کی تلقین کرتے تھے مگر خود اپنی ذات کو فراموش کردیتے تھے۔ اس روایت کو بغوی نے شرح السنۃ میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔ اور بیہقی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت جبرئیل نے جواب دیا یہ لوگ آپ کی امت کے وہ واعظ وخطیب ہیں جو اس چیز کو کہتے تھے جس کو خود نہیں کرتے تھے جو کتاب اللہ کو پڑھتے تھے لیکن اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔

توضیح: "تقرض" کاٹنے کے معنی میں ہے [2] "شفاهھم" اس سے ہونٹ مراد ہے یہ بے عمل عالم اور واعظ کے لئے شدید وعید ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے "ويل للجاهل منه وللعالم سبع مرات" ایک اور حدیث میں ہے "اشد الناس عذاباً يوم القيامة عالم لم ينفعه الله بعلمه۔ ایک شاعر نے کہا [3]

فساد كبير عالم متهتك وا كبر منه جاهل متنسك

یہود نے خیانت کی تو خنزیر بن گئے

﴿۱۴﴾وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْزِلَتِ الْمَائِدَةُ مِنَ السَّمَاءِ خُبْزًا وَلَحْمًا وَاُمِرُوْا اَنْ لَّا يَخُوْنُوْا وَلَا يَدَّخِرُوْا لِغَدٍ فَخَانُوْا وَادَّخَرُوْا وَرَفَعُوْا لِغَدٍ فَمُسِخُوْا قِرَدَةً وَّخَنَازِيْرَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) [4]

ترجمہ: اور حضرت عمار بن یاسر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (حضرت عیسی علیہ السلام کی قوم پر) آسمان سے روٹی

[1] اخرجه البغوی فی شرح السنة ۱۴/۳۵۳ [2] المرقات: ۸/۸۸۲ [3] المرقات: ۸/۸۸۲ [4] المرقات: ۸/۸۸۲

اور گوشت کا خوان اتارا گیا اور ان کو حکم دیا گیا کہ نہ تو وہ اس میں خیانت کریں اور نہ آنے والے دن کے لئے ذخیرہ کریں لیکن انہوں نے خیانت کا ارتکاب بھی کیا اور ذخیرہ بھی کیا کہ آنے والے دن کے لئے اٹھا رکھا چنانچہ ان کو بندر اور سور کی صورتوں میں تبدیل کردیا گیا۔ (ترمذی)

"فخانوا" خیانت کی صورت یہ تھی کہ ادنیٰ کی جگہ اعلیٰ کو اجازت کے بغیر لے لیا یا دوسروں کی چیز کو اٹھالیا "قردة وخنازیر" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بوڑھوں کی شکلیں مسخ ہوکر بندروں میں تبدیل ہوگئیں اور جوانوں کی شکلیں خنازیر میں تبدیل ہوگئیں۔[1]

الفصل الثالث

دین کی وجہ سے ظلم برداشت کرنے کی فضیلت

﴿۱۵﴾ عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ تُصِيْبُ اُمَّتِيْ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ مِنْ سُلْطَانِهِمْ شَدَائِدُ لَا يَنْجُوْ مِنْهُ اِلَّا رَجُلٌ عَرَفَ دِيْنَ اللّٰهِ فَجَاهَدَ عَلَيْهِ بِلِسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَقَلْبِهٖ فَذَالِكَ الَّذِيْ سَبَقَتْ لَهُ السَّوَابِقُ وَرَجُلٌ عَرَفَ دِيْنَ اللّٰهِ فَصَدَّقَ بِهٖ وَرَجُلٌ عَرَفَ دِيْنَ اللّٰهِ فَسَكَتَ عَلَيْهِ فَاِنْ رَاٰى مَنْ يَّعْمَلُ الْخَيْرَ اَحَبَّهٗ عَلَيْهِ وَاِنْ رَاٰى مَنْ يَّعْمَلُ بِبَاطِلٍ اَبْغَضَهٗ عَلَيْهِ فَذَالِكَ يَنْجُوْ عَلٰى اِبْطَانِهٖ كُلِّهٖ۔[2]

ترجمہ: حضرت عمر ابن خطاب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میری امت کو آخری زمانہ میں اپنے حکمرانوں کی طرف سے (دینی یا دنیاوی) سختیاں اور بلائیں جھیلنا پڑیں گی اور اس وقت ان بلاؤں سے نجات کی راہ پانے والا ایک شخص تو وہ ہوگا جو خدا کے دین کو سمجھے گا چنانچہ وہ شخص خدا کے دین کو سر بلند کرنے کے لئے اپنی زبان اپنے ہاتھ اور اپنے دل کے ذریعہ جہاد کرے گا پس یہ وہ شخص ہوگا جو کمال ایمان، ثواب اور دنیا و آخرت کی سعادتوں تک پہلے پہنچے گا اور ایک شخص وہ ہوگا جو خدا کے دین کو تو سمجھے گا مگر پہلے شخص سے ایک درجہ کم چنانچہ وہ شخص دین کی تصدیق کرے گا اور اس کو اچھا جانے گا اور ایک شخص وہ ہوگا جو خدا کے دین کو (تھوڑا بہت) سمجھے گا چنانچہ وہ سکوت اختیار کریگا چنانچہ اس شخص کی حالت یہ ہوگی کہ وہ جب کسی کو نیک کام کرتے دیکھے گا تو اس کو دوست رکھے گا اور کسی غلط کام کو کرتے دیکھے گا تو اس سے نفرت کرے گا اور وہ شخص بھی پوشیدہ طور پر نیکی و بھلائی کے تئیں محبت اور گناہ و برائی کے تئیں نفرت رکھنے کے سبب نجات پائے گا۔

توضیح: "سلطانهم" یعنی وقت کے ظالم بادشاہ کی طرف سے اہل حق اور اہل خیر و ایمان کو سخت دینی اور دنیوی اذیتیں پہنچیں گی جیسے یزید اور حجاج بن یوسف سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچی، ہلاکو خان اور چنگیز خان کی طرف سے پہنچی

[1] المرقات: ۸/۸۸۳ [2] اخرجه البیهقی: ۶/۹۵

اورآج تک عرب وعجم کے ظالم حکمرانوں کی طرف سے حق اور اہل حق کے خلاف طاقت استعمال ہورہی ہے، آج حکومت وقت کی ساری فوجی صلاحیتیں حق اور نظام حق اور علماء حق اور مدارس ومساجد کے خلاف استعمال ہورہی ہیں رحمان بابا نے صحیح کہا ہے۔ ؎[1]

پہ سبب دہ ظالمانو حاکمانو اور او کوراو پیبنور دریوارہ یو دی

"عرف دین الله" یعنی خود بھی کامل عارف وعالم ہے اور دوسروں کو بھی کمال دین پرلا رہا ہے پہلے خود دین کے اصول اور جزئیات اور اس کے قواعد اور فروعات کو جانتا ہے پھر اسی کی روشنی میں دوسروں کو راہ راست پر لاتا ہے اور چلاتا ہے گویا کامل عالم، عامل، عارف باللہ ہوگا تب جا کر وقت کے ان فتنوں سے بچ سکے گا وہ بھی اس لئے کہ وہ جہاد بالید، جہاد باللسان اور جہاد بالقلب کرتا ہوگا تینوں طریقوں سے دین حق کی خدمت کررہا ہوگا۔[2]

"سبقت له السوابق" یعنی دینی اور دنیوی سعادتوں اور برکتوں تک سب سے پہلے پہنچ جائیگا، اس کے بعد دوسرے درجہ کا آدمی وہ ہے جو دین کو سمجھے گا اور اس کی تصدیق کریگا اور زبان سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے گا لیکن ہاتھ سے نہی عن المنکر کی طاقت نہیں ہوگی اس لئے وہ دوسرے درجہ کا مسلمان ہوگا اور دوسرے نمبر پر کامیاب ہوگا، تیسرا وہ آدمی ہے جو دین کو تو تھوڑا بہت سمجھے گا یعنی زیادہ عالم نہیں ہوگا وہ جب نیکی کو دیکھے گا تو اس کو دل سے پسند کریگا اور جب برائی کو دیکھے گا تو اس کو دل سے برا جانے گا مگر ہاتھ اور زبان سے روکنے کی طاقت نہیں رکھے گا یہ شخص بھی اپنے اس قلبی جذبہ کی وجہ سے کامیاب رہیگا[3]۔ "علی ابطانه" یعنی اسی قلبی پوشیدہ جذبہ کی وجہ سے وہ بھی کامیاب رہیگا۔ یہ حدیث گویا اس حدیث کی طرح ہے جو اس باب کی پہلی حدیث ہے جس میں "من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده الخ" تین درجے بیان کیے گئے ہیں۔[4]

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ دین کی حمایت بھی ضروری ہے

﴿۱۶﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْحَى اللهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَ كَذَا بِاَهْلِهَا قَالَ يَارَبِّ اِنَّ فِيْهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ قَالَ فَقَالَ اَقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ۔[5]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو حکم دیا کہ فلاں شہر کو جہاں کے حالات اس طرح کے ہیں ان کے باشندوں سمیت الٹ دو۔ حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ میرے پروردگار! اس شہر میں تیرا وہ

[1] المرقات: ۸/۸۸۴ [2] المرقات: ۸/۸۸۴ [3] المرقات: ۸/۸۸۴، ۸۸۵ [4] المرقات: ۸/۸۸۵ [5] اخرجه البیهقی: ۶/۹۷

فلاں بندہ بھی ہے جس نے ایک لمحہ کے لئے کبھی تیری نافرمانی نہیں کی ہے؟ آنحضرت فرماتے ہیں کہ (جب جبرئیل نے یہ کہا تو) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس شہر کو پہلے اس شخص پر اور پھر اس کے سارے باشندوں پر الٹ دو کیونکہ میری خوشنودی اور میرے دین کی محبت میں اس شخص کے چہرہ کا رنگ (شہر والوں کے گناہوں کو دیکھ کر) ایک ساعت کے لئے بھی نہیں بدلا۔

توضیح: "ان اقلب" یہ صیغہ باب ضرب سے ہے امر کا صیغہ ہے ہمزہ وصلیہ ہے الٹ دینے کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو حکم دیا کہ فلاں شہر کو اس کے باشندوں سمیت الٹ دو۔ یہ قصہ سابقہ اقوام میں سے کسی قوم کا ہے جو فسق و فجور میں آلودہ تھی جس پر ان کی ہلاکت کا فیصلہ کیا گیا۔ [۱] "**طرفة عین**" یعنی اس عابد و زاہد بندہ نے ایک گھڑی بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی، شہر کو الٹ دینے سے یہ بھی مرجائے گا حالانکہ یہ بے گناہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ بعض دفعہ نیک لوگوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو عذاب سے بچاتا ہے فساق و فجار کو چاہئے کہ وہ اچھے لوگوں کی قدر کریں اور ان کو اپنی بقاء کا ذریعہ سمجھیں۔ [۲]

"**اقلبها علیه وعلیهم**" اس جملہ میں بڑا مبالغہ ہے کہ پہلے اس عابد پر شہر الٹ دو اس کے بعد فساق و فجار پر الٹ دو۔

[۳] "**لم یتمعر**" یعنی گناہوں کے اس طوفان بدتمیزی میں اس شخص کے چہرہ پر غصہ و غم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کبھی بل تک نہیں آیا **تمعر** باب تفعل سے ہے چہرہ کے اس تغیر کو کہتے ہیں کہ جب کوئی کسی مکروہ کام کا مشاہدہ کرے [۴] "**ساعة**" معلوم ہوا اگر کوئی شخص ایک بار بھی نہی منکر کرے تب بھی بچ سکتا ہے مگر اس شخص کے ایمان کا پارہ گویا ختم ہو چکا تھا اور اب اس میں برائی سے نفرت کا نام تک نہیں تھی، دینی حمیت اور حمایت میں اس کی رگ غیرت کبھی پھڑکتی نہ تھی، اس لئے یہ شخص اللہ تعالیٰ کے عذاب کا دوسروں کی نسبت زیادہ مستحق ہوا۔ [۵]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی عبادت کے ساتھ انسان سے اپنے دین کی حمایت بھی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ ایک انسان محض تاجر کی طرح ذہنیت رکھے کہ اللہ تعالیٰ سے صرف لینے کی فکر میں لگا رہے اور دینے کی کوئی فکر نہ ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ﴿**ان تنصروا الله ینصرکم**﴾ [۶] یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے تب اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کریگا پہلے تم اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت و حمایت کرو اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے انعام وصول کرو۔ اس حدیث میں مذکور یہ شخص اللہ تعالیٰ سے لینے کی فکر میں محض تاجر بن کر بیٹھا تھا اور اللہ تعالیٰ کے دین کے مٹ جانے کا نہ اس کو درد تھا، نہ غم تھا، نہ فکر تھی، انگلی کٹائے بغیر شہید کے رتبہ کا امیدوار بنا بیٹھا تھا۔ یہ دودھ پینے والا مجنون تھا خون دینے والا مجنون نہ تھا لیلیٰ کا حصول اس کو مقصود نہ تھا بلکہ صرف دودھ پینا مقصود تھا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حمایت چاہتا ہے، عبادت کے ساتھ حمایت بڑی چیز ہے آج کل اس کی بہت کمی آئی ہے لوگ مصیبت اٹھائے بغیر اور میدان مقابلہ میں اترے بغیر جنت میں جانا چاہتے ہیں۔

وکل یدعی وصلاً بلیلیٰ ولیلیٰ لاتقر لهم بذاك

[۱] المرقات: ۸/۸۸۵ [۲] المرقات: ۸/۸۸۶ [۳] المرقات: ۸/۸۸۶ [۴] المرقات: ۸/۸۸۶ [۵] المرقات: ۸/۸۸۶ [۶] محمد: ۷

حکایت:

بطور مثال کسی نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ ایک شخص تھا اس کے تین بیٹے تھے دو بہت نیک تھے ایک آزاد خیال تھا ایک دن کسی نے ان بیٹوں کے باپ کو گریبان سے پکڑا اور مارنا شروع کر دیا ان کے بیٹوں میں ایک عابد بیٹا ان پر گزرا اور دیکھا کہ کوئی شخص اس کے باپ کو مار رہا ہے، اشراق کا وقت تھا بیٹا چپ چاپ مسجد چلا گیا اور نماز پڑھنی شروع کی، کچھ دیر بعد دوسرا بیٹا آیا اور باپ کو اسی حالت میں دیکھا تو کہنے لگا یہ شخص اچھا نہیں کر رہا ہے، جو میرے باپ کو مار رہا ہے اتنا کہہ کہ وہ بھی مسجد کو چلا گیا اور نماز پڑھنی شروع کی، کچھ دیر بعد آزاد خیال بیٹا آ گیا اس نے جب دیکھا کہ باپ کو ایک شخص گریبان سے پکڑ کر مار رہا ہے تو اس بیٹے نے فوراً اس شخص پر حملہ کر دیا اور باپ کو اس سے چھڑا لیا باپ نے گھر آ کر فیصلہ کیا کہ میرا صرف یہی ایک بیٹا ہے جس نے مجھے دشمن سے چھڑایا باقی دو میرے بیٹے نہیں اور میرے مال سے محروم ہیں۔

بالکل یہی نقشہ ہے جو لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے اور عبادت میں لگے ہوئے ہیں یہ دیکھ رہے ہیں کہ آنحضرت کے گریبان میں فساق فجار نے ہاتھ ڈالا ہے اور آپ کی سنتوں اور طریقوں کو مٹا رہے ہیں بلکہ دین کا خاتمہ کر رہے ہیں اور یہ خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں ان سے حضور اکرم ﷺ کتنے ناخوش ہونگے یہ ظاہر ہے۔ ان کے بنسبت جو لوگ نہی عن المنکر کرتے ہیں حضور اکرم ﷺ ان سے کتنے خوش ہونگے یہ بھی ظاہر ہے۔

ایک کمزور آدمی کی صاف گوئی پر مغفرت

﴿۱۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَسْأَلُ الْعَبْدَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ مَالَكَ اِذَا رَأَيْتَ الْمُنْكَرَ فَلَمْ تُنْكِرْهُ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُلَقّٰى حُجَّتَهُ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ خِفْتُ النَّاسَ وَرَجَوْتُكَ.

(رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ بزرگ و برتر قیامت کے دن بندہ سے سوال کرتے ہوئے فرمائے گا کہ تجھ کو کیا ہوا تھا کہ جب تو نے کسی خلاف شرع کام کو دیکھا تو (زبان و ہاتھ کے ذریعہ) اس کی بیخ کنی کا فریضہ انجام نہیں دیا۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ (اللہ اس بندے کو معاف کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو سوال کے ساتھ ہی) اس کو وہ تاویل و دلیل سکھائی جائے گی چنانچہ وہ عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! میں لوگوں کے ظلم و زیادتی سے ڈرتا تھا اور تیری طرف سے عفو و درگزر اور مغفرت و بخشش کی امید رکھتا تھا، تینوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح: "فیلقی حجتہ" لقی یلقی تلقیۃ" باب تفعیل سے مجہول کا صیغہ ہے پھینکنے کے معنی میں ہے جیسے "وما

[1] اخرجه البیهقی: ۶/۹۱

یلقهٰا الا الذین صبروا۔ یعنی اس شخص کو حجت ودلیل اور بچنے کے لئے تاویل فراہم کی جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس شخص کو معاف کرنا چاہیگا تو اس کو جواب دینے اور تاویل کرنے اور دلیل پیش کرنے کا ڈھنگ سمجھا دیگا تو وہ کہدیگا:

اے میرے مولا! تیرے بندوں سے ڈرتا تھا اور تیری وسیع رحمت اور مغفرت پر نظر رکھتا تھا اللہ تعالیٰ اس کو معاف کردیگا کہ واقعی لوگوں سے ڈرنا ایک طبعی مجبوری ہے پھر اس شخص نے صاف صاف الفاظ میں سیدھا سیدھا جواب دیدیا جس کا حقیقت کے ساتھ گہرا تعلق تھا تو رحمت حق جوش میں آئی کیونکہ ؎

رحمت حق بہانہ می جوید، بہانہ می جوید [1]

لعل رحمة ربی حین یقسمها تأتی علی حسب العصیان فی القسم

قیامت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انسان کی شکل میں آئیں گے

﴿۱۸﴾ وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنَّ الْمَعْرُوفَ وَالْمُنْكَرَ خَلِيقَتَانِ تُنْصَبَانِ لِلنَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَمَّا الْمَعْرُوفُ فَيُبَشِّرُ أَصْحَابَهُ وَيُوعِدُهُمُ الْخَيْرَ وَأَمَّا الْمُنْكَرُ فَيَقُولُ إِلَيْكُمْ إِلَيْكُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُ إِلَّا لُزُومًا۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے قیامت کے دن مشروع عمل اور غیر مشروع عمل کو (آدمیوں کی شکل وصورت میں) پیدا کیا جائے گا اور ان کو (ان) لوگوں کے سامنے کھڑا کیا جائے گا (جنہوں نے ان اعمال کو دنیا میں اختیار کیا ہوگا) چنانچہ مشروع عمل اپنے لوگوں کو خوشخبری سنائے گا اور انجام کی بھلائی کا وعدہ دیگا جب کہ غیر مشروع عمل اپنے لوگوں سے کہے گا کہ مجھ سے دور ہوجاؤ لیکن وہ لوگ اس سے جدا ہوجانیکی طاقت نہیں رکھیں گے بلکہ اس سے چمٹے رہیں گے۔ (احمد، بیہقی)

توضیح: "خلیقتان" ای مخلوقتان یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں قبر میں اور قیامت کے روز آدمیوں کی شکل میں پیدا ہوکر آئیں گے یہ بھی ممکن ہے کہ انسان کے سارے نیک اور بد اعمال مراد ہوں۔ ملا علی قاری نے دونوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ [3] "فتنصبان" یعنی لوگوں کے سامنے ظاہر کئے جائیں گے معروف اچھے اور خوبصورت انسان کی شکل میں ہوگا اور منکر برے اور بدصورت انسان کی شکل میں ہوگا معروف اچھے انجام کی خوش خبری دیگا اور اچھے

[1] المرقات: ۸/۸۸۶ [2] اخرجه البیهقی: واحمد: ۴/۳۹۱ [3] المرقات: ۸/۸۸۶، ۸۸۷

عواقب کا وعدہ کریگا اور برا عمل الیکم الیکم یعنی میرے پاس سے دور ہو جاؤ دور بھاگو کی آواز دیگا مگر لوگ اس برے عمل سے چمٹ جائیں گے اور دور نہیں ہو سکیں گے لہٰذا اس برے عمل کے برے عواقب سے ان لوگوں کو دو چار ہونا پڑیگا اور اچھے عمل والے جنت الفردوس میں خوشی خوشی جائیں گے اور عیش وعشرت کے ساتھ مزے آڑائیں گے۔[1]

اللہ تعالیٰ بندہ فقیر فضل محمد بن نور محمد کو ایمان ویقین کی دولت سے دنیا سے شہادت کی موت عظیم سرمایہ کے ساتھ اٹھالے اور جنت الفردوس نصیب فرمائے آمین یارب العالمین۔

الحمد للہ آج بروز ہفتہ ۲۸ ذوالقعدہ ۱۴۱۶ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۲۰۰۵ء کو میں اس تحریر سے فارغ ہوا اس وقت میں کراچی میں ہوں تاہم اس جلد کا اکثر حصہ میں نے حرمین شریفین میں لکھا ہے۔

اللهم تقبله مني اللهم تقبله مني اللهم تقبله مني اللهم لك الحمد كما ينبغي لجلال وجهك وعظيم سلطانك وصلى الله تعالىٰ على نبيه الكريم وعلى آله وصحبه اجمعين۔

[1] المرقات: ۸/۸۸۶

مورخہ ۵ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

کتاب الرقاق

رقاق کا بیان

قال اللّٰہ تبارك وتعالیٰ یا ایها الذین امنوا اتقوا اللّٰہ ولتنظر نفس ما قدمت لغد (الحشر) [1]

وقال تعالیٰ یا ایها الذین امنوا قوا انفسکم واهلیکم نارا (تحریم) [2]

"رقاق" جمع ہے اس کا مفرد رقیق ہے جس طرح صغار جمع ہے اس کا مفرد صغیر ہے اور کبار جمع ہے جس کا مفرد کبیر ہے رقائق بھی جمع ہے اس کا مفرد رقیقۃ ہے دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی دل کو نرم کرنے والی باتیں، یہاں رقاق سے وہ کلمات مراد ہیں جس کے سننے سے آدمی کا دل نرم ہوجاتا ہے اور دل دنیا سے بے رغبت ہو کر آخرت کی طرف راغب ہوجاتا ہے۔[3]

رقاق کے نام سے احادیث کی کتابوں میں طویل ابواب ملتے ہیں ان ابواب میں محدثین وہ احادیث بیان کرتے ہیں جن سے دل متاثر ہوجاتے ہیں اور موم کی طرح نرم پڑ جاتے ہیں صاحب مشکوٰۃ نے بھی عام محدثین کے اتباع کرتے ہوئے کتاب الرقاق کو ذکر فرمایا ہے اور اس میں فضل الفقراء سے لے کر کتاب الفتن تک آٹھ ابواب رکھے ہیں رقاق کے عنوان کے تحت تو خالص رقاق ہی سے متعلق ۷۴ احادیث درج فرمائی ہیں اور پھر آٹھ ابواب کے مختلف عنوانات کے تحت رقاق اور حکمت وموعظت پر مبنی احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ اکٹھا فرمایا ہے اگر کوئی انسان سینہ میں پتھر کے بجائے گوشت کا دل رکھتا ہے تو وہ ان احادیث کے پڑھنے سننے سے پانی پانی ہوجاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر اس پر کسی چیز کا اثر محال ہوگا، ایک شاعر کہتا ہے۔

لا ینفع الوعظ قلبا قاسیا ابدا وهل یلین بقول الواعظ الحجر

یعنی سنگ دل انسان کو کبھی بھی نصیحت فائدہ نہیں دیتی کیا کسی واعظ کے وعظ سے پتھر نرم ہوسکتا ہے؟ نہیں

الفصل الاول

دو قابل قدر نعمتیں

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِنَ

[1] حشر ۱۸ [2] تحریم: ۶ [3] المرقات: ۸/۲۹۳

النَّاسِ اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)۱

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ دو نعمتیں ہیں کہ ان کے معاملہ میں بہت سے لوگ فریب اور ٹوٹا کھائے ہوئے ہیں (اور وہ دو نعمتیں) تندرستی اور فراغت ہیں۔ (بخاری)

توضیح: "مغبون" یہ غبن یغبن باب نصر ینصر سے ہے نقصان اور خسارہ کے معنی میں ہے خاص کر تجارتی معاملات کے خسارہ پر بولا جاتا ہے۔ یہ صیغہ باب سمع سے بھی آتا ہے جو غلطی اور دھوکہ کھانے کے معنی میں ہے یہاں دونوں معنی صحیح ہیں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو جسمانی صحت اور اوقات کی فراغت کی قدر نہیں کرتے ہیں اور ان دونوں نعمتوں کے بارے میں دھوکہ غلطی اور خسارہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ صحت بدن کے وقت بدن سے جسمانی کام نہیں لیتے ہیں کہ اس کو عبادت میں لگا دیں اور مصائب ومشاغل سے فارغ اوقات میں کام نہیں کرتے ہیں کہ کمال حاصل کریں اور فرصت کو غنیمت نہیں سمجھتے ہیں کہ اس کو کام میں لائیں پھر جب جسمانی اعتبار سے بیمار ہوجاتے ہیں اور اوقات کے اعتبار سے دنیوی مشاغل میں پھنس کر گرفتار ہوجاتے ہیں تب ان کو بدن کی صحت اور اوقات کی فرصت کی قدر آجاتی ہے جیسے عقلاء نے کہا ہے: "اَلنِّعْمَةُ إِذَا فُقِدَتْ عُرِفَتْ" لیکن اب گذرے ہوئے حالات ولمحات پر کف افسوس ملنے کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا کیونکہ مناسب موقع پر اس نے نہ عبادت کی اور نہ آخرت بنائی اور نہ دنیا کا کام کیا اب پشیمانی سے کیا حاصل ہوگا۔

"الآن قد ندمت ولم ینفع الندم" ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ اہل جنت جنت میں کسی چیز پر افسوس وحسرت نہیں کریں گے مگر صرف ان لمحات پر افسوس کریں گے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی یاد کے بغیر گذرے ہونگے۔۲

دنیا وآخرت کی مثال

﴿۲﴾ وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مِثْلَ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)۳

ترجمہ: اور حضرت مستورد ابن شداد کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ خدا کی قسم! آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی کو سمندر میں ڈبوئے اور پھر دیکھے کہ وہ انگلی کیا چیز لے کر واپس آئی ہے۔ (مسلم)

توضیح: "واللہ" یہاں قسم مبالغہ کے طور پر آئی ہے اور کوئی مقصد نہیں ہے۔۴ "ما الدنیا" میں لفظ ما نفی کے معنی میں ہے۔۵

۱ اخرجه البخاری: ۸/۱۰۹ ۲ المرقات: ۹/۵ ۳ اخرجه مسلم: ۲/۵۴۰ ۴ المرقات: ۹/۶ ۵ المرقات: ۹/۶

"فی الآخرۃ" اس میں "فی" کا لفظ مقابلہ اور بدلیت کے معنی میں ہے "الیم" دریا اور سمندر کو کہتے ہیں۔ [1] حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں اور ساز و سامان آخرت کی دائمی نعمتوں کے مقابلہ میں ایسا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی دریا اور سمندر میں ڈبو کر ڈال دیتا ہے اور پھر دیکھتا ہے کہ سمندر کے کثیر پانی کے مقابلہ میں اس کی انگلی کے ساتھ کتنا پانی لگا ہے اسی طرح دنیا کی کمتر اور حقیر نعمتیں ہیں جو زوال پذیر بلکہ سریع الزوال ہیں آخرت کی دائمی اور کثیر المقدار نعمتوں کے سامنے اس کی کیا حیثیت ہے؟ یہ تمثیل بھی سمجھانے کے لئے ہے ورنہ عارضی اور فانی دنیا کی حقیقت دائمی آخرت کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے لہٰذا انسان کو چاہئے کہ وہ دنیا کی فانی نعمتوں پر آخرت کی دائمی نعمتوں کو قربان نہ کرے بلکہ ہر لحظہ یہ سوچتا رہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے یہاں فصل اگانا ہے اور وہاں آخرت میں پھل کھانا ہے [2]

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

"یرجع" اس کی ضمیر اصبع کی طرف لوٹتی ہے اور اس کی طرف مذکر اور مؤنث دونوں کی ضمیر لوٹائی جا سکتی ہے ایک نسخہ میں "ترجع" مؤنث کے ساتھ ہے وہ نسخہ زیادہ بہتر ہے۔ [3]

دنیا ایک بے حیثیت چیز ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِجَدْيٍ اَسَكَّ مَيِّتٍ قَالَ اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنَّ هٰذَا لَهُ بِدِرْهَمٍ فَقَالُوْا مَا نُحِبُّ اَنَّهُ لَنَا بِشَيْءٍ قَالَ فَوَاللّٰهِ لَلدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [4]

ترجمہ: اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ بکری کے ایک ایسے مردہ بچہ کے پاس سے گزرے جس کے کان بہت چھوٹے تھے یا کٹے ہوئے تھے یا اس کے کان تھے ہی نہیں، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تم میں ایسا کوئی شخص ہے جو اس کو ایک درہم کے عوض پسند کرے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم تو اس کو کسی بھی چیز کے عوض لینا پسند نہیں کرتے! آنحضرت نے فرمایا خدا کی قسم! یہ دنیا خدا کے نزدیک اس سے کہیں زیادہ بے وقعت و کمتر ہے جیسا کہ تمہاری نظر میں یہ مردہ بچہ ذلیل و حقیر ہے۔ (مسلم)

توضیح: "جدی" بکری کے چھوٹے بچے کو جدی کہتے ہیں "اسك" کاف پر شد ہے بکری کے اس بچے کو کہتے ہیں جس کے کان بالکل کٹے ہوئے ہوں یا بالکل نہ ہوں یا چھوٹے چھوٹے ہوں، یہ اس کے بے حقیقت اور ذلت و حقارت کی طرف اشارہ ہے خصوصاً جبکہ وہ بچہ مرا ہوا مردار بھی ہو۔ [5]

[1] المرقات: ۹/۶ [2] المرقات: ۹/۶
[3] المرقات: ۹/۶ [4] اخرجہ مسلم: ۲/۳۸۶ [5] المرقات: ۹/۷

آنحضرت نے اس مثال سے دنیا کی حقارت اور بے ثباتی اور بے حیثیت و بے حقیقت ہونے کی طرف انسانوں کو متوجہ فرمایا ہے کہ مقصود زندگی آخرت ہے اس کو فراموش نہیں کرنا چاہئے اور دنیا کی محبت سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ ایک حدیث میں ہے "حب الدنیا رأس کل خطیئة" اور ایک قول ہے کہ "ترك الدنیا رأس کل عبادة" اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی محبت میں گرفتار شخص کا ہر کام خودغرضی اور لالچ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اہل اللہ اور اہل معرفت نے کہا ہے کہ جس شخص کے دل میں دنیا کی محبت بیٹھ گئی تو پوری دنیا کے اولیاء اللہ اور مرشدین اس کو راہ راست پر نہیں لا سکتے ہیں اور جس شخص نے دنیا کو دل سے نکال دیا تو پوری دنیا کے مفسدین اس کو گمراہ نہیں کر سکتے ہیں۔ [1]

دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے

﴿۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔ (مسلم)

توضیح: "سجن المؤمن" اس حدیث کے دو مفہوم بیان کئے گئے ہیں پہلا مفہوم یہ ہے کہ دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ کی طرح ہے مطلب یہ ہے کہ مؤمن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں جو عظیم نعمتیں اور بڑا ثواب اور اجر عظیم تیار کیا ہے اس کے مقابلے میں مؤمن کے لئے دنیا کی زندگی قید خانہ کی طرح ہے اگرچہ وہ دنیا میں آسائش کی زندگی گذارتا ہو اسی طرح کافر کے لئے آخرت میں جو قسم قسم کے عذاب تیار کئے گئے ہیں اس کے مقابلہ میں کافر کے لئے دنیا کی زندگی ایسی ہے جیسے وہ جنت میں رہ رہا ہو اگرچہ اس کو یہاں تکلیف بھی ہو اور مصیبت میں پڑا ہو اسی حقیقت کے پیش نظر ایک دفعہ ایک غریب یہودی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کے نانا جان کا یہ قول کہ دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے میری اور آپ کی حالت پر کیسے صادق آسکتا ہے کیونکہ تم گھوڑے پر سواری کرتے ہو عیش عشرت کی زندگی گذارتے ہو اور میں مصائب اور آلام اور تکالیف و بیماری سے بھرپور زندگی گذارتا ہوں؟

اس کے جواب میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے مندرجہ بالا حدیث کا یہی مفہوم بیان فرمایا کہ آخرت کے مصائب کے مقابلہ میں تم یہاں دنیا میں جنت میں ہو۔ اس حدیث کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے کیونکہ ہر ہر لحہ مؤمن اس دنیا میں احتیاط کے ساتھ گذارتا ہے قدم قدم پر اس کے لئے پابندیاں ہیں اور وہ انتہائی پابندی کی زندگی گذارتا ہے گویا یہ دنیا اس کے لئے قید خانہ ہے اور وہ اس میں قیدی کی حیثیت سے زندگی گذار رہا ہے اس کے برعکس کافر اس دنیا میں کسی

[1] المرقات: ۹/۷ [2] اخرجه مسلم: ۱۲/۳۸۶

پابندی کا قائل نہیں اور نہ پابند ہے دنیا کی ہر جائز و ناجائز لذت سے لطف اندوز ہو رہا ہے اور یہ نعرہ لگا رہا ہے کہ ؎ [1]

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ دوسرا مفہوم زیادہ واضح اور حدیث کے مطابق ہے اس کی تائید مشہور بزرگ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے بھی ہوتی ہے آپ نے فرمایا "من ترك لذات الدنيا وشهواتها فهو في سجن فاما الذى لا يترك لذاتها وتمتعاتها فاى سجن عليه؟" [2]

منقول ہے کہ جب داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا تو ایک غیبی آواز آئی کہ "أُطْلِقَ دَاؤُدُ مِنَ السِّجْنِ" کہ داؤد طائی جیل سے رہا کر دیا گیا۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎ [3]

کون کہتا ہے کہ مؤمن مر گیا قید سے چھوٹا وہ اپنے گھر گیا

کافر کو اچھے کام پر بدلہ کیسے دیا جاتا ہے؟

﴿۵﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مُؤْمِناً حَسَنَةً يُعْطِي بِهَا فِي الدُّنْيَا وَيُجْزِي بِهَا فِي الْآخِرَةِ وَأَمَّا الْكَافِرُ فَيُطْعَمُ بِحَسَنَاتِ مَا عَمِلَ بِهَا لِلّٰهِ فِي الدُّنْيَا حَتّٰى إِذَا أَفْضٰى إِلَى الْآخِرَةِ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَةٌ يُجْزٰى بِهَا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [4]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ مؤمن کی نیکی کا اجر ضائع نہیں کرتا کیونکہ اس کی اس نیکی کے سبب اس کو دنیا میں بھلائیاں دی جاتی ہیں اور آخرت میں بھی اس کا اجر و ثواب دیا جائے گا اور کافر خدا کی خوشنودی کے لئے جو اچھے کام کرتا ہے اس کو اس کے بدلہ میں اس دنیا میں کھلا پلا دیا جاتا ہے یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اسکے نامہ اعمال میں ایسی کوئی نیکی نہیں ہوگی کہ جس کی وجہ سے اس کو وہاں اجر و ثواب دیا جائے۔ (مسلم)

توضیح: "لایظلم" یعنی اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کی نیکی کا ثواب اور اجر ضائع نہیں کرے گا اور اس کی نیکی کا بدلہ صرف دنیا تک محدود نہیں رکھے گا بلکہ دنیا میں بھی اس کا اجر ملے گا اور آخرت میں بھی اس کا ثواب ملے گا "لایظلم" **لاینقص** کے معنی میں ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کی بھلائی اور اچھے کام پر بدلہ عطا فرماتا ہے لیکن آخرت کے اجر و ثواب کے لئے ایمان اور توحید کے صحیح عقیدے کا ہونا ضروری ہے چنانچہ جب کوئی مؤمن نیک کام کرتا ہے تو عقیدہ صحیح ہونے کی وجہ سے اس کو اس نیکی کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی ملتا ہے دنیا میں اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اس کے مال و جان میں برکت دیتا ہے اس کی جان و مال کو ظاہری اور باطنی آفات و بلیات سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کو دنیا میں چین و سکون کی زندگی عطا کرتا ہے اور آخرت کا بدلہ اس طرح دیتا ہے کہ جب مرنے کے بعد مؤمن وہاں جائے گا تو اس کو اس نیکی پر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جنت اور جنت کی تمام نعمتیں عطا فرمائے گا۔

[1] المرقات: ۹/۸، [2] المرقات: ۹/۷ [3] المرقات: ۹/۸ [4] اخرجه مسلم: ۲/۳۸۶

اس کے برعکس اگر کوئی کافر نیک کام کرتا ہے مثلاً خدمت خلق میں لگا رہتا ہے، فلاحی اور رفاہی کاموں میں مدد کرتا ہے، اصلاح بین الناس کی کوشش کرتا ہے، عدل وانصاف قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے تو چونکہ کافر کا عقیدہ اور ایمان نہیں ہوتا ہے اس لئے وہ آخرت کے بدلہ سے محروم ہے، ہاں! ان کے اچھے کام پر اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کو بدلہ دیتا ہے مثلاً جسمانی صحت دیتا ہے فراخ رزق دیتا ہے حکومت دیتا ہے اور دنیا کی عارضی نعمتوں سے اس کو لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کرتا ہے اور جب مرجاتا ہے تو آخرت میں اس کو سوائے سزا اور عذاب کے اور کچھ بھی نہیں ملتا۔ رہ گیا وہ مؤمن جو دنیا میں گناہ کرتا ہے تو کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اس کو دنیا ہی میں اس کا بدلہ سزا کے طور پر دیتا ہے اور آخرت کے لئے اس کو پاک کر دیتا ہے۔ [1]

جنت اور دوزخ کن کن چیزوں میں پوشیدہ ہیں؟

﴿۶﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ إِلَّا أَنَّ عِنْدَ مُسْلِمٍ "حُفَّتْ" بدل "حُجِبَتْ") [2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ کی آگ شہوتوں یعنی خواہشات ولذات سے ڈھانکی گئی ہے اور جنت سختیوں اور مشقتوں سے ڈھانکی گئی ہے اس روایت کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے لیکن مسلم کی روایت میں حجبت (یعنی ڈھانکی گئی ہے) کے بجائے حفت (یعنی گھیری گئی ہے) کا لفظ ہے۔

توضیح: "حجبت" یہ حجاب سے ہے پردے کے معنی میں ہے ایک نسخہ میں حفت کا لفظ ہے وہ ڈھانپنے کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح جنت اور دوزخ کی حقیقت میں بہت بڑا فرق ہے اسی طرح ان تک پہنچنے کے اسباب میں بھی بڑا فرق ہے کیونکہ ہر ایک کے سامنے پردے پڑے ہوئے ہیں ان پردوں کو پار کرنا ہوگا تو دوزخ جن پردوں میں ڈھانکی گئی ہے [3] وہ انسان کی خواہشات ہیں جن کو دوسرے الفاظ میں آزاد زندگی کہتے ہیں جب انسان حرام اور حلال کی تمیز کو ختم کر کے رکھ دیتا ہے اور نفس وخواہشات کے مطابق آزاد زندگی گذارتا ہے زنا اور شراب وکباب میں لگا رہتا ہے نہ عبادت پر آتا ہے اور نہ کسی گناہ سے اجتناب کرتا ہے تو گویا وہ دوزخ کے دبیز اور خوبصورت پردوں میں سفر کرتا ہے جونہی یہ پردے ختم ہوجاتے ہیں سامنے دوزخ اور اس کی آگ ہے اس میں یہ انسان گرفتار ہوجاتا ہے گویا ان پردوں میں دوزخ کی آگ ڈھانپی گئی ہے۔

اسی طرح جنت کا معاملہ ہے کہ وہ اُمور تکلیفیہ شرعیہ میں ڈھانپی گئی ہے قدم قدم پر شرعی پابندیاں ہیں، حرام وحلال اور جائز و ناجائز کی حد بندیاں ہیں عبادات واوامر شرعیہ کی مشقتوں کو برداشت کرنا ہے اور نواہی وخواہشات سے اجتناب کرنا ہے نفس پر یہ چیزیں شاق ہیں برفانی ہواؤں میں یخ بستہ پانی کے ساتھ صبح سویرے نماز کے لئے وضو بنانا کتنا مشکل ہے مشقتوں کے انہیں پردوں کے پیچھے جنت ہے جونہی یہ پردے طے ہوجائیں گے سامنے سے جنت نمودار ہوجائے گی۔

[1] المرقات: ۹/۹ [2] اخرجه البخاری: ۸/۱۲۷ ومسلم: ۲/۵۱۹ [3] المرقات: ۹/۱۱

خلاصہ یہ کہ ظاہر بین اور ظاہر پرست بے عقل اور عجلت پسند لوگ ظاہری چہل پہل سے دھوکہ کھا جاتے ہیں اور حقیقت پسند اور عقلمند لوگ سنجیدگی کے ساتھ مستقبل پر گہری نظر رکھتے ہیں اور حقیقت کو پالیتے ہیں۔

فسوف تریٰ اذا انکشف الغبار افرس تحت رجلك ام حمار

مال وزر کے لالچی غلام نہ بنو

﴿۷﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ وَعَبْدُ الْخَمِيْصَةِ إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَإِنْ لَمْ يُعْطَ سَخِطَ تَعِسَ وَانْتَكَسَ وَإِذَا شِيْكَ فَلَا انْتُقِشَ. طُوْبٰى لِعَبْدٍ آخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَشْعَثَ رَأْسُهٗ مُغْبَرَّةٍ قَدَمَاهُ إِنْ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ وَإِنْ كَانَ فِي السَّاقَةِ كَانَ فِي السَّاقَةِ إِنِ اسْتَأْذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ وَإِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہلاک ہو وہ شخص جو دینار کا غلام ہو، درہم کا غلام ہو اور چادر کا غلام ہو کہ جب اس کو (مال ودولت اور لباس فاخرہ) ملے تو خوش اور راضی ہو، اور اگر نہ ملے تو ناراض وناخوش ہو ایسے شخص کی اس مذموم خصلت کی وجہ سے گویا حضور نے مکرر بددعا فرمائی کہ ہلاک ہوا ایسا شخص اور ذلیل وسرنگوں ہو۔ اور (دیکھو) جب اس شخص کے پاؤں میں کانٹا لگ جائے تو کوئی اس کو نہ نکالے، (اس کے بعد طالبان دین اور زاہدان دنیا کا بھی ذکر فرمایا جو آخرت کی فلاح حاصل کرنے اور دین کو سربلند کرنے کے لئے محنت ومشقت اور جہاد کے ذریعہ اللہ کی راہ میں مشغول رہتے ہیں چنانچہ آپ نے فرمایا) سعادت وخوش بختی ہے اس بندے کے لئے جو خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کھڑا ہے اس کے سر کے بال پراگندہ اور قدم غبار آلود ہیں، اگر اس کو لشکر کی (اگلی صفوں کے آگے) نگہبانی پر مامور کیا جاتا ہے تو پوری طرح نگہبانی کرتا ہے، اور اگر اس کو لشکر کے پیچھے رکھا جاتا ہے تو لشکر کے پیچھے ہی رہتا ہے اور اگر وہ لوگوں کی محفلوں میں شریک ہونا چاہتا ہے تو اس کو شرکت کی اجازت نہیں دیجاتی اور اگر کسی کی سفارش کرتا ہے تو اس کی سفارش قبول نہیں کی جاتی۔ (بخاری)

توضیح: "تعس" عین پر کسرہ ہے ناکام ونامراد کے معنی میں ہے مراد بددعاء ہے یعنی درھم ودینار کا غلام ہلاک ہوجائے درھم ودینار کا غلام وہ لالچی انسان ہے جو ناجائز طریقہ سے مال اکٹھا کرتا ہے اور ناجائز راستوں میں خرچ کرتا ہے اور اس کے شرعی حقوق ادا نہیں کرتا[۲] "الخمیصة" منقش سیاہ چادر اور کپڑے کو خمیصہ کہتے ہیں خواہ ریشمی ہو یا اون سے بنا ہو، ریاکار، متکبر، عیش پرست لوگ اس کو استعمال کرتے ہیں علامہ حریری کہتے ہیں۔[۳]

لبست الخمیصة ابغی الخبیصة
وانشبت شصّ فی کل شیصة

---

[۱] اخرجه البخاری: ۴/۴۱ [۲] المرقات: ۹/۱۱ [۳] المرقات: ۹/۱۱

"ان اعطی" یہ جملہ اس شخص کے لالچی اور خودغرض اور مطلب پرست ہونے کی وضاحت اور مظہر ہے۔[۱]
"وانتکس" انتکاس سرنگوں ہونے کے معنی میں ہے ذلیل ہونا مراد ہے اس جملہ میں آنحضرت نے اس لالچی شخص کے لئے مکرر بددعا فرمائی ہے[۲] "واذاشیك" شوکۃ کانٹے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے جب اس کے پاؤں میں کانٹا چبھ جائے تو خدا کرے کہ اندر ہی رہے[۳] "فلا انتقش" انتقاش پاؤں میں چبھے ہوئے کانٹے کو نکالنے کے لئے ٹٹولنے اور تلاش کرنے کے معنی میں ہے یہ صیغہ معروف ومجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے معروف کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص اس کانٹے کے نکالنے پر خود قادر نہ ہو، اور مجہول کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کے پاؤں سے یہ کانٹا نہ نکالا جائے کوئی شخص اس کی مدد نہ کرے مراد یہ ہے کہ ایسے نامراد کی کسی صورت میں مسلمان مدد نہ کریں، اس نامراد شخص کے مقابلے میں آنحضرت نے ایک کامیاب اور بامراد شخص کا تذکرہ بھی فرمایا ہے[۴] "طوبیٰ" یعنی سعادت اور خوش بختی نصیب ہو یا جنت میں درخت طوبیٰ اس شخص کے نصیب میں ہو[۵] "لعبد" یعنی جو شخص خالص اللہ تعالیٰ کا بندہ ہو درا ہم ودنانیر کا بندہ نہ ہو[۶] "بعنان" عنان لگام کو کہتے ہیں[۷] "فی سبیل اللہ" ای طریق الجہاد، یعنی مبارک ہو وہ شخص جو ہر وقت جہاد کے لئے تیار کھڑا ہو گھوڑے کی لگام ہاتھ میں تھامے ہوئے اپنے امیر کے حکم کے سننے کے انتظار میں ہو کہ کب حکم ملتا ہے اور یہ مجاہد دشمن پر جھپٹتا ہے[۸] "اشعث" پراگندہ غبار آلود بالوں والے شخص کو اشعث کہتے ھیں[۹] مغبرۃ قدماہ" یعنی جس کے پاؤں غبار آلود ہوں مطلب یہ کہ مکمل محنت ومشقت کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے عیش وراحت کا نام ونشان نہیں چاہتا گمنام زندگی گزارتا ہے اطاعت امیر کا پابند ہے جہاں حکم ہوتا ہے وہاں کود کر جاتا ہے گویا وہ اللہ جل جلالہ کے راستے میں ایک شوریدہ سرمست درویش ہے رنگ ونسل اور خطہ ووطن کا پابند نہیں جیسا کہ کسی نے کہا ہے:[۱۰]

درویش خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی گھر اس کا نہ دلی نہ صفاہاں نہ سمرقند

"فی الحراسۃ" حراسہ چوکیداری کو کہتے ہیں یہاں مجاہدین کے لشکر کی چوکیداری مراد ہے اور وہ بھی مقدمۃ الجیش کی چوکیداری جو سب سے زیادہ نازک اور حساس چوکیداری ہے کیونکہ اس میں دشمن کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے[۱۱] "الساقۃ" لشکر کے آخری حصہ کو ساقہ کہتے ہیں، ان دونوں جگہوں میں زیادہ مشقت ہوتی ہے لشکر کا پہلا حصہ جنگ میں پہلے داخل ہوجاتا ہے اور لشکر کا پچھلا حصہ سب سے آخر میں جنگ سے باہر آتا ہے۔ یہ مرد مجاہد دونوں حالتوں میں امیر کی اطاعت کرتا ہے اور مشقت برداشت کرتا ہے یہاں ایک فنی سوال ہے وہ یہ کہ شرط اور جزا میں مغایرت ضروری ہے یہاں شرط اور جزا دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شرط اور جزا دونوں جب ایک ہی چیز ہوں تو جزا سے کامل جزا مراد لی جاتی ہے عبارت اس طرح ہوگی ان کان فی الحراسۃ کان کاملا فی الحراسۃ۔ اس طرح شرط اور جزا میں تغایر آجائے گا۔

[۱] المرقات: ۹/۱۲ [۲] المرقات: ۹/۱۲ [۳] المرقات: ۹/۱۲ [۴] المرقات: ۹/۱۲
[۵] المرقات: ۹/۱۳ [۶] المرقات: ۹/۱۳ [۷] المرقات: ۹/۱۳ [۸] المرقات: ۹/۱۳
[۹] المرقات: ۹/۱۳ [۱۰] المرقات: ۹/۱۳ [۱۱] المرقات: ۹/۱۳

اس حدیث کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ گمنام مخلص مجاہد ہے نام ونمائش کا شوقین نہیں اس کو کسی جگہ چوکیداری پر لگادو تو مجاہدین کی چوکیداری کرتا ہے اور اگر لشکر کے بالکل آخر میں ضعفاء، عورتوں اور بچوں کے پاس حفاظت کے لئے مقرر کردو تو وہاں بھی رہتا ہے گمنام مسکین صرف اجر وثواب کا طلب گار ہے یہ مطلب حدیث کے آخری حصہ سے بہت مناسب ہے مگر کسی شارح نے یہ مطلب نہیں لکھا ہے۔[1]

"لم یؤذن له" یعنی گمنام مسکین ہے نہ اس کو چھٹی ملتی ہے نہ اس کی سفارش چلتی ہے نہ اس کی بات کو کوئی سنتا ہے بس پورے ثواب کو سمیٹ لیتا ہے اور خاموش رہتا ہے۔[2]

مورخہ ۶ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

مالداری بذات خود بری چیز نہیں ہے

﴿۸﴾وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِمَّا أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِيْ مَا يُفْتَحُ عَلَيْكُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَوَ يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ؟ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ يُنْزَلُ عَلَيْهِ قَالَ فَمَسَحَ عَنْهُ الرُّحَضَاءَ وَقَالَ أَيْنَ السَّائِلُ؟ وَكَأَنَّهُ حَمِدَهُ فَقَالَ إِنَّهُ لَا يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ وَإِنَّ مِمَّا يُنْبِتُ الرَّبِيْعُ مَا يَقْتُلُ حَبَطًا أَوْ يُلِمُّ إِلَّا آكِلَةَ الْخَضِرِ أَكَلَتْ حَتّٰى امْتَدَّتْ خَاصِرَتَاهَا اِسْتَقْبَلَتْ عَيْنَ الشَّمْسِ فَثَلَطَتْ وَبَالَتْ ثُمَّ عَادَتْ فَأَكَلَتْ وَإِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ وَوَضَعَهُ فِيْ حَقِّهِ فَنِعْمَ الْمَعُوْنَةُ هُوَ وَمَنْ أَخَذَهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ كَانَ كَالَّذِيْ يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَيَكُوْنُ شَهِيْدًا عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی وفات کے بعد تمہارے بارے میں مجھے جن چیزوں کا خوف ہے ان میں سے ایک چیز دنیا کی تروتازگی اور زینت ہے جو تم کو حاصل ہوگی، یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا بھلائی اپنے ساتھ برائی بھی لائے گی؟ حضور خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ، آپ پر وحی نازل ہورہی ہے، حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرہ مبارک سے پسینہ پونچھا اور پھر فرمایا کہ وہ شخص کہاں ہے جس نے سوال کیا تھا؟ گویا آپ نے سائل کے سوال کی تحسین فرمائی اور اس کے بعد فرمایا حقیقت یہ ہے کہ بھلائی اپنے ساتھ برائی نہیں لاتی (آپ نے اس کی مثال کو یوں بیان فرمایا کہ) موسم بہار جو سبزہ اگاتا ہے وہ جانور کو اس کا پیٹ پھلا کر ماردیتا ہے یا مرنے کے قریب پہنچ جاتا ہے کیونکہ یہ کھانے والے جانور نے اس سبزہ کو اس طرح کھایا کہ اس کی دونوں کوکھیں پھول گئیں تو وہ سورج کے سامنے بیٹھ گیا اور پھر پتلا گوبر اور پیشاب کرکے چراگاہ کی طرف چلا گیا اور سبزہ چرنے لگا اور حقیقت یہ ہے

[1] المرقات: ۹/۱۲، ۱۳ [2] المرقات: ۹/۱۴ [3] اخرجه البخاری: ۲/۱۲ ومسلم: ۱/۳۱۸

کہ دنیا کا یہ مال وزر بڑا سرسبز، تر و تازہ اور نرم و دلکش ہے لہٰذا جو شخص دنیا کے مال وزر کو حق کے ساتھ حاصل کرے اور اس کو اس کے حق میں خرچ کرے تو وہ مال وزر اس کے حق میں بہترین مددگار ثابت ہوتا ہے اور جو شخص اس مال وزر کو حق کے بغیر یعنی ناجائز طور پر حاصل کرے تو وہ اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو کھاتا رہتا ہے اور شکم سیر نہیں ہوتا اور وہ مال وزر قیامت کے دن اس کے بارے میں (اس کے اسراف اور اس کی حرص وطمع کا) گواہ ہوگا (بخاری ومسلم)

توضیح: "أو یأتی الخیر بالشر" اس شخص کے سوال کا مقصد یہ ہے کہ قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے مال کو "الخیر" کے نام سے یاد کیا ہے سورت عادیات میں ہے "وانہ لحب الخیر لشدید" جب دنیا کا مال خیر ہے تو یہ باعث خوف اور باعث شر اور باعث ضرر کیسے بنتا ہے؟[1] "فسکت" وحی کے نزول کے انتظار میں آپ خاموش ہو گئے تا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سوال کا جواب آجائے "الرحضاء" بخار کی وجہ سے چہرہ پر جو پسینہ آتا ہے اس کو حضاء کہتے ہیں شاعر ساحر ابوطیب متنبی کہتے ہیں۔[2]

لم تحك نائلك السحاب وانما حمت به فصبيبها الرحضاء

حدیث میں جس پسینہ کا ذکر ہے یہ وحی کی شدت کی وجہ سے آیا کرتا تھا (قال) یعنی حدیث کے راوی ابوسعید خدری نے کہا (وکأنہ حمدہ) یعنی آنحضرت نے اس شخص کے سوال کو پسند کیا کیونکہ یہ سوال علمی تھا جو امت کے لئے فائدہ مند تھا (انہ) یہ ضمیر شان ہے۔[3]

"لایأتی الخیر بالشر" یعنی آنحضرت نے فرمایا کہ بھلائی برائی کو نہیں لاتی یعنی بنفسہ مال اگر چہ زیادہ ہو یہ اپنی ذات کے اعتبار سے برائی نہیں لاتا ہے اس میں اگر برائی آتی ہے تو وہ عارض اور خارج کی وجہ سے آتی ہے کہ آدمی حد اعتدال سے نکل کر بخل اور حرص ولالچ اور اسراف میں پڑ جائے پھر مال نقصان کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ موسم بہار بہترین گھاس اور بہترین سبزہ اُگاتا ہے جو فی نفسہ خیر ہی خیر ہے لیکن اس عمدہ گھاس کو اگر کوئی جانور حد اعتدال سے زیادہ کھالے تو اس عارض کی وجہ سے ہلاکت آتی ہے جس سے وہ ہلاک ہوجاتا ہے تو یہ ہلاکت اور ضرر عارضی خارجی ہے اسی حقیقت کو آنحضرت ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا "وان مما ینبت الربیع" یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے ارادہ سے موسم بہار میں جب زمین طرح طرح کی گھاس پیدا کرتی ہے اور چوپائے اس کے کھانے کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں اور گھاس کو عمدہ جان کر حد اعتدال سے زیادہ کھاجاتے ہیں تو بدہضمی کی وجہ سے ان کے پیٹ پھول جاتے ہیں بلکہ آنتیں پھٹ جاتی ہیں اور جانور حقیقۃً مرجاتے ہیں یا اگر واقعۃً مرتے نہیں تو قریب الموت ہوجاتے ہیں تو جس طرح یہاں موسم بہار کا کوئی قصور نہیں بلکہ حد اعتدال سے زیادہ گھاس کھانے والے حیوان کا قصور ہے اسی طرح معاملہ دنیا کے مال اور انسان کا ہے اگر

[1] المرقات: ۹/۱۴ [2] المرقات: ۹/۱۵ [3] المرقات: ۹/۱۵

انسان مال کو اس طرح جمع کرتا ہے کہ اس کا حق ادا نہیں کرتا اور حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتا یا کثرت مال کی وجہ سے انتہائی عیش وعشرت اور عیاشی وغفلت کی زندگی گذارنے لگتا ہے تو اس طرح وہ اخلاق رذیلہ میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو جائے گا یہاں قصور مال کا نہیں بلکہ اس کے غلط استعمال کا ہے۔[۱]

"ما یقتل حبطاً" حبط ہلاکت کے معنی میں ہے مگر وہ ہلاکت جو کسی چیز کے کھانے سے پیٹ میں بدہضمی پیدا ہونے کی وجہ سے ہو اور کھانے والا فوراً مر جائے[۲] "اویلم" الم یلم قریب ہونے کے معنی میں ہے یعنی ہلاکت کے قریب ہو جائے[۳] "الا آکلة الخضر" علامہ طیبی فرماتے ہیں آکلة منصوب ہے اور یہ یقتل کے لئے مفعول بہ ہے اور استثناء مفرغ ہے عبارت اس طرح ہے ان مما ینبت الربیع ما یقتل آکلهٔ الا آکل الخضر، ملا علی قاری اس طرح عبارت نکالتے ہیں ان مما ینبت الربیع ما یقتل اویلم کل آکلة الا آکلة الخضر اس عبارت کو مستثنیٰ متصل پر بھی حمل کیا جاسکتا ہے۔ علامہ طیبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے جو لکن کے معنی میں ہے، نیا کلام ہے، یہ بہت آسان ہے۔[۴]

"اکلت" ای الماشیة الآکلة اکلت یعنی کھانے والے سبزہ خور جانور نے سبزہ کھالیا۔[۵] "امتدت" امتداد سے ہے یعنی زیادہ گھاس کھانے سے دونوں کوکھ پھول گئیں[۶] "خاصرة" کوکھ کو کہتے ہیں[۷] "عین الشمس" جانور کا پیٹ جب زیادہ گھاس کھانے کی وجہ سے پھول جاتا ہے تو وہ دھوپ کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے یا بیٹھ جاتا ہے تا کہ دھوپ کی حرارت سے پیٹ کے اندر سب کچھ ہضم ہو جائے۔[۸] "فثلطت" گوبر اور پاخانہ جب نرم اور پتلا ہو کر دست بن کر آتا ہے تو اس کو ثلط کہتے ہیں[۹] "ثم عادت" یعنی جب پیٹ خالی ہو جاتا ہے تو دوبارہ گھاس چرنے کے لئے جانور جاتا ہے۔

علامہ ازھری رحمہ اللہ کے حوالہ سے علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی مثال اس لالچی شخص کی ہے جو ناجائز اور حرام طریقہ سے مال جمع کرتا ہے اور اس کے حقوق کو ادا نہیں کرتا ہے یہ زہریلی گھاس کی طرح ہے اس کے بارے میں فرمایا کہ "مایقتل حبطاً" یہ مال اس شخص کو ہلاک کر دیتا ہے۔

دوسری مثال اس میانہ رو شخص کی ہے جس کو "الا آکلة الخضر" سے آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا ہے یہ مال زہریلی گھاس کی طرح نہیں ہے بلکہ موسم سرما کی گھاس کی طرح ہے جو کھانے کے قابل ہے اگرچہ حرص ولالچ کی وجہ سے اس شخص نے اس کے جمع کرنے میں حد اعتدال سے تجاوز کیا اور اسراف کیا لیکن بہت جلد یہ شخص متنبہ ہوا اور توبہ کی اور حرص سے باز آگیا جس طرح اس جانور کی مثال ہے جس نے گھاس زیادہ کھالیا مگر جلدی اپنا علاج بھی کیا تو بچ گیا۔[۱۰]

علامہ طیبی اس حدیث کی مثال کے بارے میں ایک اور تشریح بھی کر کے فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے چار مثالیں نکل سکتی ہیں، پہلی مثال تو اس کافر کی ہے جو دنیا کی زہریلی گھاس کھا کر ہلاک ہو جاتا ہے دوسری مثال اس ظالم مسلمان کی ہے جو

---

[۱] المرقات: ۹/۱۵ [۲] المرقات: ۹/۱۵ [۳] المرقات: ۹/۱۵ [۴] المرقات: ۹/۱۵ الکاشف: ۹/۳۳۲ [۵] المرقات: ۹/۱۵
[۶] المرقات: ۹/۱۵ [۷] المرقات: ۹/۱۵ [۸] المرقات: ۹/۱۵، ۱۶ [۹] المرقات: ۹/۳۳۳ [۱۰] المرقات: ۹/۱۶ والکاشف: ۹/۳۳۳

گناہوں میں آلودہ ہو کر ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا ہے تیسری مثال میانہ رو مسلمان کی ہے جو کبھی گناہ کبھی نیکی کرتا ہے **ما یقتل حبطاً** میں پہلی مثال کی طرف اشارہ ہے **او یلم** میں دوسری مثال کی طرف اشارہ ہے اور **آکلۃ الخضر** میں تیسری مثال کی طرف اشارہ ہے اور چوتھی مثال اگرچہ اس حدیث میں نہیں ہے مگر دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے دنیا کو ترک کیا اور عقبیٰ اختیار کیا جس کو **سابق بالخیرات** کہتے ہیں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس کو ذکر فرمایا ہے۔ [1]

امام غزالی عشاللہ نے دنیا اور اس میں بسنے والے انسانوں کی مثال ایک سمندری جہاز سے دی ہے جو سمندر میں محو سفر ہوتا ہے اور تھوڑی دیر کے لئے ایک جزیرہ کے پاس لنگر انداز ہو جاتا ہے۔ جہاز کا مالک اس میں سوار لوگوں سے کہتا ہے کہ اس خشک جزیرہ میں اُتر جاؤ اور قضائے حاجت وغیرہ ضروریات سے فارغ ہو کر جلدی واپس آجاؤ تاکہ آگے سفر جاری رہے۔

امام غزالی عشاللہ فرماتے ہیں کہ جزیرہ میں اترنے والے انسان تین قسموں پر تقسیم ہو جاتے ہیں ایک طبقہ تو جہاز کے مالک کے اعلان کے مطابق جزیرہ میں صرف ضرورت اور قضاء حاجت کی حد تک ٹھہر کر جلدی جلدی واپس جہاز کی طرف آ گیا اور جہاں چاہا خالی جہاز میں عمدہ جگہوں پر بیٹھ گیا۔ دوسرے طبقے نے جزیرہ سے عمدہ عمدہ پتھر وغیرہ اشیاء اکٹھی کیں اس میں دیر بھی ہو گئی اور کندھوں پر بوجھ لاد کر آنا بھی مشکل ہو گیا اور دیر سے آکر جب دیکھا تو جہاز میں خالی جگہ نہیں تھی تو کناروں میں سلاخوں اور کنڈوں پر بیٹھ گیا اور اپنا بوجھ اپنے سروں پر رکھ دیا بہت ہی تکلیف میں رہے مگر جہاز میں بیٹھ گئے اور تیسرا طبقہ ان لوگوں کا بنا جنہوں نے جزیرہ کی خوشنما چیزوں کو دیکھا اور اس میں لگ گئے اور کہنے لگے کہ ہم یہیں پر رہیں گے جہاز میں بیٹھنے اور اگلے سفر کی ہمیں ضرورت نہیں یہ کہہ کر ان سے جہاز چلا گیا اور یہ لوگ کچھ وقت تک اس جزیرہ میں خوش رہے لیکن جب ضروریات زندگی ختم ہو گئیں تو یہ لوگ اس جزیرہ میں نہایت درد و کرب کے ساتھ مر کر ہلاک ہو گئے۔ اس حدیث میں پہلی مثال زاہد مؤمن کی ہے دوسری مثال میانہ رو گناہگار مسلمان کی ہے اور تیسری مثال کافر کی ہے۔

بہرحال حدیث کا جتنا حصہ گذرا ہے اس کا مطلب و خلاصہ یہ نکلا کہ مال خیر ہے اور خیر شر کو نہیں لاتی ہے مگر کبھی کبھی اس مال کو غلط طریقہ سے حاصل کیا جاتا ہے اور اس کے حقوق کو نظر انداز کیا جاتا ہے جو انسان کو ہلاک کرتا ہے جس طرح زہریلی گھاس جانور کو تباہ کر دیتی ہے۔ تو مال صالح ہونا چاہئے زہر آلود نہیں ہونا چاہئے۔ اسی طرح کبھی کبھی مال صالح ہوتا ہے مگر حد اعتدال سے زیادہ استعمال کرنے سے نقصان کر دیتا ہے جس طرح عمدہ گھاس ہوتی ہے مگر اس کو جب جانور زیادہ کھاتا ہے تو اس سے بدہضمی پیدا ہوتی ہے اور دست آنے لگتے ہیں تو دنیا جب زیادہ ہو جائے تو یہ بھی انسان کو دستوں میں مبتلا کر دیتی ہے، ایک اللہ والے نے کہا کہ دنیا کی مثال زہریلے سانپ کی ہے اگر سانپ کا منتر جانتے ہو تو سانپ قابو میں ہوگا ورنہ ڈنگ مار کر ہلاک کر دے گا۔ اور اس سانپ کا منتر یہ ہے کہ دنیا کا مال جائز طریقہ سے حاصل کیا جائے اور جائز طریقہ پر استعمال کیا جائے۔

---

[1] المرقات: ۹/۱۶، ۱۷ و الکاشف: ۹/۳۳۳

"وان هذا المال" اس جملہ سے آنحضرت نے دنیا کی محبت میں لوگوں کے مختلف احوال بیان فرمائے ہیں چنانچہ فرمایا کہ یہ دنیا زیب وزینت کے اعتبار سے سرسبز وشاداب، دلکش اور میٹھی ہے۔ طبعاً ہر آدمی کو پسند ہے پس جس نے اس کو صحیح اور جائز طریقہ پر حاصل کیا اور جائز طریقہ پر خرچ کیا تو یہ ایک صالح انسان کے اچھے مقاصد کے لئے بہترین معاون اور مددگار ہے اور جس شخص نے اس مال اور دنیا کو ناجائز طریقہ سے حاصل کیا اور ناجائز کاموں میں خرچ کیا تو یہ اس کے لئے وبال جان ہے جس کی وجہ سے وہ آدمی ایک لاعلاج بیماری میں مبتلا ہوجائے گا وہ دنیا کا غلام بن کر اس کا چوکیدار بن جائے گا اور اس کی مثال جوع البقر والے مریض کی ہوجائے گی جو کھاتا رہتا ہے مگر بھوک ختم نہیں ہوتی یا استقاء کے مریض کی طرح ہوجائے گا جو پانی پیتا رہے گا مگر پیاس ختم نہیں ہوگی، یہی نہیں بلکہ قیامت کے روز یہ مال اس کے خلاف کھڑا ہوگا اور یہ گواہی دے گا کہ یہ شخص بڑا حریص، لالچی، حرام خور اور چور تھا۔[1]

خلاصہ یہ کہ دنیا کا مال حجاب اکبر ہے یہ دوزخ کی آگ سے بھی پردہ بن سکتا ہے اور جنت کے لئے بھی پردہ بن سکتا ہے۔

یار ناپائیدار دوست مدار دوستی را نہ شاید ایں غدار

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

فقر وفاقہ نہیں بلکہ کثرت اموال باعث خطرہ ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرُ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم! مجھے تمہارے فقر وافلاس کا کوئی ڈر نہیں ہے بلکہ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر کشادہ کی جائے گی جیسا کہ ان لوگوں پر دنیا کشادہ کی گئی تھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں چنانچہ تم دنیا کی طرف رغبت کروگے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اس کی طرف رغبت کی تھی اور پھر یہ دنیا تم کو اسی طرح تباہ وبرباد کردے گی جس طرح ان کو تباہ وبرباد کرچکی ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "فتنافسوها" ای فتتنافسوا فیها نفیس چیز کی طرف قلبی میلان کو تنافس کہتے ہیں مراد رغبت ہے کہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دنیا کے حصول کے لئے آگے دوڑو گے اور اس کے جمع کرنے میں لگ جاؤ گے اس میں حرص کرنے لگ جاؤ گے پھر کثرت کی وجہ سے تکبر وتجبر اور بغاوت میں پڑجاؤ گے تو آخرت کے اعتبار سے ہلاک ہوجاؤ گے یا دنیا کے لوگوں کے ساتھ عداوتیں شروع ہوجائیں گی تو وہ تمہیں ہلاک کردیں گے یہ دنیا کی بھی ہلاکت ہے اور آخرت

[1] المرقات: ۹/۱۷ [2] اخرجه البخاري: ۴/۱۱۷ ومسلم: ۴/۲۸۸

کی بھی ہلاکت ہے ریشم کے کیڑے کی طرح جو اپنے جسم سے ریشم کا دھاگہ نکال کر اپنے جسم پر لپیٹ لیتا ہے اور آخر میں اسی میں دب کر مرجاتا ہے یا گوبر کے کیڑے گبریلے کی طرح گندگی کا گولہ بنا کر اپنے بل میں داخل کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر سوراخ تنگ ہونے کی وجہ سے اسے چھوڑ کر اندر جاتا ہے انسان بھی سب کچھ چھوڑ کر قبر میں تنہا داخل ہو جاتا ہے۔[۱]

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے۔

بہر حال کثرت مال میں ہلاکت یہ بھی ہے کہ مال جب آدمی کو گھیر لیتا ہے تو وہ بزدل بن کر جہاد سے گھبراتا ہے تو دشمن آ کر اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔

بقدر کفاف مال اچھا ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتاً وَفِيْ رِوَايَةٍ كَفَافاً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی اے اللہ تو آل محمد کو بقدر قوت لایموت رزق عطا فرما، اور ایک روایت میں کفاف کا لفظ ہے، (بخاری ومسلم)

توضیح: "آل محمد" آنحضرت کا اپنی ذات کے لئے یہ معیار مقرر تھا کہ اپنے پاس کچھ بھی جمع نہ رکھتے اپنے اہل بیت کے لئے یہ معیار تھا کہ بقدر کفاف اور قوت لایموت کی مقدار تک رکھنے کی اجازت فرماتے اور عام امت کے لئے یہ معیار رکھا تھا کہ رزق حلال کمانے اور صحیح استعمال کرنے کی اجازت دیتے۔ علماء کا ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ حلال مال کی وسعت فقر و فاقہ سے افضل ہے لیکن ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ فقر و فاقہ وسعت اموال سے افضل ہے بہر حال ہر آدمی کے احوال الگ الگ ہوتے ہیں "لایقاس الملوک بالحدادین" بادشاہوں کو لوہاروں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

کفاف اور قوت لایموت قریب قریب ایک ہی مفہوم رکھتے ہیں۔[۳]

علامہ طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ کفاف کا حکم اور مفہوم اشخاص کے احوال کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے بعض لوگ ہفتہ بھر ایک دفعہ کھاتے ہیں ان کے لئے وہ کفاف ہے بعض لوگ دن میں ایک یا دو مرتبہ کھاتے ہیں ان کے لئے وہ کفاف ہے بعض لوگ عیالدار ہوتے ہیں تو ان کا کفاف اتنا ہے جو ان کے بچوں کے لئے کافی ہو جائے بعض لوگ قلیل عیال والے ہوتے ہیں ان کے لئے قلیل غذا کفاف ہے خلاصہ یہ کہ کفاف کی معین مقدار نہیں بلکہ بقدر کفایت کفاف ہے تا کہ طاعات میں قوت رہے اور بے جا اشتغال بھی نہ ہو۔[۴]

﴿۱۱﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ

[۱] المرقات: ۱۹،۹/۱۸ [۲] اخرجه البخاري: ۸/۱۲۲ ومسلم: ۱/۳۲۰ [۳] المرقات: ۲۰،۹/۱۹ [۴] الکاشف: ۹/۳۳۶

وَرُزِقَ كَفَافًا وَّقَنَّعَهُ اللهُ بِمَا آتَاهُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا وہ شخص فلاح ونجات کو پہنچ گیا جس نے اسلام قبول کیا اس کو بقدر کفاف رزق دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس چیز پر کہ جو اس کو دی گئی ہے قناعت بخشی (مسلم)

انسان کا مال تین قسم پر ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْعَبْدُ مَالِيْ مَالِيْ وَإِنَّ مَالَهُ مِنْ مَالِهِ ثَلَاثٌ مَا أَكَلَ فَأَفْنَى أَوْلَبِسَ فَأَبْلَى أَوْأَعْطَى فَاقْتَنَى وَمَاسِوَى ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهُ لِلنَّاسِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بندہ کہتا رہتا ہے کہ میرا مال میرا مال اور حقیقت یہ ہے کہ اس کو اس مال ودولت میں سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ فی الجملہ تین چیزیں ہیں: ایک تو وہ چیز جس کو اس نے کھالیا اور ختم کردیا، دوسری وہ چیز جس کو اس نے پہن لیا اور بوسیدہ کردیا یعنی اتار کر پھینک دیا اور تیسری وہ چیز جس کو اس نے خدا کی راہ میں دیا اور (آخرت کے لئے) ذخیرہ کرلیا۔ ان تینوں چیزوں کے سوا اور جو کچھ ہے (جیسے زمین، جائداد، مویشی وغیرہ) سب ایسی ہیں جن کو وہ لوگوں کے لئے چھوڑ کر (اس دنیا سے) چلا جانے والا ہے۔ (مسلم)

توضیح: "وان مالہ" ما موصولہ بمعنی الذی ہے اور "لہ" کا حرف "حصل" سے متعلق ہے اور من مالہ بھی اس کے ساتھ متعلق ہے اور ثلاث خبر ہے[۳] "فابلی" یعنی کپڑا مال ہے جو پہن لیا اور پرانا کردیا[۴] "فاقتنی" ای جعلہ قنیۃ وذخیرۃ للعقبی یعنی خیرات وصدقہ کرکے آخرت کے لئے ذخیرہ کرکے رکھ دیا "فھو" یعنی وہ بندہ جانے والا ہے اور مال لوگوں کے لئے بطور میراث چھوڑنے والا ہے یعنی انسان کا اصل مال جو اس کے کام آیا وہ تین قسم پر ہے۔ ❶ جو اس نے کھالیا یہ مال ہے ❷ جو پہن لیا یہ اس کا مال ہے ❸ جو اللہ تعالیٰ کے نام پر دے دیا یہ اس کا مال ہے جس کا اجر آخرت میں ملے گا اس کے علاوہ وبال ہے نہ کہ اس کا مال ہے۔[۵]

انسان کے ساتھ قبر میں صرف اس کا عمل جائیگا

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَةٌ فَيَرْجِعُ إِثْنَانِ وَيَبْقَى مَعَهُ وَاحِدٌ يَتْبَعُهُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ فَيَرْجِعُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۶]

[۱] اخرجہ مسلم: ۱/۳۲۰ [۲] اخرجہ مسلم: ۲/۴۸۷ [۳] المرقات: ۹/۲۱
[۴] المرقات: ۹/۲۱ [۵] المرقات: ۹/۲۱ [۶] اخرجہ البخاری: ۸/۱۳۲ ومسلم: ۲/۴۸۷

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میت کے ساتھ (قبر تک) تین چیزیں جاتی ہیں ان میں سے دو چیزیں تو واپس آجاتی ہیں اور ایک چیز اس کے ساتھ رہ جاتی ہے۔ چنانچہ اس کے متعلقین (جیسے اولاد، عزیز اقارب وغیرہ) اور اس کے اموال (جیسے نوکر، چاکر، پلنگ۔ گاڑی) اور اس کے اعمال اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ ان تینوں میں سے متعلقین اور مال تو (اس کو تنہا چھوڑ کر) واپس آجاتے ہیں اور اس کے اعمال اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

اپنے مال کو آخرت کا ذخیرہ بناؤ

﴿۱۴﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهٖ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهٖ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ مَامِنَّا اَحَدٌ اِلَّا مَالُهٗ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِ وَارِثِهٖ قَالَ فَإِنَّ مَالَهٗ مَاقَدَّمَ وَمَالُ وَارِثِهٖ مَاأَخَّرَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں وہ کون شخص ہے جو اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کے مال کو پسند کرتا ہو؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کے مال کو پسند کرتا ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا حقیقت میں اس کا مال وہ ہے جس کو اس نے (صدقہ وغیرہ کے ثواب کی صورت میں) آگے بھیج دیا ہے اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جس کو وہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ (بخاری)

توضیح: ''مال وارثہ'' یعنی تم میں سے کون ایسا شخص ہے جس کو اپنے مال سے اپنے وارث کا مال زیادہ محبوب ہو؟ صحابہ نے فرمایا کہ ایسا شخص کوئی بھی نہیں جس کو اپنے مال کی بجائے وارث کا مال زیادہ محبوب ہو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر ذرا سوچ لو کہ جو مال میت سے رہ جاتا ہے وہ اس کے وارثوں کا ہے اور جو مال اپنی موت سے پہلے اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتا ہے وہ درحقیقت اس کا اپنا مال ہے حالانکہ یہ شخص اس مال کو خرچ کرنے کی بجائے پیچھے وارث کے لئے چھوڑ دیتا ہے تو درحقیقت یہ شخص اپنے مال کی جگہ وارث کے مال کا زیادہ خیال رکھتا ہے جو سراسر عقل و مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے۔[۲]

﴿۱۵﴾ وَعَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقْرَأُ أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ قَالَ يَقُوْلُ ابْنُ آدَمَ مَالِيْ مَالِيْ قَالَ وَهَلْ لَكَ يَاابْنَ آدَمَ إِلَّا مَاأَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ أَوْلَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ أَوْتَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت مطرف اپنے والد ماجد (عبداللہ ابن شخیر) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ **الھکم التکاثر** پڑھ رہے تھے (جس کے معنی یہ ہے کہ اے

---

[۱] اخرجه البخاري: ۸/۱۱۶　[۲] المرقات: ۹/۲۲　[۳] اخرجه مسلم: ۲/۴۸۶

لوگو! تم آپس میں اپنی ثروت و امارت پر فخر و ناز کرنے کے سبب آخرت کے خوف سے بے پرواہ ہو گئے ہو) چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابن آدم میرا مال میرا مال کہتا ہے پھر آپ نے فرمایا کہ اے ابن آدم! تجھے تیرے مال سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اور تو جتنا فائدہ اٹھاتا ہے وہ اتنا ہے کہ تو جن چیزوں کو کھالیتا ہے اور اس کو ختم کر دیتا ہے یا پہن لیتا ہے اور اس کو بوسیدہ کر دیتا ہے یا خدا کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے اور اس کو آخرت کے لئے ذخیرہ بنالیتا ہے۔ (مسلم)

تونگری بہ دل است نہ بمال

﴿۱۶﴾وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اصل تونگری و دولت مندی یہ نہیں ہے کہ اپنے پاس بہت زیادہ مال و متاع ہو بلکہ حقیقی تونگری و دولتمندی جس چیز کا نام ہے وہ نفس یعنی دل کا تونگر و غنی ہونا ہے۔ (بخاری مسلم)

الفصل الثانی

پانچ بہترین باتوں کی نصیحت

﴿۱۷﴾عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَأْخُذُ عَنِّي هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَيَعْمَلُ بِهِنَّ أَوْيُعَلِّمُ مَنْ يَعْمَلُ بِهِنَّ قُلْتُ أَنَا يَارَسُولَ اللهِ فَأَخَذَ بِيَدِي فَعَدَّ خَمْسًا فَقَالَ اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ وَأَحْسِنْ إِلٰى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَلَا تُكْثِرِ الضِّحْكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ کون شخص ہے جو مجھ سے پانچ باتوں کو سیکھے اور پھر ان پر عمل کرے یا اس شخص کو سکھائے جو ان پر عمل کرنے والا ہو۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ شخص میں ہوں، حضور ﷺ نے (یہ سنکر) میرا ہاتھ پکڑا اور وہ پانچ باتیں گنوائیں اور (ان کو اس طرح) بیان فرمایا ❶ تم ان چیزوں سے بچو جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے اگر تم ان سے بچو گے تو تم لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار بندہ ہو گے۔ ❷ تم اس چیز پر راضی و شاکر رہو جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں لکھ دیا ہے، اگر تم تقدیر الٰہی پر راضی و مطمئن رہو گے تو تمہارا شمار تونگر ترین لوگوں میں ہوگا، ❸ تم اپنے ہمسایہ سے اچھا سلوک کرو اگر تم ایسا کرو گے تو تم کامل مؤمن سمجھے جاؤ گے۔ ❹ تم جس چیز کو اپنے

[1] اخرجه البخاری: ۸/۱۱۸ ومسلم [2] اخرجه احمد: ۲/۳۱۰ والترمذی: ۴/۵۵۱

لئے پسند کرتے ہو اس کو دوسرے سب لوگوں کے لئے پسند کرو اگر تم ایسا کرو گے تو تم کامل مسلمان سمجھے جاؤ گے۔ ⑤ اور تم زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ (اور خدا کی یاد سے غافل) بنا دیتا ہے۔ اس روایت کو احمد اور ترمذی نے نقل کیا ہے اور (ترمذی نے) کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

عبادت کے لئے فارغ ہونا ہر پریشانی کا حل ہے

﴿۱۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ ابْنَ آدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِيْ أَمْلَأْ صَدْرَكَ غِنًى وَأَسُدَّ فَقْرَكَ وَإِنْ لَا تَفْعَلْ مَلَأْتُ يَدَكَ شُغْلًا وَلَمْ أَسُدَّ فَقْرَكَ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! میری عبادت کے لئے تو اپنے دل کو اچھی طرح مطمئن و فارغ کر لے میں تیرے سینے کو استغناء سے بھر دوں گا اور تیرے لئے فقر و افلاس کی راہ کو بند کر دوں گا اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے ہاتھوں کو طرح طرح کے تفکرات اور مشاغل سے بھر دوں گا اور تیرے فقر و احتیاج کو دور نہیں کروں گا۔ (احمد و ابن ماجہ)

توضیح: "تفرغ لعبادتی" اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی رہنمائی فرماتا ہے کہ اے انسان تم میری عبادت و طاعت کے لئے فارغ ہو جاؤ میں تمہاری تمام ضروریات کو پورا کروں گا اور فقر و فاقے کے راستے بند کر دوں گا اور تمہارے دل کو استغناء سے بھر دوں گا بس تم آخرت کی فکر میں لگ جاؤ میں تمہاری دنیا کو بنا دوں گا۔[2] "وان لا تفعل" یعنی اگر تم اس طرح نہیں کرو گے تو میں تیرے ہاتھوں کو مشاغل دنیویہ اور تفکرات مادیہ اور مشکلات زمانیہ سے بھر دوں گا پھر مارے مارے پھرو گے در در کے دھکے کھاؤ گے نہ ہاتھ میں کچھ آئے گا اور نہ دل مستغنی ہوگا خلاصہ یہ کہ "کونوا ابناء الآخرة ولا تکونوا ابناء الدنیا"

یعنی آخرت کے بندے بنو دنیا کے بندے نہ بنو۔ "ابن آدم" یہ منادیٰ ہے یہاں حرف ندا محذوف ہے اصل عبارت "یا ابن آدم" ہے۔[3]

تقویٰ کے برابر کوئی عبادت نہیں

﴿۱۹﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ ذُكِرَ رَجُلٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعِبَادَةٍ وَاجْتِهَادٍ وَذُكِرَ آخَرُ بِرِعَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَعْدِلْ بِالرِّعَةِ يَعْنِي الْوَرَعَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) [4]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے سامنے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا جو کثرت کے ساتھ

[1] اخرجه احمد: ۲/۳۵۸ وابن ماجه [2] المرقات: ۹/۲۶ [3] المرقات: ۹/۲۷ [4] اخرجه الترمذي: ۴/۶۶۹۵

عبادت وطاعت میں مشغول رہتا ہے اور اس میں بہت زیادہ سعی واہتمام کرتا ہے اور ایک دوسرے شخص کے بارے میں ذکر کیا گیا جو پرہیزگاری کو اختیار کرتا ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ (پرہیزگاری کے بغیر) کثرت عبادت وطاعت اور اس میں سعی واہتمام کرنے کو پرہیزگاری کے برابر نہ ٹھہراؤ (ترمذی)

توضیح: "بعبادة" یعنی آنحضرت کے سامنے ایک شخص کا تذکرہ کسی نے کیا کہ وہ بہت زیادہ عبادت کرتا ہے مگر گناہوں سے بچنے میں کچھ کمزور ہے۔[1] "برعة" یہ لفظ عدۃ کے وزن پر ہے را پر کسرہ ہے اور عین پر زبر ہے یہ ورع کے معنی میں ہے ورع تقویٰ کو کہتے ہیں اور تقویٰ گناہوں سے بچنے کو کہتے ہیں یعنی ایک دوسرے شخص کا تذکرہ آنحضرت کے سامنے اس طرح ہوا کہ وہ گناہوں سے بچنے کی بڑی کوشش کرتا ہے اگرچہ کثرت سے عبادت نہیں کرتا ہے[2] "لاتعدل" آنحضرت نے جواب میں فرمایا کہ کثرت عبادت کو تقویٰ اور گناہوں سے بچنے کے برابر نہ ٹھہراؤ۔ یہ نہی معروف کا صیغہ ہے اور یہ مجہول بھی ہوسکتا ہے اس وقت تاء پر ضمہ ہوگا اور دال پر فتحہ ہوگا اور صیغہ نفی کا ہوگا۔ مطلب یہ کہ شریعت میں کوئی خصلت تقویٰ کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہے تقویٰ کی خصلت سب سے اعلیٰ ہے۔[3]

تقویٰ کی تعریف

ورع اور تقویٰ ایک ہی چیز ہے ان دونوں کی چند تعریفات ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ میر سید سند شریف جرجانی نے اپنی کتاب التعریفات میں تقویٰ اور ورع کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:

❶ التقویٰ فی اللغة بمعنی الاتقاء وعند اهل الحقیقة هو الاحتراز بطاعة الله عن عقوبته۔

❷ وقیل محافظة آداب الشریعة۔

❸ وقیل مجانبة کل ما یبعدك عن الله۔

❹ وقیل ترك حظوظ النفس ومباینة النهی

❺ وقیل ان لاتریٰ فی نفسك شئیا سوی الله۔

❻ وقیل ان لاتریٰ نفسك خیرا من احد

❼ وقیل الاقتداء بالنبی ﷺ قولاً وفعلاً۔

❽ والورع هو اجتناب الشبهات خوفا من الوقوع فی المحرمات۔

❾ وقیل هو ملازمة الاعمال الجمیلة۔ (تعریفات، ص۷۵و ص۲۲۴)

❿ وقال الراغب الاصفهانی الورع فی عرف الشرع عبارة عن ترك التسرع الی تناول اعراض الدنیا وذلك ثلاثة اضرب (الف) واجب وهو الاحجام عن المحارم وذلك للناس کافة۔ (ب) وندب

---

[1] المرقات: ۹/۲۷ [2] المرقات: ۹/۲۷ [3] المرقات: ۹/۲۷

وهو الوقوف عن الشبهات وذلك للا وساط من الناس. (ج) وفضيلة وهو الكف عن كثير من المباحات والاقتصار على اقل الضرورات وذلك للنبيين والصديقين والشهداء والصالحين۔

مندرجہ بالا تمام تعریفات کو میں نے عربی میں نقل کر دیا ہے سمجھنے والوں کے لئے ذخیرہ ہے اب دو تعریفیں اردو میں سمجھ لیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن ایک شخص سے پوچھا کہ تقویٰ کا مفہوم کیا ہے تو اس شخص نے کہا کہ تقویٰ کا مفہوم اس طرح ہے کہ مثلاً ایک شخص کانٹوں کی جھاڑیوں سے گذرتا ہے مگر وہ اپنے کپڑوں اور اپنے جسم کو جھاڑیوں کے ہر کانٹے سے بچا کر پار نکل جاتا ہے یہ تقویٰ کا تصور ہے۔ بعض احادیث سے تقویٰ کا مفہوم اس طرح نکلتا ہے کہ آدمی ظاہراً اور باطناً اپنا معاملہ اپنے رب کے ساتھ صاف رکھے۔

پانچ مصائب سے پہلے پانچ نعمتیں

﴿۲۰﴾وَعَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنِ الْاَوْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُهُ اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُرْسَلًا)[1]

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن میمون اودی (تابعی) کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو! ❶ بڑھاپے سے پہلے جوانی کو ❷ بیماری سے پہلے صحت کو ❸ فقر وافلاس سے پہلے تونگری وخوشحالی کو ❹ مشاغل وتفکرات میں مبتلا ہونے سے پہلے وقت کی فراغت واطمینان کو، ❺ موت سے پہلے زندگی کو۔ اس روایت کو ترمذی نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

نیک کام کرنے میں دیر نہ کرو

﴿۲۱﴾وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا يَنْتَظِرُ أَحَدُكُمْ إِلَّا غِنًى مُطْغِيًا أَوْ فَقْرًا مُنْسِيًا أَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا أَوْ هَرَمًا مُفْنِدًا أَوْ مَوْتًا مُجْهِزًا أَوِ الدَّجَّالَ فَالدَّجَّالُ شَرٌّ غَائِبٌ يُنْتَظَرُ أَوِ السَّاعَةَ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تم میں کوئی شخص تونگری کا انتظار کرتا رہتا ہے جو گنہگار کرنے والی اور امر ونہی کی حدود سے متجاوز کرنیوالی ہے یا فقر وافلاس کا انتظار کرتا رہتا ہے جو طاعت حق کو بھلا دینے والا ہے یا بیماری کا انتظار کرتا رہتا ہے جو تباہ کر دینے والی ہے یا سخت بڑھاپے کا انتظار کرتا رہتا ہے جو بے عقل وبدحواس اور بیہودہ گو بنا دیتا ہے یا موت کا انتظار کرتا رہتا ہے جو ناگہاں کام تمام کر دیتی ہے یا دجال کا انتظار کرتا رہتا ہے چنانچہ وہ بدخصلت دجال

[1] اخرجه الترمذي [2] اخرجه الترمذي: ۴/۵۵۲ والنسائي

ابھی ظاہر نہیں ہوا ہے اس کا انتظار کیا جاتا ہے اور وہ آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا یا وہ قیامت کا انتظار کرتا رہتا ہے جو حوادث و آفات میں سب سے زیادہ سخت وشدید ہے۔ (ترمذی، نسائی)

توضیح: "ما ینتظر احد کم" یہ کلام زجر و توبیخ اور ڈانٹ کے انداز میں ہے اس سے عبادت میں سستی کرنے والوں کو بیدار کیا جارہا ہے مطلب یہ ہے کہ اے سستی کرنے والے مسلمانو! تم اپنے رب کی عبادت کب کروگے؟ کس چیز کا انتظار ہے؟ اگر جسم کی صحت کے زمانے اور قلیل مصروفیت کے زمانے میں تم عبادت نہیں کروگے تو کثرت مشاغل اور ضعف بدن کے وقت تم کیسے عبادت کرسکو گے؟ شاید تمہیں کوئی اور انتظار نہیں مگر صرف [1] "غنیٰ مطغیاً" کا انتظار ہے یعنی گمراہ کرنے والی مالداری کا انتظار ہے یا عبادت کو بھلا دینے والے فقر و فاقہ کا انتظار ہے یا جسم کو تباہ کرنے والی بیماری کا انتظار ہے یا پاگل بنانے والے بڑھاپے کا انتظار ہے یا اچانک اچکنے والی موت کا انتظار ہے یا خروج دجال کا انتظار ہے جو بدترین غیبی آفت ہے جس کا انتظار کیا جاتا ہے یا قیامت کا انتظار ہے حالانکہ قیامت بھاری مصیبت اور کڑوی حقیقت ہے۔ خلاصہ یہ کہ اب فرصت ہے عبادت کرو سستی نہ کرو جب یہ آفات نمودار ہوں گی پھر عبادت کا یہ عمدہ موقع ہاتھ میں نہیں رہے گا پھر پچھتاؤ گے مگر فائدہ نہیں ہوگا۔ [2]

ع اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

مورخہ ۷ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

دنیا کی مذمت، ذکر اللہ کی فضیلت

﴿۲۲﴾ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا إِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا إِلَّا ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ أَوْ مُتَعَلِّمٌ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) [3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا یاد رکھو دنیا ملعون ہے اور جو چیز دنیا کے اندر ہے وہ بھی ملعون ہے البتہ ذکر اللہ خدا کی پسندیدہ چیز ہے اور جو چیزیں ذکر اللہ کے ذرائع ہوں اور، عالم اور متعلم۔
(ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: "ملعونة" دنیا کی جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ملعون ہیں ان سے مراد حرام اور ناپسندیدہ اشیاء ہیں مطلب یہ کہ ان ناجائز امور سے اجتناب کرو جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل لعنت و نفرت ہیں [4] "الا ذکر اللہ" یعنی جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور پسندیدہ ہیں ان کو اپناؤ جیسے ذکر اللہ اور تعلیم و تعلم اور طاعات و عبادات ہیں ان کے اپنانے سے تم مقبول بارگاہ الٰہی بن جاؤ گے کیونکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور پسندیدہ ہیں۔ [5]

"وما والاہ" یہ لفظ موالات سے ہے اس کا ایک معنی محبوب اور پسندیدہ کا ہے مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر، اللہ تعالیٰ کو

[1] المرقات: ۹/۲۹ [2] المرقات: ۹/۲۹ [3] اخرجه الترمذي: ۴/۵۶۱ وابن ماجه: ۲/۳۷۷ [4] المرقات: ۹/۳۰ [5] المرقات: ۹/۳۰

محبوب و مقبول ہے، ذکر اللہ کے علاوہ جو اچھے اعمال ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کو پسند و مقبول ہیں۔ موالات کا دوسرا مفہوم تابع ولازم کے معنی میں ہے مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ذکر اللہ بہت پسند ہے اور اس کے لوازمات و مقتضیات اور توابع بھی بہت پسند ہیں جو ذکر اللہ ہی کی قسم سے دوسری اقسام ہیں۔ موالات کا تیسرا مفہوم قرب اور نزدیک ہونے کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذکر اللہ بہت پسند ہے اور جو چیزیں ذکر اللہ کے قریب قریب ہیں یعنی انبیاء کرام و اولیاء عظام کے تذکرے اور ان کے اعمال صالحہ کی پیروی وغیرہ۔ اس تیسرے مفہوم میں یہ بھی گنجائش ہے کہ اس سے یہ مراد لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو ذکر اللہ بہت پسند ہے اور ہر وہ عمل پسند ہے جو ذکر اللہ کا باعث اور ذریعہ بنتا ہو اور آدمی کو ذکر اللہ کے قریب لاتا ہو، میرے ذوق کو اگر لیا جائے تو یہ مطلب لینا بہت ہی عمدہ اور واضح ہے اس سے وہ احوال و اعمال اور وہ ریاضات و مشقات مراد ہوں گی جو قرب خداوندی کے اسباب بنتے ہیں۔[1]

دنیا ایک بے حقیقت چیز ہے

﴿۲۳﴾ وَعَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت سہل ابن سعد کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہ دنیا اگر خدا کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی وقعت رکھتی تو اللہ تعالیٰ اس میں سے کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: "جناح بعوضة" یعنی دنیا کی وقعت اور قدر و قیمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے یہ ایک بے وقعت اور بے حقیقت چیز ہے اس لئے اگر کافر کو بھی دنیا حاصل ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی معمولی قدر و قیمت ہوتی تو دنیا میں کفار کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ ملتا لہٰذا اس بے حقیقت عارضی متاع سے کفار بھی فائدہ اُٹھائیں اس حدیث کے سننے کے بعد ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ دنیا کی فراوانی انسان کی مقبولیت کی علامت نہیں ہے بلکہ یہ ذمہ داری اور مسئولیت کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا کافر اور مسلمان دونوں کو دیتا ہے مگر دین اور علم صرف مسلمان کو دیتا ہے۔[3]

دنیا کے پیچھے اتنا نہ پڑو کہ عبادت سے غافل ہو جاؤ

﴿۲۴﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَتَّخِذُوا الضَّيْعَةَ فَتَرْغَبُوْا فِي الدُّنْيَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جائداد کو (اس طرح) اختیار نہ کرو کہ وہ دنیا کی

[1] المرقات: ۲۱،۹/۳۰ [2] اخرجه احمد: والترمذی: ۴/۵۶۰ [3] المرقات: ۹/۳۲ [4] اخرجه الترمذی: ۴/۵۶۲ والبیهقی

طرف رغبت کا سبب بن جائے۔ (ترمذی، بیہقی)

توضیح: ''الضیعة'' جائداد بنانے کو ضیعۃ کہتے ہیں مثلاً زمینیں خریدنا صنعت وتجارت اور کاروبار وجائیداد بنانا، یہ ضیعۃ ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح جاگیریں نہ بناؤ اس سے قناعت کے بجائے مزید حرص ولالچ اور دنیا کی محبت میں گرفتار ہوجاؤ گے پھر ایسے مقام پر پہنچ جاؤ گے کہ واپس نہیں لوٹ سکو گے اور دنیا کے ہوکر رہ جاؤ گے، آخرت اور آخرت کے اعمال رہ جائیں گے تجربہ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا کے جائز کاروبار میں نہ پڑو، حلال کمائی سے اسلام نہیں روکتا بلکہ اس کاروبار سے ڈرایا گیا ہے جس کی وجہ سے آدمی عبادت وطاعت سے غافل ہوجائے اور پھر مالی حقوق کی ادائیگی سے بھی رہ جائے، ظاہر ہے یہ تباہی ہے حدیث میں ہے ''کونوا ابناء الآخرۃ ولاتکونوا من ابناء الدنیا'' یہ واضح اعلان ہے۔ [1]

دنیا کامیاب آخرت کامیاب

﴿۲۵﴾ وَعَنْ أَبِي مُوسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحَبَّ دُنْيَاهُ أَضَرَّ بِآخِرَتِهٖ وَمَنْ أَحَبَّ آخِرَتَهٗ أَضَرَّ بِدُنْيَاهُ فَآثِرُوْا مَا يَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی دنیا کو دوست رکھتا ہے (اس قدر دوست رکھنا کہ خدا کی محبت پر غالب آجائے) تو وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو شخص اپنی آخرت کو دوست رکھتا ہے وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچاتا ہے پس تمہیں چاہئے کہ جو چیز فنا ہوجانے والی ہے یعنی دنیا اس پر اس چیز کو ترجیح دو جو باقی رہنے والی ہے یعنی آخرت (احمد، بیہقی)

توضیح: ''احب'' جس چیز سے محبت ہوتی ہے اس کا تذکرہ کثرت سے ہوتا ہے اور جس چیز کا تذکرہ کثرت سے ہونے لگتا ہے آدمی اسی میں منہمک اور مشغول ہوجاتا ہے دوسری جانب سے غفلت ہوجاتی ہے، اب دل پر محبت کی یہ کیفیت اگر دنیا کی آگئی تو آخرت گئی اور اگر آخرت کی آگئی تو دنیا گئی کیونکہ دنیا وآخرت دو سوکنیں ہیں ایک سوکن راضی ہوگی تو دوسری ناراض ہوگی، ہاں جس کو اللہ تعالیٰ بچائے وہ بچتا ہے آنحضرت نے آخر میں ترغیب دے دی کہ دنیا ناپائیدار ہے اس کی محبت بیکار ہے آخرت باقی اور پائیدار ہے لہٰذا اس کو اختیار کرو۔ [3]

یار ناپائیدار دوست مدار　　　دوستی را نشاید ایں غدار

﴿۲۶﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لُعِنَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَلُعِنَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) [4]

---

[1] المرقات: ۹/۳۳　[2] اخرجه احمد: ۴/۴۱۲ والبیهقی　[3] المرقات: ۹/۳۳　[4] اخرجه الترمذی: ۴/۵۸۷

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص دینار کا غلام اور درہم کا غلام بن جائے وہ ملعون ہے، یا یہ معنی ہیں کہ جو شخص دینار کا غلام اور درہم کا غلام بن جائے اس پر لعنت ہو۔ (ترمذی)

حب مال اور حب جاہ دین کے لئے نہایت مضر ہے

﴿۲۷﴾ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِيْ غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت کعب ابن مالک اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو بھوکے بھیڑیے جن کو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا کہ انسان کی حرص، جو مال وجاہ کے تئیں ہو، اس کے دین کو نقصان پہنچاتی ہے۔ (ترمذی، دارمی)

توضیح: "عن ابیہ" اس سند کے بیان میں کچھ سہو اور غلطی ہوگئی ہے کیونکہ مذکورہ سند کا تقاضا یہ ہے کہ کعب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں حالانکہ حضرت کعب کا باپ "مالک" مسلمان نہیں ہوا تھا تو اس سے حدیث بیان کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس لئے علماء کہتے ہیں کہ اصل سند جو ترمذی میں بھی ہے اس میں عن ابن کعب بن مالک عن ابیہ ہے یعنی حضرت کعب کے بیٹے اپنے والد حضرت کعب سے نقل کرتے ہیں، نیز علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض روایات میں "عن ابیہ" کا لفظ نہیں ہے یہ کسی سے سہو ہو گیا ہے، اصل روایت حضرت کعب ہی سے ہے۔[2]

"جائعان" بھیڑیا ویسے بھی ایک جذباتی اندھادھند حملہ کرنے والا ناترس درندہ ہے لیکن جب سخت بھوکا بھی ہو تو حملہ کرنے میں وہ بالکل پاگل ہو جاتا ہے دو بھیڑیوں کا تذکرہ شاید اس لئے ہو کہ فساد برپا کرنے میں یہ کامل اور مکمل ہوتے ہیں کیونکہ دو کی جوڑی مل کر خوب مسابقت کے ساتھ بکریوں کے ریوڑ کو پھاڑ کر رکھے گی۔ اس حدیث میں ایک طرف اس فساد اور نقصان کی صورت پیش کی گئی ہے اور دوسری طرف ایک مسلمان آدمی کے حب مال اور حب جاہ کی وجہ سے اس کے دین و ایمان کے نقصان کو بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ دو بھیڑیوں کا نقصان بکریوں کے لئے اس نقصان سے کم تر ہے جو نقصان آدمی کے دین کو حب مال اور حب جاہ کی وجہ سے پہنچتا ہے یہ ایک ہیئت کی تشبیہ دوسری ہیئت کے ساتھ ہے جس کو علم معانی اور علم بیان میں تمثیل کا نام دیا جاتا ہے۔

بلاضرورت تعمیرات میں پیسہ خرچ کرنا منع ہے

﴿۲۸﴾ وَعَنْ خَبَّابٍ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَنْفَقَ مُؤْمِنٌ مِنْ نَفَقَةٍ إِلَّا أُجِرَ

[1] اخرجه الترمذی: ۴/۵۸۸ والدارمی: ۲۷۳۳ [2] المرقات: ۹/۳۴

فِيهَا إِلَّا نَفَقَتَهُ فِي هٰذَا التُّرَابِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) ۱

ترجمہ: اور حضرت خباب رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مسلمان جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کو اس کا ثواب دیا جاتا ہے علاوہ اس خرچ کے جو اس مٹی میں وہ کرتا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

﴿۲۹﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلنَّفَقَةُ كُلُّهَا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ إِلَّا الْبِنَاءُ فَلَا خَيْرَ فِيْهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ) ۲

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تمام مصارف اللہ کی راہ میں (خرچ کرنے کے برابر) ہیں البتہ تعمیر پر خرچ کرنا کوئی نیکی اور ثواب نہیں رکھتا، اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

﴿۳۰﴾ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْماً وَنَحْنُ مَعَهُ فَرَأَى قُبَّةً مُشْرِفَةً فَقَالَ مَا هٰذِهِ قَالَ أَصْحَابُهُ هٰذِهِ لِفُلَانٍ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَسَكَتَ وَحَمَلَهَا فِي نَفْسِهِ حَتّٰى لَمَّا جَاءَ صَاحِبُهَا فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فِي النَّاسِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ صَنَعَ ذٰلِكَ مِرَاراً حَتّٰى عَرَفَ الرَّجُلُ الْغَضَبَ فِيْهِ وَالْإِعْرَاضَ عَنْهُ فَشَكَا ذٰلِكَ إِلٰى أَصْحَابِهِ وَقَالَ وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُنْكِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا خَرَجَ فَرَأَى قُبَّتَكَ فَرَجَعَ الرَّجُلُ إِلٰى قُبَّتِهِ فَهَدَمَهَا حَتّٰى سَوَّاهَا بِالْأَرْضِ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمْ يَرَهَا قَالَ مَا فَعَلَتِ الْقُبَّةُ قَالُوْا شَكَا إِلَيْنَا صَاحِبُهَا إِعْرَاضَكَ فَأَخْبَرْنَاهُ فَهَدَمَهَا فَقَالَ أَمَا إِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلٰى صَاحِبِهِ إِلَّا مَا لَا إِلَّا مَا لَا يُغْنِيْ مَا لَابُدَّ مِنْهُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ) ۳

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز رسول کریم ﷺ باہر نکلے، ہم صحابہ کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی آپ نے راستہ میں ایک بلند قبہ کو دیکھا تو فرمایا کہ یہ قبہ کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ قبہ فلاں شخص نے بنایا ہے جو ایک انصاری ہے۔ آپ (یہ سنکر) خاموش رہے اور (کچھ فرمایا تو نہیں لیکن) اس بات کو (ناگواری اور غصہ کے طور پر) اپنے دل میں رکھا یہاں تک کہ جب اس قبہ کا مالک آپ کی خدمت میں آیا اور اس نے لوگوں کی موجودگی میں آپ کو سلام کیا تو آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا آنحضرت ﷺ نے ایسا کئی مرتبہ کیا آخر کار اس شخص نے آپ کے چہرہ پر غصہ کے آثار محسوس کیے اور آپ کے منہ پھیر لینے کو معلوم کیا چنانچہ اس شخص نے صحابہ سے اس امر کا شکوہ کرتے ہوئے کہا کہ بخدا میں ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے رسول کریم ﷺ مجھ سے نا آشنا ہوں (یعنی رسول کریم ﷺ کے چہرہ مبارک پر جس غضب وغصہ کے آثار دیکھ رہا ہوں وہ میں نے پہلے

۱ المرقات: ۹/۳۵ ۲ اخرجه الترمذی: ۲/۶۵۱ وابن ماجه: ۲/۱۳۹۴ ۳ اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۶۱

کبھی نہیں دیکھے تھے اور مجھے اس کا سبب بھی معلوم نہیں کہ آپ کیوں اتنا سخت ناراض ہیں؟) صحابہ نے اس کو بتایا کہ حضور ﷺ ادھر (تمہاری طرف) تشریف لے گئے تھے اور (جب وہاں) تمہارے قبہ کو دیکھا (تو ناراض ہو گئے تھے) اس شخص نے (یہ سنا تو فوراً) اپنے قبہ کی طرف گیا اور اس کو ڈھادیا یہاں تک کہ زمین کے برابر کر دیا (اس واقعہ کے بعد) ایک دن رسول کریم ﷺ پھر ادھر تشریف لے گئے اور قبہ کو وہاں نہیں دیکھا تو دریافت فرمایا کہ وہ قبہ کیا ہوا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ قبہ بنانے والے نے اپنے تئیں آپ کی بے التفاتی اور ناراضگی کا ہم سے شکوہ کیا تھا تو ہم نے اس کو صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا چنانچہ اس شخص نے اس قبہ کو ڈھادیا ہے تب آپ نے فرمایا کہ یاد رکھو یہ عمارت اپنے بنانیوالے کیلئے آخرت میں وبال یعنی عذاب کا سبب بنے گی "الا مالا الا مالا" یعنی علاوہ اس چیز کے کہ جس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔ (ابوداؤد)

﴿۳۱﴾ وَعَنْ أَبِي هَاشِمِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ عَهِدَ إِلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا يَكْفِيكَ مِنْ جَمْعِ الْمَالِ خَادِمٌ وَمَرْكَبٌ فِي سَبِيلِ اللهِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِي بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيحِ عَنْ أَبِي هَاشِمِ بْنِ عُتْبَدٍ بِالدَّالِ بَدَلَ التَّاءِ وَهُوَ تَصْحِيفٌ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہاشم ابن عتبہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا دنیا کے تمام مال میں سے جو کچھ تمہارے لئے کافی ہے وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ تمہارے پاس ایک خادم ہو اور ایک سواری ہو جو خدا کی راہ میں ہو، اس روایت کو احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور مصابیح کے بعض نسخوں میں حدیث کی سند عن ابی ہاشم ابن عتبد منقول ہے یعنی عتبہ میں تا کی بجائے دال ہے اور یہ غلط ہے جو کسی راوی کے سہو کا نتیجہ ہے۔

ضروریات زندگی اپنانے کی حد

﴿۳۲﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ لِابْنِ آدَمَ حَقٌّ فِي سِوَى هٰذِهِ الْخِصَالِ بَيْتٌ يَسْكُنُهُ وَثَوْبٌ يُوَارِي بِهِ عَوْرَتَهُ وَجِلْفُ الْخُبْزِ وَالْمَاءِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) [2]

ترجمہ: اور حضرت عثمان سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ابن آدم ان چیزوں کے علاوہ اور کسی چیز پر اپنا حق نہیں رکھتا۔ ایک تو گھر کہ جس میں وہ رہائش اختیار کرے، دوسرے کپڑا، کہ جس سے وہ اپنا ستر ڈھانکے، تیسرے بغیر سالن کے خشک روٹی اور چوتھے پانی۔ (ترمذی)

توضیح: "جلف الخبز" یعنی سالن کے بغیر روٹی، یا وہ روٹی جو پرانی ہو سخت اور خشک ہو چکی ہو، یہ دونوں مطلب اس وقت لئے جائیں گے جب جلف میں جیم پر کسرہ ہو، لیکن اگر جیم پر زبر ہو تو اس وقت یہ جلفۃ کی جمع ہوگی جو روٹی کے خشک ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ [3]

[1] اخرجه احمد: ۵/۲۹۰ والترمذی: ۴/۵۶۳ والنسائی: ۸/۲۱۸ [2] اخرجه الترمذی: ۴/۵۷۱ [3] المرقات: ۹/۳۹

عند اللہ وعند الناس محبوب بننے کا طریقہ

﴿۳۳﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ إِذَا أَنَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِيَ اللهُ وَأَحَبَّنِيَ النَّاسُ قَالَ ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللهُ وَازْهَدْ فِيْمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) [1]

ترجمہ: اور حضرت سہل ابن سعد کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھ کو کوئی ایسا عمل بتا دیجئے کہ میں جب اس کو اختیار کروں تو اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے محبت رکھے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں؟ حضور ﷺ نے فرمایا دنیا سے زہد اختیار کرو اگر تم ایسا کرو گے تو گویا تم اس چیز سے نفرت کرنے والے ہو گے جس سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتا ہے اور اللہ تم سے محبت رکھے گا اور اس چیز کی طرف رغبت نہ کرو جو لوگوں کے پاس ہے (یعنی جاہ و دولت) لوگ تم سے محبت کریں گے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

عیش وآرام میں حضور اکرم کا نمونہ

﴿۳۴﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ عَلٰى حَصِيْرٍ فَقَامَ وَقَدْ أَثَّرَ فِيْ جَسَدِهٖ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَا رَسُوْلَ اللهِ لَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نَبْسُطَ لَكَ وَنَعْمَلَ فَقَالَ مَالِيْ وَلِلدُّنْيَا وَمَا أَنَا وَالدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ بوریئے پر سوئے اور سو کر اٹھے تو آپ کے جسم مبارک پر بوریئے کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر ہمیں اجازت دیں تو ہم آپ کے لئے نرم بستر بچھا دیں اور اچھے کپڑوں کا انتظام کر دیں، حضور ﷺ نے فرمایا مجھ کو اس دنیا سے اور اس دنیا کو مجھ سے کیا سروکار؟ میری اور دنیا کی مثال تو بس ایسی ہے جیسے کوئی سوار کسی درخت کے نیچے سایہ کی تلاش میں آئے اور وہاں اپنی سواری ہی پر کھڑا رہے اور پھر اس درخت کو وہیں چھوڑ کر اپنی منزل کی طرف چل دے۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

قابلِ رشک انسان

﴿۳۵﴾ وَعَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَغْبَطُ أَوْلِيَائِيْ عِنْدِيْ لَمُؤْمِنٌ خَفِيْفُ الْحَاذِ ذُوْ حَظٍّ مِنَ الصَّلَاةِ أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ وَأَطَاعَهٗ فِي السِّرِّ وَكَانَ غَامِضًا فِي النَّاسِ لَا يُشَارُ إِلَيْهِ

[1] اخرجه الترمذی: وابن ماجه: ۲/۱۳۷۳ [2] اخرجه احمد: ۱/۳۹۱ والترمذی: ۳/۵۸۸ وابن ماجه

بِالْاَصَابِعِ وَكَانَ رِزْقُهُ كَفَافاً فَصَبَرَ عَلىٰ ذٰلِكَ ثُمَّ نَقَدَ بِيَدِهٖ فَقَالَ عُجِّلَتْ مَنِيَّتُهُ قَلَّتْ بَوَاكِيْهِ قَلَّ تُرَاثُهُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میرے نزدیک میرے دوستوں میں نہایت قابل رشک وہ مؤمن ہے جو سبکسار ہے۔ نماز سے بہت زیادہ بہرہ مند ہوتا ہے اور اپنے رب کی سب ہی عبادتیں خوبی کے ساتھ کرتا ہے مخفی طور پر طاعت الٰہی میں مشغول رہتا ہے لوگوں میں گمنام ہے کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ نہیں کیا جاتا ہے نیز اس کی روزی بقدر کفایت ہے اور اسی پر صابر و قانع ہے، یہ کہہ کر آپ نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کے ذریعہ چٹکی بجائی اور فرمایا اس کی موت بس یوں (چٹکی بجاتے) اپنا کام جلد پورا کر لیتی ہے اور اس کی موت پر رونے والی عورتیں بھی کم ہوتی ہیں اور اس کا ترکہ بھی بہت مختصر (یعنی نہ ہونے کے برابر) ہوتا ہے۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: "اغبط" یہ غبطہ سے ہے جو رشک کرنے کے معنی میں ہے یعنی میرے مسلمان دوستوں اور محبوبین میں سب سے زیادہ قابل رشک آدمی وہ مسلمان ہے۔ "ای احق احباء وانصاری بان یغبط به" (طیبی)[2]

"**خفیف الحاذ**" حاذ کمر اور پیٹھ کو کہتے ہیں یعنی قلیل المال ہلکے بوجھ والا ہو نہ زیادہ مال ہو نہ زیادہ عیال ہو نہ بڑا جنجال ہو[3] "**ذوحظ**" یعنی نمازوں میں اس کا بھرپور حصہ ہو[4] "**غامضاً**" یعنی گمنام ہو لوگوں میں غیر مشہور ہو[5] "**لایشار الیه**" یعنی انگلیوں اور ہاتھوں سے اس کی طرف اشارے نہ ہوتے ہوں یعنی **مشار الیه بالبنان** نہ ہو یہ غامضاً کی تفصیل اور تفسیر ہے[6] "**کفافا**" یعنی کھانے پینے کا سامان اتنا ہو کہ جس سے جان بچ جائے بقدر کفاف ہو[7] "**نقد بیده**" عام رواج ہے کہ کسی کام کے جلد ہو جانے کی طرف جب لوگ اشارہ کرتے ہیں تو دو انگلیوں کو ایک دوسرے سے ملا کر چٹکی بجاتے ہیں جس سے آواز نکلتی ہے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور درمیانی انگلی کے پوروں کو ایک دوسرے سے دبا کر جب الگ کرتے ہیں اس سے ایک آواز نکلتی ہے اسی کو "نقد بیده" سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے مراد جلدی اُٹھ کر جانا ہوتا ہے گویا یہ شخص دنیا میں بے تعلق رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگا رہا دنیا کے دھندوں سے پاک وصاف نکل کر گمنامی کے عالم میں بہت جلد اپنے رب سے جا ملا دنیا کے دھندوں سے آزاد تھا اس لئے نہ کوئی رونے والا تھا نہ مال تھا نہ میراث کے جھگڑے تھے نہ تقسیم تھی نہ حساب و کتاب تھا۔[8]

دنیا سے آنحضرت ﷺ کی بے رغبتی

﴿۳۶﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّيْ لِيَجْعَلَ لِيْ بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ لَا يَارَبِّ وَلٰكِنْ أَشْبَعُ يَوْماً وَأَجُوْعُ يَوْماً فَإِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ إِلَيْكَ وَذَكَرْتُكَ

[1] اخرجه احمد: ۵/۲۵۲ والترمذی: ۴/۵۷۵ وابن ماجه [2] المرقات: ۹/۴۳ والکاشف: ۹/۳۵۲ [3] المرقات: ۹/۴۳
[4] المرقات: ۹/۴۳ [5] المرقات: ۹/۴۳ [6] المرقات: ۹/۴۳ [7] المرقات: ۹/۴۳ [8] المرقات: ۹/۴۴

وَإِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُكَ وَشَكَرْتُكَ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)۱

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میرے رب نے میرے سامنے اس امر کو ظاہر کیا کہ وہ میرے لئے مکہ کے سنگریزوں کو سونا بنادے لیکن میں نے عرض کیا کہ میرے پروردگار مجھ کو اس چیز کی قطعاً خواہش نہیں ہے میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز پیٹ بھر کر کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں کہ جب میں بھوکا رہوں تو تیرے حضور گڑگڑاؤں، اپنی عاجزی بیان کروں اور تجھے یاد کروں اور جب میں سیر ہوں تو تیری حمد و تعریف کروں اور تیرا شکر ادا کروں۔ (احمد، ترمذی)

دنیا کی اصل دولت

﴿۳۷﴾ وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحْصَنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِنًا فِيْ سِرْبِهٖ مُعَافًى فِيْ جَسَدِهٖ عِنْدَهٗ قُوْتُ يَوْمِهٖ فَكَأَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا بِحَذَافِيْرِهَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)۲

ترجمہ: اور حضرت عبیداللہ ابن محصن کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ وہ اپنی جان کی طرف سے بے خوف ہو اس کا بدن درست و باعافیت ہو اور اس کے پاس ایک دن کی بقدر ضرورت خوراک کا سامان ہو تو گویا اس کے لئے تو کل دنیا (کی نعمتیں) جمع کر دی گئی ہیں، اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "فی سربہ" میں سین پر کسرہ ہے اس سے مراد اس شخص کی ذات اور جان ہے یعنی اپنی جان کے بارے میں بے خوف ہو نہ دشمن کا خوف ہو نہ کوئی جسمانی خوف ہو بلکہ فارغ البال ہو، کسرہ کی صورت میں اس لفظ کا اطلاق جماعت پر بھی ہوتا ہے مطلب یہ ہوگا کہ یہ شخص اپنے اہل و عیال میں امن کے ساتھ رہتا ہو۔ بعض شارحین نے سین پر زبر کا قول کیا ہے جو گھر کے معنی میں ہے خاص کر جو گھر زمین کے نیچے سرنگ میں ہو جیسے لومڑی اور چوہے کا زیر زمین گھر ہوتا ہے۔۳

"حیزت" یہ حاز یحوز سے مجہول کا صیغہ ہے جمع کرنے اور جمع ہو جانے کے معنی میں ہے گویا پوری دنیا اس کے گرد جمع کر دی گئی ہے۔۴

"حذافیر" یہ حذفور کی جمع ہے جیسے عصافیر عصفور کی جمع ہے اور جماهیر جمهور کی جمع ہے اطراف اور جوانب مراد ہیں ای بتمامها وبجميع اطرافها۔۵

کم سے کم کھانا کھانے کے فوائد

﴿۳۸﴾ وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ

۱ اخرجه احمد: ۵/۲۵۳ والترمذی: ۴/۵۷۵ ۲ اخرجه الترمذی: ۴/۵۷
۳ المرقات: ۹/۳۶، ۴۶ ۴ المرقات: ۹/۴۷ ۵ المرقات: ۹/۴۷

مَامَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرّاً مِنْ بَطْنٍ بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أُكُلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ فَإِنْ كَانَ لَامُحَالَةَ فَثُلُثٌ طَعَامٌ وَثُلُثٌ شَرَابٌ وَثُلُثٌ لِنَفْسِهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) [۱]

ترجمہ: اور حضرت مقدام ابن معدیکرب کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انسان (اگر اپنے پیٹ کو حد سے زیادہ بھر لے تو اس) نے پیٹ سے بدتر کوئی برتن نہیں بھرا، ابن آدم کیلئے بس چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پشت کی ہڈی کو سیدھا اور کھڑا رکھیں تو اس کو چاہئے کہ پیٹ کے تین حصے کرے ایک حصہ کھانے کیلئے ہو ایک حصہ پانی کے لئے ہو اور ایک حصہ سانس کے لئے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: ''اکلات'' یعنی انسان کے لئے کھانے میں چند لقمے کافی ہیں جن سے اس کی کمر سیدھی رہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کم کھانے اور بھوک کے دس فوائد لکھے ہیں مختصراً ملاحظہ ہوں۔

❶ دل صاف اور طبیعت بیدار ہوتی ہے۔ ❷ دل نرم رہتا ہے۔ ❸ انسان میں عاجزی آ جاتی ہے تکبر رخصت ہو جاتا ہے۔ ❹ خوف خدا اور عذاب الٰہی کا دھیان رہتا ہے۔ ❺ تمام گناہوں کی خواہشات مرجاتی ہیں۔ ❻ کثرت نیند سے جان چھوٹ جاتی ہے۔ ❼ عبادت پر مداومت حاصل ہو جاتی ہے۔ ❽ امراض سے نجات اور جسمانی صحت حاصل ہو جاتی ہے۔ ❾ زیادہ جمع کرنے کی مشقتوں سے آدمی محفوظ رہتا ہے۔ ❿ مخلوق خدا کے لئے ایثار اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

زیادہ کھانے کا نقصان

﴿۳۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلاً يَتَجَشَّأُ فَقَالَ أَقْصِرْ مِنْ جُشَائِكَ فَإِنَّ أَطْوَلَ النَّاسِ جُوعاً يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَطْوَلُهُمْ شِبَعاً فِي الدُّنْيَا۔

(رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو ڈکار تے ہوئے سنا تو اس سے فرمایا کہ اپنی ڈکار کو روکو اس لئے کہ قیامت کے دن لوگوں میں سب سے بڑا بھوکا وہ ہوگا جو دنیا میں ان میں سب سے بھرے پیٹ والا ہوگا یعنی جو شخص اس دنیا میں بہت زیادہ کھانے والا ہوگا اس کو قیامت کے دن بھی بہت زیادہ بھوک لگے گی جس کی وجہ سے وہ نہایت پریشانی میں مبتلا ہوگا، بغوی اور ترمذی نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔

[۱] اخرجه الترمذی: ۴/۵۹۰ [۲] اخرجه البغوی فی شرح السنة ۴/۲۵۰

کثرت اموال اس امت کا فتنہ ہے

﴿۴۰﴾ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت کعب ابن عیاض کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہر امت کے لئے کوئی نہ کوئی فتنہ وآزمائش رہی ہے چنانچہ میری امت کے لئے جو چیز فتنہ وآزمائش ہے وہ مال ودولت ہے یعنی اللہ تعالیٰ میری امت کے لوگوں کو مال ودولت دے کر یہ آزمانا چاہتا ہے کہ وہ راہ مستقیم اور حد اعتدال پر قائم رہتے ہیں یا نہیں۔ (ترمذی)

مالی حقوق ادا کئے بغیر مال جمع کرنے پر وعید شدید

﴿۴۱﴾ وَعَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُجَاءُ بِابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُ بَذَجٌ فَيُوْقَفُ بَيْنَ يَدَيِ اللهِ فَيَقُوْلُ لَهُ أَعْطَيْتُكَ وَخَوَّلْتُكَ وَأَنْعَمْتُ عَلَيْكَ فَمَا صَنَعْتَ فَيَقُوْلُ رَبِّ جَمَعْتُهُ وَثَمَّرْتُهُ وَتَرَكْتُهُ أَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجِعْنِي آتِكَ بِهِ كُلِّهِ فَيَقُوْلُ لَهُ أَرِنِي مَا قَدَّمْتَ فَيَقُوْلُ رَبِّ جَمَعْتُهُ وَثَمَّرْتُهُ أَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجِعْنِي آتِكَ بِهِ كُلِّهِ فَإِذَا عَبْدٌ لَمْ يُقَدِّمْ خَيْرًا فَيُمْضَى بِهِ إِلَى النَّارِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن ابن آدم کو اس طرح پیش کیا جائے گا گویا کہ وہ بکری کا بچہ ہے، پھر اس کو اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ میں نے تجھ کو (زندگانی، علم ودانش، صحت وتندرستی اور امن وعافیت جیسی نعمت) عطا کی تھی (مال ودولت، حشم وخدم اور جاہ وعزت جیسی چیزوں کا مالک) بنایا تھا اور پس تو نے کیا کام کیا؟ ابن آدم عرض کرے گا میرے پروردگار! میں مال ودولت جمع کرنے اور اس کو بڑھانے میں لگا رہا اور اس کو دنیا میں اس سے زیادہ چھوڑ کر آیا جتنا کہ تھا اور اب آپ مجھے دنیا میں دوبارہ بھیج دیجئے تاکہ میں اس تمام مال ودولت کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تم نے اس کو آگے بھیجا ہو تو مجھے اس کو دکھلاؤ۔ (وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر نہایت شرمندہ وخجل ہوگا اور جیسا کہ مجرموں کی عادت ہے کہ جب وہ اپنے جرم میں پکڑے جاتے ہیں اور اپنی صفائی میں کوئی معقول عذر بیان نہیں کر سکتے تو بار بار ایک ہی بات کو جو پہلے کہہ چکے ہوتے ہیں دہراتے رہتے ہیں وہ ابن آدم بھی ایک تو اس وجہ سے اور دوسرے اپنی اس بات کا جواب نہ پانے کی وجہ سے دوبارہ) وہ عرض کرے گا کہ میں تو بس مال ودولت کو جمع کرنے اور اس کو بڑھانے میں لگا رہا اور اس کو دنیا میں اس سے زیادہ چھوڑ کر آیا جتنا کہ پہلے تھا اور اب

[1] اخرجه الترمذی: ۴/۵۶۹ [2] اخرجه الترمذی: ۴/۶۱۸

آپ مجھے دنیا میں دوبارہ بھیج دیجئے تا کہ میں اس تمام مال و دولت کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اس طرح یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اس نے کوئی بھی بھلائی آگے نہیں بھیجی ہے لہٰذا اس کو دوزخ میں پہنچائے جانے کا حکم دیا جائیگا۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور اس (کی اسناد) کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (اگر چہ معنی کے لحاظ سے یہ بالکل صحیح ہے)۔

توضیح: "بذج" بھیڑ کے چھوٹے بچے کو بذج کہتے ہیں، یہاں ذلت و تحقیر میں تشبیہ ہے۔ [1]

"اعطیتك" یعنی تجھے زندگی دی جسمانی نعمتیں دیں [2] "وخولتك" ای جعلتك ذا خول یعنی تجھے جاہ و جلال دیا خدم و حشم دیے حتی کہ بعض انسانوں کا تجھے مالک بنا دیا [3] "انعمت" یعنی اس پر مستزاد یہ کہ آسمان سے تیری ہدایت کے لئے کتاب نازل کی اور شان والے رسول کی رسالت سے تجھے مالا مال کیا پس تم نے اس کا کیا حق ادا کیا؟ یہ ناشکرا انسان جواب دیتا ہے کہ میں نے مال جمع کیا اور اس کو خوب بڑھا دیا اور پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں آپ مجھے اجازت دے دیں کہ میں دنیا میں جا کر سب آپ کے سامنے حاضر کردوں، جب فرشتے دیکھ لیتے ہیں کہ اس نے مالی حقوق ادا نہیں کئے تو وہ اسے دوزخ لے جا کر پھینک دیں گے۔ [4]

قیامت میں جس نعمت کا سب سے پہلے سوال ہوگا

﴿۴۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوَّلَ مَا يُسْأَلُ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ النَّعِيْمِ أَنْ يُقَالَ لَهُ أَلَمْ نُصِحَّ جِسْمَكَ وَنُرَوِّكَ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) [5]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے بندے سے نعمتوں کے بارے میں جو سوال کیا جائے گا وہ یہ ہوگا کہ کیا ہم نے تیرے بدن کو تندرستی نہیں عطا کی تھی؟ اور تجھ کو ٹھنڈے پانی سے سیراب نہیں کیا تھا؟۔ (ترمذی)

قیامت میں پانچ چیزوں کا سوال ضرور ہوگا

﴿۴۳﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهِ فِيْمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيْمَا أَبْلَاهُ وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيْمَا أَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ) [6]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن انسان کے

[1] المرقات: ۹/۲۲۴ [2] المرقات: ۹/۵۱ [3] المرقات: ۹/۵۱
[4] المرقات: ۹/۵۱ [5] اخرجه الترمذی: ۵/۴۴۸ [6] اخرجه الترمذی: ۴/۶۱۲

پاؤں سرکنے نہیں پائیں گے جب تک کہ اس سے پانچوں باتوں کا جواب نہیں لے لیا جائیگا، چنانچہ اس سے پوچھا جائے گا کہ اس نے اپنی عمر کس کام میں صرف کی؟ اس نے اپنی جوانی کو کس کام میں بوسیدہ کیا؟ اس نے مال کیونکر کمایا؟ اس نے مال کہاں خرچ کیا؟ اور یہ کہ اس نے جو علم حاصل کیا تھا اس کے موافق عمل کیا یا نہیں؟ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

الفصل الثالث

انسان کی برتری صرف تقویٰ سے ہے

﴿۴۴﴾ عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ إِنَّكَ لَسْتَ بِخَيْرٍ مِنْ أَحْمَرَ وَلَا أَسْوَدَ إِلَّا أَنْ تَفْضُلَهُ بِتَقْوًى. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[1]

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم نہ تو سرخ رنگ والے سے بہتر ہو اور نہ سیاہ رنگ والے سے الا یہ کہ تم ان دونوں میں سے کسی سے تقویٰ کے اعتبار سے افضل ہو۔ (احمد)

دنیا کی بے رغبتی سے دل میں معرفت وحکمت پیدا ہوتی ہے

﴿۴۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا زَهِدَ عَبْدٌ فِي الدُّنْيَا إِلَّا أَنْبَتَ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فِي قَلْبِهِ وَأَنْطَقَ بِهَا لِسَانَهُ وَبَصَّرَهُ عَيْبَ الدُّنْيَا وَدَاءَهَا وَدَوَاءَهَا وَأَخْرَجَهُ مِنْهَا سَالِماً إِلَى دَارِ السَّلَامِ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بندہ نے دنیا میں زہد یعنی بے رغبتی اختیار کی اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں حکمت یعنی معرفت ویقین کی دولت پیدا کی، اس کی زبان کو اس (حکمت) کے ساتھ گویا کیا اور اس کو دنیا کے عیوب اس کی بیماری اور اس بیماری کا علاج بھی اس کو دکھایا اور حق تعالیٰ نے اس کو دنیا سے سلامتی کے ساتھ دار السلام میں پہنچادیا۔ (بیہقی)

کامیابی کا راز

﴿۴۶﴾ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَخْلَصَ اللّٰهُ قَلْبَهُ لِلْإِيْمَانِ وَجَعَلَ قَلْبَهُ سَلِيْماً وَلِسَانَهُ صَادِقاً وَنَفْسَهُ مُطْمَئِنَّةً وَخَلِيْقَتَهُ مُسْتَقِيْمَةً وَجَعَلَ أُذُنَهُ مُسْتَمِعَةً

[1] اخرجه احمد: ۵/۱۵۸ [2] اخرجه البيهقي: ۷/۳۴۷

وَعَيْنَهٗ نَاظِرَةً فَأَمَّا الْأُذُنُ فَقَمْعٌ وَأَمَّا الْعَيْنُ فَمُقِرَّةٌ لِمَا يُوْعِي الْقَلْبُ وَقَدْ أَفْلَحَ مَنْ جُعِلَ قَلْبُهٗ وَاعِياً۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص فلاح یاب ہوا جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے لئے خالص مخصوص کر دیا، اس کے دل کو محفوظ و سالم رکھا، اس کی زبان کو راست گو بنایا، اس کے نفس کو مطمئن کیا، اس کی خلقت و طبعیت کو مستقیم اور سیدھا رکھا، اس کے کانوں کو سننے والا بنایا اور اس کی آنکھوں کو دیکھنے والا بنایا، پس کان تو "قیف" ہیں اور آنکھ اس چیز کو قائم اور ثابت رکھنے والی ہے جس کو دل محفوظ کرتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ شخص فلاح یاب ہوا جس کے دل کو خدا نے یا خود اس شخص نے اپنے دل کو (حق بات اور برحق چیزوں کا) محافظ بنایا۔ (احمد، بیہقی)

توضیح: "قد افلح" یعنی جس شخص کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ نے خالص ایمان بٹھادیا اور اس کے دل کو بغض و حسد، حب دنیا اور اخلاق رذیلہ اور وساوس شیطانیہ سے پاک کر دیا اور قول و قرار میں اس کو سچی زبان عطا کی اور طاعت خداوندی اور ذکر الٰہی میں اس کو مطمئن نفس عطا کیا اور اس کی طبیعت اور مزاج کو افراط و تفریط سے پاک اور حق پر قائم رہنے والا بنایا اس کے کانوں کو حق کے سننے اور آنکھوں کو حق دیکھنے کے قابل بنا دیا۔[۲]

"**فقمع**" قاف پر زبر اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں اور میم ساکن ہے اگر قاف پر زبر پڑھ لیا اور میم پر زیر پڑھ لیا تو یہ بھی صحیح ہے۔ "**قمع**" قیف کے معنی میں ہے اور قیف اس آلہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے تنگ برتن مثلاً بوتل وغیرہ میں تیل وغیرہ ڈالا جاتا ہے اس آلہ کے ساتھ نلکی لگی رہتی ہے اوپر کھلا منہ ہوتا ہے اس نلکی کو تنگ برتن کے منہ میں رکھ دیتے ہیں اور پھر اس میں تیل وغیرہ بھر دیتے ہیں مطلب یہ کہ کانوں کو حق قبول کرنے کے لئے قیف بنایا ہے۔

اس کے ذریعہ سے دل و دماغ تک حق پہنچ کر اس میں پیوست ہو جاتا ہے اور دل و دماغ اس کو قبول کر لیتا ہے۔[۳]

"**فمقرة**" یعنی آنکھ اس چیز کو برقرار اور ثابت و قائم رکھتی ہے مطلب یہ کہ آنکھوں نے ایک چیز کو دیکھ لیا اور اس کے نقش اور صورت کو دل تک پہنچا دیا اور دل نے اس صورت کو محفوظ کر لیا گویا سنے گئے حقائق کو کانوں نے دل تک پہنچا دیا اور نظر آنے والی چیزوں کو آنکھوں نے دل تک پہنچا دیا دل بادشاہ ہے اور حواس ظاہرہ اس کے لئے جاسوس اور خادم ہیں ہر خادم جس کام پر مقرر ہے وہ اسی کو پورا کرتا ہے۔[۴]

"**والقلب واعیاً**" یہ جملہ اس سے پہلے جملوں کے لئے بطور نتیجہ ہے کہ جو کہ دل کے جواسیس نے جو اطلاعات فراہم کیں دل نے ان کو برقرار رکھا خلاصہ یہ ہے کہ وہ شخص کامیاب ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے حق و صداقت کا محافظ بنا دیا۔[۵]

[۱] اخرجه احمد: ۵/۱۴۷ والبیهقی [۲] المرقات: ۹/۵۵ [۳] المرقات: ۹/۵۵ [۴] المرقات: ۹/۵۵ [۵] المرقات: ۹/۵۵،۵۶

دنیا کی فراوانی قبولیت کی نشانی نہیں ہے

﴿۴۷﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُعْطِي الْعَبْدَ مِنَ الدُّنْيَا عَلٰى مَعَاصِيْهِ مَا يُحِبُّ فَإِنَّمَا هُوَ اِسْتِدْرَاجٌ ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا نَسُوْا مَاذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْئٍ حَتّٰى إِذَا فَرِحُوْا بِمَا أُوْتُوْا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُوْنَ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عقبہ ابن عامر نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اس کے گناہ و معصیت میں مبتلا ہونے کے باوجود اس کی محبوب ترین چیزیں دیتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ استدراج ہے، اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے (استشہاد کے طور پر) یہ آیت تلاوت فرمائی (جس کا ترجمہ ہے) جب کافر اس نصیحت کو بھول گئے جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں پر خوش ہوئے جو انہیں دی گئی تھیں تو ہم نے ان کو (اپنے عذاب میں) پکڑ لیا اور وہ نہایت حیران و ششدر رہ گئے۔ (احمد)

توضیح: ''استدراج'' لغت میں استدراج درجہ بدرجہ اور مرحلہ وار کسی کو لے جانے اور پہنچانے کو کہتے ہیں جیسے کسی کو سیڑھی کے ایک زینہ سے دوسرے زینہ پر چڑھایا جائے جس کو دوسرے الفاظ میں ڈھیل دینے اور مہلت دینے سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں جب اللہ تعالیٰ کسی کافر یا فاسق فاجر کو اس کے مقصود کے مطابق دنیا کا جاہ و جلال دیتا ہے اس شخص کی مقبولیت عند اللہ کی نشانی نہیں بلکہ یہ ایک استدراج اور ڈھیل و مہلت ہے، جب اس کے گناہوں کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے اور وہ مکمل سرکشی پر اتر آتا ہے تو کبھی اللہ تعالیٰ دنیا میں اس پر اچانک ہاتھ ڈال دیتا ہے اور کبھی آخرت میں اس کی سخت گرفت ہوتی ہے۔ لہٰذا گناہوں میں آلودہ شخص کو خیال کرنا چاہئے کہ آیا وہ راحت میں ہے یا مصیبت میں ہے۔[2]

مورخہ ۹ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

زاہدوں کی شان ہی اور ہوتی ہے

﴿۴۸﴾ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الصُّفَّةِ تُوُفِّيَ وَتَرَكَ دِيْنَارًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيَّةٌ قَالَ ثُمَّ تُوُفِّيَ آخَرُ فَتَرَكَ دِيْنَارَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيَّتَانِ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[3]

[1] اخرجہ احمد: ۴/۱۴۵ [2] اخرجہ احمد: ۵/۲۵۲ [3] اخرجہ احمد: ۵/۲۴۰ والترمذی: ۴/۵۶۴

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ اصحاب صفہ میں سے ایک شخص نے وفات پائی اور ایک دینار کی صورت میں اپنا ترکہ چھوڑا رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ دینار ایک داغ ہے۔ حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ پھر (کچھ دنوں بعد) صفہ والوں میں سے ایک اور شخص نے وفات پائی اور اس نے اپنے ترکہ میں دو دینار چھوڑے رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہ دو دینار دو داغ ہیں۔ (احمد، بیہقی)

توضیح: ''کیۃ'' آگ میں لوہا گرم کر کے جسم کے داغ دینے کو کیۃ کہتے ہیں۔ یہاں ایک دینار کو ایک داغ اور دو دینار کو دو داغ قرار دیا گیا ہے اب سوال یہ ہے کہ جب ایک آدمی مال کا حق ادا کر کے مرتا ہے اور ایک یا دو یا زیادہ دینار مرنے کے بعد گھر میں چھوڑتا ہے تو یہ عمل تو شرعاً جائز ہے پھر یہاں ان اصحاب صفہ کے بارے میں اتنی شدید وعید کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عام امت کے لئے اور اپنے صحابہ کے لئے دنیا اکٹھی کرنے اور عبادت کرنے کا الگ الگ معیار رکھا تھا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اپنے اہل بیت کے لئے بھی الگ معیار رکھا تھا اور اپنے لئے بھی عملی میدان میں الگ معیار رکھا تھا لہٰذا ایک عمل ایسا ہوتا ہے جو عام امت کے لئے جائز ہوتا ہے مگر صحابہ کی شان اونچی ہوتی ہے وہ عمل ان کی شان کے شایان شان نہیں ہوتا یہاں اصحاب صفہ کے ان دو اشخاص کو اسی تناظر میں وعید سنائی گئی ہے کہ یہ تارک دنیا اور زاہد، درویش اپنے پیچھے مال چھوڑ دیں یہ اچھا نہیں ہے لوگ ان کو زاہد سمجھتے ہیں ان پر خرچ کرتے ہیں اور یہ اپنے پیچھے میراث میں دینار چھوڑتے ہیں یہ ان کی بلند شان کے منافی ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ جب یہ دونوں اصحاب صفہ فقیر و مساکین تھے تو لوگ زکوۃ و صدقات کے اموال سے ان کی اعانت کرتے تھے، چونکہ ان کے پاس دو دینار تھے تو ان پر زکوۃ نہیں لگتی تھی جب یہ زکوۃ کے مستحق نہیں تھے اور پھر بھی زکوۃ و صدقات کی طرف گویا دست سوال دراز کرتے تھے تو یہ ناجائز تھا اس لئے شدید وعید سنائی گئی۔ اس حدیث سے عام مسلمانوں کو یہ تعلیم ملی کہ جو آدمی زکوۃ کا مستحق نہ ہو تو وہ صدقات و زکوۃ سے اپنے آپ کو بچائے یا یہ کہ جو آدمی ظاہری طور پر زہد کو ظاہر کرتا ہو اور خفیہ طور پر مال اکٹھا کر رہا ہو، یہ بہت برا ہے۔[1]

﴿۴۹﴾ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى خَالِهِ أَبِي هَاشِمِ بْنِ عُتْبَةَ يَعُودُهُ فَبَكَى أَبُوهَاشِمٍ فَقَالَ مَا يُبْكِيكَ يَاخَالِ أَوَجَعٌ يُشْئِزُكَ أَمْ حِرْصٌ عَلَى الدُّنْيَا قَالَ كَلَّا وَلٰكِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهِدَ إِلَيْنَا عَهْدًا لَمْ آخُذْ بِهِ قَالَ وَمَاذٰلِكَ قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ إِنَّمَا يَكْفِيكَ مِنْ جَمْعِ الْمَالِ خَادِمٌ وَمَرْكَبٌ فِي سَبِيْلِ اللهِ وَإِنِّي أُرَانِي قَدْ جَمَعْتُ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان سے روایت ہے کہ وہ اپنے ماموں حضرت ابو ہاشم ابن عتبہ کے پاس ان کی عیادت کو گئے تو حضرت ابو ہاشم (ان کو دیکھ کر) رونے لگے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ماموں جان آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا

[1] المرقات: ۹/۵۱ [2] المرقات: ۹/۵۱

بیماری نے آپ کو قلق واضطراب میں مبتلا کر دیا ہے یا دنیا کی حرص وتمنا نے؟ انہوں نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ رسول کریم ﷺ نے ہم کو ایک وصیت کی تھی اور میں اس پر عمل کرنے سے قاصر رہا ہوں۔ معاویہ نے پوچھا کہ وہ وصیت کیا تھی؟ انہوں نے کہا میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تمہارے لئے دنیا کے مال میں سے بس اسقدر جمع کرنا کافی ہے کہ تمہارے پاس ایک خادم ہو اور خدا کی راہ میں لڑنے کے لئے ایک سواری ہو۔ اور میرا خیال ہے کہ میں نے (ان دونوں چیزوں سے کہیں زیادہ) مال واسباب اپنے پاس رکھا ہے۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

"یشئزك" ای یقلقك یعنی کیا آپ کو جسمانی درد پریشان کر رہا ہے یا دنیا چھوٹنے کی وجہ سے رو رہے ہو اشماز باب افعال سے ہے قلق اور اضطراب کے معنی میں ہے اصل میں سنگلاخ راستے پر چلنے کی تکلیف کو کہتے ہیں۔

دنیا کا بوجھ کم رکھو آگے مشکل گھاٹی ہے

﴿۵۰﴾ وَعَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ قُلْتُ لِأَبِي الدَّرْدَاءِ مَالَكَ لَاتَطْلُبُ كَمَايَطْلُبُ فُلَانٌ فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ أَمَامَكُمْ عَقَبَةً كَؤُوْدًا لَايَجُوْزُهَا الْمُثْقِلُوْنَ فَأُحِبُّ أَنْ أَتَخَفَّفَ لِتِلْكَ الْعَقَبَةِ۔[1]

ترجمہ: اور حضرت ام درداء کہتی ہیں کہ میں نے (اپنے شوہر) حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے کہا آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ (حضور ﷺ سے یا صحابہ سے) مال واسباب اور منصب نہیں مانگتے ہو جیسا کہ فلاں فلاں لوگ مانگتے ہیں؟ حضرت ابو درداء نے (یہ سنکر) کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمہارے سامنے ایک دشوار گزار گھاٹی ہے اس سے وہ لوگ نہیں گزر سکتے جو گرانبار ہیں، چنانچہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ ہلکا رہوں تا کہ اس گھاٹی سے (آسانی وسہولت کے ساتھ) گزر سکوں۔

توضیح: "عقبة" پہاڑ کی بلند گھاٹی کو عقبہ کہا جاتا ہے یہاں اس مشکل گھاٹی سے موت کے شدائد اور قبر کے احوال اور میدان محشر کے مصائب مراد ہیں "کئودا" کاف پر فتحہ ہے ہمزہ پر ضمہ ہے واو ساکن ہے یہ باب فتح سے مصدر ہے۔ جو سختی اور مشقت کے معنی میں ہے یہ عقبۃ کے لئے صفت ہے یعنی دشوار گذار گھاٹی "المثقلون" باب افعال سے ہے یعنی بھاری بوجھ اٹھانے والے لوگ، یہاں حب دنیا اور حب جاہ کا بھاری بوجھ اٹھانے والے لوگ مراد ہیں اسی لئے کہا گیا ہے "فاز المخفون وهلك المثقلون"۔

دنیا کے ضرر سے دنیا دار نہیں بچ سکتا

﴿۵۱﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مِنْ أَحَدٍ يَمْشِيْ عَلَى الْمَاءِ إِلَّا

[1] المرقات: ۹/۶۰

اِبْتَلَّتْ قَدَمَاهُ قَالُوْا لَا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ كَذٰلِكَ صَاحِبُ الدُّنْيَا لَا يَسْلَمُ مِنَ الذُّنُوْبِ۔

(رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے پوچھا کیا کوئی شخص پانی پر اس طرح چل سکتا ہے کہ اس کے پاؤں تر نہ ہوں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایسا تو ممکن نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہی حال دنیا دار کا ہے کہ وہ گناہوں سے محفوظ وسلامت نہیں رہتا۔ ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح: "علی الماء" یعنی سمندر پر یا کسی بھی پانی پر گذرنے والا آدمی پانی کی تری سے نہیں بچ سکتا۔ اسی طرح دنیا میں پڑنے والا شخص گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا، عربی میں ایک شاعر نے اس کا مفہوم یوں بیان کیا ہے:[2]

القاه فی الیم مکتوفا فقال له ایاك ایاك ان تبتل بالماء

فارسی میں شاعر نے اس طرح کہا ہے:

درمیان قعر دریا تخته بندم کردۂ بازمی گوئی که دامن تر مکن هوشیار باش

سمندر کے بیچ میں تختہ کے ساتھ باندھا ہے اور پھر کہتا ہے خبردار دامن تر نہ ہو جائے۔

﴿۵۲﴾ وَعَنْ جُبَيْرِ ابْنِ نُفَيْرٍ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنْ أَجْمَعَ الْمَالَ وَأَكُوْنَ مِنَ التَّاجِرِيْنَ وَلٰكِنْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَأَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ عَنْ أَبِي مُسْلِمٍ)[3]

ترجمہ: اور حضرت جبیر ابن نفیر (تابعی) بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھ پر یہ وحی نازل نہیں ہوئی ہے کہ میں مال ودولت جمع کروں اور تاجر بنوں بلکہ مجھ پر یہ وحی نازل ہوئی ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی حمد وتعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کیجئے اور سجدہ کرنے والوں میں سے بنیں۔ نیز اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہیے یہاں تک کہ آپ (کی دنیاوی زندگی) کا آخری وقت آجائے۔ اس حدیث کو بغوی نے شرح السنۃ میں اور ابو نعیم نے کتاب حلیہ میں ابو مسلم سے نقل کیا ہے۔

﴿۵۳﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا اِسْتِعْفَافاً عَنِ الْمَسْأَلَةِ وَسَعْياً عَلَى أَهْلِهِ وَتَعَطُّفاً عَلَى جَارِهِ لَقِيَ اللهَ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ مِثْلَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَمَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا مُكَاثِراً مُفَاخِراً مُرَائِياً لَقِيَ اللهَ تَعَالَى وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانٌ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَأَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ)[4]

---

[1] اخرجه البيهقی: ۷/۳۲۳ [2] المرقات: ۹/۱۰ [3] اخرجه البغوی فی شرح السنة ۴/۲۳۷ [4] اخرجه البیهقی: ۷/۲۹۸

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے بچنے، اپنے اہل وعیال کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے اور اپنے ہمسایہ کے ساتھ احسان کرنے کی خاطر جائز وسائل و ذرائع سے دنیا کو حاصل کرے وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی مانند ہوگا۔ اور جو شخص مال و دولت میں اضافہ کرنے فخر کرنے اور نام ونمود کے لئے جائز وسائل و ذرائع سے (بھی) دنیا (کے مال واسباب) کو حاصل کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا، اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابونعیم نے کتاب حلیہ میں نقل کیا ہے۔

مال جنت اور دوزخ کے لئے حجاب اکبر ہے

﴿۵۴﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ هٰذَا الْخَيْرَ خَزَائِنُ لِتِلْكَ الْخَزَائِنِ مَفَاتِيْحُ فَطُوْبٰى لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللهُ مِفْتَاحاً لِلْخَيْرِ مِغْلَاقاً لِلشَّرِّ وَوَيْلٌ لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللهُ مِفْتَاحاً لِلشَّرِّ مِغْلَاقاً لِلْخَيْرِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سہل ابن سعد سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: یہ خیر (یعنی مال و دولت کے انبار) خزانے ہیں اور ان خزانوں کے لئے کنجیاں ہیں، پس بشارت ہو اس بندہ کو کہ جس کو خدا نے خیر کے دروازے کھلنے اور برائی کے دروازے بند ہونے کا سبب و ذریعہ بنایا ہے اور (دین و دنیا کی) ہلاکت و تباہی ہے اس بندہ کے لئے جس کو خدا نے برائی کے دروازے کھلنے اور خیر کے دروازے بند ہونے کا سبب و ذریعہ بنایا ہے۔ (ابن ماجہ)

توضیح: "هذا الخیر" خیر سے مراد مال کے خزانے اور انبار ہیں جن کو انسان نے اکٹھا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے علامہ طیبی لکھتے ہیں کہ مال پر خیر کا اطلاق اس صورت میں ہوتا ہے جب وہ زیادہ اور کثیر ہو۔ "خزائن" یہ خزانة کی جمع ہے خزانہ جمع کردہ مال کو کہتے ہیں اور یہ لفظ "ان" کے لئے خبر ہے اور هذا الخیر اس کا اسم ہے "لتلك الخزائن" اسم اشارہ اور مشار الیہ مل کر خبر مقدم ہے اور مفاتیح اس کے لئے مبتدا مؤخر ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ اموال کثیرہ خزانوں کی صورت میں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے بندے ان خزانوں پر مقرر وکلاء ہیں جو گویا ان خزانوں کے کھولنے اور بند کرنے میں چابیوں کے مانند ہیں پس وہ بندہ مبارک باد کا مستحق ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہر بھلائی میں یعنی مال خرچ کرنے کے لئے چابی بنا دیا ہے کہ وہ اس خزانہ کا مال نیکی اور بھلائی میں خرچ کرتا ہے اور اس کو اللہ نے شر و فساد کا دروازہ بند کرنے کی چابی بنا دیا ہے کہ اس مال کو غلط طریقہ پر خرچ نہیں کرتا ہے اور بخل و کنجوسی سے کام نہیں لیتا ہے۔ اور اس بندے کے لئے ہلاکت ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے شرارت پھیلانے کے لئے چابی بنا دیا ہے اور بھلائی کے دروازہ کو بند کرنے کے لئے چابی بنا دیا ہے یعنی ان اموال کو خیر کے راستے میں خرچ نہیں کرتا ہے اور شر کے راستوں میں دل کھول

[1] اخرجه ابن ماجه: ۱/۸۷

کر خرچ کرتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کا کمایا ہوا مال جنت و دوزخ دونوں کے لئے حجاب اکبر ہے، یہ مال دوزخ کی آگ کے لئے بھی پردہ بن سکتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے ثواب کمایا جائے اور یہی مال جنت کے لئے بھی پردہ بن سکتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے گناہ کمایا جائے اور دوزخ میں جایا جائے۔[۱]

بے برکت مال کی علامت

﴿۵۵﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَمْ يُبَارَكْ لِلْعَبْدِ فِيْ مَالِهٖ جَعَلَهٗ فِي الْمَاءِ وَالطِّيْنِ۔[۲]

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب کسی بندہ کے مال و دولت میں برکت عطا نہیں ہوتی تو وہ اس مال کو پانی اور مٹی میں ملا دیتا ہے یعنی اپنی دولت ضرورت سے زائد عمارتیں بنانے اور ان کی زینت و آرائش میں خرچ کرتا ہے۔

﴿۵۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِتَّقُوا الْحَرَامَ فِي الْبُنْيَانِ فَإِنَّهٗ أَسَاسُ الْخَرَابِ۔ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لوگو) تم عمارتوں میں حرام مال لگانے سے پرہیز کرو کیونکہ عمارتوں میں حرام مال لگانا (دین یا اس عمارت کی) خرابی کی بنیاد اور جڑ ہے۔ ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح: "الحرام فی البنیان" اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ تعمیرات میں حرام مال لگانے سے اجتناب کرو یہ معنی بعید ہے۔ دوسرا معنی یہ کہ تعمیرات میں اس طرح حد سے تجاوز نہ کرو کہ وہ تعمیر حرام کے زمرے میں آجائے، یہ مطلب زیادہ واضح ہے "اساس الخراب" یہ جملہ ماسبق مفہوم پر متفرع ہے کہ تعمیرات کا انجام تو خرابی ہے تو یہ بے جا تکلف کیوں کرتے ہو۔[۴]

مال و دولت جمع کرنا بے عقلی ہے

﴿۵۷﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَا دَارَ لَهٗ وَمَالُ مَنْ لَا مَالَ لَهٗ وَلَهَا يَجْمَعُ مَنْ لَا عَقْلَ لَهٗ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: دنیا اس شخص کا گھر

[۱] المرقات: ۹/۶۲ [۲] اخرجہ البیہقی: ۷/۳۹۳ [۳] اخرجہ البیہقی: ۷/۳۹۳ [۴] المرقات: ۹/۶۳ [۵] اخرجہ احمد: ۶/۷۱ والبیہقی: ۷/۳۷۵

ہے جس کے لئے (آخرت میں) گھر نہیں ہے اور مال اس شخص کا ہے جس کے لئے (آخرت میں) مال نہیں ہے۔ نیز مال و دولت وہی جمع کرتا ہے جس کو عقل نہیں ہوتی۔ (احمد، بیہقی)

شراب تمام برائیوں کا مجموعہ ہے

﴿۵۸﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ خُطْبَتِهِ اَلْخَمْرُ جِمَاعُ الْإِثْمِ وَالنِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّيْطَانِ وَحُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ قَالَ وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ أَخِّرُوا النِّسَاءَ حَيْثُ أَخَّرَهُنَّ اللّٰهُ۔

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ مِنْهُ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا "حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ") [1]

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو ایک خطبہ کے دوران یہ فرماتے ہوئے سنا (یاد رکھو) شراب پینا، گناہوں کو جمع کرنا ہے اور عورتیں شیطان کے جال ہیں اور دنیا کی محبت ہر گناہ کا سر ہے۔ حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عورتوں کو مؤخر کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مؤخر کیا ہے۔ رزین نے یہ پوری روایت نقل کی ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت حسن بصری سے بطریق ارسال روایت کا صرف یہ حصہ نقل کیا ہے کہ "حب الدنیا راس کل خطیئة"۔

توضیح: "جماع الاثم" جیم پر کسرہ ہے جمع کرنے کے معنی میں ہے مطلب یہ کہ شراب پینا تمام گناہوں کا مجموعہ ہے، ہر قسم فحاشی اور ہر قسم قتل و غارتگری کی بنیاد شراب ہے کیونکہ جب عقل چلی جاتی ہے تو انسان ہر گناہ کر سکتا ہے عقل بریک ہے جب بریک فیل ہو جائے تو گاڑی یا انسانی ڈھانچہ ہر دیوار سے ٹکراتا رہتا ہے۔ [2]

﴿۵۹﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَتَخَوَّفُ عَلٰى أُمَّتِيْ اَلْهَوٰى وَطُوْلُ الْأَمَلِ فَأَمَّا الْهَوٰى فَيَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَأَمَّا طُوْلُ الْأَمَلِ فَيُنْسِي الْآخِرَةَ وَهٰذِهِ الدُّنْيَا مُرْتَحِلَةٌ ذَاهِبَةٌ وَهٰذِهِ الْآخِرَةُ مُرْتَحِلَةٌ قَادِمَةٌ وَلِكُلٍّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا بَنُوْنَ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تَكُوْنُوْا مِنْ بَنِي الدُّنْيَا فَافْعَلُوْا فَإِنَّكُمُ الْيَوْمَ فِيْ دَارِ الْعَمَلِ وَلَا حِسَابَ وَأَنْتُمْ غَدًا فِيْ دَارِ الْآخِرَةِ وَلَا عَمَلَ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ) [3]

ترجمہ: اور حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اپنی امت کے بارے میں جن دو چیزوں سے میں بہت زیادہ ڈرتا ہوں، ان میں سے ایک تو خواہش نفس ہے، دوسرے (تاخیر عمل اور نیکیوں سے غفلت کے ذریعہ) درازی عمر کی آرزو

[1] اخرجہ البیہقی: ۳۳۸/۷ [2] المرقات: ۹/۶۵ [3] اخرجہ البیہقی: ۳۷۰/۷

ہے پس نفس کی خواہش حق کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے سے روکتی ہے اور جہاں تک درازی عمر کی آرزو کا تعلق ہے تو وہ آخرت کو بھلا دیتی ہے اور (یاد رکھو) یہ دنیا کوچ کر کے چلے جانے والی ہے اور آخرت کوچ کر کے آنے والی ہے نیز ان دونوں (یعنی دنیا و آخرت) میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں لہٰذا اگر تم سے یہ ہو سکے کہ تم دنیا کے بیٹے نہ بنو تو ایسا ضرور کرو کیونکہ تم آج دنیا میں ہو جو دار العمل ہے جہاں عمل کا حساب نہیں لیا جاتا جب کہ تم کل آخرت کے گھر میں جاؤ گے تو وہاں عمل کرنے کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ (بیہقی)

﴿۶۰﴾وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ ارْتَحَلَتِ الدُّنْيَا مُدْبِرَةً وَارْتَحَلَتِ الْاٰخِرَةُ مُقْبِلَةً وَلِكُلٍّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا بَنُوْنٌ فَكُوْنُوْا مِنْ أَبْنَاءِ الْاٰخِرَةِ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنْ أَبْنَاءِ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَلَا حِسَابَ وَغَدًا حِسَابٌ وَلَا عَمَلَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ تَرْجَمَةِ الْبَابِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے (بطریق موقوف) روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا یہ دنیا ادھر سے کوچ کر کے منہ پھیرے ہوئے چلی جارہی ہے، اور آخرت ادھر سے کوچ کر کے ہماری طرف منہ کئے آرہی ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں، پس تم آخرت کے بیٹے بنو اور دنیا کے بیٹوں میں سے نہ ہو، یاد رکھو! آج کا دن عمل کرنے کا ہے، حساب کا دن نہیں اور کل (قیامت) کا دن حساب کا دن ہوگا عمل کرنے کا نہیں۔ اس روایت کو امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں نقل کیا ہے۔

﴿۶۱﴾وَعَنْ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ يَوْمًا فَقَالَ فِيْ خُطْبَتِهٖ اَلَا إِنَّ الدُّنْيَا عَرَضٌ حَاضِرٌ يَأْكُلُ مِنْهُ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ اَلَا وَإِنَّ الْاٰخِرَةَ أَجَلٌ صَادِقٌ وَيَقْضِيْ فِيْهَا مَلِكٌ قَادِرٌ أَلَا وَإِنَّ الْخَيْرَ كُلَّهٗ بِحَذَافِيْرِهٖ فِي الْجَنَّةِ أَلَا وَإِنَّ الشَّرَّ كُلَّهٗ بِحَذَافِيْرِهٖ فِي النَّارِ أَلَا فَاعْمَلُوْا وَأَنْتُمْ مِنَ اللّٰهِ عَلٰى حَذَرٍ وَاعْلَمُوْا أَنَّكُمْ مَعْرُوْضُوْنَ عَلٰى أَعْمَالِكُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس خطبہ میں فرمایا (لوگو!) خبردار ہو! دنیا ایک ناپائیدار متاع ہے، اس میں سے نیک بھی کھاتا ہے اور بد بھی، خبردار ہو! آخرت ایک واقعی مدت ہے جو سچی یعنی متحقق وثابت ہے اور اس (آخرت) میں ہر قسم کی قدرت رکھنے والا بادشاہ (یعنی اللہ تعالیٰ) فیصلہ صادر فرمائے گا۔ خبردار ہو! تمام بھلائیاں اور خوبیاں اپنی انواع واقسام کے ساتھ جنت میں ہیں، خبردار ہو! تمام برائیاں اور خرابیاں اپنی انواع واقسام کے ساتھ دوزخ میں ہیں، خبردار رہو! پس تم (نیک) عمل کرو در آنحالیکہ تم پر خدا کے حساب وعذاب کا خوف طاری ہو، اور اس

[1] اخرجه البخاري: في ترجمة الباب: ۸/۱۱۰ [2] اخرجه الشافعي في مسنده: ۲/۲۱۳

بات کو یاد رکھو کہ تمہیں اپنے اعمال کے ساتھ پیش ہونا ہے پس جو شخص ذرہ برابر بھی نیک کام کرتا ہے وہ (آخرت میں یا دنیا میں) اس کی جزا پائے گا اور جو شخص ذرہ برابر بھی برا کام کرتا ہے وہ اس کی سزا پائے گا۔ (شافعی)

﴿۶۲﴾ وَعَنْ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الدُّنْيَا عَرَضٌ حَاضِرٌ يَأْكُلُ مِنْهَا الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ وَإِنَّ الْاٰخِرَةَ وَعْدٌ صَادِقٌ يَحْكُمُ فِيْهَا مَلِكٌ عَادِلٌ قَادِرٌ يُحِقُّ فِيْهَا الْحَقَّ وَيُبْطِلُ الْبَاطِلَ كُوْنُوْا مِنْ أَبْنَاءِ الْاٰخِرَةِ وَلَاتَكُوْنُوْا مِنْ أَبْنَاءِ الدُّنْيَا فَإِنَّ كُلَّ أُمٍّ يَتْبَعُهَا وَلَدُهَا۔[1]

ترجمہ: اور حضرت شداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، لوگو! یہ دنیا ایک ناپائیدار متاع ہے جس میں نیک و بد دونوں کھاتے ہیں اور بلاشبہ آخرت ایک سچا اور یقینی طور پر پورا ہونے والا وعدہ ہے اس (آخرت) میں ہر طرح کی قدرت رکھنے والا اور عدل و انصاف کرنے والا بادشاہ حق کو ثابت رکھے گا اور باطل کو مٹا دے گا تم آخرت کے بیٹے بنو اور دنیا کے بیٹوں میں اپنا شمار نہ کراؤ، کیونکہ ہر ماں کا بیٹا اسی (ماں) کے تابع ہوتا ہے؟

﴿۶۳﴾ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاطَلَعَتِ الشَّمْسُ إِلَّا وَبِجَنْبِهَا مَلَكَانِ يُنَادِيَانِ يُسْمِعَانِ الْخَلَائِقَ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ يَاأَيُّهَا النَّاسُ هَلُمُّوْا إِلٰى رَبِّكُمْ مَاقَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَأَلْهٰى۔ (رَوَاهُمَا أَبُوْنُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابودرداء کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی آفتاب طلوع ہوتا ہے اس کے دونوں طرف دو فرشتے ہوتے ہیں جو منادی کرتے ہیں اور جن و انس کے علاوہ اور ساری مخلوق کو سناتے ہیں کہ لوگو! اپنے پروردگار کی طرف آؤ اور اس بات کو جان لو کہ جو مال قلیل ہو اور کفایت کرے وہ اس مال سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو زیادہ ہو اور عبادت خداوندی سے باز اور اطمینان و سکون کی زندگی سے محروم رکھے۔ ان دونوں روایتوں کو ابونعیم نے کتاب حلیہ میں نقل کیا ہے۔

﴿۶۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهٖ قَالَ إِذَامَاتَ الْمَيِّتُ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ مَاقَدَّمَ وَقَالَ بَنُوْ اٰدَمَ مَاخَلَّفَ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے جس کو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے اس مرفوع حدیث میں ابوہریرہ نے کہا جب کوئی شخص مرتا ہے تو فرشتے تو یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے آخرت کے لئے کیا بھیجا ہے اور لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ اس نے (اپنے ترکہ میں) کیا چھوڑا ہے؟ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

[1] اخرجه ابو نعيم في الحلية: ۱/۳۲۸ [2] اخرجه ابو نعيم في الحلية: ۱/۱۲۶ [3] اخرجه البيهقي: ۷/۳۲۸

﴿۶۵﴾ وَعَنْ مَالِكٍ أَنَّ لُقْمَانَ قَالَ لِابْنِهِ يَا بُنَيَّ إِنَّ النَّاسَ قَدْ تَطَاوَلَ عَلَيْهِمْ مَا يُوعَدُونَ وَهُمْ إِلَى الْآخِرَةِ سِرَاعاً يَذْهَبُونَ وَإِنَّكَ قَدِ اسْتَدْبَرْتَ الدُّنْيَا مُنْذُ كُنْتَ وَاسْتَقْبَلْتَ الْآخِرَةَ وَإِنَّ دَاراً تَسِيرُ إِلَيْهَا أَقْرَبُ إِلَيْكَ مِنْ دَارٍ تَخْرُجُ مِنْهَا. (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

ترجمہ: اور حضرت امام مالک سے روایت ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا میرے بیٹے جس بات کا لوگوں سے وعدہ کیا گیا تھا اس کی مدت ان پر دراز ہوگئی حالانکہ لوگ آخرت کی طرف تیزی سے چلے جارہے ہیں اور میرے بیٹے! جس وقت تم پیدا ہوئے تھے اسی وقت سے تمہاری پیٹھ دنیا کی طرف اور تمہارا رخ آخرت کی طرف ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جس گھر اور مقام کی طرف تم جارہے ہو وہ تم سے اس گھر اور مقام کی بہ نسبت زیادہ قریب ہے جس کو تم چھوڑ کر جارہے ہو۔ (رزین)

صاف دل انسان سب سے اچھا ہے

﴿۶۶﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قِيلَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ قَالَ كُلُّ مَخْمُومِ الْقَلْبِ صَدُوقِ اللِّسَانِ قَالُوا صَدُوقُ اللِّسَانِ نَعْرِفُهُ فَمَا مَخْمُومُ الْقَلْبِ قَالَ هُوَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ لَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَلَا بَغْيَ وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون آدمی بہتر ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہر وہ شخص جو مخموم دل اور زبان کا سچا ہو۔ (یہ سنکر) صحابہ نے عرض کیا کہ زبان کے سچے کو تو ہم جانتے ہیں لیکن مخموم دل سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا مخموم دل وہ شخص ہے جس کا دل پاک وصاف ہو، پرہیز گار ہو، اس میں کوئی گناہ نہ ہو اس نے کوئی ظلم نہ کیا ہو، حد سے تجاوز نہ کیا ہو اور اس میں کدورت و کینہ اور حسد کا مادہ نہ ہو۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

توضیح: "مخموم القلب" لفظ مخموم اصل میں خم سے مشتق ہے جس کے معنی صاف کرنے کے ہیں۔ اس سے وہ پاک وصاف دل مراد ہے جس میں غیر اللہ کا کوئی وسوسہ اور شائبہ نہ ہو اور غیر اللہ کے غبار سے بالکل پاک وصاف ہو، جو غلط خیالات اور غلیظ اخلاق اور رذیل صفات سے محفوظ ہو اسی کو قلب سلیم بھی کہا گیا ہے۔ حدیث میں اس کی تشریح خود موجود ہے۔[2] "بغی" سرکشی اور تجاوز کو کہا گیا ہے اور قلبی کدورت اور کینہ[3] کو غل کہا گیا ہے اور حسد تو حسد ہے۔[4]

﴿۶۷﴾ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرْبَعٌ إِذَا كُنَّ فِيكَ فَلَا عَلَيْكَ مَا فَاتَكَ مِنْ

[1] اخرجه ابن ماجه: ۲/۱۴۰۹ والبیهقی [2] المرقات: ۹/۷۳ [3] المرقات: ۹/۷۳ [4] المرقات: ۹/۷۳

الدُّنْيَا حِفْظُ أَمَانَةٍ وَصِدْقُ حَدِيْثٍ وَحُسْنُ خَلِيْقَةٍ وَعِفَّةٌ فِيْ طُعْمَةٍ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ) ۱

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، چار چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تم میں پائی جائیں تو دنیا کے فوت ہونے نہ ہونے کا تمہیں کوئی غم نہیں ہونا چاہئے ایک تو امانت کی حفاظت کرنا دوسرے سچی بات کہنا، تیسرے اخلاق کا اچھا ہونا اور چوتھے کھانے میں احتیاط و پرہیزگاری اختیار کرنا۔ (احمد بیہقی)

لقمان حکیم کی نصیحت

﴿۶۸﴾ وَعَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِيْ أَنَّهُ قِيْلَ لِلُقْمَانَ الْحَكِيْمِ مَا بَلَغَ بِكَ مَا نَرَى يَعْنِي الْفَضْلَ قَالَ صِدْقُ الْحَدِيْثِ وَأَدَاءُ الْأَمَانَةِ وَتَرْكُ مَا لَا يَعْنِيْنِيْ۔ (رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّا) ۲

ترجمہ: اور حضرت امام مالک کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ جب لقمان حکیم سے یہ پوچھا گیا کہ جس مرتبہ پر ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں اس تک آپ کو کس چیز نے پہنچایا ہے؟ تو لقمان حکیم نے فرمایا: سچ بولنے نے، ادائیگی امانت نے اور جو چیزیں میرے لئے بے فائدہ اور غیر ضروری ہیں ان کو ترک کر دینے سے۔ (موطا)

توضیح: ''لقمان الحکیم'' حکمت و دانائی میں عالم دنیا پر جن کا سکہ چل چکا ہے اور بڑے سے بڑے دانشوروں اور مدبروں نے جن کی حکمتوں سے خوشہ چینی کی ہے وہ ہستی حضرت لقمان حکیم کے نام سے مشہور ہیں جو حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے تھے یا خالہ زاد بھائی تھے۔ علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا وہ پیغمبر اور نبی تھے یا نبی نہیں تھے، ہاں اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ایک کامل ولی تھے حیوٰۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اختیار دیا گیا تھا کہ نبوت کو اختیار کرو یا حکمت اور ولایت کو اختیار کرو انہوں نے ولایت کو اختیار کیا اور کہا کہ نبوت کی ذمہ داریاں بہت ہیں، منقول ہے کہ انہوں نے ایک ہزار انبیاء کرام سے فیض حاصل کیا، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت لقمان کا نام لے کر تذکرہ فرمایا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لقمان نہ نبی تھے اور نہ کوئی بادشاہ تھے بلکہ ایک سیاہ فام غلام تھے بکریاں چرایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو مقبول بنایا اور ان کو حکمت و دانائی اور عقل و دانش سے نوازا۔

قیامت کے دن نیک اعمال شفاعت کریں گے

﴿۶۹﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِيْءُ الْأَعْمَالُ فَتَجِيْءُ الصَّلَاةُ فَتَقُوْلُ يَا رَبِّ أَنَا الصَّلَاةُ فَيَقُوْلُ إِنَّكِ عَلَى خَيْرٍ فَتَجِيْءُ الصَّدَقَةُ فَتَقُوْلُ يَا رَبِّ أَنَا الصَّدَقَةُ فَيَقُوْلُ

۱ اخرجه احمد: ۲/۱۷۷ والبیهقی ۲ اخرج مالك: ۹۹۰

إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ ثُمَّ يَجِيءُ الصِّيَامُ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ أَنَا الصِّيَامُ فَيَقُوْلُ إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ ثُمَّ تَجِيءُ الْأَعْمَالُ عَلَى ذٰلِكَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالَى إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ ثُمَّ يَجِيءُ الْإِسْلَامُ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ أَنْتَ السَّلَامُ وَأَنَا الْإِسْلَامُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالَى إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ بِكَ الْيَوْمَ آخُذُ وَبِكَ الْيَوْمَ أُعْطِي قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْناً فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ. [1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قیامت کے روز) اعمال آئیں گے پس نماز پیش ہوگی اور عرض کرے گی کہ اے پروردگار میں نماز ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا بے شک تو بھلائی ہے، پھر صدقہ یعنی زکوٰۃ پیش ہوگی اور عرض کرے گی کہ اے پروردگار میں صدقہ ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا بے شک تو بھلائی ہے اور پھر روزہ پیش ہوگا اور عرض کرے گا کہ اے پروردگار میں روزہ ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا بے شک تو بھلائی ہے اسی طرح دوسرے اعمال پیش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو خیر پر ہے پھر اسلام پیش ہوگا اور عرض کرے گا کہ اے پروردگار تیرا نام سلام ہے اور میں اسلام ہوں پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا بے شک تو بھلائی پر ہے آج کے دن میں تیرے ہی سبب مواخذہ کروں گا اور تیرے ہی وسیلہ سے عطا کروں گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے (جس کا ترجمہ ہے) یعنی جو شخص اسلام کے سوا کسی دین کو اختیار کرے گا اس سے وہ دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں ٹوٹے میں رہنے والوں میں سے ہے۔

دنیا کی طرف مائل کرنے والی چیزوں سے بچو

﴿۷۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ لَنَا سِتْرٌ فِيْهِ تَمَاثِيْلُ طَيْرٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ حَوِّلِيْهِ فَإِنِّي إِذَا رَأَيْتُهُ ذَكَرْتُ الدُّنْيَا. [2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ہمارے ہاں ایک پردہ تھا اس پر پرندوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عائشہ! اس پردہ کو بدل ڈالو کیونکہ جب میں اس کو دیکھتا ہوں تو دنیا یاد آجاتی ہے۔

عمدہ نصائح

﴿۷۱﴾ وَعَنْ أَبِي أَيُّوْبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِظْنِي وَأَوْجِزْ فَقَالَ إِذَا قُمْتَ فِي صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ وَلَا تَكَلَّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَداً وَاجْمَعِ الْإِيَاسَ مِمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ. [3]

[1] اخرجہ احمد: ۲/۳۶۲ [2] اخرجہ احمد: ۶/۴۹ [3] اخرجہ احمد: ۵/۴۱۲

ترجمہ: اور حضرت ابوایوب انصاری کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ کو کوئی نصیحت فرمایئے جو مختصر اور جامع ہو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اس شخص کی طرح نماز پڑھو جو رخصت کرنے اور چھوڑنے والا ہے نیز اپنی زبان سے ایسی کوئی بات نہ نکالو جس کے سبب تمہیں کل عذر خواہی کرنی پڑے اور اس چیز سے نا امید ہو جانے کا پختہ ارادہ کرلو جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔

توضیح: "اوجز" یعنی مختصر نصیحت فرمادیں! آپ نے فرمایا کہ جب نماز پڑھنے لگو تو اس طرح اخلاص سے پڑھو کہ گویا یہ تمہاری آخری نماز ہے۔ دوسری نصیحت یہ کہ زبان سے ایسی ناشائستہ بات نہ نکالو کہ کل قیامت کے دن اللہ کے سامنے یا کل اپنے دوستوں کے سامنے عذر خواہی کرنی پڑے۔ پہلے تولو پھر بولو۔ تیسری نصیحت یہ کہ لوگوں کی طرف سے بالکل مایوس رہو کہ وہ تم کو کچھ روپیہ پیسہ دیں گے، تاکہ حرص و لالچ میں نہ پڑو۔[1]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی نصیحتیں

﴿۷۲﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ خَرَجَ مَعَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْصِيْهِ وَمُعَاذٌ رَاكِبٌ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِيْ تَحْتَ رَاحِلَتِهِ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ يَامُعَاذُ إِنَّكَ عَسَى أَنْ لَاتَلْقَانِيْ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا لَعَلَّكَ أَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِيْ هٰذَا وَقَبْرِيْ فَبَكَى مُعَاذٌ جَشَعًا لِفِرَاقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَأَقْبَلَ بِوَجْهِهِ نَحْوَ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِي الْمُتَّقُوْنَ مَنْ كَانُوْا۔

(رَوَى الْأَحَادِيْثَ الْأَرْبَعَةَ أَحْمَدُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت معاذ ابن جبل سے روایت ہے کہ جب رسول کریم ﷺ نے انہیں (قاضی یا عامل بنا کر) یمن روانہ فرمایا تو آپ (الوداع کہنے کے لئے کچھ دور تک) ان کے ساتھ گئے اور اس دوران آپ ان کو تلقین و نصیحت کرتے رہے، نیز اس وقت معاذ تو اپنی سواری پر سوار تھے اور رسول اللہ ﷺ ان کی سواری کے ساتھ ساتھ (پیدل) چل رہے تھے، جب آپ نصائح و ہدایت سے فارغ ہوئے تو فرمایا، معاذ! میری عمر کے اس سال کے بعد شاید تم مجھ سے ملاقات نہیں کرسکو گے اور ممکن ہے کہ تم (جب یمن سے واپس لوٹو گے تو مجھ سے ملاقات کرنے کے بجائے) میری اس مسجد اور میری قبر سے گزرو، معاذ (یہ سنکر) رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے غم میں زور سے رونے لگے اور رسول کریم ﷺ نے معاذ کی طرف سے منہ پھیر کر مدینہ کی جانب اپنا رخ

[1] المرقات: ۹/۳۳۹ [2] اخرجہ احمد: ۵/۳۵۵

کرلیا پھر فرمایا میرے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو پرہیز گار ہیں خواہ وہ کوئی ہوں اور کہیں ہوں۔ ان چاروں روایتوں کو امام احمد نے نقل کیا ہے۔

توضیح: "جشعاً" جیم اور شین دونوں پر فتحہ جزع فزع کے ساتھ رونے کو کہتے ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ نے جب یمن کا گورنر بنا کر مدینہ سے روانہ فرمایا تو بڑے اہتمام سے ان کو اہم نصائح سے نوازا، نصائح سے فارغ ہو کر آنحضرت ﷺ نے اپنی وفات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ ممکن ہے تم آئندہ میری قبر ہی کی زیارت کرو! فراق محبوب پر حضرت معاذ زور زور سے زار و قطار روئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ سے منہ موڑا تا کہ ان کو عملی تعلیم دیں کہ دنیا میں فراق لازمی ہے نیز آپ ﷺ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے رونے کے منظر کو نہ دیکھ سکے پھر مدینہ منورہ کی طرف چہرۂ انور کر کے آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو تسلی دی کہ یہ عارضی فراق ہے جو نسل آدم میں جاری ساری ہے: [1]

وقد فارق الناسُ الأحبةَ قبلنا واعیٰ دواءُ الموت کلُّ طبیب

پھر آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور پوری امت کو خوشخبری دیدی کہ جو نیک اور پرہیز گار ہوگا وہ میرے قریب ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کہیں بھی ہو وہ ظاہری و جسمانی اعتبار سے اگرچہ دور ہو مگر قلبی اعتبار سے قریب ہوگا۔

حبیب غاب عن عینی و جسمی وعن قلبی حبیب لا یغیب

اور اگر کوئی آدمی پرہیز گار اور مؤمن نہ ہوا تو وہ مجھ سے دور ہوگا خواہ وہ پڑوس میں کیوں نہ رہتا ہو، اسی حدیث کے مفہوم کو فارسی شاعر نے کمال کے ساتھ بیان کیا ہے۔

گر بامنے در یمنے نزد منے گر بے منے نزد منے در یمنے

یعنی اگر میرے طریقے پر رہوگے تو چاہے یمن میں ہو میرے ساتھ ہوگے اور اگر میرے طریقے پر نہیں ہوگے تو چاہے میرے پاس ہو، دور دراز یمن میں سمجھے جاؤ گے۔

اسلام پر شرح صدر کی علامت

﴿۷۳﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَّهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ النُّوْرَ إِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ إِنْفَسَحَ فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لِتِلْكَ مِنْ عَلَمٍ يُّعْرَفُ بِهٖ قَالَ نَعَمْ اَلتَّجَافِيْ مِنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْإِنَابَةُ إِلٰى دَارِ

[1] المرقات: ۹/۷۸

الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ. ۱

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ ہے) اللہ تعالیٰ جس شخص کو ہدایت بخشنا ہے تو اس کا سینہ اسلام کیلئے کشادہ کر دیتا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب (ہدایت کا) نور سینہ میں داخل ہوتا ہے تو سینہ فراخ اور کشادہ ہو جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا اس حالت اور کیفیت کی کوئی علامت ہے جس سے اس کو پہچانا جاسکے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اس کی نشانی ہے دارالغرور (دنیا) سے دور ہونا آخرت کی طرف کہ جو ہمیشہ باقی رہنے والا جہان ہے، رجوع کرنا اور پوری طرح متوجہ رہنا اور مرنے سے پہلے مرنے کے لئے تیاری کرنا۔

کم گو تارک دنیا کو پیر بناؤ

﴿۷۴﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وَأَبِيْ خَلَّادٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمُ الْعَبْدَ يُعْطَى زُهْدًا فِي الدُّنْيَا وَقِلَّةَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوْا مِنْهُ فَإِنَّهٗ يُلَقَّى الْحِكْمَةَ. (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ) ۲

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوخلاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی بندے کو دیکھو کہ اس کو (دنیا سے) بے رغبتی اور (لغو بیہودہ کلام سے اجتناب اور) کم گوئی عطا کی گئی ہے تو اس کی قربت وصحبت اختیار کرو کیونکہ اس کو حکمت ودانائی کی دولت دی گئی ہے، ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح: "فاقتربوا منه" یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے زہد وقناعت اور ترک دنیا کی صفت سے متصف کیا ہے اور کم گوئی اس کی عادت بنائی گئی ہے تو ایسے شخص سے فیض حاصل کرنے کے لئے اس کی صحبت اختیار کرو وہ زہد اور ترک دنیا کی صفت دوسروں میں منتقل کرے گا اور قلت کلام کے وصف سے دوسروں کو متصف کرے گا، صوفیاء کرام کے نزدیک زہد، ترک دنیا اور کم گوئی مدارج عالیہ کے حصول کے لئے نہایت اہم چیزیں ہیں چنانچہ ان کے ہاں یہ مقولہ مشہور ہے "کم خوردن کم خفتن کم گفتن" مگر آج کل اس کا عکس معاملہ چل رہا ہے، اچھا پیر وہ ہوتا ہے جو زیادہ مالدار جاگیردار ہو اور اس کے اشارہ آبرو سے سارے مرید مالدار بن جاتے ہوں نیز وہ مسلسل بولتا رہتا ہو اور جب سونے پر آجائے تو سوتا چلا جارہا ہو، علماء نے لکھا ہے کہ ۳ "من لم یکن سکوتہ نافعا لم یکن نطقہ نافعا" جس کی خاموشی مفید نہ ہو اس کا بولنا بھی مفید نہیں ہوتا۔ بہر حال اس حدیث سے ان شرائط کے ساتھ پیری مریدی کا ثبوت ملتا ہے۔ اگر صحیح مصلح پیر مل جائے تو وہ کبریت احمر ہے، حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ صوفیاء کے

۱ اخرجه البیهقی: ۳۵۲/۷ ۲ اخرجه البیهقی: ۲۵۴/۴ ۳ المرقات: ۸۱/۹

جوتوں سے وہ موتی ملتے ہیں جو بادشاہوں کے تاجوں سے نہیں مل سکتے۔

نہیں ملتے یہ جوہر بادشاہوں کے خزینوں میں۔

آخر میں یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ تصوف کی لائن چونکہ دین کی لائن ہے اور دین سمجھانے کے میدان میں علم دین کا ہونا ضروری ہے، امام بخاری اپنی کتاب بخاری میں یوں باب باندھتے ہیں "**العلم قبل القول والفعل**" یعنی قول وفعل اور بولنے اور عمل کرنے سے پہلے علم کا ہونا ضروری ہے لہٰذا تصوف کے لئے بھی بقدر کفاف علم کا ہونا ضروری ہے تصوف کے راستے میں غیر عالم بہت آگے جاتا ہے مگر انجام کار نقصان کا باعث بن جاتا ہے **الا ماشاء الله**۔

بابا سعدی رحمۃ اللہ علیہ عالم اور غیر عالم پیر سے متعلق فرماتے ہیں:

صاحب دلے بہ مدرسہ آمد زِخانقاہ
بشکست عہدِ صحبتِ اہلِ طریق را
گفتم میانِ عالم و عابد چہ فرق بود
کہ تو کردی اختیار ازاں این فریق را
گفت او گلیمِ خویش بیرون می بردِز موج
واین جہد می کند کہ بگیر د غریق را

مورخہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

باب فضل الفقراء وماكان من عيش النبي ﷺ

آنحضرت ﷺ کی معاشی زندگی اور فقراء کی فضیلت کا بیان

فقراء فقیر کی جمع ہے فقیر کے معنی مفلس محتاج اور غریب کے ہیں فقیر اور مسکین دو الگ الگ الفاظ ہیں مگر اس میں بحث ہے کہ ان الفاظ کا مفہوم بھی الگ الگ ہے یا ایک ہے؟ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ دونوں مترادف الفاظ ہیں دونوں کے معنی ایک ہیں بعض دوسرے علماء کا خیال ہے کہ دونوں کے معنی الگ الگ ہیں یعنی فقیر اس کو کہتے ہیں کہ جس کے پاس کچھ مال موجود ہو مگر نصاب سے کم ہو اور مسکین وہ ہوتا ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، بعض علماء نے اس کا عکس مفہوم بیان کیا ہے کہ مسکین وہ ہوتا ہے کہ جس کے پاس کچھ مال ہو جیسا کہ قرآن کریم میں ہے **﴿اما السفينة فكانت لمساكين﴾** [1] تو یہاں مساکین کشتی کے مالک قرار دیئے گئے ہیں اور فقیر وہ ہوتا ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو بعض علماء نے فقیر اور مسکین کے لئے ایک ضابطہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ جہاں فقیر اور مسکین ساتھ ساتھ مذکور ہوں تو دونوں کا الگ الگ معنی لیا جائے گا اور جہاں دونوں الگ الگ مذکور ہوں تو پھر بطور ترادف ایک ہی مفہوم میں لیا جائے گا ضابطہ یہ ہے۔ "**الفقير والمسكين اذا اجتمعا افترقا واذا افترقا اجتمعا**"۔ فقراء کی فضیلت کا مطلب یہ ہے کہ ان کو فقر و فاقہ پر جو ثواب ملتا ہے وہ کتنا بڑا ہے اور قیامت میں فقراء کو کتنے بڑے درجے ملیں گے۔

اب اس میں بحث ہے کہ آیا فقر و فاقہ افضل ہے یا غنا اور مالداری افضل ہے بعض علماء کے نزدیک غنا اور مالداری افضل ہے کیونکہ اس میں عبادات سکون کے ساتھ ادا ہوتی ہیں اور اس کے علاوہ صدقات وغیرہ کے ذریعہ سے بڑے درجات کمائے جاسکتے ہیں مگر عام علماء اور جمہور صوفیاء کے نزدیک فقر و فاقہ غنا سے مطلقاً افضل ہے فریق اول نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت اور واقعہ سے استدلال کیا ہے جس میں فقراء صحابہ نے حضور ﷺ کے سامنے اغنیاء کے درجات کا ذکر کیا کہ وہ عبادت بھی کرتے ہیں اور مالدار ہیں خرچ بھی کرتے ہیں اس پر آنحضرت نے فقراء کو چند تسبیحات کا وظیفہ بتایا کہ اس سے تم اغنیاء سے آگے بڑھ جاؤ گے جب اغنیاء کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی اس وظیفہ کو پڑھنا شروع کیا فقراء نے آنحضرت کے سامنے پھر شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "**ذلك فضل الله يوتيه من يشآء**" [2] یہ اس بات پر دلیل ہے کہ اغنیاء کا مقام اونچا ہے لیکن جمہور فرماتے ہیں کہ فقر و فاقہ کی زندگی کو تمام انبیاء کرام نے اختیار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کو طلب کیا ہے معلوم ہوا یہ افضل ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "**الفقر فخري**"

[1] الکہف: ۷۹ [2] جمعہ ۴

اس موضوع پر بابا سعدی عِشْیالیہ نے گلستان میں لمبی بحث کی ہے اور ایک عالم سے طویل مناظرہ کیا ہے بابا سعدی خود غنا کے افضل ہونے کے قائل تھے اور ان کے مقابل عالم فقر وفاقہ کی فضیلت کا قائل تھا دونوں کا جھگڑا بڑھ گیا تو دونوں شہر کے قاضی کے پاس گئے اُنہوں نے اس طرح فیصلہ سنایا کہ غنا اور فقر کے الگ الگ مواقع ہیں، کسی موقع پر فقر افضل ہوتا ہے اور کسی موقع پر غنا افضل ہوتا ہے جاؤ جھگڑے نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو ذلیل کرو۔ اب یہ بات کہ آنحضرت کا فقر وفاقہ کیسا تھا تو علماء لکھتے ہیں کہ آپ کا فقر شاہانہ تھا عاجزانہ نہیں تھا وہ فقر اختیاری تھا اضطراری نہیں تھا یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے لئے اور اپنے اہل بیت کے لئے عزیمت پر مبنی ایک امتیازی فقیرانہ زندگی اختیار فرمائی تھی اور عام امت کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ وسعت کی زندگی جائز حدود کے دائرہ میں اپنا سکتے ہیں "الحمد للہ لا ضِیقَ ولا حَرَجَ ففی الامر سعة"

الفصل الاول

اللہ تعالیٰ کے ہاں افلاس کی فضیلت

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُبَّ أَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بہت سے لوگ ایسے ہیں جو (بظاہر تو) پراگندہ بال اور غبار آلود نظر آتے ہیں جن کو دروازوں سے دھکیلا جاتا ہے لیکن (وہ خدا کے نزدیک اتنا اونچا درجہ رکھتے ہیں کہ) اگر وہ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر قسم کھالیں تو اللہ اُن کی قسم کو یقیناً پورا کرے۔ (مسلم)

توضیح: "مدفوع" اشعث پراگندہ بال کو کہتے ہیں اور "اغبر" غبار آلود جسم کو کہتے ہیں اور مدفوع بالابواب کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اس طرح گمنام اور لاچار وفقیر ہوتا ہے کہ فرض کرلو اگر کسی کے گھر کے دروازہ پر جا کر کھڑا ہوجاتا ہے تو اس کو وہاں سے بھگایا جاتا ہے اور اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں کی جاتی ہے نہ عام محفلوں اور مجلسوں میں اس کا کوئی پوچھنے والا ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ دنیا والوں کے ہاں وہ حقیر تر اور فقیر تر ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ اتنا معزز ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ پر اعتماد کر کے وہ یہ قسم کھائے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی ذات کی قسم اللہ یہ کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کی لاج رکھ کر اس کی قسم سچی کر کے دکھاتا ہے یہ اس آدمی کی بڑی شان ہے معلوم ہوا کہ فقر وفاقہ اور افلاس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت قدر ہے۔[2]

---

[1] اخرجه مسلم: ۲۲۲		[2] المرقات: ۹/۸۳

ضعیف کی برکت سے اللہ تعالیٰ دوسروں کو کھلاتا ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ رَاٰى سَعْدٌ اَنَّ لَهٗ فَضْلًا عَلٰى مَنْ دُوْنَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت مصعب ابن سعد (تابعی) کہتے ہیں کہ (میرے والد) حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے بارے میں یہ گمان کیا کہ وہ اس شخص سے افضل ہیں جو ان سے کمتر ہے، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تمہیں (دشمنان دین کے مقابلہ پر) مدد وسہارا اور رزق کن لوگوں کی برکت سے ملتا ہے؟ انہی کی برکت سے جو ضعیف وناتواں اور غریب ونادار ہیں۔ (بخاری)

توضیح: "رای سعد رضی اللہ عنہ" حضرت سعد حضور اکرم کے ناموں تھے شان والے صحابی تھے فاتح عراق تھے اور بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے مثلاً اعلیٰ درجہ کے بہادر تھے، فیاض تھے اعلیٰ شرافت پر فائز تھے ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ جو لوگ میری جیسی خوبیاں اور خصوصیات نہیں رکھتے ان کے مقابلے میں خدمت کے حوالہ سے میں اسلام اور مسلمانوں کی زیادہ خدمت کرتا ہوں لہٰذا اسلام کے لئے میرا وجود زیادہ فائدہ مند ہے گویا دوسرے گمنام قسم کے غریب مسلمان میری وجہ سے باقی ہیں شاید حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے زبان سے اظہار بھی کیا ہوگا۔ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ خیال نہ کرو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہیں فقیروں مسکینوں اور درویشوں کی برکت سے تم کھاتے پیتے ہو اور دشمن پر غالب آتے ہو لہٰذا ان کو حقیر نہ سمجھو گویا۔[2]

اس دور میں کچھ خاک نشینوں کی بدولت — باقی اسلام کی عظمت کی نشان ہے

جنت مساکین کا مسکن ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُمْتُ عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ فَكَانَ عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِيْنُ وَاَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوْسُوْنَ غَيْرَ اَنَّ اَصْحَابَ النَّارِ قَدْ اُمِرَ بِهِمْ اِلَى النَّارِ وَقُمْتُ عَلٰى بَابِ النَّارِ فَاِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا النِّسَاءُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ فرمانے لگے کہ میں (معراج کی رات، یا خواب میں، یا حالت کشف میں) جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا (میں نے دیکھا کہ) جو لوگ جنت میں داخل ہوئے ہیں ان میں زیادہ تعداد غریبوں کی ہے اور مالداروں کو قیامت کے میدان میں روک رکھا گیا ہے البتہ اصحاب نار یعنی کافروں کو دوزخ میں لے جانے کا حکم دے دیا گیا ہے اور جب میں دوزخ کے دروازے پر کھڑا ہوا تو دیکھا کہ جو لوگ دوزخ میں ڈالے گئے ہیں ان میں زیادہ تعداد عورتوں کی ہے۔ (بخاری ومسلم)

---

[1] اخرجه البخاري: ۴/۴۴ [2] المرقات: ۹/۸۴ [3] اخرجه البخاري: ۷/۳۹، ومسلم: ۸/۱۲۱

توضیح: "قمت" یعنی میں نے جب جنت کے دروازہ پر کھڑے ہو کر اندر دیکھا تو اکثر داخل ہونے والے غریب ونادار اور مساکین تھے شاید آنحضرت ﷺ نے یہ منظر معراج کی رات میں دیکھا یا کشف میں دیکھا یا خواب میں دیکھا۔ اس میں آپ نے یہ بھی دیکھا کہ کفار دوزخ کی طرف روانہ کر دیئے گئے اور مالدار مسلمان حساب وکتاب دینے کے لئے کھڑے کر دیئے گئے تھے اور دوزخ میں جب آپ نے دیکھا تو اکثر عورتیں تھیں کیونکہ عورتیں شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور آپس میں لعن طعن کرتی ہیں، غیبت اور چغلی میں وقت گذارتی ہیں شاید ابتدا میں دوزخ میں زیادہ ہوں گی سزا بھگتنے کے بعد پھر جنت میں زیادہ ہوں گی یا جتنی تھیں یہ تعداد بھی بہت زیادہ تھی آنے والی حدیث نمبر ۴ میں بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے "الجد" مال کو جد کہا گیا اور اصحاب الجد مالدار لوگ ہیں۔[1]

دوزخ میں عورتیں زیادہ ہوں گی

﴿۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ وَاطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں نے جنت میں جھانک کر دیکھا تو اس میں اکثر تعداد غریبوں اور نادار لوگوں کی نظر آئی اور دوزخ میں جھانک کر دیکھا تو اس میں اکثریت عورتوں کی نظر آئی۔ (بخاری ومسلم)

فقراء ومساکین جنت میں پہلے جائیں گے

﴿۵﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِيْنَ يَسْبِقُوْنَ الْأَغْنِيَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى الْجَنَّةِ بِأَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا فقراء مہاجرین قیامت کے دن جنت میں اغنیاء سے چالیس سال پہلے داخل ہوں گے۔ (مسلم)

توضیح: "خریفاً" خریف موسم خزاں کو کہتے ہیں، سال میں چونکہ ایک دفعہ موسم خریف آتا ہے لہٰذا اس سے سال بھی مراد لیا جاتا ہے یہاں سال ہی مراد ہے مطلب یہ ہے کہ مہاجرین میں جو فقراء ہیں وہ مالداروں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے۔[4]

سوال: یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ اس حدیث میں اور آنے والی فصل ثانی کی حدیث نمبر ۱۳ میں واضح تعارض ہے کیونکہ وہاں پانچ سو سال پہلے جنت میں جانے کا ذکر ہے؟

---

[1] المرقات: ۹/۸۳ [2] اخرجہ البخاری: ومسلم: ۲/۴۸۶ [3] اخرجہ مسلم [4] المرقات: ۹/۸۶ والکاشف: ۹/۳۴۷

جواب: اس سوال کا پہلا جواب یہ ہے کہ حدیث میں تعیین وتحدید بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ تکثیر کو بیان کرنا ہے تو چالیس سال سے بھی تکثیر بیان کرنا مقصود ہے اور پانچ سو سال سے بھی تکثیر بیان کرنا مطلوب ہے۔ یعنی بہت عرصہ پہلے جائیں گے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ یہاں جو حدیث عبداللہ بن عمرو سے منقول ہے اس سے وہ فقراء مراد ہیں جو مہاجرین کے علاوہ ہوں ان کے لئے چالیس سال کا ذکر ہے اور فصل ثانی کی پہلی حدیث جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہاں فقراء سے مہاجرین کے فقراء مراد ہیں جو پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ خود ان فقراء میں فرق ہے چالیس سال والے وہ فقیر ہیں جو مجبوراً فقیر ہیں تارک دنیا زاہد نہیں بلکہ جبری فقیر ہیں اور پانچ سو سال پہلے جانے والے وہ فقراء ہیں جو تارک دنیا، زاہدین، متوکلین ہیں گویا اول قسم رغبت دنیا کے ساتھ فقیر ہیں اور دوسری قسم بے رغبت فقیر ہیں بہرحال اغنیاء دیر سے اس لئے جائیں گے کہ ان کو کوڑی کوڑی کا حساب دینا ہوگا اور فقیر درویش سیدھا گذر جائے گا۔[۱]

درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی گھر اس کا نہ دلی نہ صفاہان نہ سمرقند

غریب اور مالدار کا موازنہ

﴿۶﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَهُ جَالِسٍ مَا رَأْيُكَ فِيْ هٰذَا فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَشْرَافِ النَّاسِ هٰذَا وَاللّٰهِ حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ يُّنْكَحَ وَإِنْ شَفَعَ أَنْ يُّشَفَّعَ قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ مَرَّ رَجُلٌ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَأْيُكَ فِيْ هٰذَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا رَجُلٌ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ هٰذَا حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ لَّا يُنْكَحَ وَإِنْ شَفَعَ أَنْ لَّا يُشَفَّعَ وَإِنْ قَالَ أَنْ لَّا يُسْمَعَ لِقَوْلِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَيْرٌ مِنْ مِلْءِ الْأَرْضِ مِثْلَ هٰذَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ کے سامنے سے ایک شخص گزرا تو آپ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ جو شخص گزرا ہے اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، یعنی یہ کوئی اچھا شخص ہے یا برا؟ اس شخص نے جواب دیا کہ یہ شخص نہایت معزز اور شریف ترین لوگوں میں سے ہے، بخدا اس شخص کی حیثیت یہ ہے کہ اگر کسی عورت سے نکاح کا پیغام بھیجے تو اس عورت سے اس کا نکاح ہو جائے، اور اگر کوئی سفارش کرے تو اس کی سفارش مان لی جائے۔ راوی حضرت سہل کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (یہ جواب سنکر) خاموش رہے، اتنے میں ایک دوسرا شخص سامنے سے گزرا تو آپ

[۱] المرقات: ۹/۹۶ [۲] اخرجه البخاري: ۹/۷، ومسلم

نے (اس کو دیکھ کر) اپنے پاس بیٹھے ہوئے اسی شخص سے پوچھا کہ اچھا اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یارسول اللہ! یہ شخص نادار قلاش مسلمانوں میں سے ہے اس کی حیثیت تو یہ ہے کہ اگر نکاح کا پیغام دے تو اس سے کوئی نکاح نہ کرے اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ ہو اور اگر کوئی بات کہے تو اس کی وہ بات سننے پر کوئی تیار نہ ہو، رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہ شخص اس شخص جیسے لوگوں سے بھری زمین سے بھی کہیں بہتر ہے۔ (بخاری ومسلم)

مورخہ ۱۳ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

حضور اکرم کی عملی زندگی

﴿۷﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَاشَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ محمد ﷺ کے اہل بیت نے دو روز مسلسل جو کی روٹی سے پیٹ بھرا ہو (چہ جائیکہ گیہوں کی روٹی سے) یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "آل محمد" یعنی گندم کی بات چھوڑو جو کی روٹی سے بھی مسلسل آنحضرت کے گھر والوں کا پیٹ نہیں بھرا اگر ایک دن کھانا ملا تو دوسرے دن نہیں ملا۔ اب یہاں سوال یہ ہے کہ آنحضرت اور صحابہ کرام تو آخری عمر میں کثرت فتوحات کی وجہ سے آسودہ حال ہوگئے تھے پھر یہ فاقے کیسے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت کا فقر اختیاری تھا آخر وقت میں بھی آپ نے دنیا سے فائدہ نہیں اُٹھایا اور فاقے گذارے اگرچہ سہولت ہوگئی تھی۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ یہ معیار آنحضرت نے اپنے لئے اور اپنے اہل وعیال کے لئے قائم فرمایا تھا عام امت کے لئے یہ معیار نہیں تھا۔[2]

﴿۸﴾ وَعَنْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّهُ مَرَّ بِقَوْمٍ بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ شَاةٌ مَصْلِيَّةٌ فَدَعَوْهُ فَأَبٰى أَنْ يَّأْكُلَ وَقَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت سعید مقبری (تابعی) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے اور ان کے سامنے بھنی ہوئی بکری رکھی تھی، انہوں نے حضرت ابوہریرۃ کو بھی بلایا لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ رسول کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور کبھی آپ نے جَو کی روٹی سے بھی اپنا

[1] اخرجه البخاري: ۷/۹۶، ومسلم: ۲/۵۸۹ [2] المرقات: ۹/۸۹ [3] اخرجه البخاري: ۷/۹۶

پیٹ نہیں بھرا لہٰذا یہ کیسے گوارا ہوسکتا ہے کہ میں بھنی بکری جیسی لذیذ غذا سے اپنا پیٹ بھروں جبکہ حضور کو پیٹ بھر جو کی روٹی بھی میسر نہ ہوتی تھی۔ (بخاری)

"مَصْلِيَّةٌ" یہ لفظ مَرْمِيَّةٌ مجهلية کے وزن پر ہے بھنی ہوئی بکری کو کہتے ہیں۔ [۱]

آنحضرت ﷺ نے قرض بھی لیا ہے

﴿۹﴾وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ مَشٰى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزِ شَعِيْرٍ وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ وَلَقَدْ رَهَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْعًا لَهُ بِالْمَدِيْنَةِ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ وَأَخَذَ مِنْهُ شَعِيْرًا لِأَهْلِهِ وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَا أَمْسٰى عِنْدَ آلِ مُحَمَّدٍ صَاعُ بُرٍّ وَلَا صَاعُ حَبٍّ وَإِنَّ عِنْدَهُ لَتِسْعَ نِسْوَةٍ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جو کی روٹی اور ایسی چربی لے کر آئے جو زیادہ دن رکھی رہنے کی وجہ سے بدبودار ہوگئی تھی، نیز (حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی نے) بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ) اپنی زرہ مدینہ میں ایک یہودی کے پاس گروی رکھ کر اس سے اپنے اہل بیت کے لئے کچھ جو لئے۔ حضرت انس سے روایت کرنے والے نے یہ بھی بیان کیا کہ میں نے حضرت انس کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ محمد ﷺ کے اہل بیت کی ایسی کوئی شام نہیں ہوتی تھی جس میں ان کے پاس ایک صاع گیہوں یا کوئی اور غلہ رہتا ہو جبکہ حضور ﷺ کی نو بیویاں تھیں۔ (بخاری)

توضیح: "اهالة سنخة" اهالة چربی کو کہتے ہیں خواہ جامد ہو یا مائع ہو اسی طرح دنبہ کی لم کا گوشت اور اس کا تیل بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں "کل دهن یؤتدم به" یعنی ہر تیل جو بطور سالن استعمال کیا جاسکتا ہو۔ [۳]

سنخة کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تغیر آگیا تھا دیر تک رکھا رہنے سے اس کا رائحہ متغیر ہوگیا تھا گویا معمولی سی بدبو محسوس ہورہی تھی۔ اس قسم کی چربی وغیرہ عام قبائلی لوگ کھاتے ہیں یہ سڑا ہوا گوشت نہیں ہوتا صرف دیر تک رہنے سے ایک قسم کی بو پیدا ہوجاتی ہے۔ [۴]

"رهن درعاً" آنحضرت ﷺ نے یہ معاملہ یہودی کے ساتھ کیا تو شاید مسلمانوں میں کوئی ملا نہیں ہوگا یا بیان جواز کے لئے یہودی کو اختیار کیا "صاع" یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ تو اپنی ازواج کے لئے سال بھر کا خرچ پہلے دیتے تھے جیسے دوسری احادیث میں مذکور ہے یہاں کیسے فرمایا کہ ایک صاع گندم یا غلہ نہیں ہوتا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حالت ابتداء اسلام میں تھی خواہ مکہ میں ہو یا مدینہ میں ہو، پھر جب وسعت آگئی تو آپ ﷺ سال بھر کا خرچ دیتے تھے کچھ ازواج نے قبول کیا اور کچھ نے فاقوں کو اختیار کیا۔ یہ جواب بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں آل کا لفظ مقحم اور زائد ہو مطلب یہ کہ یہ معاملہ محمد ﷺ کا اپنا تھا کہ آپ کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا بہر حال یہ فقر اختیاری تھا۔ [۵]

---

[۱] المرقات: ۹/۹۰ [۲] اخرجه البخاری: ۲/۱۸۳ [۳] المرقات: ۹/۹۰ [۴] المرقات: ۹/۹۰ [۵] المرقات: ۹/۹۰،۹۱

دنیا کی فراوانی شیوۂ کفار ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلَى رِمَالِ حَصِيْرٍ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ فِرَاشٌ قَدْ أَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهِ مُتَّكِئاً عَلَى وِسَادَةٍ مِّنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيْفٌ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ أُدْعُ اللهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلَى أُمَّتِكَ فَإِنَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ قَدْ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ لَايَعْبُدُوْنَ اللهَ فَقَالَ أَوَفِيْ هٰذَا أَنْتَ يَاابْنَ الْخَطَّابِ أُولٰئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِيْ رِوَايَةٍ أَمَاتَرْضَى أَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْآخِرَةُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضور کھجور کے پات کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے آپ کے بدن مبارک اور چٹائی کے درمیان کوئی بچھونا وغیرہ نہیں تھا جس کی وجہ سے حضور ﷺ کے پہلوئے مبارک پر چٹائی نے بدھیاں ڈال دی تھیں، نیز آپ نے سر مبارک کے نیچے جو تکیہ رکھ رکھا تھا وہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہیں فرماتے کہ وہ آپ کی امت کو مالی وسعت و فراخی عطا فرمائے؟ فارس و روم کے لوگوں کو کس قدر مال و دوسعت و فراخی عطا کی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی نہیں کرتے، حضور ﷺ نے فرمایا، ابن خطاب! یہ تم کیا کہہ رہے ہو کیا تم ابھی اسی جگہ پر ہو (جہاں سے تم شروع میں چلے تھے) یہ وہ لوگ ہیں جن کو تمام نعمتیں اور خوبیاں بس ان کی دنیاوی زندگی ہی میں دے دی گئی ہیں۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ کیا تم اس پر راضی و مطمئن نہیں ہو کہ ان کو دنیا ملے اور ہمیں آخرت ملے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "رمال حصیر" رمال میں را پر کسرہ اور ضمہ دونوں جائز ہیں یہ جمع ہے اس کا مفرد رمیل ہے جو مرمول کے معنی میں ہے اور مرمول منسوج کے معنی میں اور منسوج کا ترجمہ بٹنا ہے یعنی بٹی ہوئی رسی، پھر رمال مضاف ہے حصیر کی طرف اور حصیر چٹائی کو کہتے ہیں ای **رمال من حصیر** چٹائی جب بنائی جاتی ہے تو اس میں کبھی کبھی رسیاں استعمال ہوتی ہیں، کبھی صرف تنکے جوڑے جاتے ہیں تنکوں سے بنی ہوتی چٹائی کچھ نرم اور بہتر ہوتی ہے لیکن رسیوں سے بنائی ہوئی چٹائی سخت ہوتی ہے کیونکہ یہ بٹی ہوئی رسیاں ابھری ہوئی ہوتی ہیں جو جسم میں چبھ جاتی ہیں اور جسم میں نشان پڑ جاتے ہیں یہاں اسی قسم کی چٹائی کا نقشہ پیش کیا گیا ہے کہ بٹی ہوئی رسیوں کی چٹائی تھی اور اس پر کوئی بستر نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے جسم پر نشان پڑ گئے تھے۔[۲]

"حشوها" یعنی تکیہ میں جو کچھ بھرا ہوا تھا وہ روئی یا کوئی نرم چیز نہیں تھی بلکہ تکیہ کے اندر کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔[۳]
"لیف" کھجور کی چھال کو کہتے ہیں **"انت یا ابن الخطاب"** یعنی یہ سوال تو کسی چھوٹے مرتبہ والے آدمی کو بھی نہیں کرنا

[۱] اخرجه البخاری: ۱/۳۳ ومسلم: ۱/۴۲۳ [۲] المرقات: ۹/۹۱، ۹۲ [۳] المرقات: ۹/۹۲

چاہئے تھا خطاب کے بیٹے تیری شان تو اونچی ہے تجھے یہ سوال نہیں کرنا چاہئے تھا۔ کروڑوں درود اور کروڑوں سلام ہوں ایسے عظیم پیغمبر پر! ؎ ع

سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

طلباء اصحاب صفہ کی ناداری

﴿۱۱﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ سَبْعِينَ مِنْ أَصْحَابِ الصُّفَّةِ مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ عَلَيْهِ رِدَاءٌ إِمَّا إِزَارٌ وَإِمَّا كِسَاءٌ قَدْ رَبَطُوا فِي أَعْنَاقِهِمْ فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ نِصْفَ السَّاقَيْنِ وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الْكَعْبَيْنِ فَيَجْمَعُهُ بِيَدِهِ كَرَاهِيَةَ أَنْ تُرَى عَوْرَتُهُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) ؎

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے ستر افراد کو دیکھا جن میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا کہ اس کے پاس کوئی چادر ہو یا تو تہبند تھا یا کملی تھی جس کو وہ اپنی گردنوں میں باندھ لیتے تھے ان تہبند اور کملیوں میں سے بعض تو ایسے تھے جو صرف آدھی پنڈلیوں تک آتے تھے اور بعض ایسے تھے جو دونوں ٹخنوں تک پہنچ جاتے تھے چنانچہ جب کوئی شخص سجدہ میں جاتا تو وہ اس خوف سے کہ کہیں اس کا ستر نہ کھل جائے اپنے اس تہبند یا کملی کو ہاتھ سے پکڑے رہتا تھا۔ (بخاری)

دنیاداری کے حوالہ سے اپنے سے کمتر پر نظر رکھو

﴿۱۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ انْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزْدَرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ) ؎

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو شخص کسی ایسے آدمی کو دیکھے جو اس سے زیادہ مالدار اور اس سے زیادہ اچھی شکل وصورت کا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اس آدمی پر نظر ڈالے جو اس سے کمتر درجہ کا ہو۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا: تم اس شخص کو دیکھو جو مرتبہ میں تم سے کمتر ہے، اس شخص کی طرف نہ دیکھو جو مرتبہ میں تم سے بڑا ہے، پس ایسا کرنا تمہارے لئے نہایت مناسب ہے تاکہ تم اس نعمت کو جو خدا نے تمہیں دی ہے، حقیر نہ جانو۔

توضیح: "اسفل منه" یعنی ایک شخص متوسط طبقہ سے تعلق رکھتا ہے اس سے زائد مال والے بھی ہیں اور کم مال والے بھی ہیں اس کو چاہئے کہ جب اپنے سے بڑے مالدار کی شان وشوکت کو دیکھے تو حرص ولالچ میں اس کی طرف آنکھیں

؎ المرقات: ۹/۹۲ ؎ اخرجه البخاري: ۱/۵۳۶ ؎ اخرجه البخاري: ۸/۱۲۸ ومسلم: ۲/۵۸۴

پھاڑ پھاڑ کر منہ سے واہ واہ نہ کرے بلکہ دنیا کے حوالہ سے جو اس سے کم تر لوگ ہیں ان کو دیکھے اور خدا کا شکر ادا کرے ہاں دین کے حوالہ سے اپنے سے بڑے کو دیکھے اور اس تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ اگر ایسا نہیں کرے گا تو خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری نہ ہو جائے۔

"ازدرأ" اسی تحقیر و توہین اور ناقدری کے معنی میں ہے۔[1]

الفصل الثانی

فقراء و مساکین کی فضیلت

﴿۱۳﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْأَغْنِيَاءِ بِخَمْسِ مِائَةِ عَامٍ نِصْفِ يَوْمٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا فقراء جنت میں اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے جو آدھے دن کے برابر ہے۔ (ترمذی)

﴿۱۴﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُمَّ أَحْيِنِيْ مِسْكِيْناً وَّأَمِتْنِيْ مِسْكِيْناً وَّاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ لِمَ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ إِنَّهُمْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمْ بِأَرْبَعِيْنَ خَرِيْفاً يَاعَائِشَةُ لَا تَرُدِّي الْمِسْكِيْنَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ يَاعَائِشَةُ أَحِبِّي الْمَسَاكِيْنَ وَقَرِّبِيْهِمْ فَإِنَّ اللهَ يُقَرِّبُكِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ إِلَى قَوْلِهِ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنَ)۔[3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ دعا فرمائی اے اللہ! مجھ کو مسکین بنا کر زندہ رکھ، مسکینی ہی کی حالت میں مجھے موت دے اور مسکینوں ہی کے زمرہ میں میرا حشر فرما، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ! آپ ایسی دعا کیوں کرتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا اس لئے کہ مساکین دولتمندوں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے! دیکھو عائشہ! کسی مسکین کو اپنے دروازے سے ناامید نہ جانے دینا اگرچہ اس کو دینے کے لئے تمہارے پاس کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ عائشہ (اپنے دل میں) مسکینوں کی محبت رکھو اور ان کو اپنی (مجلسوں اور محفلوں کی) قربت سے نوازو اگر تم ایسا کرو گی تو اللہ تعالیٰ تم کو قیامت کے دن اپنی قربت سے نوازے گا۔ ترمذی، بیہقی اور ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت ابوسعید سے صرف "زمرۃ المساکین" تک نقل کیا ہے۔

[1] المرقات: ۹/۹۵ [2] اخرجه البخاري: ۴/۵۷۷ [3] اخرجه الترمذي: ۴/۵۷۷ والبيهقي

معاشرہ کا کمزور طبقہ باعث برکت ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْغُوْنِي فِي ضُعَفَائِكُمْ فَإِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ أَوْ تُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابودرداء نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تم لوگ مجھے اپنے کمزور لوگوں میں تلاش کرو کیونکہ تمہیں رزق کا دیا جانا یا یہ فرمایا کہ تمہیں اپنے دشمن کے مقابلہ پر مدد کا ملنا انہی لوگوں کی برکت سے ہے جو تم میں کمزور ہیں۔ (ابوداؤد)

توضیح: "ابغونی" یعنی آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے تم اپنے معاشرہ کے کمزور اور نادار طبقہ میں تلاش کرو مجھے ان کے ہاں پاؤ گے اس جملہ کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ مجھے مالداروں اور طاقتور لوگوں میں تلاش نہ کرو بلکہ میں غریبوں اور کمزوروں کے ساتھ ہوں لہٰذا تم مالداروں کی مجلسوں اور میل جول سے اجتناب کرو۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اگر میری رضا اور میری خوشنودی چاہتے ہو تو غریب نادار اور کمزور لوگوں کی مدد کرو اور ان کی خوشنودی حاصل کرو۔[2]

"او تنصرون" یہاں او کا لفظ تنویع کے لئے ہے چنانچہ بعض روایات میں واؤ ہے جو اس کی تائید ہے تاہم یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں او شک کے لئے ہو اور راوی کو شک ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے کونسا لفظ ارشاد فرمایا تھا۔[3] "بضعفائکم" یعنی اللہ تعالیٰ ان ناداروں اور کمزور لوگوں کی برکت سے میدان جنگ میں تمہاری مدد کرتا ہے اور انہیں ناداروں کی برکت سے تمہیں روزی عطا کرتا ہے کیونکہ یہ بظاہر تو سیدھے سادھے لوگ ہیں لیکن ان کے اندر بڑے اللہ والے لوگ ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عام انسانوں پر رحمت وشفقت فرماتے ہیں، آنے والی حدیث میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔[4]

آنحضرت ﷺ فقراء مہاجرین کو فتح کا ذریعہ بناتے تھے

﴿۱۶﴾ وَعَنْ أُمَيَّةَ بْنِ خَالِدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أُسَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِيكِ الْمُهَاجِرِيْنَ. (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)[5]

ترجمہ: اور حضرت امیہ ابن خالد ابن عبداللہ ابن اسید نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ فتح حاصل ہونے کے لئے درخواست کرتے تو فقراء مہاجرین کی برکت کے ذریعہ دعا مانگتے۔ (شرح السنہ)

توضیح: "صعالیک" یہ صعلوک کی جمع ہے جس طرح عصافیر عصفور کی جمع ہے اس سے فقیر ومسکین اور کمزور ونادار لوگ مراد ہیں۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب کافروں کے ساتھ جنگ کے موقع پر اللہ تعالیٰ سے نصرت وغلبہ کی دعا فرماتے تو اس میں فقراء مہاجرین کو واسطہ بناتے اور ان کی دعاؤں کو دشمن پر فتح کا ذریعہ بناتے چنانچہ ابن ملک

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۳ [2] المرقات: ۹/۹۹ [3] المرقات: ۹/۹۹ [4] المرقات: ۹/۹۹ [5] اخرجه البغوی فی شرح السنة ۱۳/۲۶۳

فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اس طرح دُعا فرماتے تھے "اللّٰھم انصرنا علی الاعداء بعبادك الفقراء المهاجرين" اس حدیث سے ضعفاء مہاجرین کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ [1]

کسی کافر و فاجر کی خوشحالی پر رشک نہ کرو

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَغْبِطَنَّ فَاجِرًا بِنِعْمَةٍ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا هُوَ لَاقٍ بَعْدَ مَوْتِهِ إِنَّ لَهُ عِنْدَ اللهِ قَاتِلًا لَا يَمُوْتُ يَعْنِي النَّارَ. (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ کسی فاجر کو دنیاوی نعمتوں سے مالا مال دیکھ کر اس پر رشک نہ کرو کیونکہ تم نہیں جانتے جس کے لئے موت اور فنا نہیں ہے کہ مرنے کے بعد اس کو کیا کیا پیش آنے والا ہے اور فاجر کے لئے خدا کے یہاں ایک ایسا قاتل ہے جو موت فنا نہیں ہے اور اس قاتل سے حضور ﷺ کی مراد آگ ہے۔ (شرح السنہ)

توضیح: "قاتلا" یعنی مارنے اور قتل کرنے والا ایسا عذاب ہوگا کہ وہ عذاب نہ خود مریگا اور نہ فنا ہوگا اس سے دوزخ کی آگ مراد ہے، حدیث کی تعلیم یہ ہے کہ آخرت سے غافل فاسق فاجر مالدار کی آسودہ حالی اور شان وشوکت کو نہ دیکھو اور نہ اس پر رشک کرو کیونکہ اس کے لئے آنے والے حالات بہت سخت ہیں۔ [3]

﴿۱۸﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَسَنَتُهُ وَإِذَا فَارَقَ الدُّنْيَا فَارَقَ السِّجْنَ وَالسَّنَةَ. (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ) [4]

ترجمہ: اور حضرت عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور قحط ہے جب وہ مؤمن دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو قید خانہ اور قحط سے نجات پاتا ہے۔ (شرح السنہ)

توضیح: یعنی دنیا کی سخت پابندی اور راستہ پھونک پھونک کر چلنا مؤمن کے لئے بمنزلہ قید خانہ ہے لیکن جب دنیا سے مؤمن اٹھ کر چلا جائیگا تو قید خانہ سے چھوٹ کر آرام وراحت میں پہنچ جائے گا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ [5]

کون کہتا ہے کہ مؤمن مرگیا قید سے چھوٹا وہ اپنے گھر گیا

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو دنیا سے دور رکھتا ہے

﴿۱۹﴾ وَعَنْ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَحَبَّ اللهُ عَبْدًا حَمَاهُ

[1] المرقات: ۹/۱۰۰ [2] اخرجه البغوي في شرح السنة ۱۴/۲۹۳ [3] المرقات: ۹/۱۰۱
[4] اخرجه البغوي في شرح السنة ۱۴/۲۹۷ [5] المرقات: ۹/۱۰۱

الدُّنْيَا كَمَا يَظَلُّ أَحَدُكُمْ يَحْمِيْ سَقِيْمَهُ الْمَاءَ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت قتادہ ابن نعمان سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو دنیا سے بچاتا ہے جس طرح کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے مریض کو پانی سے بچاتا ہے۔ (احمد)

﴿۲۰﴾ وَعَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اثْنَتَانِ يَكْرَهُهُمَا ابْنُ آدَمَ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ وَقِلَّةُ الْمَالِ أَقَلُّ لِلْحِسَابِ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دو چیزیں ایسی ہیں جن کو ابن آدم ناپسند کرتا ہے چنانچہ انسان ایک تو موت کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ مؤمن کے لئے موت فتنہ سے بہتر ہے، دوسرے مال و دولت کی کمی کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ مال کی کمی حساب کی کمی کا موجب ہے۔ (احمد)

مورخہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

عشق مصطفیٰ کا تقاضا

﴿۲۱﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّيْ أُحِبُّكَ قَالَ أُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ فَقَالَ وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأُحِبُّكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا فَأَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا لَلْفَقْرُ أَسْرَعُ إِلَى مَنْ يُحِبُّنِيْ مِنَ السَّيْلِ إِلَى مُنْتَهَاهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں آپ سے محبت رکھتا ہوں! حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ دیکھ لو کیا کہہ رہے ہو؟ اس شخص نے عرض کیا کہ خدا کی قسم میں آپ سے محبت رکھتا ہوں اور تین بار اس جملہ کو ادا کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو پھر فقر کے لئے پاکھر تیار کر لو کیونکہ جو شخص مجھ سے محبت رکھتا ہے اس کو فقر و افلاس اس پانی کے بہاؤ سے بھی زیادہ جلد پہنچتا ہے جو اپنے منتہا کی طرف جاتا ہے۔ اس حدیث کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "تجفافا" تجفاف کے تا پر کسرہ ہے اور جیم ساکن ہے اور فا پر فتحہ ہے دشمن سے جنگ کے دوران گھوڑے کو ایک اسلحہ پہنایا جاتا ہے جس سے گھوڑا دشمن کے وار سے محفوظ رہتا ہے جس طرح زرہ، انسان کے جسم کو محفوظ رکھتی ہے اسی طرح یہ ایک قسم زرہ ہے جو گھوڑے کے جسم کو دشمن کے زخم سے بچاتی ہے اس آلہ کو اردو میں پاکھر کہتے ہیں، یہاں تجفاف

[1] اخرجه الترمذي: ۴/۳۸۱ [2] اخرجه احمد: ۵/۴۲۷ [3] اخرجه الترمذي: ۴/۵۷۶

سے مصائب پر صبر کرنا اور مصائب کو برداشت کرنا مراد ہے کہ عشق مصطفیٰ کا تقاضہ یہ ہے کہ دین مصطفیٰ کی ترقی اور حفاظت کے لئے ہر قسم قربانی پر صبر کرنا چاہئے اس میں فقر و فاقہ بھی شامل ہے اور دشمن سے مقابلہ بھی شامل ہے یعنی محبت کا دعویٰ کرتے ہی مصائب سہنے کے لئے کمر کس لو کیونکہ آنحضرت ﷺ سے محبت کے سچے دعویٰ پر اس شخص کی طرف مصائب ایسے دوڑ کر آتے ہیں جس طرح نشیب کی طرف زوردار سیلاب جاتا ہے اس حدیث کی روشنی میں جب ہم بریلوی حضرات کو دیکھتے ہیں تو ان کی مشاہداتی زندگی بتاتی ہے کہ وہ عشق مصطفیٰ کے دعوے میں جھوٹے ہیں کیونکہ سچے عاشق کا نعرہ تو یہ ہوتا ہے۔[1]

سکھایا ہے ہمیں اے دوست طیبہ کے والی نے
کہ بوجہلوں سے ٹکراکر اُبھرنا عین ایماں ہے
جہاں باطل مقابل ہو وہاں نوک سناں سے بھی
برائے دین اسلام رقص کرنا عین ایماں ہے

اللہ کے راستے میں حضور اکرم ﷺ سب سے زیادہ ستائے گئے ہیں

﴿۲۲﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ وَلَقَدْ أُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذَى أَحَدٌ وَلَقَدْ أَتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُوْنَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ وَمَالِيْ وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَأْكُلُهُ ذُوْ كَبِدٍ إِلَّا شَيْءٌ يُوَارِيْهِ إِبْطُ بِلَالٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ قَالَ وَمَعْنٰى هٰذَا الْحَدِيْثِ حِيْنَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَارِبًا مِنْ مَكَّةَ وَمَعَهُ بِلَالٌ إِنَّمَا كَانَ مَعَ بِلَالٍ مِنَ الطَّعَامِ مَا يَحْمِلُ تَحْتَ إِبْطِهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا خدا کی راہ میں جس قدر مجھ کو خوف و دہشت میں مبتلا کیا گیا اس قدر کسی اور کو خوف و دہشت میں مبتلا نہیں کیا گیا، اور خدا کی راہ میں جتنی ایذا رسانیوں سے میں دوچار ہوا ہوں اتنی ایذاء رسانیوں سے کوئی اور دوچار نہیں ہوا ہے۔ بلاشبہ مجھ پر متواتر تیس دن اور تیس راتیں ایسی گذری ہیں جن میں میرے اور بلال کے لئے کھانے پینے کا ایسا کوئی سامان نہیں تھا جس کو کوئی جگر دار کھاتا علاوہ اس نہایت معمولی سی چیز کے جس کو بلال اپنی بغل میں چھپائے رہتے تھے۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث میں حضور ﷺ نے جو صورت حال بیان فرمائی ہے اس کا تعلق اس وقت سے ہے جب حضور ﷺ مکہ سے نکلنے پر مجبور ہو گئے تھے اور اس وقت آپ کے ساتھ حضرت بلال تھے نیز حضرت بلال کے پاس کھانے کی چیزوں میں سے صرف اتنا تھا جس کو وہ اپنی بغل میں دبائے رہتے تھے۔

"هاربا من مكة" یہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا واقعہ نہیں ہے نہ طائف کے سفر کا واقعہ ہے کوئی دوسرا واقعہ ہے جس میں حضرت بلال ساتھ تھے۔[3]

[1] المرقات: ۹/۱۰۲ [2] اخرجه الترمذي: ۴/۶۴۵ [3] المرقات: ۹/۱۰۶

حضور اکرم ﷺ نے پیٹ پر دو پتھر باندھ لئے

﴿۲۳﴾ وَعَنْ أَبِي طَلْحَةَ قَالَ شَكَوْنَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُوْعَ فَرَفَعْنَا عَنْ بُطُوْنِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِهِ عَنْ حَجَرَيْنِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوطلحہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا دکھایا تب حضور ﷺ نے اپنا پیٹ کھولکر دکھایا تو اس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

﴿۲۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ أَصَابَهُمْ جُوْعٌ فَأَعْطَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَمْرَةً تَمْرَةً۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب فقراء صحابہ کو بھوک کی شدت نے پریشان کیا تو رسول کریم ﷺ نے ان کو ایک ایک کھجور عطا فرمائی۔ (ترمذی)

صابر و شاکر کون ہے؟

﴿۲۵﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتَا فِيْهِ كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِرًا صَابِرًا مَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهٖ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهٗ فَاقْتَدٰى بِهٖ وَمَنْ نَظَرَ فِيْ دُنْيَاهُ إِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ فَحَمِدَ اللّٰهَ عَلٰى مَا فَضَّلَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِرًا صَابِرًا وَمَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهٖ إِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ وَنَظَرَ فِيْ دُنْيَاهُ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهٗ فَأَسِفَ عَلٰى مَا فَاتَهٗ مِنْهُ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ شَاكِرًا وَّلَا صَابِرًا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَذُكِرَ حَدِيْثُ أَبِيْ سَعِيْدٍ أَبْشِرُوْا يَا مَعْشَرَ صَعَالِيْكِ الْمُهَاجِرِيْنَ فِيْ بَابٍ بَعْدَ فَضَائِلِ الْقُرْآنِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دو خصلتیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں پائی جاتیں ہیں اس کو اللہ تعالیٰ شاکر و صابر قرار دیتا ہے ایک یہ کہ جب وہ شخص دینی معاملہ میں ایسے آدمی کو دیکھے جو اس سے برتر ہو تو اس کی اقتداء کرے اور دوسرے یہ کہ جب اپنی دنیا کے معاملہ میں اس آدمی کو دیکھے جو اس سے کم تر ہو تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اور اس کا شکر ادا کرے کہ اس نے اس آدمی پر اس کو فضیلت و برتری بخشی ہے پس اللہ تعالیٰ اس شخص

[1] اخرجه الترمذي: ۴/۵۸۵　[2] اخرجه الترمذي: ۴/۶۳۶　[3] اخرجه الترمذي: ۴/۶۶۵

کو صابر وشاکر قرار دیتا ہے اور جو شخص ایسا ہو کہ جب وہ کسی ایسے شخص کو دیکھے جو اس کے دین کے اعتبار سے اس سے کمتر درجہ کا ہو (تو اس کے تئیں عجب وغرور اور تکبر میں مبتلا ہو جائے) اور جب کسی ایسے آدمی کو دیکھے جو اس کی دنیا (یعنی جاہ ومال) کے اعتبار سے اس سے برتر ہو تو (اس کے تئیں رشک وحسد اور حرص وخواہش میں مبتلا ہو جائے اور) اس چیز پر رنج وغم کرے جس سے وہ محروم ہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نہ شاکر قرار دیتا ہے اور نہ صابر۔ (ترمذی) اور حضرت ابوسعید کی روایت "**ابشروا یا معشر صعالیك المهاجر الخ**" اس باب میں نقل کی جاچکی ہے جو فضائل قرآن کے باب کے بعد ہے۔

مورخہ ۱۷ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

الفصل الثالث

فقر وفاقہ پر صبر کرنا بڑا ثواب ہے

﴿۲۶﴾ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو وَسَأَلَهُ رَجُلٌ قَالَ أَلَسْنَا مِنْ فُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ أَلَكَ اِمْرَأَةٌ تَأْوِيْ إِلَيْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ أَلَكَ مَسْكَنٌ تَسْكُنُهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأَنْتَ مِنَ الْأَغْنِيَاءِ قَالَ فَإِنَّ لِيْ خَادِماً قَالَ فَأَنْتَ مِنَ الْمُلُوْكِ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَجَاءَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَنَا عِنْدَهُ فَقَالُوْا يَا أَبَا مُحَمَّدٍ إِنَّا وَاللّٰهِ مَا نَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ لَا نَفَقَةَ وَلَا دَابَّةَ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ لَهُمْ مَا شِئْتُمْ إِنْ شِئْتُمْ رَجَعْتُمْ إِلَيْنَا فَأَعْطَيْنَاكُمْ مَا يَسَّرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَإِنْ شِئْتُمْ ذَكَرْنَا أَمْرَكُمْ لِلسُّلْطَانِ وَإِنْ شِئْتُمْ صَبَرْتُمْ فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِيْنَ يَسْبِقُوْنَ الْأَغْنِيَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى الْجَنَّةِ بِأَرْبَعِيْنَ خَرِيْفاً قَالُوْا فَإِنَّا نَصْبِرُ لَا نَسْأَلُ شَيْئاً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: حضرت ابوعبدالرحمن حُبُلی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص کو فرماتے ہوئے سنا، جبکہ ایک شخص نے ان سے سوال کیا اور کہا کہ کیا ہم ان فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہیں جن کے بارے میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ وہ دولتمندوں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے؟ حضرت عبداللہ نے اس شخص سے پوچھا کہ کیا تم بیوی والے ہو کہ جس کے پاس تمہیں سکون وقرار ملتا ہو؟ اس شخص نے کہا کہ ہاں! پھر حضرت عبداللہ نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس مکان ہے جس میں تم رہائش اختیار کرو؟ اس شخص نے کہا کہ ہاں! مکان بھی ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا تو پھر تم دولتمندوں میں سے ہو۔ اس شخص نے کہا کہ میرے پاس ایک خادم بھی ہے حضرت عبداللہ نے فرمایا تب تو تم بادشاہوں میں سے ہو۔ حضرت ابوعبدالرحمن (راوی) نے یہ بھی

[1] اخرجه مسلم: ۲/۵۱۰

بیان کیا کہ حضرت عبداللہ ابن عمرو کے پاس تین آدمی آئے اس وقت میں بھی ان کی خدمت میں حاضر تھا، ان تینوں نے کہا ابو محمد! بخدا ہم کسی چیز کی استطاعت نہیں رکھتے نہ تو خرچ کرنے کی نہ کسی جانور کی اور نہ کسی دوسرے سامان کی حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اگر تمہاری (یہ) خواہش ہے کہ میں تمہارے ساتھ معاونت کروں اور تمہیں اپنے پاس سے کچھ دوں تو تم لوگ پھر کسی وقت آنا میں تمہیں وہ چیز دوں گا جس کا خدا تمہارے لئے انتظام کردے گا اور اگر تم چاہو تو میں تمہاری حالت بادشاہ (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) سے بیان کردوں اور اگر تم چاہو تو صبر کرو کیونکہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ فقراء مہاجرین قیامت کے دن جنت میں دولتمندوں سے چالیس سال پہلے جائیں گے۔ ان تینوں نے کہا کہ بے شک ہم صبر واستقامت ہی کی راہ اختیار کرتے ہیں اب کچھ نہیں مانگتے۔ (مسلم)

فقراء مہاجرین کی فضیلت

﴿۲۷﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ بَيْنَمَا أَنَا قَاعِدٌ فِي الْمَسْجِدِ وَحَلْقَةٌ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ قُعُوْدٌ إِذْ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَعَدَ إِلَيْهِمْ فَقُمْتُ إِلَيْهِمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُبَشَّرْ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ بِمَا يَسُرُّ وُجُوْهَهُمْ فَإِنَّهُمْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْأَغْنِيَاءِ بِأَرْبَعِيْنَ عَامًا قَالَ فَلَقَدْ رَأَيْتُ أَلْوَانَهُمْ اِسْفَرَّتْ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو حَتّٰى تَمَنَّيْتُ أَنْ أَكُوْنَ مَعَهُمْ أَوْ مِنْهُمْ.

رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو کہتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد (نبوی ﷺ) میں بیٹھے ہوئے تھے اور فقراء مہاجرین کا حلقہ جما ہوا تھا کہ اچانک نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے اور فقراء کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور فقراء کے قریب پہنچ کر ان کی طرف متوجہ ہو گیا چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا فقراء مہاجرین کو وہ بشارت پہنچا دینی ضروری ہے جو ان کو مسرور وشاد ماں بنا دے، پس فقراء مہاجرین جنت میں دولتمندوں سے چالیس سال پہلے داخل ہوں گے۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ بخدا میں نے دیکھا کہ فقراء کا رنگ روشن وتابان ہو گیا پھر حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ یہ دیکھ کر میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہو گئی کہ کاش! میں بھی ان ہی جیسا ہوتا یا یہ کہ ان میں سے ہوتا۔ (دارمی)

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو آنحضرت کی سات نصیحتیں

﴿۲۸﴾ وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ أَمَرَنِيْ خَلِيْلِيْ بِسَبْعٍ أَمَرَنِيْ بِحُبِّ الْمَسَاكِيْنِ وَالدُّنُوِّ مِنْهُمْ وَأَمَرَنِيْ أَنْ أَنْظُرَ إِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنِيْ وَلَا أَنْظُرَ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقِيْ وَأَمَرَنِيْ أَنْ أَصِلَ الرَّحِمَ وَإِنْ أَدْبَرَتْ وَأَمَرَنِيْ أَنْ لَّا أَسْأَلَ

[1] اخرجه الدارمي: ۲۸۴۷

أَحَداً شَيْئاً وَأَمَرَنِي أَنْ أَقُوْلَ بِالْحَقِّ وَإِنْ كَانَ مُرّاً وَأَمَرَنِي أَنْ لَا أَخَافَ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَأَمَرَنِي أَنْ أُكْثِرَ مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ فَإِنَّهُنَّ مِنْ كَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے خلیل (نبی کریم ﷺ) نے مجھ کو سات باتوں کا حکم دیا ہے، چنانچہ آپ نے ایک حکم تو یہ دیا کہ میں فقراء و مساکین سے محبت کروں اور ان سے قربت رکھوں۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ میں اس شخص کی طرف دیکھوں جو مجھ سے کمتر درجہ کا ہے اور اس شخص کی طرف نہ دیکھوں جو (مال و منصب میں) مجھ سے بالاتر ہے، تیسرا حکم یہ دیا کہ میں قرابت داروں سے ناتے داری کو قائم رکھوں اگرچہ کوئی (قرابت دار) ناتے داری کو منقطع کرے، چوتھا حکم یہ دیا کہ میں کسی شخص سے کوئی چیز نہ مانگوں، پانچواں حکم یہ دیا کہ میں حق بات کہوں اگرچہ وہ تلخ اور غیر خوش آیند معلوم ہو، چھٹا حکم یہ دیا کہ میں خدا کے دین کے معاملہ میں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں ملامت کرنے والے کی کسی ملامت سے نہ ڈروں اور ساتواں حکم یہ دیا کہ میں کثرت کے ساتھ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا ورد رکھوں (پھر آپ نے فرمایا کہ) پس یہ ساتوں باتیں اور عادتیں اس خزانہ میں کی ہیں جو عرش الٰہی کے نیچے ہے۔ (احمد)

آنحضرت ﷺ کی مرغوب تین چیزیں

﴿۲۹﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ مِنَ الدُّنْيَا ثَلَاثَةٌ اَلطَّعَامُ وَالنِّسَاءُ وَالطِّيْبُ فَأَصَابَ اثْنَيْنِ وَلَمْ يُصِبْ وَاحِداً أَصَابَ النِّسَاءَ وَالطِّيْبَ وَلَمْ يُصِبِ الطَّعَامَ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ دنیا کی چیزوں میں سے تین چیزیں رسول کریم ﷺ کی نظر میں نہایت پسندیدہ تھیں ایک تو کھانا (کہ جس کے ذریعہ جسم و بدن کو محفوظ و توانا رکھ کر دینی خدمات پر قدرت و طاقت حاصل کی جا سکے) دوسرے عورتیں (کہ جن کے ذریعہ نفس کو برے خیالات سے محفوظ رکھا جا سکے) اور تیسرے خوشبو (کہ جس کے ذریعہ دماغ کو نشاط و تقویت حاصل ہو کیونکہ حکماء کے قول کے مطابق عقل و فراست کا مخزن دماغ ہی ہے) چنانچہ ان تینوں چیزوں میں سے دو چیزیں تو حضور ﷺ کو حاصل ہوئیں اور ایک چیز حاصل نہیں ہوئی یعنی ایک تو عورتیں آپ کو زیادہ ملیں اور دوسرے خوشبو آپ کو بہت ملی لیکن تیسری چیز کھانا آپ کو (زیادہ) نہیں ملا۔ (احمد)

﴿۳۰﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُبِّبَ إِلَيَّ الطِّيْبُ وَالنِّسَاءُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ ابْنُ الْجَوْزِيِّ بَعْدَ قَوْلِهِ حُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا)[3]

[1] اخرجه احمد: ۵/۱۵۹ [2] اخرجه احمد: ۶/۷۲ [3] اخرجه احمد ۳/۱۲۸ والنسائی ۷/۶۱

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا خوشبو اور عورتیں میرے لئے پسندیدہ بنائی گئی ہیں اور میرا قلبی سکون ونشاط نماز میں رکھا گیا ہے (احمد ونسائی) اور ابن جوزی نے اس ارشاد میں حبب الی کے بعد من الدنیا کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔

تن آسانی اللہ والوں کی شان کے منافی ہے

﴿۳۱﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ بِهٖ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ إِيَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ فَإِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت معاذ ابن جبل سے روایت ہے کہ جب انہیں رسول کریم ﷺ نے (قاضی بنا کر) یمن بھیجا تو ان کو یہ نصیحت بھی فرمائی کہ "اپنے آپ کو راحت طلبی اور تن آسانی سے بچانا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بندگان خاص آرام وآسائش کی زندگی نہیں گزارتے۔ (احمد)

اگر مال زیادہ ہے تو پھر عبادت بھی زیادہ کرنی پڑے گی

﴿۳۲﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَضِيَ مِنَ اللّٰهِ بِالْيَسِيْرِ مِنَ الرِّزْقِ رَضِيَ اللّٰهُ مِنْهُ بِالْقَلِيْلِ مِنَ الْعَمَلِ.[۲]

ترجمہ: اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص تھوڑے سے رزق پر اللہ سے راضی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے تھوڑے سے عمل پر راضی ہو جاتا ہے۔

فقر وفاقہ کے چھپانے کی فضیلت

﴿۳۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاعَ أَوِ احْتَاجَ فَكَتَمَهُ النَّاسَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَرْزُقَهُ رِزْقَ سَنَةٍ مِنْ حَلَالٍ. (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص بھوکا ہو یا (کسی چیز کا) محتاج ہو اور اپنی اس بھوک ومحتاجگی کو لوگوں سے چھپائے تو اللہ تعالیٰ کا یہ یقینی وعدہ ہے کہ وہ اس شخص کو حلال طریقہ پر ایک سال کا رزق پہنچائے گا۔ ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

[۱] اخرجه احمد ۵/۲۴۳ [۲] اخرجه البیهقی ۴/۱۳۹ [۳] اخرجه البیهقی ۷/۲۱۵

غریب عیالدار اللہ تعالیٰ کو پسند ہے

﴿۳۴﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ الْفَقِيْرَ الْمُتَعَفِّفَ أَبَا الْعِيَالِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس مسلمان کو محبوب رکھتا ہے جو مفلس پارسا اور عیالدار ہو۔ (ابن ماجہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کمال تقویٰ

﴿۳۵﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ اسْتَسْقَى يَوْماً عُمَرُ فَجِيْئَ بِمَاءٍ قَدْ شِيْبَ بِعَسَلٍ فَقَالَ إِنَّهُ لَطَيِّبٌ لٰكِنِّيْ أَسْمَعُ اللهَ عَزَّوَجَلَّ نَعٰى عَلٰى قَوْمٍ شَهَوَاتِهِمْ فَقَالَ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَأَخَافُ أَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا فَلَمْ يَشْرَبْهُ. (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

ترجمہ: اور حضرت زید ابن اسلم (تابعی) کہتے ہیں کہ ایک دن امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پینے کے لئے پانی مانگا تو ان کی خدمت میں جو پانی پیش کیا گیا اس میں شہد ملا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یقیناً یہ پانی پاک وحلال اور نہایت خوشگوار ہے لیکن میں اس کو نہیں پیوں گا کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں سنتا اور جانتا ہوں کہ اس نے ایک قوم کو خواہش نفس کی اتباع کا ملزم گردانا اور فرمایا کہ تم نے اس دنیاوی زندگی میں اپنی لذتوں اور نعمتوں کو پالیا اور ان سے پورا پورا فائدہ حاصل کر لیا لہٰذا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ہماری نیکیاں بھی ایسی نہ ہوں جن کا اجر وثواب جلد ہی ہمیں دے دیا جائے چنانچہ حضرت عمر نے شہد ملا ہوا وہ پانی نہیں پیا۔ (رزین)

ابتداء اسلام میں فقر کا ایک نقشہ

﴿۳۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَا شَبِعْنَا مِنْ تَمْرٍ حَتّٰى فَتَحْنَا خَيْبَرَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے فقر وافلاس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کھجوروں سے کبھی پیٹ نہیں بھرا یہاں تک کہ ہم نے خیبر کو فتح کر لیا تب ہمیں پیٹ بھر کھانے کو کھجوریں ملیں۔ (بخاری)

---

[1] اخرجه ابن ماجه ۲/۱۳۸۰ [2] اخرجه البخاري ۵/۱۷۸

مورخہ ۲۲ ربیع ثانی ۱۴۱۷ھ

باب الأمل والحرص

آرزو اور حرص کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿ذرهم يأكلوا ويتمتعوا ويلههم الأمل فسوف يعلمون﴾ (حجر ۳)[۱]

"الأمل" لمبی لمبی اُمیدوں کے باندھنے اور طویل آرزوؤں کے قطار لگانے اور ان کے لئے منصوبہ سازی کرنے کا نام امل ہے، امل کا تعلق دنیوی زندگی سے ہے یہاں امل سے دنیاوی اُمور خوشحال زندگی اور مخصوص دنیوی عیش وعشرت اور مستقبل کی ترقی وکامیابی کی طویل اُمیدیں مراد ہیں کہ آدمی ان خیالی منصوبوں کی توسیع پسندی میں اس طرح غافل ہوجائے کہ موت کی یاد اور آخرت کی زندگی کی تیاری سے بالکل الگ ہوکر رہ جائے اور اس مصرعہ کا مصداق بن جائے۔[۲]

ع تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **﴿ذرهم يأكلوا ويتمتعوا ويلههم الامل فسوف يعلمون﴾**[۳] یعنی ان کافروں اور غافلوں کو آپ چھوڑ دیں کہ یہ کھالیں، فائدہ اُٹھالیں، لمبی اُمیدیں باندھ لیں پھر عنقریب جان لیں گے۔ ہاں اگر کوئی شخص علم دین کے سیکھنے سکھانے اور اس کی ترقی اور کامیابی کے لئے طویل اُمیدیں اور تمنائیں کرتا ہے تو وہ جائز بلکہ قابل ستائش ہے۔

"الحرص" طویل ارادوں کے حصول اور انکی لالچ کو حرص کہتے ہیں، حرص کا تعلق بھلائی اور برائی دونوں سے ہوسکتا ہے بھلائی میں حرص کرنا، اچھے ارادوں کی تمنا کرنا یہ مذموم نہیں ہے ارشاد عالی ہے[۴] **﴿ان تحرص على هداهم. حريص عليكم بالمؤمنين رؤف الرحيم﴾**[۵] مگر نفسانی خواہشات کو پورا کرنا، دنیا کی ہر چیز کی فراوانی میں حرص کرنا، جائز حدود سے گذر کر مقاصد کو ناجائز طریقہ سے حاصل کرنا، یہ حرص ولالچ مذموم اور بری چیز ہے شریعت نے اسی حرص کو مکروہ قرار دیا ہے چنانچہ اس باب کی احادیث اسی حرص کی مذمت میں وارد ہیں، قاموس میں لکھا ہے کہ بدترین حرص وہ ہے کہ آدمی اپنا حصہ حاصل کرلے اور پھر غیر کے حصہ کی طمع اور لالچ میں لگا رہے۔ خلاصہ یہ کہ نیک اُمور جیسے حصول علم وعمل اور دین کی سربلندی میں حرص کرنا اور اس کی ترقی کی تمنا کرنا اچھی چیز ہے، اس کے علاوہ میں حرص بری چیز ہے۔

انسان کی آرزوؤں اور اس کی موت کا عملی نقشہ

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ خَطَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ خَطًّا مُرَبَّعاً وَخَطَّ خَطًّا فِي الْوَسَطِ خَارِجاً

---

[۱] حجر ۳ [۲] المرقات ۹/۱۱۹ [۳] الحجر ۳ [۴] المرقات ۹/۱۱۹ [۵] نحل ۳۷، توبہ: ۱۲۸

مِنْهُ وَخَطَّ خَطَطاً صِغَاراً إِلَى هٰذَا الَّذِيْ فِي الْوَسَطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِيْ فِي الْوَسَطِ فَقَالَ هٰذَا الْإِنْسَانُ وَهٰذَا أَجَلُهُ مُحِيْطٌ بِهِ وَهٰذَا الَّذِيْ هُوَخَارِجٌ أَمَلُهُ وَهٰذِهِ الْخُطَطُ الصِّغَارُ الْأَعْرَاضُ فَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَسَهُ هٰذَا وَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَسَهُ هٰذَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے ہمارے سمجھانے کے لئے چار خط کھینچ کرایک مربع بنایا، پھراس مربع کے درمیان ایک اور خط کھینچا جو مربع سے باہر نکلا ہوا تھا اس کے بعد آپ نے اس درمیانی خط کے اس حصہ کی طرف جو (مربع کے) خطوں کے درمیان تھا چھوٹے چھوٹے کئی خطوط کھینچے اور پھر فرمایا اس خاکہ کو اچھی طرح سمجھ لو! درمیانی خط کا یہ حصہ کہ جو مربع کے خطوں کے درمیان ہے، گویا انسان ہے، اور یہ خط اس انسان کی موت ہے اور درمیانی خط کا یہ حصہ جو مربع سے باہر نکلا ہوا ہے اس انسان کی آرزو اور تمنا ہے اور درمیانی خط کے اندرونی حصہ پر جو یہ چھوٹے چھوٹے خطوط ہیں وہ عوارض ہیں پس اگر وہ کسی ایک حادثہ وعارضہ سے بچ جاتا ہے تو دوسرا حادثہ وعارضہ اس کو گھیر لیتا ہے، اگر اس حادثہ وعارضہ سے بھی بچ نکلتا ہے تو پھر تیسرا حادثہ اس کو گھیر لیتا ہے۔ (بخاری)

توضیح: "خط النبی" انسان اور اس کی موت اور اس کی تمناؤں کا نقشہ خود آنحضرت ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے خاک پر بنایا اور انسان کو خوب سمجھایا، شارحین حدیث نے اس حدیث کے مطابق اس نقشہ کو اس طرح بنایا ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اندر کے چھوٹے خطوط سات سات بنائے ہیں اور فرمایا کہ انسان کے بڑے سات اعضاء ہیں لہٰذا یہ نقشہ راجح ہے نقشہ یہ ہے۔

	موت	
	عوارض	موت
موت	انسان	امل
	عوارض	
	موت	

اس حدیث کا حاصل ومطلب یہ ہے کہ انسان طرح طرح کی تمناؤں میں مبتلا رہتا ہے اور ہر وقت اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ فلاں آرزو پوری ہو جائے، فلاں پوری ہو جائے مگر خود یہ انسان موت کے مربع خط میں گھرا پڑا ہے چاروں طرف سے یہ بیچارہ موت کے گھیرے میں ہے اس کے باوجود تعجب کی بات ہے کہ اس کی بعض اُمیدیں اور تمنائیں ایسی ہیں جو موت کے مربع خط سے باہر ہیں اب اگر یہ انسان اپنی تمناؤں کو پورا کرنا چاہتا ہے تو پہلے تو اس کے جسم سے بہت سارے حوادثات اور عوارضات لگے ہوئے ہیں چنانچہ یہ انسان بھوک وافلاس اور آفات وبلیات کی موجوں میں اندر اندر غوطے لے رہا ہے ہر حادثہ ایسا ہے کہ موت سے کم نہیں ہے اور وہ مسلسل اس پر حملے کرتے رہتے ہیں اگر یہ انسان ان عوارضات سے بچ نکلنے میں

[1] اخرجه البخاري: ۸/۱۱۰

کامیاب ہو بھی جاتا ہے اور اپنی تمنا کی طرف لپک کر جاتا بھی ہے تو پھر بھی اپنی تمنا کو نہیں پا سکتا کیونکہ اس کی تمنا اور اس کے درمیان موت کی ایسی دیوار کھڑی ہے جو اس کو آگے بڑھنے نہیں دیتی اور موت قریب سے آ کر اس کو دبوچ لیتی ہے۔ [1]

"خط اقرب" سے موت مراد ہے ساتھ والی حدیث نمبر ۲ کا مضمون اور توضیح بھی اسی طرح ہے۔

"لَنَهَسَهُ" دانتوں سے کاٹنے اور ڈنگ مارنے کو نھس کہتے ہیں۔ [2]

﴿۲﴾وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ خَطَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطُوطًا فَقَالَ هٰذَا الْأَمَلُ وَهٰذَا أَجَلُهُ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ جَاءَهُ الْخَطُّ الْأَقْرَبُ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) [3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی خط کھینچے پھر فرمایا کہ درمیانی خط کا یہ حصہ انسان کی آرزو ہے اور یہ خط اس کی موت ہے پس انسان اسی حالت میں رہتا ہے کہ اچانک موت کا خط اس کو آ دبوچتا ہے جو اس کے زیادہ قریب ہے۔ (بخاری)

آدمی بوڑھا حرص جوان

﴿۳﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَيَشِبُّ مِنْهُ اثْنَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمْرِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [4]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان خود تو بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اس میں دو چیزیں جوان اور قوی ہو جاتی ہیں، ایک تو مال کی حرص اور دوسرے درازیٔ عمر کی آرزو۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "یھرم" ھرم بڑھاپے کو کہتے ہیں اور یشب جوان ہونے کو کہتے ہیں، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان جتنا بوڑھا ہوتا جاتا ہے اتنا ہی اس میں دو چیزیں جوان ہوتی چلی جاتی ہیں: اول مال کی حرص دوم طول عمر کی حرص یعنی عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے دنیا کی چیزوں پر انسان کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی مگر ہوتا یہ ہے کہ جسمانی ساری قوتیں کمزور پڑ جانے کے باوجود انسانی طبیعت میں دو خصلتیں جوان ہوتی چلی جاتی ہیں ایک مالی حرص، دوسرا عمر کی حرص، اس میں اس بوڑھے انسان کی گرفت ڈھیلی پڑنے کے بجائے مزید مضبوط ہو جاتی ہے گویا آدمی بوڑھا حرص جوان، کسی شاعر نے اپنی لغت میں اپنے ذوق پر کہا: [5]

دہ عمر ونہ م زندہ شوہ دہ حرص ونہ م لا اوس سپری کلونہ

یعنی میری زندگی کا درخت تو بوڑھا ہو گیا مگر حرص کا درخت بہار کی جوبن میں اپنی پھول کلیاں دکھلا رہا ہے

[1] المرقات: ۹/۱۲۰ [2] المرقات: ۹/۱۲۰ [3] اخرجہ البخاری: ۸/۱۱۱

[4] اخرجہ البخاری: ۸/۱۱۱ ومسلم: ۱/۴۱۶ [5] المرقات: ۹/۱۲۲

﴿۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَزَالُ قَلْبُ الْكَبِيْرِ شَابًّا فِيْ اِثْنَتَيْنِ فِيْ حُبِّ الدُّنْيَا وَطُوْلِ الْاَمَلِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا بوڑھے کا دل ہمیشہ دو باتوں میں جوان رہتا ہے ایک تو دنیا کی محبت میں اور دوسرے آرزو کی درازی میں (بخاری و مسلم)

ساٹھ سال کا بوڑھا اگر توبہ نہ کرے تو کیا ہوگا؟

﴿۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْذَرَ اللهُ اِلَى امْرِئٍ اَخَّرَ اَجَلَهُ حَتّٰى بَلَّغَهُ سِتِّيْنَ سَنَةً۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کے لئے عذر کا کوئی موقع نہیں چھوڑا جس کی موت کو اتنا مؤخر کیا کہ اس کو ساٹھ سال کی عمر تک پہنچا دیا۔ (بخاری)

توضیح: "اعذر الله" یعنی اللہ تعالیٰ نے جب کسی آدمی کو ساٹھ سال کی عمر عطا فرمائی اور اس آدمی نے اس طویل عمر میں بھی توبہ نہ کی تو اب اللہ تعالیٰ کے ہاں اس شخص کا کوئی عذر باقی نہیں رہا، اس کے سب عذر اعذار اور بہانے ختم ہو گئے اب سزا کے سوا اس کو کیا مل سکتا ہے کیونکہ اتنی طویل مدت ملنے اور طویل عمر گذرنے کے بعد بھی وہ گناہوں سے باز نہ آیا، سر اور داڑھی کے سفید بالوں نے خطرے کی گھنٹی بجادی مگر وہ ہوش میں نہیں آیا تو اب اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا کوئی عذر باقی نہیں رہا کیونکہ جوان تو اچھا بننے کے لئے بڑھاپے کا انتظار کرسکتا ہے مگر ایک بوڑھا جس کے سر پر موت منڈلا رہی ہے وہ آخر کس چیز کا انتظار کر رہا ہے۔[3]

"اعذر الله" اعذر الله میں ہمزہ سلب ماخذ کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے سارے عذر بہانے ختم کردیئے یہ حدیث اس آیت کی تفسیر بن سکتی ہے ﴿اولم نعمر کم مایتذکر فیه من تذکر وجآء کم النذیر﴾ (فاطر ۳۷)[4]

انسان کا پیٹ قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے

﴿۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰى ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللهُ عَلٰى مَنْ تَابَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[5]

[1] اخرجه البخاري: ۸/۱۱۱ و مسلم: ۱/۴۱۷ [2] اخرجه البخاري: ۸/۱۱۱
[3] المرقات: ۹/۱۲۲، ۱۲۳ [4] فاطر ۳۷ [5] اخرجه البخاري: ۸/۱۱۵ و مسلم: ۱/۴۱۸

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اگر آدمی کے پاس مال و دولت سے بھری ہوئی دو وادیاں ہوں تب بھی وہ تیسری وادی کی تلاش میں رہے گا اور آدمی کے پیٹ کو مٹی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور جو آدمی حرص سے توبہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "الا التراب" یعنی انسان کی جبلت میں اور اس کی ضمیر میں دنیا کی حرص ولالچ اس طرح پیوست ہے کہ اگر اس کو دو پہاڑوں کے درمیان دو وادیاں بھر کر مال دیا جائے تو یہ انسان تیسری وادی کی تلاش میں سرگرداں پھرتا رہے گا دنیا میں اس کے سیر ہونے کی کوئی صورت نہیں نہ آج تک کسی بڑے مالدار نے کوئی حد متعین کی ہے کہ اس حد پر پہنچ کر آدمی کو کفایت وقناعت حاصل ہو جاتی ہے لہٰذا انبیاء کرام کی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات سو فیصد صحیح ہے کہ انسان کا پیٹ صرف قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے اس حدیث میں کثرت اموال کو آسودہ زندگی کا ذریعہ نہیں بتایا گیا بلکہ قلت دنیا اور قناعت کو آسودہ زندگی کا سبب بتایا گیا ہے لہٰذا قناعت کی تلوار سے اور سخاوت کی دھار سے بخل کی دیوار کو گرا دینا چاہئے۔[1]

دنیا میں صرف مسافر نہیں بلکہ چلتا مسافر بن کر رہو

﴿۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعْضِ جَسَدِيْ فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ أَهْلِ الْقُبُوْرِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے میرے جسم کے ایک حصہ کو پکڑ کر فرمایا تم دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم مسافر ہو یا راہ گیر ہو اور تم اپنا شمار ان لوگوں میں کرو جو دنیا سے گزر گئے ہیں اور اپنی قبروں میں آسودہ خواب ہیں۔ (بخاری)

توضیح: "غریب" عربی زبان میں غریب ناآشنا اور مسافر کو کہتے ہیں، غریب ایسا مسافر ہوتا ہے جس کی پوری توجہ صرف اپنے سفر کی طرف ہوتی ہے یعنی دنیا میں اس طرح گمنام رہو کہ تمہارا اپنے کام سے مطلب ہو اور صرف آخرت پر نظر ہو اور اسی کی تیاری[3] ہو "او عابر سبیل" یہ "او" کا لفظ بل کے معنی میں ہے جو ترقی کے لئے ہے یعنی مسافر دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ مسافر ہے جو کسی جگہ آ کر سفر کی زندگی گذارتا ہے اور اس جگہ میں قیام اختیار کرتا ہے دوسرا وہ مسافر ہے جو راہ گیر اور چلتا مسافر ہے وہ کسی جگہ قیام نہیں کرتا بلکہ منزل مقصود کی طرف ہر وقت رواں دواں رہتا ہے اس حدیث میں اس دوسری قسم کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ آخرت کی تیاری اور اپنے مقصود میں لگے رہنے میں صرف مسافر نہیں بلکہ "چلتا مسافر" بنو اور دنیوی تعلقات کو توڑ کر اپنے مقصود کے پیچھے لگ جاؤ جیسا کسی نے کہا کہ:[4]

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی　　　تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

"عد نفسك في اهل القبور" یعنی اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرو اور لوگوں سے کہہ دو کہ بس مجھے مردہ سمجھ لو لہٰذا مجھ

[1] المرقات: ۹/۱۲۲　[2] اخرجه البخاري: ۸/۱۱۰　[3] المرقات: ۹/۱۲۶　[4] المرقات: ۹/۱۲۶

سے دنیا کے دھندوں اور لوگوں کے جھگڑوں میں پڑنے کی اُمید نہ رکھو بہر حال جس طرح حقیقی موت سے دنیا کی چیزیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اسی طرح ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ دنیا کی یہ عارضی چیزیں ایک طرف کردے اور خود مکمل طور پر آخرت کی طرف متوجہ ہوجائے اور اپنے نفس امارہ کو ایسا ماردے کہ دنیا کی کسی چیز سے اس کا کوئی تعلق باقی نہ رہے۔ اسی مضمون کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے "**موتوا قبل ان تموتوا**" یعنی موت آنے سے پہلے اپنے آپ کو مردہ سمجھ لو۔

اس حدیث میں وعد نفسک سے آخر تک جو الفاظ ہیں یہ بخاری میں نہیں ہیں صرف حدیث کے ابتدائی کلمات ہیں لہٰذا اس کو رواہ البخاری کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ رواہ الترمذی کہنا چاہئے تھا۔[۱]

الفصل الثانی

گھر کی لپائی سے موت زیادہ جلدی آسکتی ہے

﴿۸﴾عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَرَّ بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا وَاُمِّیْ نُطَیِّنُ شَیْئًا فَقَالَ مَا ھٰذَا یَا عَبْدَاللّٰہِ قُلْتُ شَیْئٌ نُصْلِحُہٗ قَالَ اَلْاَمْرُ اَسْرَعُ مِنْ ذٰلِکَ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)[۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اور میری والدہ گارے سے کسی چیز کو لیپ پوت رہے تھے کہ رسول کریم ﷺ کا گزر ہماری طرف ہوگیا آپ نے فرمایا کہ عبداللہ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اس چیز (یعنی دیواروں یا چھت) کی درستی و مرمت کررہے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا امر یعنی اجل اس سے بھی زیادہ جلد آنے والی ہے۔ (احمد وترمذی) اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے شاید ضرورت سمجھ کر گھر کی لپائی کی کہ دیواریں یا چھت گرنہ جائے آنحضرت ﷺ نے شاید اس کو ضرورت سے زائد سمجھا اس لئے ان کو تنبیہ فرمائی کہ لپائی کی مضبوطی سے مکان تو مضبوط ہوجائے گا مگر اس مکان کے گرنے اور خراب ہونے سے موت پہلے آسکتی ہے لہٰذا اپنی آخرت کی اصلاح کو مقدم رکھنا چاہئے مکان کی اصلاح میں وقت کیوں ضائع کررہے ہو کسی شاعر نے اپنے ذوق میں کہا:[۳]

آخر دے تلک دہ دنل وطن دے دلتہ کبس خلہ جوروے دنگ محلونہ

یعنی جب تجھے بہت جلد دوسری دنیا کا سفر کرنا ہے تو اس دنیا میں بلند محل کیوں بناتے ہو؟ کسی نے یہ بھی کہا۔

مانڑئے خلہ جوروے آخر بہ لارشے دو مرہ بس دے چہ پتا خخیکی نہ

[۱] المرقات: ۹/۱۲۶ [۲] اخرجہ احمد: ۲/۱۶۱ [۳] المرقات: ۹/۱۲۷

یعنی محلات بنانے میں وقت کیوں ضائع کرتے ہو گھر اتنا کافی ہے کہ پانی ٹپکنے سے بچالے۔ بعض عارفین نے کہا کہ صحابہ کرام کے مکانات کچے تھے ایمان مضبوط تھا اور ہمارے ایمان کچے ہیں اور مکانات پکے ہیں۔

﴿۹﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُهْرِيْقُ الْمَاءَ فَيَتَيَمَّمُ بِالتُّرَابِ فَأَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ الْمَاءَ مِنْكَ قَرِيْبٌ؟ يَقُوْلُ مَا يُدْرِيْنِيْ لَعَلِّيْ لَا أَبْلُغُهُ۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَابْنُ الْجَوْزِيِّ فِيْ كِتَابِ الْوَفَاءِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ پیشاب کرنے کے بعد (اور وضو کرنے سے پہلے) مٹی سے تیمم کر لیتے میں عرض کرتا کہ یا رسول اللہ! پانی تو آپ کے بہت قریب ہے؟ حضور ﷺ فرماتے مجھے کیا معلوم کہ میں اس پانی تک پہنچ بھی سکوں گا یا نہیں؟ اس روایت کو بغوی نے شرح السنۃ میں اور ابن جوزی نے کتاب الوفاء میں نقل کیا ہے۔

انسان کی آرزو بعید اور موت قریب ہے

﴿۱۰﴾وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هٰذَا ابْنُ آدَمَ وَهٰذَا أَجَلُهُ وَوَضَعَ يَدَهُ عِنْدَ قَفَاهُ ثُمَّ بَسَطَ فَقَالَ وَثَمَّ أَمَلُهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ تو ابن آدم ہے اور یہ اس کی موت ہے، یہ فرما کر آپ نے اپنا ہاتھ پیچھے کی طرف رکھا اس کے بعد آپ نے اپنے ہاتھ کو پھیلایا اور فرمایا کہ اس جگہ انسان کی آرزو ہے۔

(ترمذی)

توضیح: "وهذا اجله" یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ کو اپنی گردن پر بالکل متصل رکھا اور فرمایا کہ انسان کی موت اتنی قریب ہے پھر آپ نے اپنے ہاتھ کو گردن سے ہٹا کر دور کر دیا اور اشارہ فرمایا کہ وہ انسان کی امید ہے یعنی موت بالکل قریب آگئی ہے اور تمنا بہت دور چلی گئی ہے۔[3]

انسان کی ناکام کوشش

﴿۱۱﴾وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَرَزَ عُوْدًا بَيْنَ يَدَيْهِ وَآخَرَ إِلٰى جَنْبِهِ وَآخَرَ أَبْعَدَ مِنْهُ فَقَالَ أَتَدْرُوْنَ مَا هٰذَا قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ۔ قَالَ هٰذَا الْإِنْسَانُ وَهٰذَا الْأَجَلُ أُرَاهُ قَالَ وَهٰذَا الْأَمَلُ فَيَتَعَاطَى الْأَمَلَ فَلَحِقَهُ الْأَجَلُ دُوْنَ الْأَمَلِ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے سامنے ایک لکڑی گاڑی پھر ایک اور لکڑی بالکل

[1] اخرجه الشرح السنة ۴/۲۳۲ [2] اخرجه البخاري: ۶۸/۲/۵ [3] المرقات: ۹/۱۲۸ [4] اخرجه البغوي في شرح السنة ۲/۲۸۵

لکڑی کے برابر میں گاڑی اس کے بعد ایک اور تیسری لکڑی کافی فاصلہ پر نصب فرمائی اور پھر فرمایا تم لوگ جانتے ہو یہ کیا ہے؟ یعنی ان لکڑیوں سے کیا مراد ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ (پہلی لکڑی گویا) انسان ہے، یہ (دوسری) لکڑی اس انسان کی موت ہے حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ اس کے بعد حضور ﷺ نے یہ فرمایا اور یہ (تیسری) لکڑی اس کی آرزو ہے پس انسان اپنی امید اور آرزو کی تکمیل کی جستجو میں رہتا ہے کہ اس کی موت اس کی آرزو کے پورا ہونے سے پہلے ہی اس کو آدبوچتی ہے۔ (شرح السنہ)

اس امت کے لوگوں کی عمریں

﴿۱۲﴾وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُمُرُ أُمَّتِي مِنْ سِتِّيْنَ سَنَةً إِلَى سَبْعِيْنَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میری امت کی عمر ساٹھ سال سے ستر سال تک ہے، اس روایت کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "الی سبعین" یعنی ساٹھ سال سے ستر تک اس امت کے افراد کی عمریں ہیں، یہ حکم اکثری ہے۔ ورنہ کچھ لوگ تو ساٹھ سال تک پہنچتے ہی نہیں اور کچھ ستر سال سے بھی گذر جاتے ہیں مگر وہ بہت کم ہوتے ہیں اس امت کے افراد کی طبعی عمر ۶۳ سال ہے اور اس سے آگے اضافی عمر ہے خلاصہ یہ کہ ایک انسان کی عمر کے پندرہ سال تو بلوغ سے پہلے ضائع ہوجاتے ہیں باقی پندرہ میں کچھ پڑھنے سیکھنے کی تیاری کرتا ہے آدھی عمر تو ادھر گئی باقی تیس سال کی عمر اگر مل گئی تو وہ کیا عمر ہے جس کے لئے یہ انسان زمین و آسمان کے قلابے ملاتا ہے اور مار دھاڑ کے ساتھ حلال و حرام کی تمیز کئے بغیر کماتا ہے اور اپنی آخرت کی دائمی زندگی کو خراب کرتا ہے، ہائے افسوس!![2]

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے ۔۔۔ یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

﴿۱۳﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْمَارُ أُمَّتِي مَا بَيْنَ السِّتِّيْنَ إِلَى السَّبْعِيْنَ وَأَقَلُّهُمْ مَنْ يَجُوْزُ ذٰلِكَ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَذُكِرَ حَدِيْثُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ فِي بَابِ عِيَادَةِ الْمَرِيْضِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میری امت کے اکثر لوگوں کی عمر ساٹھ اور ستر سال کے درمیان رہے گی اور میری امت میں ایسے لوگوں کی تعداد کم ہی ہوگی جو اس سے تجاوز کر جائیں (ترمذی، ابن ماجہ) اور حضرت عبداللہ ابن شخیر کی روایت باب عیادۃ المریض میں نقل کی جاچکی ہے۔

---

[1] اخرجه البيهقي: ۷/۲۲۶ [2] المرقات: ۹/۱۳۰ [3] اخرجه الترمذي: ۵/۵۵۳

الفصل الثالث

یقین اور زہد اپناؤ بخل وآرزو سے بچو

﴿۱۴﴾ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَوَّلُ صَلَاحِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْيَقِينُ وَالزُّهْدُ وَأَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْأَمَلُ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ) [1]

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس امت کی پہلی نیکی یقین کرنا اور زہد اختیار کرنا ہے اور اس امت کا پہلا فساد بخل اور دنیا میں باقی رہنے کی آرزو کرنا ہے۔ (بیہقی)

توضیح: "الیقین" یقین سے مراد اس بات پر کامل عقیدہ ہے کہ رازق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وہی اللہ جل جلالہ رزق دیتا ہے اور وہی اللہ جل جلالہ رزق کا ضامن اور کفیل ہے یہ یقین جب آجائے تو پھر بخل اور حرص ولالچ نہیں رہے گی اور یہ خوف نہیں ہوگا کہ آج اگر خرچ کروں گا تو کل کیا کھاؤں گا؟ یہ بے یقینی کی کیفیت ہے، شیخ عبدالوہاب متقی نے اپنی کتاب الحبل المتین فی تحصیل الیقین میں لکھا ہے کہ یقین اس اعتقاد جازم کا نام ہے جو دلائل سے اتنا مضبوط ہوجائے کہ آدمی کے لئے حق بات کا اعلان کرنا آسان ہوجائے یہ حکماء کی اصطلاح ہے، لیکن صوفیاء کے ہاں یقین اس قلبی کیفیت کا نام ہے جو شریعت کے اوامر پر انسان کو ابھارے اور منہیات شرعیہ سے انسان کو باز رکھے۔ یقین بنیادی طور پر چار ارکان پر مشتمل ہے:

1. توحید باری تعالیٰ پر پختہ یقین رکھنا کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے اور وہی اس کائنات کا مدبر اور متصرف ہے۔
2. توکل یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ رزاق ایک اللہ کی ذات ہے اور وہی رزق کا ضامن ہے۔
3. جزاء وسزا کا اس طرح عقیدہ ہو کہ ہر اچھے برے کا بدلہ قیامت میں ملے گا۔
4. یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام احوال سے ہر وقت مطلع ہے۔

حقیقی زہد کی پہچان کیا ہے؟

﴿۱۵﴾ وَعَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ قَالَ لَيْسَ الزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا بِلُبْسِ الْغَلِيظِ وَالْخَشِنِ وَأَكْلِ الْجَشِبِ إِنَّمَا الزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا قِصَرُ الْأَمَلِ. (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت سفیان ثوری سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا دنیا میں زہد اس کا نام نہیں ہے کہ موٹے جھوٹے اور سخت کپڑے پہن لیے جائیں اور روکھا سوکھا اور بدمزہ کھانا کھایا جائے بلکہ دنیا سے زہد اختیار کرنا حقیقت میں آرزوؤں اور امیدوں کی کمی کا نام ہے۔ (شرح السنہ)

[1] اخرجه البيهقي: ۷/۴۲۷ [2] اخرجه البغوي في شرح السنة ۲/۲۸۹

توضیح: "الغلیظ" اون کا موٹا کپڑا مراد ہے جیسے کھدر وغیرہ [۱]۔"الخشن" کھردرا اور سخت کپڑا مراد ہے [۲]۔ "الجشب" سوکھے روکھے، خشک اور بدمزہ کھانے کو جشب کہتے ہیں [۳]۔"قصر الامل" قصر بمعنی قصر ہے، کوتاہ اور مختصر آرزوئیں مراد ہیں یعنی اصل زہد یہ نہیں ہے کہ کھردرا کپڑا ہو، بدمزہ کھانا ہو بلکہ اصل زہد آرزوؤں کو مختصر کرنے کا نام ہے کہ دنیا سے ایسی بے رغبتی ہو کہ اس کے بنانے میں بالکل دلچسپی نہ ہو نہ طویل منصوبہ بندی ہو اور نہ کوئی رغبت ہو بلکہ دنیا سے بیزار اور آخرت کی طرف راغب ہو۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ نکلا کہ جو سالک وزاہد جسمانی طور پر تو دنیا سے اجتناب کرتا ہے لیکن دل میں دنیا سے محبت رکھتا ہے اور اس کا دل دنیا کی محبت سے بھرا ہوا ہے تو یہ مہلک مرض ہے اور تباہ کن صورت حال ہے اس کے برعکس اگر جسمانی طور پر کوئی شخص دنیا کی مباح لذتوں سے فائدہ اُٹھائے لیکن اس کا دل دنیا کی محبت سے یکسر خالی ہو بلکہ آخرت کی طرف متوجہ ہو تو یہ بہتر صورت حال ہے گویا دنیا کا مال ہاتھ میں ہے اور آخرت کا ایمان دل میں ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک کشتی پانی میں چلتی ہے اس میں لوگ سوار ہیں اگر سمندر کا پانی کشتی کے باہر ہے تو یہ کشتی کے لئے بہت ضروری ہے کیونکہ پانی کے بغیر کشتی نہیں چل سکتی لیکن اگر یہی پانی کشتی میں آکر بھر جائے تو کشتی بھی غرق ہو جائے گی اور لوگ بھی ڈوب جائیں گے بالکل اسی طرح دنیا کا مال ہے جو ظاہری بدن کے لئے ضروری ہے لیکن اگر دنیا کا یہی مال انسان کے دل میں گھس کر اس پر قبضہ کرلے تو اس سے ایمان برباد ہو جائے گا اور پھر یہ آدمی ہلاک ہو جائے گا یہی مضمون اور یہی آنے والی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اور اثر کی ہے۔ الغرض ان دونوں روایتوں کے مطلب کو اس مثال سے بھی بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ انسان کا جسم مثل سواری ہے اگر سواری کو کھلاؤ پلاؤ اور موٹا تازہ رکھو تو وہ آپ کی سواری خوب کام آئے گی لیکن اگر اس کو کمزور کیا تو وہ ہلاک ہو جائے گی اور سواری کے قابل نہیں رہے گی اسی طرح اگر جسم کو زیادہ کمزور کیا تو یہ جسم بھی پھر عبادت کے کام نہیں آئے گا۔ [۴]

﴿۱۶﴾وَعَنْ زَيْدِ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ سَمِعْتُ مَالِكاً وَسُئِلَ أَيُّ شَيْءٍ الزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا قَالَ طِيبُ الْكَسْبِ وَقِصَرُ الْأَمَلِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ) [۵]

ترجمہ: اور حضرت زید ابن حسین کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا جبکہ ان سے پوچھا گیا کہ دنیا سے زہد اختیار کرنا کس چیز کا نام ہے؟ انہوں نے فرمایا حلال کمائی اور آرزوؤں کی کمی کا نام زہد ہے۔ (بیہقی)

[۱] المرقات: ۸/۱۳۲ [۲] المرقات: ۹/۱۳۲ [۳] المرقات: ۹/۱۳۲ [۴] المرقات: ۹/۱۳۲، ۱۳۳ [۵] اخرجه البيهقي: ۷/۲۰۶

مورخہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

باب استحباب المال والعمر للطاعة

عبادت کے لئے مال اور عمر کو محبوب رکھنے کا بیان

المال ما يميل اليه القلب كما قال الشاعر ؎

رئيت الناس قدمالوا الى من عنده مال ومن لا عنده مال فعنه الناس قدمالوا

رئيت الناس قد ذهبوا الى من ماعنده ذهب ومن لا عنده ذهب فعنه الناس قد ذهبوا

اس باب میں وہ احادیث بیان ہوں گی جن سے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت کی خاطر اور دین کی خدمت کی غرض سے اور اخروی بھلائی اور بہبود کے اُمور سرانجام دینے کے لئے مال ودولت طلب کرنا اور اسے چاہنا جائز ہے۔

كما قيل المال هو الحجاب الاكبر اما للنار واما للجنة ونعم المال الصالح للرجل الصالح، ولولا هذه الدنانير لتمندل بنا هولاء الملوك.

اسلام چونکہ حیات انسانی کے لئے کامل ومکمل ضابطۂ حیات ہے اور افراط وتفریط سے پاک اللہ تعالیٰ کا مبارک قانون ہے اس لئے اس میں جہاں خرابی لانے والے مال کی مذمت کی گئی ہے وہاں بھلائی لانے والے مال کی تعریف بھی کی گئی ہے لہٰذا مطلقاً مال کو نہ برا کہا جاسکتا ہے اور نہ مطلقاً اس کو اچھا کہا جاسکتا ہے۔

الفصل الاول

اللہ تعالیٰ گمنام مالدار کو محبوب رکھتا ہے

﴿۱﴾ عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِیَّ الْغَنِیَّ الْخَفِیَّ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَذُکِرَ حَدِیْثُ ابْنِ عُمَرَ لَاحَسَدَ إِلَّا فِی اثْنَیْنِ)[1]

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ اس بندے کو بہت پسند کرتا ہے جو متقی وغنی اور گوشہ نشین ہو، (مسلم) اور حضرت ابن عمر کی روایت "لاحسد الا فی اثنین" فضائل قرآن کے باب میں نقل کی جاچکی ہے۔

توضیح: "التقی" صاحب تقویٰ آدمی کو تقی کہا گیا ہے یہاں تقی سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے مال میں بے جا

[1] اخرجہ مسلم: ۲/۵۸۶

اسراف نہ کرتا ہو "الغنی" صاحب مال کو غنی کہا گیا ہے اس سے مراد حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے والا شکر گذار مالدار آدمی ہے۔[۱]

"الخفی" گمنام گوشہ نشین آدمی کو خفی کہا گیا ہے اس سے مراد وہ مالدار آدمی ہے جو بہت بڑے مالدار ہونے کے باوجود عاجز مسکین اور گمنام رہتا ہو، مال کی کثرت کی وجہ سے نہ تکبر کرتا ہو اور نہ دوسروں پر علو اور تجاوز کرتا ہو بلکہ خاموشی کی زندگی گذارتا ہو اور خاموشی کے ساتھ اپنے اس حلال مال کو بھلائی کے راستوں میں خرچ کرتا ہو یہ شخص اس لئے اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے کہ اس میں بہت ساری بھلائیاں جمع ہوگئیں ہیں جبکہ مالدار لوگ تکبر کے ساتھ ساتھ ظلم پر اُتر آتے ہیں اور غنڈہ گردی کے تمام اڈے چلاتے ہیں۔[۲]

الفصل الثانی

اچھے عمل کے ساتھ لمبی عمر کی فضیلت

﴿۲﴾عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ رَجُلاً قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ قَالَ فَأَيُّ النَّاسِ شَرٌّ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَسَاءَ عَمَلُهُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)[۳]

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ یارسول اللہ! کون سا آدمی بہتر ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا وہ شخص جس کی عمر زیادہ ہو اور عمل اچھے ہوں، پھر اس شخص نے پوچھا اور کون سا آدمی برا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا وہ شخص جس کی عمر زیادہ ہو اور برے عمل ہوں۔ (احمد، ترمذی، دارمی)

ایک اچھے اعمال والا شخص شہید کے درجہ سے کیسے بڑھ گیا؟

﴿۳﴾وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آخَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَقُتِلَ أَحَدُهُمَا ثُمَّ مَاتَ الْآخَرُ بَعْدَهُ بِجُمُعَةٍ أَوْ نَحْوِهَا فَصَلَّوْا عَلَيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قُلْتُمْ قَالُوْا دَعَوْنَا اللهَ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ وَيَرْحَمَهُ وَيُلْحِقَهُ بِصَاحِبِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَيْنَ صَلَاتُهُ بَعْدَ صَلَاتِهِ وَعَمَلُهُ بَعْدَ عَمَلِهِ أَوْ قَالَ صِيَامُهُ بَعْدَ صِيَامِهِ لَمَا بَيْنَهُمَا أَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت عبید ابن خالد سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو شخصوں کے درمیان بھائی چارہ کرا دیا تھا ان میں سے ایک شخص خدا کی راہ میں مارا گیا اور اس کی شہادت کے ایک ہفتہ یا قریب ایک ہفتہ کے بعد دوسرا شخص بھی فوت ہوگیا۔ صحابہ نے

[۱] المرقات: ۹/۱۳۲ [۲] المرقات: ۹/۱۳۲ [۳] اخرجه احمد: ۴۰ والترمذی: ۴/۵۶۶ [۴] اخرجه ابوداؤد: ۳/۵۱ والنسائی: ۴/۷۴

اس شخص کی نماز جنازہ پڑھی، نبی کریم ﷺ نے حاضرین سے پوچھا کہ تم نے مرحوم کی جو نماز جنازہ پڑھی ہے اس میں تم نے کیا پڑھا ہے اور کیا کہا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی ہے کہ اس کے گناہ بخش دے، اس پر رحمت نازل کردے اور اس کو اسکے (شہید ہوجانے والے) ساتھی کے پاس پہنچادے۔ نبی کریم ﷺ نے (یہ سنکر) فرمایا تو پھر اس کی وہ نماز کہاں گئی جو اس نے اپنے ساتھی کی نماز کے بعد پڑھی تھی اور اس کے ان اعمال کا ثواب کہاں گیا جو اس نے اپنے ساتھی کے اعمال کے بعد کئے تھے یا یہ فرمایا کہ اس کے ان روزوں کا ثواب کہاں گیا جو اس نے اپنے ساتھی کے روزوں کے بعد رکھے تھے، بلاشبہ جنت کے اندر اور قرب الٰہی میں ان دو شخصوں کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ اس فاصلہ سے بھی زیادہ ہے جو زمین وآسمان کے درمیان ہے۔ (ابوداؤد،نسائی)

توضیح: "آخیٰ" یعنی حضور اکرم ﷺ نے اپنے مبارک دور میں اپنے صحابہ میں سے دو آدمیوں کو بھائی بھائی بنادیا۔[1]

"**فقتل احدهما**" یعنی ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کے راستے جہاد میں شہید ہوگیا اور دوسرا ایک ہفتے کے بعد اپنی طبعی موت پر مرا۔[2] "**ما قلتم**" آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھانے کے بعد صحابہ سے پوچھا کہ تم نے نماز جنازہ میں اس میت کے لئے کیا دُعا مانگی یا تم ان دونوں دوستوں کے بارے میں کیا بولتے ہو؟ ان دونوں کے درجات کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ صحابہ نے جواب دیا کہ یہ دونوں دنیا میں ساتھ تھے ہم نے یہ دُعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ اس میت کو ان کے ساتھی کے ساتھ ایک درجہ میں رکھے تاکہ آخرت میں بھی ساتھ رہے، وہ اگرچہ شہید ہوگیا لیکن اللہ تعالیٰ اس میت کو بھی ان کے درجات تک پہنچادے ہماری دُعا بھی یہی ہے اور ہماری آپس کی گفتگو بھی یہی تھی اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان رتبہ میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ ایک ہفتہ کی نمازیں اور روزے اس میت کے اس شہید سے زیادہ ہیں۔[3]

سوال: یہاں ایک مشہور سوال ہے جس کو اس حدیث کے تمام شارحین نے ذکر کیا ہے وہ اعتراض یہ ہے کہ شہید کا درجہ بہت بلند ہوتا ہے، احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ شہید کا درجہ سب سے اونچا ہے، ویسے بھی شہید کے احکام نرالے ہیں حتی کہ غسل تک کی ضرورت نہیں نماز جنازہ بھی اکثر فقہاء کے نزدیک نہیں خون میں لت پت اُنہیں کپڑوں میں اللہ تعالیٰ کے پاس روانہ کیا جاتا ہے، ان کے حقوق العباد کے علاوہ تمام صغائر وکبائر معاف کئے جاتے ہیں پھر یہاں ایک عام آدمی صرف ایک ہفتہ کی نیکیوں کی وجہ سے اس شہید سے اتنا آگے کیسے نکل گیا؟ تبلیغی جماعت والے اس حدیث کو بہت زیادہ بیان کرتے ہیں اور جہاد اور شہادت کو اپنی چلت پھرت سے گھٹیا بتاتے ہیں اور لوگوں کے دلوں سے جہاد اور شہادت کا جذبہ نکالتے ہیں اور اپنے مخصوص اعمال کو بہت بلند بتاتے ہیں۔

جواب: اس حدیث کے تمام شارحین نے مندرجہ بالا یہ سوال اُٹھایا ہے اور پھر جواب دیا ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ کے

[1] المرقات: ۹/۱۳۶ [2] المرقات: ۹/۱۳۶ [3] المرقات: ۹/۱۳۶

جواب پر اکتفاء کرتا ہوں فرماتے ہیں:

وذلك لانه ایضا کان مرابطا فی سبیل اللہ فله المشارکة فی الشهادة حکماً و طریقةً وله الزیادة فی الطاعة والعبادة شریعة وحقیقة والا فمن المعلوم ان لا عمل ازید ثواباً علی الشهادة جهادًا فی سبیل اللہ واظهارًا لدینه لاسیما فی مبادئ الدعوة مع قلة اعوانه من اهل الملة۔

(مرقات ج۹ص۱۲۷، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)[۱]

ترجمہ: ان دونوں میں یہ فرق اس لئے ہے کہ بعد میں طبعی موت پر مرنے والے یہ صحابی رباط فی سبیل اللہ میں تھے یعنی اسلامی مملکت کی سرحد پر پہرہ دے رہے تھے پس ضابطہ کے مطابق حکمی طور پر وہ شہید کے ساتھ شہادت میں شریک تھے اور شریعت کے مطابق عملی طور ان کو اس نیکی اور عبادت کی برتری حاصل ہوگئی، اگر یہ خاص صورت حال نہ ہوتو یہ حقیقت معروف و مشہور ہے کہ ثواب کے اعتبار سے شہادت سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے آدمی شہید ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے دین کو غالب کرتے ہوئے مارا جائے خصوصاً جبکہ یہ جہاد اور غلبۂ دین، اسلام کی دعوت کے ابتدائی مرحلہ میں ہو اور دین کے پیروکار اور اس کے معاونین بہت کم بھی ہوں۔

ملاعلی قاری رحمہ اللہ کی اس عبارت کے آخری جملوں سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام کی دعوت جہاد فی سبیل اللہ تھا۔ اسی لئے فقہاء نے دعوت کی اس قسم کو "دعوة قهرية" کہا ہے۔ آج کل جو دعوت چل رہی ہے اس کا جہاد والی دعوت سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے یہ حضرات تو صحابہ کرام کے طرز پر نہ داعی ہیں نہ مجاہد ہیں البتہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ جہاد کسی نہ کسی طریقہ سے کمزور کریں مگر اس سے یہ خود کمزور ہو جائیں گے جہاد کمزور نہیں ہوگا۔

اس حدیث کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ شخص جذبۂ شہادت سے سرشار تھے خود مجاہد تھے جیسے سارے صحابہ مجاہد تھے اس جذبۂ شہادت نے اس کو شہید کے درجہ تک پہنچا دیا اور ایک ہفتہ کی عبادت زیادہ رہی اس لئے بڑھ گئے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ کوئی خصوصی معاملہ ہے اور اللہ تعالیٰ بعض دفعہ مفضول عمل پر افضل ثواب عطا فرماتا ہے جیسا کہ ذکر اللہ کی احادیث میں مذکور ہے۔

صدقہ کرنے سے مال کبھی نہیں گھٹتا

﴿۴﴾ وَعَنْ أَبِي كَبْشَةَ الْأَنْمَارِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ثَلَاثٌ أُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ وَأُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا فَاحْفَظُوهُ فَأَمَّا الَّذِي أُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ فَإِنَّهُ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلَمَةً صَبَرَ عَلَيْهَا إِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ بِهَا عِزًّا وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ وَأَمَّا الَّذِي أُحَدِّثُكُمْ فَاحْفَظُوهُ فَقَالَ إِنَّمَا الدُّنْيَا لِأَرْبَعَةِ نَفَرٍ عَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا

[۱] المرقات: ۹/۱۲۷

وَعِلْماً فَهُوَ يَتَّقِيْ فِيْهِ رَبَّهُ وَيَصِلُ رَحِمَهُ وَيَعْمَلُ لِلّٰهِ فِيْهِ بِحَقِّهِ فَهٰذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ. وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ عِلْماً وَلَمْ يَرْزُقْهُ مَالاً فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ يَقُوْلُ لَوْ أَنَّ لِيْ مَالاً لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالاً وَلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْماً فَهُوَ يَتَخَبَّطُ فِيْ مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِيْ فِيْهِ رَبَّهُ وَلَا يَصِلُ فِيْهِ رَحِمَهُ وَلَا يَعْمَلُ فِيْهِ بِحَقٍّ فَهٰذَا بِأَخْبَثِ الْمَنَازِلِ وَعَبْدٍ لَمْ يَرْزُقْهُ اللّٰهُ مَالاً وَلَا عِلْماً فَهُوَ يَقُوْلُ لَوْ أَنَّ لِيْ مَالاً لَعَمِلْتُ فِيْهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ نِيَّتُهُ وَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو کبشہ انماری سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، تین باتیں ہیں جنکی حقانیت وصداقت پر میں قسم کھاسکتا ہوں اور میں تم سے ایک بات کہتا ہوں تم اس کو یاد رکھنا پس وہ تین باتیں جن کی حقانیت وصداقت پر میں قسم کھاسکتا ہوں، یہ ہیں کہ بندہ کا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے کم نہیں ہوتا، جس بندہ پر ظلم کیا جائے اور اس کا مال ناحق لے لیا جائے اور وہ بندہ اس ظلم وزیادتی پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت کو بڑھاتا ہے اور جس بندہ نے اپنے نفس پر سوال کا دروازہ کھولا اللہ تعالیٰ اس کے لئے فقر وافلاس کا دروازہ کھول دیتا ہے، اور رہی اس حدیث کی بات جس کو میں نے تمہیں سنانے کے لئے کہا تھا تو اب میں اس کو بیان کرتا ہوں اس کو یاد رکھو، اس کے بعد آپ نے فرمایا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دنیا بس چار آدمیوں کے لئے ہے، ایک تو وہ بندہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال وزر بھی عطا کیا اور علم کی دولت سے بھی نوازا پس وہ بندہ اپنے مال ودولت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کے ذریعہ اپنے قرابت داروں اور عزیزوں کیساتھ حسن سلوک اور احسان کرتا ہے اور اس مال وزر میں سے اس کے حق کے مطابق اللہ تعالیٰ کے لئے خرچ کرتا ہے چنانچہ اس بندہ کا بہت بڑا اکامل ترین مرتبہ ہے۔ دوسرا وہ بندہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم تو عطا کیا لیکن اس کو مال عنایت نہیں فرمایا پس وہ بندہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال اور پیسہ ہوتا تو میں اس کے تئیں اچھے عمل کرتا جیسا کہ فلاں شخص اپنے مال وزر کے بارے میں خدا سے ڈرتا ہے چنانچہ دونوں شخصوں کا ثواب برابر ہے۔ تیسرا بندہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہے لیکن علم نہیں دیا پس وہ بندہ بے علم ہونے کی وجہ سے اپنے مال کے بارے میں بہک جاتا ہے، وہ اس مال ودولت کے بارے میں اپنے رب سے نہیں ڈرتا ہے اور اپنے قرابت داروں اور عزیزوں کے ساتھ مالی احسان وسلوک نہیں کرتا ہے اور نہ ان حقوق کی تعمیل کرتا ہے جو اس کے مال ودولت سے متعلق ہیں۔ چنانچہ یہ بندہ بدترین مرتبہ کا ہے۔ اور چوتھا بندہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ تو مال عطا کیا ہے اور نہ علم دیا ہے پس وہ بندہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال اور پیسہ ہوتا تو میں بھی اس کو فلاں شخص کی طرح (برے کاموں) میں خرچ کرتا چنانچہ یہ بندہ اپنی نیت کے سبب مغضوب ہے اور اس کا گناہ اس (تیسرے شخص) کے گناہ کے برابر ہے اور یہ (چوتھا) شخص مالدار نہ ہونے کی وجہ سے برے کاموں میں خرچ کرنے کا مرتکب نہیں ہوتا لیکن چونکہ برے کاموں میں خرچ کرنے کی نیت رکھتا ہے اس سبب سے اس کو بھی وہی گناہ ملتا

[1] اخرجه الترمذي: ٤/٥٦٢

ہے جو برے کاموں میں واقعتاً خرچ کرنے والے کو ملتا ہے۔اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

توضیح: "اقسم علیھن" یعنی آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی یقینی اور پکی ہیں کہ ان پر میں قسم کھا سکتا ہوں۔

❶ ایک یہ کہ صدقہ اور خیرات سے کبھی مال کم نہیں ہوتا نہ گھٹتا ہے اگر چہ لوگ بظاہر سمجھتے ہیں کہ مال دینے سے مال گھٹتا ہے۔

❷ مظلوم کا ظلم پر صبر کرنے سے اس کی عزت گھٹتی نہیں بلکہ بڑھتی ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ عزت گھٹتی ہے کیونکہ اس نے بدلہ نہیں لیا۔

❸ بھیک مانگنے سے فقر و فاقہ آتا ہے اگر چہ سائل سمجھتا ہے کہ اس سے فقر و فاقہ ختم ہو جاتا ہے۔

"احدثکم" یعنی میں نے جو کہا تھا کہ تمہارے سامنے ایک حدیث بیان کروں گا تو اس کو سنو کہ دنیا اور مال کے اعتبار سے لوگ چار قسم پر ہیں۔

❶ ایک وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال اور علم دونوں دیا یہ بہت اچھا آدمی ہے اگر مال وعلم کا حق ادا کرے۔

❷ دوسرا وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے اور مال نہیں دیا جب یہ علم پر عمل کرتا ہے تو یہ بھی بہت اچھا آدمی ہے یہ سچی نیت والا ہے کہ اگر مال آ گیا تو اچھے کاموں میں خرچ کروں گا لہٰذا یہ بھی پہلے آدمی کی طرح اچھا آدمی ہے۔

❸ تیسرا وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خوب مال دیا ہے اور علم کچھ نہیں دیا وہ جہالت کے ساتھ مال کے اندر ناجائز تصرف کرتا پھرتا ہے یہ بدترین آدمی ہے۔

❹ چوتھا وہ آدمی ہے کہ نہ اس کے پاس مال ہے نہ علم ہے لیکن وہ یہ تمنا کرتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں شخص کی طرح غلط کاموں میں اُڑا دیتا تو یہ آدمی بھی تیسرے نمبر کے آدمی کی طرح ہے، گناہ کی تمنا میں یہ گنہگار ہو گیا لہٰذا یہ بھی اسی کی طرح ہو گیا۔[۱]

''وزرہما سواء'' یعنی مفلس جاہل ہے اور تمنا کر کے کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال آ گیا تو فلاں فاسق و فاجر مالدار کی طرح عیش کروں گا، رنڈیاں نچاؤں گا، شراب پیوں گا، حق کو دباؤں گا تو اس کے گناہ اور مالدار فاسق کے گناہ کا بوجھ برابر سرابر ہوگا گویا اچھی نیت سے اچھا ثواب ملتا ہے اور بری نیت سے برا بدلہ ملتا ہے۔[۲]

سُوال: یہاں یہ سوال ہے کہ معصیت کے ارتکاب سے پہلے تو نیت پر مواخذہ نہیں ہوتا یہاں کیوں ہوا؟

جَواب: نیت کے پانچ درجات ہیں جنہیں کہ شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے:

مراتب القصد خمس هاجس ذكروا　　فخاطر فحديث النفس فاستمعا

يليه هم فعزم كلها رفعت　　الا الاخيرة ففيه الاخذ قد وقعا[۳]

---

[۱] المرقات: ۹/۱۳۸　[۲] المرقات: ۹/۱۳۷، ۱۳۸　[۳] المرقات: ۹/۱۴۰

تو عزم کے درجہ میں اگر نیت ہو تو اس پر مواخذہ ہوتا ہے یہاں اس شخص کی نیت عزم کے درجہ میں ہے اس لئے مواخذہ کا ذکر کیا گیا ہے عزم یہ ہے کہ آدمی گناہ پر سو فیصد تیار ہے صرف موقع ملنے کا انتظار ہے۔

نیکی کی توفیق حسن خاتمہ کی علامت ہے

﴿۵﴾وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ تَعَالَى إِذَا أَرَادَ بِعَبْدٍ خَيْرًا اِسْتَعْمَلَهُ فَقِيلَ وَكَيْفَ يَسْتَعْمِلُهُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ يُوَفِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب بندہ کی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے بھلائی کے کام کراتا ہے، پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! اس سے بھلائی کے کام اللہ تعالیٰ کس طرح کراتا ہے؟ فرمایا موت سے پہلے اس کو نیک کام کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ (ترمذی)

دانا اور نادان کی پہچان

﴿۶﴾وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت شداد بن اوس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عقلمند و بہادر شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو جھکا دے اور مطیع و فرمانبردار بنا دے اور اس اجر و ثواب کے لئے (اچھے) عمل کرے جو موت کے بعد پائے گا، اور احمق و نادان اور بزدل شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کا تابع بنا دے اور گناہوں میں مبتلا ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے اس بات کا متمنی اور آرزو مند ہو (کہ وہ اس سے راضی ہو) اس کو بخش دے اور اس کو جنت میں داخل کرے۔

توضیح: "اَلْكَيِّسُ" یہ کیس کیاسۃ سے ہے عقلمند، ہوشیار کے معنی میں ہے اس میں بہادری کا مفہوم بھی پڑا ہے یعنی ہوشیار بہادر عقلمند شخص وہ ہے "دان" جھکانے کے معنی میں ہے یعنی نفس کو مطیع و فرمانبردار بنایا ہے[3] "العاجز" عاجز سے یہاں احمق، بے ہمت اور بزدل شخص مراد ہے کہ اس کے نفس نے اس کو ایسا گرا دیا کہ وہ اپنے نفس کے پیچھے لگ گیا، گناہوں میں آلودہ رہا اور صرف تمناؤں کے آسرے پر بیٹھ گیا نہ توبہ کی نہ استغفار کیا، گناہوں میں گرفتار ہے اور آرزو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے مجھے جنت دے گا بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے مگر قہار و جبار بھی تو ہے، یہ تو ایک قسم استہزا ہے کہ کسی کو ناراض بھی کر رہا ہے اور اس سے حالت رضا کا فیصلہ بھی کرا رہا ہے، علامہ کرخی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ عمل صالح کے بغیر جنت کا طلب کرنا گناہوں میں سے ایک گناہ ہے حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا "حسن ظن انه

---

[1] اخرجه الترمذی: ۴/۴۵۰ [2] اخرجه الترمذی: ۴/۶۳۸ و ابن ماجه: ۲/۱۴۲۳ [3] المرقات: ۹/۱۳۱، ۲۲۲

یصل الی اللہ بعمل فھو متعن ومن ظن انہ یصل الی اللہ بغیر عمل فھو متمن" یعنی جس شخص نے یہ خیال کیا کہ وہ صرف عمل کے زور سے اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا تو وہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنے والا ہے اور جو شخص یہ خیال کرے کہ وہ عمل کے بغیر اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا تو وہ صرف آرزو کرنے والا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے اپنے آپ کو مستحق رحمت محسن بناؤ پھر رحمت کی دعا مانگو کیونکہ ﴿ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین﴾ قرآن کی آیت ہے۔[1]

الفصل الثالث

اہل تقویٰ کے لئے مال ودولت بری چیز نہیں ہے

﴿۷﴾عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنَّا فِيْ مَجْلِسٍ فَطَلَعَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَأْسِهٖ أَثَرُ مَاءٍ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرَاكَ طَيِّبَ النَّفْسِ قَالَ أَجَلْ قَالَ ثُمَّ خَاضَ الْقَوْمُ فِيْ ذِكْرِ الْغِنٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَأْسَ بِالْغِنٰى لِمَنِ اتَّقَى اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَالصِّحَّةُ لِمَنِ اتَّقٰى خَيْرٌ مِنَ الْغِنٰى وَطِيْبُ النَّفْسِ مِنَ النَّعِيْمِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[2]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ آکر ہمارے درمیان تشریف فرما ہو گئے اس وقت آپ کے سر مبارک پر (غسل کے) پانی کی تری تھی ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس وقت ہم آپ کو بہت خوش دل وشاداں دیکھ رہے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا ہاں، راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اہل مجلس دولتمندی کے ذکر میں مشغول ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شخص کا دولت مند ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور صحت مندی خدا سے ڈرنے والے شخص کے لئے دولتمندی سے زیادہ بہتر ہے نیز شادمانی خوش دلی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں ایک نعمت ہے۔ (احمد)

مال ودولت مؤمن کی ڈھال ہے

﴿۸﴾وَعَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ قَالَ كَانَ الْمَالُ فِيْمَا مَضٰى يُكْرَهُ فَأَمَّا الْيَوْمَ فَهُوَ تُرْسُ الْمُؤْمِنِ وَقَالَ لَوْلَا هٰذِهِ الدَّنَانِيْرُ لَتَمَنْدَلَ بِنَا هٰؤُلَاءِ الْمُلُوْكُ وَقَالَ مَنْ كَانَ فِيْ يَدِهٖ مِنْ هٰذِهٖ شَيْءٌ فَلْيُصْلِحْهُ فَإِنَّهُ زَمَانٌ إِنِ احْتَاجَ كَانَ أَوَّلَ مَنْ يَّبْذُلُ دِيْنَهٗ وَقَالَ الْحَلَالُ لَا يَحْتَمِلُ السَّرَفَ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)[3]

[1] اعراف: ۵۶ [2] اخرجه احمد: ۵/۳۷۱ [3] اخرجه البغوي في شرح السنة ۱۴/۲۹۱

ترجمہ: اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ گذشتہ زمانہ میں مال کو برا سمجھا جاتا تھا لیکن جہاں تک آج کے زمانہ کا تعلق ہے تو اب مال و دولت مسلمانوں کی ڈھال ہے، حضرت سفیان نے یہ بھی فرمایا کہ اگر یہ درہم و دینار اور روپیہ پیسہ نہ ہوتا تو یہ سلاطین و امراء ہمیں دست پناہ بنا کر ذلیل و پامال کر ڈالتے، نیز انہوں نے فرمایا کسی شخص کے پاس اگر تھوڑا بہت بھی مال ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کی اصلاح کرے کیونکہ ہمارا یہ زمانہ ایسا ہے کہ اس میں اگر کوئی محتاج و مفلس ہوگا تو اپنے دین کو اپنے ہاتھ سے گنوانے والا سب سے پہلا شخص وہی ہوگا، حضرت سفیان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ حلال مال اسراف کا روادار نہیں ہوتا۔

(شرح السنہ)

توضیح: "فیما مضی یکرہ" یعنی پہلے زمانہ میں مال و دولت کو ناپسند کیا جاتا تھا، مؤمن اور متقی حضرات مال کو مکروہ سمجھتے تھے کیونکہ عام ماحول زہد و تقویٰ کا تھا لوگ غریب و فقیر کو ذلیل و حقیر نہیں سمجھتے تھے مالی کمزوری کی وجہ سے اس کے ایمان کو تباہ نہیں کرتے تھے نیز بادشاہ اور حکمران بھی اچھے ہوتے تھے جو غریب و فقیر کو سنبھالا دیتے تھے اس لئے لوگ مال و دولت اکٹھا نہیں کرتے تھے اور اکٹھا کرنے کو معیوب سمجھتے تھے مگر اب معاملہ اس کے برعکس ہے کہ غریب و فقیر آدمی کو معاشرہ میں ذلیل و حقیر سمجھتے ہیں اور پیسے کی بنیاد پر اس کے ایمان کو خریدا جاتا ہے نیز حکمران بھی خیر خواہ نہیں رہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ غریب آدمی مالداروں اور حکمرانوں کا دست نگر اور دست پناہ بن جائے گا اور ان کے ہاتھ صاف کرنے اور میل کچیل صاف کرنے کے لئے تولیہ اور رومال بن جائیگا۔[1] "فلیصلحہ" یعنی جس شخص کے پاس اس مال میں سے کچھ بھی ہو وہ اس کی اصلاح کرے۔ مطلب یہ کہ تھوڑا پیسہ بھی ہو تو اس کو کسی کاروبار میں لگا دے یہ اس کی اصلاح اور ترقی و بڑھاوا ہے یا اصلاح کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قناعت کے ساتھ خرچ کرے اسراف نہ کرے۔[2] "لا یحمل السرف" یعنی حلال مال اسراف کو برداشت نہیں کرتا کیونکہ وہ اتنا زیادہ تو ہوتا نہیں کہ جس میں اسراف کی گنجائش ہو حلال طریقہ سے حاصل شدہ مال اتنا وافر کہاں ہوتا ہے کہ جس میں آدمی اسراف شروع کرے اسراف تو اس مال میں ہوتا ہے جو ناجائز اور حرام طریقہ سے حاصل کیا گیا ہو تو جو مال اس طرح حرام کے راستہ سے وافر مقدار میں آئے گا اسی طرح حرام کے راستہ سے جائے گا۔[3]

ساٹھ سال کی عمر بڑی عمر ہے

﴿۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَادِيْ مُنَادٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَيْنَ أَبْنَاءُ السِّتِّيْنَ وَهُوَ الْعُمُرُ الَّذِيْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيْرُ﴾ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اعلان کرنے والا قیامت کے دن یہ اعلان کرے گا کہ ساٹھ سال کی عمر والے لوگ کہاں ہیں اور یہ عمر وہ عمر ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے۔ (جس کا ترجمہ ہے) کیا ہم

[1] المرقات: ۹/۱۴۳ [2] المرقات: ۹/۱۴۴ [3] المرقات: ۹/۱۴۴ [4] اخرجہ البیہقی: ۷/۲۶۲

نے تم کو ایسی عمر نہیں دی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کرسکتا تھا حالانکہ تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

درازی عمر کے ساتھ شہادت کی تمنا باعث بلندی ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ إِنَّ نَفَرًا مِنْ بَنِيْ عَذْرَةَ ثَلَاثَةً أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمُوْا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ يَّكْفِيْنِيْهِمْ قَالَ طَلْحَةُ أَنَا فَكَانُوْا عِنْدَهُ فَبَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثًا فَخَرَجَ فِيْهِ أَحَدُهُمْ فَاسْتُشْهِدَ ثُمَّ بَعَثَ بَعْثًا فَخَرَجَ فِيْهِ الْآخَرُ فَاسْتُشْهِدَ ثُمَّ مَاتَ الثَّالِثُ عَلَى فِرَاشِهٖ قَالَ قَالَ طَلْحَةُ فَرَأَيْتُ هٰؤُلَاءِ الثَّلَاثَةَ فِي الْجَنَّةِ وَرَأَيْتُ الْمَيِّتَ عَلَى فِرَاشِهٖ أَمَامَهُمْ وَالَّذِي اسْتُشْهِدَ اٰخِرًا يَلِيْهِ وَأَوَّلُهُمْ يَلِيْهِ فَدَخَلَنِيْ مِنْ ذٰلِكَ فَذَكَرْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ فَقَالَ وَمَا أَنْكَرْتَ مِنْ ذٰلِكَ لَيْسَ أَحَدٌ أَفْضَلَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ مُؤْمِنٍ يُعَمَّرُ فِي الْإِسْلَامِ لِتَسْبِيْحِهٖ وَتَكْبِيْرِهٖ وَتَهْلِيْلِهٖ۔[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن شداد کہتے ہیں کہ بنی عذرہ کے قبیلہ کے کچھ لوگ کہ جن کی تعداد تین تھی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے جو ان لوگوں کی خبر گیری کے سلسلے میں مجھے بے فکر کردے؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں اس ذمہ داری کو قبول کرتا ہوں، چنانچہ وہ تینوں حضرت طلحہ کے پاس رہنے لگے، جب نبی کریم ﷺ نے کسی طرف ایک لشکر بھیجا تو اس کے ساتھ ان تینوں میں سے بھی ایک شخص گیا اور میدان جہاد میں شہید ہوگیا، اس کے بعد حضور ﷺ نے ایک اور لشکر بھیجا اس کے ساتھ دوسرا شخص گیا اور وہ بھی شہید ہوگیا اور پھر تیسرا شخص اپنے بستر پر اللہ کو پیارا ہوگیا، راوی کہتے ہیں کہ حضرت طلحہ نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ وہ تینوں جنت میں ہیں، نیز میں نے دیکھا کہ جو شخص بستر پر اللہ کو پیارا ہوا تھا وہ تو سب سے آگے ہے اور جو شخص دوسرے لشکر کے ساتھ جا کر شہید ہوا تھا وہ اس کے پیچھے اور اس کے بالکل قریب ہے اور ان تینوں میں کا وہ سب سے پہلا شخص کہ جو پہلے لشکر کے ساتھ جا کر شہید ہوا تھا سب سے آخر میں ہے، چنانچہ میرے دل میں خلجان پیدا ہوگیا چنانچہ میں نے نبی کریم ﷺ سے اپنے اس خواب کا ذکر کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو پھر اس میں تمہارے شک وشبہ اور انکار کا باعث کون سی چیز ہے؟ کیونکہ اللہ کے نزدیک اس مسلمان سے زیادہ افضل کوئی نہیں جس نے اسلام کی حالت میں زیادہ عمر پائی اور اس کی وجہ سے اس کو خدا کی تسبیح وتکبیر اور تہلیل کا زیادہ موقع ملا۔

توضیح: "اما مھم" یعنی جو شخص پہلے شہید ہوئے وہ سب سے آخری درجہ میں تھے اور جو کچھ عرصہ بعد شہید ہوئے وہ اس سے پہلے درجہ میں تھے لیکن جو بالکل آخر میں اپنی طبعی موت سے مرگئے تھے وہ سب سے پہلے اعلیٰ درجہ میں

[1] اخرجہ احمد: ۱/۱۶۳

تھے، صحابی کو اس پر تعجب ہوا کہ چلو پہلے شہید سے دوسرا شہید آگے نکل گیا تو اس نے زیادہ اعمال کمائے لیکن یہ آخر میں مرنے والے تو شہید نہیں تھے یہ سب سے آگے کیسے نکل گئے؟ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بعد میں رہنے والے اس شخص کے نیک اعمال کہاں گئے؟ دیکھتے نہیں ہو کہ اس نے اس عرصہ میں کتنے اعمال کئے۔

اس حدیث پر وہی اعتراض اور سوال ہے جو اس باب کی حدیث نمبر ۳ پر ہوا تھا وہاں تفصیل سے جوابات لکھے گئے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ پیچھے رہنے والا آج کل کا کوئی تبلیغی نہیں تھا جو جہاد کا جذبہ نہیں رکھتا تھا وہ صحابی تھے مرابط تھے مجاہد تھے شہادت کا حکمی رتبہ تو ان کو مل چکا تھا یہ مزید اعمال ان کے درجہ کو بلند کرنے میں معاون ثابت ہوئے۔[1]

قیامت کے دن بڑا عبادت گذار بھی مزید اعمال کی تمنا کرے گا

﴿۱۱﴾ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَمِيْرَةَ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ عَبْداً لَوْ خَرَّ عَلَى وَجْهِهِ مِنْ يَوْمِ وُلِدَ إِلَى أَنْ يَّمُوْتَ هَرَماً فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ لَحَقَّرَهُ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَوَدَّ أَنَّهُ رُدَّ إِلَى الدُّنْيَا كَيْمَا يَزْدَادَ مِنَ الْأَجْرِ وَالثَّوَابِ. (رَوَاهُمَا أَحْمَدُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت محمد ابن ابو عمیرہ جو رسول کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بندہ اپنی پیدائش کے وقت سے بڑھاپے میں مرنے تک صرف خدا کی طاعت وعبادت میں سرنگوں رہے تو وہ بھی اس (قیامت کے) دن اپنی اس تمام طاعت وعبادت کو بہت کم جانے گا اور یہ آرزو کرے گا کہ کاش اس کو دنیا میں پھر بھیج دیا جائے تا کہ اس کا اجر وثواب زیادہ ہو جائے۔ ان دونوں روایتوں کو امام احمد نے نقل کیا ہے۔

توضیح: "ابو عمیرة" عین پر زبر ہے اور میم پر زیر ہے، ان کے بیٹے کا نام محمد ہے چونکہ محمد کا صحابی ہونا زیادہ مشہور نہیں تھا اس لئے ان کے نام کے ساتھ یہ تعارف لگایا جاتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے صحابی تھے۔ اس حدیث میں اعمال کی بہت بڑی ترغیب ہے کہ ایک شخص نے تصور سے بھی بڑھ کر عبادت کی لیکن قیامت کے دن وہ بھی تمنا کریگا کہ میں کچھ زیادہ عبادت کرتا تو کتنا اچھا ہوتا۔[3]

---

[1] المرقات: ۹/۱۳۶ [2] اخرجه احمد: ۴/۱۸۵ [3] المرقات: ۹/۱۳۷

باب التوکل والصبر

صبر اور توکل کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ.[1] ان اللہ یحب المتوکلین.[2] وقال تعالیٰ واصبر وما صبرك الا باللہ.[3] ان اللہ مع الصابرین﴾

لغت میں توکل سپرد کردنے اور اعتماد و بھروسہ کو کہتے ہیں اور اصطلاح عام میں قضائے الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا نام توکل ہے۔ صوفیاء کرام کی اصطلاح میں کچھ تفاوت ہے، چنانچہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق بغیر چوں و چرا ''بس اور بے بسی سے الگ تھلگ ہونے کا نام توکل ہے''۔[4]

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق توکل اس کو کہتے ہیں کہ بندہ اس طرح اللہ تعالیٰ کا ہو جائے گویا کہ اس کا اپنا وجود ہی نہ تھا تو اللہ تعالیٰ اس طرح بندے کا ہو جائے گا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے تھا، بہر حال شریعت میں توکل اسباب کے تعطل کا نام نہیں ہے بلکہ تمام اسباب کا استعمال توکل کے ماتحت ہے جتنا بندہ سے ہو سکتا ہے وہ کرے آگے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ[5] کرے جس طرح ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی سے فرمایا **"قید و توکل"** مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **بر توکل زانوئے اشتر ببند**، یعنی اونٹ کو باندھ کر تب توکل کرو، بہر حال اسباب کا استعمال جائز ہے، اسباب پر بھروسہ اور اتکال جائز نہیں ہے، اسباب کے استعمال کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان اسباب کو مستقل حکم ہوتا ہے کہ وہ اثر کریں یا نہ کریں اس سے معلوم ہوا کہ اسباب کوئی مستقل علت نہیں ہیں بلکہ یہ بھی ذرائع ہیں ان کے ہاتھ میں بھی کچھ نہیں ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ توکل ایک عام لفظ ہے تمام اُمور اور سارے معاملات میں توکل جاری رہتا ہے لیکن اس کا زیادہ تر استعمال رزق اور کسب و اکتساب کے باب میں ہوتا ہے اور اسی میں زیادہ مشہور ہے۔[6]

"والصبر" جزع فزع کے مقابلہ میں نظم و ضبط اور سنجیدگی اور وقار کا نام صبر ہے، لغت میں صبر رکنے اور روکنے کو کہتے ہیں شریعت میں صبر اس کو کہتے ہیں کہ حق و باطل کے مقابلہ کے وقت جذبۂ حق پر ڈٹ کر جذبۂ باطل پر اس کو ترجیح دی جائے۔ ملا علی قاری نے مرقات میں صبر کی اس طرح تعریف کی ہے **"الصبر ھو حبس النفس علی ما یقتضیہ العقل والشرع"** اوپر اردو والی تعریف گویا اس عربی والی تعریف کی تشریح و تفصیل ہے۔ صبر کے تین ارکان ہیں۔

❶ الصبر علی العبادۃ ❷ الصبر عن المعصیۃ ❸ الصبر علی المصیبۃ[7]

[1] الطلاق ۳ [2] ال عمران ۱۵۹ [3] نحل ۱۲۷ [4] المرقات: ۹/۱۴۸ [5] المرقات: ۹/۱۴۸ [6] المرقات: ۹/۱۴۸ [7] المرقات: ۹/۱۴۸

توکل اور صبر چونکہ لازم اور ملزوم ہیں اس لئے دونوں کو ایک ہی باب میں جمع کر دیا گیا ہے تاہم توکل کا اکثر استعمال ارزاق کے معاملات میں ہوتا ہے اور صبر کا اکثر استعمال مصائب اور شدائد میں ہوتا ہے۔

الفصل الاول

کامل توکل کرنے والوں کی صفات

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِيْ سَبْعُوْنَ أَلْفاً بِغَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب جنت میں داخل ہوں گے جو منتر نہیں کراتے، شگون بد نہیں لیتے اور صرف اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

توضیح: «**لایسترقون**» سین وتا طلب کے لئے ہے **رقیہ** طلب کرنا مراد ہے **رقیہ** منتر جنتر کو کہتے ہیں۔ اب رقیہ اور منتر جنتر دو قسم پر ہے، ایک جاہلیت کا منتر جنتر ہے اس کو اسلام نے مطلقاً منع کیا ہے اگر یہاں رقیہ سے جاہلیت کے منتر جنتر مراد ہیں تو یہ ادنی مؤمن کے لئے بھی جائز نہیں ہے، شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ زیادہ واضح یہ ہے کہ اس حدیث میں منتر کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے زمانہ جاہلیت کے ٹونے ٹوٹکے اور مشرکانہ منتر مراد ہیں جن کا قران وحدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے اور[2] **لایتطیرون** کا جملہ اس پر واضح دلالت کرتا ہے کیونکہ تطیر کا عمل جاہلیت کی بدفالی میں سے ہے جو اسلام میں منع ہے لہٰذا منتر جنتر بھی منع ہے اور تطیر کا عمل بھی منع ہے۔ رقیہ اور منتر کی دوسری قسم دم درود اور علاج معالجہ ہے اگر اس حدیث میں مطلقاً دم درود اور علاج معالجہ کے ترک کرنے کا ذکر ہے تو اس سے خواص کا توکل مراد ہوگا اور یہ خواص الناس اور عارفین ومخلصین کے درجہ توکل کا ذکر ہوگا جن کی شان یہ ہو کہ جب ان سے کہا جائے کہ "**أَدْعُو لك الطبيب**؟" کیا علاج کے لئے طبیب کو بلایا جائے؟ تو جواب میں کہتے ہیں "**والطبيب امرضني**" یعنی طبیب ہی نے تو مجھے بیماری میں مبتلا کیا ہے تو علاج کیونکر ہو، یعنی یہ سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

اب خلاصہ یہ نکلا کہ جاہلیت کا منتر جنتر تو مطلقاً ممنوع ہے اور اگر جائز دم درود سے علاج مراد ہو تو اس کا ترک کرنا بھی جائز ہے جو کامل مخلصین کی صفت ہے گویا حدیث میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ علاج کرنا بھی جائز ہے اور علاج کو ترک کرنا بھی جائز ہے اول درجہ عوام الناس کا ہے دوسرا درجہ کامل مخلصین کا ہے اور اس کے بعد تیسرا درجہ انبیاء کرام اور صدیقین کا ہے کہ دنیا کے اسباب کا وجود اور عدم ان کی نظروں میں برابر ہوتا ہے اس درجہ کو فنافی اللہ اور باقی باللہ کا درجہ کہتے ہیں۔ باقی علاج کرنا افضل ہے یا نہ کرنا بہتر ہے یہ پوری بحث توضیحات **کتاب الطب والرقی** میں لکھی جاچکی ہے۔[3]

---

[1] اخرجه البخاری: ۸/۱۲۲ ومسلم: ۱/۱۱۰ [2] المرقات: ۹/۱۳۹ اشعة اللمعات [3] المرقات: ۹/۱۳۹

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْماً فَقَالَ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ فَجَعَلَ يَمُرُّ النَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّجُلَانِ وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّهْطُ وَالنَّبِيُّ وَلَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ فَرَأَيْتُ سَوَاداً كَثِيْراً سَدَّ الْأُفُقَ فَرَجَوْتُ أَنْ يَكُوْنَ أُمَّتِيْ فَقِيْلَ هٰذَا مُوْسٰى فِيْ قَوْمِهٖ ثُمَّ قِيْلَ لِيْ أُنْظُرْ فَرَأَيْتُ سَوَاداً كَثِيْراً سَدَّ الْأُفُقَ فَقِيْلَ لِيَ انْظُرْ هٰكَذَا وَهٰكَذَا فَرَأَيْتُ سَوَاداً كَثِيْراً سَدَّ الْأُفُقَ فَقِيْلَ هٰؤُلَاءِ أُمَّتُكَ وَمَعَ هٰؤُلَاءِ سَبْعُوْنَ أَلْفاً قُدَّامُهُمْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَلَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَكْتَوُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مُحْصِنٍ فَقَالَ أُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ أُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ فَقَالَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے سامنے امتوں کو پیش کیا گیا پس جب ان انبیاء نے اپنے امتوں کے ساتھ گزرنا شروع کیا تو (میں نے دیکھا) کہ ایک نبی کے ساتھ صرف ایک ہی شخص تھا اور ایک نبی ایسا تھا کہ اس کے ساتھ دو شخص تھے، ایک اور نبی گزرا کہ اس کے ساتھ ایک بھی شخص نہیں تھا اس کے بعد میں نے ایک بہت بڑا انبوہ دیکھا جو آسمان کے کناروں تک پھیلا ہوا تھا میں نے امید باندھی کہ یہ میری امت ہوگی لیکن مجھے بتایا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ اور ان کی امت کے لوگ ہیں پھر مجھ سے کہا گیا کہ ذرا آپ نظر اٹھا کر تو دیکھئے میں نے دیکھا کہ ایک بڑا ہجوم بے پناہ ہے جو آسمان کے کناروں تک پھیلا ہوا ہے پھر مجھ سے کہا گیا کہ ذرا ادھر ادھر یعنی دائیں بائیں بھی نظر گھما کر تو دیکھئے چنانچہ میں نے دیکھا تو بے پناہ ہجوم تھا جو آسمان کے کناروں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے بعد (مجھ سے) کہا گیا یہ سب آپ کی امت کے لوگ ہیں اور ان کے علاوہ ان کے آگے ستر ہزار لوگ ایسے ہیں جو جنت میں بغیر حساب کے جائیں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ تو بدفالی لیتے ہیں، نہ منتر پڑھواتے ہیں اور نہ اپنے جسم کو داغ دیتے ہیں اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔ یہ سن کر ایک صحابی عکاشہ ابن محصن کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے ان لوگوں میں شامل فرمادے حضور ﷺ نے دعا فرمائی الٰہی عکاشہ کو ان لوگوں میں شامل فرما، پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا اور اس نے بھی عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے ان لوگوں میں شامل فرمادے آپ نے فرمایا اس دعا کے سلسلے میں عکاشہ تم پر سبقت لے گئے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "مع هؤلاء سبعون الفاً" اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ اس کثیر جماعت کے علاوہ ستر ہزار ایسے ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ انہیں میں سے ستر ہزار ایسے ہیں جو حساب وکتاب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے، ایک روایت میں ہے کہ ان میں ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار آدمی ہوکر جنت جائیں گے یہ

[1] اخرجه البخاري: ۸/۱۲۴ ومسلم: ۱/۱۱۰

تعداد بہت زیادہ ہے [۱] "لا یکتوون" یہ اکتوا سے ہے داغ دینے کے معنی میں ہے، یہ مسائل اس سے پہلے کتاب الطب میں تفصیل سے لکھے گئے ہیں [۲] "سبقك بها عكاشه" یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ درجہ صرف ایک آدمی کے لئے تھا وہ عکاشہ پہلے لے گیا اب تم چاہتے تو ہو مگر وہ تم سے پہلے عکاشہ لے گیا۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ کے موقع پر شہید ہوگئے تھے۔ [۳]

مؤمن کی عجیب شان

﴿۳﴾ وَعَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَباً لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْراً لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْراً لَهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۴]

ترجمہ: اور حضرت صہیب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مؤمن کی بھی عجیب شان ہے کہ اس کی ہر حالت اس کے لئے خیر و بھلائی کا باعث ہے اور یہ بات صرف مؤمن کے لئے مخصوص ہے کوئی اور اس کے وصف میں شریک نہیں ہے اگر اس کو (رزق و فراخی و وسعت، راحت، چین، صحت و تندرستی، نعمت و لذت اور طاعت و عبادت کی توفیق کی صورت میں) خوشی حاصل ہوتی ہے تو وہ خدا کا شکر ادا کرتا ہے پس یہ شکر اس کے لئے خیر و بھلائی کا باعث ہوتا ہے اور اگر اس کو مصیبت پہونچتی ہے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے۔ پس یہ صبر بھی اس کے لئے خیر و بھلائی کا باعث ہوتا ہے۔ (مسلم)

توضیح: "صہیب" حضرت صہیب بن سنان موصل کے رہنے والے تھے، موصل عراق میں مشہور شہر ہے، رومیوں نے ڈاکہ ڈالا اور ان کو لے گئے اور پھر غلام بنا دیا حضرت صہیب وہاں جوان ہوئے پھر بنو کلب نے ان کو خریدا اور وہاں سے لاکر مکہ میں عبداللہ بن جدعان پر فروخت کیا اُنہوں نے خریدنے کے بعد ان کو آزاد کیا، مکہ مکرمہ میں یہ مسلمان ہوگئے ضعفاء مسلمین میں سے تھے ۳۸ھ ہجری میں مدینہ میں فوت ہوئے اور جنت البقیع میں دفن کردیئے گئے۔ یاد رہے صہیب رومی نہیں ہیں اصلاً یہ عراقی موصلی ہیں ان کو رومی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ ان کے خاندان میں پھلے پھولے ہیں، لوگ غلط فہمی کی وجہ سے رومی کہتے ہیں جیسا شاعر نے کہا: [۵]

حسن بصره بلال ازحبش صهیب از روم
زخاك مكه ابو جهل این چه بوالعجبی ست

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن کی عجیب شان ہے ہر حالت اس کی آخرت کے لئے مفید ہے اگر مصیبت آتی ہے تو صبر کرنے پر ثواب ملتا ہے اور اگر راحت آتی ہے تو شکر کرنے پر ثواب ملتا ہے۔

[۱] المرقات: ۹/۱۵۰ [۲] المرقات: ۹/۱۵۱ [۳] المرقات: ۹/۱۵۱ [۴] اخرجه مسلم: ۲/۵۹۶ [۵] المرقات: ۹/۲۵۲

طاقتور مسلمان ضعیف مسلمان سے بہتر ہے

﴿٤﴾وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ إِحْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجَزْ وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَ كَذَا وَلٰكِنْ قُلْ قَدَّرَ اللّٰهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ. (رَوَاهُ مُسْلِم)

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قوی مسلمان، ضعیف مسلمان سے بہتر اور خدا کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اور ہر مسلمان اپنے اندر نیکی و بھلائی رکھتا ہے جو چیز تمہیں نفع پہونچانے والی ہو اس کی حرص رکھو اور اللہ تعالیٰ سے مدد و توفیق طلب کرو اور اس سے عاجز نہ رہو، نیز اگر تمہیں (دین و دنیا) کی کوئی مصیبت و آفت پہونچے تو یوں نہ کہو اگر میں اس طرح کرتا تو ایسا ہوتا بلکہ یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہی مقدر کیا تھا (لہٰذا جو کچھ بھی پیش آیا ہے قضاء و قدر الٰہی کے مطابق ہی پیش آیا ہے) اور اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور یہ اس لئے کہ ''اگر'' کا لفظ شیطان کے عمل دخل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ (مسلم)

توضیح: ''المؤمن القوی'' یعنی قوت والا قوی مسلمان ضعیف مسلمان سے بہتر ہے۔ قوی مسلمان سے کون مراد ہے؟ تو ہر طبقہ نے اس حدیث کو اپنے مطلب میں استعمال کیا ہے یہاں تک کہ پنجاب میں اکثر پہلوانوں نے اپنے اُکھاڑ خانوں پر یہ حدیث لکھ دی ہے۔ ملا علی قاری نے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ قوی مسلمان وہ ہے جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہو ان کی اچھی رہنمائی کرتا ہو اور اس راستے میں لوگوں کی تکالیف کو برداشت کرتا ہو یہ کنارہ کش مسلمان سے بہتر ہے دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ قوی مسلمان وہ ہوتا ہے جو اسباب کے بجائے مسبب الاسباب کو دیکھتا ہو اس کا ایمان اتنا مضبوط ہو کہ وہاں اسباب کا امکان نہ ہو، اس کے مقابلہ میں ضعیف مسلمان اسباب پر نظر رکھتا ہے اس کا یقین کمزور ہوتا ہے تیسرا قول یہ ہے کہ یہاں مؤمن کے ایمان کا وہ غیر متزلزل حوصلہ اور عزم مراد ہے جس کی وجہ سے یہ مؤمن لپک کر جہاد کے میدان میں اُتر جاتا ہے اور خوب جنگ کرتا ہے اور اس کا جذبہ نیکی کے حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے میں بڑا مضبوط ہوتا ہے اور اس راستے میں ہر مصیبت پر خوب صبر کرتا ہے۔ [۱]

''فان لو'' یعنی لو کا کلمہ شیطان کے عمل کا دروازہ کھولتا ہے، مطلب یہ ہے کہ لفظ ''لو'' کو قضاء الٰہی پر داخل نہ کرو کہ اگر ایسا ہوتا تو ایسا ہو جاتا، اگر ایسا نہ ہوتا تو ایسا ہوتا وغیرہ وغیرہ کیونکہ اس سے شیطان کا عمل شروع ہو جاتا ہے یعنی تقدیر الٰہی کا مقابلہ شروع ہو جاتا ہے اور وساوس شیطانی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ [۲]

---

[۱] المرقات: ۹/۱۵۳، ۱۵۴ [۲] المرقات: ۹/۱۵۲، ۱۵۳

الفصل الثانی

کامل توکل سے رزق کے راستے کھل جاتے ہیں

﴿۵﴾عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوْ أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْ خِمَاصاً وَّتَرُوْحُ بِطَاناً۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[۱]

ترجمہ: حضرت عمر ابن خطاب کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، حقیقت یہ ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل واعتماد کرو جیسا کہ توکل کا حق ہے تو یقیناً وہ تمہیں اسی طرح روزی دے گا جس طرح کہ پرندوں کو روزی دیتا ہے، وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے (اپنے گھونسلوں میں) واپس آتے ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: "تغدو" صبح نکلنے کو اور رزق تلاش کرنے کو تغدو کہا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ رزق کی تلاش میں صبح نکلنا یا شام کو نکلنا منع نہیں ہے اور نہ توکل کے خلاف ہے یہ سعی ہے، فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے شاعر کہتا۔[۲]

نروح ونغدو لحاجاتنا وحاجة من عاش لا تنقضی

"خماصاً" یہ خمیص کی جمع ہے خالی پیٹ کو کہتے ہیں[۳] "بطاناً" یہ بطین کی جمع ہے بڑے اور بھرے پیٹ کو کہتے ہیں یہاں خوب سیر ہو کر شام کو واپس آنا مراد ہے۔[۴]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل رازق اللہ تعالیٰ ہے بندہ اگر کسب کرتا ہے تو وہ توکل کے منافی نہیں ہے۔ قرآن کی آیت ﴿وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقها﴾[۵] انسان کی سعی اور کسب کی تلاش کے خلاف نہیں ہے کیونکہ رزق کا وعدہ اس آیت میں اجمالی ہے اس کی تفصیل یہی ہے کہ آدمی نکل کر محنت کرے، حرکت کرے، تجارت کرے، یہ آیت انسان کو معطل کر کے بٹھاتی نہیں ہے بلکہ تفصیلی مواقع میں رزق ڈھونڈنے کے لئے انسان کو اُٹھاتی ہے۔

حکایت:

ملا علی قاری نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ کوا اپنے بچوں کو سفید دیکھ کر چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ مکھیوں کو ان بچوں کی طرف متوجہ کرتا ہے، مکھی اس کی چونچ پر زردی دیکھ کر اپنے رزق کی تلاش میں آ جاتی ہے تو یہ بچہ اس کو کھا جاتا ہے یہاں تک کہ بڑا ہو جاتا ہے پھر کوا آ کر اس کو سنبھالتا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرا قصہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عزرائیل سے پوچھا کہ جان لینے کے وقت تجھے کسی پر ترس بھی آیا

[۱] اخرجه الترمذی: ۴/۵۷۲ وابن ماجه: ۲/۱۳۹۴ [۲] المرقات: ۹/۱۵۶
[۳] المرقات: ۹/۱۵۶ [۴] المرقات: ۹/۱۵۶ [۵] هود ۶

ہے؟ تو عزرائیل نے کہا کہ ایک بچے پر ترس آیا، ایک دفعہ دریا میں جب کشتی ٹوٹ گئی تو ایک شیر خوار بچہ ماں کے ساتھ رہ گیا آپ کا حکم آیا کہ اس کی ماں کی جان لے لو میں نے جان لے لی اور بچہ روتا ہوا رہ گیا اس پر مجھے بڑا ترس آ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آگے سنو! میں نے اس کو ایک جزیرہ میں پہنچا دیا اور ایک شیرنی کو دودھ پلانے پر مقرر کیا جب یہ بچہ کچھ بڑا ہو گیا تو جنات کے ذریعہ سے اس کو انسانوں کی بولی سکھا دی جب یہ بچہ خوب بڑا ہو گیا تو یہ آبادی میں آ گیا یہاں تک کہ اس کو حکومت مل گئی، جب مضبوط ہو گیا تو اس نے خدائی کا دعویٰ کیا، اس کا نام شداد تھا۔ "**فتبارك الله من هو عالم بأسرار العباد**"۔[1]

حصول معاش میں جائز طریقے اختیار کرو

﴿٦﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّهَا النَّاسُ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُّقَرِّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهٖ وَلَيْسَ شَيْءٌ يُّقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ وَإِنَّ الرُّوْحَ الْأَمِيْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَإِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِيْ رُوْعِيْ إِنَّ نَفْساً لَّنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا أَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمُ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ فَإِنَّهٗ لَا يُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ إِلَّا بِطَاعَتِهٖ۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ إِلَّا أَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ وَإِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو تم کو جنت سے قریب کر دے اور دوزخ کی آگ سے دور کر دے علاوہ اس چیز کے جس کا حکم میں نے تمہیں دیا ہے اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو تم کو دوزخ کی آگ سے قریب کر دے اور جنت سے دور کر دے علاوہ اس چیز کے جس سے میں نے تمہیں منع کیا ہے اور روح الامین اور ایک روایت میں ہے کہ روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ بلاشبہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہیں کر لیتا (یعنی جو شخص بھی اس دنیا میں آتا ہے وہ اپنے اس رزق کو پائے بغیر دنیا سے نہیں جاتا جو اس کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کے مقدر میں لکھ دیا جاتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے اس طرف یوں اشارہ فرمایا ہے۔ ﴿**الله الذي خلقكم ثم رزقكم ثم يميتكم**﴾ پس جب یہ معاملہ ہے کہ جو رزق مقدر ہو گیا ہے وہ ہر حال میں ملے گا) دیکھو خدا کی نافرمانی سے ڈرتے رہو اور حصول معاش کی سعی و جدوجہد میں نیک روی اور اعتدال اختیار کرو تا کہ تمہارا رزق تم تک جائز و حلال وسائل و ذرائع اور مشروع طور طریقوں سے پہنچے نیز کہیں ایسا نہ ہو کہ رزق پہنچنے میں تاخیر تمہیں اس بات پر اکسا دے کہ تم گناہوں کے ارتکاب کے ذریعہ رزق حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگو، حقیقت یہ ہے کہ جو چیز خدا کے پاس ہے اس کو اس کی طاعت و خوشنودی ہی کے ذریعہ

[1] المرقات: ۹/۱۵۶ [2] اخرجه البغوي في شرح السنة ۱/۳۰۴

پایا جاسکتا ہے۔ اس روایت کو بغوی نے شرح السنۃ میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے لیکن بیہقی نے "وان روح القدس" کے الفاظ نقل نہیں کئے ہیں۔

توضیح: "یقربکم" یعنی جو اعمال و افعال و اقوال جنت کے قریب کرنے والے ہیں اور دوزخ سے دور کرنے والے ہیں میں نے تمہیں ان کا حکم دے دیا ہے اور جو اس کے برعکس ہیں میں نے ان سے تمہیں منع کردیا ہے [1] "نفث" خفی طریقہ سے پھونک مارنے کو نفث کہتے ہیں یہاں وحی القاء کرنے اور بات ڈالنے کے معنی میں ہے [2] "روعی" دل اور نفس کو روع کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ جبرئیل امین نے خفی وحی کے ذریعہ سے یہ بات پہنچائی ہے [3] "اجملو" یہ جمال سے بنا ہے یعنی تم حصول رزق اور کسب معاش میں راہ اعتدال اختیار کرو یعنی ایسا طریقہ اختیار کرو جس میں حقوق شرع اور حقوق عباد کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہو۔ جائز طریقہ سے رزق پہنچنے میں اگر تاخیر ہوجائے تو ناجائز طریقے اختیار نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال اور پسندیدہ رزق اس کی طاعت سے ملتا ہے معصیت سے نہیں ملتا۔ [4]

اصل زہد کیا ہے؟

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيْمِ الْحَلَالِ وَلَا إِضَاعَةِ الْمَالِ وَلٰكِنَّ الزَّهَادَةَ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَا تَكُوْنَ بِمَا فِي يَدَيْكَ أَوْثَقَ بِمَا فِي يَدِ اللّٰهِ وَأَنْ تَكُوْنَ فِي ثَوَابِ الْمُصِيْبَةِ إِذَا أَنْتَ أُصِبْتَ بِهَا أَرْغَبَ فِيْهَا لَوْ أَنَّهَا أُبْقِيَتْ لَكَ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَعَمْرُو بْنُ وَاقِدٍ الرَّاوِيُّ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ) [5]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا دنیا سے زہد اختیار کرنا یہ نہیں کہ حلال چیزوں کو حرام کرلیا جائے اور مال و اسباب کو ضائع کردیا جائے بلکہ دنیا سے زہد اختیار کرنا یہ ہے کہ مال و دولت اور دیگر دنیاوی اسباب میں سے جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں ہے اس پر اس چیز سے زیادہ اعتماد و بھروسہ نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں میں ہے نیز زہد یہ ہے کہ تم اس وقت کہ جب کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو طلب ثواب کی خاطر اس مصیبت کی طرف جو اگر تمہارے لئے باقی رہے زیادہ رغبت رکھو۔ (ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی عمرو ابن واقد منکر الحدیث ہیں۔

توضیح: "بتحریم الحلال" یعنی زہد فی الدنیا یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنے اوپر حلال اشیاء مثلاً گوشت اور پھل وغیرہ لذائذ حرام کردے جس طرح عیسائی پادری اور بعض خشک صوفی اس طرح کرتے ہیں یہ تو تحریم الحلال ہے جو بالکل ناجائز ہے، اصل زہد یہ ہے کہ انسان کے اپنے ہاتھ میں جو مال و اسباب ہیں اس پر اتنا بھروسہ و اعتماد نہ ہو جتنا اعتماد اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے خزانہ غیب پر ہے، انسان زاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے خزانہ غیب پر زیادہ بھروسہ رکھے،

[1] المرقات: ۹/۱۵۸ [2] المرقات: ۹/۱۵۸ [3] المرقات: ۹/۱۵۸ [4] المرقات: ۹/۱۵۸ [5] اخرجه الترمذي: ۲/۵۶۱

اس حدیث میں زہد کی یہ ایک صورت بیان کی گئی ہے اس کے بعد زہد کی دوسری صورت اس طرح بیان کی گئی ہے: لہ "وان تکون" یہ زہد کی دوسری صورت ہے، مطلب یہ ہے کہ زہد یہ بھی ہے کہ جب مصیبت آ جائے تو اس کے بدلے جو ثواب ملتا ہے تجھے اس ثواب کی رغبت اس مصیبت کے نہ آنے اور ثواب نہ ملنے سے زیادہ ہو یعنی اس مصیبت کا موجود ہونا اس کے نہ آنے سے تجھے زیادہ مرغوب و محبوب ہو کیونکہ اس پر ثواب ملتا ہے۔ اس حدیث میں ۲ "ابقیت" کا جو لفظ ہے یہ لم یصب کے معنی میں ہے یعنی مصیبت کا نہ آنا اور اس کو روک کر دفع کرنا ابقاء ہے، بہرحال زہد کی یہ دو صورتیں خوب ذہن نشین کر لینی چاہئیں۔ ۳

اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو پوری دنیا نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتی

﴿۸﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْماً فَقَالَ يَا غُلَامُ احْفَظِ اللهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلَى أَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ) ۴

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دن (سفر کے دوران) میں رسول کریم ﷺ کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہ آپ نے (مجھے مخاطب کر کے) فرمایا لڑکے! اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کا خیال رکھو، اللہ تعالیٰ تمہارا خیال رکھے گا، نیز تم ہر وقت اور ہر معاملہ میں اسی کی رضا و خوشنودی کے طالب رہو گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ بھی تمہارا خیال رکھے گا بایں طور کہ تمہیں دنیا میں بھی ہر طرح کی آفات اور مصیبتوں سے بچائے گا اور آخرت میں بھی ہر عذاب و سختی سے محفوظ رکھے گا جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ "من کان للہ کان اللہ لہ" اور اللہ تعالیٰ کے حق کا خیال رکھو گے تو تم اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ پاؤ گے۔ اور جب تم سوال کا ارادہ کرو تو صرف اللہ تعالیٰ کے آگے دست سوال دراز کرو اور جب تم مدد چاہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور یہ جان لو کہ اگر تمام مخلوق مل کر بھی تمہیں نفع پہنچانا چاہے تو ہرگز تمہیں نفع نہیں پہنچا سکے گی علاوہ صرف اس چیز کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے اور اگر دنیا کے تمام لوگ مل کر بھی تمہیں کسی طرح کا کوئی نقصان وضرر پہنچانا چاہیں تو وہ ہرگز تمہیں کوئی نقصان وضرر نہیں پہنچا سکیں گے علاوہ صرف اس چیز کے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے، قلم اٹھا کر رکھ دئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔

(احمد و ترمذی)

---

۱ المرقات: ۹/۱۶۰ ۲ المرقات: ۹/۱۶۰ ۳ المرقات: ۹/۱۶۰ ۴ اخرجه احمد: ۱/۲۹۳ والترمذی: ۴/۶۶۷

رضا بالقضاء خوش بختی کی علامت ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهُ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ اللّٰهِ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ سَخَطُهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهُ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ) [1]

ترجمہ: اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کی نیک بختی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں جو کچھ لکھ دیا ہے وہ اس پر راضی رہے اور ابن آدم کی بدبختی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے خیر و بھلائی کو مانگنا چھوڑ دے۔ نیز ابن آدم کی بدبختی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس کے مقدر میں لکھ دیا ہے وہ اس سے ناخوش و ناراض ہو۔ اس روایت کو احمد و ترمذی نے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "**استخارة الله**" اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ انسان کی خوش بختی کی علامت یہ ہے کہ یہ اس چیز پر راضی اور خوش رہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے منتخب کیا ہے اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر ناخوش ہونا بدبختی کی علامت ہے لہٰذا اس کو چاہئے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے خیر کا طلب گار ہو "**استخارة الله**" اس جملہ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس میں سین اور تا طلب کے لئے ہے یعنی خیر اور شر نفع اور ضرر دونوں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے فیصلے ہیں لیکن انسان کو چاہئے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے خیر اور بھلائی طلب کرے، بھلائی طلب نہ کرنا اور اس کا سوال چھوڑ دینا انسان کی بدبختی کی علامت ہے۔

شارحین نے اس جملہ کا یہ آخری مطلب بیان کیا ہے، میں نے اس سے پہلے ایک اور مطلب کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے واللہ اعلم اس جملہ میں استخارہ نکالنے کی ترغیب کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے۔ استخارہ نکالنے کا ایک طریقہ تو معروف ہے جو کتابوں میں لکھا ہوا ہے مگر ایک مختصر طریقہ یہ بھی ہے کہ آدمی یہ کلمات استخارہ کی نیت سے پڑھے۔ [2]

"اَللّٰهُمَّ خِرْلِيْ وَاخْتَرْلِيْ فَلَا تَكِلْنِيْ إِلٰى اخْتِيَارِيْ"

استخارہ کی ترغیب میں ایک عجیب حدیث ہے فرمایا:

"ما خاب من استخار ولا ندم من استشار ولا عال من اقتصد"

استخارے والا ناکام نہیں رہتا، مشورے والا پشیمان نہیں ہوتا اور میانہ رو فقیر نہیں ہوتا۔

---

[1] اخرجه احمد: ۱/۱۶۸ والترمذی: ۴/۴۵۵ [2] المرقات: ۹/۱۶۶

الفصل الثالث

اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد کا اثر

﴿۱۰﴾ عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَلَمَّا قَفَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَفَلَ مَعَهُ فَأَدْرَكَتْهُمُ الْقَائِلَةُ فِي وَادٍ كَثِيْرِ الْعِضَاهِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَفَرَّقَ النَّاسُ يَسْتَظِلُّوْنَ بِالشَّجَرِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ سَمُرَةٍ فَعَلَّقَ بِهَا سَيْفَهُ وَنِمْنَا نَوْمَةً فَإِذَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْنَا وَإِذَا عِنْدَهُ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ إِنَّ هٰذَا اخْتَرَطَ عَلَيَّ سَيْفِي وَأَنَا نَائِمٌ فَاسْتَيْقَظْتُ وَهُوَ فِي يَدِهِ صَلْتًا قَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي فَقُلْتُ اللهُ ثَلَاثًا وَلَمْ يُعَاقِبْهُ وَجَلَسَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي بَكْرٍ الْإِسْمَاعِيْلِيِّ فِي صَحِيْحِهِ فَقَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي قَالَ اللهُ فَسَقَطَ السَّيْفُ مِنْ يَدِهِ فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّيْفَ فَقَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي فَقَالَ كُنْ خَيْرَ آخِذٍ فَقَالَ تَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُوْلُ اللهِ قَالَ لَا وَلٰكِنِّي أُعَاهِدُكَ عَلَى أَنْ لَا أُقَاتِلَكَ وَلَا أَكُوْنَ مَعَ قَوْمٍ يُقَاتِلُوْنَكَ فَخَلَّى سَبِيْلَهُ فَأَتَى أَصْحَابَهُ فَقَالَ جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ. هٰكَذَا فِي كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَفِي الرِّيَاضِ) [1]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اس جہاد میں شریک تھے جو نجد کے اطراف میں ہوا تھا اور جب رسول کریم ﷺ جہاد سے فارغ ہوئے اور واپس ہوئے تو جابر بھی آپ کے ساتھ ہی واپس ہوئے (اسی سفر کے دوران ایک دن) صحابہ دوپہر کے وقت ایک ایسے جنگل میں پہنچے جس میں کیکر کے درخت زیادہ تھے، چنانچہ رسول کریم ﷺ وہیں اتر آئے اور تمام لوگ درختوں کے سایہ کی تلاش میں ادھر ادھر پھیل گئے۔ رسول کریم ﷺ بھی کیکر کے ایک بڑے درخت کے نیچے فروکش ہو گئے اور اپنی تلوار کو اس درخت کی ٹہنی میں لٹکا دیا ہم لوگ تھوڑی سی نیند لینے کی خاطر سو چکے تھے کہ اچانک ہم نے سنا کہ رسول کریم ﷺ ہمیں آواز دے رہے ہیں، چنانچہ ہم لوگ آپ کے پاس پہونچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ (آپ لیٹے ہوئے ہیں اور وہیں) آپ کے پاس ایک دیہاتی کافر موجود ہے، آنحضرت نے فرمایا کہ یہ دیہاتی اس وقت جب کہ میں سو رہا تھا مجھ پر میری تلوار سوت کر کھڑا ہو گیا اور جب میری آنکھ کھل گئی تو میں نے دیکھا کہ میری ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں ہے، اس نے مجھ سے کہا کہ اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے فوراً جواب دیا کہ میرا خدا مجھے بچائے گا۔ حضور نے یہ بات تین مرتبہ کہی اور اس دیہاتی کو کوئی سزا نہیں دی، پھر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ (بخاری و مسلم) اور اس روایت میں کہ جس کو ابوبکر اسماعیلی نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے یہ الفاظ ہیں کہ اس دیہاتی نے کہا کہ اب تمہیں مجھ سے کون بچائیگا؟ تو حضور نے فرمایا کہ اللہ بچائیگا! دیہاتی کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی

[1] اخرجه البخاري: ۴/۴۸ ومسلم: ۲/۲۱۳

حضور ﷺ نے تلوار کو اٹھالیا اور فرمایا کہ اب تمہیں کون مجھ سے بچائے گا؟ دیہاتی نے جواب دیا آپ تو بھلائی کے ساتھ گرفت کرنے والے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اچھا اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ گویا آپ نے اس سے یہ فرمایا کہ اگر تمہیں میرے اوپر اتنا زیادہ اعتماد ہے تو پھر یقیناً یہ بات بھی اچھی طرح سمجھتے ہو گے کہ میری دعوت اسلام بالکل برحق اور مبنی برصداقت ہے اس صورت میں تو تمہیں چاہئے کہ کلمہ پڑھ لو اور مسلمان ہو جاؤ۔ دیہاتی نے کہا مسلمان تو نہیں ہوسکتا البتہ آپ سے یہ عہد ضرور کرتا ہوں کہ نہ میں خود آپ سے لڑوں گا اور نہ ان لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپ سے لڑیں گے۔ بہر حال آپ نے اس دیہاتی کو چھوڑ دیا اور جب وہ دیہاتی اپنی قوم میں آیا تو کہنے لگا کہ میں تمہارے درمیان ایک ایسے شخص کے پاس سے آرہا ہوں جو سب سے بہتر انسان ہے۔ بخاری و مسلم کی مذکورہ بالا روایت انہی الفاظ کے اضافہ کے ساتھ کتاب حمیدی اور امام محی الدین نووی کی تصنیف ریاض الصالحین میں بھی منقول ہے۔

توضیح: "نجد" زمین کے بلند حصہ کو نجد کہتے ہیں، علاقہ نجد بلند زمین پر واقع ہے، اس کے مقابل تہامہ ہے جو پست زمین میں واقع ہے قدیم زمانہ میں نجد بہت مختصر علاقہ تھا مگر اب جزیرۃ العرب کے سارے وسطی علاقہ کو نجد کہا جاتا ہے جس کا انتہائی طول تقریباً آٹھ سو میل ہے اور انتہائی عرض تقریباً سوا دو سو میل ہے۔ آج کل سعودی حکومت میں ریاض اور اس طرف کے سارے علاقے نجد میں آتے ہیں اور سعودی پرانہیں قبائل کی حکومت ہے جو نجدی ہیں۔ [1]

"**القائلة**" قیلولہ کو قائلہ کہا گیا ہے [2] "**العضاہ**" کیکر کے درخت کو کہتے ہیں۔ "**اخترط**" [3] مارنے کے لئے تلوار سونتنے اور نکالنے کو اختراط کہتے ہیں "**صلتاً**" نیام سے نکال کر ننگی تلوار سونتنے کو صلتاً کہتے ہیں۔ [4]

"**اللہ**" لفظ اللہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے اس شخص پر جلالی توجہ ڈالی تو اس پر کپکپی طاری ہوگئی اور ہاتھ سے تلوار گرگئی۔ [5]

رزق کے لئے مجرب مراقبہ

﴿۱۱﴾ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنِّي لَأَعْلَمُ آيَةً لَوْ أَخَذَ النَّاسُ بِهَا لَكَفَتْهُمْ ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجاً وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ) [6]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ (محض) اسی آیت پر عمل کریں تو ان کے حق میں وہی ایک آیت کافی ہو جائے وہ آیت یہ ہے۔ ﴿ومن یتق اللہ یجعل لہ الخ﴾ یعنی جو شخص خدا سے ڈرے تو خدا اس کے لئے (دنیا اور آخرت کے غموں سے) نجات کا راستہ پیدا کر دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں سے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ (ابن ماجہ، داری)

[1] المرقات: ۹/۱۶۷، ۱۶۸ [2] المرقات: ۹/۱۶۸ [3] المرقات: ۹/۱۶۸

[4] المرقات: ۹/۱۶۸ [5] المرقات: ۹/۱۶۸ [6] اخرجه احمد: ابن ماجه: ۲/۴۱۱

"یتق الله" یعنی ظاہراً اور باطناً اپنا معاملہ اللہ کے ساتھ صاف رکھے اور زندگی کے کسی پہلو میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہوجائے گا "کونوا أبناء الآخرة ولا تکونوا ابناء الدنیا"۔

﴿۱۲﴾وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ أَقْرَأَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿إِنِّيْ أَنَا الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ آیت سکھائی ﴿انی انا الرزاق الخ﴾ یعنی بلاشبہ میں ہی روزی دینے والا ہوں (اور) غالب طاقت والا ہوں۔ (ابوداؤد، ترمذی) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

"اقرأنی" یہ قرأت شاذ ہے مشہور قرأت قرآن میں اس طرح ہے ﴿ان الله هو الرزاق ذوالقوة المتین﴾ ابتداء میں آیت اسی طرح تھی جیسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پڑھی بعد میں یا منسوخ ہوگئی یا شاذ ہوگئی۔[۲]

دینی طالب علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے

﴿۱۳﴾وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَخَوَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ أَحَدُهُمَا يَأْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْآخَرُ يَحْتَرِفُ فَشَكَا الْمُحْتَرِفُ أَخَاهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو بھائی تھے جن میں سے ایک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا کرتا تھا اور دوسرا بھائی کوئی کام کرتا تھا (اور دونوں بھائی ایک ساتھ کھاتے پیتے تھے) چنانچہ کمانے والے بھائی نے اپنے دوسرے بھائی کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ تمہیں اسی کی برکت سے رزق دیا جاتا ہو۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

توضیح: "فشکی المحترف" المحترف احتراف سے ہے حرفہ کام کاج اور کاریگری کو کہتے ہیں۔ یہ دو بھائی مدینہ منورہ میں رہتے تھے ایک کام کاج کرتا تھا اور گھر کا خرچ برداشت کرتا تھا اور دوسرا اصحاب صفہ کا طالب علم تھا آنحضرت کے درس اور مجلس علم میں آکر بیٹھتا تھا ظاہر ہے اس کا سارا وقت حصول علم دین میں صرف ہوتا تھا، اس کے بھائی نے شکایت کی کہ میرا بھائی کام نہیں کرتا، میں اکیلا ہوں گھر کا بوجھ زیادہ ہے اگر یہ بھی میرے ساتھ کمائی میں لگ جائے تو ہماری اقتصادی حالت اچھی ہوجائے گی آپ اس کو میرے ساتھ کردیں تاکہ یہ بھی کمائے اور ہم سب کھائیں،

[۱] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۵ والترمذی: ۵/۱۹۱ [۲] المرقات: ۹/۱۷۰ [۳] اخرجه الترمذی: ۴/۵۷۴

شکایت کے تحت یہ ساری چیزیں آسکتی ہیں اگرچہ زبان سے انہوں نے صرف شکایت کے لہجے میں اشارہ ہی کردیا ہو، عوام بہت ہوشیار ہوتے ہیں ان کے اشاروں کے پیچھے بڑا منصوبہ ہوتا ہے مگر دنیوی منصوبہ ہوتا ہے، آج کل عام معاشرہ کا یہی خیال ہے کہ یہ دینی مدارس کا نظام بے کار ہے اس کے پڑھنے والے طالب علم بے کار ہیں، فضول بیٹھے ہیں، وقت ضائع کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔[1]

"فقال" یعنی نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کے پورے منصوبے کا اندازہ لگالیا تو آپ نے اس کو اقتصادی اور معاشی کمائی کے حوالہ سے جواب دیا، مطلب یہ ہے کہ تم یہ کیوں سمجھتے ہو کہ تمہیں جو رزق ملتا ہے وہ تمہاری محنت اور کمائی ہی کی وجہ سے ملتا ہے تم اس طرح خیال کیوں نہیں کرتے کہ اس طالب علم کی خدمت کرنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہیں رزق دے رہا ہے پس اس صورت میں تمہاری شکایت اور احسان جتلانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ تمہیں تو اس کا احسان ماننا چاہئے کہ اس کی وجہ سے تمہارے مال میں برکت آرہی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دینی علوم کے حصول کے لئے دنیا سے کنارہ کش ہونا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کمزور اور ضرورت مند افراد کی کفالت سے مال میں برکت آتی ہے، ایک روایت میں ہے۔ **"انما تأکلون بضعفائکم"**[2]

جو مال کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں وہ مارے جاتے ہیں

﴿۱۴﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ قَلْبَ ابْنِ آدَمَ بِكُلِّ وَادٍ شُعْبَةٌ فَمَنْ أَتْبَعَ قَلْبَهُ الشُّعَبَ كُلَّهَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ بِأَيِّ وَادٍ أَهْلَكَهُ وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ كَفَاهُ الشُّعَبَ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن عاص کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ انسان کے دل کے لئے ہر جنگل میں ایک شاخ اور ایک گوشہ ہے، پس جس شخص نے اپنے دل کو ان شاخوں اور گوشوں کی طرف متوجہ رکھا تو اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں کہ اس کو کس جنگل میں ہلاک کرے، اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ پر توکل و اعتماد کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام کاموں کی درستی کے لئے کافی ہوجاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

توضیح: "شعبة" یعنی انسان کے دل کی کوئی نہ کوئی شاخ اور اس کی سوچ اور خیال کا کوئی نہ کوئی راستہ رزق کی تلاش میں ہر وادی اور ہر دشت و بیابان میں بٹا ہوا ہے یعنی اس کو یہ فکر لگی ہوتی ہے کہ کس طرح اور کہاں سے کماؤں گا؟ پھر کبھی عملی طور پر ان وادیوں میں آخرت سے غافل ہوکر نکلتا ہے اور مارے مارے پھرتا ہے اور اچانک ہلاک ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں کہ یہ غافل اور عاشقِ دنیا کس وادی میں ہلاک ہورہا ہے لیکن یہی انسان اگر اپنا مقصود آخرت کو بنالے اور

[1] المرقات: ۹/۱۷۰، ۱۷۱ [2] المرقات: ۹/۱۷۱ [3] اخرجہ ابن ماجہ: ۲/۱۳۹۵

اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگا رہے تو ان تمام وادیوں کی دوڑ دھوپ سے محفوظ رہے گا اور ہر وادی کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہو جائے گا۔ [1]

پورا معاشرہ اگر اطاعت پر آ گیا تو ہر مصیبت دور ہوگی

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَبُّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ لَوْ أَنَّ عَبِيْدِيْ أَطَاعُوْنِيْ لَأَسْقَيْتُهُمُ الْمَطَرَ بِاللَّيْلِ وَأَطْلَعْتُ عَلَيْهِمُ الشَّمْسَ بِالنَّهَارِ وَلَمْ أُسْمِعْهُمْ صَوْتَ الرَّعْدِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بزرگ و برتر تمہارا پروردگار فرماتا ہے کہ اگر میرے بندے میری فرمانبرداری کریں تو یقیناً میں ان پر رات میں بارش برساؤں اور دن کو ان پر دھوپ کی چادر پھیلاؤں اور ان کو بادل گرجنے کی آواز نہ سناؤں (احمد)

توضیح: "اطاعونی" اس اطاعت سے عام اطاعت مراد ہے لیکن اس کے ضمن میں توکل اور صبر بھی داخل ہے جو یہاں مقصود ہے ایسے فرمانبرداروں کے بارے میں فرمایا کہ ان کا پورا معاشرہ اگر طاعت پر آ گیا تو ان کی ضرورت کے مطابق رات کو بارش ہوگی تاکہ گرج چمک کا خوف ان کو لاحق نہ ہو اور دن کو دھوپ نکل آئے گی تاکہ ان کے کاروبار میں خلل نہ پڑے، دن اور رات کا موسم ان کے لئے سازگار رہے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ عمومی افراد کے اچھے اعمال کا نتیجہ ہوگا، شخصی زندگی کا یہ اثر نہیں ہوگا ہاں کبھی کبھی شخصی افراد کے ساتھ شخصی معاملہ ہوسکتا ہے۔

بھروسہ اور توکل کا ایک حیرت انگیز واقعہ

﴿۱۶﴾ وَعَنْهُ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ عَلَى أَهْلِهِ فَلَمَّا رَأَى مَا بِهِمْ مِنَ الْحَاجَةِ خَرَجَ إِلَى الْبَرِيَّةِ فَلَمَّا رَأَتْ اِمْرَأَتُهُ قَامَتْ إِلَى الرَّحَى فَوَضَعَتْهَا وَإِلَى التَّنُّوْرِ فَسَجَّرَتْهُ ثُمَّ قَالَتْ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا فَنَظَرَتْ فَإِذَا الْجَفْنَةُ قَدِ امْتَلَأَتْ قَالَ وَذَهَبَتْ إِلَى التَّنُّوْرِ فَوَجَدَتْهُ مُمْتَلِئًا قَالَ فَرَجَعَ الزَّوْجُ قَالَ أَصَبْتُمْ بَعْدِيْ شَيْئًا قَالَتِ امْرَأَتُهُ نَعَمْ مِنْ رَّبِّنَا وَقَامَ إِلَى الرَّحَى فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَمَا إِنَّهُ لَوْ لَمْ يَرْفَعْهَا لَمْ تَزَلْ تَدُوْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ) [3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص اپنے گھر والوں کے پاس آیا تو اس نے گھر والوں پر محتاجگی اور فاقہ و فقر کے آثار دیکھے، وہ یہ دیکھ کر اپنے خدا کے حضور اپنی حاجات پیش کرنے اور یکسوئی کے ساتھ اس کی بارگاہ میں عرض و مناجات

[1] المرقات: ۹/۱۷۱ [2] اخرجہ احمد: ۲/۳۵۹ [3] اخرجہ احمد: ۲/۵۱۳

کرنے کے لئے جنگل کی طرف چلا گیا ادھر جب اس کی بیوی نے یہ دیکھا تو وہ اٹھی اور چکی کے پاس گئی، چکی کو اس نے اپنے آگے رکھا پھر وہ تنور کے پاس گئی اور اس کو گرم کیا اس کے بعد خدا سے یہ دعا کی۔ الٰہی! ہمیں رزق عطا فرما پھر جو اس نے نظر اٹھائی تو کیا دیکھتی ہے کہ چکی کا گرانڈ آٹے سے بھرا ہوا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب وہ آٹا (گوندھ کر) تنور کے پاس گئی تو تنور کو روٹیوں سے بھرا ہوا پایا۔ راوی کہتے ہیں کہ کچھ دیر بعد جب خاوند گھر آیا تو بیوی سے پوچھا کہ کیا میرے جانے کے بعد تمہیں کچھ مل گیا تھا بیوی نے کہا کہ ہاں۔ یہ ہمیں خدا کی طرف سے ملا ہے۔ خاوند نے یہ سنا تو اس کو بہت تعجب ہوا اور اٹھ کر چکی کے پاس گیا (اور چکی کو اٹھایا تاکہ چکی کا کرشمہ دیکھے) پھر جب اس واقعہ کا ذکر نبی کریم ﷺ کے سامنے کیا گیا تو آپ نے فرمایا جان لو! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر وہ شخص اس چکی کو نہ اٹھاتا تو وہ چکی مسلسل قیامت کے دن تک گردش میں رہتی اور اس سے آٹا نکلتا رہتا۔ (احمد)

توضیح: "البرية" جنگل اور صحراء کو بریہ کہتے ہیں، شوہر گھر سے صحرا کی طرف اس لئے گیا کہ یکسوئی کے ساتھ دعا مانگے نیز گھریلو پریشانی دیکھ کر کچھ وقت کے لئے غائب رہنا پسند کیا ہوگا یا کسی رزق کی تلاش میں نکلا ہوگا "فقامت" بیوی نے جب دیکھا کہ شوہر مناجات کے لئے نکلا ہے اب دعا قبول ہوگی تو اس نے اسباب استعمال کرنا شروع کر دئے کیونکہ دعا کے ساتھ ساتھ اسباب کا استعمال بھی ضروری ہے۔ [۱]

"**فوضعتها**" یعنی چکی کا ایک پاٹ دوسرے پاٹ پر رکھ دیا تاکہ آٹے کا عمل شروع ہو جائے۔ [۲]

"**ثم قالت**" یہ عورت بھی اللہ تعالیٰ کی ولیہ صحابیہ تھیں انہوں نے بھی گڑگڑا کر دعا مانگی اور پھر چکی کے پاس دیکھنے کے لئے گئیں تو انہوں نے دیکھا کہ چکی کا گرانڈ آٹے سے بھرا پڑا ہے اور تندور پکی پکائی روٹیوں سے بھرا پڑا ہے قدرت کا یہ کرشمہ ان حضرات کے صبر اور توکل کی وجہ سے ظاہر ہوا۔ [۳] "**وقام**" یعنی شوہر چکی کے پاس گیا اور پاٹ اٹھا کر دیکھا کہ کرشمہ دیکھے۔ [۴]

رزق انسان کی تلاش میں رہتا ہے

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ أَجَلُهُ. (رَوَاهُ أَبُو نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ) [۵]

ترجمہ: اور حضرت ابو درداء کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رزق بندے کی اس طرح تلاش کرتا ہے جس طرح انسان کو اس کی موت ڈھونڈتی ہے۔ اس روایت کو ابونعیم نے کتاب حلیہ میں نقل کیا ہے۔

توضیح: "اجلہ" یعنی رزق انسان کے پیچھے اسی طرح لگا رہتا ہے جس طرح موت اس کی تلاش میں لگی رہتی ہے جب تک موت اس کو نہیں پاتی وہ اس کی تلاش میں رہتی ہے اسی طرح جب تک انسان اپنا مقرر شدہ رزق پورا کر کے نہیں کھاتا رزق اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا، مطلب یہ ہوا کہ رزق کو تلاش کرو یا نہ کرو کماؤ یا نہ کماؤ وہ تمہیں تلاش کرتا رہتا ہے موت

[۱] المرقات: ۹/۱۷۲ [۲] المرقات: ۹/۱۷۲ [۳] المرقات: ۹/۱۷۲ [۴] المرقات: ۹/۱۷۳ [۵] اخرجه ابونعيم في الحليه: ۶/۸۶

آنے سے پہلے رزق آتا ہے آدمی اس کو کھاتا ہے تب موت آتی ہے اس حدیث کا تعلق صبر و توکل سے ہے اور یہ مقدرات الٰہیہ اور تقدیر کے فیصلوں سے متعلق ہے جس طرح اسلام نے تقدیر کی حیثیت کو بیان کیا ہے اسی طرح اسباب کے استعمال کو بھی بیان کیا ہے تو حدیث کا یہ مطلب لینا صحیح نہیں ہے کہ مال کمانا اور اس کے لئے محنت کرنا منع ہے بلکہ مطلب یہ ہیکہ اسباب پر اتکال ناجائز ہے۔[1]

ایک نبی کا بے مثال صبر

﴿۱۸﴾وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْكِيْ نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ ضَرَبَهُ قَوْمُهُ فَأَدْمَوْهُ وَهُوَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ وَيَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ گویا میں اس وقت بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ ایک ایسے نبی کا قصہ بیان فرمارہے ہیں جن کو ان کی قوم نے مارا اور لہولہان کر دیا لیکن وہ نبی اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے۔اے اللہ! میری قوم کو بخش دے یہ لوگ میری حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "یحکی نبیا" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک نبی کی حکایت بیان فرمارہے ہیں۔[3]

"اللّٰھم اغفر" یعنی اے اللہ میری قوم کو بخش دے ان کو سمجھ نہیں ہے، یہاں مغفرت کی دعا اس قوم کے ایمان اور ہدایت کے لئے اس نبی نے مانگی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے تاکہ ان کے سارے گناہ معاف ہوجائیں یہ مطلب نہیں ہے کہ شرک و کفر کے ساتھ مرنے کے بعد ان کی مغفرت کی دعا مانگی جارہی ہے۔باقی یہ بات رہ گئی ہے کہ اس نبی سے کون مراد ہیں تو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ نبی کون تھے، ہاں بعض روایات میں ہے کہ اس سے حضرت نوح علیہ السلام مراد ہیں، ان کی قوم ان کو اتنا مارتی کہ وہ بیہوش ہوکر زمین پر گر پڑتے اور ہوش میں آکر پھر دعوت دیتے تھے۔

بعض شارحین فرماتے ہیں کہ اس نبی سے مراد نبی آخرزمان محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہیں جب احد کے موقع پر کفار نے آپ پر حملہ کیا اور آپ کو لہولہان کیا اس وقت آپ اپنے چہرۂ انور سے خون پونچھ رہے تھے اور یہ الفاظ فرمارہے تھے "اللّٰھم اغفر لقومی فانھم لایعلمون" یعنی اس مارنے کی وجہ سے ان پر دنیا میں فوری عذاب نہ آئے، علماء لکھتے ہیں کہ یہ راجح ہے کہ اس سے آنحضرت کی ذات مراد لی جائے۔[4]

---

[1] المرقات: ۹/۱۶۳ [2] اخرجه البخاری: ۴/۲۱۳ و مسلم: ۲/۱۰۱ [3] المرقات: ۹/۱۶۳ [4] المرقات: ۹/۱۶۴

باب الریاء والسمعة

شہرت وریا کاری کا بیان

"قال اللّٰہ تعالیٰ الذین ھم یراؤن ویمنعون الماعون" [۱]

"الریا" ریاء رویت سے بنا ہے دکھاوے کے معنی میں ہے لغت کی کتاب [۲] صراح نے لکھا ہے کہ ریاء کے معنی یہ ہیں ''اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں میں اچھا کر کے پیش کرنا'' اسی کو اردو میں دکھاوا کہتے ہیں ''کتاب عین العلم'' میں لکھا ہے کہ ریا کا مطلب یہ ہے کہ ''اپنی عبادت کا سکہ لوگوں میں بٹھانا اور عبادت و نیکی کے ذریعہ سے لوگوں میں اپنی قدر و منزلت پیدا کرنا''۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ریا کاری کا تعلق عبادات اور نیکیوں کے ساتھ ہے یعنی اچھے اعمال میں ریا کاری ہوتی ہے جو اعمال ظاہری طور پر عبادات کے قبیلے سے نہیں ہیں مثلاً تیراندازی، تیراکی، مسابقت، ذہانت، کثرت اموال، کثرت جمال، کثرت کمال، یہ چیزیں ریا کاری کے زمرے میں نہیں آتی بلکہ اس پر فخر کر کے نمائش کرنا تکبر وافتخار کے زمرے میں آتا ہے، اسی طرح بعض مرشدین حضرات اپنے مریدین کو ترغیب دینے اور شوق بڑھانے کی غرض سے بعض اعمال ظاہر کرتے ہیں وہ بھی ریا کاری میں نہیں آتے اسی لئے کہا گیا ہے کہ "ریاء الصدیقین خیر من اخلاص المریدین" یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ ریا کاری کا عمل وہ عمل بن سکتا ہے کہ کسی میں وہ عمل موجود ہو اور اس کمال سے وہ متصف ہو اور اس اچھے عمل کو وہ شخص لوگوں میں اس لئے مشہور کر رہا ہو کہ اس کی وجہ سے اس کی قدر و منزلت لوگوں میں پیدا ہو جائے لیکن اگر اس شخص میں نیکی اور عبادت کا کوئی کمال موجود نہیں ہے اور وہ ویسے ہی اپنے آپ کو لوگوں میں مشہور کر رہا ہے تو یہ ریا کاری نہیں بلکہ دھوکہ اور فراڈ اور صریح کذب ہے یہ الگ جرم ہے۔

ریا کاری کی اقسام

عبادت کرنے اور حصول ثواب کی نیت کرنے کے اعتبار سے ریا کاری کی چار قسمیں ہیں ذیل میں ان کو بیان کیا جاتا ہے۔

ریا کاری کی پہلی قسم:

ریا کاری کی سب سے بری اور سنگین قسم یہ ہے کہ کوئی شخص عبادت و ریاضت اللہ تعالیٰ کی رضا اور حصول ثواب کی بجائے محض لوگوں کے دکھاوے اور اپنا وزن بڑھانے کے لئے کر رہا ہو مثلاً عام مجمع میں لمبی لمبی نمازیں پڑھ رہا ہے اور جب تنہائی

[۱] ماعون: ۶،۷　　[۲] المرقات: ۹/۱۷۴

میں جاتا ہے تو لمبی کیا خود نماز ہی غائب ہو جاتی ہے، عام مجمع میں قلیل کھانا کھاتا ہے تا کہ بادشاہوں اور بااثر لوگوں میں یہ گمان پیدا کرے کہ یہ بڑا زاہد آدمی ہے۔ ریا کاری کی اس قسم میں بعض علماء کا خیال ہے کہ اس شخص کا کوئی عمل قبول نہیں ہے بلکہ اس کا فرض بھی ادا نہیں ہوگا یہ شخص صرف تعب ومشقت میں اپنے آپ کو رکھتا ہے۔

حکایت:

گلستان میں بابا سعدی نے ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک نیک آدمی بادشاہ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا تو اس نے بادشاہ کو دکھانے کے لئے بہت کم کھانا کھایا اور جب نماز کا وقت آ گیا تو بہت لمبی نماز پڑھی بادشاہ نے کہا یہ تو بہت زاہد و عابد آدمی ہے جب یہ شخص گھر آ گیا تو بیٹے سے کہا کہ کھانا لاؤ بیٹے نے کہا کہ آپ تو بادشاہ کی دعوت میں گئے تھے وہاں کھانا نہیں کھایا؟ اس نے کہا بیٹے میں نے کھانا کم کھایا تا کہ بادشاہ کے نزدیک مقام بن جائے، بیٹے نے کہا کہ ابا جان آپ جب کھانا دوبارہ کھا رہے ہیں تو آپ نماز بھی دوبارہ پڑھیں کیونکہ ریا کاری کی وجہ سے آپ کی نماز بھی خراب ہوگئی ہے۔
ریا کاری کی اس قسم میں عابد آدمی ثواب کی نیت نہیں کرتا بلکہ نیت ہی دکھاوے کی ہوتی ہے۔[1]

ریا کاری کی دوسری قسم:

ریا کاری کی دوسری قسم یہ ہے کہ ریا کار آدمی عبادت بھی کرتا ہے اور ثواب کی نیت بھی کرتا ہے مگر ساتھ ساتھ دکھاوا بھی کر رہا ہے لیکن دکھاوے اور ریا کاری کا پہلو غالب رہتا ہے اور ثواب کی نیت کا پہلو مغلوب رہتا ہے اگر تنہائی میں ہو تو شاید عبادت نہ کرے، اس قسم کا حکم بھی پہلی قسم کی طرح ہے کیونکہ اس ریا کار کی نیکی کا جو جذبہ ہے اس کی علت اور باعث ریا کاری ہی ہے۔

ریا کاری کی تیسری قسم:

ریا کاری کی تیسری قسم یہ ہے کہ ریا کاری اور ثواب کے حصول کا جذبہ دونوں برابر سرابر ہیں، اس قسم میں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نفع اور نقصان دونوں ہوں گے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت بھی نہایت ہی مذموم اور قبیح ہے اور یہ عمل بھی نا قابل قبول ہے۔

ریا کاری کی چوتھی قسم:

ریا کاری کی چوتھی قسم یہ ہے کہ حصول ثواب اور رضاء الٰہی کا جذبہ غالب ہے لیکن معمولی ریا کاری کا آمیزہ بھی ہے تو اس صورت میں عمل تو باطل نہیں ہوگا مگر یہ ریا کاری اگر عمل کے شروع میں آ جائے تو بہت بری ہے اور اگر درمیان میں آ جائے تو کچھ کم بری ہے، ریا کاری کی یہ چار اقسام ہیں جو بیان کر دی گئیں۔
ادھر ریا کاری کے الگ الگ اعتبارات ہیں، مثلاً یا تو ریا کار نے ریا کاری کا پختہ ارادہ کیا ہوگا یہ بہت برا ہے یا ریا کاری کا

---

[1] گلستان سعدی: ۲۰ حکایت ۶

ارادہ پختہ نہیں ہوگا بلکہ خیال کی حد تک ہوگا یہ کم تر درجہ ہے بہرحال ریاکاری ایک ایسی بری بلا اور ایسی قلبی بیماری ہے جس سے بچنا بہت دشوار ہے، امام غزالی نے لکھا ہے کہ جب تک لوگوں کو جمادات، احجار و اشجار کے درجہ میں نہ سمجھا جائے ریاکاری سے بچنا مشکل ہے اور جب تک لوگوں کو نفع ونقصان میں معذور و مجبور نہیں سمجھا گیا تو اس قلبی بیماری سے نکلنا مشکل ہے ہاں اگر ایک آدمی اخلاص کے ساتھ عبادت کرتا ہے اور پھر لوگوں کو کسی طرح اطلاع ہو جائے اور لوگوں میں اس شخص کی اچھی شہرت پھیل جائے اور اس پر یہ شخص خوش ہو جائے تو یہ ریاکاری نہیں ہے بلکہ یہ دنیاوی بشارت کا ایک حصہ ہے اور نیک اعمال کا وہ بدلہ ہے جو اللہ تعالیٰ دنیا میں دیتا ہے اگرچہ بندہ اس کو چھپاتا ہے۔

عنوان میں ریاء کے بعد لفظ **سمعة** بھی ہے سمعہ کا تعلق سماعت اور کان سے ہے تو جن اعمال حسنہ کے دکھاوے کا تعلق آنکھوں سے ہو وہ ریا ہے اور جن کا تعلق کانوں سے ہو وہ سمعہ ہے یعنی اپنی قدر بڑھانے کے لئے دوسروں کو طرح طرح کے اعمال سنا سنا کر مقام پیدا کرتا ہے کہ لوگ اس کو اچھا کہہ دیں۔

حکومت پاکستان کے رفاہی اور خدمت کے تمام اعمال اکارت اور ضائع چلے جاتے ہیں کیونکہ حکومت دکھاوے کے تمام ذرائع استعمال کرنے کی کوشش کرتی ہے، نیک کام کوئی وی، ریڈیو اور اخبارات پر دکھاتی ہے تو نیکی کہاں رہ گئی؟

الفصل الاول

اللہ تعالیٰ دلوں کے اخلاص کو دیکھتا ہے

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوْبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال ومتاع کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ (مسلم)

توضیح: "لا ینظر" یعنی اللہ تعالیٰ صرف ظاہری شکل وصورت اور انسان کے رنگ روغن اور جبّے قبّے کو نہیں دیکھتا اور نہ اس ظاہری شکل وصورت پر قبولیت اور عدم قبولیت کا فیصلہ فرماتا ہے بلکہ معاملہ انسان کے اندر کی کیفیات کا ہے جیسا ابھی آرہا ہے، صوفیاء کرام کہتے ہیں۔

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست ــــ آدمیت جز رضائے دوست نیست

علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نھایہ میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں لاینظر اور ینظر کے الفاظ پسند اور ناپسند، رحمت وشفقت اور اختیار کرنے نہ کرنے کے معنی میں ہے اس مطلب سے بہت سارے اعتراضات ختم ہو جاتے ہیں، لوگ کہتے ہیں

[1] اخرجه مسلم: ۸/۱۱

دل صاف ہونا چاہئے ظاہری شکل وصورت کا کوئی اعتبار نہیں ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اندر اگر ٹھیک ہو تو باہر بھی ٹھیک رہتا ہے درخت کے ہرے بھرے ہونے کا مدار جڑوں پر ہے اگر جڑ خراب ہو جائے تو پتے جھڑ جاتے ہیں اور درخت سوکھ جاتے ہیں۔[1]

"ینظر الی قلوبکم" یعنی اللہ تعالیٰ دل کی نیت اور جذبۂ اخلاص اور سچائی وصفائی کو دیکھتا ہے۔ اسی طرح دل کے حسد، کینہ، بغض ونفاق اور ریاکاری کو دیکھتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ دل کی اچھی بری صفات اور اس کے خیالات واحساسات اور جذبات پر فیصلہ فرمادیتا ہے۔[2]

ریاکاری ایک قسم کا شرک ہے

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً أَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيْ غَيْرِيْ تَرَكْتُهٗ وَشِرْكَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَأَنَا مِنْهُ بَرِيْءٌ هُوَ لِلَّذِيْ عَمِلَهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں شرک کے تئیں تمام شرکاء سے نہایت بے نیاز ہوں، جو شخص کوئی ایسا عمل کرے کہ جس میں وہ میرے ساتھ کسی دوسرے کو بھی شریک کرے تو میں اس شخص کو اس کے شرک کے ساتھ ٹھکرا دیتا ہوں۔ اور ایک روایت میں **ترکته وشرکه** کی بجائے یہ الفاظ ہیں **فانا منه بریء هوللذی عمله** یعنی میں اس سے اپنی بے نیازی وبیزاری ظاہر کرتا ہوں وہ شخص یا اس کا وہ عمل اسی کے لئے ہے جس کے لئے اس نے وہ عمل کیا ہے۔ (مسلم)

توضیح: "اغنی الشرکاء" یعنی میں شرک کے معاملہ میں تمام شرکاء سے نہایت بے نیاز ہوں، یہاں شرکاء بمعنی مشارکت ہے جو مصدری معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ میں شرک ومشارکت کے معاملہ میں تمام شرکاء سے بالکل بے نیاز اور بیزار ہوں، میں خالق ومالک ہوں میری ذات وصفات میں میرے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔ جو شخص کسی عبادت میں بطور ریاکاری میرے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے میں اس شخص کو اس کے عمل کے ساتھ ٹھکرا دیتا ہوں، اب ریاکار آدمی اپنا ثواب اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے بلکہ جس کے لئے اس نے عمل کیا ہے اسی سے اپنا بدلہ مانگے جب اس ریاکار نے یہ عمل اللہ کے لئے نہیں کیا تو اب اللہ تعالیٰ اس کو کیا دے گا اور کیوں دے گا؟[4]

"وشرکه" واؤ کا حرف مع کے معنی میں ہے یعنی ریاکار شخص اور اس کی ریاکاری جو شرک اصغر ہے دونوں کو چھوڑ دیتا ہوں یہ عمل اسی کے لئے ہے جس کے لئے اس نے کیا ہے لہٰذا اسی سے اپنا بدلہ وصول کرے میں اس عمل سے بیزار ہوں۔[5]

---

[1] المرقات: ۹/۱۷۵ [2] المرقات: ۹/۱۷۵ [3] اخرجه مسلم: ۸/۲۲۳ [4] المرقات: ۹/۱۷۵ [5] المرقات: ۹/۱۷۵

دکھانے سنانے کے عمل پر سخت وعید

﴿۳﴾وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ يُرَائِيْ يُرَائِي اللّٰهُ بِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں کو سنانے اور شہرت حاصل کرنے کے لئے کوئی عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا حال لوگوں کو سنائے گا نیز جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے کوئی عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ریاکاری کی سزا دے گا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "سمع اللّٰہ بہ" یعنی جو شخص لوگوں کو سنانے، دکھانے اور شہرت حاصل کرنے کے لئے کوئی عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیوب کو ظاہر کردے گا اور اس کے پوشیدہ احوال لوگوں کو سنادے گا اور اس کو رسوا کردے گا اسی طرح جو شخص دکھاوے کی غرض سے کوئی عمل کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو تمام لوگوں کے سامنے لاکر دکھادے گا کہ اس شخص نے یہ عمل فلاں کے لئے کیا تھا اب میرے پاس اس کا کوئی ثواب نہیں ہے یہ اپنا ثواب اسی شخص سے جاکر وصول کرے جس کے لئے اس نے یہ عمل کیا تھا، یہ ناکامی اور رسوائی کی بہت بڑی صورت ہے۔[2]

﴿۴﴾وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَأَيْتَ الرَّجُلَ يَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَيْرِ وَيَحْمَدُهُ النَّاسُ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ يُحِبُّهُ النَّاسُ عَلَيْهِ قَالَ تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے کسی پوچھنے والے نے پوچھا کہ مجھے اس شخص کے بارے میں بتایئے جو کوئی نیک کام کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اس کی تعریف وتوصیف کرتے ہیں؟ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اور وہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ لوگوں کا اس شخص کی تعریف وتوصیف کرنا اور اس کو محبوب رکھنا درحقیقت اس کے حق میں مؤمن کے ذریعہ جلد ملنے والی بشارت ہے۔ (مسلم)

الفصل الثانی

ریاکار اپنا ثواب اسی سے لے جس کے لئے عمل کیا ہے

﴿۵﴾عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِيْ فُضَالَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا جَمَعَ اللّٰهُ النَّاسَ

[1] اخرجه البخاری: ۸/۱۳۰ ومسلم: ۸/۲۲۳ [2] المرقات: ۹/۱۷۷ [3] اخرجه مسلم: ۸/۴۴

يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ نَادَىٰ مُنَادٍ مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِي عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلّٰهِ أَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[1]

ترجمہ: حضرت ابوسعید ابن ابی فضالہ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہ جس کے آنے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے لوگوں کو جمع فرمائے گا تو ایک اعلان کرنے والا فرشتہ یہ اعلان کرے گا کہ جس شخص نے اپنے اس عمل میں کہ جس کو اس نے خدا کے لئے کیا تھا خدا کے سوا کسی اور کو شریک کیا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے اس عمل کا ثواب اسی غیر اللہ سے طلب کرے جس کو اس نے شریک کیا تھا کیونکہ خدا تعالیٰ شرک کے تئیں، تمام شریکوں سے نہایت زیادہ بے نیاز ہے۔ (احمد)

قیامت میں ریاکار ذلیل ہوگا

﴿۶﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ سَمَّعَ النَّاسَ بِعَمَلِهِ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهِ أَسَامِعَ خَلْقِهِ وَحَقَّرَهُ وَصَغَّرَهُ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو شخص اپنے عمل کو لوگوں کے درمیان شہرت دے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے اس ریاکارانہ عمل کو اپنی مخلوق کے کانوں تک پہونچادے گا، نیز اس کو رسوا کریگا اور ذلت وخواری سے دوچار کرے گا۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح: "من سمع" یہ باب تفعیل سے ماضی کا صیغہ ہے جو سنانے کے معنی میں ہے اوپر حدیث نمبر ۳ میں اس کی تشریح وتوضیح ہو چکی ہے[3] "اسامع" یہ جمع الجمع ہے جو اَسْمُعٌ کی جمع ہے اور اَسْمُعٌ سَمْعٌ کی جمع ہے اور سَمْعٌ کان کے معنی میں ہے جیسے اکالب واکلب وکلب ہے اس سے مراد لوگوں کے کان اور قوت سماعت ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے کانوں تک اس شخص کی ریاکاری مکاری عیاری، دغاری اور شطاری کو پہنچا کر سنادے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ شخص ذلیل وحقیر ہو کر رہ جائے گا جس کی تفصیل اسی حدیث کے آخری کلمات میں بیان کی گئی ہے کہ حقرہ وصغرہ۔[4]

آخرت کو مقدم رکھو کامیاب رہو گے

﴿۷﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَتْ نِيَّتُهُ طَلَبَ الْآخِرَةِ جَعَلَ اللّٰهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَجَمَعَ لَهُ شَمْلَهُ وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ وَمَنْ كَانَتْ نِيَّتُهُ طَلَبَ الدُّنْيَا جَعَلَ اللّٰهُ الْفَقْرَ

[1] اخرجه احمد: ۳/۴۶۶ [2] اخرجه البيهقي: [3] المرقات: ۹/۱۸۰ [4] المرقات: ۹/۱۸۰

بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَشَتَّتَ عَلَيْهِ أَمْرَهُ وَلَا يَأْتِيهِ مِنْهَا إِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ أَبَانَ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ) [1]

ترجمہ: اور حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کی نیت محض آخرت کی طلب ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتا اور اس کی پریشانیوں کو جمع کر کے اطمینان خاطر بخشتا ہے نیز اس کے پاس دنیا آتی ہے لیکن اس کی نظر میں اس دنیا کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ (نیز اللہ تعالیٰ حصول معاش اور ضروریات زندگی کی تکمیل کے سلسلے میں اس کی پریشانیوں، الجھنوں اور ذہنی انتشار و تفکرات کو سمیٹ کر خاطر جمعی میں تبدیل کر دیتا ہے، بایں طور کہ اس کو ایسی جگہوں اور ایسے ذرائع سے اسباب معیشت مہیا فرما دیتا ہے جن کے بارے میں اس کو معلوم بھی نہیں ہوتا) اور جس شخص کی نیت اور اصل مقصد دنیا کی طلب ہو تو اللہ تعالیٰ اسکا فقر و احتیاج اس کی آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے اور اس کو ہر معاملہ میں پراگندہ خاطر اور ذہنی انتشار و تفکرات کا شکار بنا دیتا ہے نیز دنیا بھی اس کو صرف اسی قدر ملتی ہے جتنا کہ خدا نے اس کے لئے مقدر کر دیا ہے۔ (ترمذی) نیز احمد اور دارمی نے اس روایت کو ابان سے اور انہوں نے زید ابن ثابت سے نقل کیا ہے۔

نیکی کی حالت پر خوش ہونا، ریا نہیں ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ بَيْنَا أَنَا فِي بَيْتِي فِي مُصَلَّايَ إِذْ دَخَلَ عَلَيَّ رَجُلٌ فَأَعْجَبَنِي الْحَالُ الَّتِي رَآنِي عَلَيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَكَ اللهُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ لَكَ أَجْرَانِ أَجْرُ السِّرِّ وَأَجْرُ الْعَلَانِيَةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے گھر میں مصلے پر تھا کہ اس وقت اچانک ایک شخص میرے پاس آیا مجھے اس بات سے خوشی ہوئی کہ اس نے مجھے اس نماز پڑھنے کی حالت میں دیکھا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ! تم پر اللہ کی رحمت نازل ہو تم دو ثواب کے مستحق ہوئے ایک تو پوشیدہ کا اور دوسرا ظاہر ہونے کا۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "فاعجبنی الحال" یعنی میں گھر کے اندر پوشیدہ طور پر نماز پڑھتا ہوں لیکن اس نیکی کی حالت میں جب مجھے کوئی دیکھتا ہے تو میں خوش ہو جاتا ہوں کیا یہ ریاکاری تو نہیں ہے؟

آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ یہ ریاکاری نہیں بلکہ اس پر دو اجر ملیں گے ایک اجر تو پوشیدہ طور پر نماز پڑھنے کی وجہ سے ملے گا اور دوسرا اجر اس پر ملے گا کہ تم اپنی عبادت کی حالت پر خوش ہوئے عبادت پر خوش ہو جانا بھی عبادت ہے ایک روایت میں ہے اجر السر و اجر العلانیۃ دونوں کا مفہوم قریب قریب ہے۔ [3]

[1] اخرجہ الترمذی: ۴/۶۴۲ [2] اخرجہ الترمذی: ۵/۳۳ [3] المرقات: ۹/۱۸۱

ریاکار دیندار کے لئے شدید وعید

﴿۹﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ يَّخْتِلُوْنَ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ يَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ جُلُوْدَ الضَّأْنِ مِنَ اللِّيْنِ أَلْسِنَتُهُمْ أَحْلٰى مِنَ السُّكَّرِ وَقُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الذِّئَابِ يَقُوْلُ اللهُ أَبِيْ يَغْتَرُّوْنَ أَمْ عَلَيَّ يَجْتَرِئُوْنَ فَبِيْ حَلَفْتُ لَأَبْعَثَنَّ عَلٰى أُولٰئِكَ مِنْهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيْمَ فِيْهِمْ حَيْرَانَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانہ میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو دین کے نام پر دنیا کے طلب گار ہوں گے از راہ تملق وچاپلوسی اور اظہار تواضع لوگوں کے لئے دنبوں کی کھال کا لباس پہنیں گے ان کی زبانیں تو شکر سے زیادہ شیریں ہوں گی لیکن ان کے دل بھیڑیوں کے دل کی طرح ہوں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا یہ لوگ میری طرف سے مہلت دیئے جانے اور میرے ڈھیل دے دینے کے سبب مجھے دھوکہ دیتے ہیں یا مجھ پر دلیری دکھاتے ہیں۔ پس میں اپنی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں یقیناً ان لوگوں پر انہی میں سے فتنہ وبلا مسلط کر دوں گا اور وہ آفات ومصائب بڑے سے بڑے دانشور وعقلمند کو بھی عاجز وحیران کر دیں گے۔ (ترمذی)

توضیح: "یختلون الدنیا" یہ صیغہ باب ضرب یضرب سے ہے دھوکہ دے کر کسی چیز کے حاصل کرنے کو ختل کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ دین کو دنیا کے حصول کا ذریعہ بنایا اور اس میں بھی دھوکہ سے کام لیا کہ ریاکاری کا موٹا لباس اختیار کیا بلکہ بھیڑ بکریوں کی کھالوں سے لباس بنا کر پہن لیا تاکہ لوگ زاہد اور تارک الدنیا کا گمان کریں، زبان کو شہد سے زیادہ میٹھا رکھا تاکہ لوگ گمان کریں کہ زبردست اخلاق والا ہے، شیریں سخن ہے حالانکہ اس کا دل بھیڑیئے کے دل کی طرح سخت سنگین ہے۔[۲]

"من اللین" یعنی خودغرضی کے لئے چاپلوسی اور عاجزی وتواضع کریں گے ہر صاحب ثروت اور صاحب جاہ کے سامنے جھکیں گے۔[۳] "ابی یغترون" مطلب یہ ہے کہ میری مہلت اور ڈھیل دینے کی وجہ سے یہ لوگ دھوکہ میں پڑ گئے یا یہ مطلب ہے کہ مجھ پر جرأت کرتے ہیں اور ڈرتے نہیں ہیں نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ باز آتے ہیں۔[۴]

"فبی" یعنی اپنے ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان پر ایسا فتنہ ڈالدوں گا کہ[۵] "الحلیم" عقلمند، ہوشیار، بردبار بھی اس میں حیران ہو کر رہ جائے گا۔ یعنی ظالم حکمرانوں کی صورت میں جو انہیں میں سے ہونگے، ان پر اپنا ایسا قہر وغضب نازل کردوں گا کہ یہ ریاکار لوگ اپنی گلوخلاصی کے لئے ہاتھ پاؤں ماریں گے مگر راہ نجات نہیں پائیں گے اور ذلیل وخوار ہو کر رہ جائیں گے۔[۶]

---

[۱] اخرجه الترمذی: ۴/۶۰۴ [۲] المرقات: ۹/۱۸۲ [۳] المرقات: ۹/۱۸۳ [۴] المرقات: ۹/۱۸۳ [۵] المرقات: ۹/۱۸۲ [۶] المرقات: ۹/۱۸۳

شیریں زبان سنگ دل لوگ

﴿۱۰﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ لَقَدْ خَلَقْتُ خَلْقاً أَلْسِنَتُهُمْ أَحْلَى مِنَ السُّكَّرِ وَقُلُوبُهُمْ أَمَرُّ مِنَ الصَّبِرِ فَبِيْ حَلَفْتُ لَأُتِيحَنَّهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيْمَ فِيْهِمْ حَيْرَانَ فَبِيْ يَغْتَرُّوْنَ أَمْ عَلَيَّ يَجْتَرِئُوْنَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ایک ایسی مخلوق پیدا کی ہے جس کی زبان شکر سے زیادہ شیریں ہے اور جس کے دل ایلوے سے زیادہ تلخ ہیں، پس میں اپنی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں یقیناً ان پر ایسی بلائیں نازل کروں گا جو بڑے سے بڑے دانشور عقلمند شخص کو بھی حیران وعاجز بنادیں گی، تو کیا وہ لوگ مجھے دھوکہ دیتے ہیں یا مجھ پر جرأت ودلیری دکھاتے ہیں؟ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "احلیٰ" یعنی یہ لوگ منافق اور ملحد ہوں گے، زبان تو بڑی میٹھی ہوگی انبیاء کرام والی باتیں کریں گے مگر کردار اور عمل کے اعتبار سے ان کے دل غلط عقائد اور غلط سوچ سے بھرے ہوں گے۔[۲] "اَمَرُّ" یہ مرارۃ سے ہے یعنی زیادہ کڑوے اور تلخ ہوں گے۔[۳]

"الصبر" ایک کڑوا پودا ہے جس کو اگر شہد میں ملایا گیا تو سارا شہد خراب کردے گا اس کو اردو میں ایلوا کہتے ہیں۔[۴]

"لَأُتِيحَنَّ" اِتَاحة سے ہے مقرر کرنے اور مسلط کرنے کے معنی میں ہے۔[۵] "الحليم" عقلمند ہوشیار اور بردبار شخص کو حلیم کہا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ ان ریاکار اور منافق، بدکردار لوگوں کی عیاری اور مکاری اور بدکرداری کو دیکھ کر سنجیدہ باوقار لوگ بھی حیران ہوکر انگشت بدندان رہ جائیں گے، ایسے لوگوں کے لئے اس حدیث میں اور اس سے پہلے حدیث نمبر ۹ میں شدید وعید ہے۔[۶]

میانہ روی کی فضیلت

﴿۱۱﴾وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ شِرَّةً وَلِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةً فَإِنْ صَاحِبُهَا سَدَّدَ وَقَارَبَ فَارْجُوْهُ وَإِنْ أُشِيْرَ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ فَلَا تَعُدُّوْهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۷]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہر چیز کے لئے حرص وزیادتی ہے اور پھر ہر حرص

[۱] اخرجه الترمذي: ۴/۶۰۳ [۲] المرقات: ۹/۱۸۴ [۳] المرقات: ۹/۱۸۴ [۴] المرقات: ۹/۱۸۴
[۵] المرقات: ۹/۱۸۴ [۶] المرقات: ۹/۱۸۴ [۷] اخرجه الترمذي: ۴/۶۳۵

وزیادتی کے لئے سستی وبکی ہے۔ پس اگر عمل کرنے والے بنے میانہ روی سے کام لیا اور اعتدال کے قریب رہا تو اس کے بارے میں امید رکھو اور اگر اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا گیا تو تم اس کو (عابد وصالح) شمار نہ کرو (کیونکہ درحقیقت وہ ریا کاروں میں سے ہے)۔ (ترمذی)

توضیح: "شرة" شرة تیزی، چستی اور نشاط کے معنی میں ہے [۱] "فترة" یہ فتور سے ہے سستی کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی تحریک یا جماعت جب ابتداء میں وجود میں آتی ہے تو بہت چستی اور نشاط سے کام کرتی ہے اسی طرح انسان جب شروع شروع میں کسی عبادت میں لگ جاتا ہے تو بہت چستی اور تیزی دکھاتا ہے مگر کچھ عرصہ بعد یہی لوگ اور ان کی تحریکیں سست پڑ جاتی ہیں کیونکہ عروج کے بعد زوال فطری قانون ہے گویا ابتداء میں افراط ہوتا ہے اور انتہاء میں تفریط آتی ہے اس دورانیہ میں ریا کاری ضرور شامل ہو جاتی ہے۔ اس حدیث میں سددا اور قارب کے الفاظ سے آنحضرت ﷺ نے میانہ روی اور اعتدال کی تعلیم دی ہے۔ [۲]

"فارجوه" یعنی جس نے افراط وتفریط سے پاک ہوکر اعتدال کا راستہ اختیار کیا تو اس کی کامیابی کی اُمید رکھو کیونکہ وہ نمود و نمائش اور ریا کاری وشہرت سے محفوظ رہ گیا۔ [۳] "بالاصابع" یعنی شہرت اور نمائش کے مقام پر پہنچ گیا اور لوگوں نے انگلیوں سے اس کی طرف اشارے شروع کئے کہ واہ واہ وہ جا رہا ہے، فلاں ہے اور فلاں ایسا ہے اور ویسا ہے، یہ اشارے جس طرح انگلیوں کے ذریعہ سے ہوتے ہیں اسی طرح زبان کے نعروں سے بھی ہوتے ہیں، نیز جس طرح یہ اشارے دنیا کی دولت اور مناصب کی وجہ سے ہو سکتے ہیں اسی طرح دین اور دینداری کے حوالہ سے بھی ہو سکتے ہیں، یہ اشارے اس لئے مذموم ہیں کہ ان سے آدمی حب جاہ، ریا کاری تکبر اور اقتدار کے چکر میں پڑ جاتا ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حیوان منہ کے ذریعہ سے کھا کر موٹا ہوتا ہے اور انسان کانوں کے ذریعہ سے اپنی تعریف سن کر موٹا ہوتا ہے۔ [۴]

"فلا تعدوه" یعنی اس قسم آدمی کو دینداری اور دنیاداری کے کسی درجہ میں نہ سمجھو یہ اگر آخر انجام تک اسی حالت پر برقرار رہتا ہے تو یہ تباہ حال اور برباد آدمی ہے ہاں اگر توبہ کرلے اور اس حالت سے نکل جائے تو وہ الگ بات ہے، آنے والی حدیث نمبر ۱۲ میں اس کی مزید وضاحت ہے۔ [۵]

شہرت یافتہ زندگی خطرات سے بھری ہوئی ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ أَنْ يُّشَارَ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ فِيْ دِيْنٍ أَوْ دُنْيَا إِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللهُ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ) [۶]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا انسان کی برائی کے لئے اتنا کافی ہے کہ دین یا دنیا کے اعتبار سے اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے الا یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ ہی محفوظ رکھے۔ (بیہقی)

[۱] المرقات: ۹/۸۳ [۲] المرقات: ۹/۱۸۴ [۳] المرقات: ۹/۱۸۴ [۴] المرقات: ۹/۱۸۴ [۵] المرقات: ۹/۱۸۴، ۱۸۵ [۶] اخرجه البيهقي: ۵/۳۶۷

الفصل الثالث

ریا کاری کی مذمت

﴿۱۳﴾ عَنْ أَبِي تَمِيمَةَ قَالَ شَهِدْتُ صَفْوَانَ وَأَصْحَابَهُ وَجُنْدُبٌ يُوصِيهِمْ فَقَالُوا هَلْ سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئاً قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللهُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ شَاقَّ شَقَّ اللهُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالُوا أَوْصِنَا فَقَالَ إِنَّ أَوَّلَ مَا يُنْتِنُ مِنَ الْإِنْسَانِ بَطْنُهُ فَمَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَا يَأْكُلَ إِلَّا طَيِّباً فَلْيَفْعَلْ وَمَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَا يَحُولَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ مِلْأُ كَفٍّ مِنْ دَمٍ إِهْرَاقَهُ فَلْيَفْعَلْ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت ابی تمیمہ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں حضرت صفوان اوران کے ساتھیوں کی مجلس میں اس وقت حاضر ہوا کہ جب حضرت جندب حضرت صفوان اوران کے ساتھیوں کونصیحت فرمارہے تھے۔ پھر حضرت صفوان اوران کے ساتھیوں نے ان سے کہا کہ کیا آپ نے رسول کریم ﷺ سے کچھ سنا ہے؟ حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جوشخص سنائے گا (یعنی لوگوں کے سنانے اور شہرت حاصل کرنے کے لئے جوکوئی نیک کام کرے گا) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کورسوا کرے گا اور جوشخص مشقت ڈالے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کومشقت میں ڈالے گا (یہ سنکر) انہوں نے کہا کہ ہمیں (کچھ اور) نصیحت فرمایئے تو (حضور ﷺ یا حضرت جندب رضی اللہ عنہ) نے فرمایا انسان کی جو چیز سب سے پہلے گندی اور خراب ہوتی ہے وہ اس کا پیٹ ہے پس جوشخص اس کی قدرت رکھتا ہو کہ اس چیز کے علاوہ اور کچھ اپنے پیٹ میں نہ پہنچائے جو حلال وجائز ہے تو بے شک اس کو ایسا ہی کرنا چاہئے اور جوشخص اس کی قدرت رکھتا ہو کہ اس کے اور جنت کے درمیان ناحق بہایا جانے والا ایک چلو خون حائل ہو تو بے شک اس کو ایسا ہی کرنا چاہئے (کہ کسی کا ایک چلو بھی ناحق خون بہانے سے احتراز کرے)۔ (بخاری)

توضیح: "شاق" یعنی دوسرے کو سخت مشقت میں ڈالدیا۔[2] "ینتن" نتن بدبودار ہونے کو کہتے ہیں مراد سڑجانا اور پھٹ جانا ہے یعنی قبر میں سب سے پہلے پیٹ برباد ہوجاتا ہے نیز دنیا میں بھی پہلے پیٹ خراب ہوتا ہے پھر باقی اعضاء متاثر ہوتے ہیں لہٰذا آدمی کو چاہئے کہ وہ حرام کھانے سے پیٹ کو بچائے رکھے۔[3]

"یحول" یہ حائل سے ہے پردہ بننے کے معنی میں ہے۔[4] "ملأ کف" یعنی ایک چلو برابر خون بھی جنت میں داخل ہونے کے لئے رکاوٹ نہ بنے چہ جائے کہ سیروں اور منوں کے حساب سے خون ہو پھر تو داخلہ ممکن نہ ہوگا، اس خون سے ناجائز خونریزی مراد ہے۔[5]

[1] اخرجه البخاری: ۹/۸۰ [2] المرقات: ۹/۱۸۷ [3] المرقات: ۹/۱۸۷ [4] المرقات: ۹/۱۸۸ [5] المرقات: ۹/۱۸۸

اولیاء اللہ کی عظیم شان

﴿۱۴﴾ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ خَرَجَ يَوْماً إِلَى مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَاعِداً عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ يُبْكِيْنِيْ شَيْءٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ يَسِيْرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ وَمَنْ عَادَى لِلّٰهِ وَلِيّاً فَقَدْ بَارَزَ اللهَ بِالْمُحَارَبَةِ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْأَبْرَارَ الْأَتْقِيَاءَ الْأَخْفِيَاءَ الَّذِيْنَ إِذَا غَابُوْا لَمْ يُتَفَقَّدُوْا وَإِنْ حَضَرُوْا لَمْ يُدْعَوْا وَلَمْ يُقَرَّبُوْا قُلُوْبُهُمْ مَصَابِيْحُ الْهُدَى يَخْرُجُوْنَ مِنْ كُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَةٍ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ) ۱

ترجمہ: اور امیر المؤمنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں تشریف لے گئے تو انہوں نے حضرت معاذ بن جبل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر روتا ہوا پایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ حضرت معاذ نے جواب دیا، مجھے ایک بات کی یاد نے رلا دیا ہے جس کو میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تھوڑا ریا (بھی) شرک ہے، جس شخص نے خدا کے دوست سے دشمنی اختیار کی تو اس نے گویا خدا سے مقابلہ کیا اور اس کے ساتھ جنگ کی، یقینا اللہ تعالیٰ نیکو کاروں، پرہیز گاروں اور مخفی حال لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی ظاہری حالت تو اتنی خستہ اور عام نگاہوں میں اس قدر ناقابل توجہ ہوتی ہے کہ جب وہ نظروں سے غائب ہوں تو ان کو پوچھا نہ جائے اور جب موجود ہوں تو انہیں بلایا نہ جائے اور اگر وہ بلائے بھی جائیں تو پاس نہ بٹھائے جائیں اور یہ لوگ ہر تاریک زمین سے نکل کر آتے ہیں۔ اس روایت کو ابن ماجہ نے اور شعب الایمان میں بیہقی نے نقل کیا ہے۔

توضیح: "ابرار" یہ "بر" کی جمع ہے نیکوکار لوگوں کو کہتے ہیں "الاتقیاء" یہ "تقی" کی جمع ہے پرہیزگار لوگوں کو کہتے ہیں۔ ۲ "الاخفیاء" یہ "خفی" کی جمع ہے پوشیدہ حال اور گم نام لوگوں کو کہتے ہیں۔ ۳ "لم یتفقدوا" یہ "تفقد" سے ہے مجہول کا صیغہ ہے ڈھونڈھنے کے معنی میں ہے یعنی اگر یہ لوگ کسی کام سے غائب ہو جاتے ہیں تو کوئی بھی ان کو تلاش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ہیں۔ ۴ "لم یدعوا" یعنی اگر حاضر رہتے ہیں پھر بھی کوئی ان کو اپنی دعوت میں مدعو نہیں کرتا۔ ۵

"لم یقربوا" یعنی اگر دعوت میں بلایا بھی جائے یا یہ خود آجائیں تو کوئی شخص ان کو اپنے پاس بٹھلانے کے لئے تیار نہیں ہوتا بلکہ جوتوں کے پاس بیکار جگہ میں بٹھلا دیئے جاتے ہیں، لوگوں کے نزدیک تو یہ اتنے کمزور ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ

ل اخرجہ ابن ماجہ: ۲/۱۳۲۰ والبیہقی ۲ المرقات: ۹/۱۸۹ ۳ المرقات: ۹/۱۸۹ ۴ المرقات: ۹/۱۸۹ ۵ المرقات: ۹/۱۸۹

کے نزدیک یہ روشن چراغ ہیں ان کے دل ہدایت کی روشنی سے روشن ہیں۔ رحمان بابا نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اپنی لغت میں فرمایا ہے: [۱]

چہ پہ یو قدم تر عرشہ پورے رسی　　　مالیدے دے رفتار دہ درویشانو

"غبراء مظلمة" غبراء، خضراء کے مقابلے میں زمین کو کہتے ہیں، اس جملہ کے دو مفہوم ہیں ایک مفہوم یہ ہے کہ یہ لوگ نور ایمانی کے ذریعہ سے ہر سیاہ اور تنگ وتاریک مشکل سے بہت آسانی کے ساتھ نکل جاتے ہیں اور کامیاب ہوجاتے ہیں دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ لوگ اتنے خستہ حال ہوتے ہیں کہ تنگ وتاریک، کچے مکانات میں رہتے ہیں جن میں زندگی کی سہولیات نہیں ہوتیں انہیں میں جاتے ہیں اور انہیں سے نکل آتے ہیں گویا گمنام خستہ حال ہیں یہ مفہوم علامہ طیبی نے بیان کیا ہے جو زیادہ واضح ہے۔ [۲]

ولی کی تعریف:

اب اس حدیث کی کچھ تفصیل اس طرح ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے رونے کی وجہ یہ تھی کہ شرک کے اس طرح باریک شعبے ہیں کہ دیکھ کر اس سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے جیسے کہا گیا ہے: "**فانه ادق من دبيب النملة السوداء على الصخرة الصماء في الليلة الظلماء**" (مرقات) یعنی شرک سیاہ چیونٹی کی سیاہ رات میں مضبوط پتھر پر آہستہ چلنے کی پوشیدگی سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوسکتا ہے بہرحال اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ولی کا ذکر آیا ہے، ولی کی تعریف میں علماء کے مختلف اقوال ہیں: ایک تعریف یہ ہے کہ ولی وہ ہوتا ہے جو دلیل محکم کے ساتھ صحیح عقیدہ لے کر پوری شریعت پر چلنے والا ہو، اس تعریف کے پیش نظر علماء حق اولیاء اللہ میں داخل ہوجاتے ہیں چنانچہ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ بعض اکابر نے کہا ہے: "**ان كان العلماء ليسوا باولياء الله فليس لله ولي**" (مرقات) اسی کے قریب قریب ملا علی قاری نے ولی کی تعریف اس طرح کی ہے: **ان الاولياء هم العلماء العاملون** (مرقات) مذکورہ حدیث کے الفاظ اور مفہوم کے قریب قریب یہ روایت بھی ہے جو حدیث قدسی ہے: "**قال الله تعالىٰ اوليائي تحت قبائي لايعرفهم غيري**" ایک راویت میں اس طرح آیا ہے: "**من عادىٰ لي ولياً فقد آذنته بالحرب**" ایک اور حدیث قدسی میں اس طرح آیا ہے: "**واني لاغضب لأوليائي كما يغضب الليث للجرو**" (مرقات) اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اولیاء اللہ کی توہین وتحقیر سے بچائے کسی نے خوب کہا ہے: [۳]

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر　　　تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

اس دور میں کچھ خاک نشینوں کی بدولت　　　باقی اسلام کی عظمت کا نشان ہے

---

[۱] المرقات: ۹/۱۸۹　[۲] المرقات: ۹/۱۸۹　[۳] المرقات: ۹/۱۸۹، ۱۹۰

مخلص مسلمان کا ظاہر و باطن ایک جیسا ہوتا ہے

﴿۱۵﴾وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا صَلَّى فِي الْعَلَانِيَةِ فَأَحْسَنَ وَصَلَّى فِي السِّرِّ فَأَحْسَنَ قَالَ اللهُ تَعَالَى هٰذَا عَبْدِيْ حَقًّا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب کھلے طور پر نماز پڑھتا ہے اور خوبی کے ساتھ پڑھتا ہے اور جب پوشیدہ طور پر پڑھتا ہے (تو اس وقت بھی اسی) خوبی کے ساتھ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا یہ بندہ صدق و راستی کا حامل ہے۔ (ابن ماجہ)

ریاکار لوگوں کی علامت

﴿۱۶﴾وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَكُوْنُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ أَقْوَامٌ إِخْوَانُ الْعَلَانِيَةِ أَعْدَاءُ السَّرِيْرَةِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَكَيْفَ يَكُوْنُ ذٰلِكَ قَالَ ذٰلِكَ بِرَغْبَةِ بَعْضِهِمْ إِلَى بَعْضٍ وَرَهْبَةِ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ۔[2]

ترجمہ: اور حضرت معاذ ابن جبل سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانہ میں ایسی قومیں اور جماعتیں بھی پیدا ہوں گی جو ظاہر میں تو دوست ثابت ہوں گی مگر باطن میں دشمنی کریں گی، عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! ایسا کیونکر اور کس سبب سے ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا اس وجہ سے ہوگا کہ ان میں سے بعض بعض سے غرض و لالچ رکھیں گے، اور بعض بعض سے خوف زدہ ہوں گے۔

توضیح: "اخوان العلانية" یعنی آمنے سامنے ملتے ہیں تو تصنع اور بناوٹ وریاکاری کی وجہ سے پکے دوست نظر آتے ہیں لیکن ذرا ادھر ادھر غائب ہوجاتے ہیں تو پھر پکے دشمن ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پیروں پر کلہاڑی مارتے ہیں قیامت کے قریب لوگوں کی یہ حالت ہوگی۔[3]

"برغبة بعضهم" یعنی لالچ اور طمع کی وجہ سے ایک دوسرے کے خودغرض دوست ہوں گے مگر ایک دوسرے سے خوف وخطر اور ضرر کی وجہ سے ڈرتے ہوں گے گویا اغراض و مقاصد اور طمع و لالچ کے بندے ہوں گے۔[4]

﴿۱۷﴾وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلَّى يُرَائِيْ فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِيْ فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِيْ فَقَدْ أَشْرَكَ۔ (رَوَاهُمَا أَحْمَدُ)[5]

---

[1] اخرجه ابن ماجه ۲/۱۴۰۵ [2] اخرجه احمد: ۵/۲۳۵ [3] المرقات: ۹/۱۹۱ [4] المرقات: ۹/۱۹۱ [5] اخرجه احمد: ۴/۱۲۵

ترجمہ: اور حضرت شداد ابن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص نے دکھلانے کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا جس شخص نے دکھلانے کو روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس شخص نے دکھلانے کو صدقہ خیرات کیا اس نے شرک کیا، دونوں روایتوں کو احمد نے نقل کیا ہے۔

﴿۱۸﴾وَعَنْهُ أَنَّهُ بَكَىٰ فَقِيْلَ لَهُ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ شَيْءٌ سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فَذَكَرْتُهُ فَأَبْكَانِيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَتَخَوَّفُ عَلٰى أُمَّتِي الشِّرْكَ وَالشَّهْوَةَ الْخَفِيَّةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَتُشْرِكُ أُمَّتُكَ مِنْ بَعْدِكَ قَالَ نَعَمْ أَمَا إِنَّهُمْ لَا يَعْبُدُوْنَ شَمْسًا وَلَا قَمَرًا وَلَا حَجَرًا وَلَا وَثَنًا وَلٰكِنْ يُرَاؤُوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ وَالشَّهْوَةُ الْخَفِيَّةُ أَنْ يُّصْبِحَ أَحَدُهُمْ صَائِمًا فَتَعْرِضُ لَهُ شَهْوَةٌ مِنْ شَهَوَاتِهِ فَيَتْرُكُ صَوْمَهُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت شداد ابن اوس کے بارے میں منقول ہے کہ (ایک موقع پر وہ رونے لگے) پوچھا گیا کہ رونے کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اس بات نے رلایا ہے جو میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اس وقت مجھے وہ بات یاد آگئی تو میں رونے پر مجبور ہو گیا اور وہ بات یہ ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے میں اپنی امت پر شرک اور چھپی خواہشات سے خوف کھاتا ہوں، حضرت شداد کہتے ہیں کہ (میں نے یہ سنکر) عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک میں مبتلا ہو جائے گی؟ آپ نے فرمایا ہاں، یاد رکھو! میری امت کے لوگ سورج کو نہیں پوجیں گے، چاند کو نہیں پوجیں گے پتھر کو نہیں پوجیں گے، اور کھلم کھلا بت پرستی نہیں کریں گے، لیکن لوگوں کو دکھلانے کے لئے نیک کام کریں گے، اور چھپی خواہش یہ ہے کہ تم میں سے کوئی شخص روزہ کی حالت میں صبح کرے اور پھر اس پر نفسانی خواہشات میں سے کسی خواہش کا غلبہ ہو جائے اور وہ خواہش کے غلبہ کی وجہ سے کھانا کھا کر یا ہم بستری کر کے اپنا روزہ توڑ ڈالے۔ (احمد، بیہقی)

ریاکاری دجال کے فتنہ سے زیادہ خطرناک ہے

﴿۱۹﴾وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَذَاكَرُ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ فَقَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ أَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِيْ مِنَ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ فَقُلْنَا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الشِّرْكُ الْخَفِيُّ أَنْ يَّقُوْمَ الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ فَيُزَيِّنُ صَلَاتَهُ لِمَا يَرٰى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آپس میں مسیح دجال کے فتنوں اور اس کے ابتلائے کا ذکر کر رہے تھے کہ

[۱] اخرجه احمد: ۴/۱۲۲ [۲] اخرجه ابن ماجه: ۲/۱۴۰۶

رسول کریم ﷺ آ کر ہمارے درمیان تشریف فرما ہو گئے اور پھر فرمانے لگے کہ کیا میں تمہیں اس چیز کے بارے میں نہ بتلاؤں جو میرے نزدیک تمہارے حق میں مسیح دجال کے فتنہ سے بھی زیادہ خوفناک ہے۔ہم نے عرض کیا کہ ہاں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا وہ چیز شرک خفی ہے، مثلاً ایک آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور اس نماز میں غلو اور زیادتی کرتا ہے محض اس لئے ، کہ کوئی شخص اس کو نماز پڑھتے دیکھ رہا ہے۔ (ابن ماجہ)

توضیح: "اخوف" دجال کا فتنہ چونکہ ظاہر ہوگا اس لئے اس سے بچنا اتنا مشکل نہیں ہوگا مگر ریاکاری کا فتنہ تو ایسا پوشیدہ ہوتا ہے کہ اچھے اچھے لوگ اس کا شکار ہو جاتے ہیں اس لئے اس کو دجال کے فتنے سے بڑھ کر بتایا گیا نیز یہاں حدیث میں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ فتنہ دجال کے فتنہ سے بڑا ہے بلکہ یہ بتایا ہے کہ یہ زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اس میں پھنسنے اور شکار ہونے کے مواقع زیادہ ہیں نیز یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تشبیہ مادیات اور دنیاوی امور کے بارے میں ہو کہ دجال کے فتنے سے آدمی کو دنیوی نقصان ہوگا جبکہ اگر کوئی شخص دجال کے پروگرام کا انکار کرے گا لیکن ریاکاری سے مسلمان کے ایمان کا نقصان ہوتا ہے اس لئے یہ زیادہ خطرناک ہے۔[1]

﴿۲۰﴾ وَعَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ وَمَا الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ قَالَ الرِّيَاءُ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَزَادَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ يَقُوْلُ اللهُ لَهُمْ يَوْمَ يُجَازِي الْعِبَادَ بِأَعْمَالِهِمْ اِذْهَبُوْا إِلَى الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُرَاؤُوْنَ فِي الدُّنْيَا فَانْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً أَوْ خَيْرًا)[2]

ترجمہ: اور حضرت محمود ابن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا (مسلمانو!) بہت زیادہ خوفناک چیز کہ جس سے میں تمہیں ڈراتا ہوں شرک اصغر ہے، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! اور وہ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، ریا، (احمد) اور بیہقی نے شعب الایمان میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس دن کہ جب وہ بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیگا، ریاکاروں سے فرمائے گا کہ تم ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کے لئے تم عمل کرتے تھے اور دیکھو کہ تمہیں ان کے پاس جزاء یا بھلائی ملتی ہے؟۔

اچھا عمل خود لوگوں پر ظاہر ہو جاتا ہے

﴿۲۱﴾ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَنَّ رَجُلًا عَمِلَ عَمَلًا فِيْ صَخْرَةٍ لَا بَابَ لَهَا وَلَا كُوَّةَ خَرَجَ عَمَلُهُ إِلَى النَّاسِ كَائِنًا مَّا كَانَ.[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی ایسے بڑے پتھر کے اندر بھی

[1] المرقات: ۹/۱۹۳ [2] اخرجہ احمد: ۵/۴۲۸ [3] اخرجہ البیہقی: و احمد: ۳/۲۸

کوئی نیک کام کرے کہ جس میں نہ تو کوئی دروازہ ہو اور نہ کوئی روشن دان، تو اس کا وہ عمل لوگوں میں مشہور ہو جائے گا خواہ وہ عمل کسی طرح کا ہو۔

توضیح: "صخرة" مضبوط پتھر اور سخت چٹان کو صخرہ کہتے ہیں [۱] "کوة" دیوار کے اندر چھوٹے دریچے کو کوۃ کہتے ہیں جس کو طاقچہ اور روشن دان بھی کہہ سکتے ہیں اس حدیث کا ایک مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اخلاص کے ساتھ مکمل رازداری اور پوشیدہ طور پر کوئی عمل کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی کو اس کا پتہ نہ چلے مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ اس شخص کے اس عمل کو لوگوں پر ظاہر فرما دے گا تا کہ اس شخص کو دنیا میں بھی اس کا پھل مل جائے لہٰذا ریاکاری کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ایک مخلص بندے کو چاہئے کہ وہ اپنے نیک اعمال کو ہر طرح چھپانے کی کوشش کرے کیونکہ ریاکاری کا بہت بڑا خطرہ ہے بسا اوقات ایک شخص پوشیدہ طور پر عمل کرتا ہے مگر پھر بھی وہ عمل ایسی جگہوں سے ظاہر ہو جاتا ہے جہاں سے خود اس شخص کو بھی خیال نہیں گذرتا لہٰذا مکمل احتیاط کرنا چاہئے یہ مطلب زیادہ واضح نہیں ہے کیونکہ آنے والی حدیث پہلے مطلب کی تائید کرتی ہے۔ [۲]

﴿۲۲﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ سَرِيْرَةٌ صَالِحَةٌ أَوْ سَيِّئَةٌ أَظْهَرَ اللّٰهُ مِنْهَا رِدَاءً يُعْرَفُ بِهِ. [۳]

ترجمہ: اور حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کے اندر کوئی اچھی یا بری عادت وخصلت چھپی ہوئی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس عادت وخصلت کو نمایاں کر دینے والی کوئی ایسی چیز پیدا کر دیتا ہے جس کے ذریعہ وہ شخص اس عادت وخصلت کے ساتھ شناخت کر لیا جاتا ہے۔

توضیح: "رداء" چادر کو ردا کہتے ہیں یہاں چادر سے علامت اور شناخت مراد ہے جس طرح مردوں کی علامات میں سے الگ قسم کی چادریں ہوتی ہیں اسی طرح عورتوں کی علامات میں سے بھی الگ قسم کی چادریں ہوتی ہیں جس سے دونوں کی الگ الگ شناخت ہوتی ہے، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے اندر اچھی یا بری خصلت ہوتی ہے جو پوشیدہ ہونے کی وجہ سے عام لوگوں کی نگاہوں میں نہیں آتی لیکن اللہ تعالیٰ اس شخص میں کوئی ایسی صورت یا ہیئت یا علامت ظاہر فرما دیتا ہے جس سے لوگوں پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ شخص اس قبیل اور اس قماش کا آدمی ہے۔ [۴]

دوغلی پالیسی اسلام کے لئے سب سے زیادہ خطرناک ہے

﴿۲۳﴾ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا أَخَافُ عَلَى هٰذِهِ الْأُمَّةِ كُلَّ

[۱] المرقات: ۹/۱۹۳　[۲] المرقات: ۹/۱۹۵　[۳] اخرجه البيهقي: ۵/۳۵۹　[۴] المرقات: ۹/۱۹۵

مُنَافِقٍ يَتَكَلَّمُ بِالْحِكْمَةِ وَيَعْمَلُ بِالْجَوْرِ۔ (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْأَحَادِيثَ الثَّلَاثَةَ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، میں اس امت کے بارے میں جس چیز سے ڈرتا ہوں وہ ہر منافق (یعنی ریاکار یا فاسق) کا شر ہے۔ جو باتیں تو علم وحکمت اور موعظت ونصیحت کی کرتا ہے لیکن کام ظلم وزیادتی اور ناراستی کے کرتا ہے۔ ان تینوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح: "بالحکمة" یعنی لوگوں کو دکھانے کے لئے یہ منافق لوگ علم وحکمت اور وعظ ونصیحت کی اچھی اچھی باتیں کریں گے مگر وہ خود اس پر عمل نہیں کریں گے ان کی یہی منافقانہ دوغلی پالیسی ایسی چیز ہے جس سے اسلام اور مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے خطرناک قرار دیا ہے، اور یہی نفاق ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی بنیاد کو ہلا کر رکھ دیتا ہے، آج کل اسی پالیسی کا دور دورہ ہے، مسلمان بدنام ہیں اور امریکہ اور اس کے غلام نیک نام ہیں۔ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ منافق لوگ باتیں تو بہت خوبصورت کریں گے اور عمل خالص ظلم کی بنیاد پر کریں گے۔[2]

﴿۲۴﴾ وَعَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ حَبِيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى إِنِّيْ لَسْتُ كُلَّ كَلَامِ الْحَكِيْمِ أَتَقَبَّلُ وَلٰكِنِّيْ أَتَقَبَّلُ هَمَّهُ وَهَوَاهُ فَإِنْ كَانَ هَمُّهُ وَهَوَاهُ فِيْ طَاعَتِيْ جَعَلْتُ صَمْتَهُ حَمْدًا لِّيْ وَوَقَارًا وَإِنْ لَّمْ يَتَكَلَّمْ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت مہاجر ابن حبیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں عقلمند ودانشور کی ہر بات کو قبول نہیں کرتا بلکہ میں اس کے قصد وارادہ اور محبت ونیت کو قبول کرتا ہوں پس اگر اس کی نیت ومحبت میری طاعت وفرمانبرداری کے تئیں ہوتی ہے تو میں اس کی خاموشی کو اپنی حمد وثنا اور اس کے حلم ووقار کے مرادف قرار دیتا ہوں اگرچہ وہ کوئی بات نہ کہے۔ (دارمی)

توضیح: "کلام الحکیم" حکیم سے عالم اور پروفیسر اور دانشور مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ہر دانشور اور ہر عالم اور نکتہ دان کی بات قبول نہیں کرتا یعنی میرے نزدیک محض گفتار کے غازی کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ ہمارے ہاں کردار کی قدر وقیمت ہے۔ جب اخلاص، رضائے الٰہی اور حسن نیت، عمدہ اور بہتر ہو اور کردار کا معیار بلند ہو تو گفتار کی سطح کتنی ہی سادہ کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کے ہاں اسی کا اعتبار ہے۔[4]

[1] اخرجه البيهقي: ۲/۲۸۴ [2] المرقات: ۹/۱۹۵ [3] اخرجه الدارمي: ۲۵۷ [4] المرقات: ۹/۱۹۶

مورخہ ۲۰ جمادی الاول ۱۴۱۸ھ

باب البکاء والخوف

رونے اور خوف خدا کا بیان

"قال اللہ تعالیٰ فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا۔"[1] "وقال اللہ تعالیٰ واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تریٰ اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق" (مائدہ)[2]

جب رونے میں منہ سے آواز نکلتی ہو اس کو بکاء کہتے ہیں اور اگر منہ سے رونے کے وقت آواز نہ نکلتی ہو مگر آنسو بہتے ہوں تو اس رونے کو بھی بکاء کہتے ہیں جب آواز میں چیخ آجائے تو اس رونے کو عویل کہتے ہیں، اگر آواز بالکل پست ہو تو اس کو رنین کہتے ہیں، اس سے بھی پست ہو اور آنسو جاری ہو تو اس کو حنین کہتے ہیں۔

جن لوگوں کا دل نرم ہوتا ہے تلاوت کے وقت یا ذکر اللہ کے وقت یا تذکیر اور وعظ کے وقت وہ روتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور احسان ہوتا ہے کچھ لوگوں کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے شاعر نے کہا۔

لا ینفع الوعظ قلباً قاسیاً ابداً
وَھَلْ یلین بذکر الواعظ الحجرِ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے رونے اور اس میں رونگٹے کھڑے ہونے کی تعریف کی ہے، احادیث میں رونے کی فضیلت آئی ہے اگر کسی کو ذکر اللہ یا تلاوت کے وقت رونا نہیں آتا تو اس کو چاہئے کہ رونے کی صورت بنایا کرے کیونکہ اس میں فضیلت واجر ہے کہ آدمی خوف خدا سے یا ذکرِ رسول یا ذکرِ صحابہ یا تذکرۂ آخرت سے روئے، اس باب میں درج تمام احادیث کا تعلق خوف خدا اور خوف آخرت کی وجہ سے رونے کے ساتھ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آخرت کے عذاب اور اللہ تعالیٰ کے عتاب وعقاب کے خوف سے گڑگڑا کر رونے کو البکاء والخوف کہا گیا ہے۔

الفصل الاول

استحضار آخرت رونے کا سبب ہے

﴿۱﴾ عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ تَعْلَمُوْنَ

[1] توبہ: ۸۲ [2] مائدہ: ۸۳

مَا أَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا وَلَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابوالقاسم (محمد) ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم اس چیز کو جان لو جس کو میں جانتا ہوں تو یقیناً تمہارا رونا زیادہ اور ہنسنا کم ہو جائے۔ (بخاری)

توضیح: "لبکیتم" یعنی قیامت کے احوال واہوال اور مبدأ و معاد کی حقیقت اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی عظمت اور اس کی جلال و جبروت، اس کا قہر و غضب اور یوم الحساب کے شدائد و مصائب، حساب، کتاب کی سختیاں اور اللہ تعالیٰ کی صفات جمالیہ اور جلالیہ کو جس قدر میں جانتا ہوں اور اسی طرح لوگوں کے انجام سے متعلق جن واقعات و شدائد کو جس قدر میں جانتا ہوں اگر تم اس قدر جان لیتے تو تم بہت کم ہنستے بلکہ نہ ہنستے اور رونے میں وقت گذارتے مگر تم کو ان چیزوں کا مشاہدہ نہیں اس لئے ہنستے ہو اور عیش وعشرت میں لگے رہتے ہو۔[2]

اس روایت سے ہمیں یہ تعلیم ملی کہ آنے والے واقعات کے پیش نظر آدمی کو ہر وقت ان واقعات کی وجہ سے فکر لگی رہنی چاہئے، ہمہ وقت اسی کی تیاری میں لگا رہنا چاہئے گویا خوف خدا اور عظمت وجلال الٰہی کے مظاہر کے سامنے یہ آدمی دست بستہ کھڑا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور عفو و درگذر پر بھی نظر جما کر رکھنی چاہئے لیکن اللہ تعالیٰ سے بے خوف اور بے خطر زندگی گذارنے میں بہت زیادہ نقصانات ہیں اور خوف خدا میں بہت فوائد ہیں۔

دنیاوی معاملات کا انجام صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ أُمِّ الْعَلَاءِ الْأَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللهِ لَا أَدْرِي وَاللهِ لَا أَدْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللهِ مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ام العلاء انصاریہ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا باوجودیکہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن خدا کی قسم میں یہ نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ (بخاری)

توضیح: "مایفعل بی" یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول ہوتے ہوئے مجھے یہ علم نہیں کہ دنیوی اعتبار سے تمہارا انجام کیا بنے گا اور میرا انجام کیا بنے گا۔[4]

سوال: اس مقام پر ایک مشہور سوال ہے وہ یہ ہے کہ نبی تو دوسروں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سفیر بن کر آتا ہے جب نبی خود اپنی آخرت و عاقبت اور اپنی نجات میں متردد ہو اور گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہو تو وہ دوسروں کے لئے کیسے رہبر بنے گا نیز یہ تردد اور بے یقینی کی کیفیت تو نبی کی معصومیت کے بھی منافی ہے تو آنحضرت ﷺ نے اس طرح جملے کیسے ارشاد فرمائے؟

---

[1] اخرجه البخاري: ۸/۱۲۷ [2] المرقات ۹/۱۹۷ [3] اخرجه البخاري ۲/۹۱ [4] المرقات ۹/۱۹۸

جواب: اس حدیث میں قرآن کریم کی ایک آیت کی طرف اشارہ ہے، اس آیت کی تفسیر اور مطلب سمجھنے سے یہ حدیث بھی سمجھ میں آجائے گی وہ آیت یہ ہے ﴿قل ما کنت بدعاً من الرسل وما ادری ما یفعل بی ولا بکم﴾ [۱] اس آیت کا ترجمہ فارسی میں شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے اس طرح کیا ہے:

بگو من عیستم نو آمد از پیغمبراں ونمی دانم کہ چہ کردہ شود باما وباشما در دنیا

مطلب یہ نکلا کہ اس آیت اور اس حدیث دونوں کا تعلق ان دنیوی واقعات ومعاملات کے ساتھ ہے جو مستقبل میں آنے والے تھے کہ میں پہلے مروں گا یا تم پہلے مروگے، یا میں تم پر غالب آؤں گا یا تم مجھ پر غالب آؤ گے اس جنگ میں تم شکست کھاؤ گے یا ہم کھائیں گے۔ مستقبل کے ان جیسے واقعات کا تعلق چونکہ علم غیب سے ہے اور علم غیب خاصۂ خدا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے نفی فرمادی اور یہ کوئی دینی واخروی امور بھی نہیں ہیں جن کا جاننا نبی کے لئے ضروری ہو۔

اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ مجھے اپنے اور تمہارے انجام کی تفصیلات کا علم نہیں ہے اجمالی طور پر تو اپنی نجات اور کامیابی کو جانتا ہوں مگر تفصیلات کا تعلق علم غیب سے ہے لہٰذا مجھے اس کا علم نہیں ہے کیونکہ مجھے اس سے آگاہ نہیں کیا گیا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون کی وفات پر آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے دعائیں مانگیں۔ سب سے پہلے بقیع غرقد میں ان کو دفن کیا آپ نے ان کے چہرہ یا پیشانی کا بوسہ لیا اس پر ایک خاتون نے کہا کہ عثمان تیرے لئے جنت مبارک ہو اس پر آنحضرت ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہو کر اپنے بارے میں اس طرح بات نہیں کرتا، تم نے صحابی کے بارے میں اس طرح حکم کیسے لگادیا؟ یہ تو مستقبل کے غیب کا معاملہ ہے اس طرح فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔ پہلے دو جواب واضح اور راجح ہیں۔ [۲]

دوزخ میں عمرو بن لحی اور ایک عورت کی کیفیت

﴿۳﴾وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ النَّارُ فَرَأَيْتُ فِيْهَا امْرَأَةً مِّنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ تُعَذَّبُ فِيْ هِرَّةٍ لَهَا رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ حَتّٰى مَاتَتْ جُوْعًا وَرَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرٍ الْخُزَاعِيَّ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میرے سامنے دوزخ کی آگ لائی گئی تو میں نے اس میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کو دیکھا کہ اس کو ایک بلی کے معاملہ میں عذاب دیا جارہا تھا جس کو اس نے باندھ چھوڑا تھا، نہ تو اس

[۱] الاحقاف ۹ [۲] المرقات ۹/۱۹۸ [۳] اخرجہ مسلم ۱/۳۶۰

کو کچھ کھانے پینے کے لئے دیا کرتی تھی اور نہ اس کو کھولتی ہی تھی کہ وہ حشرات الارض میں سے کچھ کھالے اور آخر کار وہ بلی بھوک سے تڑپ تڑپ کر مرگئی، نیز میں نے عمرو ابن عامر خزاعی کو بھی دیکھا جو اپنی آنتوں کو دوزخ کی آگ میں کھینچ رہا تھا یہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے اونٹنی چھوڑنے کی رسم نکالی تھی۔ (مسلم)

توضیح: "عمرو بن عامر" عمرو بن عامر اپنے زمانہ میں اہل مکہ کا بڑا تھا، حرم شریف کا نگران بھی تھا یہ شخص کاہن بھی تھا، ایک دفعہ یہ بیمار ہوگیا اس نے کسی سے سنا کہ شام میں ایک جگہ پانی کا ایک چشمہ ہے اگر بیمار اس سے غسل کرلے تو صحت یاب ہوجاتا ہے یہ شخص شام چلا گیا وہاں اس شخص نے دیکھا کہ لوگ بت پرستی کررہے ہیں اس کو بھی شوق ہوگیا اور واپسی پر ان لوگوں سے ایک بت مانگ کر ساتھ لایا جس کا نام ھُبَل تھا۔ چونکہ یہ شخص کاہن تھا تو ابلیس نے اس سے کہا کہ جدہ جاکر فلاں نالے میں نوح علیہ السلام کے زمانے کے پانچ بت پڑے ہیں وہ بھی لے آؤ۔ چنانچہ عمرو بن عامر گیا اور اس نالے سے پانچ بت ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو لاکر بیت اللہ کے پاس کھڑا کردیا جس سے رفتہ رفتہ شرک اور بت پرستی کی رسم حجاز مقدس میں چل پڑی پھر اس بدبخت نے بتوں کے نام پر سانڈھ چھوڑے۔ [1] **"سوائب"** یہ سائبۃ کی جمع ہے، سائبہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو بتوں کے نام آزاد چھوڑ دیا جائے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب ایک اونٹنی دس مادہ اولاد پیدا کردیتی تھی یا کوئی مسافر شخص سفر سے بخیریت واپس گھر آجاتا تھا یا کوئی مریض بیماری سے شفایاب ہوجاتا تھا تو عرب کا دستور تھا کہ ایک اونٹنی کو آزاد چھوڑ دیتے تھے نہ اس کا دودھ نکالتے، نہ اس پر سواری کرتے، نہ اس کو فصل سے روکتے تھے بس یہ سانڈ بن کر آزاد گھومتی پھرتی رہتی تھی عرب لوگ اپنے بتوں کی خوشنودی کی خاطر ایسا کرتے تھے، اس حدیث میں اسی تفصیل کی طرف اشارہ ہے۔

بعض روایات میں اس شخص کے باپ کا نام لُحَی ہے یعنی عمرو بن لحی، یہاں اس کا نام عمرو بن عامر بتایا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس کے دادا کا نام لحی ہو تو کبھی باپ عامر کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کبھی لحی دادا کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت اور دوزخ ابھی سے موجود ہیں اور کچھ لوگ ابھی سے دوزخ میں ڈالے جاچکے ہیں جس طرح اس حدیث میں مذکور ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت کو بذریعہ وحی دوزخ کے مستقبل کی حالت دکھائی گئی ہو کہ آئندہ دوزخ میں ان لوگوں کے ساتھ ایسا معاملہ ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ عالم برزخ میں دوزخ کی شاخ ہو تو وہ بھی دوزخ ہے۔ [2] **"فی هرة"** یہ فی علت اور سببیت کے لئے ہے کہ بلی کو ناجائز ایذا پہنچانے اور قتل کرنے کی وجہ سے وہ عورت دوزخ چلی گئی۔ [3] **"قُصبه"** یہ قصبۃ کی جمع ہے آنتوں کو کہتے ہیں عرب کا مشہور مقولہ ہے رئیت القصاب ینقی الاقصاب۔ میں نے قصاب کو دیکھا جو آنتوں کو صاف کررہا تھا۔ [4]

---

[1] المرقات ۹/۱۹۹ [2] المرقات ۹/۱۹۹ [3] المرقات ۹/۱۹۹ [4] المرقات ۹/۱۹۹

یاجوج ماجوج اور سدِ سکندری کی تفصیل

﴿۴﴾وَعَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمًا فَزِعًا يَقُوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوْجَ وَمَأْجُوْجَ مِثْلُ هٰذِهٖ وَحَلَّقَ بِإِصْبَعَيْهِ الْإِبْهَامِ وَالَّتِيْ تَلِيْهَا قَالَتْ زَيْنَبُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَفَنَهْلِكُ وَفِيْنَا الصَّالِحُوْنَ قَالَ نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن رسول کریم ﷺ ان کے ہاں ایسی حالت میں تشریف لائے کہ جیسے بہت گھبرائے ہوئے ہیں، پھر فرمانے لگے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود عبادت کے لائق نہیں، افسوس صد افسوس عرب کے اس شر وفتنہ پر جو قریب آ پہنچا ہے۔ آج یاجوج ماجوج کی دیوار میں اس قدر سوراخ ہوگیا ہے یہ کہہ کر آپ نے انگوٹھے اور برابر والی انگلی کے ذریعہ حلقہ بنایا حضرت زینب کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم اس صورت میں بھی ہلاک کر دیئے جائیں گے جب کہ ہمارے درمیان صالح و پاکباز لوگ موجود ہوں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں، جبکہ فسق و فجور کی کثرت ہوگی۔
(بخاری ومسلم)

توضیح: "للعرب" عرب کو اس لئے بطور خاص ذکر کیا کہ اس وقت زیادہ تر عرب ہی اسلام میں داخل ہوئے تھے۔[2]

"شر قد اقترب" یعنی ایک شر اور فساد ہے جو عرب کے بالکل قریب آچکا ہے، اس شر سے ان عام فتنوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو شہادت عثمان کے بعد اس امت میں شروع ہوگئے تھے اور آج تک مسلسل جاری ہیں لیکن ان فتنوں میں ایک بڑا فتنہ وفساد یاجوج ماجوج کا خروج ہے جس کو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔[3]

"من ردم یاجوج" قریب شدہ شر کی تفصیل اور بیان اس جملہ میں کیا گیا ہے اور اس سے سلطان سکندر ذوالقرنین کی بنائی ہوئی دیوار کی طرف اشارہ ہے جس کے پیچھے یاجوج ماجوج کو بند کر کے رکھا گیا ہے۔ یاجوج ماجوج کی لوٹ مار کے خوف سے حفاظت کے طور پر دنیا میں کئی دیواریں بنی ہیں ان میں مشہور چار دیواریں ہیں۔[4]

❶ سب سے بڑی دیوار دیوار چین ہے اس کو فغفور بادشاہ نے بنایا ہے جو ایک ہزار میل لمبی دیوار ہے۔
❷ دوسری دیوار وسط ایشیاء میں بخارا اور ترمذ کے درمیان واقع ہے جس کو در بند کہتے ہیں یہ دیوار مغل بادشاہ تیمور لنگ نے بنائی ہے۔
❸ تیسری دیوار روسی علاقہ داغستان میں واقع ہے اس کو بھی در بند کہتے ہیں۔

[1] اخرجه البخاری ۴/۱۶۸ ومسلم ۸/۱۶۶　[2] المرقات ۹/۲۰۰　[3] المرقات ۹/۲۰۰　[4] المرقات ۹/۲۰۰

❹ چوتھی دیوار کاکیشیا میں ہے جو اسی داغستان کے مغربی علاقہ میں واقع ہے جو بہت بلند پہاڑوں کے درمیان ہے اس جگہ درّہ داریال کے نام سے ایک درّہ مشہور ہے اس میں یہ دیوار قائم ہے جس کو، دِ کوہ قاف کہتے ہیں یہی سد سکندری ہے اور اسی کے پیچھے یاجوج ماجوج بند ہیں۔ آج کل چیچنیا کا نام بہت مشہور ہے۔ داغستان اور کاکیشیا اور درۂ داریال اور کوہ قاف، چیچنیا کے آس پاس کے علاقے ہیں۔

''یاجوج و ماجوج'' زمین کی کل وسعت پانچ سو سال کی مسافت پر ہے۔ تین سو سال کی مسافت کے علاقے پر سمندر محیط ہے ایک سو نوے سال کی مسافت کے علاقے پر یاجوج ماجوج آباد ہیں اور دس سال کی مسافت کے رقبے پر انسان آباد ہیں۔ یاجوج ماجوج منگولیا یعنی تاتاریوں کے ان وحشی قبائل کا نام ہے جن کو یورپ اور روسی اقوام کی ابتدائی نسل کا تاریخی ثبوت حاصل ہے، یاجوج ماجوج کے ہمسایہ کمزور قبائل نے ان کے دو بڑے قبیلوں کو موگ اور یوجی کے نام سے یاد کیا اس کے بعد یونانیوں نے ان کو یوگاگ میگاگ کہہ دیا اس کے بعد عربی اور عبرانی لغت نے اس میں تصرف کیا اور اس کو یاجوج ماجوج بنا دیا۔ یاجوج ماجوج ترک، روس، چین اور تاتاریوں کے ان وحشی قبائل کا نام ہے جو سدِ سکندری کے پیچھے پردۂ غیب میں چلے گئے ہیں اور ان کے کچھ مہذب نمونے انہیں اقوام کی صورت میں دنیا کے سامنے موجود ہیں۔ کتاب الفتن میں یاجوج ماجوج کی مزید کچھ تفصیل آسکتی ہے بہرحال اس حدیث میں جس فتنہ کے قریب آنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ تاتاریوں کے چنگیز خان کا فتنہ تھا جو اسی علاقہ سے اُٹھا تھا اور جس نے اسلامی خلافت کو پارہ پارہ کر دیا اور بغداد کو لوٹ لیا دین اور اہل دین کے نشانات کو مٹا دیا اور لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ یاجوج ماجوج کی ایک مصنوعی شکل تھی اصل یاجوج ماجوج بعد میں نکلیں گے، اللہ ان کو ہلاک کرے!

قرب قیامت کے وقت چند عذاب

﴿۵﴾وَعَنْ أَبِيْ عَامِرٍ أَوْأَبِيْ مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيَكُوْنَنَّ مِنْ أُمَّتِيْ أَقْوَامٌ يَّسْتَحِلُّوْنَ الْخَزَّوَالْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ وَلَيَنْزِلَنَّ أَقْوَامٌ إِلٰى جَنْبِ عَلَمٍ يَّرُوْحُ عَلَيْهِمْ بِسَارِحَةٍ لَّهُمْ يَأْتِيْهِمْ رَجُلٌ لِحَاجَةٍ فَيَقُوْلُوْنَ ارْجِعْ إِلَيْنَا غَدًا فَيُبَيِّتُهُمُ اللّٰهُ وَيَضَعُ الْعَلَمَ وَيَمْسَخُ أٰخَرِيْنَ قِرَدَةً وَّخَنَازِيْرَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ الْحِرَ بِالْحَاءِ وَالرَّاءِ الْمُهْمَلَتَيْنِ وَهُوَ تَصْحِيْفٌ وَّإِنَّمَا هُوَ بِالْخَاءِ وَالزَّايِ الْمُعْجَمَتَيْنِ نَصَّ عَلَيْهِ الْحُمَيْدِيُّ وَابْنُ الْأَثِيْرِ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ وَفِيْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ عَنِ الْبُخَارِيِّ وَكَذَا فِيْ شَرْحِهٖ لِلْخَطَّابِيِّ تَرُوْحُ عَلَيْهِمْ سَارِحَةٌ لَّهُمْ يَأْتِيْهِمْ لِحَاجَةٍ) ۱

ترجمہ: اور حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ یا حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول

۱ اخرجه البخاری ۷/۱۳۸

کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں کچھ ایسے گروہ اور طبقے بھی پیدا ہوں گے جو ریشمی کپڑے کو اور شراب کو اور باجوں کو حلال وجائز کردیں گے اور ان میں سے کچھ لوگ بلند پہاڑ کے پہلو میں قیام کریں گے، رات کے وقت ان کے مویشی پیٹ بھرے ہوئے واپس آیا کریں گے اور ان مویشیوں کو ان کا چرانے والا دودھ سے بھرا ہوا لے کر آئے گا لیکن جب کوئی شخص اپنی ضرورت لے کر ان کے پاس آئے گا تو وہ اس کو یہ کہہ کر ٹال دیں گے کہ کل ہمارے پاس آنا اور پھر رات ہی میں اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب اس طرح نازل کرے گا کہ ان میں سے بعض پر تو پہاڑ کی چوٹی الٹ دے گا اور ان میں بعض کی صورتوں کو مسخ کر کے بندر اور سور بنادے گا جو قیامت تک اسی شکل وصورت میں رہیں گے۔ (بخاری) اور مصابیح کے بعض نسخوں میں (الخز کے بجائے) حاء اور راء کے ساتھ "الحر" ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے، اصل میں یہ لفظ خاء اور زاء کے ساتھ (الخز) ہی ہے، حمیدی اور ابن اثیر نے اس حدیث کے سلسلہ میں اسی معنی کی تصریح کی ہے نیز حمیدی کی کتاب میں امام بخاری ہی سے جو یہ روایت نقل کی گئی ہے اور اسی طرح خطابی نے شرح بخاری میں جو روایت نقل کی ہے ان دونوں میں (**یروح علیھم بسارحة**) کے بجائے یوں ہے۔ **تروح علیھم سارحة لھم یاتیھم لحاجة.**

توضیح: "**الخز**" ریشم کو خز اور حریر کہا گیا اور [1] الخمر شراب کو کہتے ہیں اور [2] المعازف معزف کی جمع ہے آلات لہو ولعب، باجوں اور طبلوں کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ آخر زمانہ میں ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ ان حرام کاموں کو حلال سمجھیں گے چنانچہ آج کل یہی ہو رہا ہے [3] "**عَلَم**" پہاڑ کو علم کہا جاتا ہے یعنی یہ لوگ پہاڑ کے دامن میں سکونت اختیار کریں گے۔ [4] "**یروح**" شام کے وقت آنے کو کہتے ہیں۔ [5] "**بسارحة**" اس میں باء زائد ہے اور سارحۃ فاعل ہے، چرنے والے جانوروں کو سارحۃ کہا گیا ہے یعنی شام کو جانور بھرے پیٹ واپس آئیں گے۔ [6]

"**لحاجة**" یعنی ایک ضرورت مند شخص ان کے پاس اپنی ضرورت لاکر پیش کرے گا وہ لوگ کہیں گے کل آجاؤ۔ [7]

"**فیبیتھم اللہ**" یعنی رات کو اللہ تعالیٰ ان پر عذاب ڈال کر سب کو ہلاک کردے گا۔ [8] "**فیضع العلم**" یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر اس پہاڑ کو گرادے گا جس کے دامن میں یہ قیام پذیر ہوں گے یہ ادھر ہلاک ہوجائیں گے اور جو بچ جائیں گے ان کو بندروں اور خنزیروں کی شکل میں مسخ کرکے رکھ دے گا۔ [9]

عذاب الٰہی عام ہوتا ہے

﴿۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَنْزَلَ اللهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا أَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ كَانَ فِيْهِمْ ثُمَّ بُعِثُوْا عَلٰى أَعْمَالِهِمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[10]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے

[1] المرقات ۹/۲۰۱ [2] المرقات ۹/۲۰۱ [3] المرقات ۹/۲۰۱ [4] المرقات ۹/۲۰۱ [5] المرقات ۹/۲۰۱
[6] المرقات ۹/۲۰۲ [7] المرقات ۹/۲۰۲ [8] المرقات ۹/۲۰۲ [9] المرقات ۹/۲۰۲ [10] اخرجه البخاری ومسلم ۸/۱۶۵

تو وہ عذاب ہر اس شخص کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے جو اس قوم میں ہوتا ہے اور پھر لوگوں کو ان کے اعمال کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ (بخاری ومسلم)

اصل اعتبار خاتمہ کا ہوتا ہے

﴿۷﴾وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلٰى مَامَاتَ عَلَيْهِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ہر بندہ کو اسی حال پر اٹھایا جائے گا جس حال پر وہ مرا ہے۔ (مسلم)

الفصل الثانی

جنت کا طلبگار اور رات میں نیند؟

﴿۸﴾عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَارَأَيْتُ مِثْلَ النَّارِ نَامَ هَارِبُهَا وَلَامِثْلَ الْجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۲]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے دوزخ کی آگ کی مانند ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ اس سے بھاگنے والا سوتا ہے اور سرور وشادمانی کے اعتبار سے میں نے جنت کی مانند ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ اس کا طلب کرنے والا سوتا ہے۔ (ترمذی)

﴿۹﴾وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي أَرٰى مَالَاتَرَوْنَ وَأَسْمَعُ مَالَاتَسْمَعُوْنَ أَطَّتِ السَّمَاءُ وَحَقَّ لَهَاأَنْ تَئِطَّ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَافِيْهَامَوْضِعُ أَرْبَعَةِ أَصَابِعَ إِلَّاوَمَلَكٌ وَّاضِعٌ جَبْهَتَهٗ سَاجِدًالِلّٰهِ وَاللهِ لَوْتَعْلَمُوْنَ مَاأَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًاوَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًاوَمَاتَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرُشَاتِ وَلَخَرَجْتُمْ إِلَى الصُّعُدَاتِ تَجْأَرُوْنَ إِلَى اللهِ قَالَ أَبُوْذَرٍّ يَالَيْتَنِيْ كُنْتُ شَجَرَةً تُعْضَدُ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے اور جو کچھ میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے، آسمان میں سے آواز نکلتی ہے اور اس میں سے آواز نکلنا بجا ہے، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان

[۱] اخرجہ مسلم ۸/۱۶۵ [۲] اخرجہ الترمذی ۴/۶۳۳ [۳] اخرجہ احمد والترمذی ۴/۶۱۲

ہے آسمان میں چار انگشت کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں جہاں فرشتے خدا کے حضور اپنا سر سجدہ ریز کئے ہوئے نہ پڑے ہوں خدا کی قسم اگر تم اس چیز کو جان لو جس کو میں جانتا ہوں تو یقیناً تم بہت کم ہنسو اور زیادہ رونے لگو اور بستر پر اپنی عورتوں سے لذت حاصل کرنا چھوڑ دو، اور یقیناً تم خدا سے نالہ و فریاد کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل جاؤ۔ حضرت ابوذر نے کہا کہ کاش میں درخت ہوتا جس کو کاٹا جاتا۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: "مالاترون" یعنی جو فتن اور فسادات و واقعات میں دیکھ رہا ہوں اور سن رہا ہوں تم اس کو نہ دیکھ سکتے ہو، نہ سن سکتے ہو۔[1] "اطت السماء" یہ اطیط سے ہے پالان وغیرہ کی لکڑی سے جو چرچراہٹ کی آواز نکلتی ہے اس کو اطیط کہتے ہیں مراد آواز نکلنا ہے یعنی آسمان کثرت ملائکہ اور ذات باری تعالیٰ کے جلال کی وجہ سے چرچراہٹ کی آواز نکالنے لگا، حدیث کے آنے والے حصے میں اس چرچراہٹ کی وجہ اور سبب بیان کیا گیا ہے۔[2] "ساجدا" یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگے ہیں اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی سجدہ میں ہے تو کوئی قیام یا رکوع میں ہے اور کوئی دوسری عبادت میں ہے سب سجدہ میں نہیں لہٰذا ساجداً سے اطاعت مراد لی گئی ہے تاکہ عام ہو جائے۔[3]

"الصعدات" صحرا اور جنگل مراد ہیں[4] "تجأرون" یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر رونے لگ جاؤ گے۔ ان سنگین حالات کو سن کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے کاش کہ میں درخت ہوتا کہ کاٹ کر قصہ ختم ہو جاتا اور ان واقعات و صدمات کا سامنا کرنا نہ پڑتا۔[5]

ایک حکیمانہ نصیحت

﴿۱۰﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ أَدْلَجَ وَمَنْ أَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ أَلَا إِنَّ سِلْعَةَ اللهِ غَالِيَةٌ أَلَا إِنَّ سِلْعَةَ اللهِ الْجَنَّةُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[6]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ڈرتا ہے تو وہ رات کے پہلے ہی حصہ میں اپنے بچاؤ کا راستہ اختیار کر لیتا ہے اور جو شخص رات کے پہلے حصہ میں بھاگنا شروع کر دیتا ہے وہ منزل تک پہنچ جاتا ہے، جان لو خدا کا مال بہت قیمتی ہے اور یاد رکھو! خدا کا مال جنت ہے۔ (ترمذی)

توضیح: "ادلج" ادلاج رات کے پہلے حصہ میں چلنے کو کہتے ہیں اس کے بعد[7] تاویب ہے اور اس کے بعد تعریس ہے شاعر ساحر نے کہا

فالحمد قبل لها والحمد بعدلها ولقنا ولا دلاجي وتأويبي

[1] المرقات ۹/۲۰۷ [2] المرقات ۹/۲۰۷ [3] المرقات ۹/۲۰۷ [4] المرقات ۹/۲۰۸
[5] المرقات ۹/۲۰۸ [6] اخرجه الترمذی ۴/۶۳۳ [7] المرقات ۹/۲۰۹

نیک ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے

﴿۱۱﴾ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ جَلَّ ذِكْرُهُ أَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِيْ يَوْماً أَوْ خَافَنِيْ فِيْ مَقَامٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ) ۱

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ کہ جس کا ذکر بہت باعظمت ہے قیامت کے دن فرمائے گا کہ اس شخص کو دوزخ سے نکال لو جس نے ایک دن بھی مجھ کو یاد کیا ہے یا کسی موقع پر مجھ سے ڈرا ہے، ترمذی اور بیہقی نے اس روایت کو کتاب البعث والنشور میں نقل کیا ہے۔

﴿۱۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ، أَهُمُ الَّذِيْنَ يَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَيَسْرِقُوْنَ قَالَ لَا يَا بِنْتَ الصِّدِّيْقِ وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَصُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَهُمْ يَخَافُوْنَ أَنْ لَّا يُقْبَلَ مِنْهُمْ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) ۲

ترجمہ: اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا {**والذین یؤتون الخ**} (جس کا ترجمہ ہے) وہ لوگ جو دیتے ہیں اور جو کچھ دیتے ہیں یعنی از قسم زکوۃ وصدقات، ان کی حالت یہ ہے کہ ان کے دل لرزاں وترساں ہیں یعنی ان پر یہ خوف طاری رہتا ہے کہ انہوں نے خدا کی راہ میں اور اس کے حکم کے اتباع میں جو کچھ خرچ کیا ہے وہ قبول بھی ہوگا یا نہیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا انفاق وایثار شرائط وآداب کے مطابق واقع نہ ہو اور ہم الٹے وبال میں پڑ جائیں) اسی آیت کے متعلق آنحضرت سے حضرت عائشہ کا سوال یہ تھا) کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا صدیق کی بیٹی! نہیں، یہ وہ لوگ نہیں ہیں جو شراب پیتے ہیں، چوری کرتے ہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اس کے باوجود ڈرتے ہیں کہ ان کے اعمال کو (شاید) قبول نہ کیا جائے۔

(ترمذی)

توضیح: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے اس لئے سوال کیا کہ جو لوگ روئیں گے اور ڈریں گے تو شاید اُنہوں نے بڑے بڑے گناہ کئے ہوں گے اس لئے روتے ہوں گے آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جواب میں فرمایا کہ ایسا نہیں یہ رونے والے گناہ گار نہیں بلکہ نیکوکار لوگ ہوں گے البتہ خوف اس بات کا ہوگا کہ اُنہوں نے جو نیک اعمال کئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نامقبول نہ ہوجائیں۔

۱ اخرجہ الترمذی ۴/۶۱۲ ۲ اخرجہ الترمذی ۵/۳۲۷

ذکر اللہ کی اہمیت

﴿۱۳﴾وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ذَهَبَ ثُلُثَا اللَّيْلِ قَامَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا اللهَ اذْكُرُوا اللهَ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ جب دو تہائی رات گزر جاتی تو نبی کریم ﷺ اٹھتے اور فرماتے لوگو! اللہ کو یاد کرو، زلزلہ آیا ہی چاہتا ہے اس کے پیچھے پیچھے وہ بھی آ رہا ہے جو پیچھے آنے والا ہے، موت اپنے سے وابستہ تمام احوال کے ساتھ آیا ہی چاہتی ہے، موت اپنے سے وابستہ تمام احوال کے ساتھ آیا ہی چاہتی ہے۔ (ترمذی)

موت اور قبر کو ہر وقت یاد رکھو

﴿۱۴﴾وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَلَاةٍ فَرَأَى النَّاسَ كَأَنَّهُمْ يَكْتَشِرُونَ قَالَ أَمَا إِنَّكُمْ لَوْ أَكْثَرْتُمْ ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ لَشَغَلَكُمْ عَمَّا أَرَى الْمَوْتَ فَأَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ فَإِنَّهُ لَمْ يَأْتِ عَلَى الْقَبْرِ يَوْمٌ إِلَّا تَكَلَّمَ فَيَقُولُ أَنَا بَيْتُ الْغُرْبَةِ وَأَنَا بَيْتُ الْوَحْدَةِ وَأَنَا بَيْتُ التُّرَابِ وَأَنَا بَيْتُ الدُّودِ وَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ مَرْحَباً وَأَهْلاً أَمَا إِنْ كُنْتَ لَأَحَبَّ مَنْ يَمْشِي عَلَى ظَهْرِي إِلَيَّ فَإِذَا وُلِّيتُكَ الْيَوْمَ وَصِرْتَ إِلَيَّ فَسَتَرَى صَنِيعِي بِكَ قَالَ فَيَتَّسِعُ لَهُ مَدَّ بَصَرِهِ وَيُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى الْجَنَّةِ وَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْفَاجِرُ أَوِ الْكَافِرُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ لَا مَرْحَباً وَلَا أَهْلاً أَمَا إِنْ كُنْتَ لَأَبْغَضَ مَنْ يَمْشِي عَلَى ظَهْرِي إِلَيَّ فَإِذَا وُلِّيتُكَ الْيَوْمَ وَصِرْتَ إِلَيَّ فَسَتَرَى صَنِيعِي بِكَ قَالَ فَيَلْتَئِمُ عَلَيْهِ حَتَّى تَخْتَلِفَ أَضْلَاعُهُ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَصَابِعِهِ فَأَدْخَلَ بَعْضَهَا فِي جَوْفِ بَعْضٍ قَالَ وَيُقَيَّضُ لَهُ سَبْعُونَ تِنِّيناً لَوْ أَنَّ وَاحِداً مِنْهَا نَفَخَ فِي الْأَرْضِ مَا أَنْبَتَتْ شَيْئاً مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا فَيَنْهَسْنَهُ وَيَخْدِشْنَهُ حَتَّى يُفْضِيَ بِهِ إِلَى الْحِسَابِ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

---

[1] اخرجه الترمذی ۴/۶۳۶ واحمد ۵/۱۳۶ [2] اخرجه الترمذی ۴/۶۴۰

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نماز کے لئے تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ گویا لوگ ہنس رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا خبردار! بلاشبہ اگر تم لذتوں کو فنا کردینے والی چیز کا اکثر ذکر کرتے رہو تو وہ تم کو اس چیز سے باز رکھے جس کو میں دیکھ رہا ہوں اور وہ موت ہے، پس تم لذتوں کو فنا کردینے والی چیز یعنی موت کو بہت یاد کیا کرو، حقیقت یہ ہے کہ قبر پر ایسا کوئی دن نہیں گزرتا جس میں وہ یہ نہ کہتی ہو کہ میں غربت کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں خاک کا گھر ہوں اور میں کیڑوں مکوڑوں کا گھر ہوں اور جب کسی مؤمن بندہ کو دفن کیا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے کہ خوش آمدید! تم ایک اچھی کشادہ آرام کی جگہ اور اپنے ہی مکان میں آئے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم میرے نزدیک ان لوگوں میں سب سے زیادہ پیارے تھے جو مجھ پر چلتے ہیں، پس آج جب کہ میں تم پر حاکم و قادر بنائی گئی ہوں اور تم میرے مجبور مقہور ہوئے ہو تو تم عنقریب میرے اس نیک سلوک کو دیکھو گے جو میں تمہارے ساتھ کروں گی، حضور ﷺ نے فرمایا اس کے بعد وہ قبر اس بندہ کے لئے کشادہ و فراخ ہوجاتی ہے اور وہ کشادگی و فراخی اس کو اپنی حد نظر تک معلوم ہوتی ہے اور پھر اس کے لئے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اور جب کوئی بندہ فاسق یا کافر دفن کیا جاتا ہے قبر اس کو جھڑکتی ہے اور کہتی ہے کہ نہ تو تیرا آنا مبارک اور نہ تو اچھی، کشادہ، آرام کی جگہ اور اپنے مکان میں آیا ہے، تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ تو میرے نزدیک ان لوگوں میں سب سے برا تھا جو مجھ پر چلتے ہیں پس آج جب کہ میں تجھ پر حاکم و قادر بنائی گئی ہوں اور تو میرا مجبور و مقہور ہوا ہے تو جلدی ہی دیکھ لے گا کہ میں تیرے ساتھ کیسا برا سلوک کرتی ہوں، حضور نے فرمایا اور پھر قبر اس کو دباتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر ہوجاتی ہیں، ابوسعید کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا اور بتایا کہ اس طرح قبر کے دبانے کی وجہ سے اس کافر کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس کافر پر ستر اژدھے مسلط کردئے جاتے ہیں اگر ان میں سے کوئی ایک اژدھا بھی زمین پر پھنکار ماردے تو وہ زمین جب تک کہ دنیا باقی ہے سبزہ اگانے کے قابل نہ رہے، وہ اژدھے اس کافر کو کاٹتے اور نوچتے ہیں جب تک کہ اس بندہ کو حساب کے لئے نہ لے جایا جائے، حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا اس میں کوئی شک نہیں کہ قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ (ترمذی)

توضیح: "یکتشرون" اکتشار باب افتعال سے ہے اس کا مادہ کشر ہے جو دانت کھل جانے کو کہتے ہیں یہاں مراد ہنسنا ہے۔[۱] "**ھاذم**" **ای قاطع اللذات**: ہاذم کاٹنے کے معنی میں ہے مراد موت ہے کیونکہ موت بھی تمام لذتوں کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔[۲]

"**عما اریٰ**" یعنی اگر تم موت یاد کرتے تو میں تمہارے اس طرح ہنسنے کو نہ دیکھتا "**الموت**" یہ مجرور بھی ہے جو ہاذم اللذات کی تفسیر ہے یا اس سے بدل ہے اور یہ مرفوع بھی ہوسکتا ہے ای ہو الموت نیز منصوب بھی ہوسکتا ہے **ای اعنی الموت**۔

[۳] "**ولیتک**" یعنی تو میرے قابو میں آگیا، مجھے تجھ پر مسلط کردیا گیا۔ کتاب الجنائز میں اس طرح کی حدیثیں تشریحات کے ساتھ گذر چکی ہیں۔[۴]

---

[۱] المرقات ۹/۲۱۲ [۲] المرقات ۹/۲۱۲ [۳] المرقات ۹/۲۱۲ [۴] المرقات ۹/۲۱۳

آخرت کی فکر نے آنحضرت کو بوڑھا کر دیا

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِيْ سُوْرَةُ هُوْدٍ وَّأَخَوَاتُهَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوجحیفہ کہتے ہیں کہ جب صحابہ نے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ تو بوڑھے ہو گئے؟ تو آپ نے فرمایا سورت ہود اور اس جیسی سورتوں نے مجھ کو بوڑھا کر دیا ہے۔ (ترمذی)

توضیح: یعنی سورت ھود میں "فاستقم کما امرت" کے الفاظ میں استقامت کے تصور نے مجھے بوڑھا بنا دیا اور سورۃ النبأ سورۃ التکویر سورۃ الواقعۃ جیسی سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا کیونکہ اس میں قیامت کے احوال کی تفصیلات ہیں۔

﴿۱۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلَاتُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَذُكِرَ حَدِيْثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ لَا يَلِجُ النَّارَ فِيْ كِتَابِ الْجِهَادِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! آپ تو بوڑھے ہو گئے؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں! سورت ھود سورت واقعہ سورت مرسلات، عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے مجھ کو بوڑھا کر دیا ہے۔ (ترمذی) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت لا یلج النار الخ کتاب الجہاد میں نقل کی جا چکی ہے۔

الفصل الثالث

کسی گناہ کو حقیر نہ سمجھو

﴿۱۷﴾ عَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ أَعْمَالًا هِيَ أَدَقُّ فِيْ أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ كُنَّا نَعُدُّهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ يَعْنِي الْمُهْلِكَاتِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم ایسے کام کرتے ہو جو تمہاری نظر میں بال سے بھی زیادہ باریک ہیں لیکن ہم ان کاموں کو رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں موبقات یعنی ہلاک کرنے والے کاموں میں شمار کرتے تھے۔ (بخاری)

[1] اخرجه الترمذی ۴۲ [2] اخرجه الترمذی ۵/۴۰۲ [3] اخرجه البخاری ۸/۱۲۸

﴿۱۸﴾وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَاعَائِشَةُ إِيَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَإِنَّ لَهَامِنَ اللّٰهِ طَالِبًا. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا عائشہ! تم اپنے آپ کو ان گناہوں سے بھی دور رکھو جن کو معمولی اور حقیر سمجھا جاتا ہے کیونکہ ان گناہوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مطالبہ کرنے والا بھی ہے۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

حضرت عمر اور حضرت ابوموسیٰ کی گفتگو

﴿۱۹﴾وَعَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ بْنِ أَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ لِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ هَلْ تَدْرِيْ مَاقَالَ أَبِيْ لِأَبِيْكَ قَالَ قُلْتُ لَاقَالَ فَإِنَّ أَبِيْ قَالَ لِأَبِيْكَ يَاأَبَامُوْسٰى هَلْ يَسُرُّكَ أَنَّ إِسْلَامَنَامَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِجْرَتَنَامَعَهٗ وَجِهَادَنَامَعَهٗ وَعَمَلَنَاكُلَّهٗ مَعَهٗ بَرَدَ لَنَاوَأَنَّ كُلَّ عَمَلٍ عَمِلْنَاهُ بَعْدَهٗ نَجَوْنَامِنْهُ كَفَافًا رَأْسًا بِرَأْسٍ فَقَالَ أَبُوْكَ لِأَبِيْ لَاوَاللّٰهِ قَدْ جَاهَدْنَامَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلَّيْنَاوَصُمْنَاوَعَمِلْنَاخَيْرًا كَثِيْرًاوَأَسْلَمَ عَلٰى أَيْدِيْنَابَشَرٌ كَثِيْرٌ وَّإِنَّالَنَرْجُوْذٰلِكَ قَالَ أَبِيْ وَلٰكِنِّيْ أَنَاوَالَّذِيْ نَفْسُ عُمَرَ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُّ أَنَّ ذٰلِكَ بَرَدَ لَنَاوَإِنَّ كُلَّ شَيْئٍ عَمِلْنَاهُ بَعْدَهٗ نَجَوْنَامِنْهُ كَفَافًارَأْسًا بِرَأْسٍ فَقُلْتُ إِنَّ اَبَاكَ وَاللّٰهِ كَانَ خَيْرًا مِنْ أَبِيْ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو بردہ ابن ابی موسیٰ اشعری جو اونچے درجہ کے تابعین میں سے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے کہنے لگے کہ تمہیں معلوم ہے میرے والد نے تمہارے والد سے کیا کہا تھا؟ حضرت ابو بردہ کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا میرے والد نے تمہارے والد سے کہا تھا کہ ابوموسیٰ! کیا یہ بات تمہارے لئے خوش کن ہے کہ ہمارا اسلام جو رسول کریم ﷺ کے ساتھ تھا، ہماری ہجرت جو آپ کے ساتھ تھی ہمارا جہاد جو آپ کے ساتھ تھا اور ہمارے سارے اعمال جو آپ کے ساتھ تھے، وہ سب ہمارے لئے ثابت و برقرار رہیں اور ہم نے جو اعمال رسول کریم ﷺ کے بعد کئے ہیں وہ اگر ہم سے برابر سرابر بھی چھوٹ جائیں تو ہماری نجات کے لئے کافی ہیں۔ تمہارے والد نے میرے والد سے کہا کہ نہیں، خدا کی قسم ایسا نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کے بعد جہاد کیا ہے نمازیں پڑھیں ہیں، روزے رکھے ہیں، اور دوسرے بہت نیک اعمال کئے ہیں اور بہت سے لوگ ہمارے ہاتھوں پر مسلمان ہوئے ہیں اور یقینا ہم (مذکورہ چیزوں) کا اجر و ثواب پانے کی امید رکھتے ہیں میرے والد نے کہا کہ (تمہاری بات صحیح ہے) لیکن میں تو قسم ہے اس ذات کی جس

[1] اخرجه ابن ماجه ۲/۱۴۱۷ [2] اخرجه البخاري ۵/۸۱

کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ ہم نے جو اعمال رسول کریم ﷺ کے ساتھ کئے ہیں وہ ثابت و برقرار رہیں اور جو اعمال ہم نے آپ کے بعد کئے ہیں ان سے برابر سرابر چھوٹ جائیں۔ حضرت ابو بردہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر سے کہا کہ تمہارے والد خدا کی قسم میرے والد سے بہتر تھے۔ (بخاری)

توضیح: "بردلنا" برد، ثبت کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت کے زمانے کے اچھے اعمال کا ذکر فرمایا اور پھر فرمایا کہ اگر وہ اعمال ہمارے نامۂ اعمال میں باقی رہ جائیں اور ان پر ہمیں ثواب مل جائے اور آنحضرت کے بعد جو نیک اعمال ہم نے کئے ہیں ان میں نہ ہمیں ثواب ملے اور نہ عذاب ملے یعنی برابر سرابر فیصلہ ہو جائے تو یہ بات بہت اچھی ہوگی! آپ کو بھی یہ پسند ہے یا نہیں؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے حضرت! ہم نے آنحضرت کے بعد بھی بہت اچھے اچھے اعمال کئے ہیں جن پر ثواب کے ہم اُمیدوار ہیں چونکہ حضرت عمر فاروق پر خوف و رجاء میں سے خوف خدا غالب تھا اس لئے ایسا فرمایا اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ پر رجاء کی کیفیت غالب تھی اس لئے ان پر دوسرا رنگ غالب تھا۔ خوف و رجاء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر قیامت کے دن اعلان ہو جائے کہ صرف ایک آدمی دوزخ میں جائے گا باقی سب جنت میں جائیں گے تو میں کہوں گا کہ کہیں وہ آدمی میں نہ ہوں اور اگر اعلان ہو جائے کہ صرف ایک آدمی جنت میں جائے گا تو میں کہوں گا کہ وہ میں ہی ہوں گا، بہر حال ابوموسیٰ اشعری کے بیٹے حضرت ابو بردہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تیرے ابا جان اس رائے میں میرے ابا جان سے بہتر تھے۔[1]

آنحضرت کو نو باتوں کا حکم

﴿۲۰﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنِي رَبِّي بِتِسْعٍ خَشْيَةِ اللهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَكَلِمَةِ الْعَدْلِ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَى وَالْقَصْدِ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنٰى وَأَنْ أَصِلَ مَنْ قَطَعَنِي وَأُعْطِيَ مَنْ حَرَمَنِي وَأَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِي وَأَنْ يَكُونَ صَمْتِي فِكْرًا وَنُطْقِي ذِكْرًا وَنَظَرِي عِبْرَةً وَآمُرَ بِالْعُرْفِ وَقِيلَ بِالْمَعْرُوفِ. (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میرے رب نے مجھ کو نو باتوں کا حکم دیا ہے، ایک تو یہ کہ ظاہر و پوشیدہ ہر حالت میں اللہ سے ڈرا جائے، دوسری بات یہ کہ سچ بولا جائے خواہ غصہ کی حالت ہو یا رضامندی کی، تیسری بات یہ کہ فقر و غربت اور ثروت و مالداری دونوں حالت میں میانہ روی اختیار کی جائے، چوتھی بات یہ کہ میں اس شخص سے قرابت داری کو قائم رکھوں جو مجھ سے قطع تعلق کرے، پانچویں بات یہ کہ میں اس شخص کو (بھی) اپنی عطاء و بخشش اور جود و سخاوت سے نوازوں جو مجھے محروم رکھے، چھٹی بات یہ کہ میں انتقام لینے کی طاقت و قوت رکھنے کے باوجود اس شخص

[1] المرقات ۹/۲۱۹،۲۲۰

کو معاف کروں جو مجھ پر ظلم وزیادتی کرے، ساتویں بات یہ کہ میرا چپ رہنا عبادت کا ذریعہ ہو، آٹھویں یہ کہ میرا بولنا ذکر اللہ کا مظہر ہو، اور نویں بات یہ کہ میری نظر عبرت پذیری کے لئے ہو اور میرے رب نے مجھے یہ بھی حکم دیا ہے کہ میں اچھائی کا حکم کروں اور ایک روایت میں "بالمعروف" کا لفظ ہے۔ (رزین)

خوفِ خدا کی وجہ سے رونے کی فضیلت

﴿۲۱﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوْعٌ وَإِنْ كَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ثُمَّ يُصِيْبُ شَيْئًا مِنْ حُرِّ وَجْهِهِ إِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہر وہ بندۂ مؤمن جس کی آنکھوں سے خدا کے خوف میں آنسو نکلیں اگر چہ وہ آنسو مکھی کے سر کے برابر کیوں نہ ہو اور پھر وہ آنسو بہہ کر اس کے ظاہری چہرہ پر پہنچیں تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیگا (ابن ماجہ)

توضیح: "حر وجهه" چہرہ کے سامنے کا جو کھلا ہوا حصہ ہے اس کو حرالوجہ کہتے ہیں یعنی خوف خدا سے کسی شخص کی آنکھوں سے کم از کم تین آنسوں آکر کھلے چہرہ پر گر جائیں تو اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آگ پر حرام کر دیتا ہے اگر چہ وہ آنسو مکھی کے سر کے برابر چھوٹے کیوں نہ ہوں۔[2]

[1] اخرجه ابن ماجه ۲/۱۴۰۴ [2] المرقات ۹/۲۲۳

مورخہ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

باب تغیّر الناس

لوگوں میں تبدیلی کا بیان

یعنی لوگوں میں تغیر وتبدل یا زمانے کے احوال میں تغیر وتبدل، اس باب کی کچھ روایات میں لوگوں کے تغیر کا ذکر ہے مگر اکثر احادیث میں زمانہ کے احوال کے تغیر کی بحث ہے دونوں مطلب صحیح ہیں کہ لوگوں میں بھی اور زمانہ میں بھی تغیر آئے گا یہ تغیر حضور اکرم کی حیات طیبہ کے زمانہ سے متعلق ہے حیات طیبہ کا دور اور تھا۔ آپ کی وفات کے بعد کا دور اور تھا اور جتنا تأخر آتا گیا تغیر وتبدل بڑھتا گیا اور آج ہم مکمل طور پر بدل گئے ہیں۔

لوگ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں اخلاص کے ساتھ دین پر سختی سے عمل کرتے تھے، احکام الٰہی اور سنت نبویہ کو دل وجان سے قبول کرتے تھے اور شوق کے ساتھ اس پر قائم تھے، دنیا سے لوگ بے رغبت اور آخرت کی طرف متوجہ تھے لیکن آنحضرت کے وصال کے بعد رفتہ رفتہ لوگوں کے احوال میں تغیر وتبدل آتا گیا یہاں تک کہ قیامت کے قریب لوگ بالکل بدل جائیں گے اور اچھی صفات کے بجائے بری صفات کو اپنالیں گے۔ اچھائی کو بری نگاہ سے دیکھیں گے اور برائی کو اچھی نگاہ سے دیکھیں گے گویا عقل میں مکمل فتور آجائے گا۔ چنانچہ کبیرا نام کے ایک شاعر نے اس تغیر کو ایک شعر میں اس طرح بیان کیا ہے:

رنگی کو نارنگی کہا دودھ کھڑے کو کھویا
چلتی کا نام گاڑی رکھا یوں کبیرا رویا

الفصل الاول

قحط الرجال کے زمانہ میں سو آدمیوں میں کام کا ایک ملے گا

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا النَّاسُ كَالْإِبِلِ الْمِائَةِ لَا تَكَادُ تَجِدُ فِيْهَا رَاحِلَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا لوگ اختلاف حالات اور تغیر صفات کے اعتبار سے ان سو اونٹوں کے مانند ہیں جن میں سے تم ایک ہی کو سواری کے قابل پاسکتے ہو۔ (بخاری ومسلم)

[۱] اخرجه البخاری ۸/۱۳۰ ومسلم ۷/۱۹۲

توضیح: "راحلة" راحلة اس اونٹ کو کہتے ہیں جو سواری کے قابل ہو، تندرست ہو، صحیح، توانا ہو، اور بار برداری کا خوب قابل ہو۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سو اونٹوں میں مشکل سے کوئی ایک اونٹ سواری کے قابل نکل آتا ہے اسی طرح انسانوں میں بھی کام کا آدمی مشکل سے سو میں سے ایک آدھ ملتا ہے اسی لئے عارفین کہتے ہیں کہ اب قحط الرجال کا زمانہ ہے، سو کا عدد تکثیر کے لئے ہے تحدید و تعیین مقصود نہیں ہے، اس طرح کی یہ کیفیت خیر القرون کے بعد ہر زمانہ کے لئے عام ہے کوئی تخصیص نہیں ہے اب اس دور جدید کے متعلق بجا طور پر کہا جا سکتا ہے جس طرح شاعر نے کہا ہے: ۱؎

واذا صفا لك من زمانك واحد فهو المراد واين ذاك الواحد؟ ۲؎

یعنی اگر تیرے زمانے میں تجھے ایک ہی مخلص دوست مل جائے تو وہ بھی غنیمت ہے مگر وہ ایک کہاں ہے؟

مسلمان یہود و نصاریٰ کی تقلید کریں گے

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْراً بِشِبْرٍ وَذِرَاعاً بِذِرَاعٍ حَتَّى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوهُمْ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ اَلْيَهُودَ وَالنَّصَارَى قَالَ فَمَنْ؟۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) ۳؎

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا یقیناً تم بالشت بالشت کے برابر اور ہاتھ ہاتھ کے برابر ان لوگوں کے طور و طریق کو اختیار کرو گے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ یعنی سوسمار کے بل میں بیٹھیں گے تو تم اس میں بھی ان کی پیروی کرو گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ لوگ کہ جو پہلے گزر چکے ہیں اور جن کے طور طریقوں کو ہم اختیار کریں گے کیا وہ یہود و نصاریٰ ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا اگر وہ یہود و نصاریٰ نہیں ہیں تو اور کون ہیں؟ (بخاری و مسلم)

توضیح: "شبرا بشبر" یعنی بالشت بالشت کے اور ہاتھ ہاتھ کے یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر اندھا دھند چلو گے۔ ۴؎

"جحر" سوراخ کو کہتے ہیں اور ۵؎ "ضب" سوسمار اور گوہ کو کہتے ہیں یعنی بے فائدہ تقلید کرو گے بس یہود و نصاریٰ کی تقلید خود مسلمانوں کے لئے دلچسپی کا باعث بن جائے گی خواہ فائدہ ہو یا نہ ہو ذرا دیکھو! سوسمار کے سوراخ میں گھسنے کا کیا فائدہ ہے؟

۶؎ "فمن؟" یعنی یہود و نصاریٰ ہی ہوں گے ان کے علاوہ اور کون ہوں گے؟ چنانچہ آج کل ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہر معاملہ میں کلمہ گو مسلمان غیر مسلم اقوام کے نقش قدم چل پڑے ہیں خواہ افعال میں ہو یا اقوال میں ہو یا بدعات و تحریفات میں ہو ہر میدان میں ان کی تقلید شروع ہے۔ ۷؎

۱؎ المرقات ۹/۲۲۳ ۲؎ المرقات ۹/۲۲۳ ۳؎ اخرجه البخاری ۴/۲۰۶ و مسلم ۸/۵۷
۴؎ المرقات ۹/۲۲۴ ۵؎ المرقات ۹/۲۲۴ ۶؎ المرقات ۹/۲۲۴ ۷؎ المرقات ۹/۲۲۵

اچھے لوگ مرجائیں گے کچرہ رہ جائے گا

﴿۳﴾وَعَنْ مِرْدَاسٍ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْهَبُ الصَّالِحُوْنَ الْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ وَتَبْقَى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشَّعِيْرِ اَوِ التَّمْرِ لَا يُبَالِيْهِمُ اللّٰهُ بَالَةً۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت مرداس اسلمی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا نیک بخت وصالح لوگ یکے بعد دیگرے اس دنیا سے گزرتے رہیں گے اور بدکار ونا کارہ لوگ جو یا کھجور کی بھوسی کی طرح باقی رہ جائیں گے جن کی اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔ (بخاری)

توضیح: "حفالة" گندم، کھجور اور جو کی بھوسی کو حفالۃ کہتے ہیں یعنی بدکار، بدکردار زناکار لوگ رہ جائیں گے اچھے لوگ یکے بعد دیگرے اُٹھ کر چلے جائیں گے کسی نے خوب کہا ہے۔[۲]

گل گئے گلشن گئے پھولوں کے پتے رہ گئے
جو لوگ تھے وہ مرگئے الو کے پٹھے رہ گئے
آدمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت
شامتِ اعمال ما صورت نادر گرفت
اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان
طوق زریں ہمہ در گردنِ خر می بینم

الفصل الثانی

ایک پیشن گوئی

﴿۴﴾عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَشَتْ أُمَّتِي الْمُطَيْطِيَاءَ وَخَدَمَتْهُمْ أَبْنَاءُ الْمُلُوْكِ أَبْنَاءُ فَارِسَ وَالرُّوْمِ سَلَّطَ اللّٰهُ شِرَارَهَا عَلٰى خِيَارِهَا۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[۳]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب میری امت کے لوگ تکبر کی چال چلنے لگیں گے اور بادشاہوں کے بیٹے کہ وہ فارس وروم کے شہزادے ہوں گے ان کی خدمت کریں گے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ امت کے برے لوگوں کو بھلے لوگوں پر (یعنی ظالموں کو مظلوموں پر) مسلط کردیگا۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[۱] اخرجه البخاری ۸/۱۱۴ [۲] المرقات ۹/۲۲۶ [۳] اخرجه الترمذی ۴/۵۲۶

توضیح: "المطیطیاء" اکڑ اکڑ کر چلنے اور ناچنے کے انداز میں حرکات وسکنات اور ناز ونخرے کے ساتھ تکبر کی چال چلنے کو مطیطیاء کہا گیا ہے یہ تمطی سے ہے اکڑ اکڑ کہ چلنے کو کہتے ہیں مراد تکبر ہے، آج کل عرب میں یہ چیز زیادہ ہوگئی ہے۔[1]

"ابناء فارس" یعنی اسلامی فتوحات کے بعد جب فارس اور روم کے بادشاہوں کی اولاد مال غنیمت میں آکر مسلمانوں کی خدمت کرنے لگ جائیں تو امت کی حالت خراب ہوجائے گی چنانچہ بنوامیہ کے شہزادوں کے دور میں شہزادے اکڑ کر چلنے لگے، عثمان بن عفان پھر علی مرتضی شہید کردیئے گئے اور یزید وحجاج بن یوسف جیسے لوگ صحابہ کرام پر حکومت کرنے لگے، برے لوگ اچھوں پر مسلط ہوگئے، پورا نظام بدل گیا۔ بنوامیہ کے آزاد خیال لوگ بنو ہاشم پر مسلط ہوگئے تو حالت مزید خراب ہوگئی اور حضور اکرم کی یہ پیشگوئی بالکل صحیح ثابت ہوگئی۔[2]

جب شریر لوگ حکمران بن گئے تو قیامت آئے گی

﴿۵﴾وَعَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَقْتُلُوْا إِمَامَكُمْ وَتَجْتَلِدُوْا بِأَسْيَافِكُمْ وَيَرِثُ دُنْيَاكُمْ شِرَارُكُمْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم (مسلمان) اپنے (خلیفہ حکمران) کو قتل کردو گے، تمہاری تلواریں آپس ہی میں ایک دوسرے کی گردن اڑائیں گی اور یہاں تک کہ تمہاری دنیا کے وارث دوالی مکار لوگ ہوجائیں گے تو اس وقت قیامت قائم ہوجائے گی۔ (ترمذی)

﴿۶﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكُوْنَ أَسْعَدَ النَّاسِ بِالدُّنْيَا لُكَعُ بْنُ لُكَعٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ دنیا میں کثرت مال وزر اور اقتدار وحکمرانی کے اعتبار سے سب سے زیادہ نصیبہ ور، وہ شخص نہ بن جائے گا جو احمق ہے اور احمق کا بیٹا ہے۔ اس روایت کو ترمذی نے اور کتاب دلائل النبوۃ میں بیہقی نے نقل کیا ہے۔

توضیح: "لکع" ذلیل، کمینے اور بیوقوف اور غلام اور بے نسب آدمی کو لکع کہتے ہیں، چھوٹے بچے کو بھی لکع کہتے ہیں کیونکہ وہ چھوٹا ہوتا ہے جیسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اثم لکع** مذکورہ حدیث میں

[1] المرقات ۹/۲۲۶ [2] المرقات ۹/۲۲۶,۲۲۷ [3] اخرجه الترمذی ۴/۴۶۸ [4] اخرجه الترمذی ۴/۴۹۳

بے اصل اور بے نسب آدمی مراد ہے جس کے اخلاق برے ہوں اور لوگ اس کو خوش قسمت سمجھتے ہوں جیسے آج کل دنیا کے حکمران اکثر بے نسب اور گھٹیا خاندان کے لوگ ہیں۔ مگر منصب کی وجہ سے لوگ ان کے سامنے جھک جاتے ہیں۔[1]

عیش وراحت کی زندگی سے قناعت کی زندگی اچھی ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبِ الْقُرَظِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي مَنْ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ قَالَ إِنَّا لَجُلُوسٌ مَّعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَأَطَّلَعَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ مَا عَلَيْهِ إِلَّا بُرْدَةٌ لَهُ مَرْقُوْعَةٌ بِفَرْوٍ فَلَمَّا رَآهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكَى لِلَّذِي كَانَ فِيهِ مِنَ النِّعْمَةِ وَالَّذِي هُوَ فِيهِ الْيَوْمَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ بِكُمْ إِذَا غَدَا أَحَدُكُمْ فِي حُلَّةٍ وَّرَاحَ فِي حُلَّةٍ وَوُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَحْفَةٌ وَرُفِعَتْ أُخْرَى وَسَتَرْتُمْ بُيُوْتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُ الْكَعْبَةُ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِّنَّا الْيَوْمَ نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ وَنُكْفَى الْمُؤْنَةَ قَالَ لَا أَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِّنْكُمْ يَوْمَئِذٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت محمد ابن کعب قرظی کہتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے یہ حدیث بیان کی جس نے حضرت علی سے اس کو سنا تھا کہ حضرت علی نے فرمایا ہم لوگ رسول کریم ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مصعب ابن عمیر بھی وہاں آگئے اس وقت ان کے بدن پر صرف ایک چادر تھی اور اس چادر میں بھی چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے ان کو دیکھا تو رو پڑے پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ تم میں کا کوئی شخص صبح کو ایک جوڑا پہن کر نکلے گا اور پھر شام کو دوسرا جوڑا پہن کر نکلے گا تمہارے سامنے کھانے کا ایک بڑا پیالہ رکھا جائے گا اور دوسرا اٹھایا جائے گا اور تم اپنے گھروں پر اس طرح پردہ ڈالو گے جس طرح کعبہ پر پردہ ڈالا جاتا ہے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم اس دن آج کے دن سے بہتر حال میں ہوں گے کیونکہ اس وقت ہم عبادت کے لئے آزاد و فارغ ہوں گے اور ہمیں محنت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم اس دن کی بہ نسبت آج کے دن زیادہ بہتر ہو۔ (ترمذی)

توضیح: "فی المسجد" اس سے یا مسجد نبوی مراد ہے یا مسجد قباء مراد ہے[3] "مرقوعة" یہ رقعہ سے ہے پیوند کے معنی میں ہے "بفرو" فرو چمڑے کو کہتے ہیں یعنی یہ پیوند چمڑے کے تھے۔[4]

"بکٰی" یعنی آنحضرت ﷺ نے جب حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے فقر و فاقہ کو دیکھا تو آپ رونے لگے اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مصعب مکہ مکرمہ میں اسلام سے پہلے بہت ہی ناز و نعمت میں زندگی گذار رہے تھے اور آج یہ کیفیت تھی کہ ایک چادر اور اس میں بھی پیوند اور پیوند بھی چمڑے کے ٹکڑوں سے، آنحضرت کا رونا شفقت و رحمت کی وجہ سے تھا ورنہ اسلام کی تعلیم تو

[1] المرقات ۹/۲۲۷ [2] اخرجه الترمذی [3] المرقات ۹/۲۲۹ [4] المرقات ۹/۲۲۹

اسی طرح تھی کہ دنیا کو نہ بناؤ جس طرح اسی حدیث میں ہے کہ دنیا بناؤ گے تو دنیا کے رہ جاؤ گے، آپ ﷺ نے خود بھی اس سے زیادہ مشقت اُٹھائی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب توجہ دلائی کہ آپ دنیا کی وسعت کی دُعا کریں تو آنحضرت ﷺ ناراض ہو گئے۔[1]

آخر زمانہ میں دین پر قائم رہنا آگ سے کھیلنے کے مترادف ہوگا

﴿۸﴾وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِيْنِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ إِسْنَادًا)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ اس وقت لوگوں کے درمیان اپنے دین پر صبر کرنے والا اس شخص کی مانند ہوگا جس نے اپنی مٹھی میں انگارہ لے لیا ہو۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث از روئے سند غریب ہے۔

جب حالات خراب ہوں تو زندگی سے موت اچھی ہے

﴿۹﴾وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ وَأُمُوْرُكُمْ شُوْرٰى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِّنْ بَطْنِهَا وَإِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءَكُمْ وَأُمُوْرُكُمْ إِلٰى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب تمہارے قائد و سردار وہ لوگ ہوں کہ جو تم میں کے بہترین لوگ ہیں اور تمہارے دولت مند لوگ سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہمی مشورے سے انجام پاتے ہوں تو اس وقت زمین کی پشت تمہارے لئے زمین کے پیٹ سے بہتر ہوگی۔ اور جب تمہارے قائد و سردار وہ لوگ ہوں جو تم میں کے بدترین لوگ ہیں اور تمہارے دولت مند لوگ بخیل ہوں اور تمہارے معاملات کی باگ ڈور عورتوں کے ہاتھ میں ہو تو اس وقت زمین کا پیٹ تمہارے لئے زمین کی پشت سے بہتر ہوگا۔ اس روایت کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "امراء کم" جب حکمران طبقہ اچھا دین دار ہوگا تو اس کا اچھا اثر عوام پر پڑے گا تو عام حالات اچھے ہوں گے۔[4]

---

[1] المرقات ۹/۲۲۹ [2] اخرجه الترمذی ۴/۵۲۶ [3] اخرجه الترمذی: ۴/۵۳۰ [4] المرقات ۹/۲۳۲

"سمحاء کم" یعنی مالدار طبقہ فیاض اور سخی و ہمدرد ہوگا تو غریب عوام کے ساتھ مالی تعاون جاری رہے گا تو سب خوشحال ہوں گے، دین بھی ترقی میں ہوگا اور دنیا بھی ترقی میں رہے گی۔ [1]

"شوری بینکم" یعنی ملکی حالات اور ملک کی خارجہ و داخلہ پالیسی عقلمند خیر خواہ مردوں کے ہاتھ میں ہوگا تو فیصلے اچھے ہوں گے [2] "فظھر الارض" یعنی زمین کے اوپر کا حصہ اس کے اندر سے تمہارے لئے بہتر ہوگا یعنی موت سے زندگی اچھی ہوگی کیونکہ حکام کی وجہ سے دین و دنیا محفوظ ہوگی، ہمدرد مالداروں کی وجہ سے غریب عوام کی ہمدردی ہوگی اور ملک شورائی نظام پر قائم ہوگا تو اس میں خود مختاری اور استحکام ہوگا تو زندہ رہنے میں خیر غالب ہوگی تو زندہ رہنا موت سے بہتر ہوگا۔

اگر یہ تین ستون گر جائیں گے تو پھر زندہ رہنے سے موت اچھی ہے کیونکہ غلط حکام عوام کو گمراہ کر دیتے ہیں جس طرح آج کل ہو رہا ہے کسی نے خوب کہا ہے: [3]

وهل افسد الدين الا الملوك واحبار سوء و رهبانها

گربہ میر وسگ وزیر و موش را دیوان کنند
ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

"الی نساء کم" اور ناقصات العقل عورتوں کے اشاروں پر چلنا خطرہ سے خالی نہیں ہے اسی لئے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ "شاوروھن وخالفوھن" یعنی عورتوں کا مشورہ سنو مگر اس پر عمل نہ کرو بہرحال اس صورت میں شر غالب ہوگا تو زندہ رہنے سے موت اچھی ہوگی۔ [4]

ترک جہاد اور حب دنیا باعث ذلت ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلٰى قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَّمِنْ قِلَّةٍ نَّحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَّلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ قَالَ قَائِلٌ يَّارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَهْنُ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ) [5]

ترجمہ: اور حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا عنقریب ایسا وقت آنے والا ہے جب کفر وضلالت سے بھرے ہوئے لوگوں کا گروہ آپس میں ایک دوسرے کو تم سے لڑنے اور تمہارے شان و شوکت کو مٹانے کیلئے بلائیگا جیسا کہ کھانے

[1] المرقات ۹/۲۳۲ [2] المرقات ۹/۲۳۲ [3] المرقات ۹/۲۳۲ [4] المرقات ۹/۲۳۲ [5] اخرجہ ابوداؤد ۴/۱۰۸

کے دسترخوان پر جمع ہونے والے لوگ آپس میں ایک دوسرے کو کھانے کے برتن کی طرف متوجہ کرتے ہیں، کسی صحابی نے عرض کیا کہ کیا یہ اس سبب سے ہوگا کہ اس وقت ہم تعداد میں کم ہوں گے؟ حضور نے فرمایا نہیں ایسا اس وجہ سے نہیں ہوگا کہ تم کم تعداد میں ہوگے، بلکہ اس وقت تمہاری تعداد تو بہت ہوگی لیکن تمہاری حیثیت پانی کی جھاگ خس وخاشاک کی سی ہوگی جو دریا یا نالوں کے کناروں پر پائے جاتے ہیں (یعنی تمہارے اندر جرأت وشجاعت کا فقدان ہوگا) اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہاری ہیبت اور تمہارا رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں ضعف وسستی پیدا کر دیگا، کسی نے عرض کیا یارسول اللہ! ہمارے دلوں میں ضعف وسستی پیدا ہو جانے کا سبب کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے بیزاری، اس روایت کو ابوداؤد نے اور بیہقی نے کتاب دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔

توضیح: "یوشك" افعال مقاربہ سے ہے قریب کے معنی میں ہے [۱]۔ "تداعی" اصل میں تتداعی ہے یعنی ایک دوسرے کو دنیا کے کفار بلائیں گے اور کہیں گے کہ آ ؤ! مسلمانوں کو کھاؤ ان کو تباہ و برباد کرو ان کے ملک اور ان کے وسائل ان سے چھین لو۔ آج کل پوری دنیا کے کفار مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہو چکے ہیں اور یہی نعرہ لگا رہے ہیں کہ مسلمانوں کو ختم کرو یہ دہشت گرد ہیں۔ مسلمانوں کے حکمران اور اکثر عوام اس طرح خس وخاشاک کی طرح ہیں جس طرح اس حدیث کی پیشین گوئی ہے، دنیا کی محبت میں سب لگے ہوئے ہیں اور جہاد کو چھوڑا ہوا ہے بلکہ انکار کرتے ہیں۔ ۵۵ ممالک ہیں مگر مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہیں بڑے بڑے وسائل کے مالک ہیں مگر موت سے ڈرتے ہیں کفار کا رعب ان کے دلوں میں بیٹھا ہوا ہے ہاں چند مجاہدین ہیں جو آج کل امت مرحومہ کی سرخروئی کے نشان ہیں مگر اپنے بھی ان کے دشمن ہیں اور دشمن تو دشمن ہی ہیں۔ [۲]

الفصل الثالث

معاشرہ کی چند متعدی برائیوں کا وبال

﴿۱۱﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَاظَهَرَ الْغُلُوْلُ فِيْ قَوْمٍ إِلَّا أَلْقَى اللهُ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ وَلَافَشَا الزِّنَافِيْ قَوْمٍ إِلَّا كَثُرَ فِيهِمُ الْمَوْتُ وَلَانَقَصَ قَوْمٌ الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ إِلَّاقُطِعَ عَنْهُمُ الرِّزْقُ وَلَاحَكَمَ قَوْمٌ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا فَشَافِيْهِمُ الدَّمُ وَلَاخَتَرَقَوْمٌ بِالْعَهْدِ إِلَّاسُلِّطَ عَلَيْهِمُ الْعَدُوَّ. (رَوَاهُ مَالِكٌ)[۳]

ترجمہ: روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب کوئی قوم مال غنیمت میں خیانت کرنے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دلوں میں دشمن کا رعب وخوف پیدا کر دیتا ہے اور جس قوم میں زنا کاری پھیل جاتی ہے اس میں اموات کی زیادتی ہو جاتی ہے، جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو اس کا رزق اٹھا لیا جاتا ہے اور جو قوم غیر منصفانہ اور ناحق احکام جاری کرنے لگتی ہے تو ان کے

[۱] المرقات ۹/۲۲۲ [۲] المرقات ۹/۲۲۲ [۳] اخرجه مالك ۴۶۰

درمیان خونریزی پھیل جاتی ہے اور جو قوم اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کے دشمن کو مسلط کر دیتا ہے۔

(مالک)

توضیح: "غلول" مال غنیمت میں خیانت کرنے کو غلول کہتے ہیں یہاں عام خیانت بھی مراد ہو سکتی ہے اس کا وبال یہ ہے کہ قوم کے دلوں میں اجتماعی طور پر دشمن کا رعب ڈالا جاتا ہے اور قوم ڈرپوک ہو جاتی ہے اور جو ڈر گیا وہ مر گیا۔[1]

"**فشا الزنا**" جب زنا عام ہو جائے تو اس کا وبال یہ ہے کہ قوم میں وبائی امراض پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً طاعون، ہیضہ وغیرہ لاعلاج بیماریاں عام ہو جاتی ہیں تو موت عام ہو جاتی ہے۔ ناپ تول میں کمی کا وبال یہ ہے کہ رزق حلال اور اس کی برکت اُٹھ جاتی ہے اور شریعت کو چھوڑ کر اپنے خود ساختہ قوانین کے مطابق فیصلوں کا وبال یہ ہے کہ خونریزی عام ہو جاتی ہے۔[2]

"**ولا ختر**" وعدہ میں دھوکہ اور غداری کو ختر کہتے ہیں اسی سے ختار کفور ہے اس کا وبال یہ ہے کہ وہی دشمن اس قوم پر مسلط کیا جاتا ہے جس دشمن کے ساتھ اس نے وعدہ خلافی کر کے دھوکہ کیا تھا۔[3]

---

[1] المرقات ۹/۲۳۳ [2] المرقات ۹/۲۳۳ [3] المرقات ۹/۲۳۲

مورخہ ۲۴ جمادی الاول ۱۴۱۸ھ

باب فی الانذار والتحذیر

نصیحت اورڈرانے کا بیان

مشکوٰۃ شریف کے عام نسخوں میں یہاں صرف باب ہے جس سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ باب سابقہ باب کے **ملحقات** میں سے ہے مگر ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ یہاں وہی عنوان باندھا ہے جس کو اوپر ہم نے ذکر کیا ہے، انذار ڈرانے کے معنی میں ہے اور تحذیر نصیحت کے معنی میں ہے۔

الفصل الاول

اصل میں لوگ اچھے تھے شیطان نے برباد کیا

﴿۱﴾عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ الْمُجَاشِعِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ فِي خُطْبَتِهِ أَلَا إِنَّ رَبِّي أَمَرَنِي أَنْ أُعَلِّمَكُمْ مَا جَهِلْتُمْ مِمَّا عَلَّمَنِي يَوْمِي هٰذَا كُلُّ مَالٍ نَحَلْتُهُ عَبْدًا حَلَالٌ وَإِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِيْنُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِيْنِهِمْ وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا أَحْلَلْتُ لَهُمْ وَأَمَرَتْهُمْ أَنْ يُّشْرِكُوْا بِي مَالَمْ أُنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا وَّأَنَّ اللهَ نَظَرَ إِلٰى أَهْلِ الْأَرْضِ فَمَقَتَهُمْ عَرَبَهُمْ وَعَجَمَهُمْ إِلَّا بَقَايَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَقَالَ إِنَّمَا بَعَثْتُكَ لِأَبْتَلِيَكَ وَأَبْتَلِيَ بِكَ وَأَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ تَقْرَأُهُ نَائِمًا وَّيَقْظَانَ وَإِنَّ اللهَ أَمَرَنِي أَنْ أُحَرِّقَ قُرَيْشًا فَقُلْتُ رَبِّ إِذًا يَّثْلَغُوْا رَأْسِي فَيَدَعُوْهُ خُبْزَةً قَالَ اِسْتَخْرِجْهُمْ كَمَا أَخْرَجُوْكَ وَاغْزُهُمْ نُغْزِكَ وَأَنْفِقْ فَسَنُنْفِقُ عَلَيْكَ اِبْعَثْ جَيْشًا نَبْعَثْ خَمْسَةً مِثْلَهُ وَقَاتِلْ بِمَنْ أَطَاعَكَ مَنْ عَصَاكَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: حضرت عیاض ابن حمار مجاشعی روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا سنو! میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں وہ باتیں بتادوں جو تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو مال میں نے اپنے کسی بندہ کو دیا ہے وہ حلال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ میں نے تو اپنے سب بندوں کو باطل کے خلاف حق کی طرف مائل پیدا کیا لیکن یہ

[1] اخرجه مسلم: ۸/۱۵۸

شیاطین تھے جو ان کے پاس آئے اور ان کو ان کے دین سے پھیر کر گمراہی میں ڈال دیا اور ان پر وہ چیزیں حرام کر دیں جن کو میں نے ان کے لئے حلال کیا تھا اور ان ہی شیاطین نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس چیز کو میرے ساتھ شریک کریں جس پر میں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین والوں پر نظر ڈالی (تو ان کو کفر شرک پر متفق اور ضلالت وگمراہی میں مستغرق پایا) چنانچہ اللہ نے ان سب کو اپنا مبغوض وناپسندیدہ قرار دے دیا خواہ وہ عرب کے ہوں یا عجم کے علاوہ اہل کتاب کی اس جماعت کے (جو مشرک نہیں ہوئی) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو پیغمبر بنا کر دنیا میں اس لئے بھیجا کہ تا کہ میں آپ کو آزماؤں اور آپ کے ساتھ آپ کی قوم کو بھی آزماؤں اور میں نے آپ پر ایک ایسی کتاب نازل کی جس کو پانی دھو اور مٹا نہیں سکتا آپ اس کتاب کو سوتے جاگتے پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ حکم دیا ہے کہ میں قریش کو جلا دوں، میں نے عرض کیا کہ میرے پروردگار! قریش تو میرا سر کچل کر روٹی کی مانند کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ان کو ان کے وطن سے نکال دو جس طرح کہ انہوں نے آپ کو وطن بدر کیا تھا اور ان کے ساتھ جہاد کرو۔ ہم آپ کے جہاد کے سامان کا انتظام کریں گے۔ آپ اپنے لشکر والوں پر مال واسباب خرچ کیجئے اگر آپ کے پاس مال واسباب نہیں ہوگا تو ہم دیں گے اور اس کا انتظام کریں گے، آپ ان کے خلاف لشکر بھیجئے ہم دشمن کے لشکر سے پانچ گنا زیادہ طاقت کے ساتھ آپ کی مدد کریں گے اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے اور آپ کے اطاعت گزار ہیں ان کو ساتھ لے کر ان کے خلاف جنگ کیجئے جنہوں نے آپ کی نافرمانی اور آپ سے سرکشی کی ہے اور کافر ہیں۔

(مسلم)

توضیح: "فی خطبة" یا جمعہ وعیدین کے خطبے میں یا کسی وعظ کے خطبے میں آنحضرت ﷺ نے عام ارشاد فرمایا کہ مجھے میرے رب نے آج جو کچھ بتایا ہے جو تم نہیں جانتے وہ میں تمہیں سمجھاتا ہوں، پہلی بات یہ ارشاد فرمائی کہ میں نے جو مال دیا ہے اور بندے نے جائز طریقہ پر کمایا ہے حلال ہے اس کو حرام مت کہو جیسے مشرک لوگ کرتے ہیں [۱] "**نحلته**" عطیہ کے معنی میں ہے۔ دوسری بات انی خلقت عبادی ہے اجتالتہم اجتیال سے ہے پھیرنے اور برگشتہ کرنے کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ شیطان نے ان پر گشت کر کے سب کو گمراہ کیا اور حلال چیزیں ان پر حرام قرار دیں جیسے مشرکین نے جانوروں میں کیا تھا [۲] ﴿**هذا حلال وهذا حرام**﴾ [۳] "**وان الله نظر**" یہ تیسری بات ہے "**مقت**" غصہ کرنا مبغوض سمجھنا "**بقایا من اهل الکتاب**" اس سے مراد وہ یہود ونصاریٰ ہیں جن تک حضور کی دعوت نہ پہنچی ہو اور جب پہنچ گئی تو انہوں نے فوراً اس کو قبول کر لیا اور اس سے پہلے ان یہود کو نصاریٰ کی دعوت نہ پہنچی ہو اور نصاریٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا انکار نہ کیا ہو۔ الغرض پہلے یہ لوگ اپنے دین پر قائم ہوں اور پھر حضور کی دعوت کو قبول کیا تو ان کو دو اجر ملیں گے جس طرح کتاب الایمان میں ایک حدیث ہے۔ "**وقال**" یہ چوتھی بات ہے [۴] "**ابتلیك**" آپ کو صبر کے ساتھ آزماؤں کہ ایذاء کفار پر کس قدر صبر کرو گے اور قوم کو آزماؤں کہ آپ کی قوم آپ کو قبول کرتی ہے یا نہیں [۵] "**لا یغسله الماء**" یعنی ایسی کتاب ہے کہ صرف اوراق کے بطون میں نہیں ہے کہ دھونے سے سیاہی ہٹ جائے گی بلکہ یہ سینوں میں محفوظ ہے اور ہر قسم

---

[۱] المرقات ۹/۲۳۵ [۲] المرقات ۹/۲۳۵ [۳] سورۃ نحل ۱۱۶ [۴] المرقات ۹/۲۳۶ [۵] المرقات ۹/۲۳۷

تحریف وتغیر وتبدل سے پاک ہے۔ "تقرئه" یعنی سوتے جاگتے میں آپ اس کتاب کو پڑھتے ہوگے۔ لہ وان اللّٰہ امرنی یہ پانچویں بات ہے کہ قریش کے جولوگ کفر پر قائم ودائم رہیں گے مجھے حکم ہے کہ میں ان کوایسا ختم کردوں جیسے کسی چیز کو جلا کر راکھ کیا جاتا ہے۔ ۲ "یثلغو" یہ ثلغ سے ہے سر کو بھاری پتھر سے کچلنے کو کہا جاتا ہے یعنی جب میرے سر کو کچل دیں گے تو سر ایسا پھیل جائے گا جیسا کہ روٹی پھیل جاتی ہے کیونکہ میرے پاس وسائل تو ہیں نہیں، اللہ نے فرمایا آپ ان کو مکہ سے نکال دیں جس طرح کہ انہوں نے آپ کو نکال دیا تھا اور ان سے لڑیں، ہم اسباب ونصرت ومدد کے حوالہ سے آپ کی مدد کریں گے اور آپ کو ہر قسم مقابلہ کے لئے تیار کریں گے اور اپنے لشکر پر آپ خرچ کریں اگر آپ کے پاس نہ ہوا تو ہم انتظام کریں گے اور خرچ مہیا کریں گے آپ اپنا لشکر بھیج دیں ہم آپ کے لشکر کی مدد کریں گے اور کفار کے لشکر سے پانچ گنا زیادہ لشکر مہیا کریں گے اور ان مسلمانوں کو لے لیجئے جو آپ کے فرمانبردار ہیں اور ان کے ذریعہ سے ان کفار کو ماریئے جو آپ کے نافرمان ہیں ۳ "حنفاء" پیدا کیا یعنی ابتداء میں سب لوگ فطرت اسلام پر پیدا ہوتے ہیں پھر ان کو ماحول خراب کرتا ہے۔ ۴ "تقرأه نائما ویقظان" سوتے جاگتے میں پڑھتے ہیں یعنی جاگتے میں زبان وقلب دونوں پر جاری رہتا ہے اور سونے کی حالت میں صرف قلبی طور پر جاری رہتا ہے کیونکہ نبی کی آنکھ سوتی ہے قلب جاگا رہتا ہے۔ ۵

کوہ صفا پر قریش کو دعوت اسلام

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ صَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّفَا فَجَعَلَ يُنَادِيْ يَابَنِيْ فِهْرٍ يَابَنِيْ عَدِيٍّ لِبُطُوْنِ قُرَيْشٍ حَتّٰى اِجْتَمَعُوْا فَقَالَ أَرَأَيْتُكُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ اَنَّ خَيْلًا بِالْوَادِيْ تُرِيْدُ أَنْ تُغِيْرَ عَلَيْكُمْ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ قَالُوْا نَعَمْ مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ اِلَّا صِدْقًا قَالَ فَاِنِّيْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ فَقَالَ أَبُوْ لَهَبٍ تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا فَنَزَلَتْ تَبَّتْ يَدَآ أَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ نَادٰى يَابَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ اِنَّمَا مَثَلِيْ وَمَثَلُكُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ رَأَى الْعَدُوَّ فَانْطَلَقَ يَرْبَأُ أَهْلَهُ فَخَشِيَ أَنْ يَسْبِقُوْهُ فَجَعَلَ يَهْتِفُ يَاصَبَاحَاهُ). ۶

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی {وانذر عشیرتك} (یعنی اپنے قریب کے کنبہ والوں کو ڈرایئے) تو آپ کوہ صفاہ پر تشریف لے گئے اور وہاں سے پکارنا شروع کیا۔ اے بنی فہر! اے بنی عدی یعنی قریش کی تمام شاخوں کو (نام بنام) بلانا شروع کیا چنانچہ جب (قریش کی تمام شاخوں کے) لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا تم لوگ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ جنگل میں ایک لشکر آ کر اترا ہے اور تمہیں تباہ وغارت کر دینا چاہتا ہے تو کیا تم مجھ کو سچا جانو گے، ان

لہ المرقات ۹/۲۳۷ ۲ المرقات ۹/۲۳۸ ۳ المرقات ۹/۲۳۸ ۴ المرقات ۹/۲۳۵
۵ المرقات ۹/۲۳۷ ۶ اخرجه البخاری ۳/۱۲۹ ومسلم ۱/۱۳۴

سب نے کہا بیشک، کیونکہ ہمارا ہمیشہ کا تجربہ یہ ہے کہ تم نے جب بھی کوئی بات کہی ہے سچ کہی ہے تمہاری زبان سے ہم نے کبھی سوائے سچ کے کوئی بات نہیں سنی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں خدا کی طرف سے تمہیں اس کے سخت ترین عذاب کے اترنے سے پہلے ڈرانے والا مامور ہوا ہوں، ابولہب بولا سارے دن تیری تباہی ہو کیا اسی لئے تو نے ہمیں اکٹھا کیا تھا؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی ﴿تبت یدا ابی لهب﴾ یعنی ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ آنحضرت کے ساتھ گستاخی کرنے کی وجہ سے تباہ برباد ہو گیا۔ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت نے آواز دیکر قریش کو جمع کیا اور فرمایا، اے عبد مناف کے بیٹو! میری اور تمہاری حالت کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے دشمن کا لشکر دیکھا تو وہ اپنی قوم کو بچانے کے لئے چلا لیکن اس خوف سے کہ کہیں دشمن کا لشکر اس سے پہلے ہی اس کی قوم تک نہ پہنچ جائے اس نے وہیں سے چلا چلا کر یہ کہنا شروع کر دیا ہائے صبح کی تباہی!

توضیح: "یربأ" حفاظت اور نگرانی کے معنی میں ہے ۱؎ "**اهله**" **ای قومه** "**ان یسبقوه**" یعنی اس محافظ اور نگران کو خطرہ لاحق ہوا کہ اگر خود جا کر قوم کو بیدار کرنے لگوں گا تو دشمن پہلے پہنچ کر ان کو ہلاک کر دے گا لہٰذا اس نے وہیں سے بلند آواز کے ساتھ نعرہ لگا دیا کہ ۲؎ "**یا صباحاه**" اے میری قوم صبح کے وقت دشمن حملہ کرنے والا ہے تم اپنے آپ کو بچالو۔ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ قریش کے اہم اشخاص کو کھانے پر بلایا مگر دین کی بات نہ ہو سکی دوبارہ دعوت کھلائی اور بات ظاہر فرمادی مگر رشتہ دار بھاگ گئے تیسری دفع عام اعلان کے ساتھ لوگوں کو کوہ صفا پر بلایا عادت عرب کے مطابق یا صباحاہ کے الفاظ سے بلایا سب آ گئے اگر کوئی خود نہ جا سکا تو اس نے اپنا نمائندہ بھیجا آنحضرت ﷺ نے پہلے اپنی سابقہ زندگی اور سیرت سے متعلق پوچھا سب نے کہا آپ صادق الامین ہیں تب آپ نے عام دعوت دی لوگ بھاگ گئے۔ ابو لہب نے آپ پر پتھر پھینک دیئے تو سورۃ اللھب میں اس کا جواب آ گیا۔ ۳؎

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَيْشًا فَاجْتَمَعُوْا فَعَمَّ وَخَصَّ فَقَالَ يَا بَنِي كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ يَا بَنِي مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ يَا بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِي هَاشِمٍ أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ يَا فَاطِمَةُ أَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَإِنِّيْ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللهِ شَيْئًا غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبِلَالِهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اشْتَرُوْا أَنْفُسَكُمْ لَا أُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللهِ شَيْئًا وَيَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا أُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللهِ شَيْئًا يَا عَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِيْ عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللهِ لَا أُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِيْنِيْ مَا شِئْتِ مِنْ مَالِيْ لَا أُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا) ۴؎

۱؎ المرقات ۹/۲۲۱ ۲؎ المرقات ۹/۲۲۱ ۳؎ المرقات ۹/۲۲۱ ۴؎ اخرجه البخاری ۴۸ و مسلم ۱/۱۳۳

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿وانذر عشیرتك الاقربین﴾ (یعنی اپنے قریب کے کنبہ والوں کو ڈرایئے) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے لوگوں کو بلایا جب وہ جمع ہو گئے تو آپ نے خطاب میں تعمیم بھی کی اور تخصیص بھی، چنانچہ آپ نے ان سب کو خطاب فرمایا اے کعب بن لوی کے بیٹو! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اے مرہ ابن کعب کے بیٹو! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ، اے عبدشمس کے بیٹو! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ، اے عبدمناف کے بیٹو! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ، اے ہاشم کے بیٹو! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ، اے عبدالمطلب کے بیٹو! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ، اے فاطمہ! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچا، اس لئے کہ میں تمہارے حق میں خدا کی طرف سے از قسم عذاب کسی چیز کا مالک نہیں ہوں البتہ مجھ پر تمہاری قرابت کا حق ہے جس کو میں اس کی تری کے ساتھ تر کرتا ہوں۔ اس روایت کو مسلم نے نقل کیا ہے اور جس روایت کو بخاری و مسلم دونوں نے نقل کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ اے قریش کے گروہ! اپنے آپ کو خریدلو، میں تم سے خدا کے عذاب میں سے کچھ بھی دور نہیں کر سکتا۔ اے عبدمناف کے بیٹو! میں تم سے خدا کے عذاب میں سے کچھ دور نہیں کر سکتا اے عباس بن عبدالمطلب! میں آپ سے خدا کے عذاب میں سے کچھ دور نہیں کر سکتا اور اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! میں آپ سے خدا کے عذاب میں سے کچھ دور نہیں کر سکتا اور اے جان پدر فاطمہ بنت محمد! میرے مال میں سے جو کچھ تو چاہے مانگ لے لیکن خدا کے کسی عذاب سے میں تجھ کو نہیں بچا سکتا۔

توضیح: "فعم وخص" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر قریش کو بلایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شخصی طور پر خصوصی نام سے بھی پکارا اور عام قبیلہ کے نام سے بھی پکارا جس کی تفصیل یا بنی کعب بن لوئی ہے یہ عام خطاب ہے اور یا بنی عبدالمطلب اور یا فاطمہ یہ خاص خطاب ہے اسی کو عم وخص فرمایا "رحماً" یعنی صلہ رحمی کا حق ہے۔[1]

"سأبلها ببلالها" یعنی میں صلہ رحمی کو اس کی تری کے ساتھ تر رکھوں گا یعنی صلہ قرابت کو قائم رکھوں گا۔ بل اور بلال تری کو کہتے ہیں اور عرب صلہ جوڑنے کو تری سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس طرح یبس اور خشکی کے الفاظ سے صلہ توڑنا مراد لیتے ہیں روایت کے آخری حصہ میں مزید خصوصی خطابات کا بیان موجود ہے۔[2]

الفصل الثانی

امت محمدیہ کی فضیلت

﴿۴﴾ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّتِي هٰذِهِ أُمَّةٌ مَّرْحُومَةٌ لَيْسَ عَلَيْهَا عَذَابٌ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُهَا فِي الدُّنْيَا الْفِتَنُ وَالزَّلَازِلُ وَالْقَتْلُ۔ (رواه ابوداود)[3]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری یہ امت، امت مرحومہ ہے۔ اس امت پر آخرت میں عذاب نہیں ہوگا اور دنیا میں اس کا عذاب فتنے زلزلے اور ناحق قتل ہے۔ (ابوداود)

[1] المرقات ۹/۲۲۱ [2] المرقات ۹/۲۲۲ [3] اخرجه ابوداؤد ۴/۱۰۳

توضیح: "لیس علیھا عذاب" یہ جملہ ان احادیث وآیات کا معارض ہے جس میں اس امت کے مرتکب کبیرہ کے لئے عذاب کا ذکر ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ امت مرحومہ ہے اس پر آخرت میں ایسا عذاب نہیں آئے گا کہ یہ ہمیشہ اس عذاب میں کافروں کی طرح دوزخ میں گرفتار ہو جائے بلکہ اس کا عذاب عارضی ہے کہ دنیا میں اس پر زلزلے آئیں گے قتل وغارت گری کے فتنے آئیں گے یہ سزائیں بھگتنے کے بعد آخرت میں پاک وصاف جنت میں جائے گی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس جملہ کا تعلق صحابہ کرام کی جماعت سے ہے صحابہ اگرچہ معصوم نہیں ہیں مگر عذاب سے محفوظ ہیں تیسرا جواب یہ ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے گناہ نہ ہوں۔[۱]

مستقبل میں امت محمدیہ کا تدریجی پس منظر

﴿۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ عُبَیْدَةَ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ بَدَأَ نُبُوَّةً وَّرَحْمَةً ثُمَّ یَكُوْنُ خِلَافَةً وَّرَحْمَةً ثُمَّ مُلْكًا عَضُوْضًا ثُمَّ كَائِنٌ جَبْرِیَّةً وَّعُتُوًّا وَّفَسَادًا فِی الْاَرْضِ یَسْتَحِلُّوْنَ الْحَرِیْرَ وَالْفُرُوْجَ وَالْخُمُوْرَ یُرْزَقُوْنَ عَلٰی ذٰلِكَ وَیُنْصَرُوْنَ حَتّٰی یَلْقَوُا اللّٰهَ.

(رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور حضرت معاذ بن جبل رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یہ امر (یعنی دین اسلام) نبوت ورحمت کے ساتھ ظاہر ہوا۔ پھر اس کے بعد جو زمانہ آئے گا وہ خلافت ورحمت کا زمانہ ہوگا پھر اس کے بعد جو زمانہ آئے گا وہ کاٹ کھانے والی بادشاہت کا زمانہ ہوگا اور پھر اس (دین اسلام) کا جو زمانہ آئے گا وہ ظلم وجور قہر وتکبر اور زمین پر فتنہ وفساد کا زمانہ ہوگا، اس وقت لوگ ریشمی کپڑوں کو جائز کریں گے، عورتوں کی شرمگاہوں کو اور شراب کو حلال قرار دیں گے۔ لیکن ان چیزوں کے باوجود ان کو رزق دیا جائیگا اور ان کی مدد کی جائے گی یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جا ملیں گے۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح: "ان ھذا الامر" یعنی یہ دین اسلام اور اس کے دنیوی اور اخروی احکام ابتداء میں ایسے ظاہر ہو گئے کہ یہ نبوت اور رحمت وشفقت کی صورت میں تھے[۳] "خلافة" یعنی دور نبوت کے بعد خلافت کا زمانہ آئے گا جو تیس سال تک چلے گا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دور پر ختم ہوگا۔[۴] "ملکا عضوضاً" یعنی پھر لوگوں کو کاٹنے والی ملوکیت کا دور آئے گا جس میں ظالم حکمران لوگوں پر ظلم کریں گے اگرچہ اس سے خاص خاص عادل بادشاہ مستثنیٰ ہوں گے لیکن وہ نادر ہوں گے جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ عادل بادشاہ تھے۔[۵] "ثم کائن جبریة" یعنی ملک عضوض کے بعد تو ایسے ظالم اور سرکش ومفسد بادشاہ آئیں گے جو استمرار اور دوام کے ساتھ فسق وفجور اور ظلم میں مشغول رہیں گے ان میں کوئی عادل

[۱] المرقات ۹/۲۲۴ [۲] اخرجہ البیھقی: ۵/۱۶ [۳] المرقات ۹/۲۲۵ [۴] المرقات ۹/۲۲۵ [۵] المرقات ۹/۲۲۵

نہیں ہوگا۔ ملا علی قاری عشاللہ لکھتے ہیں کہ یہ ہمارے زمانے کے ظالم بادشاہ ہیں جن میں کوئی اچھا آدمی نہیں ہے لہٰذا جس شخص نے اس زمانے کے کسی بادشاہ کو عادل کہہ دیا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ **"قال بعض علمائنا من قال سلطان زماننا عادل فهو كافر"** (مرقات، ج۹،ص۲۴۶)[1]

حدیث کے آخر میں ہے کہ ایسے ظالموں کو بھی اللہ تعالیٰ رزق عطا کرے گا اور ان کے خاص خاص مقاصد میں ان کی مدد کرے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے صرف رب الصالحین نہیں ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآن بدل دیتے ہیں

﴿۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ أَوَّلَ مَا يُكْفَأُ قَالَ زَيْدُ بْنُ يَحْيَى الرَّاوِي يَعْنِي الْإِسْلَامَ كَمَا يُكْفَأُ الْإِنَاءُ يَعْنِي الْخَمْرَ قِيلَ فَكَيْفَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَقَدْ بَيَّنَ اللّٰهُ فِيهَا مَا بَيَّنَ قَالَ يُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا فَيَسْتَحِلُّونَهَا۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سب سے پہلے جس کام کو اوندھا کر دیا جائے گا۔ حدیث کے راوی حضرت زید ابن یحیی نے وضاحت کی کہ اسلام میں (سب سے پہلے جس کام کو اوندھا کر دیا جائے گا) جیسے برتن اوندھا کیا جاتا ہے وہ شراب ہوگی، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! یہ کیونکر ہوگا جب شراب کے متعلق اللہ کے وہ احکام بیان ہو چکے ہیں جو سب پر ظاہر بھی ہو گئے ہیں؟ حضور نے فرمایا لوگ حیلوں اور بہانوں کے ذریعہ اس کو پینا شروع کر دیں گے اور طریقہ یہ اختیار کریں گے کہ اس کا نام بدل دیں گے اور اس کو حلال قرار دے لیں گے۔ (دارمی)

توضیح: "یکفاء" الٹ دینے کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس چیز کو الٹ کر اوندھا کیا جائے گا وہ شراب ہوگی کہ لوگ شراب پئیں گے اور نام نبیذ یا مثلث یا آب جو، رکھیں گے چنانچہ آج کل یہی ہو رہا ہے لہٰذا ایک حرام چیز کو حلال کہہ کر استعمال کریں گے اگر جان بوجھ کر حرام کو حلال کہیں گے تو کافر ہو جائیں گے اور اگر تاویل کریں گے تو فاسق بن جائیں گے۔ بہر حال اس حدیث کی تعلیم یہ ہے کہ لوگ خود نہیں بدلیں گے بلکہ اپنے دین کو بدلنے کی کوشش کریں گے۔[3]

الفصل الثالث

خلافتوں کے بارے میں پیشگوئی

﴿۷﴾ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُونُ النُّبُوَّةُ

[1] المرقات ۹/۲۴۶ [2] اخرجه الدارمی ۲۰۹۶ [3] المرقات ۹/۲۴۶

فِيكُمْ مَاشَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللهُ تَعَالَى ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ مَاشَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللهُ تَعَالَى ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا عَاضًا فَتَكُونُ مَاشَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللهُ تَعَالَى ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَيَكُونُ مَاشَاءَ اللهُ أَنْ يَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللهُ تَعَالَى ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ نُبُوَّةٍ ثُمَّ سَكَتَ قَالَ حَبِيبٌ فَلَمَّا قَامَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَتَبْتُ إِلَيْهِ بِهٰذَا الْحَدِيثِ أُذَكِّرُهُ إِيَّاهُ وَقُلْتُ أَرْجُو أَنْ تَكُونَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ بَعْدَ الْمُلْكِ الْعَاضِّ وَالْجَبْرِيَّةِ فَسُرَّ بِهِ وَأَعْجَبَهُ يَعْنِي عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)[1]

ترجمہ: حضرت نعمان ابن بشیر حضرت حذیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے درمیان نبوت کا وجود اور اس کا نور اس وقت تک باقی رہیگا جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نبوت کو اٹھالے گا اس کے بعد نبوت کے طریقہ پر خلافت قائم ہوگی اور وہ اس وقت تک قائم رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا (یعنی تیس سال تک) پھر اللہ تعالیٰ خلافت کو بھی اٹھالیگا اس کے بعد کاٹ کھانے والی بادشاہت کی حکومت قائم ہوگی جو آپس میں ایک دوسرے کو اس طرح کاٹیں گے جس طرح کتے کاٹتے ہیں اور وہ بادشاہت اس وقت تک قائم رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بادشاہت کو بھی اس دنیا سے اٹھالیگا اس کے بعد قہر تکبر اور زور وروز بردستی والی بادشاہت کی حکومت قائم ہوگی اور وہ اس وقت تک باقی رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بادشاہت کو بھی اٹھالیگا اس کے بعد پھر نبوت کے طریقہ پر (یعنی عدل وانصاف کو پورے طور پر جاری کرنے والی) خلافت قائم ہوگی اتنا فرما کر آپ خاموش ہوگئے۔ حضرت حبیب ابن سالم نے بیان کیا کہ جب حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مقرر ہوئے (اور انہوں نے نبوت کے طریقہ پر حکومت قائم کی) تو میں نے اس حدیث کی طرف ان کی توجہ مبذول کرانے کے لئے یہ حدیث لکھ کر ان کے پاس بھیجی اور اپنے اس احساس کا اظہار کیا کہ مجھ کو امید ہے کہ آپ وہی امیر المومنین یعنی خلیفہ ہیں جن کا ذکر اس حدیث میں کاٹ کھانے والی بادشاہت اور قہر وتکبر اور زور وروز بردستی والی بادشاہت کے بعد آیا ہے۔ وہ یعنی عمر ابن عبدالعزیز اس بات سے بہت خوش ہوئے اور اس تشریح نے ان کو بہت مسرور کیا۔ اس روایت کو امام احمد نے اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔

توضیح: "منہاج النبوۃ" یعنی سب سے پہلے تو نبوت ورحمت کا دور ہوگا پھر خلافت علی منہاج النبوۃ کا دور ہوگا، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ خلافت علی منہاج النبوۃ دو قسم پر ہے ایک علی منہاج النبوۃ

[1] اخرجه احمد ۴/۲۷۳ والبيهقي

بطریق خاص ہے، اس کا مصداق صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہیں اور دوسری خلافت علی منہاج النبوۃ بطریق عام ہے اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ داخل ہیں۔ بہر حال خلافت کے بعد اس حدیث میں ملک عضوض کا ذکر ہے پھر اس کے بعد ظلم و جور اور جبریہ کے دور کا ذکر ہے اور اس کے بعد پھر خلافت علی منهاج النبوۃ کا ذکر ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور خلافت کی طرف اشارہ ہے چنانچہ ان کو علماء نے خلفائے راشدین میں شمار کیا ہے۔ [۱]

"قال حبیب" یعنی حضرت حبیب بن سالم جو نعمان بن بشیر کے آزاد کردہ غلام اور ان کے سیکریٹری تھے فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ بنے تو میں نے یہ بشارت لکھ کر ان کی طرف بھیج دی اور توجہ دلائی کہ شاید آپ اس حدیث کے مصداق ہوں تو وہ بہت ہی خوش ہو گئے اور ان کو خوش ہو جانا چاہئے تھا کیونکہ اس میں ان کی بہت بڑی منقبت ہے۔ [۲]

[۱] المرقات ۹/۲۲۸ شاہ ولی اللہ کا فرمان حوالہ لکھنا ہے ازالۃ الخفاء سے [۲] المرقات ۹/۲۲۸،۲۲۹

مورخہ ۲۵ جمادی الاول ۱۴۱۸ھ

کتاب الفتن

قیامت سے پہلے بڑے بڑے واقعات اور فتنوں کا بیان

"قال الله تعالیٰ ﴿حتی اذا فتحت یأجوج و مأجوج وھم من کل حدب ینسلون﴾ (انبیاء) [1]

"الفتن'' فتنہ کی جمع ہے اور فتنہ کے کئی معنی آتے ہیں مثلاً آزمائش، امتحان، گناہ، ابتلاء، عذاب، مال واولاد، بیماری وجنون ، گمراہی اور شرک وغیرہ سب پر موقع بموقع فتنہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

مگر فتنہ کا واضح مفہوم وہ آفت ہے جو قدرت کی طرف سے کسی آدمی پر نازل ہوجائے، آفتوں کی اقسام بھی بہت ہیں مگر دو قسم زیادہ واضح ہیں ایک قسم وہ آسمانی آفت ہے جس کی علت اور سبب اور وجہ معلوم نہ ہو، سبب اور علت بالکل مخفی ہو ظاہر میں کچھ بھی نظر نہیں آتا ہو صرف آفت نظر آرہی ہو۔ فتنہ اور آفت کی دوسری قسم وہ ہے جس کی علت اور سبب ایک حد تک معلوم ہو، پہلی قسم کو "فتنة عمیاء" کہتے ہیں جس میں کوئی شخص یہ تمیز نہیں کرسکتا کہ حق کس طرف ہے اور باطل کس طرف ہے جیسے بلاوجہ قتل وغارتگری ہو کہ نہ قاتل کو معلوم ہو کہ اس نے کیوں قتل کیا اور نہ مقتول کو پتہ ہو کہ اس کو کیوں قتل کیا گیا۔ فتنہ کی دوسری قسم میں اس طرح ابہام نہیں ہوتا بلکہ کچھ نہ کچھ اسباب کا پتہ چلتا ہے، یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ فتنوں کا تعین اور ان کا مصداق بتانا بہت ہی مشکل کام ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ فتنوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ حضور اکرم کی کسی پیشگوئی کو کسی خاص فتنہ اور خاص واقعہ وحادثہ پر چسپاں کرنا اور اس کے ساتھ خاص طور پر جوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ آنحضرت کی ایک پیشگوئی کا مصداق مختلف زمانوں کے مختلف واقعات وحادثات ہوں گویا اپنے اپنے وقت پر آنے والے مختلف فتنے حضور اکرم کی پیشگوئی کا مصداق بن گئے ہوں اس لئے تعین مشکل ہے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ بسا اوقات حضور اکرم ﷺ اپنی پیشگوئی میں کسی حادثہ کی طرف اشارہ فرمادیتے ہیں بظاہر وہ معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن جب وہ حادثہ اور فتنہ ظاہر ہو کر سامنے آجاتا ہے تو وہ پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور ہر خاص وعام پر آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہوجاتا ہے تب معلوم ہوتا ہے کہ علمی اعتبار سے یہ بات کتنی چھوٹی اور پوشیدہ تھی مگر عملی طور پر یہ کتنی مشہور اور بڑی ہے۔

سوال: یہاں یہ سوال ہے کہ صاحب مشکوٰۃ نے عنوان میں "کتاب الفتن" کا عنوان رکھا ہے اور کتاب کے آخر تک تمام ابواب کو اسی عنوان کے تحت درج کیا ہے حالانکہ ان ابواب میں بعض کا تعلق فتنوں سے نہیں ہے، خاص کر مناقب، معجزات اور فضائل کے ابوب کو کتاب الفتن کے تحت کیسے درج کیا گیا ہے؟

[1] سورۃ۱۱ الانبیاء ۹۶ نمبر ۹۶

جواب: اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ صاحب مشکوٰۃ نے جہاں تک فتنوں کے ابواب رکھ کر فتنوں کا بیان کیا ہے وہاں تک تو فتنوں ہی کا بیان ہے لیکن جہاں سے فتنوں کے ابواب ختم ہو گئے ہیں وہاں پر شاید صاحب مشکوٰۃ نے کتاب کا عنوان رکھ کر کوئی الگ عنوان لکھا تھا مگر کاتبین کی غفلت کی وجہ سے وہ کتاب رہ گئی لہٰذا اس غفلت کی وجہ سے تمام ابواب کتاب الفتن کے تحت آ گئے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ فتن اور غیر فتن کے درمیان فرق کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ کتاب الفتن کے بعد کتاب المناقب ہی قائم کیا جائے دونوں مضامین کو الگ کرنے کے لئے باب کے ذریعہ سے بھی فرق آ جاتا ہے تو جہاں تک فتن کا بیان ہے وہاں تک کتاب الفتن کو ممتاز کرنے کا احاطہ ہے اور جہاں سے فتن کے ابواب ختم ہو گئے وہاں سے آگے ابواب کے عنوان سے الگ اشیاء کا ذکر کیا گیا ہے جو مناقب وغیرہ ہیں۔

بہر حال مضامین میں فرق کرنے کے لئے کتاب کے عنوان کی طرح باب کا عنوان بھی کافی شافی ہوتا ہے اعتراض کی ضرورت نہیں ہے، بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ ہم اس سوال کا جواب دینے سے عاجز ہیں۔

الفصل الاول

آنحضرت ﷺ نے قیامت تک آنے والے فتنوں کی پیشگوئی فرمائی

﴿۱﴾ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَامَ فِينَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ فِي مَقَامِهِ ذٰلِكَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهِ حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ قَدْ عَلِمَهُ أَصْحَابِي هٰؤُلَاءِ وَإِنَّهُ لَيَكُونُ مِنْهُ الشَّيْءُ قَدْ نَسِيتُهُ فَأَرَاهُ فَأَذْكُرُهُ كَمَا يَذْكُرُ الرَّجُلُ إِذَا غَابَ عَنْهُ ثُمَّ إِذَا رَآهُ عَرَفَهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے جیسا کہ (وعظ اور خطبہ کیلئے) کھڑے ہوتے ہیں پس از قسم فتنہ جو چیزیں اس وقت سے لے کر قیامت تک وقوع پذیر ہونے والی تھیں ان سب کو ذکر فرمایا اور ان میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑی ان باتوں کو یاد رکھنے والوں نے یاد رکھا اور جو بھولنے والے تھے وہ بھول گئے (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ) میرے یہ دوست اس واقعہ سے واقف ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جن باتوں کی خبر دی تھی اور جن باتوں کو میں بھول گیا ہوں اگر ان میں سے کوئی بات پیش آ جاتی ہے تو میں اس کو دیکھ کر اپنا حافظہ تازہ کر لیتا ہوں جس طرح کہ جب کسی غائب شخص کا چہرہ نظر آتا ہے تو وہ چہرہ دیکھ کر اس شخص کو پہچان لیا جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "قد علمه اصحابی" یعنی میرے ساتھیوں کو خوب معلوم ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سب کچھ بتا دیا تھا

[1] اخرجه البخاري ۸/۱۵۴ ومسلم ۸/۱۷۲

ہاں اگر ان میں سے بعض ساتھی بھول گئے ہوں وہ الگ بات ہے میں خود بھی طول زمان اور مرور دہور کی وجہ سے بعض چیزیں بھول جاتا ہوں لیکن جب وہ واقعہ ظاہر ہو جاتا ہے تو مجھے پورا منظر ایسے یاد آجاتا ہے جس طرح کوئی شخص ایک عرصہ تک دوسرے شخص سے ملاقات کے بعد غائب رہتا ہے تو یہ شخص اس کو بالکل بھول جاتا ہے لیکن جب اچانک ملاقات ہو جاتی ہے تو وہ اس کو دیکھ کر فوراً پہچان لیتا ہے کہ یہ تو وہی شخص ہے جس کو بہت پہلے میں نے دیکھا تھا اور پھر بھول چکا تھا۔[1]

انسانوں کے دلوں پر فتنوں کی آمد کے اثرات

﴿۲﴾وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوْبِ كَالْحَصِيْرِ عُوْداً عُوْداً فَاَيُّ قَلْبٍ اُشْرِبَهَا نُكِتَتْ فِيْهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ وَاَيُّ قَلْبٍ اَنْكَرَهَا نُكِتَتْ فِيْهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ حَتّٰى يَصِيْرَ عَلٰى قَلْبَيْنِ اَبْيَضُ مِثْلُ الصَّفَا فَلَا تَضُرُّهُ فِتْنَةٌ مَادَامَتِ السَّمٰوَاتُ وَالْاَرْضُ وَالْاٰخَرُ اَسْوَدُ مِرْبَادًّا كَالْكُوْزِ مُجَخِّيًا لَا يَعْرِفُ مَعْرُوْفًا وَلَا يُنْكِرُ مُنْكَرًا اِلَّا مَا اُشْرِبَ مِنْ هَوَاهُ۔ (رواہ مسلم)[2]

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں کے دلوں پر فتنے اس طرح ڈالے جائیں گے جس طرح چٹائی کے تنکے ہوتے ہیں پس جو دل ان فتنوں کو قبول کریگا اس میں سیاہ نکتہ ڈال دیا جائے گا اور جو دل ان فتنوں کو قبول کرنے سے انکار کریگا اس میں سفید نکتہ پیدا کر دیا جائے گا پس انسان دو قسموں میں بٹ جائیں گے، ایک تو سفید مثل سنگ مرمر کے، چنانچہ اس طرح کے دل پر کوئی بھی فتنہ اثر انداز اور ضرر رساں نہیں ہوگا جب تک کہ زمین و آسمان قائم و باقی ہیں، اور دوسرا راکھ کے رنگ جیسا سیاہ دل، اوندھے برتن کی مانند، چنانچہ اس طرح کا دل نہ تو نیک و اچھے اور مشروع کاموں کو پہچانے گا اور نہ برے کاموں کو برا جانے گا وہ تو بس اس چیز سے مطلب رکھے گا جو از قسم خواہشات اس میں رچ بس گئی ہے اور جس کی محبت کا وہ اسیر بن چکا ہے۔ (مسلم)

توضیح: "تعرض الفتن" یعنی فتنوں کی جب یلغار ہوگی تو انسانی قلوب میں فتنے اس طرح ڈالے جائیں گے جس طرح چٹائی کے تنکے یکے بعد دیگرے چٹائی کے ساتھ جوڑے جاتے ہیں پس جس دل نے ان فتنوں کو قبول کر لیا تو اس میں ایک سیاہ داغ پڑ جائے گا اور جو دل ان فتنوں کو قبول نہیں کرے گا اس میں سفید داغ پڑ جائے اب ان فتنوں کے قبول کرنے نہ کرنے کی وجہ سے دل دو قسم پر تقسیم ہو جائیں گے ایک دل سنگ مرمر کی طرح صاف و شفاف، سفید ہوگا جس کو کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور دوسرا دل راکھ کی طرح سیاہ تر بن جائے گا۔[3]

"مربادا" میم پر کسرہ ہے را ساکن ہے ای صار کلون الرماد یعنی راکھ کی طرح سیاہ بن جائے گا۔[4] **"کالکوز"** عربی

[1] المرقات ۹/۲۵۰ [2] اخرجه مسلم ۱/۸۹ [3] المرقات ۹/۲۵۱ [4] المرقات ۹/۲۵۲

زبان میں لوٹے اور کوزے کو ''کوزہ'' ہی کہتے ہیں یعنی یہ دل کوزہ کی طرح ہوگا۔ [۱] "مُجْخِيًا" میم پر پیش ہے جیم پر سکون ہے خا پر کسرہ ہے اور یا پر شد ہے سرنگون برتن کو کہتے ہیں، یہاں سرنگون اور اوندھا کوزہ مراد ہے، یہ لفظ حال واقع ہے مطلب یہ ہے کہ اب یہ دل ایسا لوٹا بن گیا ہے جو سیدھا ٹھہر نہیں سکتا اور سرنگوں ہو کر اس میں کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی اب الٹے لوٹے کی طرح اس میں خیر و بھلائی کی کوئی بات نہیں آتی بلکہ یہ دل اب خواہشات کا ایسا غلام بن چکا ہے کہ اس میں اچھے برے کی تمیز ختم ہو چکی ہے اب بھلائی اور برائی کی تمیز کئے بغیر یہ دل اپنی خواہشات کے پیچھے بھاگتا پھرتا ہے اور ہر فتنے کو پی لیتا ہے۔ [۲]

ولا یعرف معروفا الخ اسی سیاہ قلبی کی تفصیل ہے۔ [۳]

دلوں میں امانت کا آنا اور پھر نکل جانا

﴿۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثَيْنِ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا وَأَنَا أَنْتَظِرُ الْآخَرَ حَدَّثَنَا اَنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ فِيْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ عَلِمُوْا مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ عَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ وَحَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِهَا قَالَ يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ اَثَرِ الْوَكْتِ ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ فَيَبْقٰى اَثَرُهَا مِثْلَ اَثَرِ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهٗ عَلٰى رِجْلِكَ فَنَفِطَ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيْهِ شَيْءٌ وَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُوْنَ وَلَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْاَمَانَةَ فَيُقَالُ اِنَّ فِيْ بَنِيْ فُلَانٍ رَجُلًا أَمِيْنًا وَيُقَالُ لِلرَّجُلِ مَا أَعْقَلَهٗ وَمَا أَظْرَفَهٗ وَمَا أَجْلَدَهٗ وَمَا فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِيْمَانٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۴]

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے ہم سے دو حدیثیں بیان فرمائیں، ان میں سے میں ایک کو تو دیکھ چکا ہوں اور دوسری کا منتظر ہوں۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا کہ امانت لوگوں کے دلوں کے گہرائی میں اتاری گئی پھر انہوں نے قرآن کو جانا اور پھر انہوں نے سنت کو جانا اس کے بعد آپ نے امانت کے اٹھ جانے کی حدیث بیان کی، چنانچہ فرمایا آدمی سوئے گا اور امانت اس کے دل سے نکال لی جائے گی، پس امانت کا اثر یعنی نشان وکت کے نشان کی طرح ہو جائے گا پھر جب وہ دوبارہ سوئے گا تو اس کی امانت کا وہ حصہ بھی ناقص کر دیا جائے گا اور نکال لیا جائے گا جو باقی رہ گیا تھا پس ایک مجل یعنی آبلہ جیسا نشان رہ جائے گا جیسا کہ تم آگ کی چنگاری کو اپنے پاؤں پر ڈال دو اور اس سے آبلہ پڑ جائے جو بظاہر پھولا اور اٹھا ہوا ہوگا لیکن اس کے اندر کچھ نہیں ہوگا۔ پھر جب لوگ صبح کو اٹھیں گے تو حسب معمول آپس میں خرید و فروخت کریں گے اور ان میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں ہوگا جو امانت کو ادا کرے، یہاں تک کہ (امانت و دیانت میں کمی آ جانے کے سبب یہ)

[۱] المرقات ۹/۲۵۱ [۲] المرقات ۹/۲۵۲ [۳] المرقات ۹/۲۵۲ [۴] اخرجه البخاری ومسلم ۱/۸۸

کہا جائے گا کہ فلاں قبیلہ میں بس ایک شخص ہے جو امانت دار ہے یعنی کامل الایمان ہے۔ اور ایک شخص کو یہ کہا جائے گا کہ وہ کس قدر عقلمند وہوشیار ہے (کس قدر خوبصورت ودانا خوشگوار اور زبان آور ہے) اور کس قدر چست وچالاک ہے، حالانکہ اس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: **"الامانة نزلت"** امانت سے یہاں قبولیت حق کی وہ استعداد مراد ہے جو پیدائش کے وقت ہر بچے کے دل میں ڈالی جاتی ہے انسانی دل کے اندر قبولیت حق کی استعداد کی یہ تخم ریزی ایک چراغ کی مانند تھی جواب تک جلایا نہیں گیا تھا اب آسمان سے قرآن کریم اُتر آیا اور نبی اکرم کی سنت آگئی ان دونوں چیزوں نے اس چراغ کو روشن کیا اب اس دل میں ہدایت کا نور روشن ہوگیا جس سے اِدھر اُدھر ہدایت پھیل گئی اس حدیث میں ہدایت کے پھیلنے کا یہ پہلا مرحلہ بیان کیا گیا ہے۔[۱] **"جذر"** جڑ اور اصل کو کہتے ہیں۔[۲]

"عن رفعها" یعنی ہدایت وامانت کے اُترنے اور پھیلنے کے بعد اس کے اُٹھ جانے اور نور ہدایت کے ثمرات کے ختم ہوجانے کا ذکر فرمایا کہ آدمی معمول کے مطابق سوجائے گا اس حالت میں اس کے دل سے اس امانت کے ثمرات کو اُٹھالیا جائے گا اب دل میں صرف ایک نشان باقی رہ جائے گا اسی نشان اور اسی اثر کو[۳] **"الوکت"** کہا گیا ہے واؤ پر زبر ہے اور کاف ساکن ہے اثر اور نشان کو کہتے ہیں۔[۴] **"ثم ینام"** حقیقی سونا بھی مراد ہے اور غفلت کی زندگی بھی مراد ہے یعنی پہلی دفعہ اس امانت کے اُٹھائے جانے کے بعد جب دوبارہ یہ آدمی سوجائے گا تو اس امانت کا باقی حصہ بھی اس شخص کے دل سے اُٹھالیا جائے گا اب یہ دل ایمان وامانت سے خالی ہوکر رہ جائے گا اور دل پر آبلہ کی طرح نشان رہ جائے گا۔[۵] **"المجل"** میم پر زبر ہے جیم ساکن ہے ہاتھ کے اس اثر اور نشان کو کہتے ہیں جس میں زیادہ سخت کام کی وجہ سے کھال سخت ہوکر سیاہ بن جاتی ہے یعنی دوبارہ ایمان وامانت کے اُٹھالینے سے اب دل ایمان سے خالی ہوجائے گا اور سخت چھالے کی مانند سخت نشان باقی رہ جائے گا جس کو المجل یعنی اثر العمل سے یاد کیا گیا ہے۔

"کجمر" جمرۃ آگ کے انگارہ کو کہتے ہیں یہ المجل کی وضاحت کے لئے بطور مثال بیان کیا گیا ہے "ای کتأثیر الجمر" یعنی جس طرح کوئی آدمی اپنے پاؤں وغیرہ پر انگارہ رکھ کر لڑکھڑائے جس سے جگہ جل کر آبلہ پڑ جائے پھر وہ پھول جائے اور اندر گندہ پانی بھر جائے تو جس طرح یہ آبلہ پھولا ہوا ہے اندر کچھ بھی نہیں اسی طرح اس آدمی کا دل ایمان وامانت سے خالی ہوکر رہ جائے گا اگرچہ آدمی باہر سے ایماندار نظر آئے گا مگر اندر کچھ نہیں ہوگا۔[۶]

"نفط" آگ سے جلنے کی وجہ سے جسم میں چھالہ اور آبلہ پڑ جانے کو نفط کہتے ہیں۔[۷] **"منتبرا"** یعنی منبر کی طرح بلند اُبھرا ہوا ہوگا اندر کچھ نہیں ہوگا۔[۸] **"ویصبح الناس"** یعنی لوگ صبح اُٹھیں گے اور خرید وفروخت کریں گے، چہل پہل ہوگا مگر ان میں ایک آدمی بھی امانت ودیانت والا نہیں ہوگا حتی کہ لوگ تذکرہ کریں گے کہ فلاں قبیلہ میں ایک دیانت دار

---

[۱] المرقات ۹/۲۵۱ [۲] المرقات ۹/۲۵۲ [۳] المرقات ۹/۲۵۹ [۴] المرقات ۹/۲۵۳
[۵] المرقات ۹/۲۵۳ [۶] المرقات ۹/۲۵۴ [۷] المرقات ۹/۲۵۵ [۸] المرقات ۹/۲۵۵

آدمی ہے پھر ایک آدمی کے بارے میں یک زبان ہو کر لوگ کہیں گے کہ واہ واہ! کتنا عقلمند ہے! کتنا ہوشیار ہے! کتنا چست ہے! ان تعریفات کے باوجود اس آدمی کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان نہیں ہوگا۔[۱]

اس حدیث میں زوال امانت کے تین مراحل بیان کئے گئے ہیں۔ اول مرحلہ میں کچھ امانت گئی اور معمولی اثر رہ گیا دوسرے مرحلہ میں کچھ زیادہ امانت گئی اور بڑا اثر رہ گیا اور تیسرے مرحلہ میں تو سب کچھ گیا، پہلے کم تاریکی چھائی پھر کچھ زیادہ تاریکی چھا گئی پھر پوری تاریکی چھا گئی، دل سیاہ ہو گیا اور اچھے برے کی تمیز ختم ہو گئی اور یہی مہر جباریت ہے۔

فتنوں کے زمانے میں گوشہ نشینی اختیار کرو

﴿۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ اَنْ يُّدْرِكَنِيْ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَ نَا اللّٰهُ بِهٰذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ قَالَ نَعَمْ وَفِيْهِ دَخَنٌ قُلْتُ وَمَا دَخَنُهُ قَالَ قَوْمٌ يَّسْتَنُّوْنَ بِغَيْرِ سُنَّتِيْ وَيَهْدُوْنَ بِغَيْرِ هَدْيِيْ تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ قُلْتُ فَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ قَالَ نَعَمْ دُعَاةٌ عَلٰى اَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ اَجَابَهُمْ اِلَيْهَا قَذَفُوْهُ فِيْهَا قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صِفْهُمْ لَنَا قَالَ هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُوْنَ بِاَلْسِنَتِنَا قُلْتُ فَمَا تَأْمُرُنِيْ اِنْ اَدْرَكَنِيْ ذٰلِكَ قَالَ تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِمَامَهُمْ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُمْ جَمَاعَةٌ وَّلَا اِمَامٌ قَالَ فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ اَنْ تَعَضَّ بِاَصْلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَاَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ يَكُوْنُ بَعْدِيْ اَئِمَّةٌ لَا يَهْتَدُوْنَ بِهُدَايَ وَلَا يَسْتَنُّوْنَ بِسُنَّتِيْ وَسَيَقُوْمُ فِيْهِمْ رِجَالٌ قُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الشَّيَاطِيْنِ فِيْ جُثْمَانِ اِنْسٍ قَالَ حُذَيْفَةُ قُلْتُ كَيْفَ اَصْنَعُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ اَدْرَكْتُ ذٰلِكَ قَالَ تَسْمَعُ وَتُطِيْعُ الْاَمِيْرَ وَاِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ وَاُخِذَ مَالُكَ فَاسْمَعْ وَاَطِعْ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ لوگ تو رسول کریم ﷺ سے خیر و نیکی اور بھلائی کے بارے میں پوچھا کرتے تھے اور میں آپ سے شر و برائی کے بارے میں دریافت کیا کرتا تھا اس خوف کی وجہ سے کہ کہیں میں کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں، حضرت حذیفہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم لوگ (اسلام) سے قبل جاہلیت اور برائی میں مبتلا تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ ہدایت و بھلائی عطا فرمائی جس کی وجہ سے کفر و ضلالت کے اندھیرے دور ہو گئے اور ہم گمراہیوں اور برائیوں کے جال سے باہر آ گئے تو کیا اس ہدایت و بھلائی کے بعد کوئی اور برائی و بدی پیش آنے والی ہے؟ حضور نے فرمایا ہاں! میں نے عرض کیا تو کیا اس برائی کے بعد

---

[۱] المرقات ۹/۲۵۵،۲۵۶ [۲] اخرجه البخاری ومسلم

پھر ہدایت و بھلائی کا ظہور ہوگا۔ آپ نے فرمایا ہاں! اس برائی کے بعد پھر بھلائی کا ظہور ہوگا لیکن اس برائی کے بعد جو بھلائی آئے گی اس میں کدورت ہوگی، میں نے عرض کیا کہ اس بھلائی کی کدورت کیا ہوگی؟ آپ نے فرمایا ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو میرے طریقہ اور میری روش کے خلاف طریقہ و روش اختیار کریں گے، لوگوں کو میرے بتائے ہوئے راستہ کے خلاف راستہ پر چلائیں گے تم ان میں دین دار بھی دیکھو گے اور بے دین بھی۔ میں نے عرض کیا کہ اس بھلائی کے بعد پھر کوئی برائی پیش آئی گی؟ آپ نے فرمایا ہاں! ایسے لوگ ہوں گے جو دوزخ کے دروازوں پر کھڑے ہو کر مخلوق کو اپنی طرف بلائیں گے جو شخص ان کے بلاوے کو قبول کر کے دوزخ کی طرف جانا چاہے گا اس کو وہ دوزخ میں دھکیل دیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ ان کے بارے میں وضاحت فرمائیے۔ حضور نے فرمایا وہ ہماری قوم کے لوگوں میں سے ہوں گے اور ہماری زبان میں گفتگو کریں گے، میں نے عرض کیا کہ پھر میرے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟ حضور نے فرمایا مسلمانوں کی جماعت کو لازم جاننا اور ان کے امیر کی اطاعت کرنا۔ میں نے عرض کیا کہ اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت ہی نہ ہو اور نہ ان کا کوئی امیر ومقتدا ہو؟ آپ نے فرمایا ایسی صورت میں تمہیں ان سب فرقوں اور جماعتوں سے صرف نظر کر کے یکسوئی اختیار کر لینی چاہئے اگر چہ اس یکسوئی کے لئے تمہیں کسی درخت کی جڑ میں پناہ کیوں نہ لینی پڑے یہاں تک کہ اسی یکسوئی کی حالت میں موت تمہیں اپنی آغوش میں لے لے۔ (بخاری ومسلم) میرے بعد ایسے بادشاہ آئیں گے جو میری سیرت پر نہیں چلیں گے اور میرے طریقوں پر عمل نہیں کریں گے ان میں سے ایسے لوگ کھڑے ہونگے کہ انکی شکلیں انسانوں کی ہونگی اور دل شیطانوں کے ہونگے (حضرت) حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے یارسول اللہ! اگر میں ان کو پاؤں تو کیا کروں؟ تو (آپ ﷺ نے) فرمایا! سنو گے اور امیر کی اطاعت کرو گے اگر چہ تمھاری پیٹھ ماری جائے اور تمھارا مال چھینا جائے پس سنو اور اطاعت کرو۔

توضیح: "الخیر" اس حدیث میں خیر کے لفظ سے اسلام و ایمان اور طاعت مراد لیا گیا ہے اور شر کے لفظ سے کفر اور فتنہ مراد لیا گیا ہے۔ [۱] "من شر" یعنی اسلام و ایمان اور نور ہدایت کے بعد یا رسول اللہ! اب اس امت پر کوئی فتنہ آسکتا ہے؟ [۲] "نعم" یعنی ہاں! اسلام کے اس امن اور ہدایت کے بعد فتنہ اور شر آئے گا شارحین نے لکھا ہے کہ اس شر سے مراد حضرت عثمان کے وقت کا فتنہ ہے جس میں آپ شہید کر دیئے گئے تھے۔ [۳] "من خیر" یعنی اس بدعت وضلالت اور شر و فساد کے بعد دوبارہ کوئی خیر آئے گی؟ "قال نعم" علماء لکھتے ہیں کہ اس سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور کا امن اور عدل وانصاف کی خیر مراد ہے "وفیه دخن" یعنی اس خیر اور بھلائی میں کچھ کدورتیں ہوں گی یعنی بعض لوگ سنت کی پیروی کریں گے اور بعض اپنی خواہشات پر چلیں گے اور بدعات میں مبتلا ہوں گے۔ [۴]

بعض شارحین نے اس حدیث کی ترتیب اس طرح بتائی ہے کہ اسلام اور سلامتی کے بعد فتنہ قتل عثمان کا شر آئے گا اس شر کے بعد جو خیر آئے گی یہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح کی طرف اشارہ ہے یہ صلح تو ہوگی مگر دل پورے طور پر صاف نہیں ہوں گے کچھ فسادی لوگ بیچ میں ہوں گے جیسے خوارج کا وجود تھا اور عبداللہ بن زیاد کا فساد تھا اور بعض دوسرے بے کار امیروں کا وجود تھا۔ [۵] "صفھم لنا" یعنی یہ بتا دیں کہ یہ لوگ ہم میں سے ہوں گے یا غیروں سے ہوں گے؟ [۶] "من جلدتنا" یعنی ہمارے اپنوں میں سے ہوں گے اپنے خاندان میں سے ہوں گے ہماری زبان بولیں گے مگر فساد

[۱] المرقات ۹/۲۵۶ [۲] المرقات ۹/۲۵۶ [۳] المرقات ۹/۲۵۷ [۴] المرقات ۹/۲۵۷ [۵] المرقات ۹/۲۵۸ [۶] المرقات ۹/۲۵۸

کریں گے صحابی نے پوچھا کہ پھر ہم ان کے ساتھ کیا کریں لڑیں یا چھوڑیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اہل حق کے ساتھ رہو اور گھر میں گوشہ نشین ہو کر بیٹھ جاؤ یہ خوارج، روافض اور معتزلہ کے فتنوں کی طرف اشارے ہیں۔ [1]

فتنوں کی آمد سے پہلے نیک اعمال کرو

﴿۵﴾وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّیْلِ الْمُظْلِمِ یُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَیُمْسِیْ كَافِرًا وَیُمْسِیْ مُؤْمِنًا وَیُصْبِحُ كَافِرًا یَبِیْعُ دِیْنَهٗ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْیَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اعمال صالحہ میں جلدی کرو قبل اس کے کہ وہ فتنے ظاہر ہو جائیں جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں اٹھے گا اور شام کو کافر بن جائے گا اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کفر کی حالت میں اٹھے گا، نیز اپنے دین و مذہب کو دنیا کی تھوڑی سی متاع کے عوض بیچ ڈالے گا۔ (مسلم)

فتنوں میں ہرگز شامل نہ ہوں بلکہ دور رہیں

﴿۶﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَتَكُوْنُ فِتَنٌ اَلْقَاعِدُ فِیْهَا خَیْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ فِیْهَا خَیْرٌ مِّنَ الْمَاشِیْ وَالْمَاشِیْ فِیْهَا خَیْرٌ مِّنَ السَّاعِیْ مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ فَمَنْ وَّجَدَ مَلْجَاً اَوْ مَعَاذًا فَلْیَعُذْ بِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ تَكُوْنُ فِتْنَةٌ النَّائِمُ فِیْهَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَقْظَانِ وَالْیَقْظَانُ فِیْهَا خَیْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ فِیْهَا خَیْرٌ مِّنَ السَّاعِیْ فَمَنْ وَّجَدَ مَلْجَاً اَوْ مَعَاذًا فَلْیَسْتَعِذْ بِهٖ) [3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا عنقریب فتنے پیدا ہوں گے ان فتنوں میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا سعی کرنے والے سے بہتر ہوگا اور جو شخص فتنوں کی طرف جھانکے گا فتنہ اس کو اپنی طرف کھینچ لے گا! پس جو شخص ان فتنوں سے نجات کی کوئی جگہ یا پناہ گاہ پائے تو اس شخص کو چاہئے کہ اس کے ذریعہ پناہ حاصل کرلے۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا (جب) کوئی فتنہ ظاہر ہوگا تو اس فتنہ میں سونے والا شخص جاگنے والے شخص سے بہتر ہوگا اور جاگنے والا شخص کھڑا رہنے والے سے بہتر ہوگا اور اس فتنہ میں کھڑا ہونے والا شخص اس فتنہ میں سعی وکوشش کرنے والے سے بہتر ہوگا، لہٰذا جو شخص اس فتنہ سے بھاگنے کا راستہ یا اس سے پناہ کی جگہ پائے تو اس کو چاہئے کہ وہاں جا کر پناہ حاصل کرلے۔

[1] المرقات ۹/۲۵۸ [2] اخرجه مسلم ۱/۷۶ [3] اخرجه البخاری ۹/۶۴

توضیح: "القاعد فیھا" یعنی جو شخص جتنا ان فتنوں سے دور ہوگا وہ اتنا ہی اچھا ہوگا اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس فتنہ سے دور بیٹھا ہوا آدمی کھڑے آدمی سے بہتر ہے اور جو کھڑا ہے وہ چلنے والے سے بہتر ہے اور جو چلنے والا ہے وہ دوڑنے والے سے بہتر ہے۔ اس کی طرف دوڑنے والا چونکہ سب سے زیادہ فتنہ کے قریب تر ہے اس لئے سب سے زیادہ بدتر ہے جو جتنا دور ہے وہ اتنا ہی بہتر ہے۔[1] "تشرف" یعنی جس نے جھانک کر اس فتنہ کو دیکھا۔[2] "تستشرفه" یعنی فتنہ اس کو اپنی طرف خوب مائل کر کے کھینچ لے گا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان فتنوں میں معلومات کی حد تک بھی دلچسپی لے گا یہ فتنے اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔[3]

باہمی جنگ وجدال کے وقت کیا کرنا چاہئے؟

﴿۷﴾ وَعَنْ اَبِي بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتَنٌ اَلَا ثُمَّ تَكُوْنُ فِتَنٌ اَلَا ثُمَّ تَكُوْنُ فِتْنَةٌ اَلْقَاعِدُ خَيْرٌ مِّنَ الْمَاشِيْ فِيْهَا وَالْمَاشِيْ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِيْ اِلَيْهَا اَلَا فَاِذَا وَقَعَتْ فَمَنْ كَانَ لَهُ اِبِلٌ فَلْيَلْحَقْ بِاِبِلِهِ وَمَنْ كَانَ لَهُ غَنَمٌ فَلْيَلْحَقْ بِغَنَمِهِ وَمَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ فَلْيَلْحَقْ بِاَرْضِهِ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ مَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ اِبِلٌ لَا غَنَمٌ وَّلَا اَرْضٌ قَالَ يَعْمِدُ اِلٰى سَيْفِهِ فَيَدُقُّ عَلٰى حَدِّهِ بِحَجَرٍ ثُمَّ لِيَنْجُ اِنِ اسْتَطَاعَ النَّجَاءَ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ ثَلَاثًا فَقَالَ رَجُلٌ يَّارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ اُكْرِهْتُ حَتّٰى يُنْطَلَقَ بِيْ اِلٰى اَحَدِ الصَّفَّيْنِ فَضَرَبَنِيْ رَجُلٌ بِسَيْفِهِ اَوْيَجِيْءُ سَهْمٌ فَيَقْتُلُنِيْ قَالَ يَبُوْءُ بِاِثْمِهِ وَاِثْمِكَ وَيَكُوْنُ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوبکرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عنقریب فتنوں کا ظہور ہوگا یاد رکھو! یہاں فتنے پیدا ہوں گے اور یاد رکھو! ان فتنوں میں سے ایک بہت بڑا فتنہ پیش آئیگا اس فتنہ میں بیٹھا ہوا شخص چلنے والے شخص سے بہتر ہوگا اور چلنے والا شخص اس فتنہ کی طرف دوڑنے والے شخص سے بہتر ہوگا۔ پس آگاہ رہو! جب وہ فتنہ پیش آئے تو جس شخص کے پاس اونٹ ہوں وہ اپنے اونٹوں کے پاس (جنگل میں) چلا جائے، جس شخص کے پاس بکریاں ہوں وہ بکریوں کے پاس چلا جائے اور جس شخص کے پاس کوئی زمین ومکان وغیرہ ہو وہ اپنی اس زمین پر یا اس مکان میں چلا جائے ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے یہ بتایئے کہ اگر کسی شخص کے پاس نہ اونٹ اور بکریاں ہوں اور نہ کوئی زمین ومکان وغیرہ ہو؟ حضور نے فرمایا اس کو چاہئے کہ وہ اپنی تلوار کی طرف متوجہ ہو اور اس کو پتھر پر مار کر توڑ ڈالے اور پھر اس شخص کو چاہئے کہ اگر وہ فتنہ کی جگہ سے بھاگ سکے تو جلد نکل بھاگے۔ (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اے اللہ میں نے تیرے احکام تیرے بندوں کو پہنچادیئے یہ الفاظ آپ نے تین بار

[1] المرقات ۹/۲۶۱،۲۶۲ [2] المرقات ۹/۲۶۲ [3] المرقات ۹/۲۶۲ [4] اخرجہ مسلم ۸/۱۶۹

فرمائے۔ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے یہ بتایئے کہ اگر مجھے مجبور کر کے لڑنے والے دونوں فریق میں سے کسی ایک فریق کی صف میں لے جایا جائے اور وہاں میں کسی شخص کی تلوار سے مارا جاؤں یا کسی کا تیر آ کر مجھ کو لگے جو مجھے موت کی آغوش میں پہنچا دے آپ نے فرمایا تمہارا وہ قاتل اپنے اور تمہارے گناہ کے ساتھ لوٹے گا اور وہ دوزخیوں میں شمار ہوگا۔ (مسلم)

توضیح: "الاثم تکون فتناً" یعنی خبردار! یہاں فتنے ہوں گے، خبردار، عنقریب فتنوں کا ظہور ہوگا۔ [1]

"یعمد الی سیفه" یعنی اپنی تلوار کی طرف متوجہ ہو کر اس کو ہاتھ میں لے لے اور اس کی دھار کو پتھر پر مار کر توڑ دے جب تلوار ٹوٹ جائے گی تو یہ شخص اب کسی فتنہ میں نہیں جائے گا۔ [2]

"لینج" لام پر کسرہ ہے نون ساکن ہے اور جیم پر ضمہ ہے۔ تیز تیز دوڑ کر بھاگنے کو کہتے ہیں۔ [3] "النجآء" یعنی خوب تیز تیز دوڑ کر بھاگنا چاہئے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس جنگ سے بیزار ہے اور جلدی جلدی الگ ہو کر بھاگ رہا ہے مگر کسی نے مجبور کر کے جنگ میں زبردستی اس کو دھکیل دیا اور وہ مارا گیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مارنے والا دوزخ میں جائے گا اور یہ مجبور جنت میں جائے گا۔ [4]

اس حدیث میں مسلمانوں کے آپس میں افتراق وانتشار کی طویل داستان کی طرف اشارہ ہے۔ مسلمانوں کی باہمی جنگوں میں حصہ نہ لینے کے متعلق تین مذاہب ہیں۔ (۱) بعض صحابہ کرام کا مسلک ان ظاہری احادیث کے مطابق ہے کہ ان جنگوں میں بالکل کنارہ کش رہنا چاہئے یہ مسلک حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اور کچھ دیگر صحابہ کا ہے اس مسلک کی تائید ساری احادیث سے ہوتی ہے۔ دوسرا مسلک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم خیال صحابہ کرام کا ہے کہ اگر فتنہ دروازہ پر پہنچ جائے تو پھر دفاع کے طور پر لڑنا اور دفاع کرنا جائز ہے از خود جانا جائز نہیں ہے بعض روایات سے اس مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

تیسرا مسلک جمہور صحابہ اور جمہور علماء کا ہے وہ یہ ہے کہ جو صف اہل حق کی ہے اس کا ساتھ دے کر اہل باطل کے مقابلے میں خوب لڑنا چاہئے قرآن کریم کی آیت ہے: ﴿وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما فان بغت احداهما على الاخرى فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء الى امر الله﴾ [5] یہ آیت ان حضرات کی دلیل ہے، صحابہ کرام کے مابین جنگوں میں عام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی آیت کی روشنی میں حق کا ساتھ دیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان جنگ جمل ہو یا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ صفین ہو جس میں ہزاروں انسان مارے گئے تھے صحابہ کرام نے اسی آیت اور اس قسم کی احادیث سے استدلال کیا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو لڑائیاں ہوئی ہیں وہ مشاجرات کے نام سے مشہور ہیں دونوں طرف سے اجتہادی معاملہ تھا نیتیں صاف تھیں، جنگیں مقدر تھیں، مشاجرات کا مطلب یہ ہے کہ شجر ایک ہے، شاخیں الگ الگ ہو کر چلی گئیں ہیں

---

[1] المرقات ۹/۲۶۳ [2] المرقات ۹/۲۶۳ [3] المرقات ۹/۲۶۳

[4] المرقات ۹/۲۶۳ [5] سورۃ الحجرات ۹ الایہ نمبر ۹

جز ایک اسلام ہی ہے، ہمیں چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدس خون سے ہمارے ہاتھوں کو بچایا ہے تو ہم اپنی زبانوں کو بھی بچائیں اور خود جج اور قاضی بن کر صحابہ کرام کو اپنی عدالت کی کچہری میں لاکر کھڑا نہ کریں جس طرح مودودی صاحب نے خلافت وملوکیت میں بے جا جج بننے کی کوشش کی ہے اور صحابہ کرام کو اپنی عدالت میں پیش کر کے ان پر قلم چلایا ہے۔

﴿۸﴾وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ اَنْ يَّكُوْنَ خَيْرُ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَّتَّبِعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِيْنِهٖ مِنَ الْفِتَنِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا عنقریب ایک مسلمان کے لئے اس کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جن کو لے کر وہ پہاڑ پر یا بارش برسنے کی جگہ پر چلا جائے اور فتنوں سے بھاگ کر اپنا دامن بچا لے۔ (بخاری)

توضیح: "یتبع" شد اور سکون دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے تابع ہونے اور پیچھے ہو جانے کے معنی میں ہے۔[۲] **"شعف"** یہ شعفۃ کی جمع ہے پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں مراد کنارہ کش ہونا ہے۔[۳] **"مواقع القطر"** پہاڑوں پر عام طور پر بارش ہوتی ہے یعنی بارشوں کے پڑنے کی جگہیں، یہ تعمیم بعد تخصیص ہے۔ اس حدیث میں بھی فتنوں سے جان و مال کی حفاظت کی صورت یہی بتائی گئی ہے کہ عام لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے۔[۴]

فتنوں کی پیشگوئی

﴿۹﴾وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ اَشْرَفَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اُطُمٍ من آطَامِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ هَلْ تَرَوْنَ مَا اَرٰى قَالُوْا لَا قَالَ فَاِنِّىْ لَاَرٰى الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُيُوْتِكُمْ كَوَقْعِ الْمَطَرِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مدینہ کے ایک بلند مکان پر چڑھے اور فرمایا کہ کیا تم اس چیز کو دیکھتے ہو جس کو میں دیکھ رہا ہوں؟ صحابہ نے جواب دیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ میں ان فتنوں کو دیکھ رہا ہوں جو تمہارے گھروں پر اس طرح برس رہے ہیں جس طرح مینہ برستا ہے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "اطم" ہمزہ اور طا پر پیش ہے یہ مفرد ہے اس کی جمع آطام ہے بلند پہاڑ اور بلند قلعہ کو کہتے ہیں لیکن یہاں یہ لفظ ایک خاص عمارت پر بولا گیا ہے، عرب قبائل کا دستور تھا جو اب بھی صوبہ سرحد کے قبائل کا دستور ہے کہ ایک بلند و بالا مکان بناتے ہیں اس میں چھوٹے چھوٹے دریچے ہوتے ہیں۔ یہ بلند مکان مورچوں کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

[۱] اخرجه البخاری ۱/۱۱ [۲] المرقات ۹/۲۶۵ [۳] المرقات ۹/۲۶۵
[۴] المرقات ۹/۲۶۵ [۵] اخرجه البخاری ۳/۲۷ ومسلم ۸/۱۶۸

دور سے دشمن نظر آتا ہے تو دریچے سے ان پر فائر کرتے ہیں اس کو پشتو زبان میں "شلگرئے" کہتے ہیں اس کا اوپر والا حصہ پگڑی نما ہوتا ہے۔

شیخ عبدالحق نے اس عمارت کا تعارف اشعة اللمعات میں اس طرح کیا ہے" قصر بلند و ہر حصن کہ بسنگ ہا بنا کردہ باشد" یعنی بلند قصر اور ہر وہ قلعہ جو پتھروں سے بنایا گیا ہو، مدینہ منورہ کے اطراف میں یہود نے اس قسم کے مکانات بنائے تھے آنحضرت کسی دن انہیں قلعوں میں سے کسی ایک کی چھت پر گئے اور پورے مدینہ کو دیکھا[۱] "خلال" یعنی گھروں کے درمیان ایسے فتنے پڑتے دیکھ رہا ہوں جس طرح موسلا دھار بارش ہوتی ہے یعنی کثرت سے فتنے آئیں گے آنحضرت کو اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ مستقبل کے سارے فتنے دکھا دیئے۔[۲]

چند لونڈوں کے ذریعہ یہ امت ہلاک ہوگی

﴿۱۰﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَةُ أُمَّتِيْ عَلٰى يَدَيْ غِلْمَةٍ مِّنْ قُرَيْشٍ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میری امت کی ہلاکت قریش کے چند نوجوانوں کے ہاتھوں میں ہے۔ (بخاری)

توضیح: "هلكة" یعنی امت کی ہلاکت۔[۴] "غلمة" یہ غلام کی جمع ہے نوعمر لونڈوں کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد وہی واقعات ہیں جو دورِ صحابہ میں رونما ہوئے لہٰذا امتی سے مراد صحابہ کرام کی جماعت ہے۔ انہیں ناعاقبت اندیش لونڈوں کے ہاتھوں حضرت عثمان و علی اور حضرت حسن و حسین شہید ہوئے تھے حالانکہ وہ جو اس امت کے اپنے زمانہ میں سب سے افضل لوگ تھے۔ یزید، عبیداللہ بن زیاد، سلیمان بن عبدالملک، حجاج بن یوسف، ولید فاسق اور اس قسم کے دوسرے ناتجربہ کار نوعمر لونڈوں نے اس امت کے سب سے اچھے لوگوں کو مار ڈالا۔[۵]

﴿۱۱﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَيُقْبَضُ الْعِلْمُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ وَيُلْقَى الشُّحُّ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ قَالُوْا وَمَا الْهَرْجُ قَالَ الْقَتْلُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۶]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا زمانے ایک دوسرے کے قریب ہوں گے علم اٹھا لیا جائے گا، فتنے پھوٹ پڑیں گے، بخل ڈالا جائے گا اور ہرج زیادہ ہوگا، صحابہ نے عرض کیا کہ "ہرج" کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا قتل۔ (بخاری و مسلم)

---

[۱] المرقات ۹/۲۶۵ اشعة اللمعات [۲] المرقات ۹/۲۶۶ [۳] اخرجه البخاری ۹/۶۰
[۴] المرقات ۹/۲۶۶ [۵] المرقات ۹/۲۶۶ [۶] اخرجه البخاری ۸/۱۷ و مسلم ۸/۵۹

توضیح: "یتقارب الزمان" اس قرب سے قیامت کا قریب آنا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ یا مراد یہ کہ شرارت اور فساد میں لوگ ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں گے، بعض نے کہا کہ عمروں کا کوتاہ ہونا مراد ہے کہ سال مہینہ کی جگہ اور مہینہ ہفتہ کی جگہ، ہفتہ دن کی جگہ پر آجائے گا اور دن ایک گھڑی بن جائے گا بعض نے کہا کہ جدت کی وجہ سے مسافتیں کم ہو جائیں گی چنانچہ اس وقت جہاز سے سال کا سفر چند گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے بعض نے لاسلکی اور ٹیلیفون کے ذریعہ سے دنیا کا باہم مربوط ہونا اور قریب ہونا مرد لیا ہے، بہر حال اس لفظ سے جدید و قدیم دونوں طرح کا تقارب مراد لیا جاسکتا ہے۔ [۱]

فتنوں کی شدت کی انتہاء

﴿۱۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَاتَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ يَوْمٌ لَايَدْرِي الْقَاتِلُ فِيْمَ قَتَلَ وَلَا الْمَقْتُوْلُ فِيْمَ قُتِلَ فَقِيْلَ كَيْفَ يَكُوْنُ ذٰلِكَ قَالَ اَلْهَرْجُ اَلْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِم) [۲]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے دنیا اس وقت تک فنا نہیں ہوگی جب تک لوگوں پر ایسا دن نہ آجائے جس میں نہ قاتل کو یہ معلوم ہوگا کہ اس نے مقتول کو کیوں قتل کیا اور نہ مقتول کو یہ معلوم ہوگا کہ اس کو کیوں قتل کیا گیا۔ پوچھا گیا کہ یہ کیونکر ہوگا۔ آپ نے فرمایا "ہرج" کے سبب، نیز قاتل و مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے۔ (مسلم)

توضیح: "الهرج" فتنہ و فساد اور قتل و غارتگری اور خلط ملط خونریزی میں پڑ جانے کو الھرج کہتے ہیں۔ یہاں الھرج سے خاص طور پر وہ خونریزی مراد ہے جو مسلمانوں کے آپس میں افتراق و انتشار کی وجہ سے پھیل جائے۔ بہر حال احادیث میں الھرج کی تفسیر کثرت قتل سے کی گئی ہے۔ [۳]

"القاتل والمقتول" قاتل تو قتل کی وجہ سے دوزخ میں چلا جائے گا لیکن مقتول کیوں دوزخ میں جائے گا؟ تو اس کی وضاحت بھی احادیث میں ہے کہ مقتول کا بھی پکا ارادہ تھا کہ میں قاتل کو قتل کروں مگر قاتل نے قتل میں پہل کی لہٰذا مقتول اپنے غلط عزم و ارادہ سے دوزخ میں جائے گا۔ [۴]

پرفتن ماحول میں عبادت کا ثواب زیادہ ہے

﴿۱۳﴾ وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعِبَادَةُ فِي الْهَرْجِ

[۱] المرقات ۹/۲۶۶ [۲] اخرجه مسلم ۸/۱۸۳ [۳] المرقات ۹/۲۶۷ [۴] المرقات ۹/۲۶۷

كَهِجْرَةٍ إِلَيَّ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت معقل ابن یسار کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا فتنے کے زمانہ میں عبادت ونیکی کرنے کا ثواب میری طرف ہجرت کرنے کے ثواب کی مانند ہے۔ (مسلم)

توضیح: ''العبادة'' یعنی فتنوں کے دور میں اور قتل وغارتگری کے زمانہ میں قتل سے بھاگنے والا اور عبادت میں مشغول ہونے والا اتنا بڑا ثواب پائے گا جس طرح فتح مکہ سے پہلے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے میں بڑا ثواب تھا اس حدیث میں فتنوں کے زمانہ میں فتنوں سے الگ ہوکر اپنی عبادت میں مشغول ہونے کی ترغیب دی گئی ہے۔[2]

ہر آنے والا دور پہلے دور سے بدتر ہوتا ہے

﴿۱۴﴾ وَعَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ قَالَ أَتَيْنَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فَشَكَوْنَا إِلَيْهِ مَا نَلْقَىٰ مِنَ الْحَجَّاجِ فَقَالَ اِصْبِرُوْا فَإِنَّهُ لَا يَأْتِيْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ إِلَّا الَّذِيْ بَعْدَهُ أَشَرُّ مِنْهُ حَتّٰى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ سَمِعْتُهُ مِنْ نَّبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت زبیر ابن عدی کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حجاج ابن یوسف کے مظالم اور ایذاء رسانیوں کی شکایت کی، انہوں نے فرمایا کہ صبر کرو اور ضبط وتحمل سے کام لو، کیونکہ آئندہ جو بھی زمانہ آئے گا وہ گزشتہ زمانہ سے بدتر ہوگا یہاں تک کہ تم اپنے پروردگار سے ملاقات کرو یہ بات میں نے تمہارے پیغمبر ﷺ سے سنی ہے۔ (بخاری)

توضیح: ''الحجاج'' اس سے حجاج بن یوسف ثقفی مراد ہے جو اس امت کا سب سے بڑا ظالم گذرا ہے جس نے ایک لاکھ بیس ہزار انسانوں کو بے گناہ باندھ کر قتل کیا ہے، جنگوں میں مارے جانے والے اس کے علاوہ ہیں پیدائش کے وقت ماں کا دودھ نہیں پیتا تھا شیطان نے اس کی ماں سے کہا کہ اس کو بکری کا خون چٹاؤ ماں نے ایسا کیا تو اس وقت سے خون کا شوقین بن گیا کہتا تھا کہ کھانا اس وقت مزہ دیتا ہے کہ اس سے پہلے کسی کو قتل کردوں، حجاج عبدالملک بن مروان کا گورنر تھا بعد میں خود بادشاہ بن گیا، بیت اللہ کا محاصرہ کرکے اس پر منجنیق سے سنگ باری کی، بیت اللہ کے پردے جل گئے پھر حضرت عبداللہ بن زبیر کو شہید کر ڈالا، آخر میں سعید بن جبیر کو مار ڈالا پھر بیمار ہوگیا پیٹ میں کیڑے پڑ گئے، اپنے پیٹ کو مارتا تھا یا آگ کے قریب کرتا تھا تاکہ کیڑوں کا کاٹنا بند ہوجائے ایک آدمی کو مسجد میں اس لئے ذبح کیا کہ وہ مسجد میں کیوں سو رہا ہے۔

مرنے کے بعد حسن بصری رحمہ اللہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، فرمایا کہ اس نے موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے زبردست

[1] اخرجه مسلم ۸/۲۰۸ [2] المرقات ۹/۲۶۶ [3] اخرجه البخاری ۹/۶۱

استغفار کیا ہے کیا بعید ہے کہ معاف ہو جائے۔ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قاتل ہے، اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ لوگوں کی شکایت پر یہی فرمارہے ہیں کہ صبر کرو کیونکہ ہر آنے والا بادشاہ پہلے سے بدتر ہوتا ہے، کہتے ہیں ابو مسلم خراسانی نے اس سے زیادہ قتل کئے ہیں مگر حجاج شریر زیادہ تھا حدیث میں اس کو مبیر یعنی ہلاکو کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔[1]

مورخہ ۲۶ جمادی الاولی ۱۴۱۸ھ

الفصل الثانی

قائد فتنہ کے متعلق پیشگوئی

﴿۱۵﴾ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ وَاللهِ مَا أَدْرِيْ أَنَسِيَ أَصْحَابِيْ أَمْ تَنَاسَوْا وَاللهِ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدِ فِتْنَةٍ إِلَى أَنْ تَنْقَضِيَ الدُّنْيَا يَبْلُغُ مَنْ مَعَهُ ثَلَاثَمِائَةٍ فَصَاعِدًا إِلَّا قَدْ سَمَّاهُ لَنَا بِاسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيْهِ وَاسْمِ قَبِيْلَتِهِ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے نہیں معلوم کہ میرے یہ رفقاء بھول گئے ہیں یا وہ بھولے تو نہیں ہیں مگر اپنی بعض مصلحتوں کی وجہ سے ایسا ظاہر کرتے ہیں جیسے وہ بھول گئے ہیں خدا کی قسم رسول کریم ﷺ نے کسی بھی ایسے فتنہ پرداز کو ذکر کرنے سے نہیں چھوڑا تھا جو دنیا کے ختم ہونے تک پیدا ہونے والا ہے اور جس کے تابعداروں کی تعداد تین سو تک یا تین سو سے زائد تک ہوگی، آپ نے ہر فتنہ پرداز کا ذکر کرتے وقت ہمیں اس کا اور اس کے باپ کا اور اس کے قبیلہ تک کا نام بتایا تھا۔ (ابوداؤد)

توضیح: "ثلاث مائة" یعنی قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک بڑے بڑے فسادی اور فتنوں کے قائدین نمودار نہ ہو جائیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے قیامت تک آنے والے قائدین فتنہ کا ذکر فرمادیا اور پھر فرمایا کہ ان فتنہ پرور قائدین میں سے ہر ایک کے ساتھ کم از کم تین سو آدمی ہوں گے کیونکہ تین سو کی تعداد کثیر مقدار ہے جس سے اس قائد فتنہ کا فتنہ آسانی سے پروان چڑھے گا اگر کسی فتنہ پرور کے تابعداروں کی تعداد اس سے کم ہو تو وہ بھی قائد فتنہ ہوگا مگر شرارت وفساد میں اتنا طاقتور نہیں ہوگا جتنا کہ تین سو آدمیوں کا قائد ہوگا اس لئے حدیث میں تین سو کا ذکر کیا گیا ہے آنحضرت ﷺ نے نام بنام بتایا تھا مگر مصلحت کی وجہ سے بعد والوں نے نام نہیں لیا، گمراہی اور بدعات کی طرف بلانے والے بڑے بڑے لیڈر کم از کم تین سو ہوں گے پھر ان کا کوئی خاص تعین نہیں ہے یہ لیڈر علماء سوء اور عوام الناس دونوں میں سے ہوں گے، چنانچہ جتنے باطل فرقے اس وقت ہیں ان کا ایک بانی اور قائد گذرا ہے جیسے قادیانی، پرویزی، ذکری، آغاخانی، بریلوی، دہریہ اور رافضی وغیرہ وغیرہ۔[3]

[1] المرقات ۹/۲۶۸ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۴/۹۲ [3] المرقات ۹/۲۷۰

﴿۱۶﴾ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِي الْأَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ وَإِذَا وُضِعَ السَّيْفُ فِيْ أُمَّتِيْ لَمْ يُرْفَعْ عَنْهُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی امت کے حق میں جن لوگوں سے زیادہ ڈرتا ہوں وہ گمراہ کرنے والے امام ہیں، جب میری امت میں تلوار چل پڑے گی تو پھر قیامت تک نہیں رکے گی۔

(ابوداؤد، ترمذی)

خلافت راشدہ کی مدت کے بارے میں پیشگوئی

﴿۱۷﴾ وَعَنْ سَفِيْنَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْخِلَافَةُ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا ثُمَّ يَقُوْلُ سَفِيْنَةُ أَمْسِكْ خِلَافَةَ أَبِيْ بَكْرٍ سَنَتَيْنِ وَخِلَافَةَ عُمَرَ عَشَرَةً وَعُثْمَانَ اثْنَتَيْ عَشَرَةَ وَعَلِيٍّ سِتَّةً۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاؤُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت سفینہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، خلافت کا زمانہ تیس سال کا ہوگا، اس کے بعد وہ خلافت بادشاہت میں بدل جائے گی، حضرت سفینہ نے کہا کہ حساب کر کے دیکھو کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کا زمانہ دو سال حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ دس سال حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ بارہ سال اور حضرت علی کی خلافت کا زمانہ چھ سال۔

(احمد، ترمذی، ابوداؤد)

توضیح: "الخلافة" اس سے خلافت راشدہ علی منہاج النبوۃ مراد ہے لہٰذا بعد کے خلفاء یہاں موضوع بحث نہیں ہیں۔

"امسك" یعنی گن لو اور محفوظ کر لو، حضرت سفینہ حضور اکرم ﷺ کے غلام ہیں انہوں نے یہاں گنتی میں سالوں کا ذکر کیا ہے اور مہینوں کا ذکر نہیں کیا، اصل حساب اس طرح ہے کہ صدیق اکبر کی خلافت کا زمانہ دو سال چار ماہ ہے حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ دس سال چھ ماہ ہے حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ چند دن کم بارہ سال ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ چار سال نو ماہ ہے اس طرح چاروں خلفاء کی مدت خلافت کا زمانہ انتیس سال سات ماہ ہے اور پانچ ماہ جو باقی رہ گئے وہ حضرت حسن کی خلافت کا زمانہ ہے تو وہ بھی خلفاء راشدین میں شمار ہیں اور مجموعی مدت خلافت تیس سال ہوئی جو اس حدیث میں مذکور ہے اس کے بعد عمومی طور پر ملوکیت کا دور ہے اگرچہ اس میں سے کچھ استثناء بھی ہے جیسے حضرت معاویہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافتیں ہیں۔[3]

[1] اخرجه ابوداؤد ۴/۹۵ والترمذی ۴/۵۰۴ [2] اخرجه احمد ۵/۲۲۰ والترمذی ۴/۵۰۳ وابوداؤد ۴/۲۱۰ [3] المرقات ۹/۲۷۱،۲۷۲

آنے والے واقعات کے متعلق پیشگوئی

﴿۱۸﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قُلْتُ يَارَسُولَ اللهِ أَيَكُونُ بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ شَرٌّ كَمَا كَانَ قَبْلَهُ شَرٌّ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ فَمَا الْعِصْمَةُ قَالَ السَّيْفُ قُلْتُ وَهَلْ بَعْدَ السَّيْفِ بَقِيَّةٌ قَالَ نَعَمْ تَكُونُ إِمَارَةٌ عَلٰى أَقْذَاءٍ وَهُدْنَةٌ عَلٰى دَخَنٍ قُلْتُ ثُمَّ مَاذَا قَالَ ثُمَّ يَنْشَأُ دُعَاةُ الضَّلَالِ فَإِنْ كَانَ لِلّٰهِ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةٌ جَلَدَ ظَهْرَكَ وَأَخَذَ مَالَكَ فَأَطِعْهُ وَإِلَّا فَمُتْ وَأَنْتَ عَاضٌّ عَلٰى جِذْلِ شَجَرَةٍ قُلْتُ ثُمَّ مَاذَا قَالَ ثُمَّ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ بَعْدَ ذٰلِكَ مَعَهُ نَهْرٌ وَنَارٌ فَمَنْ وَّقَعَ فِي نَارِهٖ وَجَبَ أَجْرُهُ وَحُطَّ وِزْرُهُ وَمَنْ وَّقَعَ فِي نَهْرِهٖ وَجَبَ وِزْرُهُ وَحُطَّ أَجْرُهُ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَاذَا قَالَ ثُمَّ يُنْتَجُ الْمُهْرُ فَلَا يُرْكَبُ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ هُدْنَةٌ عَلٰى دَخَنٍ وَجَمَاعَةٌ عَلٰى أَقْذَاءٍ قُلْتُ يَارَسُولَ اللهِ اَلْهُدْنَةُ عَلَى الدَّخَنِ مَاهِيَ قَالَ لَا تَرْجِعُ قُلُوْبُ أَقْوَامٍ عَلَى الَّذِيْ كَانَتْ عَلَيْهِ قُلْتُ بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ شَرٌّ قَالَ فِتْنَةٌ عَمْيَاءُ صَمَّاءُ عَلَيْهَا دُعَاةٌ عَلٰى أَبْوَابِ النَّارِ فَإِنْ مُتَّ يَا حُذَيْفَةُ وَأَنْتَ عَاضٌّ عَلٰى جِذْلٍ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ أَنْ تَتَّبِعَ أَحَدًا مِّنْهُمْ۔ (رواه ابو داؤد)[1]

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا اس خیر کے بعد شر کا دور آئے گا جس طرح پہلے تھا، آپ نے فرمایا ہاں! میں نے عرض کیا کہ پھر اس وقت بچنے کی کیا سبیل ہوگی؟ آپ نے فرمایا تلوار! میں نے عرض کیا کہ پھر اس تلوار کے بعد اہل اسلام باقی رہیں گے، آپ نے فرمایا ہاں باقی رہیں گے اور فساد پر حکومت قائم ہوگی اور کدورت کے ساتھ صلح ہوگی مگر میں نے کہا پھر کیا ہوگا آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد گمراہی کی طرف بلانے والے لوگ پیدا ہونگے اگر اس وقت زمین پر کوئی خلیفہ ہو تو خواہ وہ تیری پیٹھ پر مارے ہی کیوں نہ اور تیرا مال کیوں نہ لے لے لیکن تم اس کی اطاعت سے منہ نہ پھیرنا اور اگر کوئی خلیفہ نہ ہو تو تمہاری موت ایسی حالت میں آنی چاہئے کہ تم کسی درخت کی جڑ میں پناہ پکڑے ہوئے ہو، میں نے عرض کیا کہ پھر اس کے بعد کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا اس کے بعد دنیا اور زیادہ فتنہ وانتشار اور برائیوں کی طرف بڑھتی رہے گی اور مسلمان بتدریج دینی وملی طور پر اور دنیاوی اعتبار سے بھی زوال پذیر ہوتے رہیں گے، یہاں تک کہ حضرت مہدی کے زمانہ میں دجال کا ظہور ہوگا جس کے ساتھ پانی کی نہر ہوگی اور آگ۔ پس جو شخص اس آگ میں پڑے گا اس کا اجر ثابت وقائم ہوگا اور اس کے گناہ دور ہو جائیں گے اور جو شخص اس کی نہر میں پڑیگا اس کا گناہ اس کے لئے بار دوش بنے گا اور اس کا اجر جاتا رہے گا۔ حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ پھر اس کے بعد کیا ہوگا آپ نے فرمایا گھوڑے کا بچہ جنوایا جائیگا اور وہ سواری نہیں دینے پائیگا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

[1] اخرجه ابوداؤد ۴/۹۱

اور ایک روایت میں آپ نے فرمایا کدورت پر صلح ہوگی اور وہ دلوں کی ناخوشی و رنجش کے ساتھ متفق و مجتمع ہوں گے۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کدورت پر صلح سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے دل اس حالت پر نہیں ہوں گے جس پر پہلے تھے، میں نے عرض کیا کہ کیا اس بھلائی کے بعد کہ جو آپس کے نفاق و کدورت کے بعد مذکورہ باہمی مصالحت و مفاہمت کی صورت میں ظاہر ہوگی اور جو اگرچہ برائی کی آمیزش سے پوری طرح صاف نہیں ہوگی کسی اور برائی کا ظہور ہوگا آپ نے فرمایا ہاں۔ اس کے بعد پھر برائی کا ظہور ہوگا اور وہ ایک ایسے بڑے فتنہ کی صورت میں ہوگا جو اندھا اور بہرا ہوگا اس فتنہ کے طرف بلانے والے لوگ پیدا ہو جائیں گے اور اس جماعت کے لوگوں کا یہ عمل ایسا ظاہر کرے گا جیسے کہ وہ دوزخ کے دروازے پر کھڑے ہو کر مخلوق کو اس کی طرف بلا رہے ہیں پس اے حذیفہ! اس وقت تمہاری موت اگر اس حالت میں آئے کہ تم کسی درخت کی جڑ میں پناہ پکڑے ہوئے ہو تو یہ اس سے بہتر ہوگا کہ تم اہل فتنہ میں سے کسی کی اتباع و پیروی کرو۔ (ابوداؤد)

توضیح: "السیف" اس سے معلوم ہوا کہ فتنوں کی سرکوبی کے لئے حق کے جھنڈے تلے تلوار لے کر نکلنا جائز ہے۔ جمہور صحابہ کا یہی مسلک تھا حدیث نمبر ۷ کی توضیح میں تفصیل لکھی گئی ہے۔ [۱] "بقیة" یعنی تلوار لے کر ان مفسدین کے ساتھ لڑنے کے بعد کیا خلافت و امارت باقی رہے گی؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں امارت باقی رہے گی مگر [۲] "علی اقذاء" قذی آنکھ میں پڑنے والے تنکے کو کہتے ہیں یہاں کدورتیں اور رنجشیں مراد ہیں ظاہری طور پر لوگ اطاعت کریں گے مگر دلوں میں عداوت باقی ہوگی۔ اسی مفہوم کو [۳] "هدنة علی دخن" سے ادا کیا گیا ہے کہ صلح تو ہو جائے گی، خلافت بھی قائم ہو جائے گی مگر دخن یعنی دھواں اور قلبی کدورتیں باقی ہوں گی۔ [۴]

"عاض" کسی چیز کو منہ میں لے کر دانتوں کے ساتھ مضبوط پکڑنے کو عاض کہتے ہیں۔ [۵] "جذل" درخت کی جڑ اور تنے کو جذل کہتے ہیں۔ [۶] "ثم ماذا" یعنی ان فتنوں کے بعد کیا ہوگا؟ آپ نے اشارہ کیا کہ پھر دجال کا خروج ہوگا یعنی پہلے حضرت مہدی کا دور آئے گا، سات سال خلافت کے بعد دجال کا خروج ہو جائے گا پھر حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا پھر قیامت اتنی قریب ہو جائے گی کہ گھوڑے کا بچہ ابھی سواری کے قابل نہ ہوا ہوگا کہ قیامت آ جائے گی۔ [۷]

خلافت راشدہ کے بعد شدید فتنوں کی پیشگوئی

﴿۱۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ کُنْتُ رَدِیْفًا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمًا عَلٰی حِمَارٍ فَلَمَّا جَاوَزْنَا بُیُوْتَ الْمَدِیْنَةِ قَالَ کَیْفَ بِكَ یَا اَبَاذَرٍّ اِذَا کَانَ بِالْمَدِیْنَةِ جُوْعٌ تَقُوْمُ عَنْ فِرَاشِكَ وَلَا تَبْلُغُ مَسْجِدَكَ حَتّٰی یُجْهِدَكَ الْجُوْعُ قَالَ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ تَعَفَّفْ یَا اَبَاذَرٍّ قَالَ کَیْفَ بِكَ یَا اَبَاذَرٍّ اِذَا کَانَ بِالْمَدِیْنَةِ مَوْتٌ یَّبْلُغُ الْبَیْتُ الْعَبْدَ حَتّٰی اِنَّهٗ یُبَاعُ الْقَبْرُ بِالْعَبْدِ قَالَ قُلْتُ اَللّٰهُ

[۱] المرقات ۹/۲۷۲ [۲] المرقات ۹/۲۷۲،۲۷۲ [۳] المرقات ۹/۲۷۳
[۴] المرقات ۹/۲۷۳ [۵] المرقات ۹/۲۷۳ [۶] المرقات ۹/۲۷۳ [۷] المرقات ۹/۲۷۳

وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ تَصْبِرُ يَا اَبَاذَرٍّ قَالَ كَيْفَ بِكَ يَا اَبَاذَرٍّ اِذَا كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ قَتْلٌ تَغْمُرُ الدِّمَاءُ اَحْجَارَ الزَّيْتِ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ تَأْتِيْ مَنْ اَنْتَ مِنْهُ قَالَ قُلْتُ وَاَلْبَسُ السِّلَاحَ قَالَ شَارَكْتَ الْقَوْمَ اِذًا قُلْتُ فَكَيْفَ اَصْنَعُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنْ خَشِيْتَ اَنْ يَّبْهَرَكَ شُعَاعُ السَّيْفِ فَأَلْقِ نَاحِيَةَ ثَوْبِكَ عَلٰى وَجْهِكَ لِيَبُوْءَ بِاِثْمِكَ وَاِثْمِهٖ. (رواہ ابوداؤد)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں گدھے پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا جب ہم مدینہ کے گھروں سے نکل گئے تو آپ نے فرمایا ابوذر! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب مدینہ میں بھوک کا دور دورہ ہوگا تم اپنے بستر سے اٹھ کر اپنی مسجد تک پہنچنے میں بھی مشکل محسوس کروگے اور بھوک کی شدت تمہیں سخت پریشان اور اذیت میں مبتلا کردے گی۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ابوذر پارسائی اختیار کرنا، پھر آپ نے فرمایا ابوذر! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب (قحط یا کسی وبا کے پھیل جانے کی وجہ سے) مدینہ میں موت کی گرم بازاری ہوگی اور مکان (یعنی قبر) کی قیمت غلام کی قیمت تک پہنچ جائے گی یہاں تک کہ قبر کی جگہ غلام کی قیمت کے برابر فروخت ہوگی۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ابوذر! صبر کا دامن ہرگز نہ چھوڑنا اور پھر فرمایا ابوذر! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب مدینہ میں قتل عام ہوگا اور اس کا خون احجار الزیت کو ڈھانک لے گا؟ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم اس کے پاس چلے جانا جس سے تم تعلق رکھتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ کیا میں اس وقت ہتھیار باندھ لوں اور فتنہ پھیلانے والی جماعت کے خلاف برسرپیکار ہو جاؤں؟ آپ نے فرمایا اس طرح تو تم بھی اس جماعت کے شریک کار ہو جاؤ گے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! پھر مجھے اس وقت کیا کرنا چاہئے؟ آپ نے فرمایا اگر تمہیں خوف ہو کہ تلوار کی چمک تم پر غالب آجائے گی تو اس وقت تم اپنے کپڑے کا کنارہ اپنے منہ پر ڈال لینا تاکہ وہ تمہارا گناہ اور اپنا گناہ لیکر واپس ہو۔ (ابوداؤد)

توضیح: "جوع" یعنی مدینہ میں عام قحط پڑ جائے یا صرف تمہیں بھوک کا سامنا ہو جائے دونوں مطلب درست ہیں۔[2] **"یجھدك"** یعنی بھوک تمہیں نڈھال اور اتنا کمزور کردے گی کہ تم اپنی قریبی مسجد میں جانے سے عاجز آجاؤ گے۔[3] **"تعفف"** یعنی ایسی حالت میں بھی سوال سے بچو، حرام سے بچو اور اپنی عزت وعظمت کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔ "موت" یعنی وبائی امراض سے یا قحط سے یا فتنوں کی وجہ سے موت عام ہو جائے۔[4] **"البیت العبد"** یعنی میت کے لئے قبر نہیں ملے گی، قبر اتنی مہنگی ہو جائے گی کہ ایک غلام کو دینا پڑے گا یعنی قبر کی قیمت غلام کی قیمت تک پہنچ جائے گی۔[5] **"تغمر"** ڈھانپنے کے معنی میں ہے یعنی اتنا خون ہوگا کہ پتھروں کو ڈھانپ دے گا۔[6] **"احجار الزیت"** مدینہ منورہ میں

[1] اخرجه ابوداؤد ۴/۹۸ [2] المرقات ۹/۲۷۶ [3] المرقات ۹/۲۷۶
[4] المرقات ۹/۲۷۶ [5] المرقات ۹/۲۷۶ [6] المرقات ۹/۲۷۷

ایک محلہ کا نام احجار زیت ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ مغربی جانب میں یہ ایک جگہ کا نام ہے۔ علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ احجار زیت علاقہ حرہ میں سے ہے، حرہ میں یزید کے زمانہ میں مشہور قتل عام ہوا تھا تین دن تک مدینہ منورہ میں لوٹ مار عام تھی، تین دن تک مسجد نبوی میں اذان نہیں ہوئی مدینہ پر اندھیرا چھا گیا تھا۔ مسلم بن عقبہ شیطان یزید کی فوجوں کی کمان کر رہا تھا، ہزاروں مسلمان شہید کردیئے گئے اور مدینہ کا تقدس پامال کردیا گیا، احجار زیت میں خون کی ندیاں بہہ گئیں، یہ واقعہ شہادت حسین کے بعد پیش آیا پھر یزید کی فوج نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کیا مگر خود یزید مر گیا اور قبضہ ختم ہوگیا۔ [1]

"تاتی من انت منہ" اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ جس گھر سے تم آئے ہو اسی میں جا کر بیٹھ جاؤ یا مطلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں تم اپنے اس امیر کی طرف رجوع کرو جس کی تم اطاعت کرتے ہو اور تم ان میں سے ہو، یہ دوسرا مطلب علامہ طیبی نے بیان کیا ہے جو زیادہ واضح ہے، واقعہ حرہ ۶۲ھ میں پیش آیا تھا اور حضرت ابوذر غفاری کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی تھی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت کے اس فرمان اور پیشگوئی کو صحابہ اور تابعین کے سامنے بیان تو کیا ہے مگر خود واقعہ کو نہیں دیکھا۔ [2] "شارکت القوم" یعنی اگر اسلحہ پہن کر میدان میں نکل گئے تو لڑنے والوں میں شریک سمجھے جاؤ گے۔ [3] "یبھرك" یعنی تلوار کی چمک تم پر غالب آجائے۔ تم اس وقت منہ پر کپڑا ڈالدو اور کچھ نہ کرو، مارنے والا گناہ کا پورا پورا بوجھ اٹھا کر قیامت میں آئے گا۔ [4]

پُرفتن ماحول میں نجات کی راہ

﴿۲۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَيْفَ بِكَ إِذَا أُبْقِيتَ فِيْ حُثَالَةٍ مِّنَ النَّاسِ مَرِجَتْ عُهُوْدُهُمْ وَاَمَانَاتُهُمْ وَاخْتَلَفُوْا فَكَانُوْا هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهِ قَالَ فَبِمَ تَأْمُرُنِيْ قَالَ عَلَيْكَ بِمَا تَعْرِفُ وَدَعْ مَا تُنْكِرُ وَعَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَاِيَّاكَ وَعَوَامَّهُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِلْزَمْ بَيْتَكَ وَاَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَخُذْ مَا تَعْرِفُ وَدَعْ مَا تُنْكِرُ وَعَلَيْكَ بِاَمْرِ خَاصَّةِ نَفْسِكَ وَدَعْ اَمْرَ الْعَامَّةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)[5]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اس وقت تم کیا کرو گے جب تم اپنے آپ کو ناکارہ لوگوں کے زمانہ میں پاؤ گے جن کے عہد و پیمان اور جن کی امانتیں خلط ملط ہوں گی اور جو آپس میں اختلاف رکھیں گے گویا وہ لوگ اس طرح کے ہوجائیں گے، یہ کہہ کر آپ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے کے اندر داخل کیا۔ حضرت عبداللہ نے عرض کیا کہ آپ مجھے ہدایت فرمایئے کہ اس وقت میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا اس وقت تم پر لازم ہوگا کہ اس چیز کو اختیار کرو اور اس پر عمل کرو جس کو تم حق جانو اور اس چیز سے اجتناب ونفرت کرو جس کو تم ناحق

[1] المرقات ۹/۲۷۷ [2] المرقات ۹/۲۷۷ [3] المرقات ۹/۲۷۷ [4] المرقات ۹/۲۷۸ [5] اخرجه الترمذی

اور برا جانو، نیز صرف اپنے کام اور اپنی بھلائی سے مطلب رکھو اور خود کو عوام الناس سے دور کرلو۔ اور ایک روایت میں یوں منقول ہے کہ اپنے گھر میں پڑے رہو اور اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور جس چیز کو حق جانو اس کو اختیار کرو اور جس چیز کو برا جانو اس کو چھوڑ دو، صرف اپنے کام اور اپنی بھلائی سے مطلب رکھو اور عوام الناس کے معاملات سے کوئی تعلق نہ رکھو۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔

توضیح: "حثالة" کھجور وغیرہ کے چھلکے اور بھوسہ اور کچرہ کو حثالہ کہتے ہیں، اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو انسانی قدروں سے گر چکے ہوں گے بس کچرہ ہوں گے۔[1] "مرجت" یعنی ان کے وعدے خلط ملط اور دھوکہ پر مبنی ہوں گے وعدہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا نہ ان کی زبان پر کسی کو اعتماد ہوگا پست درجے کے لوگ ہوں گے، ایسی حالت میں تم عوام الناس کو چھوڑ دو صرف اپنے نفس کے بچاؤ کی فکر کرو، دیگر روایات میں حق کی حمایت اور تلوار اٹھانے کا کہا گیا ہے جبکہ یہاں کمان توڑنے اور کنارہ کش ہونے کا حکم ہے تو یہ مخاطب کے مزاج کی وجہ سے فرق آ گیا ہے تفصیل گزر چکی ہے۔[2]

ایک تفصیلی پیشگوئی

﴿۲۱﴾ وَعَنْ أَبِي مُوسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيْهَا مُؤْمِنًا وَّيُمْسِي كَافِرًا وَّيُمْسِي مُؤْمِنًا وَّيُصْبِحُ كَافِرًا اَلْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ وَالْمَاشِيْ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِيْ فَكَسِّرُوْا فِيْهَا قِسِيَّكُمْ وَقَطِّعُوْا فِيْهَا اَوْتَارَكُمْ وَاضْرِبُوْا سُيُوْفَكُمْ بِالْحِجَارَةِ فَاِنْ دُخِلَ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْكُمْ فَلْيَكُنْ كَخَيْرِ ابْنَيْ اٰدَمَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ ذُكِرَ اِلٰى قَوْلِهٖ خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِيْ ثُمَّ قَالُوْا فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ كُوْنُوْا اَحْلَاسَ بُيُوْتِكُمْ وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْفِتْنَةِ كَسِّرُوْا فِيْهَا قِسِيَّكُمْ وَقَطِّعُوْا فِيْهَا اَوْتَارَكُمْ وَالْزَمُوْا فِيْهَا اَجْوَافَ بُيُوْتِكُمْ وَكُوْنُوْا كَابْنِ اٰدَمَ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوموسیٰ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت آنے سے پہلے فتنے ظاہر ہوں گے جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کے مانند ہوں گے ان فتنوں کے زمانہ میں آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں اٹھے گا اور شام کو کافر ہو جائے گا۔ شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کفر کی حالت میں اٹھے گا۔ بیٹھا ہوا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا شخص دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ پس اپنی کمانوں کو توڑ ڈالنا، کمانوں کے چلّوں کو کاٹ ڈالنا اور اپنی تلواروں کو پتھر پر دے مارنا اور جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو مارنے کے لئے آئے تو اس کو چاہئے کہ وہ آدم کے دو بیٹوں میں سے بہترین بیٹے کی مانند ہو جائے۔ (ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک اور روایت میں "خیر من الساعی" (یعنی چلنے والا شخص دوڑنے والے سے بہتر ہوگا) کے الفاظ نقل کرنے کے

[1] المرقات ۹/۲۷۸ [2] المرقات ۹/۲۷۸ [3] اخرجہ ابوداؤد: ۴/۱۰۰

بعد پھر یوں نقل کیا گیا ہے کہ صحابہ نے عرض کیا کہ پس آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تم اپنے گھروں کے ٹاٹ بن جانا۔ نیز ترمذی کی روایت اس طرح ہے کہ حضور نے فتنہ کے بارے میں یہ ہدایت فرمائی کہ تم فتنوں کے زمانہ میں اپنی کمانوں کو توڑ ڈالنا اوران کے چلّے کاٹ ڈالنا، نیز گھروں میں پڑے رہنے کو لازم کر لینا اور تم آدم کے بیٹے کی طرح بننا گوارہ کر لینا۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

توضیح: "قسیکم" یہ قوس کی جمع ہے اور قوس کمان کو کہتے ہیں [1] "اوتارکم" یہ وتر کی جمع ہے کمان کے اس تسمے اور چلّے کو کہتے ہیں جس پر تیر چڑھا کر پھینکا جاتا ہے۔ [2] "احلاس" یہ حلس کی جمع ہے ٹاٹ کو کہتے ہیں یعنی گھر کے ٹاٹ کی طرح بن جاؤ! گھر سے نہ نکلو ورنہ فتنہ میں پڑ جاؤ گے۔ [3]

"خیرا بنی آدم" یعنی آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل میں اچھے بیٹے کی طرح بن جاؤ یعنی ہابیل کی طرح صبر کرو یہ احادیث ان حضرات کے دلائل ہیں جو فتنوں کے دور میں بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں تفصیل حدیث نمبر ۷ کے تحت گذر چکی ہے۔

﴿۲۲﴾ وَعَنْ أُمِّ مَالِكٍ الْبَهْزِيَّةِ قَالَتْ ذَكَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِتْنَةً فَقَرَّبَهَا قُلْتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ مَنْ خَيْرُ النَّاسِ فِيْهَا قَالَ رَجُلٌ فِيْ مَاشِيَتِهِ يُؤَدِّيْ حَقَّهَا وَيَعْبُدُ رَبَّهُ وَرَجُلٌ آخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ يُخِيْفُ الْعَدُوَّ وَيُخَوِّفُوْنَهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) [4]

ترجمہ: اور حضرت ام مالک بہزیہ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فتنہ کا ذکر فرمایا اور اس کو قریب تر کیا تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس فتنے کے زمانہ میں سب سے بہترین کون شخص ہوگا؟ آپ نے فرمایا اس زمانے میں سب سے بہتر شخص وہ ہوگا جو اپنے مویشیوں میں (مصروف) رہے، ان کا حق ادا کرے اور اپنے رب کی بندگی میں مشغول رہے، اور وہ شخص بھی سب سے بہتر ہوگا جو اپنے گھوڑے کا سر پکڑے ہو اور دشمنان دین کو خوف زدہ کرتا ہو اور دشمن اس کو ڈراتے ہوں۔ (ترمذی)

مشاجرات صحابہ کی بحث میں نہ پڑو

﴿۲۳﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ تَسْتَنْظِفُ الْعَرَبَ قَتْلَاهَا فِي النَّارِ اَللِّسَانُ فِيْهَا أَشَدُّ مِنْ وَقْعِ السَّيْفِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) [5]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا عنقریب ایک بڑا فتنہ ظاہر ہونے والا ہے جو پورے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیگا، اس فتنہ میں قتل ہو جانے والے لوگ دوزخ میں ہونگے نیز اس میں زبان چلانا تلوار مارنے سے بھی زیادہ سخت مضر ہوگا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

[1] المرقات: ۹/۲۹۸ [2] المرقات: ۹/۲۸۰ [3] المرقات: ۹/۲۸۰ [4] اخرجه الترمذی: ۴/۴۷۳ [5] اخرجه الترمذی: ۴/۴۷۳ وابن ماجه

توضیح: "تستنظف العرب" کسی چیز کو مکمل طور پر ہلاک کرنے کے لئے استنظف کا لفظ بولا جاتا ہے یعنی اس فتنہ سے عرب کا استیصال ہو جائے گا۔[1]

"فی النار" یعنی اس کے مقتولین دوزخ میں جائیں گے کیونکہ اس جنگ میں ان کا مقصود نہ اعلائے کلمۃ اللہ ہوگا نہ کسی حق کی حمایت ہوگی اور نہ کسی ظالم کے ظلم کو دفع کرنا ہوگا بلکہ اختلاف و بغاوت اور ملک گیری اور مال جمع کرنا مقصود ہوگا۔ (مرقات)[2]

"اللسان" چونکہ یہ فتنہ تعصب اور قومیت پر مبنی ہوگا اس لئے زبان کی کاٹ تلوار کی کاٹ سے زیادہ مؤثر ہوگی، اس حدیث میں جس فتنہ کا ذکر ہے اس میں شریک دونوں فریق کے لئے شدید وعید ہے اور اس کے مقتولین کو دوزخی بتایا گیا ہے لہٰذا اس کے مصداق کو صحابہ کے دور کے مشاجرات قرار دینا ممکن نہیں ہے، حدیث میں کسی کا نام بھی نہیں ہے اور نہ کسی فریق کا تعین ہے مطلق فتنہ کا تذکرہ ہے، عرب دنیا پر روز اول سے مختلف فتنے آئے ہیں لہٰذا اس فتنہ کا مصداق ایسے لوگ ہو سکتے ہیں جو کسی حق کی حمایت یا دفع ظلم پر نہ لڑ رہے ہوں بلکہ محض دنیوی اغراض کے لئے اور نفسانی خواہشات کے لئے لڑ رہے ہوں جس طرح قاضی عیاض کے کلام کو ملا علی قاری نے نقل کیا ہے قاضی عیاض نے اسی طرح فرمایا ہے۔

اس قسم کی احادیث کو صحابہ کرام حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کی آپس کی جنگوں پر حمل نہیں کرنا چاہئے وہ صحابہ کی جماعت ہے، ان کا احترام امت پر واجب ہے، ان کی جنگوں کو مشاجرات کہتے ہیں، جس میں ایک فریق اگر حق پر قائم تھا تو دوسرا فریق اجتہادی خطاء کا مرتکب تھا جس میں سزا کی بجائے ثواب ملتا ہے، اس مقدس جماعت کو اللہ تعالیٰ نے "رضی اللہ عنهم ورضوا عنه" کے شاندار القاب سے یاد فرمایا ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:[3]

"اذا ذکر اصحابی فامسکوا" ای عن الطعن فیهم (مرقات)

حضور ﷺ نے فرمایا: "اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنة الله علی شرکم"۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مشاجرات صحابہ کے بارے میں فرمایا: "تلك دماء طهر الله ایدینا منها فلا نلوث السنتنا بها" (مرقات)[4]

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہ افضل تھے یا عمر بن عبدالعزیز؟ تو آپ نے جواب دیا:

"لغبار انف فرس معاویة حین غزا فی رکاب رسول الله افضل من کذا وکذا من عمر بن عبدالعزیز" (مرقات)[5]

بہر حال جمہور امت اس پر قائم ہے کہ حضرت علی حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اجتہادی خطاء پر تھے جس میں ثواب مل سکتا ہے ہمارے لئے سب سے اچھا راستہ یہ ہے کہ ہم مشاجرات صحابہ میں بالکل سکوت اختیار کریں سکوت پر مواخذہ نہیں

[1] المرقات ۹/۲۸۴ [2] المرقات: ۹/۲۸۲ [3] المرقات: ۹/۲۸۲، ۲۸۳ [4] المرقات: ۹/۲۸۲ [5] المرقات: ۹/۲۸۳

ہے اور بولنے اور تحقیق کرنے میں مواخذہ کا خطرہ ہے۔[1]

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن کہ جاہا سپر باید انداختن

جب گونگا اندھا فتنہ ہوگا

﴿۲۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ صَمَّاءُ بُكْمَاءُ عَمْيَاءُ مَنْ أَشْرَفَ لَهَا اِسْتَشْرَفَتْ لَهٗ وَإِشْرَافُ اللِّسَانِ فِيْهَا كَوُقُوْعِ السَّيْفِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُد)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا عنقریب گونگے بہرے اور اندھے فتنے کا ظہور ہوگا جو شخص اس فتنہ کو دیکھے گا اور اس کے قریب جائے گا وہ فتنہ اس کو دیکھے گا اور اس کے قریب آجائیگا نیز اس فتنہ کے وقت زبان درازی، تلوار مارنے کی مانند ہوگی۔ (ابوداؤد)

توضیح: "صماء" یعنی عنقریب گونگے بہرے اور اندھے فتنے کا ظہور ہوگا لوگوں کے اعتبار سے فتنے کو گونگا بہرا اندھا کہا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ اس فتنہ کے وقت لوگ حق و باطل میں تمیز نہیں کریں گے اچھی بات کو سننا گوارا نہیں کریں گے اور نہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بات زبان سے نکالیں گے اور نہ اچھے کام کو قبولیت کی نظر سے دیکھیں گے۔ جو جھانک کر اس فتنہ کو دیکھے گا یہ فتنہ دوڑ کر اس کی طرف آئے گا زبان کے ذریعہ سے یہ فتنہ اتنا بھڑک اُٹھے گا کہ تلوار سے تیز ہوگا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اس اندھے بہرے اور گونگے فتنے سے ہر وقت بچنے کی کوشش کرو۔[3]

چند بڑے بڑے فتنوں کا بیان

﴿۲۵﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا قُعُوْدًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْفِتَنَ فَأَكْثَرَ فِيْ ذِكْرِهَا حَتّٰى ذَكَرَ فِتْنَةَ الْأَحْلَاسِ فَقَالَ قَائِلٌ وَمَا فِتْنَةُ الْأَحْلَاسِ قَالَ هِيَ هَرَبٌ وَحَرَبٌ ثُمَّ فِتْنَةُ السَّرَّاءِ دَخَنُهَا مِنْ تَحْتِ قَدَمَيْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِيْ يَزْعَمُ أَنَّهٗ مِنِّيْ وَلَيْسَ مِنِّيْ إِنَّمَا أَوْلِيَائِيَ الْمُتَّقُوْنَ ثُمَّ يَصْطَلِحُ النَّاسُ عَلٰى رَجُلٍ كَوَرِكٍ عَلٰى ضِلَعٍ ثُمَّ فِتْنَةُ الدُّهَيْمَاءِ لَا تَدَعُ أَحَدًا مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا لَطَمَتْهُ لَطْمَةً فَإِذَا قِيْلَ اِنْقَضَتْ تَمَادَتْ يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيْهَا مُؤْمِنًا وَيُمْسِيْ كَافِرًا حَتّٰى يَصِيْرَ النَّاسُ إِلٰى فُسْطَاطَيْنِ فُسْطَاطِ إِيْمَانٍ لَا نِفَاقَ فِيْهِ وَفُسْطَاطِ نِفَاقٍ لَا إِيْمَانَ فِيْهِ فَإِذَا كَانَ ذٰلِكَ فَانْتَظِرُوا الدَّجَّالَ مِنْ يَوْمِهٖ أَوْ مِنْ غَدِهٖ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُد)[4]

[1] المرقات: ۹/۲۸۳ [2] اخرجه ابوداؤد: ۴/۹۹ [3] المرقات: ۹/۲۸۴، ۲۸۵ [4] اخرجه ابوداؤد: ۴/۹۲

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فتنوں کا ذکر شروع فرمایا اور بہت سارے فتنوں کو بیان کیا یہاں تک کہ فتنہ احلاس کا ذکر فرمایا ایک شخص نے پوچھا کہ احلاس کا فتنہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بھاگنا اور مال کا ناحق لینا ہے۔ اور پھر السراء کا فتنہ ہے اس فتنہ کی تاریکی اور تباہی اس شخص کے قدموں کے نیچے سے نکلے گی جو میرے اہل بیت میں سے ہوگا اس شخص کا گمان تو یہ ہوگا کہ وہ میرے اہل بیت میں سے ہے لیکن حقیقت یہ ہوگی کہ وہ میرے اپنوں میں سے نہیں ہوگا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میرے دوست اور میرے اپنے تو وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو پرہیزگار ہوں! پھر اس فتنہ کے بعد لوگ ایک ایسے شخص کی بیعت پر اتفاق کریں گے جو پسلی کے اوپر کولہے کی مانند ہوگا پھر دہیماء کا فتنہ ظاہر ہوگا اور وہ فتنہ اس امت میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں چھوڑے گا جس پر اس کا طمانچہ، طمانچہ کے طور پر نہ لگے اور جب کہا جائے گا کہ یہ فتنہ ختم ہوگیا ہے تو اس کی مدت کچھ اور بڑھ جائے گی اس وقت آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں اٹھے گا اور شام کو کافر ہو جائے گا اور یہ صورت حال جاری رہے گی یہاں تک کہ لوگ دو خیموں میں تقسیم ہو جائیں گے، ایک خیمہ ایمان کا ہوگا کہ اس میں نفاق نہیں ہوگا اور ایک خیمہ نفاق کا ہوگا کہ اس میں ایمان نہیں ہوگا جب یہ بات ظہور میں آجائے تو پھر اس دن یا اس کے اگلے دن دجال کے ظاہر ہونے کے منتظر رہنا۔ (ابوداؤد)

توضیح: "فتنۂ احلاس" احلاس حلس کی جمع ہے اور حلس ٹاٹ کو کہتے ہیں اس فتنہ کو حلس اور ٹاٹ کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ ٹاٹ ایک جگہ پر پڑا رہتا ہے ہٹنے کا نام نہیں لیتا یہ فتنہ بھی جب گھروں میں داخل ہو جائے گا تو ان کے ساتھ اس طرح چپک جائے گا کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے گا جس طرح ٹاٹ چپک جاتا ہے یا اس فتنہ میں مبتلا لوگوں کی تشبیہ ٹاٹ کے ساتھ دی گئی ہے کہ لوگ اس فتنہ کی وجہ سے گھروں میں اس طرح چپک کر بیٹھ جائیں گے جس طرح ٹاٹ ہوتا ہے اور ان کو اسی طرح کرنا چاہئے۔[۱]

"هرب و حرب" سائل کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنۂ احلاس کی وضاحت میں فرمایا کہ اس میں لوگ ایک دوسرے سے عداوت اور بغض و حسد کی وجہ سے بھاگیں گے یہ ھرب ہے اور لوگ ایک دوسرے سے اموال چھینیں گے یہ حرب ہے۔ حرب محروب کے معنی میں ہے مال چھیننے کو کہتے ہیں شاعر ساحر نے کہا: ع ومال کل اخیذ المال محروب[۲]

فتنۂ احلاس کا مصداق

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی رحمہ اللہ نے فتنۂ احلاس کا مصداق حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حجاج بن یوسف کے فتنہ کو قرار دیا ہے۔ تفصیلی قصہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تو بطور وصیت اس سے کہا کہ تیری حکومت کے چار آدمی مخالفت کریں گے، ایک

---

[۱] المرقات: ۹/۲۸۵ [۲] المرقات: ۹/۲۸۵

عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ دوسرے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تیسرے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور چوتھے حسین بن علی رضی اللہ عنہ، ان میں سے اول الذکر کو شاید مقابلے کا موقع نہ ملے، دوسرا صوفی آدمی ہیں کنارہ کش ہوجائیں گے تیسرے ابن زبیر لومڑی سے زیادہ چالاک ہیں ان سے ہوشیار رہنا اور چوتھے جو حسین ہیں ان کی حضور اکرم ﷺ سے قرابت ہے اس قرابت کا بہت زیادہ خیال رکھنا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تجربہ ٹھیک طور پر سچا ثابت ہوا حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کنارہ کش ہوگئے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت سے بھاگ کر مکہ مکرمہ میں اپنی خلافت کا اعلان کردیا، جب حضرت حسین میدان کربلا میں شہید کردیئے گئے تو مدینہ منورہ کے لوگوں نے یزید کی اطاعت سے انکار کردیا یزید نے شام سے ایک بڑا لشکر مدینہ کی طرف روانہ کردیا شامی افواج نے مدینہ کا محاصرہ کیا اور بڑی لوٹ مار کی، واقعہ حرہ اور احجار زیت جیسے خون ریز واقعات ہوئے جب مدینہ کے تقدس کو مکمل پامال کیا گیا تو مسلم بن عقبہ کی سربراہی میں یزید نے اسی لشکر کو مکہ مکرمہ کی طرف روانہ کردیا تاکہ عبداللہ بن زبیر کی سرکوبی کرے، مسلم بن عقبہ کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کردیا اس کی جگہ حصین بن نمیر کو امیر بنادیا گیا اس نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کرلیا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف حرم شریف میں لڑائی شروع کردی بیت اللہ پر گولہ باری کی گئی اہل مکہ نے بڑی مشقت اُٹھائی کہ اتنے میں غیر متوقع طور پر یزید ہلاک ہوگیا اس وجہ سے حصین بن نمیر نے مکہ کا محاصرہ اُٹھالیا اور واپس چلا گیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت وسیع ہوگئی اور مکہ و مدینہ حجاز مقدس اور مصر و عراق کے تمام علاقوں پر ان کی حکومت قائم ہوگئی، یزید کے بیٹے نے جن کا نام معاویہ تھا دو ماہ تک حکومت کی اور پھر ان کا بھی انتقال ہوگیا، اس کے بعد قریباً تمام عالم اسلام پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت قائم ہوگئی لیکن چھ سات ماہ کے بعد مروان بن حکم نے شام پر قبضہ جمالیا اور دمشق میں اپنی خلافت کا اعلان کردیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر کے مقابلے میں کھڑے ہوگئے شام کے بعد عراق اور مصر بھی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے نکل گیا، جب مروان بن حکم کا انتقال ہوگیا تو ان کا بیٹا عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوگیا اس نے اپنی جنگی قوت و طاقت سے حضرت عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ سے تمام علاقے آزاد کرالئے اور آخر میں حجاج بن یوسف کو عبداللہ بن زبیر کے خلاف مکہ مکرمہ کی طرف روانہ کردیا، حجاج بن یوسف نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کیا اور جبل ابوقبیس پر منجنیق نصب کرکے بیت اللہ پر سنگ باری شروع کردی حضرت عبداللہ بن زبیر بیت اللہ میں محصور تھے آخر میں وہ جنگ کے لئے میدان میں نکل آئے اور نہایت بہادری کے ساتھ حجاج ظالم کا مقابلہ کیا مگر آخر میں ۷۳ھ میں حجاج کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرماگئے آپ کی خلافت کی مدت چھ سال تھی اس حدیث میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق واقعۂ احلاس کا مصداق یہی پوری تفصیل ہے جو طویل ہے یعنی ٹاٹ کی طرح چپکنے والا فتنہ مراد ہے۔

فتنہ السراء کا مصداق

"ثم فتنة السراء" سراء عیش وتنعم اور کثرت اموال اور خوشحالی کو کہتے ہیں یہ فتنہ بھی اسی طرح کثرت اموال اور عیش و تنعم کی وجہ سے آیا تھا۔ اس لئے اس کا نام سراء رکھ دیا گیا بعض شارحین نے اس کو سرور سے نہیں لیا بلکہ سِرٌّ پوشیدگی سے لیا ہے یعنی یہ ایک سازشی فتنہ تھا جو بظاہر سادات واہل بیت کی حمایت کے نام سے تھا مگر اندر اندر اسلام کی بیخ کنی پر مبنی تھا جو مختار ثقفی کی شکل میں تھا یہ مطلب بہت اچھا ہے۔ [1] حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتنہ کا مصداق مختار بن عبید ثقفی کو قرار دیا ہے یہ شخص شیعان علی میں سے تھا۔ اہل کوفہ نے جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بے وفائی کی اور وہ کربلا میں شہید کر دیئے گئے تو اس شخص نے اس واقعہ کربلا سے فائدہ اُٹھانے کی غرض سے قاتلین حسین رضی اللہ عنہ سے انتقام لینے کا اعلان کر دیا مسلم بن عقیل اس شخص کے گھر آتے جاتے تھے ان سے بھی اس نے تائید حاصل کی۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشہور بیٹے محمد بن حنفیہ سے بھی اس کو تائید حاصل ہوگئی ادھر کوفہ میں "توابین" کے نام سے ایک جماعت بنی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ ہم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بے وفائی کی ہے اب ہم توبہ کرتے ہیں اور قاتلین حسین سے بدلہ لیں گے مختار بن عبید ثقفی نے بڑی چالاکی کے ساتھ ان لوگوں سے بھی اپنی تائید حاصل کی اور پوری جماعت بنالی۔ مختار ثقفی نے کئی جھوٹے دعوے بھی کئے جس پر کوفہ کے گورنر نے اس کو گرفتار کیا اور جیل میں ڈالدیا مگر حضرت ابن عمر کی سفارش پر جیل سے رہا ہو گیا جب یہ شخص جیل سے باہر آ گیا تو اس کی قوت مزید بڑھ گئی، توابین کی جماعت سے اس کے رابطے تھے ان کو منظم کیا اور اپنے آپ کو سید اور آل رسول کہنے لگا بلکہ نبوت کا دعویٰ بھی کیا۔ اب علاقے کے گورنر کے قابو سے یہ شخص نکل گیا اور کوفہ کے گورنر سے اس نے جنگ کی اور سرکاری فوجوں کو شکست دے کر کوفہ پر قبضہ کر لیا کوفہ کے بے گناہ افراد کو بیدردی سے قتل کر ڈالا جو بھی مخالفت پر آ گیا اس کو مار ڈالا یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنے بھائی مصعب بن زبیر کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا اور مختار کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا انہوں نے آکر مختار ثقفی کو قتل کر دیا اس طرح اس کا فتنہ ختم ہو گیا اس حدیث میں فتنہ سراء سے مختار ثقفی کا یہی فتنہ مراد ہے۔

"دخنها" یعنی اس فتنہ کو بھڑکانے والا اور اس کو اُٹھانے والا ایک ایسا شخص ہوگا جو اپنے آپ کو سید اور آل رسول کے نام سے پکارے گا مگر اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے میرے دوست تو پرہیزگار لوگ ہیں۔ بعض علماء نے فتنة السراء کا مصداق شریف مکہ اور انگریزوں کو قرار دیا ہے جس میں انگریزوں نے سازش کے تحت تُرکوں کی خلافت گرادی۔ انگریز شریف حسین مکہ کو ماہانہ پانچ لاکھ پونڈ دیا کرتا تھا اور آل سعود عبدالعزیز کو ماہانہ دو لاکھ برطانوی پونڈ دیا کرتا تھا اور ان دونوں کو جزیرہ عرب میں لڑاتا تھا، شریف مکہ کے بعد اس کا ایک نالائق بیٹا تخت نشین ہو گیا جو اس حدیث کضلع علی ورك کے نام سے یاد کیا گیا ہے اس سے کچھ نہ بن پڑا اور ترکوں کی خلافت برطانوی حکومت نے گرادی اور سازش مکمل ہو گئی۔ [2]

---

[1] المرقات: ۹/۲۸۵ [2] المرقات: ۹/۲۸۵

مروان بن حکم کی بات

"ثم یصطلح الناس" یعنی ان فتنوں کے بعد لوگ ایک ایسے شخص کی حکومت پر صلح کرلیں گے جو خود ناپائیدار ہوگا جیسے پسلی کے اوپر موٹی ران سوار کی گئی ہو، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کمزور شخص سے مراد مروان بن الحکم ہے اگرچہ مختار ثقفی کے فتنے سے پہلے مروان کا انتقال ہو چکا تھا لیکن ان سازشوں کی ابتداء اس وقت سے ہوئی جب مروان بن حکم نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ میں شام میں اپنی خلافت کا اعلان کردیا تو بطور جملہ معترضہ اگر مروان کا تذکرہ اس حدیث سے کچھ آگے یا کچھ پیچھے آ گیا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں شاہ صاحب نے اس جملہ سے مروان بن الحکم مراد لیا ہے۔ یہ شخص نہ رائے کی پختگی رکھتا تھا نہ اس میں کوئی تدبیر تھی نہ اس میں قوت فیصلہ تھی بلکہ غیر مستقل مزاج کمزور رائے کا مالک تھا اسی کمزوری کی تشبیہ اس حدیث میں اس طرح دی گئی ہے کہ گویا مضبوط اور موٹی ران کمزور پسلی پر سوار کی گئی ہے گویا بکری کی ٹانگوں پر بھینس کھڑی کردی گئی ہے، اس شخص کا دست راست اور تمام فتنوں کی جڑ عبیداللہ بن زیاد تھا۔ لوگوں نے اس پر صلح کر کے اس کی بیعت کی اور اس نے حضرت ابن زبیر کے خلاف محاذ کھول دیا اس طرح اس امت میں ان لوگوں کی وجہ سے بڑے بڑے فتنے پیدا ہوگئے۔

بغداد میں تاتاریوں کا فتنہ

"ثم فتنة الدهيماء" دُهيماء دَهماء کی تصغیر ہے جو مذمت و تحقیر کے لیے ہے دھم کالے کو کہتے ہیں "اى الفتنة العظماء والطامة العمياء" یعنی سیاہ گھٹاؤں پر مشتمل عظیم الشان فتنہ "وقيل المراد بالدهيماء الداهية ومن السمآء الداهية دُهيم" (مرقات)[1]

بہر حال اس فتنہ سے ایک سیاہ و تاریک بھاری آسمانی آفت مراد ہے اب یہ بات کہ اس فتنہ کا مصداق کون سا واقعہ ہے تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ بغداد پر تاتاریوں کے حملے اور عام خونریزی کا فتنہ ہے اس فتنہ سے اسلامی مملکت بغداد اور اس کے شہروں کو تاتاریوں نے تخت و تاراج کیا اور سیاہ طوفان سے مسلمانوں کا قتل عام کیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۶۰۷ھ کے درمیان بنو عباس کا آخری خلیفہ مستعصم باللہ بغداد کا خلیفہ بن گیا یہ شخص غیر مدبر بھی تھا اور امور مملکت چلانے میں نالائق شہزادہ تھا اس کا ایک وزیر تھا جس کا نام علقمی تھا جو کٹر غالی متعصب علوی شیعہ تھا اس نے بد عقیدگی اور خبث باطن کی وجہ سے چاہا کہ بغداد پر عباسیوں کی خلافت کے بجائے علویوں کی حکومت آجائے اس منصوبہ کو کامیاب بنانے کے لئے علقمی نے سب سے پہلے تاتاریوں سے رابطہ کیا اور چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دے دی ہلاکو خان بغداد کے لوگوں کی شجاعت اور اسلامی خلافت سے ڈر رہا تھا مگر وزیر علقمی رافضی نے نہایت چالاکی کے ساتھ بغداد سے اسلامی افواج کو ادھر اُدھر کاموں پر روانہ کردیا اور بغداد عسکری قوت سے خالی ہوگیا۔

---

[1] المرقات: ۹/۲۸۶

اس کے بعد پوری صورت حال بتا کر شیعہ وزیر علقمی نے تاتاریوں کو ایک بار پھر بغداد پر حملہ کی دعوت دے دی ادھر بغداد سے سینکڑوں شیعوں نے ہلاکو خان کو خطوط لکھ دیئے کہ آپ فوراً حملہ کردیں کیونکہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک تاتاری سردار عراق پر قبضہ کرے گا ہمارا خیال ہے کہ وہ آپ ہیں لہٰذا جلدی حملہ کردیں۔

اُدھر ہلاکو خان کے حلقہ میں ایک مشہور ہیجڑا رافضی نصیر الدین طوسی تھا وہ بھی ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کرنے کے لئے اُبھار رہا تھا اس کا اور علقمی کا خیال تھا کہ جب بغداد سے اسلامی خلافت ختم ہوجائے گی تو یہاں ہماری علوی ریاست قائم ہوجائے گی بہرحال ہلاکو خان کو حوصلہ ملا اور اس نے بغداد پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اس نے پہلے اپنا ہراول فوجی دستہ بھیجا اور بغداد پر حملہ کیا جو کامیاب رہا اس کے بعد ہلاکو خان نے اپنی بڑی فوج بغداد پر چڑھا دی، محاصرہ بھی سخت تھا اور ان کا مقابلہ بھی سخت تھا شیعہ بغداد کے اندر سے مسلسل ہلاکو خان کو اطلاعات فراہم کرتے رہے یعنی انہوں نے اندر سے جاسوسی کا محاذ مستحکم کررکھا تھا۔

رافضی وزیر علقمی ملعون نے عباسی خلیفہ مستعصم باللہ سے کہا کہ آپ ہلاکو خان کے ساتھ مذاکرات کریں اور بغداد شہر سے باہر جاکر ہلاکو خان سے ملاقات بھی کریں یہ نہایت ضروری ہے وہ لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں اور آپ کا اکرام کریں گے چنانچہ مسلمانوں کا بادشاہ جب بغداد سے باہر جاکر ہلاکو خان سے ملا تو اس نے کہا کہ آپ تو اکیلے ہیں یہ وسیع مذاکرات ہیں اس میں سرکردہ علماء اور قوم کے سردار اور فوج کے کمانڈروں کی شرکت ضروری ہے آپ ان سب کو بلالیں اس غیر مدبر نادان بادشاہ نے جب ان لوگوں کو بلالیا تو ہلاکو خان نے ان سب کو بادشاہ کے سامنے قتل کردیا اور پھر خلیفہ سے کہا کہ بغداد شہر میں پیغام بھیج دو کہ لوگ سب کے سب ہتھیار ڈالدیں اور شہر کو خالی کرکے باہر آجائیں چنانچہ اس محبوس نالائق خلیفہ نے یہ بھی کیا اس کے پیغام پر لاکھوں انسان باہر آتے گئے اور تاتاری ان کو قتل کرتے گئے خون کی کثرت سے ندیاں بہہ گئیں اور دریائے دجلہ کا پانی سرخ خون کی طرح بہنے لگا اس کے بعد تاتاری بغداد شہر میں کسی مزاحمت کے بغیر داخل ہوگئے۔ عورتوں اور بوڑھوں نے سروں پر قرآن رکھ کر امان مانگی مگر تاتاریوں نے کسی کو نہ دیکھا اور نہ امان دی بلکہ سب کو قتل کردیا چنانچہ تہہ خانوں اور کنوؤں میں چند آدمی بچ گئے باقی ساری مخلوق موت کے گھاٹ اُتار دی گئی۔

دوسرے دن ۹ صفر ۶۵۶ھ میں ہلاکو خان نے عباسی خلیفہ کے ساتھ شہر بغداد میں عام دربار لگادیا اور بادشاہ سے خزانوں کی ساری کنجیاں لے کر تمام خزانوں کو لوٹ لیا اور پھر خلیفہ کو ایک کال کوٹھری میں بھوکا پیاسا ڈال کر رکھ دیا اس کے بعد ہلاکو خان سے محقق طوسی ابلیس اور علقمی شیطان نے کہا کہ مسلمانوں کے اس خلیفہ کے گندے خون سے تلوار کو گندی نہ کرو بلکہ ایک بوری میں باندھ کر لاتوں سے اس کو کچل دو ہلاکو خان نے کہا کہ یہ کام آپ خود کریں یہ آپ کے سپرد ہے چنانچہ علقمی رافضی نے اپنے محسن بادشاہ مستعصم باللہ کو بوری میں ڈال کر ستون کے ساتھ باندھ دیا اور لاتوں سے مار مار کر کچل دیا اور پھر تاتاریوں کے گھوڑوں کے سُموں کے نیچے ڈالدیا گھوڑوں نے اس کو ریزہ ریزہ کردیا علقمی شیطان یہ دیکھتا رہا اور خوش ہوتا رہا اس سے خلافت عباسیہ کے دور کا خاتمہ ہوگیا اور بنو عباس کا آخری خلیفہ گور و کفن بھی نصیب نہ ہوا۔

اس کے بعد ہلاکو خان نے اسلامی کتب خانوں کا رخ کیا اور عظیم علمی سرمایہ کو آگ لگادی اور کتابوں کو دجلہ میں بہادیا اب دجلہ کا پانی سرخ خون کے بجائے سیاہ طوفان بن کر بہنے لگا اور کئی دن تک مقدس اوراق کا یہ علمی سرمایہ دجلہ کی موجوں کے ساتھ بہتا رہا۔ اس تباہ کن حادثہ میں بغداد اور اس کے مضافات کے مقتولین کی تعداد ایک کروڑ چھ لاکھ بتائی گئی ہے۔ شیعہ کی شرارت پر امریکہ نے جب صدر صدام حسین کو پھانسی دیدی تو شیعہ باہر سڑکوں پر خوشی سے ڈانس کر رہے تھے اور مٹھائیاں بانٹ رہے تھے، اے کاش دنیا کو شیعہ رافضیوں کی خباثتوں کا اندازہ ہوجائے کہ یہ بدباطن جس طرح کل کے فسادی تھے اسی طرح آج کے بھی ہیں۔

چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی اکثر خلافتوں کا سقوط روافض کے ہاتھوں ہوا ہے۔ شاہ انور شاہ کاشمیری فیض الباری میں لکھتے ہیں: "واکثر تخریب الخلافة الاسلامیة علی ایدی ہؤلاء الروافض" بہرحال علقمی ملعون نے جس مقصد کے لئے یہ بڑی غداری کی تھی وہ مقصد علوی ریاست قائم کرنا تھا مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اس نے ہلاکو خان کی بڑی منت سماجت کی لیکن اس نے ایک نہ سنی اور بغداد پر اپنے آدمیوں کو مقرر کر کے علقمی اور طوسی کو دھتکار دیا، علقمی رافضی غلاموں کی طرح تاتاریوں کے جوتے سیدھا کرتا رہا اور پھر اس غم میں مردار ہوگیا۔ یہ ہے واقعہ دُھیماء کی تفصیل جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

﴿۲۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَیْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ اَفْلَحَ مَنْ کَفَّ یَدَهٗ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗد)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افسوس اور بدنصیبی عرب کی کہ برائی قریب آگئی اس فتنہ میں وہی شخص نجات یافتہ اور فلاح یاب رہے گا جس نے اپنا ہاتھ روکے رکھا۔ (ابوداؤد)

﴿۲۷﴾ وَعَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ السَّعِیْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ اِنَّ السَّعِیْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ وَلَمَنْ اُبْتُلِیَ فَصَبَرَ فَوَاهًا. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗد)[۲]

ترجمہ: اور حضرت مقداد ابن اسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یقیناً نیک بخت وہ شخص ہے جو فتنوں سے محفوظ رکھا گیا ہو، یقیناً نیک بخت وہ شخص ہے جو فتنوں سے محفوظ رکھا گیا ہو، یقیناً نیک بخت وہ شخص ہے جو فتنوں سے محفوظ رکھا گیا ہو، اور یقیناً نیک بخت وہ شخص بھی ہے جو فتنہ میں مبتلا کیا گیا لیکن اس نے صبر وضبط کا دامن پکڑے رکھا مطلب یہ ہے کہ قابل افسوس وہ شخص ہے جو نہ فتنوں سے محفوظ رکھا گیا اور نہ اس نے صبر وضبط اختیار کیا۔ (ابوداؤد)

﴿۲۸﴾ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَ السَّیْفُ فِیْ اُمَّتِیْ لَمْ یُرْفَعْ

[۱] اخرجہ ابوداؤد: [۲] اخرجہ ابوداؤد: ۴/۹۹

عَنْهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَلَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ اُمَّتِیْ بِالْمُشْرِکِیْنَ وَحَتّٰی تَعْبُدَ قَبَائِلُ مِنْ اُمَّتِیْ الْاَوْثَانَ وَاَنَّه سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلٰثُوْنَ کُلُّهُمْ یَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیُّ اللّٰهِ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ عَلَی الْحَقِّ ظَاهِرِیْنَ لَایَضُرُّهُمْ مَّنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب میری امت میں تلوار چل جائے گی تو پھر قیامت تک امت کے لوگوں کے قتل وقتال سے باز نہیں رہے گی اور اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک میری امت کے بعض قبائل مشرکوں کے ساتھ نہ جا ملیں اور اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک میری امت کے بعض قبائل بتوں کو پوجنے لگیں گے اور حقیقت یہ ہے کہ میری امت میں سے تیس جھوٹے (یعنی نبوت کا دعوائی کرنے والے) ظاہر ہوں گے ان میں سے ہر ایک یہ گمان کرے گا کہ وہ خدا کا نبی ہے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور میری امت میں سے ہمیشہ ایک جماعت حق پر ثابت قدم رہے گی اس جماعت کا کوئی بھی مخالف و بدخواہ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا تا آنکہ خدا کا حکم آئے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

واقعہ شہادت عثمان، جنگ جمل وصفین

﴿۲۹﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَدُوْرُ رَحَی الْاِسْلَامِ لِخَمْسٍ وَّثَلٰثِیْنَ اَوْ سِتٍّ وَّثَلٰثِیْنَ اَوْ سَبْعٍ وَّثَلٰثِیْنَ فَاِنْ یَّهْلِکُوْا فَسَبِیْلُ مَنْ هَلَكَ وَاِنْ یَّقُمْ لَهُمْ دِیْنُهُمْ یَقُمْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ عَامًا قُلْتُ اَمِمَّا بَقِیَ اَوْمِمَّا مَضٰی قَالَ مِمَّا مَضٰی۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مسعود نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اسلام کی چکی پینتیس برس یا چھتیس برس یا سینتیس برس تک گھومتی رہے گی پھر اگر لوگ ہلاک ہونگے تو اس راستے پر چلنے کی وجہ سے ہلاک ہوں گے جس پر چل کر پہلے لوگ ہلاک ہو چکے ہیں اور اگر ان کے دین کا نظام کامل و برقرار رہا تو ان کے دینی نظام کی تکمیل و برقراری کا وہ سلسلہ ستر برس تک رہے گا۔ (حضرت ابن مسعود کہتے کہ) میں نے پوچھا کہ یہ ستر برس بقیہ میں سے ہوں گے یا اس عرصہ سمیت ہوں گے جو گزرا؟ حضور نے فرمایا ستر سال کا عرصہ اس عرصہ سمیت ہے جو گزر چکا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "تدور رحی الاسلام" یعنی اسلام کی چکی ۳۵ یا ۳۶ بلکہ ۳۷ ہجری تک صحیح طور پر گھومتی رہے گی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس طرح سمجھایا ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ

[1] اخرجه الترمذی: ۴/۵۰۲ [2] اخرجه ابوداؤد: ۴/۹۶

ہجرت کے بعد اسلام میں جو مضبوطی اور استحکام آیا وہ ۳۵ اور ۳۶ اور ۳۷ سالوں تک چلتا رہے گا پھر اسلام کے دائرہ میں کچھ اضطراب شروع ہو جائے گا چنانچہ اس بگاڑ اور خرابی کی ابتداء ۳۵ھ میں ہوئی جبکہ حضرت عثمان کی شہادت کا سانحہ پیش آیا پھر ۳۶ھ میں مزید بگاڑ پیدا ہو گیا جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ ہوئی جس کو جنگ جمل کہتے ہیں پھر اس کے بعد اسلام کے استحکام میں مزید خرابی آ گئی جو بالکل بے قابو ہو گئی اور جس نے اسلام کو بہت بڑا نقصان پہنچا دیا وہ ۳۷ھ میں حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان جنگ صفین کا حادثہ تھا پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس بگاڑ کے بعد اگر لوگ باز نہ آئے اور اسی طرح ہلاکت کے راستے پر چل پڑے، خلافت مغلوب رہی اور بغاوت غالب رہی تو یہ لوگ بھی دیگر ہلاک شدہ اقوام کی طرح ہلاک ہو جائیں گے لیکن اگر لوگوں کی خلافت قائم ہو گئی اور باغیوں کو بغاوت کا موقع نہ مل سکا تو مسلمانوں کا ملی نظام آنے والے زمانوں تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ قائم رہے گا جو ستر برس تک جاری رہے گا۔[1]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ نئے سرے سے ستر سال شمار ہوں گے یا پرانے ۳۷ سال کے ساتھ ستر برس مراد ہوں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ۳۷ برس سمیت ستر سال مراد ہیں۔

شہادت عثمان

اس حدیث میں تین بڑے حادثات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان میں سے پہلا حادثہ حضرت عثمان بن عفان کی شہادت کا ہے حضرت عثمان کی خلافت ابتدائی چھ سال تک بہت عمدہ طریقہ پر چلتی رہی مگر آپ کی طبیعت میں نرمی تھی آپ نے اپنے بعض رشتہ داروں کو کچھ سرکاری عہدے دیئے جو شریعت کی رُو سے جائز تھا کیونکہ ایک تقویٰ ہے ایک فتویٰ ہے شیخین نے تقویٰ پر عمل کیا اور کسی رشتہ دار کو عہدہ نہیں دیا اور عثمان و علی نے فتویٰ پر عمل کیا اور لائق رشتہ داروں کو عہدہ دیا اس پر لوگوں نے شور کیا اور آخری چھ سالوں میں کچھ انتشار شروع ہو گیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہوئی کہ صنعاء یمن کا ایک باشندہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا اس نے دیکھا کہ اسلام پورے عالم پر غلبہ حاصل کرتا چلا جا رہا ہے تو برائے فساد و نفاق یہ شخص مسلمان ہو گیا اور مدینہ آ گیا یہاں حضرت عثمان اور ان کے گورنروں کے خلاف بکواس کرتا رہا مگر مدینہ میں اس کو پذیرائی نہیں ملی تو وہ بصرہ چلا گیا وہاں سے بصرہ کے گورنر نے اس کو بھگایا تو یہ کوفہ آ گیا، اپنے آپ کو اہل بیت کا خیر خواہ ثابت کیا کچھ لوگ اس کے ساتھ ہو گئے مگر وہاں بھی ناکام رہا وہاں سے یہ شخص دمشق چلا گیا ادھر بھی ناکام ہو گیا پھر وہاں سے یہ مصر چلا گیا۔

مصر کے لوگوں نے اس کی بات سنی اور کافی لوگ اس کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے تو اس نے خلیفہ عثمان اور اسلامی خلافت کے خلاف سازشیں شروع کیں چنانچہ حضرت عثمان کے گورنروں کے خلاف فرضی شکایتیں جمع کرتا تھا اور عوام الناس میں پھیلاتا تھا خلاصہ یہ کہ اس نے لوگوں کو حضرت عثمان سے بدظن کیا اور وہیں سے اس نے قتل عثمان کے لئے ایک دستہ تیار کر

[1] المرقات: ۹/۲۹۰، ۲۹۱

کے مدینہ روانہ کیا یہ بلوائی لوگ مدینہ میں آ کر بدتمیزی پر اتر آئے، حضرت علی وغیرہ سے حضرت عثمان کے خلاف مدد بھی طلب کی مگر انہوں نے انکار کیا ان بلوائیوں کا ایک مطالبہ یہ تھا کہ مصر کے گورنر کو ہٹا کر محمد بن ابی بکر کو گورنر بنایا جائے حضرت عثمان نے اس کے لئے پروانہ لکھدیا یہ لوگ چلے گئے اور معاملہ رفع دفع ہو گیا مگر مروان بن حکم نے فوراً مصر کے گورنر کے نام ایک خط لکھا کہ جونہی محمد بن ابی بکر پہنچ جائے اسے قتل کردو خط پر حضرت عثمان کی انگوٹھی کی مہر تھی گھوڑا بھی حضرت عثمان کا تھا اور غلام بھی حضرت عثمان کا تھا۔ یہ شخص مصر کی طرف دوڑتا جا رہا تھا محمد بن ابی بکر کو شک ہوا اور اس غلام کو پکڑ کر تلاشی لی خط برآمد ہوا۔ محمد بن ابی بکر نے کہا کہ ایک طرف ہمیں عثمان گورنر بنا رہے ہیں اور دوسری طرف قتل کا حکم دے رہے ہیں لہذا غلام اور خط کو لے کر بلوائی پھر مدینہ آئے اور حضرت عثمان سے پوچھا کہ یہ غلام کس کا ہے آپ نے فرمایا میرا ہے کہا گھوڑا کس کا ہے؟ فرمایا میرا ہے کہا مہر کس کی ہے فرمایا میری ہے کہا خط کس کا ہے فرمایا خدا کی قسم خط میرا نہیں ہے خط کے نمونے دیکھے گئے تو معلوم ہوا کہ مروان بن حکم نے خط لکھا ہے اب ان بلوائیوں نے کہا کہ مروان کو ہمارے حوالے کردو آپ نے فرمایا میں ایسا نہیں کرسکتا بلوائیوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کیا، مدینہ والے مروان کے خلاف کچھ دیکھنا چاہتے تھے مگر حضرت عثمان کے قتل کا کوئی قائل نہیں تھا۔

افواج اسلامیہ سرحدات پر تھیں عام لوگ حج پر گئے ہوئے تھے مدینہ بلوائیوں کے قبضے میں تھا چالیس دن تک محاصرہ رہا اور پھر حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے تین دن تک لاش دفن نہ ہوسکی اس کے بعد تدفین عمل میں آئی۔ بلوائیوں نے حضرت علی کو بیعت پر مجبور کیا اور ان کو خلیفہ بنادیا اور ان کی پناہ میں بیٹھ گئے یہ واقعہ ۳۵ھ میں پیش آیا۔

واقعہ جنگ جمل:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے حضرت زبیر اور حضرت طلحہ ناراض ہوئے اور مدینہ سے مکہ چلے گئے ادھر حضرت عائشہ حج پر گئی ہوئی تھیں اس نے جب دیکھا کہ مدینہ میں شورش ہے تو آپ نے مدینہ آنے کے بجائے بصرہ جانے کا فیصلہ کیا حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہ بھی بصرہ چلے گئے اور غیر ارادی طور پر وہاں مسلمانوں کا بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا حضرت علی نے خلافت کا مرکز کوفہ بنالیا اور لوگوں سے بیعت کا مطالبہ کیا لوگوں نے شہادت عثمان کے قاتلین سے قصاص کا مطالبہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم پہلے بیعت کرلو میرے ہاتھ مضبوط کرلو تاکہ میں ان بلوائیوں پر ہاتھ ڈال سکوں اس طرح حضرت عائشہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوجیں آمنے سامنے آ گئیں حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے بیچ میں آ کر افہام وتفہیم سے دونوں کو صلح پر آمادہ کیا اور طے ہوا کہ کل دونوں طرف سے صلح پر دستخط ہوں گے، منافقین مفسدین اور بلوائیوں نے جب صلح کے آثار دیکھ لئے تو رات کے وقت انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فوجوں پر حملہ کردیا ادھر سے جوابی کاروائی ہوئی اور جنگ جمل کے نام سے خونریز جنگ ہوئی جس میں طرفین کے تیرہ ہزار آدمی مارے گئے ان میں عشرہ مبشرہ کے دو صحابی بھی تھے حضرت علی

کی فوجیں غالب آئیں اور حضرت عائشہ کی افواج کو شکست ہوگئی۔ یہ واقعہ ۳۶ھ میں پیش آیا، حضرت عائشہ اپنے اونٹ پر سوار رہتی تھیں اس لئے یہ جنگ، جنگ جمل کے نام سے مشہور ہوگئی اس جنگ پر حضرت علی اور حضرت عائشہ دونوں زندگی بھر روتے رہے۔

واقعہ جنگ صفین:

اس جنگ سے جب حضرت علی فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت معاویہ کو پیغام بھیجا کہ میرے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلامی خلافت کے ماتحت آجاؤ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے اُنہوں نے بیعت کے لئے یہ شرط رکھی کہ قاتلین عثمان سے قصاص لو ہم عثمان کے وارث ہیں قصاص ہمارا حق ہے۔ حضرت علی نے فرمایا پہلے تم بیعت کرلو پھر قصاص کی بات کرو اور گورنری بھی چھوڑ دو، حضرت معاویہ نے دونوں باتوں سے انکار کردیا۔ حضرت علی نے کوفہ سے شام کی طرف افواج روانہ کیں ایک ماہ تک معمولی لڑائی ہوتی رہی مگر پھر جنگ رک گئی مصالحت کی کوشش کی گئی مگر ناکام ہوئی پھر یکم صفر ۳۷ھ میں دریائے فرات کے کنارے کے پاس مقام صفین میں باقاعدہ جنگ شروع ہوگئی مصالحت کی غرض سے تحکیم کا واقعہ بھی پیش آیا مگر جنگ بند نہ ہوسکی ستر ہزار آدمی مارے گئے اور علاقے کے اکثر حصے حضرت علی کے ہاتھ سے نکل کر حضرت معاویہ کے ہاتھ آگئے اس حدیث میں انہیں تین بڑے واقعات کی طرف اشارے کئے گئے ہیں۔

بہرحال میں نے جو کچھ لکھا ہے حدیث کے مفہوم سمجھانے کے لئے لکھا ہے یہ مشاجرات صحابہ ہیں ان میں خاموش رہنا جمہور علماء کا مسلک ہے جو میرا بھی مسلک ہے جو بہت بہتر ہے لیکن اس حدیث کے تاریخی اشارے سمجھانے ضروری تھے اس لئے کچھ لکھا۔ اللہ تعالیٰ میرے قلم کی حفاظت فرمائے۔

الفصل الثالث

﴿۳۰﴾ عَنْ اَبِیْ وَاقِدٍ اللَّیْثِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَرَجَ اِلٰى غَزْوَةِ حُنَيْنٍ مَرَّ بِشَجَرَةٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ كَانُوْا يُعَلِّقُوْنَ عَلَيْهَا اَسْلِحَتَهُمْ يُقَالُ لَهَا ذَاتُ اَنْوَاطٍ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِجْعَلْ لَنَا ذَاتَ اَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ اَنْوَاطٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ هٰذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰى اجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت ابوواقد لیثی سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ جب غزوۂ حنین کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کا گزر مشرکوں کے ایک درخت پر ہوا جس پر وہ (مشرک) اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے اور پوجا کے طور پر اس درخت کے گرد طواف

[1] اخرجه الترمذی: ۴/۴۷۵

کرتے اور تعظیماً اس کی طرف منہ کر کے بیٹھا کرتے تھے اس درخت کا نام ذات انواط تھا۔ (اسلام میں شامل نئے صحابہ نے اس درخت کو دیکھ کر) حضور سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمارے لئے بھی کوئی ایسا درخت مقرر کر دیجئے جس پر ہم اپنے ہتھیار لٹکایا کریں اور اس کو ذات انواط کہا کریں جیسا کہ مشرکوں نے اس درخت کو اپنے لئے ذات انواط بنا رکھا ہے اور اس پر ہتھیار لٹکاتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ سبحان اللہ! یہ بات تم ایسی کہہ رہے ہو جیسا کہ موسیٰ کی قوم نے کہا تھا کہ ہمارے لئے بھی ایک ایسا معبود بنا دیجئے (جیسا کہ کافروں کے معبود ہیں) تاکہ جس طرح وہ کافر اپنے بتوں کو پوجتے ہیں اسی طرح ہم اپنے اس بت کو پوجا کریں، پھر حضور نے بطور تنبیہ یہ فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم ان لوگوں کے راستہ پر چلنا شروع کرو گے جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ (ترمذی)

آپس کی جنگوں کی نحوست

﴿۳۱﴾ وَعَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ الْأُولٰى يَعْنِي مَقْتَلَ عُثْمَانَ فَلَمْ يَبْقَ مِنْ أَصْحَابِ بَدْرٍ أَحَدٌ ثُمَّ وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ الثَّانِيَةُ يَعْنِي الْحَرَّةَ فَلَمْ يَبْقَ مِنْ أَصْحَابِ الْحُدَيْبِيَةِ أَحَدٌ ثُمَّ وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ الثَّالِثَةُ فَلَمْ تَرْتَفِعْ وَبِالنَّاسِ طَبَاخٌ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسیب سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جب پہلا فتنہ واقع ہوا یعنی حضرت عثمان غنی کی شہادت کا سانحہ پیش آیا تو غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ میں سے کوئی باقی نہیں رہا پھر جب دوسرا فتنہ واقع ہوا یعنی حرہ کا واقعہ پیش آیا تو ان صحابہ میں سے کوئی باقی نہیں رہا جو صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے اور پھر جب تیسرا فتنہ واقع ہوا تو اس کا خاتمہ اس حالت میں نہیں ہوا تھا کہ لوگوں میں قوت اور فربہی باقی رہی ہو۔ (بخاری)

توضیح: "طباخ" قوت وطاقت، عقل اور مضبوطی کو طباخ کہتے ہیں یہاں عقلمند ہوشیار طبقہ کے ختم ہونے کی طرف اشارہ ہے یعنی اس تیسرے فتنہ کے بعد دنیا پر کوئی ایک صحابی باقی نہیں رہا۔ مطلب یہ ہے کہ آپس کی جنگوں کی نحوست کو دیکھو کہ پہلا فتنہ شہادت عثمان کا جب آیا تو جنگ بدر میں شریک صحابہ میں سے کوئی ایک نہیں رہا اور جب یزید کے دور میں واقعہ حرہ ہوا تو بیعت رضوان کے مبارک صحابہ میں سے کوئی نہیں رہا پھر جب تیسرا فتنہ حجاج بن یوسف اور حضرت عبداللہ بن زبیر کا آیا تو دنیا میں کوئی صحابی نہیں تھا۔ نالائق حکمرانوں کی وجہ سے اسلام کو بڑا نقصان پہنچا ہے۔[2]

وهل افسد الدين الا الملوك   واحبار سوء ورهبانها

[1] اخرجه البخاري: ۵/۱۱۰ [2] المرقات: ۴/۲۹۳

باب الملاحم

گھمسان کی جنگوں کا بیان

قال الله تعالیٰ: ﴿وتقوا فتنة لا تصيبن الذين منكم خاصة﴾ (انفال ۲۵) ۱

ملاحم ملحمة کی جمع ہے اور ملحمہ گھمسان کی جنگ اور شدید معرکہ کو کہتے ہیں جس میں دونوں فریق کے لوگوں کے جسم کا گوشت ایک دوسرے میں مل جائے نیز لحمہ کپڑے کے تانے بانے کے اختلاط کو بھی کہتے ہیں چونکہ گھمسان کی جنگ میں لوگ آپس میں گھتم گھتا ہوجاتے ہیں اس لئے شدید جنگ اور عظیم حادثہ کو ملحمہ کہتے ہیں۔ آنحضرت کے ناموں میں سے ایک نام نبی الملاحم بھی ہے یعنی گھمسان کی جنگوں والا نبی، کتاب الفتن سے باب الملاحم کو الگ ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کتاب الفتن میں فتنوں کا بیان بطور اجمال وابہام تھا کسی کا تعین نہیں تھا لیکن ملاحم میں باقاعدہ تعین ہے قبائل کا نام ہے جگہ کا ذکر ہے لہٰذا اس کو فتن سے الگ کر کے ذکر کیا گیا ہے۔ ۲

علامات قیامت پر تفصیلی نظر

یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک آنے والے چند اہم واقعات وعلامات کی طرف سرسری اور اجمالی اشارہ ہوجائے تاکہ احادیث کے تمام اجزاء اور سارے پہلو قارئین کے سامنے آجائیں۔ قیامت کی علامات دو قسم پر ہیں۔ ❶ علامات صغریٰ ❷ علامات کبریٰ۔ امام مہدی رضی اللہ عنہ کے ظہور تک قیامت کی علامات صغریٰ ہیں امام مہدی کے ظہور کے بعد نفخ صور تک قیامت کی علامات کبریٰ ہیں اور پھر قیامت ہے۔ اس باب کی پہلی حدیث میں قیامت کی علامات صغریٰ کا کچھ بیان موجود ہے اور دیگر احادیث میں بھی تفصیل ہے وہاں یہ بھی ہے کہ دنیا میں باطل نظریات عام ہوجائیں گے، عیسائیت کا بہت سارے ملکوں پر غلبہ ہوجائے گا پھر کچھ عرصہ بعد ابوسفیان کے نام سے ایک شخص پیدا ہوجائے گا جو سادات کا قتل عام کرے گا پھر مسلمان بادشاہ عیسائیوں کے ایک فریق سے صلح کرلے گا اور دوسرے سے لڑائی لڑے گا۔ عیسائی فرقہ بھی مسلمان بادشاہ سے مل کر عیسائیوں کے مخالف دھڑے سے لڑے گا ان سب کو فتح حاصل ہوجائے گی۔ فتح کے بعد عیسائی نعرہ لگائیں گے کہ صلیب کی برکت سے فتح حاصل ہوگئی ہے اور مسلمان نعرہ لگادیں گے کہ اسلام وایمان کی برکت سے فتح حاصل ہوگئی ہے چنانچہ اس بات پر خانہ جنگی شروع ہوجائے گی جس میں مسلمانوں کا بادشاہ شہید ہوجائے گا عیسائیوں کے دونوں فریق ایک ہوجائیں گے اور عیسائی حکومت خیبر تک پھیل جائے گی اس وقت لوگ حضرت مہدی کی تلاش میں لگ جائیں گے حضرت مہدی اس وقت مدینہ میں ہوں گے مگر چھپنے کی غرض سے وہاں سے مکہ

۱ انفال ۲۵ ۲ المرقات: ۹/۲۹۴

آ جائیں گے تا کہ لوگ اُنھیں امیر اور قائد نہ بنائیں اس دوران کچھ لوگ مہدی ہونے کے جھوٹے دعوے کریں گے تاہم مکہ مکرمہ میں مقام ابراہیم اور حجر اسود کے درمیان لوگ حضرت مہدی کو پالیں گے اور ایک جماعت حضرت مہدی کے ہاتھ پر بیعت کرلے گی آسمان سے آواز آئے گی

"هذا خليفة الله المهدی فاستمعوا له واطيعوه"

شکل وشباہت کے اعتبار سے حضرت مہدی حضور اکرم ﷺ کے مشابہ ہوں گے اس کے بعد شام، یمن اور حجاز مقدس کے ابدال اور اولیاء اللہ حضرت مہدی کے لشکر میں شامل ہوجائیں گے کعبہ کے پاس سے خزانے نکال کر افواج اسلامیہ پر تقسیم کئے جائیں گے، لشکر جرار تیار ہوجائے گا۔ خروج مہدی کا سن کر خراسان سے ایک شخص اپنی فوج لے کر حضرت مہدی کی مدد کے لئے مکہ مکرمہ آجائے گا اس شخص کا نام منصور ہوگا یہ شخص اپنی فوج کی کمان سنبھال کر جب مکہ کی طرف چل پڑے گا تو راستے میں عیسائیوں سے جنگ ہوجائے گی یہ شخص عیسائیوں کا صفایا کرتا ہوا آئے گا، اہل بیت اور سادات کا دشمن شخص سفیانی ایک بڑا لشکر تیار کر کے حضرت مہدی کے مقابلے پر بھیج دے گا مگر یہ لشکر مکہ و مدینہ کے درمیان زمین میں دھنس جائے گا صرف دو آدمی بچ جائیں گے ایک تو سفیانی کو جا کر اطلاع کر دے گا اور دوسرا حضرت مہدی کو اطلاع دے گا۔ حضرت مہدی کے ساتھ عرب وعجم کے لوگوں کے اجتماع کا سن کر عیسائی بھی شام اور روم سے لشکر جرار تیار کر کے حضرت مہدی کے مقابلے کے لئے شام میں اکٹھے ہوجائیں گے رومی افواج میں اس وقت اسی ۸۰ جھنڈے ہوں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار لشکر ہوگا لشکر کی مجموعی تعداد نولاکھ ساٹھ ہزار ہوگی۔ حضرت مہدی براستہ مدینہ منورہ اپنے لشکروں کے ساتھ دمشق پہنچ جائیں گے اور وہاں سرزمین شام پر عیسائیوں سے سخت جنگ شروع ہوجائے گی لشکر اسلام تین حصوں پہ منقسم ہوجائے گا ایک حصہ میدان چھوڑ کر بھاگ جائے گا جس کی توبہ قبول نہیں ہوگی دوسرا حصہ شہید ہوجائے گا اور تیسرا حصہ مسلسل لڑتا ہوا چار دن کی لڑائی کے بعد عیسائیوں پر غالب آجائے گا عیسائیوں کا قتل عام ہوجائے گا اور حضرت مہدی ان کا خوب تعاقب کریں گے۔

جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت مہدی اپنے لوگوں پر مال غنیمت تقسیم کریں گے مگر کوئی آدمی مال غنیمت پر خوش نہیں ہوگا کیونکہ کوئی گھر ایسا نہیں ہوگا جس کا کوئی آدمی شہید نہیں ہوا ہوگا پورے خاندان میں سے ایک آدمی بچا ہوگا تو وہ مال غنیمت کے ساتھ کیا کرے گا۔ حضرت مہدی داخلی نظم ونسق سنبھال کر قسطنطنیہ کی طرف متوجہ ہوجائیں گے بحیرۂ روم کے پاس بنو اسحاق کے ستر ہزار آدمی مسلمان ہوکر حضرت مہدی کے لشکر میں شامل ہوجائیں گے اور پھر کشتیوں میں سوار ہوکر شہر استنبول جس کا پرانا نام قسطنطنیہ ہے کو آزاد کرنے کے لئے چلے جائیں گے شہر کی مضبوط فصیل کے سامنے مسلمان نعرۂ تکبیر بلند کردیں گے جس کی وجہ سے فصیل ٹوٹ جائے گی اور مسلمان قسطنطنیہ شہر میں داخل ہوجائیں گے، حضرت مہدی کی خلافت کے اس وقت سات سال پورے ہوچکے ہوں گے کہ اتنے میں افواہ پھیل جائے گی کہ دجال کا خروج ہوگیا ہے حضرت مہدی جلدی جلدی واپس شام کی طرف آجائیں گے اور نو آدمیوں کو اس خبر کی تحقیق کے لئے روانہ کردیں گے یہ لوگ

بہترین لوگ ہوں گے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں ان کو جانتا ہوں کہ کس قبیلے کے لوگ ہیں اوران کے باپوں کے نام کیا کیا ہیں اور گھوڑوں کے رنگ کیا ہیں یہ لوگ تحقیق کرلیں گے لیکن معلوم ہوجائے گا کہ یہ افواہ تھی اور دجال کے متعلق یہ خبر غلط تھی مگر کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا کہ اچانک دجال کا خروج ہوجائے گا۔ دجال مشرق کی جانب سے نکلے گا اور ایران کے شہر اصفہان میں آ کر نمودار ہوجائے گا اصفہان کے ستر ہزار یہودی اس سے آ کر مل جائیں گے، پہلے وہ نبوت کا دعویٰ کرے گا پھر اصفہان میں آ کر خدائی کا دعویٰ کریگا دجال کے ایک ہاتھ میں اس کی جنت اور دوسرے میں اس کی دوزخ ہوگی تمام دنیوی اسباب سے لیس ہوگا اور استدراج سے بھرپور فائدہ اُٹھائے گا اس کی پیشانی پر ''ک ف ر'' لکھا ہوگا جس کو مسلمان پڑھ لے گا یعنی کافر لکھا ہوگا اس کے پاس بڑا استدراج ہوگا، مخالفین کا دانہ پانی بند کرے گا، خروج دجال سے پہلے تین سال تک قحط آ چکا ہوگا، لوگ محتاج ہوں گے دجال اس حالت سے خوب فائدہ اُٹھائے گا اس کے ساتھ زمین کے سارے خزانے ساتھ ساتھ چلتے رہیں گے، دوستوں پر بارش برسائے گا مخالفین پر سب کچھ بند کرے گا، دنیا کے بہت سارے ممالک پر چکر لگائے گا صرف مکہ اور مدینہ نہیں جاسکے گا وہاں سے فرشتے اس کو بھگادیں گے یہ پھر شام کی طرف متوجہ ہوگا وہاں مہدی جنگی تیاریوں میں مصروف ہونگے۔ عصر کی اذان ہوچکی ہوگی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ ڈالے ہوئے آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی مینار پر جلوہ افروز ہوجائیں گے اور سیڑھی منگا کر نیچے آجائیں گے اور پھر حضرت مہدی سے ملاقات ہوجائے گی حضرت مہدی ان کو نماز پڑھانے کا کہیں گے اور فوجی کمان سنبھالنے کی درخواست بھی کریں گے مگر وہ انکار کریں گے اور کہیں گے کہ امامت اس امت کے ہاتھ میں ہوگی، میں صرف دجال کو مارنے کے لئے آیا ہوں۔

جمعہ کے دن نماز عصر کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال پر حملہ کردیں گے اور لشکر اسلام دجال کے لشکر پر حملہ آور ہوجائے گا شدید جنگ کے بعد دجال شکست کھا کر بھاگ جائے گا حضرت عیسیٰ اس کا تعاقب کریں گے اور باب لُد میں جا کر اس کو نیزہ مار کر قتل کردیں گے، باب لُد میں آج کل اسرائیل کا ایک ایسا ائیرپورٹ ہے جو صرف دجال کے بچاؤ کے لئے بنایا گیا ہے وہاں جہاز تیار کھڑا ہے تاکہ ضرورت کے وقت دجال بھاگ جائے مگر وہاں دجال مارا جائے گا، اس کے بعد یہودیوں کا قتل عام شروع ہوجائے گا، کوئی پتھر یا درخت کسی یہودی کو پناہ نہیں دے گا بلکہ شکایت کرے گا کہ اے مسلمان آجا! یہ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا بیٹھا ہے اس کو ماردے صرف غرقد نامی درخت شکایت نہیں کرے گا کیونکہ یہ یہود کا وفادار درخت ہے آج کل یہودیوں نے اسرائیل کو اس درخت سے بھردیا ہے لیکن مسلمان اندھے نہیں ہوں گے اگر غرقد درخت شکایت نہ بھی کرے مسلمانوں کو آنکھوں سے یہودی نظر آئیں گے اوران کو قتل کریں گے۔ دنیا پر دجال کی چالیس دن تک حکومت رہے گی اس میں ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا دوسرا ایک ماہ کے برابر ہوگا تیسرا ایک ہفتے کے برابر ہوگا اور باقی ایام معمول کے مطابق ہوں گے، دجال ایک گدھے پر سوار ہو کر پوری دنیا کا چکر لگائے گا، ہوسکتا ہے حقیقی گدھا ہو اور ہوسکتا ہے کہ جدید دور کا کوئی جہاز ہو، اس سے پہلے تفصیل کرچکا ہوں، بہرحال جب دجال کا فتنہ ختم ہوجائے گا تو حضرت عیسیٰ اور

مہدی دونوں مل کر ان شہروں کا دورہ کریں گے اور مصیبت رسیدہ لوگوں میں مال تقسیم کریں گے جن شہروں میں دجال نے فساد برپا کیا تھا، امام مہدی کی خلافت میں عدل وانصاف ہوگا۔ مہدی کی حکومت نو سال تک رہے گی سات سال تک عیسائیوں سے جنگیں ہوں گی اور آٹھویں سال میں دجال کا فتنہ ہوگا اور نویں سال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مل کر ملکی انتظام ٹھیک کریں گے اور ۴۹ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہو جائے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی نماز جنازہ پڑھادیں گے اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام خلیفہ بن جائیں گے کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ کو وحی ہو جائے گی کہ اپنے تمام مسلمانوں کو لے کر کوہ طور پر جا کر پناہ لے لو اس لئے کہ میں اپنی مخلوق میں سے ایک طاقتور مخلوق ظاہر کرنے والا ہوں جس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔

حضرت عیسیٰ تمام مسلمانوں کے ساتھ وہاں جا کر قلعہ بند ہو جائیں گے اور ادھر زمین پر یاجوج ماجوج کا خروج ہو جائے گا یاجوج ماجوج یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں اور روس کے پیچھے کوہ قاف کے پاس کاکیشیا کے ساتھ درۂ داریال کے علاقوں میں سد سکندری کے پیچھے بند ہیں یاجوج ماجوج زمین پر نکل کر اسکو چاٹ لیں گے پانی ختم ہو جائے گا زمین کے جانداروں کو ختم کر کے کھا جائیں گے اور پھر آسمان کی طرف پتھر پھینکیں گے اور خوش ہو جائیں گے کہ اب ہم نے آسمان والوں کو بھی ختم کر دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسلمانوں پر زندگی اتنی تنگ ہو جائے گی کہ گائے کا ایک کلہ ایک سو دینار میں فروخت ہوگا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام یاجوج ماجوج پر بددعا کریں گے جس سے وہ سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ آئندہ باب میں یاجوج ماجوج کی تفصیل آرہی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں چالیس سال تک زندہ رہیں گے پھر ان کا فوراً انتقال ہو جائے گا اور مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہوں گے حضرت عیسیٰ کے بعد یمن کا ایک باشندہ آپ کا قائم مقام ہو جائے گا جس کا نام جہجاہ ہوگا وہ دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا اور پھر وفات پائے گا پھر کچھ غلط بادشاہ آجائیں گے اور دنیا ایک بار پھر جہل اور کفر سے بھر جائے گی اور زمین کے دھنسنے کے واقعات شروع ہو جائیں گے پھر دنیا پر چالیس دن تک دھواں چھایا رہے گا اور پھر ایک رات لمبی ہو جائے گی لوگ پریشان ہو جائیں گے کہ صبح کیوں نہیں ہو رہی ہے اتنے میں سورج مغرب کی جانب سے طلوع ہو جائے گا لوگ اسی پریشانی میں ہوں گے کہ اچانک دابۃ الارض کا خروج ہو جائے گا دابۃ الارض کوہ صفا سے نکل کر آئے گا یہ ایک عجیب الخلقت جانور کی شکل میں ہوگا مسلمان کی پیشانی پر ''م'' لکھے گا اور کافر کی پیشانی پر ''ک'' لکھے گا مسلمان پر عصائے موسیٰ سے سفید نورانی نشان پڑ جائے گا اور کافر پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی سے سیاہ نشان بن جائے گا۔ دابۃ الارض کے خروج سے نفخ صور تک ۱۲۰ سال کا عرصہ ہوگا پھر جنوب کی طرف سے ایک ہوا چلے گی جس سے پہلے نیک لوگ مر جائیں گے اور بعد میں برے لوگ مر جائیں گے مسلمانوں کے مر جانے سے حبش کے لوگ غلبہ حاصل کر دیں گے اور فتنہ وفساد شروع کر لیں گے اسی دوران وہ کعبہ مشرفہ کو گرادیں گے اور اس کے نیچے سے خزانہ لوٹ لیں گے اس کے بعد جنوب کی طرف سے ایک بڑی آگ آجائے گی اور لوگوں کو شام کی طرف بھگانے لگ جائے گی

یہ قیامت کی آخری بڑی علامت ہوگی۔ اس کے بعد تین چار سال تک لوگ عیش وعشرت کی زندگی گزاریں گے اور مکمل غافل ہوجائیں گے اللہ اللہ کہنے والا دنیا میں کوئی نہیں ہوگا پھر ایک دن جمعہ کے روز دس محرم کو لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے کہ سائرن کی آواز شروع ہوجائے گی یہ آواز بڑھتی جائے گی یہاں تک کہ لوگوں کے کانوں کے پردے پھٹ جائیں گے اور پھر دل پھٹ جائیں گے لوگ مرجائیں گے پھر زمین میں زلزلہ شروع ہوجائے گا اور پھر آسمان ٹوٹ پھوٹ کر گرجائیں گے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر اڑجائیں گے اور سمندر اُبل کر جوش ماریں گے حتی کہ یہ موجودہ کائنات بالکل فنا ہوجائے گی اور قیامت قائم ہوجائے گی آنے والی کئی کئی حدیثوں کی شرح وتوضیح اس تفصیل سے ہوگئی ہے اس پر ہر پڑھنے والے کو شکرادا کرنا چاہئے۔

مورخہ ۳۰ جمادی الاول ۱۴۱۸ھ

الفصل الاول

قیامت کی بارہ علامات

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ عَظِیْمَتَانِ تَکُوْنُ بَیْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِیْمَةٌ دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ وَحَتّٰی یُبْعَثَ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ قَرِیْبٌ مِّنْ ثَلٰثِیْنَ کُلُّهُمْ یَزْعَمُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَحَتّٰی یُقْبَضَ الْعِلْمُ وَیَکْثُرَ الزَّلَازِلُ وَیَتَقَارَبَ الزَّمَانُ وَیَظْهَرَ الْفِتَنُ وَیَکْثُرَ الْهَرْجُ هُوَ الْقَتْلُ وَحَتّٰی یَکْثُرَ فِیْکُمُ الْمَالُ فَیَفِیْضَ حَتّٰی یُهِمَّ رَبَّ الْمَالِ مَنْ یَّقْبَلُ صَدَقَتَهٗ وَحَتّٰی یَعْرِضَهٗ فَیَقُوْلُ الَّذِیْ یَعْرِضُهٗ عَلَیْهِ لَا اَرَبَ لِیْ بِهٖ وَحَتّٰی یَتَطَاوَلَ النَّاسُ فِی الْبُنْیَانِ وَحَتّٰی یَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ فَیَقُوْلُ یَالَیْتَنِیْ مَکَانَهٗ وَحَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَاِذَا طَلَعَتْ وَرَاٰهَا النَّاسُ اٰمَنُوْا اَجْمَعُوْنَ فَذٰلِكَ حِیْنَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَکُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ کَسَبَتْ فِیْ اِیْمَانِهَا خَیْرًا وَلَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ نَشَرَ الرَّجُلَانِ ثَوْبَهُمَا بَیْنَهُمَا فَلَا یَتَبَایَعَانِهٖ وَلَا یَطْوِیَانِهٖ وَلَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَقَدِ انْصَرَفَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ لِقْحَتِهٖ فَلَا یَطْعَمُهٗ وَلَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَهُوَ یَلِیْطُ حَوْضَهٗ فَلَا یَسْقِیْ فِیْهِ وَلَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ اُکْلَتَهٗ اِلٰی فِیْهِ فَلَا یَطْعَمُهَا۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ) [1]

[1] اخرجه البخاری: ۹/۷۳ ومسلم: ۸/۱۸۹

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ دو بڑے گروہ آپس میں نہ لڑیں گے، ان دونوں گروہوں کے درمیان زبردست قتل وقتال ہوگا اور دونوں کا ایک ہی دعویٰ ہوگا (اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی) جب تک بڑے زبردست مکار فریبی اور فسادی لوگ پیدا نہ ہوجائیں گے جو خدا اور رسول پر جھوٹ بولیں ان کی تعداد تیس کے قریب ہوگی اور ان میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ ہوگا کہ وہ خدا کا رسول ہے۔ اور جب تک علم اٹھا نہ لیا جائیگا۔ اور جب تک زلزلوں کی کثرت نہ ہوجائے گی، اور جب تک زمانہ قریب نہ ہوجائے گا اور فتنوں کا ظہور نہیں ہونے لگے گا اور ہرج یعنی قتل وقتال اور لوٹ مار کے واقعات میں اضافہ نہ ہوجائیگا۔ اور جب تک کہ تمہارے پاس مال ودولت کی اتنی کثرت نہیں ہوجائے گی کہ مالدار شخص خیرات لینے والے کی وجہ سے قلق اور پریشانی میں مبتلا ہوجائے گا یہاں تک کہ وہ مالدار جس شخص کے سامنے صدقہ خیرات کا مال پیش کریگا وہ یہ کہے گا کہ مجھے تمہارے اس صدقہ کی ضرورت وحاجت نہیں ہے۔ اور جب تک کہ لوگ وسیع اور لمبی چوڑی عمارتوں کے بنانے پر فخر نہ کرنے لگیں گے اور جب تک کہ آدمی کسی قبر کے پاس سے گزرتا ہوا یہ نہ کہنے لگے گا کہ کاش! میں اس کی جگہ ہوتا۔ اور جب تک کہ آفتاب مغرب کی طرف سے طلوع نہ ہوگا۔ چنانچہ جب آفتاب مغرب کی طرف سے نکلے گا اور لوگ اس کو دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے۔ پس یہ وہ وقت ہوگا جب کسی بھی ایسے شخص کو اس وقت اس کا ایمان لانا نفع نہ دے گا جس نے اس دن سے پہلے ایمان قبول نہیں کیا ہوگا اور نہ کسی شخص کو اسوقت اپنے ایمان کی حالت میں نیک کام کرنا فائدہ پہنچائے گا اگر اس نے اس دن سے پہلے نیک کام نہیں کیا ہوگا اور اس میں شک نہیں کہ قیامت اس طرح قائم ہوگی کہ دو شخصوں نے (اپنا کپڑا خرید وفروخت کے لئے) کھول رکھا ہوگا اور وہ نہ اس کی خرید وفروخت کر چکے ہوں گے اور نہ اس کو لپیٹ کر رکھ سکے ہوں گے کہ اسی حالت میں قیامت آجائے گی۔ اور بلاشبہ قیامت اس طرح قائم ہوگی کہ ایک شخص اپنی اونٹنی کے دودھ کے ساتھ واپس آیا ہوگا اور اس دودھ کو پینے نہ پایا ہوگا کہ قیامت آجائے گی اور بلاشبہ قیامت اس طرح قائم ہوگی کہ ایک شخص اپنے حوض کو لیپتا اور پوتتا ہوگا (یعنی اپنے جانوروں کو پانی پلانے کے لئے کوئی کنڈ وغیرہ بناتا یا اس کو درست کرتا ہوگا) اور وہ اپنے جانوروں کو اس حوض سے پانی نہ پلانے پایا ہوگا کہ قیامت آجائیگی اور بلاشبہ قیامت اس طرح قائم ہوگی کہ ایک شخص نے منہ میں رکھنے کے لئے لقمہ اٹھایا ہوگا اور وہ اس لقمہ کو کھانے نہ پایا ہوگا کہ قیامت آجائیگی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: **"فئتان عظیمتان"** یعنی مسلمانوں کی دو بڑی جماعتیں لڑیں گی۔ اس سے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ مراد ہے جو صفین کے مقام میں لڑی گئی ہے جو کئی ماہ تک جاری رہی تھی۔ جس میں طرفین کے ستر ہزار یا نوے ہزار آدمی مارے گئے تھے، کتاب الفتن کی حدیث نمبر ۲۹ کے تحت پوری تفصیل لکھی جاچکی ہے۔ [۱]

"دعواھما واحدۃ" یعنی دونوں اسلام کے دعویدار ہوں گے یا یہ کہ دونوں اپنے آپ کو حق پر سمجھیں گے اور برحق ہونے کا دعویٰ کریں گے۔ [۲] **"دجالون"** دجال مبالغہ کا صیغہ ہے بہت بڑے دھوکہ باز، فراڈی آدمی کو کہتے ہیں [۳] **"قریب من ثلاثین"** دوسری روایتوں میں تیس کے عدد کا ذکر ہے تو اس میں کوئی تعارض نہیں ہے، پہلے وحی کے ذریعہ سے ایک

[۱] المرقات: ۹/۲۹۵ [۲] المرقات: ۹/۲۹۵ [۳] المرقات: ۹/۲۹۵

عدد بتایا گیا پھر وحی ہی کے ذریعہ سے اس میں اضافہ ہوا جس طرح وحی نے بتایا آنحضرت ﷺ نے ایسا ہی بیان فرمادیا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ستر کے عدد کا ذکر ہے تو اس کو کثرت پر حمل کیا جا سکتا ہے کہ کوئی تعیین نہیں بلکہ تکثیر کی طرف اشارہ ہے یا زیادہ بہتر جواب یہ ہے کہ تیس دجال تو وہ بڑے سرغنے ہوں گے جو نبوت کا باقاعدہ دعویٰ کریں گے ان کے علاوہ چھوٹے چھوٹے ہوں گے وہ نبوت کا دعویٰ نہیں کریں گے۔ [۱]

"یقبض العلم" یعنی علم دین اور علم شریعت اُٹھالیا جائے گا اس کی صورت یہ ہوگی کہ بڑے بڑے علماء موت کے ذریعہ سے اُٹھالئے جائیں گے۔ [۲] "یتقارب الزمان" یعنی زمانہ قیامت کے قریب ہوجائے گا یہ ایک مطلب ہے دوسرا مطلب یہ ہے کہ مسافتیں قریب ہوجائیں گی۔ سال کا پیدل سفر دو گھنٹوں میں جہاز میں ہوا کرے گا یا مطلب یہ ہے کہ سال ماہ کی جگہ آجائے گا مہینہ ہفتہ کی جگہ اور ہفتہ دن کی جگہ اور دن ایک چنگاری کی جگہ آجائے گا ایک حدیث میں یہی تفصیل ہے۔ [۳] "یهم" یہ باب افعال سے اہتمام اور سوچ وفکر اور پریشانی کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ صاحب مال صدقہ کرنے کی کوشش کرے گا مگر کوئی قبول کرنے والا نہیں ملے گا بظاہر یہ خوشحالی کا زمانہ حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ہے، کثرت وبرکت اموال کی وجہ سے یہ خوشحالی ہوگی یا عدم حرص اور مال کی بے رغبتی کی وجہ سے ایسا ہوگا۔ [۴]

''یتطاول'' یعنی لوگ بلاضرورت محلات اور بلند عمارتوں میں ایک دوسرے پر فخر ومباہات اور تکبر کریں گے خصوصاً وہ طبقہ جو بکریوں کا چرانے والا تھا ان میں یہی مقابلہ ہوگا کہ کس کا محل کتنا بلند ہے، جزیرۂ عرب اور پھر سعودی عرب اور حرمین میں اس کا زیادہ نظارہ دیکھا جا سکتا ہے۔ [۵]

"مکانه" یعنی زندہ آدمی یہ تمنا کرے گا کہ کاش اس قبر میں اس مردہ کی جگہ میں ہوتا یہ دین کی پریشانی کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ صرف دنیا کی پریشانی ہوگی اور ظاہری آفتوں سے تنگ آکر یہ تمنا کرے گا۔ [۶] "نشر الرجلان" یعنی دکان میں بیٹھے ہوئے بائع اور مشتری دونوں نے کپڑا پھیلایا ہوگا کہ اچانک قیامت شروع ہوجائے گی۔ [۷] "یلیط" لاط یلیط لپائی اور پلستر کرنے کو کہتے ہیں یعنی گھر کا مالک اس لپائی میں لگا ہوگا کہ قیامت آجائے گی۔ [۸]

قیامت سے پہلے ترکوں سے جنگ ہوگی

﴿۲﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوْا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعْرُ وَحَتّٰى تُقَاتِلُوْا التُّرْكَ صِغَارَ الْاَعْيُنِ حُمْرَ الْوُجُوْهِ ذُلْفَ الْاُنُوْفِ كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۹]

---

[۱] المرقات: ۹/۲۹۵ [۲] المرقات: ۹/۲۹۵، ۲۹۶ [۳] المرقات: ۹/۲۹۶ [۴] المرقات: ۹/۲۹۶ [۵] المرقات: ۹/۲۹۷

[۶] المرقات: ۹/۲۹۶ [۷] المرقات: ۹/۲۹۸ [۸] المرقات: ۹/۲۹۸ [۹] اخرجه البخاری: ۴/۵۲ ومسلم: ۸/۱۸۳

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک تم اس قوم سے جنگ نہ کرلو گے جن کی پاپوشیں بالوں والے چمڑے کی ہوں گی اور جب تک تم ترکوں سے جنگ نہ کرلو گے جن کی آنکھیں چھوٹی، چہرے سرخ اور ناکیں بیٹھی ہوئی ہوں گی، گویا ان کے منہ چمڑے کی تہ بہ تہ ڈھال کی طرح ہوں گے۔

(بخاری ومسلم)

توضیح: "**نعالهم الشعر**" یعنی ان کے جوتے بال والے چمڑے کے بنے ہوئے ہوں گے مطلب یہ ہے کہ کچی کھال کے بنے ہوئے جوتے ہوں گے۔[1] "**الترك**" یعنی لامحالہ ترکوں سے جنگ ہوگی اس سے مراد یافث کی اولاد ہیں ان کے مورث اعلیٰ کا نام ترک تھا اس لئے ان کو ترک کہا گیا یا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ سد سکندری سے باہر چھوڑ دیئے گئے ہیں اور انہیں کا ایک بالکل وحشی حصہ یاجوج ماجوج کے نام سے سد سکندری کے اندر بند کیا گیا ہے اور جو حصہ باہر رہ گیا اس کو ترک کہا گیا مراد وہی منگولین اور تاتاری ہیں تفصیل گذر چکی ہے۔[2]

"**صغار الاعین**" ترکوں کی آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں اور سرخ چہرے ہوتے ہیں۔[3] "**ذلف الانوف**" یعنی ان کی ناکیں چپٹی ہوئی ہوں گی، بیٹھی ہوئی ہوں گی یا پتلی ناک جو پست اور عریض ہوں موجودہ ترکوں میں ناک والی یہ صفت اگرچہ کم ہے مگر پائی جاتی ہے علماء نے اس اعتراض کو یوں دفع کیا ہے کہ ترکوں کے کئی قبائل ہیں یعنی کل ۲۲ قبائل ہیں ۲۱ پر سد سکندری حاوی ہے تو بہت ممکن ہے کہ کچھ قبائل اس صفت پر ہوں۔ چین کے لوگوں کی ناکوں کی یہی صفت ہے تو چین کے لوگ بھی وہیں سے بھاگے ہوئے ہیں جو اصل میں ترک نسل سے جا ملتے ہیں۔[4] "**المجان**" مجن کی جمع ہے میم پر زیر ہے جیم پر شد ہے ڈھال کو کہتے ہیں یعنی ان کے چہرے ڈھال کی طرح گول مول ہوں گے گوشت سے بھرے ہوئے ہوں گے۔[5]

"**المطرقة**" طراق ڈھال کی تہوں کو کہتے ہیں جو اوپر نیچے ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی ہوتی ہیں اور چمڑے کی ہوتی ہیں، میم پر ضمہ ہے طا ساکن ہے را پر فتحہ ہے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب افعال سے اسم مفعول کا صیغہ بتایا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے چہرے گوشت سے اس طرح بھرے ہوئے ہوں گے گویا کسی نے ہتھوڑے مار مار کر گوشت کو اوپر نیچے کوٹ کوٹ کر بھرا ہو جیسا کہ ڈھال کی اوپر نیچے تہیں ہوتی ہیں گویا چہرہ نہیں ہے ڈبل روٹی ہے! گولائی، چوڑائی اور موٹاپے میں ڈھال سے تشبیہ دی گئی ہے یہ صفت بھی آج کل چین والوں میں پائی جاتی ہے اس سے یا تو چنگیز خان یا ہلاکو خان کے فتنے ہیں جو گذر گئے ہیں یا آیندہ آنے والے کچھ فتنے ہوں گے گویا یہ انسان نما درندے اور جانور ہیں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے شر و فساد کی طرف اشارہ ہے گویا خود غرضی کے چہرے ہیں، اللہ قیامت تک ہمیں یہ چہرے نہ دکھائے!! (مرقات)[6]

[1] المرقات: ۹/۲۹۹ [2] المرقات: ۹/۲۹۹ [3] المرقات: ۹/۲۹۹ [4] المرقات: ۹/۲۹۹ [5] المرقات: ۹/۲۹۹ [6] المرقات: ۹/۲۹۹

﴿۳﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوْا خُوْزًا وَكِرْمَانَ مِنَ الْاَعَاجِمِ حُمْرَالْوُجُوْهِ فُطْسَ الْاُنُوْفِ صِغَارَ الْاَعْيُنِ وُجُوْهُهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ نِعَالُهُمُ الشَّعْرُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهُ عَنْ عَمْرِوابْنِ تَغْلِبَ عِرَاضَ الْوُجُوْهِ۔[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ تم خوز اور کرمان کے لوگوں سے جو کہ اہل عجم میں سے ہیں جنگ نہ کرلو گے، ان لوگوں کے چہرے سرخ، ناک بیٹھی ہوئی اور آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہوں گی اور چہرے اس طرح کے ہوں گے جیسے تہ بہ تہ چمڑے کی ڈھال ہوتی ہے اور ان کی پاپوشیں بالدار چمڑے کی ہوں گی۔ (بخاری) اور بخاری کی ایک اور روایت میں جو عمرو ابن تغلب سے منقول ہے یہ الفاظ ہیں کہ ان کے چہرے چوڑے چکلے ہوں گے۔

توضیح: "خوزاً" اس سے خوزستان کے لوگ مراد ہیں۔[2] "کرمان" ایران کے مشہور شہر کا نام کرمان ہے یہاں کرمان کے لوگ مراد ہیں، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان عجمیوں سے ترک لوگ مراد ہیں اگرچہ یہ مشہور نہ ہوں وجہ یہ ہے کہ یہ صفات وہی ہیں جو ترکوں میں پائی جاتی ہیں ان سے یا جنگ ہوچکی ہے یا آیندہ ہوگی۔[3] "فطس الانوف" چپٹی ناکوں والے لوگ وہی ہیں جن کو ذلف الانوف سے یاد کیا گیا ہے دونوں کا معنی ایک ہے۔[4]

نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت ایک ایک یہودی کو قتل کیا جائے گا

﴿۴﴾وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُوْنَ الْيَهُوْدَ فَيَقْتُلُهُمُ الْمُسْلِمُوْنَ حَتّٰى يَخْتَبِئَ الْيَهُوْدِيُّ مِنْ وَّرَاءِ الْحَجَرِوَالشَّجَرِ فَيَقُوْلُ الْحَجَرُ وَالشَّجَرُ يَامُسْلِمُ يَاعَبْدَاللّٰهِ هٰذَايَهُوْدِيٌّ خَلْفِيْ فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ اِلَّا الْغَرْقَدُ فَاِنَّهٗ مِنْ شَجَرِ الْيَهُوْدِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک مسلمان یہودیوں سے نہ لڑیں گے چنانچہ مسلمان یہودیوں کو بڑی مار ماریں گے یہاں تک کہ یہودی پتھر اور درخت کے پیچھے چھپتا پھرے گا اور وہ پتھر و درخت یہ کہے گا کہ اے مسلمان! اے خدا کے بندے! ادھر آ! میرے پیچھے یہودی چھپا بیٹھا ہے اس کو مار ڈال مگر درخت غرقد (ایسا نہ کہے گا) کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔ (مسلم)

توضیح: "هذا يهودی" یعنی حجر و شجر شکایت کرے گا کہ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے اس کو قتل کیا جائے

[1] اخرجه البخاري: ۴/۲۳۸ [2] المرقات: ۹/۳۰۰ [3] المرقات: ۹/۳۰۰ [4] المرقات: ۹/۳۰۰ [5] اخرجه مسلم: ۸/۱۸۸

یہودیوں کا دنیا سے یہ صفایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوگا کیونکہ اس وقت کسی کافر کو ذمی رکھنا ختم ہو جائے گا، جزیہ ختم ہو جائے گا یا اسلام ہوگا یا موت ہوگی۔ یہود و نصاریٰ پر واضح ہونا چاہیے کہ ہمارے نبی محمد ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں دیکھو! ان کے دور میں کافر کو برداشت کیا جاتا ہے ذمیت اور جزیہ کی ادائیگی کے بعد زندہ رکھا جاتا ہے۔ جب کافر اس رحمت کو شدت قرار دیں گے تو ان پر ایسا دور بھی آئے گا کہ یہ منت کریں گے کہ ہمیں ذمی رکھو، جزیہ لو اور جان بچاؤ مگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ اب کسی یہودی اور کافر کو زندہ برداشت نہیں کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کو جانوروں میں خنزیر بہت مبغوض ہے اور انسانوں میں یہودی بہت مبغوض ہیں یہودیوں نے ایک دن میں کئی کئی انبیاء کو شہید کر ڈالا ہے یہاں اس حدیث کے بیان میں دیکھو کہ یہود نا بہبود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ دیا حضرت مہدی کو چھوڑ دیا اور ان کے مقابلے میں دجال کا ساتھ دیا جس نے الوہیت کا دعویٰ بھی کیا اور فساد بھی کیا۔ لہٰذا جو حشر یہود کا ہوا، بہت ہی اچھا ہوا یہ یہود کا ایک اور ہولو کاسٹ ہوگا۔

عجائب قدرت کو دیکھئے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حملہ کیا اور گھر میں بند کیا اور اپنے خیال میں ان کو مار ڈالا گویا یہود نے عیسائیوں کے خدا کو مارنے کی کوشش کی مگر مسلمانوں کے خدا نے اسے بچا لیا اور آسمانوں پر محفوظ رکھا جب وہ زمین پر اُتر آ گیا تو اُنہوں نے یہودیوں کے خدا دجال کو قتل کر دیا تعجب ہے کہ اب یہ لوگ آپس میں دوست ہیں مگر مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ [1]

ایک قحطانی شخص کے بارے میں پیشگوئی

﴿۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ رَجُلٌ مِّنْ قَحْطَانَ يَسُوْقُ النَّاسَ بِعَصَاهُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ قحطان میں سے ایک شخص پیدا نہ ہولے گا جو لوگوں کو اپنی لاٹھی سے ہانکے گا۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "قحطان" عرب کے دو قدیم بڑے قبیلے ہیں ایک قحطان ہے دوسرا عدنان ہے یہ قبیلے اپنے بڑے داداؤں کی طرف منسوب ہیں ایک کا نام قحطان تھا دوسرے کا نام عدنان تھا، آنحضرت ﷺ ماں اور باپ کی طرف سے عدنانی بھی ہیں اور قحطانی بھی ہیں یمن کے بڑے قبیلے کا نام قحطان ہے یہ قحطانی شخص ایک عادل مسلمان بادشاہ ہوگا آنے والی حدیث میں اس کو جہجاہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ [3] "یسوق الناس" یعنی اس کا اقتدار مضبوط اور مستحکم ہوگا لوگ اس کے فرمان کے تابع ہوں گے یہ شخص حضرت عیسیٰ کے بعد مسلمانوں کا خلیفہ بنے گا۔ [4]

﴿۶﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْهَبُ الْاَيَّامُ وَاللَّيَالِيْ حَتّٰى يَمْلِكَ رَجُلٌ

[1] المرقات: ۹/۳۰۱ [2] اخرجه البخاري: ۴/۱۲۲ و مسلم: ۸/۱۸۳ [3] المرقات: ۹/۳۰۱ [4] المرقات: ۹/۳۰۱

يُقَالُ لَهُ الْجَهْجَاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ حَتّٰى يَمْلِكَ رَجُلٌ مِّنَ الْمَوَالِيْ يُقَالُ لَهُ الْجَهْجَاهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دن رات اس وقت تک تمام نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ شخص مالک نہ ہو جائے گا یعنی لوگوں پر اقتدار و تسلط نہ پالے گا جس کو جہجاہ کہا جائے گا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب تک موالی میں سے ایک شخص مالک نہ ہو جائیگا یعنی لوگوں پر اقتدار و تسلط نہ پالے گا جس کو جہجاہ کہا جائے گا۔ (مسلم)

کسریٰ کا وائٹ ہاؤس فتح ہوگا

﴿۷﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَتَفْتَحَنَّ عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ كَنْزَ اٰلِ كِسْرَى الَّذِيْ فِي الْاَبْيَضِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بلاشبہ مسلمانوں کی ایک جماعت آل کسریٰ کے خزانہ کو برآمد کر لے گی جو سفید محل میں ہے۔ (مسلم)

توضیح: "عصابة من المسلمین" مسلمانوں کی اس جماعت سے مراد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا لشکر ہے جنہوں نے دور فاروقی میں عراق اور مدائن کو فتح کیا تھا، قادسیہ کی تاریخی جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد یہ لشکر دریائے دجلہ کو عبور کر کے آگے مدائن کی طرف بڑھا اور مدائن میں کسریٰ کے محل پر قبضہ کر لیا اور اس محل کو جامع مسجد میں تبدیل کیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہاں تین دن قیام فرمایا اور جمعہ کی نماز پڑھا کر واپس آ گئے۔ علامہ بوصیری مصری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں:[3]

وبات ایوان کسریٰ وھو منصدع   کشمل اصحاب کسریٰ غیر ملتئم

"آل کسریٰ" لفظ آل زائد ہے کسریٰ فارسی میں خسرو ہوتا ہے عربی میں اس کو کسریٰ کہتے ہیں۔ "فی الابیض" ایوان کسریٰ کو وہ لوگ "سفید کوشک" کہتے تھے، پشتو میں اس کو سپینہ مانڑئے کہتے ہیں، عربی میں قصر ابیض کہتے ہیں اور انگریزی میں اس کو وائٹ ہاؤس کہتے ہیں۔ جس طرح کہ آج کل امریکہ میں وائٹ ہاؤس ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فارس کا وائٹ ہاؤس دیا تھا انشاء اللہ جہاد کی برکت سے اللہ تعالیٰ امریکہ کا وائٹ ہاؤس بھی دے دیگا، ایوان کسریٰ کے خزانوں کو شبلی نعمانی نے الفاروق میں عجیب انداز سے لکھی ہے، میں نے "فتوحات مصر و فارس" میں بہت تفصیل سے لکھا ہے، عقل کو حیران کرنے والے عجائبات ہیں۔[4]

[1] اخرجه مسلم: ۸/۱۸۴ [2] اخرجه مسلم: ۸/۱۸۶ [3] المرقات: ۹/۳۰۲ [4] المرقات: ۹/۳۰۲

جہاد کے ذریعہ سے دو سپر طاقتیں ختم ہونگی

﴿۸﴾وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا يَكُوْنُ كِسْرٰى بَعْدَهٗ وَقَيْصَرُ لَيَهْلِكَنَّ ثُمَّ لَا يَكُوْنُ قَيْصَرُ بَعْدَهٗ وَلَتُقْسَمَنَّ كُنُوْزُهُمَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَسَمَّى الْحَرْبَ خُدْعَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کسریٰ ہلاک ہوگیا اس کسریٰ کے بعد اور کوئی کسریٰ نہیں ہوگا اور یقینا قیصر بھی ہلاک ہوگا جس کے بعد کوئی اور قیصر نہیں ہوگا، نیز ان دونوں بادشاہوں کے خزانے خدا کی راہ میں تقسیم کئے جائیں گے اور آنحضرت نے جنگ کا نام دھوکہ اور فریب رکھا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''ھلک کسریٰ'' ھلک ماضی کا صیغہ لایا گیا ہے یہ یقین کی طرف اشارہ ہے کہ سمجھ لو ایسا ہوگیا ہے یہ اصل میں سیھلک کے معنی میں ہے یعنی اس کے ختم ہونے کے بعد اس کا نام ونشان نہیں رہے گا فارس والوں کے دماغ سے کیسریت کا تصور نکل جائے گا اسی طرح شام میں قیصریت کا خاتمہ ہوجائے گا چنانچہ جہاد کی برکت سے ایسا ہی ہوا اور دونوں سپر طاقتیں پارہ پارہ ہوگئیں۔ [2] ''الحرب خدعة'' یعنی آنحضرت ﷺ نے جنگ اور جہاد کا نام چالبازی اور حیلہ وتدبیر رکھا چنانچہ جہاد میں اس کی اجازت ہے اب سوال یہ ہے کہ اس جملہ کا سابق جملہ سے ربط کیا ہے؟

تو اس کا جواب شارحین نے یہ دیا ہے کہ جب فتوحات اور تقسیم غنائم کا تذکرہ ہوگیا تو جہاد کے میدان کا تصور سامنے آگیا تو آنحضرت نے جہاد کی ضروریات وآداب میں سے ایک ضرورت اور ادب کا ذکر فرمادیا۔ [3]

جہاد اگر ہوگا تو فتوحات ہی فتوحات ہونگی

﴿۹﴾وَعَنْ نَافِعِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَغْزُوْنَ جَزِيْرَةَ الْعَرَبِ فَيَفْتَحُهَا اللهُ ثُمَّ فَارِسَ فَيَفْتَحُهَا اللهُ ثُمَّ تَغْزُوْنَ الرُّوْمَ ثُمَّ تَغْزُوْنَ الدَّجَّالَ فَيَفْتَحُهُ اللهُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [4]

ترجمہ: اور حضرت نافع ابن عتبہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم لوگ (میرے بعد) جزیرۃ العرب سے جنگ کروگے اور اللہ تعالیٰ اس کو تمہارے ہاتھوں فتح کرائے گا پھر تم فارس کی مملکت سے جنگ کروگے اور اللہ تعالیٰ اس کو تمہارے ہاتھوں فتح کرائے گا پھر تم روم کی مملکت سے جنگ کروگے اور اللہ تعالیٰ اس کو تمہارے ہاتھوں فتح کرائے گا اور پھر تم دجال سے جنگ کروگے اور اللہ اس پر بھی فتح عطا فرمائیگا۔ (مسلم)

[1] اخرجه البخاری: ۴/۷۷ ومسلم: ۸/۱۸۶ [2] المرقات: ۹/۳۰۳ [3] المرقات: ۹/۳۰۳ [4] اخرجه مسلم: ۸/۱۸۶

توضیح: "الجزیرۃ" جغرافیہ دانوں کے قول کے مطابق نجد، حجاز، یمامہ، یمن اور عروض ان بڑے پانچ مقامات پر جزیرۃ العرب کا اطلاق ہوتا ہے، حجاز میں مکہ اور مدینہ بھی داخل ہیں، جزیرۃ العرب کے جنوب میں بحر عرب واقع ہے اور شمال میں دریائے فرات ہے۔ مشرق میں خلیج عرب اور خلیج عمان واقع ہیں اور مغرب میں بحر احمر واقع ہے۔ بہر حال یہ حدیث بتاتی ہے کہ جہاد مقدس ہی کے ذریعہ سے مسلمانوں پر فتوحات کا دروازہ کھلا ہے اور آئندہ بھی کھلے گا۔ آج کل تبلیغ والے کہتے ہیں کہ جہاد سے دین کا کام بند ہوجاتا ہے یہ لوگ غلط کہتے ہیں۔[۱]

چھ علاماتِ قیامت

﴿۱۰﴾ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَهُوَ فِيْ قُبَّةٍ مِّنْ اَدَمٍ فَقَالَ اُعْدُدْ سِتًّا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ مَوْتِيْ ثُمَّ فَتْحُ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ ثُمَّ مُوْتَانٌ يَّاْخُذُ فِيْكُمْ كَقُعَاصِ الْغَنَمِ ثُمَّ اِسْتِفَاضَةُ الْمَالِ حَتّٰى يُعْطَى الرَّجُلُ مِائَةَ دِيْنَارٍ فَيَظَلُّ سَاخِطًا ثُمَّ فِتْنَةٌ لَّا يَبْقٰى بَيْتٌ مِّنَ الْعَرَبِ اِلَّا دَخَلَتْهُ ثُمَّ هُدْنَةٌ تَكُوْنُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ بَنِي الْاَصْفَرِ فَيَغْدِرُوْنَ فَيَاْتُوْنَكُمْ تَحْتَ ثَمَانِيْنَ غَايَةً تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عوف ابن مالک کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے دوران میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ چمڑے کے خیمے میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا تم قیامت آنے سے پہلے چھ چیزوں کو شمار کرو، ایک تو میری موت، دوسرے بیت المقدس کا فتح ہونا، تیسرے عام وبا جو تم میں بکریوں کی بیماری کی طرح پھیلے گی، چوتھے لوگوں کے پاس مال دولت کا اس قدر زیادہ ہونا کہ اگر ایک آدمی کو سو دینار بھی دیئے جائیں گے تو ان کو حقیر و کمتر جانے گا اور اس پر ناراض ہوگا، پانچویں فتنے اور آپس کی مخاصمت و مخالفت کا اس طرح پھوٹ پڑنا کہ عرب کا کوئی گھر باقی نہیں بچے گا جس میں اس فتنے کے برے اثرات نہ پہنچیں، اور چھٹے صلح جو تمہارے اور رومیوں کے درمیان ہوگی پھر رومی عہد شکنی کریں گے اور تمہارے مقابلہ کے لئے اسی نشانوں کے تحت آئیں گے جن میں سے ہر نشان کے ماتحت بارہ ہزار آدمی ہوں گے۔ (بخاری)

توضیح: "موتی" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری وفات قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔ "فتح بیت المقدس" حضرت عمر فاروق کے زمانہ میں فتح ہوا تھا۔[۳] "موتان" میم پر ضمہ ہے ایک قسم عام وبائی بیماری مراد ہے۔ یہ وبائی مرض دراصل بکریوں میں آتا ہے جو ساری بکریوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیتا ہے۔ اس مرض کو[۴] "قعص" کہتے ہیں یعنی بکریوں کے اس خاص وبائی مرض کی طرح تم پر بھی ایک وبا آئے گی یہ طاعون عمواس کی طرف اشارہ ہے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۱۸ھ میں آیا تھا۔ عمواس شام میں بیت المقدس کے قریب ایک جگہ کا نام ہے

[۱] المرقات: ۹/۳۰۴ [۲] اخرجه البخاري [۳] المرقات: ۹/۳۰۵ [۴] المرقات: ۹/۳۰۵

اس وقت یہ جگہ فوجی چھاؤنی تھی اس طاعون ۱؎ سے تین دن کے اندر اندر ستر ہزار آدمی مر گئے تھے۔

"استفاضة المال" یعنی مال کی فراوانی ہوگی شاید یہ حضرت عثمان کے دور خلافت کی طرف اشارہ ہو۔ ۲؎ "ثم فتنة" اس سے حضرت عثمان بن عفان کی شہادت کی طرف اشارہ ہے یا حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان جنگوں کی طرف اشارہ ہے۔ ۳؎ "ثم هدنة" ہدنہ صلح اور مصالحت کے معنی میں ہے یعنی ایک صلح اور معاہدہ ہوگا ممکن ہے یہ وہ معاہدہ ہو جو مسلمانوں اور عیسائیوں کے ایک دھڑے کے درمیان ہوگا اور عیسائیوں کے دوسرے دھڑے سے جنگ ہوگی پھر جب فتح حاصل ہو جائے گی تو مسلمان کہیں گے اسلام غالب آ گیا عیسائی کہیں گے صلیب غالب آئی پھر ان کی آپس میں جنگ ہوگی سب عیسائی مسلمانوں کے خلاف ہو جائیں گے اور لڑتے لڑتے مسلمانوں کے بادشاہ کو شہید کر دیں گے ایسے وقت میں حضرت مہدی کا ظہور ہو جائے گا اور فوراً جنگی تیاری شروع ہو جائے گی مقابلے میں رومی اسّی جھنڈے لے کر آ جائیں گے ان کی پوری تعداد نو لاکھ ساٹھ ہزار ہوگی۔

"بنی الاصفر" رومیوں کے بڑے دادا کا نام روم بن عیص تھا اس کا رنگ زرد مائل بسفیدی تھا اس لئے اس کو اصفر کہا گیا تو ان کی اولاد کو بنی الاصفر کہا گیا آج تک فرنگی اسی رنگ میں ہیں۔ ۴؎

دجال کا قتل ملحمۃ الکبریٰ کا واقع ہونا

﴿۱۱﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَنْزِلَ الرُّومُ بِالْأَعْمَاقِ أَوْ بِدَابِقَ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِمْ جَيْشٌ مِّنَ الْمَدِينَةِ مِنْ خِيَارِ أَهْلِ الْأَرْضِ يَوْمَئِذٍ فَإِذَا تَصَافُّوا قَالَتِ الرُّومُ خَلُّوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الَّذِينَ سَبَوْا مِنَّا نُقَاتِلْهُمْ فَيَقُولُ الْمُسْلِمُونَ لَا وَاللّٰهِ لَا نُخَلِّي بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ إِخْوَانِنَا فَيُقَاتِلُونَهُمْ فَيَنْهَزِمُ ثُلُثٌ لَا يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ أَبَدًا وَيُقْتَلُ ثُلُثُهُمْ أَفْضَلُ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ اللّٰهِ وَيَفْتَتِحُ الثُّلُثُ لَا يُفْتَنُونَ أَبَدًا فَيَفْتَتِحُونَ قُسْطُنْطِينِيَّةَ فَبَيْنَمَا هُمْ يَقْتَسِمُونَ الْغَنَائِمَ قَدْ عَلَّقُوا سُيُوفَهُمْ بِالزَّيْتُونِ إِذْ صَاحَ فِيهِمُ الشَّيْطَانُ إِنَّ الْمَسِيحَ قَدْ خَلَفَكُمْ فِي أَهْلِيكُمْ فَيَخْرُجُونَ وَذٰلِكَ بَاطِلٌ فَإِذَا جَاؤُوا الشَّامَ خَرَجَ فَبَيْنَمَا هُمْ يُعِدُّونَ لِلْقِتَالِ يُسَوُّونَ الصُّفُوفَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ فَيَنْزِلُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ فَأَمَّهُمْ فَإِذَا رَآهُ عَدُوُّ اللّٰهِ ذَابَ كَمَا يَذُوبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ فَلَوْ تَرَكَهُ لَانْذَابَ حَتّٰى يَهْلِكَ وَلٰكِنْ يَقْتُلُهُ اللّٰهُ بِيَدِهِ فَيُرِيهِمْ دَمَهُ فِي حَرْبَتِهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) ۵؎

۱؎ المرقات: ۹/۳۰۵ ۲؎ المرقات: ۹/۳۰۵ ۳؎ المرقات: ۹/۳۰۵ ۴؎ المرقات: ۹/۳۰۵ ۵؎ اخرجه مسلم: ۸/۱۷۵

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ رومی اعماق یا دابق میں آنہ دھمکیں گے اور پھر مدینہ والوں کا ایک لشکران کے مقابلہ کے لئے نکلے گا جس میں اس دن یعنی اس وقت کے روئے زمین کے سب سے بہتر لوگ شامل ہوں گے جب صف بندی ہوگی تو رومی یہ کہیں گے کہ ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان کہ جو ہمارے لوگوں کو قید کر کے لائے ہیں جگہ خالی کردو تا کہ ہم ان سے لڑیں، لیکن مسلمان ان کو جواب دیں گے کہ بخدا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ہم تمہارے اور اپنے مسلمان بھائی کے درمیان جگہ خالی نہیں کر سکتے، چنانچہ سارے مسلمان رومیوں سے لڑنا شروع کردیں گے اور ان مسلمانوں میں سے ایک تہائی مسلمان پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں کرے گا اور ایک تہائی مسلمان جام شہادت نوش کریں گے جو یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین شہداء قرار پائیں گے اور باقی ایک تہائی مسلمان فتح یاب ہوں گے۔ ان مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کبھی فتنہ میں نہیں لے گا۔ پھر مسلمان قسطنطنیہ کو فتح کرلیں گے اور اس کے بعد اس وقت جب کہ وہ (مسلمان) مال غنیمت تقسیم کرنے میں مصروف ہوں گے اور اپنی تلواروں کو زیتون کے درختوں پر لٹکائے ہوئے ہوں گے اچانک شیطان ان کے درمیان یہ بات پھونک دے گا کہ تمہاری عدم موجودگی میں مسیح دجال تمہارے گھروں میں پہنچ گیا ہے۔ (اسلامی لشکر یہ سنتے ہی قسطنطنیہ سے) نکل کھڑے ہوں گے لیکن شیطان کی یہ خبر سراسر جھوٹی ثابت ہوگی، البتہ جب مسلمان شام پہنچیں گے تو پھر دجال ظاہر ہوگا مسلمان اس سے لڑنے کی تیاری کریں گے اور صف بندی میں مشغول ہوں گے کہ نماز کا وقت آجائے گا اتنے میں حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام (آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے منارے پر) اتریں گے (پھر قدس آئیں گے) اور مسلمانوں کی امامت کریں گے پھر خدا کا وہ دشمن یعنی دجال (جو مسلمانوں کو گھیرے ہوئے ہوگا) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے گا تو اس طرح گھلنا شروع ہوجائے گا جس طرح نمک پانی میں گھلنے لگتا ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ اس کو اس حالت میں چھوڑ دیں اور قتل نہ کریں تو وہ سارا گھل جائے اور (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کئے بغیر) خود مرجائے، لیکن اللہ تعالیٰ اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل کرائے گا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کا خون اپنے نیزے کے ذریعہ دکھائیں گے۔
(مسلم)

توضیح: "اعماق" اعماق اور دابق انطاکیہ اور حلب کے درمیان دو جگہوں کے نام ہیں اور اس حدیث میں مدینہ سے مراد حلب کا شہر ہے جو شام میں واقع ہے مدینہ منورہ پر یہ پیشگوئی صادق نہیں آتی اور نہ ہی مدینہ منورہ مراد ہے، مسلمانوں کے اس لشکر سے مراد حضرت مہدی کا لشکر ہے جو شام کے نصاریٰ سے لڑیں گے۔[1] "خلوا بیننا" یعنی کافر کہیں گے کہ مسلمانوں کے جس دھڑے نے ہمارے لوگوں کو قید کر رکھا ہے اس دھڑے کو الگ رکھو تا کہ ہم ان سے بدلہ لے لیں ہم تم سے نہیں لڑیں گے مسلمان اس تفرقہ بازی سے انکار کردیں گے اور لڑنا شروع کردیں گے مگر ایک طبقہ بھاگ جائے گا اور ایک طبقہ خودکش بمبار کے لئے تیار ہوجائے گا تین دن تک گھمسان کی جنگ ہوگی اور مسلمان تھوڑے سے رہ

[1] المرقات: ۹/۳۰۶

جائیں گے چوتھے دن اللہ تعالیٰ فتح عطا کرے گا تو مسلمان سیدھا جا کر قسطنطنیہ میں داخل ہو جائیں گے جس طرح تفصیلی روایت میں ہے۔ [1]

یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ قسطنطنیہ پر مختلف دور آئے ہیں ایک دفعہ ۳۳۰ء میں ہرقل کے بیٹے قسطنطین نے اس کو قبضہ کر کے آباد کیا اور اسی کے نام کی طرف یہ شہر منسوب ہے اس کے بعد حضرات صحابہ کرام نے اس کو فتح کر لیا پھر بعد میں کفار اس پر غالب آگئے پھر ترکی خلافت کے زمانہ میں عثمانی ترکوں نے اس کو فتح کر لیا جواب تک مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے مگر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر ایک بار پھر کفار کے ہاتھ میں چلا جائے گا اور آخر میں حضرت مہدی اس کو فتح کر دیں گے۔

"الشام" اس سے بیت المقدس کا شہر مراد ہے۔ "فامهم" یعنی حضرت عیسیٰ مسلمانوں کی امامت فرمائیں گے۔ [2]

سوال: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دوسری روایات میں واضح طور پر آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز نہیں پڑھائیں گے بلکہ حضرت مہدی سے فرمائیں گے کہ امام وخلیفہ آپ ہیں لہٰذا نماز پڑھائیں جبکہ یہاں حضرت عیسیٰ کی امامت کی بات ہے۔

جواب: اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ "امهم" عام نمازوں کے بارے میں ہے اور نفی صرف اس نماز کی ہے جس میں سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اترے تھے جمعہ کے دن عصر کی نماز تھی جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انکار کیا تاکہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ ان کے خلیفہ مہدی ہی ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ امهم کا حکم مجازاً ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انکو امامت کا حکم کیا تو انہوں نے امامت کرادی ای امرہ بالامامة۔ [3]

جہاد میں کافروں پر خودکش حملوں کا ثبوت

﴿۱۲﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ إِنَّ السَّاعَةَ لَا تَقُوْمُ حَتّٰى لَا يُقْسَمَ مِيْرَاثٌ وَلَا يُفْرَحَ بِغَنِيْمَةٍ ثُمَّ قَالَ عَدُوٌّ يَجْمَعُوْنَ لِأَهْلِ الشَّامِ وَيَجْمَعُ لَهُمْ أَهْلُ الْإِسْلَامِ يَعْنِي الرُّوْمَ فَيَتَشَرَّطُ الْمُسْلِمُوْنَ شُرْطَةً لِّلْمَوْتِ لَا تَرْجِعُ إِلَّا غَالِبَةً فَيَقْتَتِلُوْنَ حَتّٰى يَحْجِزَ بَيْنَهُمُ اللَّيْلُ فَيَفِيْءُ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ كُلٌّ غَيْرُ غَالِبٍ وَتَفْنَى الشُّرْطَةُ ثُمَّ يَتَشَرَّطُ الْمُسْلِمُوْنَ شُرْطَةً لِّلْمَوْتِ لَا تَرْجِعُ إِلَّا غَالِبَةً فَيَقْتَتِلُوْنَ حَتّٰى يَحْجِزَ بَيْنَهُمُ اللَّيْلُ فَيَفِيْءُ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ كُلٌّ غَيْرُ غَالِبٍ وَتَفْنَى الشُّرْطَةُ ثُمَّ يَتَشَرَّطُ الْمُسْلِمُوْنَ شُرْطَةً لِّلْمَوْتِ لَا تَرْجِعُ إِلَّا غَالِبَةً فَيَقْتَتِلُوْنَ حَتّٰى يُمْسُوْا فَيَفِيْءُ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ كُلٌّ غَيْرُ غَالِبٍ وَتَفْنَى الشُّرْطَةُ فَإِذَا كَانَ يَوْمُ الرَّابِعِ نَهَدَ إِلَيْهِمْ بَقِيَّةُ أَهْلِ الْإِسْلَامِ فَيَجْعَلُ اللهُ الدَّبْرَةَ عَلَيْهِمْ فَيَقْتَتِلُوْنَ مَقْتَلَةً لَمْ يُرَ مِثْلُهَا حَتّٰى إِنَّ الطَّائِرَ لَيَمُرُّ بِجَنَبَاتِهِمْ فَلَا يُخَلِّفُهُمْ حَتّٰى

[1] المرقات: ۹/۳۰۶، ۳۰۷ [2] المرقات: ۹/۳۰۸ [3] المرقات: ۹/۳۰۸

يَخِرَّ مَيِّتًا فَيُتَعَادُّ بَنُو الْأَبِ كَانُوا مِائَةً فَلَا يَجِدُونَهُ بَقِيَ مِنْهُمْ إِلَّا الرَّجُلُ الْوَاحِدُ فَبِأَيِّ غَنِيمَةٍ يُفْرَحُ أَوْ أَيُّ مِيرَاثٍ يُقَسَّمُ فَبَيْنَا هُمْ كَذَالِكَ إِذْ سَمِعُوا بِبَأْسٍ هُوَ أَكْبَرُ مِنْ ذٰلِكَ فَجَاءَهُمُ الصَّرِيخُ إِنَّ الدَّجَّالَ قَدْ خَلَفَهُمْ فِي ذَرَارِيِّهِمْ فَيَرْفُضُونَ مَا فِي أَيْدِيهِمْ وَيُقْبِلُونَ فَيَبْعَثُونَ عَشَرَ فَوَارِسَ طَلِيعَةً قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَعْرِفُ أَسْمَاءَهُمْ وَأَسْمَاءَ آبَائِهِمْ وَأَلْوَانَ خُيُولِهِمْ هُمْ خَيْرُ فَوَارِسَ أَوْ مِنْ خَيْرِ فَوَارِسَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ يَوْمَئِذٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ یقینا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ میراث کا تقسیم ہونا موقوف نہ ہو جائے گا، اور مال غنیمت سے خوش ہونا نہ چھوڑیں گے۔ پھر حضرت ابن مسعود نے بیان کیا کہ دشمن یعنی کافر اہل شام سے لڑنے کے لئے فوج اور طاقت جمع کریں گے، ادھر مسلمان بھی ان کافروں سے مقابلہ کے لئے لشکر اور طاقت جمع کریں گے دشمن سے مراد رومی ہیں۔ چنانچہ مسلمان اپنے لشکر میں سے کچھ فوج منتخب کر کے آگے بھیجیں گے تاکہ وہ جنگ کرے اور مر جائے اور اگر واپس آئے تو فتح یاب اور غالب ہو کر آئے۔ پس دونوں طرف کے لشکر ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہو جائیں گے یہاں تک کہ دونوں لشکروں کے درمیان رات حائل ہو جائے گی، نیز دونوں فریق اپنے اپنے ٹھکانوں میں واپس آ جائیں گے اور ان میں سے نہ کوئی غالب و فتح یاب ہوگا (اور نہ کوئی مغلوب ومفتوح) البتہ دونوں طرف کی فوج کے وہ چیدہ اور منتخب دستے جو لڑنے کے لئے آگے گئے ہوں گے فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے۔ پھر (دوسرے دن) مسلمان ایک دوسرے لشکر کو منتخب کر کے آگے بھیجیں گے تاکہ وہ جنگ کرے اور مر جائے یا واپس فتح یاب ہو کر آئے، پس دونوں طرف کے لشکر ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہو جائیں گے یہاں تک کہ دونوں لشکروں کے درمیان رات حائل ہو جائے گی اور دونوں طرف کی فوجیں اپنے اپنے ٹھکانوں پر واپس آ جائیں گی ان میں سے نہ کوئی غالب ہوگا (نہ کوئی مغلوب) البتہ دونوں طرف کی فوج کے وہ چیدہ دستے جو لڑنے کے لئے آگے گئے ہوں گے فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے پھر (تیسرے دن) مسلمان ایک اور لشکر منتخب کر کے آگے بھیجیں گے تاکہ وہ جنگ کرے اور مر جائے اور اگر واپس آئے تو فتح یاب ہو کر آئے، پس دونوں طرف کے لشکر ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہو جائیں گے یہاں تک کہ شام ہو جائے گی اور دونوں طرف کے فوجی اپنے ٹھکانوں پر واپس آ جائیں گے ان میں سے نہ کوئی غالب ہوگا (نہ مغلوب) البتہ دونوں طرف کے وہ چیدہ دستے جو لڑنے کے لئے آگے گئے ہوں گے فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے اور پھر جب چوتھا دن ہوگا تو مسلمانوں کی باقی ماندہ تمام فوج کفار سے جنگ کرنے کے لئے نکل کھڑی ہوگی

[1] اخرجه مسلم: ۸/۱۷۷

اور اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں کفار کو شکست دلوائے گا بہر حال مسلمان جان توڑ کر لڑیں گے اور ایسا لڑیں گے کہ اس طرح کی لڑائی کبھی نہیں دیکھی گئی ہوگی یہاں تک کہ اگر کوئی پرندہ لشکر والوں کے اوپر سے گزرجانا چاہے گا تو ان کو پیچھے نہیں چھوڑ پائے گا۔یعنی ان سے آگے نہیں گزر سکے گا کہ مر کر زمین پر گر پڑیگا۔ پھر جب ایک باپ کے بیٹے کہ جن کی تعداد سو ہوگی اپنوں کو شمار کرنا شروع کریں گے تو ان میں سے صرف ایک ہی مل پائے گا۔ پس ایسی صورت میں کون سا مال غنیمت خوشی کا باعث ہوگا اور کونسی میراث تقسیم ہوگی؟ بہر حال مسلمان اسی حالت میں ہونگے کہ اچانک انکو ایک سخت لڑائی کی خبر معلوم ہوگی جو پہلی لڑائی سے بھی زیادہ بڑی اور بھیانک ہوگی، پھر مسلمان یہ آواز سنیں گے کہ ان کی عدم موجودگی میں ان کے اہل وعیال کے درمیان دجال پہنچ گیا ہے وہ مسلمان اپنے ہاتھ کی چیزوں کو پھینک پھانک کر دجال کی طرف متوجہ ہو جائیں گے اور وہ اپنے دس سواروں کو آگے بھیجیں گے تاکہ وہ دشمن کے بارے میں واقفیت بہم پہنچائیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ مسلمان جن سواروں کو آگے بھیجیں گے یقیناً میں ان کے اور ان کے باپ کے نام بھی جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ان کے گھوڑے کس رنگ کے ہوں گے نیز وہ بہترین سوار ہوں گے یا یہ فرمایا کہ وہ اس زمانہ کے روئے زمین کے بہتر سواروں میں سے ہوں گے۔ (مسلم)

توضیح: **"لایقسم"** یعنی ان کی میراث تقسیم نہیں کی جائے گی اس کی وجہ یہ ہوگی کہ میراث لینے والا کوئی باقی نہیں ہوگا تو پھر میراث کس پر تقسیم کی جائے گی؟[1] **"ولا یفرح"** یعنی اس فتح میں جو مال غنیمت ہاتھ میں آجائے گا اس پر کوئی خوش نہیں ہوگا اس لئے کہ سب گھرانے اس جنگ میں شہید ہو چکے ہوں گے تو پھر کون خوش ہوگا؟[2] **"شرطة للموت"** شرطہ جماعت طائفہ اور گروپ کو کہا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ مسلمان کفار کے مقابلے میں ایک جنگجو طائفہ تیار کر دیں گے اور وہ طائفہ موت پر عہد وپیمان کریں گے کہ یا غالب آجائیں گے یا موت کو گلے لگادیں گے! قاموس میں شرطہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

وهم كتيبة تشهد الحرب وتهيأ للموت. وقيل سموا بهالانهم يشترطون ان يتقدموا ويعدوا انفسهم للهلكة اى ان المسلمين يبعثون مقدمتهم على ان لاينهزموا بل يتوقفوا ويثبتوا الى ان يقتلوا اويغلبوا. (مرقات، ج ۹ ص ۳۱۰)[3]

اس حدیث کے مجموعی مفہوم سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کفار کی جماعت پر اندھا دھند حملہ کرنا اور ان کو تباہ کرنا اور اس میں اپنی جان کی بازی لگانا منع نہیں ہے بلکہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ ایک مجاہد جب موت پر عہد وپیمان کر کے آگے بڑھتا ہے اور مسکرا کر موت کو گلے لگاتا ہے تو اس کو آپ کچھ بھی کہہ دیں حقیقت میں یہی خودکش حملہ ہے جو در حقیقت دیگر کش

[1] المرقات: ۹/۳۰۹ [2] المرقات: ۹/۳۰۹ [3] المرقات: ۹/۳۱۰

حملہ ہے اور فیقتلون ویقتلون کے موافق ہے۔ آج کل لوگ شور کرتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے اگر اپنی جان لڑانا بند ہوجائے تو جہاد کا تصور ختم ہوجائے گا۔ خودکش حملہ جہاد کی کئی صورتوں میں سے ایک انتہائی صورت ہے لوگوں کو چاہئے کہ ان اسباب پر غور کریں جن اسباب نے ایک دیندار اور ہوشیار آدمی کو اس اقدام پر مجبور کیا ہے بلکہ نابالغ بچیوں کو ان حالات نے دیوانہ کردیا ہے خودکش حملہ آور کسی سے مشورہ نہیں کرتا، جو کچھ کرتا ہے اپنی ذمہ داری اور مجبوری سے کرتا ہے حکومت کسی کو ذمہ دار ٹھہرائے بلکہ اپنی پالیسی پر غور کرے۔

"**شرطة للموت**" یعنی بمبار اور خودکش دستے کا نام ہے اوپر ملا علی قاری عشقالیلہ نے جو عربی عبارات اس حدیث کی تشریح میں پیش فرمائی ہیں ان کو بھی غور سے پڑھنا چاہئے، امام محمد عشقالیلہ نے سیر کبیر میں خودکش حملوں کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

"**لاترجع**" یہ جملہ **شرطة للموت** کا بیان اور صفت کاشفہ ہے۔ "**یفئ**" رجوع اور لوٹنے کے معنی میں ہے یعنی رات کے آنے کی وجہ سے طرفین کے لوگ میدان جنگ سے واپس ہوجائیں گے۔[1]

"**نهد**" ای **قام** یعنی چوتھے دن اہل اسلام کا چھوٹا سا دستہ حملہ کے لئے کھڑا ہوجائے گا۔[2] "**الدبرة**" ادبار سے ہے شکست کو کہتے ہیں یعنی کفار کو شکست ہوجائے گی۔[3] "**جنبات**" اطراف اور کناروں کو کہتے ہیں۔[4] "**فلا يخلفهم**" باب تفعیل سے پیچھے چھوڑنے کے معنی میں ہے یعنی وہ پرندہ مقتولین کی لاشوں کو اپنے پیچھے نہیں چھوڑے گا بلکہ پہلے مرجائے گا کیونکہ لاشیں زیادہ ہوں گی اور سڑی ہوئی ہوں گی اس بدبو سے پرندہ مرجائے گا مطلب یہ ہے کہ لاشوں کا میدان اتنا وسیع ہوگا کہ پرندہ اڑتا اڑتا گر کر مرجائے گا اور لاشوں کو پار نہیں کرسکے گا۔[5] "**فيتعاد بنوالاب**" یعنی ایک باپ کی اولاد بلکہ پورے خاندان کو جب گن لیا جائے گا تو خاندان کے سو افراد میں سے ایک بچ گیا ہوگا تو کیا غنیمت تقسیم ہوگی؟ اور اس پر کون خوش ہوگا اور کیا میراث ہوگی اور کیا اس کی تقسیم ہوگی؟[6]

میدان جہاد میں نعرۂ تکبیر بڑا ہتھیار ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ سَمِعْتُمْ بِمَدِيْنَةٍ جَانِبٌ مِّنْهَا فِي الْبَرِّ وَجَانِبٌ مِّنْهَا فِي الْبَحْرِ قَالُوْا نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَغْزُوَهَا سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِّنْ بَنِيْ اِسْحٰقَ فَاِذَا جَاءُوْهَا نَزَلُوْا فَلَمْ يُقَاتِلُوْا بِسَلَاحٍ وَلَمْ يَرْمُوْا بِسَهْمٍ قَالُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

[1] المرقات: ۹/۳۱۰ [2] المرقات: ۹/۳۱۱ [3] المرقات: ۹/۳۱۲
[4] المرقات: ۹/۳۱۲ [5] المرقات: ۹/۳۱۲ [6] المرقات: ۹/۳۱۲

وَاللّٰهُ اَكْبَرُ فَيَسْقُطُ اَحَدُ جَانِبَيْهَا قَالَ ثَوْرُبْنُ يَزِيْدَ الرَّاوِيْ لَا اَعْلَمُهُ اِلَّا قَالَ الَّذِيْ فِي الْبَحْرِ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ الثَّانِيَةَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ فَيَسْقُطُ جَانِبُهَا الْاٰخَرُ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ الثَّالِثَةَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ فَيُفَرَّجُ لَهُمْ فَيَدْخُلُوْنَهَا فَيَغْنِمُوْنَ فَبَيْنَاهُمْ يَقْتَسِمُوْنَ الْمَغَانِمَ اِذْجَاءَهُمُ الصَّرِيْخُ فَقَالَ اِنَّ الدَّجَّالَ قَدْ خَرَجَ فَيَتْرُكُوْنَ كُلَّ شَيْئٍ وَّيَرْجِعُوْنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم نے کسی ایسے شہر کے بارے میں سنا ہے جس کے ایک طرف سمندر ہے اور ایک طرف جنگل ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئیگی جب تک کہ حضرت اسحٰق کی اولاد میں سے ستر ہزار آدمی اس شہر کے لوگوں سے جنگ نہ کرلیں گے، چنانچہ حضرت اسحاق کی اولاد میں سے وہ لوگ اس شہر میں آئیں گے تو پڑاؤ ڈالیں گے لیکن وہ لوگ شہر والوں سے ہتھیاروں کے ذریعہ جنگ نہیں کریں گے اور نہ ان کی طرف تیر پھینکیں گے بلکہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا نعرہ بلند کریں گے اور شہر کے دو طرف دیواروں میں سے ایک طرف کی دیوار گر پڑے گی۔ اس حدیث کے راوی ثور ابن یزید نے کہا ہے کہ میرا خیال ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہاں سمندر کی جانب والی دیوار کہا تھا۔ پھر وہ لوگ دوسری مرتبہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا نعرہ بلند کریں گے تو شہر کی دوسری جانب کی دیوار بھی گر پڑے گی اس کے بعد وہ لوگ تیسری مرتبہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا نعرہ بلند کریں گے تو ان کے لئے شہر میں داخل ہونے کا راستہ کشادہ ہوجائے گا اور وہ شہر میں داخل ہوجائیں گے پھر وہ مال غنیمت جمع کریں گے اور اس مال غنیمت کو آپس میں تقسیم کررہے ہوں گے کہ اچانک یہ آواز آئے گی کہ کوئی کہہ رہا ہے دجال نکل آیا ہے، (یہ آواز سنتے ہی) وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر (دجال سے لڑنے کے لئے) لوٹ پڑیں گے۔ (مسلم)

توضیح: "مدینة" اس شہر سے بعض شارحین نے قسطنطنیہ مراد لیا ہے مگر بعض دیگر شارحین نے کہا ہے کہ یہ کوئی اور شہر ہے کیونکہ یہاں لڑائی کا ذکر نہیں ہے جبکہ قسطنطنیہ کی فتح میں جنگ کا ہونا لازمی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ شہر قسطنطنیہ ہی ہے البتہ صحیح صورت حال یہ ہے کہ اس شہر کے اردگرد اس وقت فصیل ہوگی جب شہر میں داخل ہونے کے لئے راستہ نہیں ملے گا تو مجاہدین زوردار نعرۂ تکبیر بلند کردیں گے جس سے شہر کی فصیل ٹوٹ جائے گی، اس حد تک تو جنگ نہیں ہوگی البتہ اس کے بعد جب مجاہدین شہر میں داخل ہوجائیں گے تو وہاں شدید لڑائی ہوگی اور بہت سارا مال غنیمت ہاتھ میں آجائے گا، بنو اسحاق کے ستر ہزار آدمیوں کا ساحل سمندر کے پاس لشکر اسلام میں شامل ہونا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شہر قسطنطنیہ ہی ہے اور یہی واقعہ علامات قیامت میں سے بڑی علامت ہے اور ملحمۃ الکبریٰ کے بعد کی یہی تفصیل ہے، بنو اسحاق بنو اسماعیل کے مقابل اہل کتاب کو کہا گیا ہے یہ شام کے مسلمان ہوں گے جو اہل کتاب میں سے ہوں گے۔[2]

---

[1] اخرجه مسلم: ۸/۱۸۶ [2] المرقات: ۹/۳۱۳، ۳۱۴

مورخہ یکم جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ

الفصل الثانی

علامات قیامت کی ترتیب

﴿۱۴﴾عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمْرَانُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ خَرَابُ يَثْرِبَ وَخَرَابُ يَثْرِبَ خُرُوْجُ الْمَلْحَمَةِ وَخُرُوْجُ الْمَلْحَمَةِ فَتْحُ قُسْطُنْطِيْنِيَّةَ وَفَتْحُ قُسْطُنْطِيْنِيَّةَ خُرُوْجُ الدَّجَّالِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُد)[1]

ترجمہ: حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بیت المقدس کا پوری طرح آباد ہوجانا مدینہ منورہ کی خرابی کا باعث ہوگا اور مدینہ منورہ کی خرابی فتنے اور سب سے بڑی جنگ کے وقوع پذیر ہونے کا سبب ہوگا اور اس سب سے بڑی جنگ کا وقوع پذیر ہونا قسطنطنیہ کے فتح ہونے کا باعث ہوگا اور قسطنطنیہ کا فتح ہونا دجال کے ظاہر ہونے کا سبب اور اس کی علامت ہوگا۔ (ابوداؤد)

توضیح: "عمران بیت المقدس" یعنی جب بیت المقدس آخری زمانہ میں خرابی اور بربادی کے بعد پوری طرح آباد ہوگا تو یہ اس بات کی نشانی ہوگی کہ اس پر عیسائیوں کا غلبہ ہوجائے گا اور شام پر عیسائیوں کا غلبہ مدینہ منورہ کے لئے خرابی کا سبب بنے گا کیونکہ مدینہ سے لوگ مقابلہ کے لئے جب جائیں گے تو مدینہ خالی رہ جائے گا اور کمزور ہوجائے گا یہی خرابی ہے ان علامات میں ہر سابق ہر لاحق کے لئے علامت ہے، عمران بیت المقدس خرابی یثرب کی علامت ہے چاہے متصل ہو یا فاصلہ سے ہو اور خرابی مدینہ ملحمۃ الکبریٰ کے لئے علامت ہے اگرچہ فاصلہ سے ہو اور ملحمۃ الکبریٰ فتح قسطنطنیہ کی علامت اور وہ خروج دجال کی علامت ہے چاہے فاصلہ سے ہو یا متصل ہو۔ بیچ میں دجال کے خروج کا جھوٹا اعلان بھی ہوگا۔ ملحمۂ کبریٰ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان بڑی جنگ کا نام ہے، کفار نو لاکھ ساٹھ ہزار ہوں گے مگر آخر میں شکست کھا جائیں گے۔[2]

﴿۱۵﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَلْحَمَةُ الْعُظْمٰى وَفَتْحُ قُسْطُنْطِيْنِيَّةَ وَخُرُوْجُ الدَّجَّالِ فِيْ سَبْعَةِ اَشْهُرٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُد)[3]

ترجمہ: اور حضرت معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جنگ عظیم کا واقع ہونا اور قسطنطنیہ کا فتح ہونا اور دجال کا نکلنا یہ سب سات ماہ کے اندر ہوگا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴/۱۰۷ [2] المرقات: ۹/۳۱۵ [3] اخرجه الترمذی: ۴/۵۰۸ وابوداؤد: ۴/۱۰۸

اس حدیث پر ایک اشکال ہے،
سوال وجواب متصل حدیث نمبر ۱۶ میں آرہا ہے۔

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ بُسْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَ الْمَلْحَمَةِ وَفَتْحِ الْمَدِيْنَةِ سِتُّ سِنِيْنَ وَيَخْرُجُ الدَّجَّالُ فِي السَّابِعَةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ هٰذَا اَصَحُّ) [1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن بسر سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جنگ عظیم اور مذکورہ شہر یعنی قسطنطنیہ کے فتح ہونے کی درمیانی مدت چھ سال ہوگی اور ساتویں سال دجال نکلے گا۔ اس روایت کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث زیادہ صحیح ہے۔

توضیح: "ست سنین" یعنی ملحمة الکبری اور قسطنطنیہ کی فتح کے درمیان چھ سال کا عرصہ ہوگا۔ [2]

سوال: اوپر حدیث نمبر ۱۵ میں ملحمۂ کبریٰ فتح قسطنطنیہ اور خروج دجال کو سات ماہ کے اندر اندر بتایا گیا ہے حالانکہ یہاں ملحمۂ کبریٰ اور فتح قسطنطنیہ کے درمیان چھ سال کا عرصہ بتایا گیا ہے اور ساتویں سال میں دجال کا خروج بتایا ہے دونوں حدیثوں میں یہ واضح تعارض ہے اس کا جواب کیا ہے؟

جواب: علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ دوسری حدیث نمبر ۱۶ صحیح ہے اور یہی راجح ہے پہلی روایت پر اصحاب الجرح نے کلام کیا ہے شاید وہاں راوی سے یہ غلطی ہوگئی ہے کہ اس نے سات سال کے بجائے سات ماہ کہہ دیا ہے۔

مدینہ منورہ کا محاصرہ

﴿۱۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ يُوْشِكُ الْمُسْلِمُوْنَ اَنْ يُّحَاصَرُوْا اِلَى الْمَدِيْنَةِ حَتّٰى يَكُوْنَ اَبْعَدَ مَسَالِحِهِمْ سَلَاحُ وَسَلَاحُ قَرِيْبٌ مِّنْ خَيْبَرَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ) [3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ وہ وقت آنے والا ہے جب مسلمانوں کا مدینہ میں محاصرہ کیا جائے گا، یہاں تک کہ ان کا دور ترین مورچہ سلاح ہوگا اور سلاح خیبر کے نزدیک ایک مقام کا نام ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "المدینة" یہاں مدینہ سے مدینہ منورہ مراد ہے کہ دشمن اس کا محاصرہ کرے گا یہ عیسائیت کے پھیلنے کے زمانہ میں ہوگا اور اسی وقت حضرت مہدی کا ظہور ہوجائے گا، مدینہ کے دفاع میں مسلمان مسلح مورچے بنائیں گے تو جو مورچہ سب سے دور ہوگا وہ سلاح کے مقام پر ہوگا، سلاح خیبر کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ [4]

"مسالح" یہ مسلح کی جمع ہے اور مسلح اس مورچے کو کہتے ہیں جس میں مسلح پہرہ ہوتا ہے۔ یہ پیشگوئی اس وقت کے بارے میں

---

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۰۸ [2] المرقات: ۹/۳۱۷ [3] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۰۹ [4] المرقات: ۹/۳۱۷

ہے جب عیسائیت مدینہ کے قریب تک پہنچ جائے گی اسی وقت حضرت مہدی کا ظہور ہوگا۔ [۱]

ظہور مہدی سے پہلے ایک عظیم جنگ

﴿۱۸﴾وَعَنْ ذِيْ مِخْبَرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَتُصَالِحُوْنَ الرُّوْمَ صُلْحًا اٰمِنًا فَتَغْزُوْنَ اَنْتُمْ وَهُمْ عَدُوًّا مِّنْ وَّرَائِكُمْ فَتُنْصَرُوْنَ وَتَغْنَمُوْنَ وَتَسْلَمُوْنَ ثُمَّ تَرْجِعُوْنَ حَتّٰى تَنْزِلُوْا بِمَرْجٍ ذِيْ تُلُوْلٍ فَيَرْفَعُ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ النَّصْرَانِيَّةِ الصَّلِيْبَ فَيَقُوْلُ غَلَبَ الصَّلِيْبُ فَيَغْضَبُ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَيَدُقُّهٗ فَعِنْدَ ذٰلِكَ تَغْدِرُ الرُّوْمُ وَتَجْمَعُ لِلْمَلْحَمَةِ وَزَادَ بَعْضُهُمْ فَيَثُوْرُ الْمُسْلِمُوْنَ اِلٰى اَسْلِحَتِهِمْ فَيَقْتَتِلُوْنَ فَيُكْرِمُ اللّٰهُ تِلْكَ الْعِصَابَةَ بِالشَّهَادَةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت ذی مخبر کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مسلمانو! وہ وقت آنے والا ہے جب تم رومیوں سے ایک ایسی مصالحت کرو گے جو با امن صلح ہوگی اور پھر تم اور رومی باہم مل کر اپنے علاوہ ایک اور دشمن کے خلاف جنگ کرو گے چنانچہ تمہیں مدد ونصرت دی جائے گی، تم غنیمت کا مال حاصل کرو گے اور تم سلامت رہو گے اس کے بعد جب تم واپس ہو گے تو تم اور وہ رومی ایک ایسی جگہ پڑاؤ ڈالو گے جو سرسبز وشاداب ہوگی اور جہاں ٹیلے ہوں گے وہاں عیسائیوں میں سے ایک شخص صلیب بلند کر کے کہے گا کہ صلیب کا غلبہ ہوا ہے اس بات پر مسلمانوں میں سے ایک شخص غضبناک ہو جائے گا چنانچہ وہ مسلمان اس صلیب کو توڑ ڈالے گا اور اس وقت رومی نہ صرف عہد کو توڑ دیں گے اور مصالحت کو ختم کر دیں گے بلکہ جنگ کے لئے اپنے لوگوں کو جمع کر لیں گے۔ بعض راویوں نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ اس کے بعد مسلمان بھی اپنے ہتھیاروں کی طرف لپکیں گے اور ان سے جنگ کریں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی اس جماعت کو شہادت کی فضیلت وعظمت عطا فرمائیگا۔ (ابوداؤد)

حبشہ کا ایک آدمی کعبہ کو گرائے گا

﴿۱۹﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُتْرُكُوا الْحَبَشَةَ مَاتَرَكُوْكُمْ فَاِنَّهٗ لَايَسْتَخْرِجُ كَنْزَ الْكَعْبَةِ اِلَّا ذُوالسُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تم حبشیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کرو تاوقتیکہ وہ تم سے کچھ نہ کہیں اور تم سے تعرض نہ کریں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کعبہ کا خزانہ ایک حبشی ہی نکالے گا جس کی دونوں پنڈلیاں چھوٹی چھوٹی ہوں گی۔ (ابوداؤد)

[۱] المرقات: ۹/۳۱۷ [۲] اخرجہ ابوداؤد: ۴/۱۰۷ [۳] اخرجہ ابوداؤد: ۴/۱۱۱

توضیح: "اترکو الحبشة" یعنی حبشیوں میں شر و فساد کی یہ چنگاری پڑی ہے اس لئے جب تک وہ حملہ آور نہیں ہوں گے تم ان کے بھڑکانے اور چھیڑنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ اُنہیں کے فساد سے بیت اللہ کی بے حرمتی ہوگی، خزانہ لوٹا جائے گا اور بیت اللہ کو گرایا جائے گا۔[1] "سویقتین" یہ ساق کی تصغیر ہے اس میں اس شخص کی تذلیل ہے، عام اہل حبش کی ٹانگوں کی یہی حالت ہوتی ہے اس شخص کی صفت افحج بھی آتی ہے،[2] افحج اس کو کہتے ہیں کہ جس کے پاؤں کے پنجے چلنے کے وقت ایک دوسرے کے قریب قریب پڑتے ہوں اور ایڑیاں دور دور رہتی ہوں جس کو پھڈا کہتے ہیں۔ یہ افسوسناک واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے بعد کا ہے جبکہ دنیا میں اللہ اللہ کرنے والا کوئی باقی نہیں رہے گا۔

حبش اور ترکوں کو نہ چھیڑو

﴿۲۰﴾وَعَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَعُوا الْحَبَشَةَ مَادَعُوْكُمْ وَاتْرُكُوا التُّرْكَ مَاتَرَكُوْكُمْ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[3]

ترجمہ: اور نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا تم حبشیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو جب تک کہ وہ تمہیں تمہارے حال پر چھوڑے رکھیں اور ترکوں کو بھی ان کے حال پر چھوڑ دو جب تک کہ وہ تمہیں تمہارے حال پر چھوڑے رکھیں۔ (ابوداؤد)

توضیح: یعنی ترکوں اور حبشیوں کو اس وقت تک نہ چھیڑو جب تک وہ تمہیں نہ چھیڑیں۔

سوال: یہاں یہ اعتراض ہے کہ قرآن کریم میں ﴿قاتلوا المشرکین کافة﴾[4] کا واضح اعلان موجود ہے کہ تمام کافروں سے لڑو پھر یہاں حبش اور ترکوں سے نہ لڑنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان اقوام سے نہ لڑنے کا حکم اس وقت پر محمول ہے جب جہاد فرض کفایہ کے درجہ میں ہو اگر جہاد فرض عین ہو جائے تو اس وقت ان اقوام سے لڑنا فرض ہوگا چونکہ عرب جند الاسلام تھا اور صحابہ جند اللہ اور جند الاسلام تھے ان کی تعداد اتنی زیادہ بھی نہیں تھی ادھر حبشہ کا علاقہ ان سے دور بھی تھا اور دشوار بھی تھا اسی طرح ترک کے لوگ بڑے جٹ اور جاہل، جنگجو تھے بہت دور بھی تھے، ان کا علاقہ بہت زیادہ ٹھنڈا بھی تھا، دشوار گذار بھی تھا، جہاد فرض کفایہ بھی تھا اس وقت ان اقوام سے نہ لڑنے کا حکم ہو گیا تا کہ جند الاسلام دوسرے اطراف میں کام کرے لیکن اگر ضرورت پڑی تو پھر ان سے بھی لڑنا پڑے گا چنانچہ ترکوں سے جنگ ہوئی ہے اور آئندہ بھی ہوگی جب وہ کفر پر ہوں گے۔[5]

﴿۲۱﴾وَعَنْ بُرَيْدَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَدِيْثٍ يُقَاتِلُكُمْ قَوْمٌ صِغَارُ الْاَعْيُنِ يَعْنِي التُّرْكَ قَالَ تَسُوْقُوْنَهُمْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ حَتّٰى تُلْحِقُوْهُمْ بِجَزِيْرَةِ الْعَرَبِ فَاَمَّا فِي السِّيَاقَةِ الْاُوْلٰى

[1] المرقات: ۹/۳۱۹ [2] المرقات: ۹/۳۱۹ [3] اخرجه ابوداؤد: ۴/۱۰۹ والنسائی: ۶/۴۳ [4] توبہ: ۳۶ [5] المرقات: ۹/۳۲۰، ۳۲۱

فَيَنْجُوْا مَنْ هَرَبَ مِنْهُمْ وَاَمَّا فِي الثَّانِيَةِ فَيَنْجُوْا بَعْضٌ وَيَهْلِكُ بَعْضٌ وَاَمَّا فِي الثَّالِثَةِ فَيُصْطَلَمُوْنَ اَوْ كَمَا قَالَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: حضرت بریدہ اسلمی سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کے سلسلہ میں کہ جس کا شروع یہ ہے کہ تم سے ایک چھوٹی آنکھوں والی قوم یعنی ترک قوم جنگ کرے گی یہ بھی روایت کیا کہ آپ نے فرمایا تم اس قوم کے لوگوں کو تین بار دھکیل دو گے یہاں تک کہ تم ان کو جزیرۂ عرب تک دھکیل دو گے۔ جب تم ان کو پہلی مرتبہ شکست دے کر بھگاؤ گے تو بھاگ کھڑے ہونے والے لوگ اپنی جان بچالیں گے۔ جب دوسری مرتبہ شکست دے کر بھگاؤ گے تو ان میں سے کچھ تو اپنی جان بچا کر نکل جائیں گے اور کچھ موت کے گھاٹ اتر جائیں گے۔ لیکن جب تیسری مرتبہ شکست دے کر بھگاؤ گے تو اس وقت وہ جڑ سے ختم ہو جائیں گے یعنی یہ تیسری شکست ان کا بالکل خاتمہ کر دے گی یا اس کے مانند فرمایا۔ (ابوداود)

توضیح: "یعنی الترك" یہ کسی راوی کی طرف سے صغار الاعین کی تفسیر ہے۔[2] "تسوقونهم" یعنی تم تین بار ان کو شکست دو گے یہاں تک کہ تم ان کو جزیرۃ العرب تک دھکیل دو گے، حجاز، یمن اور یمامہ کو جزیرۃ العرب کہتے ہیں۔[3] "السیاقة الاولی" یہ ان کے بھاگنے کی تفصیل ہے کہ پہلی دفعہ جب بھاگیں گے تو بچ جائیں گے، دوبارہ کچھ بچ جائیں گے اور تیسری بار سب ہلاک ہو جائیں گے۔[4]

بغداد سے متعلق ایک پیشگوئی

﴿۲۲﴾ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَنْزِلُ اُنَاسٌ مِّنْ اُمَّتِيْ بِغَائِطٍ يُسَمُّوْنَهُ الْبَصْرَةَ عِنْدَ نَهْرٍ يُقَالُ لَهُ دَجْلَةُ يَكُوْنُ عَلَيْهِ جِسْرٌ يَكْثُرُ اَهْلُهَا وَيَكُوْنُ مِنْ اَمْصَارِ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِذَا كَانَ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ جَآءَ بَنُوْ قَنْطُوْرَآءَ عِرَاضُ الْوُجُوْهِ صِغَارُ الْاَعْيُنِ حَتّٰى يَنْزِلُوْا عَلٰى شَطِّ النَّهْرِ فَيَتَفَرَّقُ اَهْلُهَا ثَلٰثَ فِرَقٍ فِرْقَةٌ يَّاْخُذُوْنَ فِيْ اَذْنَابِ الْبَقَرِ وَالْبَرِّيَّةِ وَهَلَكُوْا وَفِرْقَةٌ يَّاْخُذُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ وَهَلَكُوْا وَفِرْقَةٌ يَّجْعَلُوْنَ ذَرَارِيَّهُمْ خَلْفَ ظُهُوْرِهِمْ وَيُقَاتِلُوْنَهُمْ وَهُمُ الشُّهَدَآءُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے لوگ ایک پست زمین پر پہنچ کر قیام پذیر ہوں گے اور اس جگہ کا نام بصرہ رکھیں گے وہ جگہ ایک نہر کے قریب ہوگی جس کو دجلہ کہا جاتا ہوگا اس نہر

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴/۱۱۰ [2] المرقات: ۹/۳۲۱ [3] المرقات: ۹/۳۲۱ [4] المرقات: ۹/۳۲۱ [5] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۲۳

پر پل ہوگا بصرہ میں رہنے والوں کی آبادی بہت بڑھ جائیگی اور اس کا شمار مسلمانوں کے (بڑے) شہروں میں ہوگا اور پھر جب زمانہ آخر ہوگا تو قنطورا کی اولاد اس شہر کے لوگوں سے لڑنے کے لئے آئے گی، ان کے منہ چوڑے چکلے اور آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہوں گی وہ لوگ نہر کے کنارے اپنا پڑاؤ ڈالیں گے پس (ان کو دیکھ کر) شہر کے لوگ تین حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے ایک حصہ تو بیلوں کی دموں اور جنگل میں پناہ حاصل کرے گا حالانکہ وہ لوگ موت و تباہی کے گھاٹ اتر کر رہیں گے۔ اور دوسرا حصہ قنطورا کی اولاد سے اپنی جانوں کے لئے امان طلب کرے گا مگر ان لوگوں کو بھی موت اور تباہی کے گھاٹ اترنا پڑے گا اور تیسرا حصہ وہ ہوگا جو اپنی اولاد اور اپنی عورتوں کو پیچھے چھوڑ کر دشمنوں سے لڑیں گے اور ان میں سے اکثر مارے جائیں گے جو شہادت کے مرتبہ کو پہنچیں گے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "غائط" یعنی ایک پست اور نشیبی زمین میں اتریں گے جس کو وہ لوگ بصرہ کہیں گے۔ یہاں بصرہ سے مراد بغداد ہے اس لئے کہ دجلہ بغداد کے پاس سے گذرتا ہے بصرہ کے پاس سے نہیں گذرتا چونکہ اس زمانہ میں آبادی منتشر تھی اور بصرہ کے مضافات میں سارے علاقے واقع تھے، گویا بغداد کا نام بعد میں مشہور ہوا ہے پہلے یہ سارے علاقے بصرہ اور اس کے مضافات میں شمار ہوتے تھے، بعض شارحین نے اس حدیث میں بصرہ سے مشہور بصرہ مراد نہیں لیا جو آج کل مشہور ہے بلکہ بغداد کے اندر ایک جگہ کا نام بصرہ تھا جس کو باب البصرہ کہتے تھے وہ اس وقت اس نام سے مشہور بھی تھا بہر حال یہاں حدیث میں دجلہ کے ذکر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مراد بغداد ہے نیز ترکوں نے بغداد پر حملہ کیا تھا۔ بصرہ پر کبھی حملہ نہیں ہوا تھا، مستعصم باللہ کے عہد حکومت میں تاتاریوں کے ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا تھا نیز اس حدیث میں ہے کہ وہ شہر مسلمانوں کا بڑا شہر بنے گا یہ صفت بھی بغداد کی ہے۔ [1] "بنو قنطورا" یہ ترکوں کے بڑے دادا کا نام ہے بعض نے کہا کہ قنطورا ایک لونڈی کا نام تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی لونڈی تھی اس کے بطن سے ترک پیدا ہوئے ہیں۔ [2]

"اذناب البقر" یعنی ایک طبقہ تو دنیا کے پیچھے پڑ جائے گا بیلوں کی دموں کو پکڑ کر ہل جوتنے لگ جائے گا، جہاد کو چھوڑ دے گا تو تباہ ہو جائے گا دوسرا طبقہ بنو قنطورا سے امان طلب کرے گا یہ بھی تباہ ہو جائے گا تیسرا طبقہ خوب جہاد کرے گا وہ کامیاب ہو جائے گا چنانچہ ہلاکو خان سے کچھ لوگوں نے امان طلب کی اس نے سب کو قتل کر دیا، بغداد کی تباہی میں ہلاکو خان نے ایک کروڑ چھ لاکھ انسانوں کو قتل کر دیا تھا پھر انہیں کی نسل سے نور الدین زنگی سے اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت لی، جن کے باقیات صالحات میں سے صلاح الدین ایوبی تھے جنہوں نے ان کے مشن کو پورا کیا تفصیل گزر چکی ہے۔ [3]

بصرہ سے متعلق پیشگوئی

﴿۲۳﴾ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَنَسُ اِنَّ النَّاسَ يُمَصِّرُوْنَ اَمْصَارًا وَاِنَّ مِصْرًا مِنْهَا يُقَالُ لَهُ الْبَصْرَةُ فَاِنْ اَنْتَ مَرَرْتَ بِهَا اَوْ دَخَلْتَهَا فَاِيَّاكَ وَسِبَاخَهَا وَكَلَاءَ

[1] المرقات: ۹/۳۲۲، ۳۲۳ [2] المرقات: ۹/۳۲۳ [3] المرقات: ۹/۳۲۳

هَاوَنَخِيْلَهَا وَسُوْقِهَا وَبَابَ أُمَرَآئِهَاوَعَلَيْكَ بِضَوَاحِيْهَا فَإِنَّهُ يَكُوْنُ بِهَا خَسْفٌ وَقَذْفٌ وَرَجْفٌ وَقَوْمٌ يَبِيْتُوْنَ وَيُصْبِحُوْنَ قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ۔

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا انس! لوگ کچھ نئے شہر بسائیں گے اوران شہروں میں ایک شہر بصرہ ہوگا پس اگر تم اس شہر کے پاس سے گزرو یا اس شہر کے اندر جاؤ تو اس کے اس علاقہ کے قریب بھی نہ جانا جہاں کھاری زمین ہے نہ ان جگہوں کے قریب جانا جن کو "کلاء" کہاجاتا ہے اسی طرح وہاں کی کھجوروں کے باغات اور وہاں کے بازار اور وہاں کے بادشاہوں اور سرداروں کے دروازوں سے بھی دور رہنا صرف اس شہر کے کنارے کے حصہ میں کہ جس کو ضواحی کہا جاتا ہے پڑے رہنا کیونکہ وہاں زمین میں دھنسا دیئے جانے پتھر برسائے جانے اور سخت زلزلوں کا عذاب نازل ہوگا۔ نیز ان علاقوں میں ایک ایسی قوم ہوگی جس کے افراد رات میں عیش وراحت کی نیند سوئیں گے لیکن جب صبح اٹھیں گے تو ان کی صورتیں بندر اور سور جیسی ہوں گی۔

توضیح: "یمصرون" یعنی لوگ نئے نئے شہر بسائیں گے کہتے ہیں کہ بصرہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک مشہور صحابی حضرت عتبہ بن غزوان نے آباد کیا تھا، اس شہر میں کبھی بت پرستی نہیں کی گئی آج کل امریکہ نے عراق پر قبضہ کیا ہوا ہے بصرہ میں اکثر آبادی شیعوں کی ہے اور ان پر برطانیہ کی فوجیں مقرر ہیں۔ [1] "سباخها" سبخة اور سبخة کھاری اور شورہ زمین کو کہتے ہیں جو بنجر ہوتی ہے۔ [2] "کلاء ها" کلاء بھی ایک جگہ کا نام ہے دونوں جگہیں بصرہ میں ہیں۔ [3] "ضواحی" ضاحیة کی جمع ہے شہر کے کنارے کو کہتے ہیں اور بصرہ کی ایک بستی کا نام بھی ہے، کلاء چراگاہ کو بھی کہتے ہیں۔ [4]

بہرحال آنحضرت ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بصرہ کے اطراف اور دیہاتوں میں رہنے کا حکم دیا اور شہر کے اندر رہنے سے منع کر دیا کیونکہ آپ کو بتادیا گیا تھا کہ بصرہ کے اندر قدریہ، جبریہ، معتزلہ اور خوارج کا زور ہوجائے گا اور ان لوگوں میں کئی خباثتیں ہوں گی جن کی وجہ سے ان پر قذف وخسف ومسخ کے عذاب آئیں گے اس لئے اس سے کنارہ کش رہنے کا حکم فرمایا۔

بصرہ کے ایک گاؤں کی ایک مسجد کی فضیلت

﴿۲۴﴾ وَعَنْ صَالِحِ بْنِ دِرْهَمٍ يَقُوْلُ انْطَلَقْنَا حَاجِّيْنَ فَإِذَا رَجُلٌ فَقَالَ لَنَا إِلَى جَنْبِكُمْ قَرْيَةٌ يُقَالُ لَهَا الْأُبُلَّةُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ مَنْ يَضْمَنُ لِيْ مِنْكُمْ أَنْ يُصَلِّيَ لِيْ فِيْ مَسْجِدِ الْعَشَّارِ رَكْعَتَيْنِ أَوْ أَرْبَعًا وَيَقُوْلُ هٰذِهٖ لِأَبِيْ هُرَيْرَةَ سَمِعْتُ خَلِيْلِيْ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ

[1] المرقات: ۹/۳۲۲ [2] المرقات: ۹/۳۲۲ [3] المرقات: ۹/۳۲۲ [4] المرقات: ۹/۳۲۲، ۳۲۵

عَزَّوَجَلَّ يَبْعَثُ مِنْ مَّسْجِدِ الْعَشَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُهَدَاءَ لَا يَقُوْمُ مَعَ شُهَدَاءِ بَدْرٍ غَيْرُهُمْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ هٰذَا الْمَسْجِدُ مِمَّا يَلِي النَّهْرَ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ أَبِي الدَّرْدَاءِ إِنَّ فُسْطَاطَ الْمُسْلِمِيْنَ فِي بَابِ ذِكْرِ الْيَمَنِ وَالشَّامِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى)[1]

ترجمہ: اور حضرت صالح ابن درہم (تابعی) کہتے ہیں کہ ہم حج کے لئے (بصرہ سے مکہ) گئے تو وہاں ایک شخص کو کھڑے دیکھا انہوں نے ہم سے پوچھا کہ کیا تمہارے شہر کے نواح میں ایک بستی ہے جس کو ابلہ کہا جاتا ہے؟ ہم نے کہا کہ ہاں ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم میں سے کون شخص اس کا ذمہ لیتا ہے کہ وہ میری طرف سے مسجد عشار میں دو رکعت بلکہ چار رکعت نماز پڑھے اور یہ کہے کہ اس نماز کا ثواب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو پہنچے میں نے اپنے یار صادق ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ مسجد عشار سے قیامت کے دن شہداء کو اٹھائے گا اور بدر کے شہداء کے ساتھ ان شہداء کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوگا۔ اس روایت کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ مسجد بصرہ کے اس نواحی حصے میں ہے جو دریائے فرات کی طرف ہے اور حضرت ابودرداء کی حدیث ان فسطاط المسلمین کو ہم ان شاء اللہ یمن و شام کے ذکر کے بیان میں نقل کریں گے۔

توضیح: "ابن درهم" یہ ایک تابعی ہیں۔ "رجل" اس سے مراد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔[2] "الی جنبکم" یہاں ایک ہمزہ محذوف ہے "أإلى" یعنی تمہاری طرف ایک گاؤں ایسا ہے جس کا نام "ابله" ہے یہ ایک مشہور شہر کا نام ہے جو بصرہ کے قریب واقع ہے[3] "مسجد العشار" یہ ایک مسجد کا نام ہے جو ابلہ میں واقع ہے لوگ اس مسجد میں برکت کی غرض سے نماز پڑھنے آتے ہیں۔ مقدس مقامات میں نماز کی فضیلت کسی پر پوشیدہ نہیں ہے نیز کسی دوسرے انسان کو یہ وصیت کرنا کہ میرے لئے بطور ثواب یہ عبادت کرو اور ایصال ثواب کرو یہ جائز ہے اسی طرح کسی کے لئے نفلی عبادت کے ثواب کا ایصال بھی جائز ہے۔ مسجد عشار کے شہداء کے بارے میں معلوم نہ ہوسکا کہ آیا یہ سابقہ امتوں کے لوگ تھے یا اس امت کے شہداء تھے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ مسجد تو پرانی تاریخی مسجد ہے البتہ شہداء اس امت کے ہوں گے جن کا درجہ بدر و احد کے شہداء کے برابر ہے میرے ایک شاگرد شیخ موسیٰ جو اس وقت کراچی میں ہیں وہ بصرہ کے رہنے والے تھے انہوں نے بتایا کہ مسجد عشار ہمارے محلہ میں ہے لوگ زیارت کے لئے آتے ہیں۔[4]

الفصل الثالث

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات فتنوں کے لئے رکاوٹ تھی

﴿۲۵﴾ عَنْ شَقِيْقٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ فَقَالَ أَيُّكُمْ يَحْفَظُ حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴/۱۱۱ [2] المرقات: ۹/۳۲۵ [3] المرقات: ۹/۳۲۵ [4] المرقات: ۹/۳۲۶

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتْنَةِ فَقُلْتُ اَنَا اَحْفَظُ كَمَا قَالَ قَالَ هَاتِ اِنَّكَ لَجَرِيْئٌ وَكَيْفَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِيْ اَهْلِهٖ وَمَالِهٖ وَنَفْسِهٖ وَوَلَدِهٖ وَجَارِهٖ يُكَفِّرُهَا الصِّيَامُ وَالصَّلٰوةُ وَالصَّدَقَةُ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ فَقَالَ عُمَرُ لَيْسَ هٰذَا اُرِيْدُ اِنَّمَا اُرِيْدُ الَّتِيْ تَمُوْجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ قَالَ قُلْتُ مَالَكَ وَلَهَا يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُّغْلَقًا قَالَ وَيُكْسَرُ الْبَابُ اَوْ يُفْتَحُ قَالَ قُلْتُ لَا بَلْ يُكْسَرُ قَالَ ذٰلِكَ اَحْرٰى اَنْ لَّا يُغْلَقَ اَبَدًا قَالَ فَقُلْنَا لِحُذَيْفَةَ هَلْ كَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ مَنِ الْبَابُ قَالَ نَعَمْ كَمَا يَعْلَمُ اَنَّ دُوْنَ غَدٍ لَيْلَةً اِنِّيْ حَدَّثْتُهٗ حَدِيْثًا لَيْسَ بِالْاَغَالِيْطِ قَالَ فَهِبْنَا اَنْ نَّسْاَلَ حُذَيْفَةَ مَنِ الْبَابُ فَقُلْنَا لِمَسْرُوْقٍ سَلْهُ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ عُمَرُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [1]

ترجمہ: حضرت شقیق (تابعی) حضرت حذیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ انہوں نے ہم سے پوچھا کہ تم میں سے کسی شخص کو رسول کریم ﷺ کی وہ حدیث یاد ہے جو آپ نے فتنہ کے سلسلے میں ارشاد فرمائی ہے، میں نے کہا مجھے یاد ہے اور بالکل اس طرح یاد ہے جس طرح آپ نے ارشاد فرمائی ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ اچھا وہ حدیث بیان کرو تم روایت حدیث میں بہت دلیر ہو جو کچھ حضور نے ارشاد فرمایا ہے اس کو نقل کرو اور اس کی کیفیت بیان کرو۔ حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے بیان کیا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کا فتنہ اس کے اہل وعیال میں ہے اس کے مال میں ہے اس کے نفس میں ہے اس کی اولاد میں ہے اور اس کے ہمسایہ میں ہے اس کے اس فتنہ کو روزے، نماز، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دور کر دیتے ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میرا مدعا اس فتنے سے نہیں تھا میں تو اس فتنہ کے بارے میں سننا چاہتا تھا جو سمندر کی موجوں کی طرح جوش مارے گا! حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! بھلا آپ کو اس فتنہ سے کیا تعلق؟ آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان تو ایک بند دروازہ حائل ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا وہ دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ دروازہ کھولا نہیں جائے گا بلکہ توڑا جائے گا۔ حضرت عمر نے فرمایا اس دروازے کے بارے میں زیادہ قرین حقیقت بات یہ ہے کہ وہ کبھی بند ہی نہ ہو۔ حدیث کے راوی حضرت شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حذیفہ سے پوچھا کہ کیا حضرت عمر اس سے واقف تھے کہ دروازہ سے مراد کون ہے؟ حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ ہاں! حضرت عمر اس سے واقف تھے جیسا کہ وہ اس بات سے واقف تھے کہ کل کے دن سے پہلے رات آئے گی اور اس میں شک نہیں کہ میں نے حضرت عمر سے وہ حدیث بیان کی جس میں غلطیاں نہیں ہیں۔ حضرت شقیق کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت حذیفہ سے یہ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ دروازہ سے مراد کون ہے البتہ ہم نے حضرت مسروق سے عرض کیا کہ آپ

[1] اخرجه البخاري: ۱/۱۳۰ ومسلم: ۸/۱۶۳

حضرت حذیفہ سے پوچھ لیجئے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت حذیفہ سے پوچھا تو حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ دروازہ سے مراد حضرت عمر ہیں یعنی حضرت عمر کی ذات ایک ایسے دروازے کی طرح ہے جس نے اس امت اور اسلامی مملکت میں فتنہ وفساد کے اندر آنے کو روک رکھا ہے، ان کے بعد فتنوں کا دروازہ کھل جائے گا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "لجری" حضرت عمر فاروق کے پاس گواہ کے بغیر کوئی شخص حدیث بیان نہیں کرسکتا تھا اس لئے حضرت حذیفہ سے فرمایا تم تو بہت دلیر ہو چلو اب بیان کرو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دو قسم فتنوں میں سے ایک قسم بیان کی۔ یاد رہے فتنہ دو قسم پر ہے ایک فتنہ تو اہل وعیال اور مال ومتاع سے متعلق ہوتا ہے دوسرا فتنہ وہ ہے جس کا تعلق قتل وقتال اور افتراق وانتشار اور بدامنی سے ہوتا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلی قسم فتنہ سے متعلق سوال کر رہے ہیں تو اس کو بیان کرنا شروع کر دیا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ دوسری قسم فتنہ بتادو جو سمندر کی موجوں کی طرح موج مارتا ہوا آتا ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کو اس سے کیا واسطہ ہے؟ آپ تو اس سے بہت دور ہیں آپ کے اور ان فتنوں کے درمیان ایک بند دروازہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ توڑا جائے گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر تو یہ بند نہیں ہوسکے گا یہاں دروازہ کی تشبیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات سے دی گئی ہے دروازہ کا کھولنا یہ طبعی موت کے آنے کی طرف اشارہ تھا اور توڑنا ان کے شہید کرنے کی طرف اشارہ تھا چنانچہ جب آپ کو ابولولو مجوسی نے شہید کر دیا تو یہ دروازہ ٹوٹ گیا اب بند نہیں ہوسکے گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بیان سے خوب معلوم ہوگیا تھا کہ فتنوں کے سامنے بند دروازہ ان کی اپنی ذات ہے جب آپ شہید کر دئے گئے تو فتنوں کے دروازے کھل گئے اور حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے۔

﴿۲۶﴾ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ فَتْحُ الْقُسْطُنْطِيْنِيَّةِ مَعَ قِيَامِ السَّاعَةِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

ترجمہ: اور حضرت انس سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا قسطنطنیہ کا فتح ہونا قیامت کے قریب ہوگا۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

مورخہ ۲ جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ

باب اشراط الساعة

قیامت کی علامات کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿فهل ينظرون الا الساعة ان تأتيهم بغتة فقد جآء اشراطها﴾ (محمد ۱۸) [۱]

اشراط جمع ہے اس کا مفرد شَرَط ہے جو نشانی اور علامت کے معنی میں ہے اس باب میں وہ علامات بیان ہوں گی جو قیامت کے قرب اور اس کے واقع ہونے کو ظاہر کرتی ہیں۔ "الساعة" دن اور رات کل "۲۴" اجزاء پر مشتمل ہے ان اجزاء میں سے ایک جزء کو ساعت کہتے ہیں جس کو ایک گھڑی اور گھنٹہ بھی کہتے ہیں یہاں ساعة سے یہ گھڑی مراد نہیں ہے بلکہ ساعة کا اطلاق غیر معلوم مختصر وقت پر بھی ہوتا ہے یہاں یہی مراد ہے کیونکہ قیامت کے وقوع کا وقت غیر معلوم بھی ہے اور مختصر بھی ہے علماء نے لکھا ہے کہ قیامت سے پہلے چند علامات ایسی ہیں جو چھوٹی ہیں چنانچہ حضرت مہدی تک جو علامات ہیں یہ چھوٹی ہیں اور پھر ظہور مہدی سے لے کر وقوع قیامت تک بڑی علامات ہیں ان دونوں کو علامات صغریٰ اور علامات کبریٰ کے نام سے پکارا جاتا ہے اب یہاں ایک سوال ہے اس کو ملاحظہ فرمائیں:

سوال: اگر اشراط الساعة کا تعلق علامات صغریٰ سے ہے تو پھر اس باب میں حضرت مہدی کا ذکر بار بار کیوں آیا ہے ظہور مہدی تو علامات کبریٰ میں سے ہے؟

جواب: چھوٹی علامات میں چونکہ بعض جنگوں کا ذکر بھی ہے ان جنگوں کے حوالہ سے حضرت مہدی کا ذکر اس باب میں ضمنی طور پر آ گیا ہے ورنہ ظہور مہدی علامات کبریٰ میں سے ہے۔ بہر حال آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں اس میں قیامت کی چھوٹی علامات مکمل طور پر ظاہر ہوگئی ہیں بلکہ اس پر متفرع نتائج جیسے زلازل وغیرہ بھی آ گئے ہیں۔

الفصل الاول

قیامت کی چند علامات

﴿۱﴾ عَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يُّرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَكْثُرَ الْجَهْلُ وَيَكْثُرَ الزِّنَا وَيَكْثُرَ شُرْبُ الْخَمْرِ وَيَقِلَّ الرِّجَالُ وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ حَتّٰى يَكُوْنَ لِخَمْسِيْنَ امْرَاَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ وَفِيْ رِوَايَةٍ يَقِلَّ الْعِلْمُ وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۲]

---

[۱] سورۃ محمد: ۱۸　[۲] اخرجه البخاري: ۱/۲۰، ومسلم: ۸/۵۸

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا بلاشبہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا، جہالت کی زیادتی ہوجائے گی، زنا کثرت سے ہونے لگے گا، مردوں کی تعداد کم ہوجائے گی، عورتوں کی تعداد بڑھ جائے گی یہاں تک کہ پچاس عورتوں کی خبر گیری کرنے والا ایک مرد ہوگا۔ اور ایک روایت میں **(یرفع العلم ویکثر الجهل)** کے بجائے یوں ہے کہ علم کم ہوجائے گا اور جہالت پھیل جائے گی۔ (بخاری و مسلم)

﴿۲﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ كَذَّابِيْنَ فَاحْذَرُوْهُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا قیامت آنے سے پہلے جھوٹوں کی پیدائش بڑھ جائے گی الحذر ان سے بچتے رہنا۔ (مسلم)

توضیح: "کذابین" یعنی قیامت سے پہلے جھوٹے لوگ پیدا ہوں گے اس سے وہ اہل ہواء و بدعت اور باطل نظریات کے لوگ مراد ہیں جو اپنے غلط نظریات کے لئے جھوٹی حدیثیں گھڑیں گے یا اس سے مراد جھوٹی نبوت کے جھوٹے دعویدار ہیں۔[۲]

نالائق کو منصب دینا قیامت کی علامت ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ إِذْ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ إِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ قَالَ كَيْفَ إِضَاعَتُهَا قَالَ إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ صحابہ سے باتیں کررہے تھے کہ اچانک ایک دیہاتی آیا اور کہنے لگا کہ قیامت کب آئے گی؟ حضور نے فرمایا کہ جب امانت تلف کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرنے لگنا، دیہاتی نے پوچھا کہ امانت کیونکر تلف کی جائے گی اور یہ نوبت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا جب حکومت و سلطنت کا کام نااہل لوگوں کے سپرد ہوجائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔ (بخاری)

توضیح: "الی غیر اهله" نالائق اور نااہل وہ لوگ ہیں جو متعلقہ کام اور حکومت و سیادت کی شرائط پر پورے نہیں اُترتے اور قائد و حاکم اور بڑا بننے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ جیسے عورتیں، بچے، نالائق، جاہل، فاسق، فاجر، بخیل، کنجوس، نامرد، بزدل اور غیر قریشی النسل، یہ لوگ شرعاً حکومت و قیادت و سیادت کے اہل نہیں ہیں پھر یہ نااہل عام ہے خواہ

[۱] اخرجه مسلم: ۸/۱۸۸ [۲] المرقات: ۹/۳۳۳ [۳] اخرجه البخاری: ۱/۲۳

دنیوی معاملات میں نااہل ہو یا دینی معاملات میں نااہل ہو کہ علم پختہ نہیں ہے اور مدرس بنا ہے، عالم نہیں ہے اور وعظ و بیان میں لگا رہتا ہے، پیری مریدی کی صلاحیت نہیں ہے اور پیر بنا ہوا ہے امانت سے لوگوں کی دنیوی امانتیں بھی مراد ہیں اور دینی، شرعی امانتیں بھی مراد ہیں۔ ۱؎

عرب سرزمین میں جب ہریالی ہو تو قیامت قریب ہوگی

﴿۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكْثُرَ الْمَالُ وَيَفِيْضَ حَتّٰى يُخْرِجَ الرَّجُلُ زَكَاةَ مَالِهِ فَلَا يَجِدُ اَحَدًا يَقْبَلُهَا مِنْهُ وَحَتّٰى تَعُوْدَ اَرْضُ الْعَرَبِ مُرُوْجًا وَّاَنْهَارًا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهُ قَالَ تَبْلُغُ الْمَسَاكِنُ اِهَابَ اَوْ يَهَابَ) ۲؎

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک مال و دولت کی فراوانی نہیں ہو جائے گی اور فراوانی بھی اس طرح کی ہو جائے گی کہ ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے گا لیکن وہ کوئی شخص نہیں پائے گا جو اس کی زکوٰۃ کا مال اس سے لے لے اور جب تک کہ عرب کی سرزمین باغ و بہار اور نہر والی نہ بن جائے (مسلم) اور مسلم ہی کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ عمارتوں اور آبادی کا سلسلہ اھاب یا یھاب تک پہنچ جائے گا۔

توضیح: "مروجا" یعنی عربستان کی زمین چراگاہ اور ہریالی اور نہر والی ہو جائے گی۔ چنانچہ آج کل یہ عمل شروع ہو گیا ہے جدہ سے مکہ تک زمین ہریالی ہے۔ ۳؎ "اھاب" مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے اس صورت میں لفظ "او" شک کے لئے ہے اور اگر او تنویع کے لئے ہے تو پھر یہ دو جگہیں ہوں گی یعنی ان مقامات تک جب مدینہ کی آبادی پہنچ جائے گی تو یہ قرب قیامت کی نشانی ہوگی مال کی فراوانی شاید مہدی کے زمانہ میں ہوگی۔ ۴؎

حضرت مہدی کی چند صفات

﴿۵﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ خَلِيْفَةٌ يَّقْسِمُ الْمَالَ وَلَا يَعُدُّهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ اُمَّتِيْ خَلِيْفَةٌ يَّحْثِي الْمَالَ حَثْيًا وَّلَا يَعُدُّهٗ عَدًّا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) ۵؎

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا آخر زمانہ میں ایک خلیفہ پیدا ہوگا جو ضرورت مندوں اور مستحقین کو خوب مال تقسیم کرے گا اور اس کو شمار نہیں کرے گا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میری امت کے آخری زمانہ میں ایک خلیفہ پیدا ہوگا جو لوگوں کو مٹھی یا چلو بھر کر مال و دولت دے گا اور اس کو شمار نہیں کرے گا جیسا کہ شمار کیا جاتا ہے۔ (مسلم)

توضیح: "خلیفة" اس سے مراد حضرت مہدی ہیں ان کا ظہور مقام ابراہیم اور حجر اسود کے درمیان ہوگا اس ظہور

۱؎ المرقات: ۹/۳۳۴ ۲؎ اخرجہ مسلم: ۳/۸۴ ۳؎ المرقات: ۹/۳۳۵ ۴؎ المرقات: ۹/۳۳۵ ۵؎ اخرجہ مسلم: ۸/۱۸۴

سے قبل گذشتہ سال کے رمضان میں سورج کو گرہن لگ چکا ہوگا بیعت اور ظہور کے وقت آسمان سے یہ آواز آئے گی۔
"ھذا خلیفۃ اللہ المھدی فاستمعوا لہ واطیعوہ" اس سے قبل یہ مدینہ سے بھاگ کر مکہ آچکے ہونگے تاکہ ان کو کوئی پہچان نہ لے شام کے اولیاء اللہ ان کو پہچان لیں گے اور بیعت کرلیں گے حضرت مہدی کے ظہور سے قبل چند جھوٹے مہدی بھی آئیں گے، امام مہدی سید ہوں گے، زبان میں لکنت ہوگی جب غصہ ہوں گے تو اپنی ران پر ہاتھ ماریں گے، حضور اکرم ﷺ کے ہمنام ہوں گے آپ کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ ہوگا، عادات میں بالکل حضور اکرم ﷺ کے مشابہ ہوں گے مگر شکل وصورت میں الگ ہوں گے۔
"یقسم المال" یعنی مال غنیمت کی اتنی فراوانی ہوگی اور خود ان کی اتنی سخاوت ہوگی کہ مال تقسیم کریں گے اور اندھادھند لٹائیں گے اور شمار و گنتی نہیں کریں گے۔[۱] "یحثی" یعنی لپیں بھر بھر کر دیں گے، نو سال تک خلافت کریں گے، سات سال خالص جہاد میں گذاریں گے آٹھویں سال میں دجال کا مقابلہ کریں گے اور نویں سال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ انتظام حکومت چلائیں گے اور پھر انتقال ہوجائے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کا جنازہ پڑھائیں گے۔[۲]

دریائے فرات سے خطرناک خزانے نکلیں گے

﴿۶﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ الْفُرَاتُ أَنْ يَّحْسُوَ عَنْ كَنْزٍ مِّنْ ذَهَبٍ فَمَنْ حَضَرَ فَلَا يَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جلد وہ زمانہ آنے والا ہے جب دریائے فرات سونے کا خزانہ برآمد کرے گا پس جو شخص اس وقت وہاں موجود ہو اس کو چاہئے کہ اس خزانہ میں سے کچھ نہ لے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "یوشك الفرات" یعنی دریائے فرات خشک ہوجائے گا اور نیچے سے سونے کا خزانہ برآمد ہوجائے گا۔ اس خزانہ سے کچھ لینے کی اس لئے ممانعت آئی ہے کہ اس کی وجہ سے آپس کی جنگ ہوگی اور فتنہ وفساد برپا ہوگا یا اس مال میں حرمت وکراہت کا قوی احتمال ہوگا آنے والی حدیث نمبر ۷ میں بھی اسی خزانہ کا بیان ہے مگر اس میں اتنا اضافہ ہے کہ سونے کا وہ خزانہ پہاڑ برابر ہوگا ہر آدمی آئے گا اور کہے گا کہ میں شاید یہ خزانہ حاصل کرکے کامیاب ہوجاؤں گا مگر ایسا نہیں ہوگا چنانچہ ممکن ہے کہ آپس میں لڑتے لڑتے سو میں سے ننانوے مرجائیں گے صرف ایک بچ جائے گا وہ بھی حرص ولالچ میں مبتلا ہوگا۔ مذکورہ حدیث میں جس خزانہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ممکن ہے یہ سونے کی کان ہو اور ممکن ہے کہ موجودہ عراقی تیل مراد ہو اور تیل کا اصل کنواں دریا کے نیچے سے ابل رہا ہو آج کل دنیا کے سارے کفار امریکہ کی کمان میں اکٹھے ہوگئے ہیں اور عراق کا تیل لوٹ رہے ہیں اور مجاہدین کے ہاتھوں کٹ رہے ہیں پٹرول اور گیس کے علاوہ جواہرات اور مرمر اور سونا چاندی سب کچھ اس علاقے میں ظاہر ہوسکتے ہیں جو قیامت کی علامتوں میں سے ہے آنے والی حدیث نمبر ۸

[۱] المرقات: ۹/۳۳۶ [۲] المرقات: ۹/۳۳۶ [۳] اخرجہ البخاری: ۹/۷۳ ومسلم: ۸/۱۷۴

میں بھی کچھ تفصیل ہے کہ زمین اپنے جگر گوشوں کو قے کر کے باہر کر دے گی۔ [1] "افلاذ" فلذۃ کی جمع ہے جگر کے ٹکڑوں پر بولا گیا ہے زمین کے اندر کے معدنیات مراد ہیں۔ یہ لفظ آنے والی حدیث نمبر ۸ میں مذکور ہے۔

﴿۷﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَحْسِرَ الْفُرَاتُ عَنْ جَبَلٍ مِّنْ ذَهَبٍ يَقْتَتِلُ النَّاسُ عَلَيْهِ فَيُقْتَلُ مِنْ كُلِّ مِائَةٍ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ وَيَقُوْلُ كُلُّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ لَعَلِّيْ اَكُوْنُ اَنَا الَّذِيْ اَنْجُوْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ دریائے فرات سونے کا پہاڑ برآمد نہ کریگا! لوگ اس وجہ سے جنگ اور قتل وقتال کریں گے پس ان لوگوں میں سے ننانوے فیصد مارے جائیں گے اور ہر شخص یہ کہے گا کہ شاید میں (زندہ بچ جاؤں اور) مقصد میں کامیاب ہو جاؤں (مسلم)

﴿۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقِيْءُ الْاَرْضُ اَفْلَاذَ كَبِدِهَا اَمْثَالَ الْاُسْطُوَانَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ فَيَجِيْءُ الْقَاتِلُ فَيَقُوْلُ فِيْ هٰذَا قَتَلْتُ وَيَجِيْءُ الْقَاطِعُ فَيَقُوْلُ فِيْ هٰذَا قَطَعْتُ رَحِمِيْ وَيَجِيْءُ السَّارِقُ فَيَقُوْلُ فِيْ هٰذَا قُطِعَتْ يَدِيْ ثُمَّ يَدَعُوْنَهُ فَلَا يَاْخُذُوْنَ مِنْهُ شَيْئًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا زمین اپنے جگر کے ٹکڑوں کو نکال کر باہر پھینک دے گی جو سونے چاندی کے ستونوں کے مانند ہوں گے پس ایک شخص کہ جس نے محض مال حاصل کرنے کے لئے قتل کا ارتکاب کیا ہوگا آئے گا اور کہے گا کہ (کیا) اسی لئے میں نے لوگوں کو قتل کیا ہے۔ اور ایک شخص کہ جس نے ناطہ توڑا ہوگا آئے گا اور کہے گا کہ (کیا) میں نے اسی مال کے لئے اپنے رشتہ داروں سے ناطہ توڑا ہے اور پھر چور آئے گا اور کہے گا کہ (کیا) اسی مال کے لئے میرا ہاتھ کاٹا گیا ہے۔ چنانچہ وہ سب لوگ اس مال ودولت کو یوں ہی چھوڑ دیں گے کہ کوئی اس میں سے کچھ نہیں لے گا۔ (مسلم)

آخر زمانہ میں ہر آدمی پریشان ہو جائے گا

﴿۹﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمُرَّ الرَّجُلُ عَلَى الْقَبْرِ فَيَتَمَرَّغُ عَلَيْهِ وَيَقُوْلُ يَالَيْتَنِيْ كُنْتُ مَكَانَ صَاحِبِ هٰذَا الْقَبْرِ وَلَيْسَ بِهِ الدِّيْنُ اِلَّا الْبَلَاءُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [4]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان

[1] المرقات: ۹/۳۳۶ [2] اخرجه مسلم: ۸/۲۶۳ [3] اخرجه مسلم: ۸/۲۶۳ [4] اخرجه مسلم: ۸/۱۸۲

ہے یہ دنیا اس وقت تک اختتام پذیر نہیں ہوگی جب تک کہ ایسا زمانہ نہیں آیگا کہ آدمی قبر کے پاس سے گزرے گا اور پھر قبر پر لوٹ پوٹ کر (حسرت سے) کہے گا کہ کاش میں اس قبر والے کی جگہ ہوتا اور یہ پریشانی دین کی وجہ سے نہیں ہوگی بلکہ دنیوی بلا ہوگی۔ (مسلم)

قیامت سے پہلے ایک بڑی آگ کا ظہور ہوگا

﴿۱۰﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَخْرُجَ نَارٌ مِّنْ اَرْضِ حِجَازٍ تُضِيْئُ اَعْنَاقَ الْاِبِلِ بِبُصْرٰى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ حجاز سے ایک آگ نہ بھڑک لے گی جو بصریٰ کے اونٹوں کی گردنوں کو روشن کردے گی۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "من ارض حجاز" یعنی حجاز کی سرزمین سے ایک بڑی آگ ظاہر ہوگی جس کی وجہ سے بُصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں نظر آئیں گی۔ حجاز جزیرۃ العرب کے اس علاقہ کو کہا جاتا ہے جس میں مکہ اور مدینہ داخل ہے اور بُصریٰ شام کی زمین میں ایک شہر کا نام ہے جو دمشق سے تین دن کی مسافت پر ہے، علماء نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں جس آگ کا بیان آیا ہے یہ آگ ۶۵۰ھ میں ظاہر ہوچکی تھی، یہ آگ وسط حجاز سے طوفان اور سمندر کی موجوں کی طرح بلند ہورہی تھی اور پہاڑوں، صحراؤں اور جنگلوں کو جلا کر راکھ بنارہی تھی اس میں بجلی کی کڑک کی طرح آواز بھی تھی اور اس میں مختلف رنگ بھی تھے چنانچہ یہ آگ اسی طوفانی حیثیت سے مدینہ منورہ تک پہنچ گئی مگر حدود مدینہ میں ٹھنڈی پڑگئی یعنی حدود مدینہ کی کسی چیز کو نہیں جلاتی تھی۔

اس آگ سے مدینہ منورہ کے لوگ گھبرائے ہوئے تھے وہ رو رو کر دُعائیں مانگ رہے تھے اور صدقات دے رہے تھے اس آگ سے پچاس دن تک مدینہ منورہ روشن تھا مدینہ کے لوگ رات کو اس کی وجہ سے کام کرتے تھے مکہ مکرمہ کے لوگوں نے گواہی دی کہ اس آگ کی روشنی کی وجہ سے ہم نے بصریٰ اور شام کے علاقوں کو روشن دیکھا تھا یہ آگ سورج سے زیادہ روشن تھی دن کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ سورج ہے یا نہیں ہے، یہ آگ پتھروں کو جلاتی تھی مگر درختوں کو نہیں جلاتی تھی اسی طرح مدینہ کے اندر حدود حرم میں اثر نہیں کرتی تھی چنانچہ اگر کسی پتھر کا آدھا حصہ حرم مدینہ میں ہوتا اور آدھا باہر ہوتا تو یہ آگ باہر والے حصہ کو جلا ڈالتی تھی اندر والے حصہ کو چھوڑ دیتی تھی، روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوگ رونے میں مشغول تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اس آگ کا رخ آسمان کی طرف موڑ دیا اور لوگ محفوظ ہوگئے۔ اعناق الابل سے مراد علاقہ بصریٰ کی چٹانیں ہیں اس آگ کے ختم ہونے کے بعد بغداد پر تاتاریوں کا حملہ ہوگیا جس سے بغداد تباہ ہو کر رہ گیا۔

یہ آگ ۳ جمادی الثانی ۶۵۰ھ میں نمودار ہوئی تھی اور ۲۷ رجب ۶۵۰ھ تک ۳۵ دن مسلسل جاری رہی تھی۔[2]

---

[1] اخرجه البخاری: ۹/۷۳ ومسلم: ۸/۱۸۸ [2] المرقات: ۹/۳۴۰

﴿۱۱﴾ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ نَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ اِلَى الْمَغْرِبِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے پہلی علامت وہ آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف ہانک کر لے جائے گی۔ (بخاری)

الفصل الثانی

قیامت کے قریب زمانہ بے برکت ہو جائے گا

﴿۱۲﴾ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَتَقَارَبَ الزَّمَانُ فَتَكُوْنُ السَّنَةُ كَالشَّهْرِ وَالشَّهْرُ كَالْجُمُعَةِ وَتَكُوْنُ الْجُمُعَةُ كَالْيَوْمِ وَيَكُوْنُ الْيَوْمُ كَالسَّاعَةِ وَتَكُوْنُ السَّاعَةُ كَالضَّرَمَةِ بِالنَّارِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ زمانہ قریب نہ ہو جائے گا، سال مہینہ کے برابر، مہینہ ہفتہ کے برابر، ہفتہ ایک دن کے برابر اور ایک دن ایک گھنٹے کے برابر ہو جائے گا اور ایک گھنٹہ اتنا مختصر ہو جائے گا جیسے آگ کا شعلہ (گھاس کے تنکے پر) سلگ جاتا ہے۔ (ترمذی)

توضیح: "الضرمة علی النار" یعنی جیسے گھاس اور تنکوں کا گھٹا آگ پر رکھ دیا جائے اور آگ اس کو جلا کر چنگاریوں میں اُڑا دے مسافتوں کا یہ قرب اس پیشگوئی کے پیش نظر یقینی اور بدیہی ہے مگر جدید دور کے الیکٹرانک اور ریڈیائی لاسلکی نظام کو اگر دیکھا جائے تو مسافتوں کا مختصر ہونا زیادہ آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔[3]

﴿۱۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حَوَالَةَ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَغْنَمَ عَلٰى اَقْدَامِنَا فَرَجَعْنَا فَلَمْ نَغْنَمْ شَيْئًا وَّعَرَفَ الْجُهْدَ فِيْ وُجُوْهِنَا فَقَامَ فِيْنَا فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَاتَكِلْهُمْ اِلَيَّ فَاَضْعُفَ عَنْهُمْ وَلَاتَكِلْهُمْ اِلٰى اَنْفُسِهِمْ فَيَعْجِزُوْا عَنْهَا وَلَاتَكِلْهُمْ اِلَى النَّاسِ فَيَسْتَأْثِرُوْا عَلَيْهِمْ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى رَأْسِيْ ثُمَّ قَالَ يَاابْنَ حَوَالَةَ اِذَا رَأَيْتَ الْخِلَافَةَ قَدْ نَزَلَتِ الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ فَقَدْ دَنَتِ الزَّلَازِلُ وَالْبَلَابِلُ وَالْاُمُوْرُ الْعِظَامُ وَالسَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنَ النَّاسِ مِنْ يَدِيْ هٰذِهٖ اِلٰى رَأْسِكَ۔

[1] اخرجه البخاری: ۹/۷۳ [2] اخرجه الترمذی: ۴/۵۶۷ [3] المرقات: ۹/۳۴۲

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن حوالہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں جہاد کرنے کے لئے بھیجا تاکہ ہم مال غنیمت حاصل کر سکیں اور اس کے ذریعہ اپنی ضروریات پوری کریں ہمارا وہ سفر پیدل تھا اور (جب) ہم اس جہاد سے واپس ہوئے تو ہمارے ساتھ کچھ بھی مال غنیمت نہیں تھا۔ چنانچہ حضور ﷺ ہمارے چہروں پر اداسی اور مایوسی دیکھ کر ہمیں تسلی دینے اور ہمارے حق میں دعا کرنے کے لئے ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ پروردگار! ان لوگوں کو میرے سپرد نہ فرما ایسا نہ ہو کہ میں ان کی خبر گیری کی طاقت نہ رکھوں اور نہ ان کو خود ان کے سپرد فرما کیونکہ یہ اپنے امور کی انجام دہی سے عاجز ہوں گے اور نہ ان کو دوسرے لوگوں کے سپرد فرما اور دوسروں کا محتاج بنا کیونکہ لوگ ان کی حاجتوں اور ضرورتوں پر اپنی حاجتوں کو مقدم رکھیں گے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھا اور فرمایا اے ابن حوالہ (جب تم) دیکھو کہ خلافت ارض مقدس میں پہنچ گئی ہے (یعنی مسلمانوں کا دار الخلافہ مدینہ سے منتقل ہو کر ملک شام میں پہنچ گیا ہے) تو سمجھ لینا کہ زلزلے، بلبلے اور وہ بڑے بڑے حادثے (جن کا تعلق قیامت سے ہے) قریب آپہنچے ہیں اور اس دن قیامت لوگوں سے اتنی قریب ہوگی جتنا میرا ہاتھ تمہارے سر سے قریب ہے۔

توضیح: "فاضعف" یعنی ان کو میرے حوالہ نہ کرنا میں عاجز آجاؤں گا اور ان کو ان کے حوالہ بھی نہ کرنا یہ خود عاجز آجائیں گے۔ [1] "فیستأثروا" یعنی ان کو لوگوں کے حوالہ بھی نہ کرنا لوگ ان پر ترجیح شروع کردیں گے۔ [2] "الخلافة" یعنی جب خلافت مدینہ سے بیت المقدس کی طرف منتقل ہوجائے گی اور پھیل جائے گی تو پھر زلزلے شروع ہوجائیں گے اور آفات کا نزول ہوگا [3] بلابل بلبلة کی جمع ہے آفت و مصیبت کو کہتے ہیں ممکن ہے کہ یہاں خلافت سے حضرت مہدی کی خلافت مراد ہو جس کا مرکز شام ہوگا اور پھر قرب قیامت کے زلزلے شروع ہوں گے۔ [4]

جب پندرہ جرائم ہوں گے تو زلزلے آئیں گے

﴿۱۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اتُّخِذَ الْفَيْئُ دُوَلًا وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّكٰوةُ مَغْرَمًا وَتُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ وَأَطَاعَ الرَّجُلُ إِمْرَأَتَهُ وَعَقَّ أُمَّهُ وَأَدْنٰى صَدِيْقَهُ وَأَقْصٰى أَبَاهُ وَظَهَرَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِيْلَةَ فَاسِقُهُمْ وَكَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا فَارْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَاٰيَاتٍ تَتَابَعُ كَنِظَامٍ قُطِعَ سِلْكُهُ فَتَتَابَعَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) [5]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب مال غنیمت کو دولت قرار دیا جانے لگے

[1] المرقات: ۹/۳۴۴ [2] المرقات: ۹/۳۴۴ [3] المرقات: ۹/۳۴۴ [4] المرقات: ۹/۳۴۴ [5] اخرجه الترمذی: ۴/۴۹۵

اور جب زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے۔ اور جب علم کو دین کے علاوہ کسی اور غرض سے سکھایا جانے لگے اور جب مرد بیوی کی اطاعت کرنے لگے اور جب ماں کی نافرمانی کی جانے لگے اور جب دوستوں کو تو قریب اور باپ کو دور کیا جانے لگے اور جب مسجد میں شور وغل مچایا جانے لگے اور جب قوم و جماعت کی سرداری اس قوم و جماعت کے فاسق شخص کرنے لگیں اور جب قوم و جماعت کے لیڈر و سربراہ اس قوم و جماعت کے کمینہ اور رذیل شخص ہونے لگیں اور جب آدمی کی تعظیم اس کے شر اور فتنہ کے ڈر سے کی جانے لگے اور جب لوگوں میں گانے والیوں اور ساز و باجوں کا دور دورہ ہو جائے اور جب شرابیں پی جانی لگیں اور جب اس امت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو برا کہنے لگیں اور ان پر لعنت بھیجنے لگیں تو اس وقت تم ان چیزوں کے جلدی ظاہر ہونے کا انتظار کرو، سرخ یعنی تیز وتند اور شدید ترین طوفانی آندھی کا، اور زلزلہ کا، اور زمین میں دھنس جانے کا اور صورتوں کے مسخ وتبدیل ہو جانے کا اور پتھروں کے برسنے کا، نیز ان چیزوں کے علاوہ قیامت کی اور تمام نشانیوں اور علامتوں کا انتظار کرو جو اس طرح پے در پے وقوع پذیر ہوں گی جیسے لڑی کا دھاگہ ٹوٹ جائے اور اس کے دانے پے در پے گرنے لگیں۔ (ترمذی)

﴿۱۵﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِيْ خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ وَعَدَّ هٰذِهِ الْخِصَالَ وَلَمْ يَذْكُرْ تُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ قَالَ وَبَرَّ صَدِيْقَهٗ وَجَفَا اَبَاهُ وَقَالَ وَشُرِبَ الْخَمْرُ وَلُبِسَ الْحَرِيْرُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب میری امت ان پندرہ باتوں میں (کہ جن کا ذکر اوپر کی حدیث میں ہوا) مبتلا ہوگی تو اس پر آفتیں اور بلائیں نازل ہوں گی پھر آنحضرت نے ان پندرہ باتوں کو شمار فرمایا لیکن حضرت علی نے اس روایت میں یہ بات نقل نہیں کی کہ جب علم کو دین کے علاوہ کسی دوسری غرض سے سکھایا جانے لگے۔ حضرت علی نے یہ نقل کیا کہ جب آدمی اپنے دوست کے ساتھ احسان و مروت اور اپنے باپ کے ساتھ جور و جفا کرنے لگے اور انہوں نے (جب شرابیں پی جانے لگیں جمع کے بجائے) جب شراب پی جانے لگے مفرد نقل کیا ہے، اسی طرح (جب علم کو دین کے علاوہ کسی دوسری غرض سے سکھایا جانے لگے کے بجائے) جب ریشمی کپڑا پہنا جانے لگے نقل کیا ہے۔ (ترمذی)

عدل وانصاف کے علمبردار مہدی کا ظہور ضرور ہوگا

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اِسْمُهٗ اِسْمِيْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ قَالَ لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا يَوْمٌ لَطَوَّلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ذٰلِكَ الْيَوْمَ حَتّٰى يَبْعَثَ اللّٰهُ فِيْهِ رَجُلًا مِّنِّيْ اَوْ مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اِسْمُهٗ اِسْمِيْ وَاسْمُ اَبِيْهِ اِسْمَ اَبِيْ يَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّجَوْرًا)[2]

[1] اخرجه الترمذی: ۴/۴۹۴ [2] اخرجه ابو داؤد: ۴/۱۰۴ والترمذی: ۴/۵۰۵

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دنیا اس وقت تک اختتام پذیر نہیں ہوگی جب تک کہ عرب پر ایک شخص قبضہ نہ کر لے گا جو میرے خاندان میں سے ہوگا اور اس کا نام میرے نام پر ہوگا (ترمذی، ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر دنیا کے اختتام پذیر ہونے میں صرف ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو طویل و دراز کر دے گا یہاں تک کہ پروردگار میری نسل میں سے یا یہ فرمایا کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو بھیجے گا جس کا نام میرے نام پر اور جس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر ہوگا اور وہ تمام روئے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح اس وقت سے پہلے تمام روئے زمین ظلم وجور سے بھری تھی۔

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْمَهْدِيُّ مِنْ عِتْرَتِيْ مِنْ أَوْلَادِ فَاطِمَةَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مہدی میری عترت میں سے اور فاطمہ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ (ابوداؤد)

﴿۱۸﴾ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَهْدِيُّ مِنِّيْ أَجْلَى الْجَبْهَةِ أَقْنَى الْأَنْفِ يَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّجَوْرًا يَمْلِكُ سَبْعَ سِنِيْنَ۔
(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مہدی میری اولاد میں سے ہوں گے، روشن و کشادہ پیشانی اور اونچی ناک والے ہونگے وہ روے زمین کو انصاف وعدل سے بھر دیں گے جس طرح کہ وہ ظلم وستم سے بھری تھی وہ سات برس تک روئے زمین پر برسر اقتدار اور قابض رہیں گے۔ (ابوداؤد)

﴿۱۹﴾ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قِصَّةِ الْمَهْدِيِّ قَالَ فَيَجِيْءُ إِلَيْهِ الرَّجُلُ فَيَقُوْلُ يَا مَهْدِيُّ أَعْطِنِيْ أَعْطِنِيْ قَالَ فَيَحْثِيْ لَهُ فِيْ ثَوْبِهِ مَا اسْتَطَاعَ أَنْ يَّحْمِلَهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری نبی کریم ﷺ سے حضرت امام مہدی کے واقعہ کے سلسلہ میں یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ آپ نے یہ فرمایا کہ مہدی کے پاس ایک شخص آئے گا اور کہے گا کہ مجھے کچھ عطا کیجئے، چنانچہ مہدی اس کو دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر اتنا دیں گے جتنا کہ وہ اپنے کپڑے میں بھر کر اٹھا سکے اور لے جا سکے۔ (ترمذی)

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴/۱۰۴ [2] اخرجه ابوداؤد: ۴/۱۰۵ [3] اخرجه الترمذی: ۴/۵۰۶

حضرت مہدی کا ظہور اور ابدال کی آمد

﴿۲۰﴾ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَكُوْنُ اخْتِلَافٌ عِنْدَ مَوْتِ خَلِيْفَةٍ فَيَخْرُجُ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ هَارِبًا إِلَى مَكَّةَ فَيَأْتِيْهِ نَاسٌ مِّنْ أَهْلِ مَكَّةَ فَيُخْرِجُوْنَهُ وَهُوَ كَارِهٌ فَيُبَايِعُوْنَهُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ وَيُبْعَثُ إِلَيْهِ بَعْثٌ مِّنَ الشَّامِ فَيُخْسَفُ بِهِمْ بِالْبَيْدَاءِ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَإِذَا رَأَى النَّاسُ ذٰلِكَ أَتَاهُ أَبْدَالُ الشَّامِ وَعَصَائِبُ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَيُبَايِعُوْنَهُ ثُمَّ يَنْشَأُ رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ أَخْوَالُهُ كَلْبٌ فَيَبْعَثُ إِلَيْهِمْ بَعْثًا فَيَظْهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ وَذٰلِكَ بَعْثُ كَلْبٍ وَيَعْمَلُ فِي النَّاسِ بِسُنَّةِ نَبِيِّهِمْ وَيُلْقِي الْإِسْلَامُ بِجِرَانِهِ فِي الْأَرْضِ فَيَلْبَثُ سَبْعَ سِنِيْنَ ثُمَّ يُتَوَفّٰى وَيُصَلِّي عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ۔ (رواه أبو داود)[1]

ترجمہ: اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا (آخر زمانہ میں) جب خلیفہ کا انتقال ہوگا تو اختلاف ونزاع اٹھ کھڑا ہوگا اسی دوران اہل مدینہ میں سے ایک شخص نکل کر مکہ کی طرف بھاگ جائے گا، مکہ کے لوگ اس کے پاس آئیں گے اور اس کو (گھر سے) باہر نکال لائیں گے وہ شخص اگر چہ یہ منصب قبول کرنے کو پسند نہیں کرے گا مگر لوگ اس کو تیار کریں گے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے یہ بیعت حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان عمل میں آئے گی اس کے بعد اس کے مقابلہ پر شام (کے بادشاہ) کی طرف سے ایک لشکر بھیجا جائے گا لیکن وہ لشکر مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام بیداء پر زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور پھر جب لوگوں کو یہ معلوم ہوگا (کہ شام کا لشکر مکہ پہنچنے سے پہلے ہی زمین بوس کردیا گیا ہے) تو ملک شام کے ابدال اور عراق کے عصائب اس شخص کی خدمت میں پہنچیں گے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے پھر قریش میں سے ایک شخص اٹھے گا جس کی ننھیال قبیلہ کلب میں ہوگی اور وہ بھی اس شخص کے اور اس کے تابعداروں کے خلاف ایک لشکر بھیجے گا لیکن اس شخص کا لشکر اسی کلبی کے لشکر پر غالب آجائے گا پھر وہ شخص لوگوں کے درمیان ان کے پیغمبر (محمد ﷺ) کی روش اور ان کے طریقہ کے مطابق (ملک وملت کا) نظم ونسق چلائے گا اور مسلمانوں کا دین اپنی گردن زمین پر رکھدیگا، وہ شخص سات سال تک قائم وبرقرار رہے گا پھر جان بحق ہوجائے گا اور مسلمان اس کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "اختلاف" یعنی ایک خلیفہ کے انتقال کے بعد دوسرے خلیفہ کے انتخاب میں اختلاف کھڑا ہوجائے گا تو حضرت مہدی مدینہ سے مکہ کی طرف اس خوف سے بھاگ جائیں گے کہ لوگ ان کو خلیفہ نہ بنائیں مگر مکہ پہنچتے ہی لوگ ان کو پہچان لیں گے اور طواف کے دوران حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرلیں گے۔ پھر ان کے مقابلے میں سفیانی کا لشکر شام سے مکہ کی طرف روانہ ہوجائے گا مگر مقام بیداء میں جو مکہ کے قریب ہے سب ہلاک

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴/۱۰۵

ہوجائیں گے پھر شام کے ابدال اور عراق کے عابد بیعت کے لئے آجائیں گے۔ ؎۱
"ابدال الشام" ابدال جمع ہے اس کا مفرد بدل ہے اولیاء اللہ کے ایک گروہ کو ابدال کہتے ہیں یہ شام میں ہوتے ہیں جس طرح عصائب عراق میں اور نجباء مصر میں ہوتے ہیں۔ دنیا میں ابدال ہر زمانہ اور ہر وقت میں ہوتے ہیں ان میں سے ایک جماعت ۳۱۳ افراد پر مشتمل ہوتی ہے ایک جماعت چالیس افراد پر مشتمل ہوتی ہے ایک جماعت سات افراد پر مشتمل ہوتی ہے اور ایک جماعت تین افراد پر مشتمل ہوتی ہے جب تین افراد والی جماعت سے کوئی مرجاتا ہے تو سات افراد والی جماعت کا سربراہ ترقی کر کے تین کی جماعت میں آجاتا ہے اسی طرح سات افراد والی جماعت سے کوئی مرتا ہے تو چالیس افراد والی جماعت سے ایک آدمی ادھر آجاتا ہے جب چالیس افراد کی جماعت سے کوئی مرجاتا ہے تو ۳۱۳ کی جماعت سے ایک آدمی ادھر آجاتا ہے اور جب ۳۱۳ میں سے کوئی مرجاتا ہے تو معاشرہ میں جو آدمی صالح اور سب سے زیادہ نیک ہوتا ہے وہ ۳۱۳ میں شامل کیا جاتا ہے تاکہ تعداد میں کمی نہ آئے۔
ان میں سے چالیس ابدال کا مرکزی مقام شام ہے باقی افراد دنیا کے مختلف بڑے شہروں میں ایک ایک تعینات ہیں تاکہ اس شہر کی خدمت کریں، ان لوگوں کا ایک مخفی نظام ہے آنکھوں سے غائب ہے سال میں ایک بار حجاز مقدس میں ان کا اجتماع ہوتا ہے بہر حال یہ جو کچھ لکھا گیا ہے یہ ترتیب کوئی منصوصی اور لازمی نہیں ہے صوفیاء کرام کے ہاں ابدال کا اسی طرح ایک مخفی نظام قائم ہے، ابدال رجال الغیب میں سے ہیں جو حضرات ان کے وجود کا اقرار کرتے ہیں اس میں کوئی مضایقہ نہیں ہے مگر ان کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا جائز نہیں ہے جو توحید سے متصادم ہو جو کچھ یہاں لکھا گیا ہے اس سے بہت زیادہ ملا علی قاری نے مرقات ج۹ ص ۳۵۴ پر لکھا ہے۔ ؎۲ امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جو آدمی روزانہ تین بار اس دعا کو پڑھے گا وہ ابدال کا درجہ پائے گا دعا یہ ہے: **اللهم اغفر لامة محمد، اللهم ارحم امة محمد، اللهم تجاوز عن امة محمد ﷺ۔**
"عصائب" عراق میں ایسے لوگوں کو عصائب کے نام سے یاد کرتے ہیں اور مصر میں ایسے لوگوں کو نجباء کہتے ہیں یعنی سب سے اچھے پسندیدہ مختار اور چنے ہوئے لوگوں کو عصائب کہتے ہیں۔ ؎۳
"بعث الشام" اس سے مراد وہی سفیانی شخص ہے جس کا لشکر زمین میں دھنس جائے گا۔ "رجل من قریش" اس سے مراد بنوکلب کا بھانجا ہے یہ شخص سفیانی سے پہلے اپنا لشکر مہدی کے مقابلہ میں روانہ کرے گا مگر ان کو شکست ہوگی۔ ؎۴
''جرانہ'' اونٹ کی گردن کے اگلے حصہ کو جران کہتے ہیں اونٹ جب تھک جاتا ہے تو گردن کے اسی حصہ کو زمین پر پھیلا دیتا ہے جس سے اس کو بہت راحت ملتی ہے یہاں اسلام کے استقرار و اطمینان اور استحکام و ثبات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ؎۵

؎۱ المرقات: ۹/۳۵۲ ؎۲ المرقات: ۹/۳۵۳، ۳۵۴ ؎۳ المرقات: ۹/۳۵۴ ؎۴ المرقات: ۹/۳۵۴ ؎۵ المرقات: ۹/۳۵۵

عدل وانصاف اور برکتوں والا مہدی آئے گا

﴿۲۱﴾ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلَاءً يُصِيْبُ هٰذِهِ الْاُمَّةَ حَتّٰى لَا يَجِدَ الرَّجُلُ مَلْجَأً يَلْجَأُ اِلَيْهِ مِنَ الظُّلْمِ فَيَبْعَثُ اللهُ رَجُلًا مِّنْ عِتْرَتِيْ وَاَهْلِ بَيْتِيْ فَيَمْلَأُ بِهِ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّجَوْرًا يَرْضٰى عَنْهُ سَاكِنُ السَّمَاءِ وَسَاكِنُ الْاَرْضِ لَا تَدَعُ السَّمَاءُ مِنْ قَطْرِهَا شَيْئًا اِلَّا صَبَّتْهُ مِدْرَارًا وَلَا تَدَعُ الْاَرْضُ مِنْ نَبَاتِهَا شَيْئًا اِلَّا اَخْرَجَتْهُ حَتّٰى يَتَمَنَّى الْاَحْيَاءُ الْاَمْوَاتَ يَعِيْشُ فِيْ ذٰلِكَ سَبْعَ سِنِيْنَ اَوْ ثَمَانَ سِنِيْنَ اَوْ تِسْعَ سِنِيْنَ.

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک بلا وآفت کا ذکر کیا جو اس امت کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی یہاں تک کہ کسی شخص کو کوئی ایسی پناہ گاہ نہیں ملے گی جہاں وہ ظلم وستم سے پناہ حاصل کر سکے پھر جب ظلم وستم اور ناانصافی کا وہ (دور اپنی حد کو پار کر جائے گا تو) اللہ تعالیٰ میری اولاد اور میرے اہل بیت سے ایک شخص کو بھیجے گا وہ شخص زمین کو اس طرح عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی تھی، اس سے آسمان والے بھی خوش ہوں گے اور زمین کے رہنے والے بھی راضی مطمئن ہوں گے۔ آسمان اپنے مینہ کے قطروں سے کچھ باقی رکھے بغیر کثرت سے برسائے گا اور زمین اپنی روئیدگی میں سے کچھ باقی رکھے بغیر سب کچھ اگا دے گی یہاں تک کہ زندہ لوگ مردوں کی آرزو کرنے لگیں گے وہ شخص (مہدی) اس خوشحال وکامرانی کے ساتھ سات برس یا آٹھ برس یا نو برس زندہ رہے گا۔

کمانڈر منصور کا ظہور ضرور ہوگا

﴿۲۲﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ رَجُلٌ مِّنْ وَّرَاءِ النَّهْرِ يُقَالُ لَهُ الْحَارِثُ حَرَّاثٌ عَلٰى مُقَدَّمَتِهِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ مَنْصُوْرٌ يُوَطِّنُ اَوْ يُمَكِّنُ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا مَكَّنَتْ قُرَيْشٌ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَبَ عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ نَصْرُهُ اَوْ قَالَ اِجَابَتُهُ.

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ماوراء النهر (کے کسی شہر) میں ایک شخص ظاہر ہوگا جس کا نام حارث حراث ہوگا اس کے لشکر کے اگلے حصہ پر ایک شخص ہوگا جس کا نام منصور ہوگا وہ حارث محمد ﷺ کی اولاد کو جگہ یا ٹھکانہ دے گا جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو قریش کے لوگوں نے ٹھکانا دیا تھا (پس) ہر مسلمان پر واجب ہوگا کہ اس شخص کی مدد و تائید کرے یا یہ فرمایا کہ اس شخص کو قبول کرے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "وارء النهر" دریائے آمو کو نہر کہا گیا ہے اور اس کے پیچھے جو علاقے ہیں ان کو وراء النہر کہا گیا ہے، یہ

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴/۱۰۶

علاقے بخارا وسمرقند وغیرہ پر مشتمل ہیں اُنہیں علاقوں سے ایک آدمی برآمد ہوگا جس کا نام حارث حراث ہوگا اس کے لشکر کے مقدمۃ الجیش پر ایک کمانڈر مقرر ہونگے جن کا نام منصور ہوگا یہ آدمی حضرت مہدی کو تمام وسائل فراہم کریں گے اور ہر قسم حمایت کریں گے جس طرح قریش کے بعض اہم افراد نے حضور اکرم کی تائید وحمایت کی تھی بہر حال حارث اور منصور دونوں آدمی حضرت مہدی کی بھرپور حمایت کریں گے اور جنگی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں گے یہ اشخاص خراسان سے لشکر لے کر آئیں گے، خراسان کا اطلاق افغانستان پر بھی ہوتا ہے۔ [1]

﴿۲۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَاتَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی تُکَلِّمَ السِّبَاعُ الْاِنْسَ وَحَتّٰی تُکَلِّمَ الرَّجُلَ عَذَبَۃُ سَوْطِہٖ وَشِرَاکُ نَعْلِہٖ وَیُخْبِرُہٗ فَخِذُہٗ بِمَا اَحْدَثَ اَھْلُہٗ بَعْدَہٗ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک درندے آدمیوں سے ہمکلام نہ ہونے لگیں گے اور جب تک آدمی کے کوڑے کا پھندنا اور اس کے جوتے کا تسمہ اس سے باتیں نہ کرنے لگے گا اور انسان کی ران اس کو یہ بتایا کرے گی کہ اس کے اہل وعیال نے اس کی عدم موجودگی میں کونسے نئے کام اور کیا نئی بات کی ہے۔ (ترمذی)

الفصل الثالث

دوسری صدی کے بعد قیامت کی علامتیں

﴿۲۴﴾ عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاٰیَاتُ بَعْدَ الْمِائَتَیْنِ۔

(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ) [3]

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا نشانیاں دوسو برس کے بعد ظہور میں آئیں گی۔ (ابن ماجہ)

توضیح: "بعد المأتین" یعنی قیامت کی علامات دوسو سال کے بعد شروع ہوں گی اس حدیث میں پہلی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ یہ دوسو سال کب سے شمار ہوں گے؟ تو بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت کی ہجرت کے وقت سے شمار ہوں گے بعض نے لکھا ہے کہ جب اسلام خوب روشن ہوگیا تھا اس وقت سے یہ سال شمار ہوں گے بعض نے لکھا ہے کہ آنحضرت کی وفات کے بعد سے یہ سال شمار ہوں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دوسو سال کے بعد نشانیوں کے ظہور کا مطلب کیا ہے؟ تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ قیامت کی چھوٹی نشانیاں بڑے پیمانے پر دوسو سال کے بعد شروع ہوں گی گویا اس حدیث میں مسلسل اور پے در پے علامات ظاہر ہونے کی بات ہے اگرچہ چھوٹی علامات حضور اکرم ﷺ کے وقت سے کچھ کچھ شروع ہوگئی تھیں۔

[1] المرقات: ۹/۳۶۰ [2] اخرجہ الترمذی: ۴/۴۷۶ [3] اخرجہ ابن ماجہ: ۲/۱۳۴۸

بعض علماء نے المائتین میں الف لام عہد کے لئے لیا ہے مراد وہ دو صدیاں ہیں جو ایک ہزار سال کے بعد ہیں گویا اس حدیث میں بتایا جارہا ہے کہ بارہ سو سال تک قیامت کی چھوٹی علامات مکمل ہو جائیں گی اس کے بعد بڑی علامات ظاہر ہوں گی چنانچہ آج کل چھوٹی علامات مکمل ہوگئی ہیں اب بڑی علامات کا انتظار ہے۔ ۱

حضرت مہدی کے لئے سیاہ جھنڈے

﴿۲۵﴾ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّايَاتِ السُّوْدَ قَدْ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ خُرَاسَانَ فَأْتُوْهَا فَإِنَّ فِيْهَا خَلِيْفَةَ اللّٰهِ الْمَهْدِيَّ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ) ۲

ترجمہ: اور حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب تم خراسان کی جانب سے سیاہ نشان آتے دیکھو تو ان کی طرف متوجہ ہو جاؤ کیونکہ ان میں خدا کا خلیفہ مہدی ہوگا۔ اس روایت کو امام احمد نے اور دلائل النبوہ میں بیہقی نے نقل کیا ہے۔

توضیح: "رایات السود" سیاہ جھنڈوں سے حارث اور منصور کا لشکر مراد ہے ان کے جھنڈے کالے ہوں گے۔

"خراسان" ایران اور افغانستان پر خراسان کا اطلاق ہوتا ہے یہ لوگ موحد سنی ہوں گے مشرک شیعہ نہیں ہوں گے۔ ۳

"المھدی" سوال یہ ہے کہ حضرت مہدی کا ظہور تو حرمین شریفین میں ہوگا خراسان میں ان کا کیا کام؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہاں مجاز لینا ہوگا یعنی اس لشکر میں مہدی کی نصرت اور مدد ہوگی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس لشکر کے حرم مکہ میں پہنچنے کے وقت حضرت مہدی ان کے استقبال کے لئے باہر نکل آئے ہوں گے تو واپسی میں وہ اس لشکر میں ہوں گے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ مہدی کا اطلاق ایک ہدایت یافتہ مسلمان لیڈر پر ہوا ہے لغوی طور پر ہر ہدایت یافتہ مؤمن مہدی ہے تو گویا منصور کو مہدی کہا گیا ہے مہدی مشہور مراد نہیں ہے۔ ۴

امام مہدی حضرت امام حسن کی اولاد سے ہوں گے

﴿۲۶﴾ وَعَنْ أَبِيْ إِسْحٰقَ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ وَنَظَرَ إِلَى ابْنِهِ الْحَسَنِ وَقَالَ إِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ سَمَّاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَيَخْرُجُ مِنْ صُلْبِهِ رَجُلٌ يُسَمّٰى بِاسْمِ نَبِيِّكُمْ يُشْبِهُهُ فِي الْخُلُقِ وَلَا يُشْبِهُهُ فِي الْخَلْقِ ثُمَّ ذَكَرَ قِصَّةً يَمْلَأُ الْأَرْضَ عَدْلًا۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَلَمْ يَذْكُرِ الْقِصَّةَ) ۵

ترجمہ: اور ابواسحاق کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے امام حسن کی طرف دیکھ کر کہا کہ میرا بیٹا جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا سردار ہے، عنقریب اس کی پشت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام تمہارے نبی کے نام

۱ المرقات: ۹/۳۶۲ ۲ اخرجه احمد: ۲۷۷/۵ والبیهقی ۳ المرقات: ۹/۳۶۲ ۴ المرقات: ۹/۳۶۲، ۳۶۳ ۵ اخرجه ابوداؤد: ۴/۱۰۶

پر ہوگا۔ وہ باطنی سیرت یعنی اخلاق وعادات میں حضور ﷺ کے مشابہ ہوگا گو ظاہری شکل وصورت میں آپ کے مشابہ نہیں ہوگا اس کے بعد حضرت علی نے وہ جملے بیان کئے جن میں فرمایا گیا ہے کہ وہ شخص زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیگا۔ اس روایت کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے لیکن انہوں نے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دینے والی بات نقل نہیں کی ہے۔

توضیح: "من صلبه" یعنی حضرت مہدی حسنی ہوں گے حسینی نہیں ہوں گے اگر کہیں حسینی نسبت ہے تو وہ فاطمہ کی وجہ سے ہے ورنہ وہ حضرت حسن کی اولاد میں سے ہوں گے جس طرح اس روایت میں ہے لہٰذا شیعوں کا وہ عقیدہ غلط ٹھہرتا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ مہدی، محمد بن حسن عسکری ہیں جو اس وقت غار میں موجود ہیں اور اپنے وقت پر ظاہر ہوں گے۔[1]

ایک ہزار مخلوق میں ٹڈیوں کا مکمل خاتمہ قیامت کی علامت ہے

﴿۲۷﴾ وَعَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ فُقِدَ الْجَرَادُ فِيْ سَنَةٍ مِنْ سِنِيْ عُمَرَ الَّتِيْ تُوُفِّيَ فِيْهَا فَاهْتَمَّ بِذٰلِكَ هَمًّا شَدِيْدًا فَبَعَثَ إِلَى الْيَمَنِ رَاكِبًا وَرَاكِبًا إِلَى الْعِرَاقِ وَرَاكِبًا إِلَى الشَّامِ يَسْئَلُ عَنِ الْجَرَادِ هَلْ أُرِيَ مِنْهُ شَيْئًا فَأَتَاهُ الرَّاكِبُ الَّذِيْ مِنْ قِبَلِ الْيَمَنِ بِقَبْضَةٍ فَنَثَرَهَا بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَمَّا رَاٰهَا عُمَرُ كَبَّرَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ خَلَقَ أَلْفَ أُمَّةٍ سِتُّمِائَةٍ مِنْهَا فِي الْبَحْرِ وَأَرْبَعُ مِائَةٍ فِي الْبَرِّ فَإِنَّ أَوَّلَ هَلَاكِ هٰذِهِ الْأُمَمِ الْجَرَادُ فَإِذَا هَلَكَ الْجَرَادُ تَتَابَعَتِ الْأُمَمُ كَنِظَامِ السِّلْكِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق نے جس سال وفات پائی ہے اس سال کا ذکر ہے کہ ٹڈیاں کم ہوگئیں۔ حضرت عمر ٹڈی دل نہ آنے سے سخت غمگین ہوگئے پھر انہوں نے ایک سوار یمن کی طرف ایک سوار عراق کی طرف اور ایک سوار شام کی طرف بھیجا تاکہ وہ پہنچ کر لوگوں سے دریافت کریں کہ آیا کسی شخص نے کہیں کچھ ٹڈیاں دیکھی ہیں یا نہیں؟ چنانچہ جس سوار کو یمن بھیجا گیا تھا وہ ایک مٹھی ٹڈیاں لے کر حضرت عمر کے پاس آیا اور ان کے سامنے وہ ٹڈیاں ڈال دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ٹڈیاں دیکھیں تو (خوشی سے) اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور پھر فرمایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خداوند بزرگ وبرتر نے حیوانات کی ہزار قسمیں پیدا کی ہیں ان میں سے چھ سو دریا میں ہیں اور چار سو جنگل میں ہیں اور (جب قیامت آنے کو ہوگی تو) ان میں سب سے پہلے ٹڈیاں ہلاک ہوں گی (چنانچہ جب ٹڈیاں ہلاک ہونگی تو پھر حیوانات کی دوسری قسمیں بھی) اس طرح پے در پے ہلاک ہونا شروع ہو جائیں گی جس طرح موتیوں کی لڑی کھل جاتی ہے اور موتی پے در پے گر کر بکھرنے لگتے ہیں۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

---

[1] المرقات: ۹/۳۶۳ [2] اخرجه البيهقي: ۷/۲۳۳

مورخہ ۳ جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ

باب ذکر العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال

علامات قیامت اور خروج دجال کا بیان

"قال اللہ تعالیٰ ﴿وانہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بہا واتبعون ھذا صراط المستقیم﴾

(زحزف ۶۱)[۱]

اس باب میں علامات سے قیامت کی وہ علامات مراد ہیں جو بڑی علامات ہیں ان میں خروج دجال بھی داخل ہے اس کو الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی مگر اس کو شہرت کی وجہ سے تخصیص بعد التعمیم کے طور پر اہتمام کے ساتھ الگ ذکر کیا گیا ہے، ظہور مہدی کا ذکر یہاں ہونا چاہئے تھا کیونکہ وہ بھی علامات کبریٰ میں سے ہے لیکن چونکہ علامات صغریٰ میں کچھ ایسی جنگوں کا ذکر تھا جن کا تعلق حضرت مہدی سے تھا اس لئے مہدی کا تذکرہ وہاں پر علامات صغریٰ میں ہو گیا ورنہ ظہور مہدی علامات کبریٰ میں سے ہے۔ اب ان بڑی علامات کے وقوع پذیر ہونے کی ترتیب اس طرح ہے۔ ❶ ظہور مہدی ❷ خروج دجال ❸ نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ❹ خروج یاجوج ماجوج ❺ خروج دابۃ الارض ❻ **طلوع الشمس من المغرب**۔ بعض روایات میں یہ علامات ترتیب کے ساتھ مذکور ہیں مگر بعض میں ترتیب کے ساتھ مذکور نہیں ہیں۔[۲]

''دجال'' دجل سے ہے مبالغہ کا صیغہ ہے جو فریب کار اور فراڈی کے معنی میں ہے دجال دنیا کے کسی حصہ میں محبوس و مستور ہے۔ مودودی صاحب نے رسائل ومسائل میں لکھا ہے کہ لوگوں نے دنیا کو چھان مارا ہے کانا دجال کہاں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غلط ہے کہ لوگوں نے دنیا کو چھان مارا ہے دنیا کے ایسے خطے اب بھی موجود ہیں جہاں تک لوگوں کا خیال بھی نہیں جا سکا دنیا کو چھوڑیئے! پاکستان کا ایک فوکر طیارہ راولپنڈی سے گلگت کے لئے روانہ ہوا اور راستے میں گر کر تباہ ہو گیا آج تک کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ اس کا ملبہ کہاں پڑا ہے۔ ۴۵ افراد پر مشتمل پورا طیارہ اب تک غائب ہے، دجال بھی ایک پوشیدہ مقام میں زنجیروں میں جکڑا ہوا پڑا ہے، جزیرہ برمودا کے اوپر جہاز نہیں اڑ سکتا نہ سمندر میں جہاز جا سکتا ہے اگر ایسے علاقوں میں دجال محبوس ہو تو کیا حرج ہے؟ دجال کے ساتھ لفظ مسیح لگا ہوا ہے ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ بھی مسیح کا لفظ لگا ہے مگر دونوں میں فرق ہے، دجال کو بوجہ ممسوح العین ہونے کے مسیح کہتے ہیں یا پوری دنیا کو مسح کرے گا اس لئے مسیح کہا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو مسیح کا لفظ لگا ہوا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بیماروں پر ہاتھ پھیرتے تھے تو بیمار ٹھیک ہو جاتے تھے اس لئے ان کو مسیح کہا گیا۔

---

[۱] زخرف ۶۱ [۲] المرقات: ۹/۳۶۵

الفصل الاول

قیامت سے پہلے دس علامات کا ظہور

﴿۱﴾ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ اَسِيْدِ الْغِفَارِيِّ قَالَ اِطَّلَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا وَنَحْنُ نَتَذَاكَرُ فَقَالَ مَاتَذَاكَرُوْنَ قَالُوْا نَذْكُرُ السَّاعَةَ قَالَ اِنَّهَا لَنْ تَقُوْمَ حَتّٰى تَرَوْا قَبْلَهَا عَشْرَ اٰيَاتٍ فَذَكَرَ الدُّخَانَ وَالدَّجَّالَ وَالدَّابَّةَ وَطُلُوْعَ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا وَنُزُوْلَ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ وَيَأْجُوْجَ وَمَأْجُوْجَ وَثَلَاثَةَ خُسُوْفٍ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِجَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَاٰخِرُ ذٰلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ تَطْرُدُ النَّاسَ اِلٰى مَحْشَرِهِمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ نَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدَنٍ تَسُوْقُ النَّاسَ اِلَى الْمَحْشَرِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فِي الْعَاشِرَةِ وَرِيْحٌ تُلْقِي النَّاسَ فِي الْبَحْرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [1]

ترجمہ: حضرت حذیفہ ابن اسید غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آپس میں (قیامت کا) ذکر کررہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف آنکلے اور پوچھا کہ تم لوگ کس چیز کا ذکر کررہے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم قیامت کا تذکرہ کررہے ہیں تب آپ نے فرمایا یقیناً قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیوں کو نہ دیکھ لوگے، پھر آپ نے ذکر فرمایا (۱) دھواں (۲) دجال (۳) دابۃ الارض (۴) سورج کا [redacted] کی طرف سے نکلنا (۵) حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نازل ہونا (۶) یاجوج وماجوج کا ظاہر ہونا (اور ساتویں، آٹھویں اور نویں نشانی کے طور پر) آپ نے تین خسوف کا (یعنی تین مقامات پر زمین کے دھنس جانے کا) ذکر فرمایا ایک تو مشرق کے علاقہ میں، دوسرے مغرب کے علاقہ میں اور تیسرے جزیرہ عرب کے علاقہ میں اور دسویں نشانی جو سب کے بعد ظاہر ہوگی، وہ آگ ہے جو یمن کی طرف سے نمودار ہوگی اور لوگوں کو گھیر ہانک کر زمین محشر کی طرف لے جائے گی، اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ وہ ایک ایسی آگ ہوگی جو (یمن کے مشہور شہر) عدن کے آخری کنارے کی طرف سے نمودار ہوگی اور لوگوں کو گھیر ہانک کر زمین حشر کی طرف لے جائے گی، نیز ایک اور روایت میں دسویں نشانی کے طور پر یمن کی طرف سے یا عدن کے آخری کنارے سے آگ نمودار ہونے کے بجائے ایک ایسی ہوا کا ذکر ہے جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی۔ (مسلم)

توضیح: "الدخان" اس دھوئیں سے حضرت حذیفہ کی تفسیر کے مطابق قیامت کے قریب ایک دھواں مراد ہے جو آخر زمانہ میں آئے گا اور مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گا چالیس دن تک برقرار رہے گا مسلمانوں کو صرف زکام کی کیفیت ہوگی مگر کفار اس دھوئیں سے بیہوش ہوجائیں گے قرآن کریم میں اس دھوئیں کا ذکر اس طرح ہے: ﴿یوم تأتی السمآء بدخان مبین یغشی الناس الخ﴾ [2] اس کے برعکس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دخان

[1] اخرجه مسلم: ۸/۱۷۹ [2] سورة دخان

سے مراد اہل مکہ پر قحط آنے کا زمانہ ہے بہر حال حدیث میں جو دخان ہے وہ تو قرب قیامت میں آنے والا دھواں ہے البتہ آیت کی تفسیر میں اہل مکہ کا قحط لینا بعید نہیں ہے بلکہ ممکن ہے۔ [1] "ثم دابة" بعض علماء نے لکھا ہے کہ خروج دابۃ تین زمانوں میں ہوگا ظہور مہدی کے زمانے میں خروج ہوگا پھر نزول عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگا اور پھر طلوع شمس کے وقت ہوگا۔ "قعر" گہرے گڑھے اور دور دراز حصہ کو قعر کہتے ہیں اور عدن یمن میں ایک بڑے شہر کا نام ہے یعنی عدن کے دور دراز حصہ سے یہ آگ نکلے گی۔ [2]

"الی المحشر" عام روایات میں ہے کہ قیامت کا حساب وکتاب اور لوگوں کے اکٹھا ہونے کا مقام محشر، سرزمین شام میں ہوگا لہٰذا المحشر سے مراد شام کی سرزمین ہے۔ [3]

﴿۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ سِتًّا الدُّخَانَ وَالدَّجَّالَ وَدَابَّةَ الْاَرْضِ وَطُلُوْعَ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا وَاَمْرَ الْعَامَّةِ وَخُوَیْصَّةَ اَحَدِکُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [4]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ چیزوں کی بناء پر تم اعمال صالحہ کی طرف پیش قدمی کرلو (اور وہ چھ چیزیں یہ ہیں) دھواں، دجال، دابۃ الارض، مغرب سے طلوع آفتاب، امر عامہ، اور فتنہ خاص۔ (مسلم)

توضیح: "امر العامة" یعنی وہ عام فتنہ جو لوگوں کو اپنی پیٹ میں لے لے گا دین بیزاری کا ہمہ گیر فتنہ مراد ہے۔ [5]

"خویصة" یعنی وہ فتنہ جو ذاتی طور پر کسی کے ساتھ خاص ہو، ہر شخص کا ذاتی وانفرادی فتنہ اور پریشانی ہو جس کا تعلق اس کے مال واولاد اور اڑوس پڑوس کے معاملات سے ہو، اس حدیث کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عام فتنہ سے قیامت کا آنا مراد ہے اور خاص فتنہ سے ہر آدمی کی اپنی موت مراد ہے، اس حدیث کی تعلیم یہ ہے کہ ان چھ علامات کے ظہور سے پہلے نیک اعمال میں جلدی کرو کیونکہ بعد میں اعمال کا موقع نہیں ملے یا اعمال قبول نہیں ہونگے۔ [6]

قیامت کی پہلی علامت

﴿۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ الْاٰیَاتِ خُرُوْجًا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا وَخُرُوْجُ الدَّابَّةِ عَلَی النَّاسِ ضُحًی وَاَیُّهُمَا مَا کَانَتْ قَبْلَ صَاحِبَتِهَا فَالْاُخْرٰی عَلٰی اَثَرِهَا قَرِیْبًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [7]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ظاہر ہونے کے اعتبار

[1] المرقات: ۹/۳۶۶ [2] المرقات: ۹/۳۶۷ [3] المرقات: ۹/۳۶۷ [4] اخرجه مسلم: ۱/۷۶

[5] المرقات: ۹/۳۶۸ [6] المرقات: ۹/۳۶۸ [7] اخرجه مسلم: ۸/۲۰۲

سے قیامت کی نشانیوں میں سب سے پہلی نشانی آفتاب کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا اور چاشت کے وقت لوگوں پر دابۃ الارض کا نکلنا اور ان سے اس کا بات کرنا ہے ان دونوں مذکورہ نشانیوں میں سے جو نشانی پہلے ظاہر ہوگی اس کے جلد ہی بعد دوسری ظاہر ہو جائے گی۔ (مسلم)

توضیح: "اول الآیات" سوال یہ ہے کہ اس حدیث میں **طلوع الشمس من المغرب** کو قیامت کی سب سے پہلی علامت قرار دیا گیا ہے حالانکہ طلوع الشمس سے پہلے بہت ساری علامات ہیں خود خروج دجال اس سے پہلے ہے تو طلوع شمس کو سب سے پہلی علامت کیسے قرار دیا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کی ایک قسم علامات وہ ہیں جو قرب قیامت کی علامات ہیں اور دوسری قسم وہ علامات ہیں جو وقوع قیامت اور شروعات قیامت میں سے ہیں تو طلوع الشمس من المغرب شروعات قیامت کے اعتبار سے پہلی علامات ہے اور خروج دجال قرب قیامت کی علامات میں سے ہے اگرچہ دونوں علامات کبریٰ میں سے ہیں۔[1]

تین علامات کے ظہور کے بعد نہ ایمان معتبر ہے نہ نیک عمل

﴿۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ اِذَا خَرَجْنَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْ اِیْمَانِهَا خَیْرًا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا وَالدَّجَّالُ وَدَابَّةُ الْاَرْضِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین باتیں جب ظہور میں آجائیں گی تو پھر کسی ایسے شخص کا ایمان لانا کہ جس نے اس سے پہلے ایمان قبول نہیں کیا ہوگا کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ اس شخص کا اپنے ایمان کی حالت میں نیک عمل کرنا فائدہ مند ہوگا اگر اس نے اس سے پہلے وہ نیک عمل نہ کیا ہوگا اور وہ تین باتیں یہ ہیں۔ آفتاب کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا، دجال اور دابۃ الارض کا نکلنا۔ (مسلم)

توضیح: توبہ کا دروازہ بند ہونے کے لئے پہلی چیز **طلوع شمس من المغرب** ہے، دوسری چیز خروج دجال ہے اور تیسری چیز دابۃ الارض کا خروج ہے۔ عالم آخرت کی کوئی چیز مشاہدہ ہونے کے بعد اس دنیا میں نہ ایمان کا اعتبار ہے نہ نیک عمل کا اعتبار ہے یہی وجہ ہے کہ حالت غرغرہ میں جب آخرت کی چیزیں مشاہدہ میں آجائیں تو پھر توبہ غیر مقبول ہو جاتی ہے۔ معتزلہ وخوارج اس آیت سے اپنا غلط عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے موت سے پہلے ایمان قبول نہیں کیا مرنے کے بعد اس کا ایمان لانا کوئی مفید نہیں ہے اسی طرح جس شخص نے ایمان کی حالت میں غرغرہ سے پہلے کوئی نیک عمل نہیں کیا تو اس کو بھی اس کا ایمان فائدہ نہیں دے گا، لہٰذا تو مرتکب کبیرہ مخلد

---

[1] المرقات: ۹/۳۶۹ والکاشف: ۱۰/۱۱۰ [2] اخرجہ مسلم: ۱/۹۵

فی النار ہوگا جمہور اہل سنت فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے: "یوم یأتی بعض آیات ربك لاینفع نفسا ایمانها ولا کسبها العمل الصالح فی ایمانها حینئذ اذا لم تکن امنت من قبل او کسبت فی ایمانها خیرًا من قبل" [1] یعنی پردۂ غیب کے ہٹنے کے بعد نہ ایمان نافع ہے اور نہ عمل صالح نافع ہے کیونکہ عمل وایمان کا وقت اب نہیں رہا یعنی حالت غرغرہ میں نہ ایمان معتبر ہے نہ عمل صالح معتبر ہے۔ [2]

سورج کا عرش کے نیچے سجدہ کرنے کا مطلب

﴿۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ اَتَدْرِیْ اَیْنَ تَذْهَبُ هٰذِهٖ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهَا تَذْهَبُ حَتّٰی تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَسْتَأْذِنُ فَیُؤْذَنُ لَهَا وَیُوْشِكُ اَنْ تَسْجُدَ وَلَا تُقْبَلُ مِنْهَا وَتَسْتَأْذِنُ فَلَا یُؤْذَنُ لَهَا وَیُقَالُ لَهَا ارْجِعِیْ مِنْ حَیْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَّغْرِبِهَا فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا قَالَ مُسْتَقَرُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ. (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ) [3]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب آفتاب غروب ہو رہا تھا رسول کریم ﷺ فرمانے لگے جانتے ہو یہ آفتاب کہاں جا رہا ہے میں نے عرض کیا کہ اللہ اور ان کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں! آپ نے فرمایا یہ آفتاب جاتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے پہنچ کر سجدہ کرتا ہے پھر مشرق سے طلوع ہونے کی اجازت مانگتا ہے تو اس کو اجازت مل جاتی ہے۔ اور وہ وقت جلد ہی آنے والا ہے جب آفتاب سجدہ کرے گا لیکن اس کا سجدہ قبول نہیں ہوگا اور اجازت چاہے گا لیکن اس کو اجازت عطا نہیں ہوگی اور یہ حکم دیا جائے گا کہ جس طرف سے آیا ہے اسی طرف لوٹ جا چنانچہ وہ مغرب کی طرف سے طلوع کرے گا، اور یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کہ ﴿والشمس تجری لمستقر لها﴾ (یعنی آفتاب اپنے مستقر کی طرف چلا جاتا ہے) نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ آفتاب کا مستقر یعنی اس کے ٹھہرنے کی جگہ عرش کے نیچے ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "تسجد تحت العرش" ہر چیز کا سجدہ اس کے اپنے حال کے مطابق ہوتا ہے تو سورج کا چلتے چلتے سجدہ ہوگا یہ کوئی مشکل نہیں ہے، نباتات و جمادات کا سجدہ انسان کی طرح تو نہیں ہوگا تو اس کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا سورج اگرچہ ہر وقت متحرک رہتا ہے مگر اس تحرک کے باوجود سجدہ کرنا کوئی مستبعد نہیں ہے نیز یہ غیب کا ایک معاملہ ہے ہم اتنے تک مکلف ہیں کہ ہم یہ مانیں کہ سورج سجدہ کرتا ہے آگے تفصیلات معلوم کرنے کے ہم مکلف نہیں ہیں نہ اس کی تحقیق میں پڑنا ہماری کوئی ذمہ داری ہے۔ "لمستقر لها" یعنی سورج اپنے مستقر کی طرف جاری وساری ہے۔

[1] انعام: ۱۵۸　[2] المرقات: ۹/۳۶۹، ۳۷۰　[3] اخرجه البخاری: ۴/۱۳۱ ومسلم: ۱/۹۶

سوال: آفتاب عالمتاب ہر وقت طلوع رہتا ہے تو اس کا اپنے مستقر میں غروب ہو جانا سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

جواب: سورج کا ایک مستقر زمانی ہے دوسرا استقر مکانی ہے ہم مستقر زمانی مراد لیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جس زمانہ سے سورج اپنے کام میں لگا ہے یہ اسی کام میں لگا رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے تو قیامت تک سورج اپنے مستقر کی طرف جاری وساری رہے گا کبھی رکے گا نہیں قرآن کی آیت **الی اجل مسمّٰی** اس رائے کی تائید کرتی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں مستقر سے مستقر مکانی مراد ہے اور مستقر مکانی کا مطلب یہ ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے سورج کو پیدا کیا تھا اور جہاں سے سورج کو چلایا تھا اسی مقام تک سورج چلتا رہے گا یہی اس کا مستقر ہے۔[۱]

سب سے بڑا فتنہ دجال کا ہے

﴿۶﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَابَيْنَ خَلْقِ آدَمَ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ أَمْرٌ أَكْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عمران ابن حصین کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آدم کی پیدائش سے لے کر قیامت کے دن تک دجال کے فتنہ سے بڑا کوئی فتنہ نہیں۔ (مسلم)

ایک آنکھ سے دجال کانا ہوگا

﴿۷﴾ وَعَنْ عَبْدِاللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْكُمْ إِنَّ اللهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ وَإِنَّ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ أَعْوَرُ عَيْنِ الْيُمْنٰى كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا یقینا اللہ تعالیٰ تم پر مخفی نہیں ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے جب کہ مسیح دجال داہنی آنکھ سے کانا ہوگا۔ اور اس کی وہ آنکھ ایسی ہوگی جیسے وہ انگور کا ایک پھولا ہوا دانا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "اعور" دجال کا فتنہ چونکہ کائنات میں سب سے بڑا فتنہ ہوگا کیونکہ دجال خدائی کا دعویٰ بھی کرے گا اور اس کے پاس استدراج کی وجہ سے دھوکہ کرنے کا بڑا سامان بھی موجود ہوگا اس لئے آنحضرت ﷺ نے دجال کے خدوخال کو کھلے الفاظ میں بیان فرمایا ہے تاکہ کسی کو دجال کے بارے میں اشتباہ نہ رہے چنانچہ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ دجال کی دائیں آنکھ کانی ہوگی۔[۴] "**عنبة طافية**" یعنی انگور کے دانہ کی طرح نیلی ابھری ہوئی ہوگی جو انتہائی بدصورتی ہے تو ایک آنکھ تو بالکل ممسوحہ، مطموسہ اور سپاٹ ہوگی اور دوسری بدترین انداز سے انگور کے دانہ کی طرح ابھری ہوئی ہوگی۔

سوال: یہاں زیر بحث حدیث میں بتایا جا رہا ہے کہ دجال کی دائیں آنکھ کانی ہوگی جبکہ آئندہ آنے والی حدیث نمبر ۱۱

---

[۱] المرقات: ۹/۲۷۰ [۲] اخرجه مسلم: ۸/۲۰۷ [۳] اخرجه البخاري: ۹/۷۳ ومسلم: ۸/۱۹۳ [۴] المرقات: ۹/۳۷۱

میں بتایا گیا ہے کہ دجال کی بائیں آنکھ کانی ہے یہ واضح تعارض ہے اس کا جواب کیا ہے؟

جواب: مجموعی احادیث کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کی دونوں آنکھیں عیب دار ہوں گی اور عیب دار آنکھ پر اعور کا اطلاق ہوتا ہے تو دجال دائیں آنکھ سے بھی اعور ہوگا بائیں سے بھی اعور اور عیب دار ہوگا اس میں کوئی تعارض نہیں ہے جس نے جو ذکر کیا صحیح ہے۔ اصل حقیقت کو اگر دیکھا جائے تو یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ دجال کی بائیں آنکھ بالکل صاف اور چٹیل میدان ہے نہ آنکھ ہے نہ آنکھ کا گڑھا ہے نہ اُبھری آنکھ ہے نہ کچھ اور ہے سپاٹ اور صاف ہے اسی حقیقت کو حدیث نمبر ۱۱ اور حدیث نمبر ۲۲ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے جس میں "اعور العین الیسریٰ" کے الفاظ بھی ہیں اور مطموس العین لیست بناتیة ولا حجراء کے الفاظ بھی آئے ہیں یہ دجال کی بائیں آنکھ کی تفصیل ہے۔ یہاں زیر بحث حدیث نمبر ۷ میں دجال کی دائیں آنکھ کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ انگور کے دانے کی طرح اُبھری ہوئی ہوگی گویا یہ آنکھ وہ ہے کہ جس میں کچھ نہ کچھ جان ہوگی کچھ نشان ہوگا مگر بدصورت قبیح شکل کی ہوگی، عیب دار ہوگی جس پر کانی آنکھ کا اطلاق عیب کی وجہ سے ہو سکے گا جس طرح اس حدیث میں اعور کا اطلاق ہوا ہے۔[1]

جھوٹا دجال کانا ہوگا

﴿۸﴾ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ نَبِيٍّ اِلَّاقَدْاَنْذَرَ اُمَّتَهُ الْاَعْوَرَ الْكَذَّابَ اَلَا اِنَّهٗ اَعْوَرُ وَاِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِاَعْوَرَ مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَ فَ رَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ایسا کوئی نبی نہیں گزرا جس نے اپنی امت کو جھوٹے کانے (یعنی دجال) سے نہ ڈرایا ہو آگاہ رہو! دجال کانا ہوگا اور تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے، نیز اس (دجال) کی دونوں آنکھوں کے درمیان ک ف ر (یعنی کافر) کا لفظ لکھا ہوا ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

﴿۹﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا عَنِ الدَّجَّالِ مَاحَدَّثَ بِهٖ نَبِيٌّ قَوْمَهٗ اِنَّهٗ اَعْوَرُ وَاِنَّهٗ يَجِيْئُ مَعَهٗ بِمِثْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَالَّتِيْ يَقُوْلُ اِنَّهَا الْجَنَّةُ هِيَ النَّارُ وَاِنِّيْ اُنْذِرُكُمْ كَمَا اَنْذَرَ بِهٖ نُوْحٌ قَوْمَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا آگاہ رہو! میں تمہیں دجال کے بارے میں ایسی بات بتاتا ہوں جو کسی اور نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی ہے (اور وہ بات یہ ہے کہ) دجال کانا ہوگا اور وہ اپنے ساتھ جنت اور دوزخ کی مانند دو چیزیں لائے گا پس وہ جس چیز کو جنت کہے گا حقیقت میں وہ آگ ہوگی لہٰذا میں تمہیں اس (دجال) سے ڈراتا ہوں جیسا کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا تھا۔ (بخاری ومسلم)

[1] المرقات: ۹/۱۷۲ [2] اخرجه البخاري: ۹/۷۵ ومسلم: ۸/۱۵۹ [3] اخرجه البخاري: ۹/۷۵ ومسلم: ۸/۱۹۶

﴿۱۰﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الدَّجَّالَ يَخْرُجُ وَاِنَّ مَعَهُ مَاۤءً وَّنَارًا فَاَمَّا الَّذِيْ يَرَاهُ النَّاسُ مَاۤءً فَنَارٌ تُحْرِقُ وَاَمَّا الَّذِيْ يَرَاهُ النَّاسُ نَارًا فَمَاۤءٌ بَارِدٌ عَذْبٌ فَمَنْ اَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَلْيَقَعْ فِي الَّذِيْ يَرَاهُ نَارًا فَاِنَّهُ مَاۤءٌ عَذْبٌ طَيِّبٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ وَاِنَّ الدَّجَّالَ مَمْسُوْحُ الْعَيْنِ عَلَيْهَا ظَفَرَةٌ غَلِيْظَةٌ مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ يَقْرَؤُهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ كَاتِبٍ وَغَيْرِ كَاتِبٍ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا دجال اس حالت میں ظاہر ہوگا کہ اس کے ساتھ پانی ہوگا اور آگ ہوگی تاہم لوگ جس چیز کو پانی سمجھیں گے وہ حقیقت میں جلانے والی ہوگی اور جس چیز کو لوگ آگ سمجھیں گے وہ حقیقت میں ٹھنڈا اور شیریں پانی ہوگا پس تم میں سے جو شخص اس کو پائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس چیز میں گرنا پسند کرے جس کو وہ آگ کی صورت میں دیکھے کیونکہ حقیقت میں وہ آگ نہیں ہوگی بلکہ نہایت شیریں اور پسندیدہ پانی ہوگا۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم نے اپنی روایت میں یہ الفاظ مزید نقل کیے ہیں کہ دجال ممسوح العین ہوگا (یعنی اس کی ایک آنکھ کی جگہ پیشانی کی طرح بالکل سپاٹ ہوگی وہاں آنکھ کا کوئی نشان بھی نہیں ہوگا) اور اس پر بھاری ناخنہ ہوگا (گویا اس کی ایک آنکھ تو بالکل غائب ہی ہوگی اور دوسری آنکھ پر بھی گوشت یا کھال کا ایک موٹا ٹکڑا ہوگا، یا یہ معنی ہیں کہ اس غائب آنکھ پر ناخنہ ہوگا) اور اس کی آنکھوں کے درمیان کافر کا لفظ لکھا ہوگا، اور اس لفظ کو ہر مؤمن پڑھے گا خواہ لکھنا (اور پڑھنا) جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔

توضیح: یعنی مضبوط گوشت جو ناک کی طرف سے آنکھ پر چڑھا ہوگا جیسے ناخن کا تراشہ ہوتا ہے یہ صفت دجال کی بائیں آنکھ کی ہے جو صاف سپاٹ چٹیل میدان ہے ساتھ والی حدیث میں بائیں آنکھ کی تصریح موجود ہے۔ دائیں آنکھ کی تفصیل گذشتہ حدیث نمبر ۷ میں گذر چکی ہے۔[۲] "جفال الشعر" ای کثیر الشعر جسم پر بال بہت زیادہ ہوں گے جیسے کوئی جنگلی جانور ہے۔[۳]

﴿۱۱﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدَّجَّالُ اَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُسْرٰى جُفَالُ الشَّعْرِ مَعَهُ جَنَّتُهُ وَنَارُهُ فَنَارُهُ جَنَّةٌ وَجَنَّتُهُ نَارٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال کی بائیں آنکھ کانی ہوگی اس کے بہت کثرت سے بال ہوں گے اور اس کے ساتھ اس کی جنت ہوگی اور اس کی آگ ہوگی لیکن اس کی آگ حقیقت میں جنت ہوگی اور اس کی جنت حقیقت میں آگ ہوگی۔ (مسلم)

[۱] اخرجه البخاری: ۹/۷۵ ومسلم: ۸/۱۹۶ [۲] المرقات: ۹/۳۴۶ [۳] المرقات: ۹/۱۴۷ [۴] اخرجه مسلم: ۸/۱۹۶

دجال کے طلسماتی کام اور یاجوج ماجوج کا خروج

﴿۱۲﴾ وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنْ يَّخْرُجْ وَاَنَا فِيْكُمْ فَاَنَا حَجِيْجُهُ دُوْنَكُمْ وَاِنْ يَّخْرُجْ وَلَسْتُ فِيْكُمْ فَامْرُءٌ حَجِيْجُ نَفْسِهِ وَاللهُ خَلِيْفَتِيْ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ اِنَّهُ شَابٌّ قَطَطٌ عَيْنُهُ طَافِيَةٌ كَاَنِّيْ اُشَبِّهُهُ بِعَبْدِ الْعُزّٰى بْنِ قَطَنٍ فَمَنْ اَدْرَكَهُ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَأْ عَلَيْهِ فَوَاتِحَ سُوْرَةِ الْكَهْفِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلْيَقْرَأْ عَلَيْهِ بِفَوَاتِحِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ فَاِنَّهَا جَوَارُكُمْ مِنْ فِتْنَتِهِ اِنَّهُ خَارِجٌ خَلَّةً بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ فَعَاثَ يَمِيْنًا وَعَاثَ شِمَالًا يَاعِبَادَ اللهِ فَاثْبُتُوْا قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ وَمَا لُبْثُهُ فِي الْاَرْضِ قَالَ اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا يَوْمٌ كَسَنَةٍ وَيَوْمٌ كَشَهْرٍ وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ وَّسَائِرُ اَيَّامِهِ كَاَيَّامِكُمْ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ فَذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَسَنَةٍ اَيَكْفِيْنَا فِيْهِ صَلٰوةُ يَوْمٍ قَالَ لَا اُقْدُرُوْا لَهُ قَدْرَهُ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ وَمَا اِسْرَاعُهُ فِي الْاَرْضِ قَالَ كَالْغَيْثِ اِسْتَدْبَرَتْهُ الرِّيْحُ فَيَأْتِيْ عَلَى الْقَوْمِ فَيَدْعُوْهُمْ فَيُؤْمِنُوْنَ بِهِ فَيَأْمُرُ السَّمَاءَ فَتُمْطِرُ وَالْاَرْضَ فَتُنْبِتُ فَتَرُوْحُ عَلَيْهِمْ سَارِحَتُهُمْ اَطْوَلَ مَاكَانَتْ ذُرًى وَاَسْبَغَهُ ضُرُوْعًا وَاَمَدَّهُ خَوَاصِرَ ثُمَّ يَأْتِي الْقَوْمَ فَيَدْعُوْهُمْ فَيَرُدُّوْنَ عَلَيْهِ قَوْلَهُ فَيَنْصَرِفُ عَنْهُمْ فَيُصْبِحُوْنَ مُمْحِلِيْنَ لَيْسَ بِاَيْدِيْهِمْ شَيْءٌ مِّنْ اَمْوَالِهِمْ وَيَمُرُّ بِالْخَرِبَةِ فَيَقُوْلُ لَهَا اَخْرِجِيْ كُنُوْزَكِ فَتَتْبَعُهُ كُنُوْزُهَا كَيَعَاسِيْبِ النَّحْلِ ثُمَّ يَدْعُوْ رَجُلًا مُمْتَلِيًا شَبَابًا فَيَضْرِبُهُ بِالسَّيْفِ فَيَقْطَعُهُ جَزْلَتَيْنِ رَمْيَةَ الْغَرَضِ ثُمَّ يَدْعُوْهُ فَيُقْبِلُ وَيَتَهَلَّلُ وَجْهُهُ يَضْحَكُ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ بَعَثَ اللهُ الْمَسِيْحَ بْنَ مَرْيَمَ فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيِّ دِمَشْقَ بَيْنَ مَهْزُوْدَتَيْنِ وَاضِعًا كَفَّيْهِ عَلٰى اَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ اِذَا طَأْطَأَ رَاْسَهُ قَطَرَ وَاِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّرَ مِنْهُ مِثْلُ جُمَانٍ كَاللُّؤْلُؤِ فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ يَجِدُ مِنْ رِيْحِ نَفْسِهِ اِلَّا مَاتَ وَنَفَسُهُ يَنْتَهِيْ حَيْثُ يَنْتَهِيْ طَرْفُهُ فَيَطْلُبُهُ حَتّٰى يُدْرِكَهُ بِبَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يَأْتِيْ عِيْسٰى قَوْمٌ قَدْ عَصَمَهُمُ اللهُ مِنْهُ فَيَمْسَحُ عَنْ وُجُوْهِهِمْ وَيُحَدِّثُهُمْ بِدَرَجَاتِهِمْ فِي الْجَنَّةِ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ اَوْحَى اللهُ اِلٰى عِيْسٰى اَنِّيْ قَدْ اَخْرَجْتُ عِبَادًا لِّيْ لَا يَدَانِ لِاَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ فَحَرِّزْ عِبَادِيْ اِلَى الطُّوْرِ وَيَبْعَثُ اللهُ يَأْجُوْجَ وَمَأْجُوْجَ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ فَيَمُرُّ اَوَائِلُهُمْ عَلٰى بُحَيْرَةِ طَبَرِيَّةَ فَيَشْرَبُوْنَ مَافِيْهَا

وَيَمُرُّ اٰخِرُهُمْ فَيَقُوْلُ لَقَدْ كَانَ بِهٰذِهٖ مَرَّةً مَآءٌ ثُمَّ يَسِيْرُوْنَ حَتّٰى يَنْتَهُوْا اِلٰى جَبَلِ الْخَمَرِ وَهُوَ جَبَلُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَيَقُوْلُوْنَ لَقَدْ قَتَلْنَا مَنْ فِى الْاَرْضِ هَلُمَّ فَلْنَقْتُلْ مَنْ فِى السَّمَآءِ فَيَرْمُوْنَ بِنُشَّابِهِمْ اِلَى السَّمَآءِ فَيَرُدُّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ نُشَّابَهُمْ مَخْضُوْبَةً دَمًا وَّيُحْصَرُ نَبِيُّ اللّٰهِ وَاَصْحَابُهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ رَأْسُ الثَّوْرِ لِاَحَدِهِمْ خَيْرًا مِّنْ مِّائَةِ دِيْنَارٍ لِاَحَدِكُمُ الْيَوْمَ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى وَاَصْحَابُهٗ فَيُرْسِلُ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ النَّغَفَ فِىْ رِقَابِهِمْ فَيُصْبِحُوْنَ فَرْسٰى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى وَاَصْحَابُهٗ اِلَى الْاَرْضِ فَلَا يَجِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ مَوْضِعَ شِبْرٍ اِلَّا مَلَأَهٗ زَهَمُهُمْ وَنَتْنُهُمْ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى وَاَصْحَابُهٗ اِلَى اللّٰهِ فَيُرْسِلُ اللّٰهُ طَيْرًا كَاَعْنَاقِ الْبُخْتِ فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَآءَ اللّٰهُ وَفِىْ رِوَايَةٍ تَطْرَحُهُمْ بِالنَّهْبَلِ وَيَسْتَوْقِدُ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ قِسِيِّهِمْ وَنُشَّابِهِمْ وَجِعَابِهِمْ سَبْعَ سِنِيْنَ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا لَّا يَكُنُّ مِنْهُ بَيْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ فَيَغْسِلُ الْاَرْضَ حَتّٰى يَتْرُكَهَا كَالزَّلَفَةِ ثُمَّ يُقَالُ لِلْاَرْضِ اَنْبِتِىْ ثَمَرَتَكِ وَرُدِّىْ بَرَكَتَكِ فَيَوْمَئِذٍ تَأْكُلُ الْعِصَابَةُ مِنَ الرُّمَّانَةِ وَيَسْتَظِلُّوْنَ بِقِحْفِهَا وَيُبَارَكُ فِى الرِّسْلِ حَتّٰى اَنَّ اللِّقْحَةَ مِنَ الْاِبِلِ لَتَكْفِى الْفِئَامَ مِنَ النَّاسِ وَاللِّقْحَةَ مِنَ الْبَقَرِ لَتَكْفِى الْقَبِيْلَةَ مِنَ النَّاسِ وَاللِّقْحَةَ مِنَ الْغَنَمِ لَتَكْفِى الْفَخِذَ مِنَ النَّاسِ فَبَيْنَا هُمْ كَذٰلِكَ اِذْ بَعَثَ اللّٰهُ رِيْحًا طَيِّبَةً فَتَأْخُذُهُمْ تَحْتَ اٰبَاطِهِمْ فَتَقْبِضُ رُوْحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَّكُلِّ مُسْلِمٍ وَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ يَتَهَارَجُوْنَ فِيْهَا تَهَارُجَ الْحُمُرِ فَعَلَيْهِمْ تَقُوْمُ السَّاعَةُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ اِلَّا الرِّوَايَةَ الثَّانِيَةَ وَهِىَ قَوْلُهٗ تَطْرَحُهُمْ بِالنَّهْبَلِ اِلٰى قَوْلِهٖ سَبْعَ سِنِيْنَ. رَوَاهَا التِّرْمِذِىُّ)

ترجمہ: اور حضرت نواس ابن سمعان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال (کے نکلنے) اس کی فریب کاریوں اور اس کے فتنہ میں لوگوں کے مبتلا ہونے کا ذکر کیا، چنانچہ آپ نے فرمایا اگر دجال نکلے اور میں تمہارے درمیان موجود ہوں تو میں اس سے تمہارے سامنے جھگڑوں اور دلیل کے ذریعہ اس پر غالب آؤں اور اگر دجال اس وقت نکلا جب میں نہ ہوں گا تو پھر تم میں سے ہر شخص اپنی ذات کی طرف سے اس سے جھگڑنے والا ہوگا اور میرا وکیل وخلیفہ ہر مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ ہے، دجال جوان ہوگا اس کے بال گھونگریالے ہوں گے اور اس کی آنکھ پھولی ہوئی ہوگی گویا میں اس کو قطن کے بیٹے عبدالعزیٰ سے تشبیہ دے سکتا ہوں پس تم میں سے جو شخص اس کو پائے اس کو چاہئے کہ وہ اس کے سامنے سورۂ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے اور مسلم ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس کو چاہئے کہ وہ اس کے سامنے سورۂ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے کیونکہ وہ آیتیں تمہیں دجال

کے فتنہ سے مامون ومحفوظ رکھیں گی۔ دجال اس راستہ سے نمودار ہوگا جو شام اور عراق کے درمیان واقع ہے اور دائیں بائیں فساد پھیلائے گا (پس) اے اللہ کے بندو! تم ثابت قدم رہنا۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے یہ (سن کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ کتنے دنوں زمین پر رہے گا؟ آپ نے فرمایا چالیس دن، ایک دن تو ایک سال کے برابر ہوگا اور ایک دن مہینہ کے برابر ہوگا اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا اور باقی دن تمہارے دنوں کے مطابق ہوں گے۔ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان دنوں میں سے جو ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا اس روز ہماری ایک دن کی نماز کافی ہوگی؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ نماز پڑھنے کے لئے ایک دن کا حساب لگانا ہوگا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ زمین پر کتنا زیادہ تیز چلے گا؟ آپ نے فرمایا وہ اس مینہ یعنی ابر کی مانند تیز رفتار ہوگا جس کے پیچھے ہوا ہو! وہ ایک ایک قوم کے پاس پہنچے گا اور اس کو اپنی دعوت دے گا۔ لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے یعنی اس کے فریب میں آکر اس کی اتباع کرنے لگیں گے پھر وہ ابر کو بارش برسانے کا حکم دیگا تو ابر بارش برسائے گا اور زمین کو سبزہ اگانے کا حکم دے گا تو زمین سبزہ اگائے گی۔ پھر جب شام کو اس قوم کے وہ مویشی آئیں گے جو چرنے کے لئے صبح کے وقت جنگل و بیابان گئے تھے تو ان کے کوہان بڑے بڑے ہوجائیں گے اور ان کی کوکھیں تن جائیں گی پھر اس کے بعد دجال ایک اور قوم کے پاس پہنچے گا اور اس کو اپنی دعوت دے گا، لیکن اس قوم کے لوگ اس کی دعوت کو رد کردیں گے اور وہ ان کے پاس سے چلا جائیگا پھر اس قوم کے لوگ قحط و خشک سالی اور تباہ حالی کے شکار ہوجائیں گے یہاں تک کہ وہ مال و اسباب سے بالکل خالی ہاتھ ہوجائیں گے اس کے بعد دجال ایک ویرانہ پر سے گزرے گا اور اس کو حکم دے گا وہ اپنے خزانوں کو نکال دے چنانچہ وہ ویرانہ دجال کے حکم کے مطابق اپنے خزانوں کو اگل دے گا اور وہ خزانے اس طرح اس کے پیچھے پیچھے ہولیں گے جس طرح شہد کی مکھیوں کے سردار ہوتے ہیں۔ پھر دجال ایک شخص کو جو جوانی سے بھرپور ہوگا اپنی طرف بلائیگا اور اس پر تلوار کا ایسا ہاتھ مارے گا کہ اس کے دو ٹکڑے ہوجائیں گے جیسا کہ تیر نشانہ پر پھینکا جاتا ہے اس کے بعد دجال اس نوجوان کو بلائے گا چنانچہ وہ زندہ ہوکر دجال کی طرف متوجہ ہوگا اور اس وقت اس کا چہرہ نہایت بشاش روشن اور کھلا ہوا ہوگا غرضیکہ دجال اسی طرح کی فریب کاریوں اور گمراہ کرنے والے کاموں میں مشغول ہوگا کہ اچانک اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام کو نازل فرمائے گا جو دمشق کے شرقی جانب کے سفید منارہ پر سے اتریں گے اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوں گے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے آسمان سے نازل ہوں گے وہ جس وقت اپنا سر جھکائیں گے تو پسینہ ٹپکے گا اور جب سر اٹھائیں گے تو ان کے سر سے چاندی کے دانوں کی مانند قطرے گریں گے جو موتیوں کی طرح ہوں گے یہ ناممکن ہوگا کہ کسی کافر تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی ہوا پہنچے اور وہ مر نہ جائے اور ان کے سانس کی ہوا ان کی حد نظر تک جائے گی پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے یہاں تک کہ وہ اس کو باب لُدّ پر پائیں گے اور قتل کر ڈالیں گے، اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وہ لوگ آئیں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے دجال کے مکر و فریب اور فتنہ سے محفوظ رکھا ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کے چہروں سے گرد و غبار صاف کریں گے اور ان کو ان درجات و مراتب کی بشارت دیں گے جو وہ جنت میں پائیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی حال میں ہوں گے کہ اچانک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے

پاس یہ وحی آئے گی کہ میں نے اپنے بہت سے ایسے بندے پیدا کئے ہیں جن سے لڑنے کی قدرت وطاقت کوئی نہیں رکھتا۔ لہٰذا تم میرے بندوں کو جمع کر کے کوہ طور کی طرف لے جاؤ اور ان کی حفاظت کرو، پھر اللہ تعالیٰ یاجوج وماجوج کو ظاہر کرے گا جو ہر بلند زمین کو پھلانگتے ہوئے اتریں گے اور دوڑیں گے جب ان کی سب سے پہلی جماعت بحیرۂ طبریہ سے گزرے گی تو اس کا سارا پانی پی جائیگی پھر جب اس جماعت کے بعد آنے والی جماعت وہاں سے گزرے گی تو بحیرۂ طبریہ کو خالی دیکھ کر کہے گی کہ اس میں کبھی پانی تھا اس کے بعد یاجوج وماجوج آگے بڑھیں گے یہاں تک کہ جبل خمر تک پہنچ جائیں گے جو بیت المقدس کا ایک پہاڑ ہے تو کہیں گے کہ ہم نے زمین کے بسنے والوں کو ختم کر دیا اب آؤ کہ آسمان میں بسنے والوں کو ختم کر دیں، چنانچہ وہ آسمان کی طرف اپنے تیر پھینکیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو خون آلود کر کے لوٹا دے گا۔ اس عرصہ میں خدا کے نبی اور ان کے رفقاء یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اس وقت کے مؤمن کوہ طور پر رو کے رکھے جائیں گے اور ان لوگوں کے لئے بیل کا سر تمہارے آج کے سو دیناروں سے بہتر ہوگا۔ اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی، یاجوج وماجوج کی ہلاکت کے لئے دعاوزاری کریں گے، بس اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں **نغف** یعنی کیڑے پڑ جانے کی بیماری بھیجے گا جس کی صورت میں ان پر خدا کا قہر اس طرح نازل ہوگا کہ سب کے سب ایک ہی وقت میں موت کے گھاٹ اتر جائیں گے اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی پہاڑ سے زمین پر آئیں گے تو انہیں زمین پر ایک بالشت کا ٹکڑا بھی ایسا نہیں ملے گا جو یاجوج ماجوج کی چربی اور بدبو سے خالی ہو۔ حضرت عیسیٰ اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تب اللہ تعالیٰ بختی اونٹ کی گردن جیسی لمبی لمبی گردنوں والے پرندوں کو بھیجے گا جو یاجوج ماجوج کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی وہاں پھینک دیں گے اور مسلمان یاجوج ماجوج کی کمانوں، تیروں اور ترکشوں کو سات سال تک جلاتے رہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک زوردار بارش بھیجے گا جس سے کوئی بھی مکان خواہ وہ مٹی کا ہو یا پتھر کا اور خواہ صوف کا ہو نہیں بچے گا وہ بارش زمین کو دھو کر آئینہ کی مانند صاف کر دے گی پھر زمین کو حکم دیا جائے گا کہ اپنے پھلوں یعنی اپنی پیداوار کو نکال اور اپنی برکتوں کو واپس لا، چنانچہ (زمین کی پیداوار اس قدر بابرکت ہوگی کہ) دس سے لے کر چالیس آدمیوں تک کی پوری جماعت ایک انار کے پھل سے سیر ہو جائے گی اور اس انار کے چھلکے سے لوگ سایہ حاصل کریں گے، نیز دودھ میں برکت دی جائے گی یہاں تک کہ دودھ دینے والی ایک اونٹنی لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگی اور دودھ دینے والی ایک گائے لوگوں کے ایک قبیلہ کے لئے کافی ہوگی اور دودھ دینے والی ایک بکری آدمیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کے لئے کافی ہوگی۔ بہرحال لوگ اسی طرح کی خوشحال اور امن وچین کی زندگی گزار رہے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک خوشبودار ہوا بھیجے گا جو ان کی بغل کے نیچے کے حصہ کو پکڑے گی اور پھر وہ ہوا ہر مؤمن اور ہر مسلمان کی روح کو قبض کر لے گی اور صرف بدکار شریر لوگ دنیا میں باقی رہ جائیں گے جو آپس میں وحشی گدھوں کی طرح **مختلط** ہو جائیں گے اور ان ہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔ اس پوری روایت کو مسلم نے نقل کیا ہے علاوہ دوسری روایت کے ان الفاظ "**تطرحهم بالنهبل تاسبع سنين**" کے کہ اس کو ترمذی نے نقل کیا ہے۔

توضیح: "**وانا فيكم**" یعنی اگر میری موجودگی میں دجال خروج کرے گا تو میں مقابلہ کروں گا "**حجيج نفسه**" یعنی

اگر میں موجود نہ ہوا تو ہر آدمی اپنے ایمان کی طرف سے خود دفاع کرے۔ مودودی صاحب کہتے ہیں کہ حضور اکرم کو خود دجال کے بارے میں شک تھا اور کانے دجال کے واقعات افسانے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مودودی صاحب نے غلط کہا ہے حضور اکرم ﷺ نے دجال کے مختلف احوال بیان فرمائے ہیں یہ شک نہیں تھا۔ بلکہ مختلف احوال کی مختلف تعبیرات ہیں۔ ؎۱

صحیح احادیث اور اجماع امت سے خروج دجال ثابت ہے، حضور اکرم ﷺ نے تاکید کے ساتھ امت کی رہنمائی فرمائی ہے لہٰذا دجال کا انکار کوئی دجال ہی کرے گا۔ "**قطط**" یعنی دجال کے بال گھنگریالے ہونگے۔ ؎۲ "**عینه طافیه**" یعنی ایک آنکھ ابھری ہوئی ہوگی۔ ؎۳ "**خلة**" راستہ کو خلۃ کہا گیا ہے، دجال شام اور عراق کے درمیان کسی جزیرہ میں بند ہے جس کو جزیرہ برموڈا کہا جاسکتا ہے وہاں سے نکل کر اس راستہ میں نمودار ہوگا۔ ؎۴ "**فعاث**" یعنی فساد برپا کر کے دائیں بائیں چکر کاٹے گا۔

"**سارحتهم**" یعنی حیوانات جو چرنے والے ہوں۔ ؎۵ "**ذری**" یہ جمع ہے اس کا مفرد **ذروة** ہے کوہان کے بلند حصہ کو کہتے ہیں۔

"**اسبغه**" کامل و مکمل کے معنی میں ہے۔ "**ضروعا**" یہ ضرع کی جمع ہے تھن کو کہتے ہیں کثرت لبن کی طرف اشارہ ہے۔ "**خواصر**" خاصرۃ کی جمع ہے، کوکھ کو کہتے ہیں یعنی کثرت اکل کی وجہ سے لمبی چوڑی کوکھیں ہوں گی۔ ؎۶

"**ممحلین**" ای داخلین فی المحل وہو القحط یعنی یہ قوم خشک سالی میں مبتلا ہوجائے گی گویا دجال ان پر اقتصادی پابندی لگا دے گا۔ ؎۷ "**یعاسیب**" یعسوب کی جمع ہے شہد کی مکھیوں کے بادشاہ کو یعسوب کہتے ہیں۔ "**جزلتین**" جزلۃ کا تثنیہ ہے دو ٹکڑے مراد ہیں۔ ؎۸

"**رمیة الغرض**" یعنی یہ آدمی دو ٹکڑے ہوجائے گا اور اس کے جسم کے دونوں ٹکڑے اتنے دور جا گریں گے جتنا تیر کا ہدف دور ہوتا ہے اس میں دونوں ٹکڑوں کا فاصلہ بتایا گیا ہے شاید یہ شخص حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔ ؎۹ "**مهزودتین**" یہ لفظ دال اور ذال دونوں طرح پڑھا گیا ہے دال کے ساتھ زیادہ مشہور ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ورس اور زعفران میں رنگے ہوئے دو کپڑوں میں جن کا رنگ زرد اور زعفرانی ہوگا ملبوس ہوں گے۔ ؎۱۰ "**طأطأ**" یعنی جب سر جھکائیں گے تو چہرہ سے قطروں کی صورت میں پسینہ ٹپکے گا اور جب سر اٹھائیں گے تو چاندی کے دانوں کی طرح پسینہ بہہ کر گرے گا جو موتیوں کی طرح ہوگا۔ ؎۱۱ "باب لد" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نگاہ جہاں پڑے گی وہاں تک آپ کا سانس پہنچے گا اور جہاں تک سانس جائے گا کافر خود بخود اس سے مریں گے مگر اللہ تعالیٰ دجال کو ذلیل کرے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سے ذلیل ہوکر برچھی کے وار سے مردار ہوگا، دجال بھاگنے کی پوری کوشش کرے گا مگر باب لد مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں

؎۱ المرقات: ۹/۳۷۷ ؎۲ المرقات: ۹/۳۷۹ ؎۳ المرقات: ۹/۱۷۹ ؎۴ المرقات: ۹/۳۸۰ ؎۵ المرقات: ۹/۳۸۱

؎۶ المرقات: ۹/۳۸۴ ؎۷ المرقات: ۹/۳۸۴ ؎۸ المرقات: ۹/۳۸۵

؎۹ المرقات: ۹/۳۸۵ ؎۱۰ المرقات: ۹/۳۸۶ ؎۱۱ المرقات: ۹/۳۸۶

آ جائے گا۔ آج کل جہاں اسرائیل واقع ہے وہ علاقہ فلسطین کا ہے، اسرائیل میں تل ابیب ایک مقام ہے جو اسرائیلی حکومت کا صدر مقام ہے تل ابیب کے قریب باب لد ایک جگہ ہے جہاں اسرائیل نے مضبوط ائیر پورٹ بنا رکھا ہے، عوام کے استعمال کے لئے یہ ائیر پورٹ نہیں ہے۔ بلکہ صرف دجال کو محفوظ جگہ پہنچانے کے لئے بنایا گیا ہے اس ائیر پورٹ پر ایک جہاز کھڑا ہے جو صرف دجال کی سواری کے لئے رکھا گیا ہے۔

اس حدیث میں پیشگوئی ہے کہ باب لد پر دجال مارا جائے گا اسی وجہ سے اسرائیلی حکومت نے باب لد میں دجال کے لئے بچاؤ کا سامان بنایا ہے تا کہ اپنے خدا کو اس مشکل سے نکال دے مگر ایسا نہیں ہوگا بلکہ دجال باب لد ہی میں قتل ہوگا اور پھر یہودیوں پر ہولوکاسٹ کا دور آئے گا۔ [1] "لا یدان" یعنی ان کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا ہے کیونکہ کثیر بھی ہوں گے اور شریر بھی ہوں گے۔ [2] "بحیرۃ" شام میں ایک نہر بلکہ دریا کا نام ہے۔ [3] "طبریۃ" شام میں ایک جگہ کا نام ہے جہاں یہ پانی جمع ہے دس میل کی مسافت تک اس چھوٹے سمندر کی لمبائی ہے یاجوج ماجوج اس کو پی کر خشک کر دیں گے پھر کہیں گے سنا ہے یہاں کبھی پانی ہوتا تھا۔ [4] "نشاب" تیر کو نشاب کہتے ہیں۔ [5] "مخضوبة دماً" یعنی خون آلودہ اور خون سے رنگین ہو کر واپس آئیں گے۔ [6] "راس الثور" یعنی بیل کا سر اور اس کی کلی سو دینار سے زیادہ بہتر ہوگا یہ معیشت کی تنگی کی وجہ سے ہوگا۔ [7] "نغف" یہ ایک پھوڑے کا نام ہے جو عام طور پر اونٹوں کی ناکوں میں نکل آتا ہے یہ پھوڑا یاجوج ماجوج کی گردنوں میں نکل آئے گا اور اس میں کیڑے پڑ جائیں گے۔ [8] "فرسی" فریسة کی جمع ہے۔ شیر کے شکار کو کہتے ہیں یہاں مقتولین مراد ہیں۔ [9] "زهمهم" اس سے دسومت اور چربی مراد ہے۔ [10] "ونتنهم" گندگی اور بدبو کو نتن کہا گیا ہے۔ [11] "تطرح" پھینکنے کے معنی میں ہے۔ [12] "بالنهبل" ایک جگہ کا نام ہے۔ [13] "جعابهم" یہ جعب کی جمع ہے یہ تیروں کے رکھنے کی جگہ ترکش کو کہتے ہیں۔ [14] "سبع سنین" سات سال تک مال غنیمت میں حاصل شدہ اسلحہ کی لکڑیاں جلانے کے کام آئیں گی اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ ایک دور ایسا بھی آسکتا ہے جس میں جدید ٹیکنالوجی ختم ہو جائے گی اور جنگوں کا نقشہ ایک بار پھر جدید سے قدیم دور کی طرف لوٹ جائے گا۔ [15] "لا یکن" یہ "کن" سے ہے جنگل میں بنے ہوئے غاروں پر بولا جاتا ہے اکنان اس کی جمع ہے یعنی کوئی جگہ محفوظ نہیں رہے گی بلکہ ہر جگہ پر بارش بہہ پڑے گی۔ [16] "الزلفة" یعنی شیشہ کی طرح زمین چمک جائے گی [17] "قحف" انار کے چھلکے کو قحف کہا گیا ہے۔ [18] "رسل" دودھ کو کہتے ہیں۔ [19] "الفئام" لوگوں کی بڑی جماعت کو فئام کہتے ہیں۔ [20] "یتهارجون" یعنی بے دین لوگ گدھوں کی طرح اختلاط کر کے زنا کریں گے، فساد برپا کریں گے اور جھگڑے کریں گے۔ [21]

---

[1] المرقات: ۹/۳۸۷ [2] المرقات: ۹/۳۸۸ [3] المرقات: ۹/۳۸۸ [4] المرقات: ۹/۳۸۸

[5] المرقات: ۹/۳۸۹ [6] المرقات: ۹/۳۸۹ [7] المرقات: ۹/۳۹۰ [8] المرقات: ۹/۳۸۹ [9] المرقات: ۹/۳۸۹

[10] المرقات: ۹/۳۹۰ [11] المرقات: ۹/۳۹۰ [12] المرقات: ۹/۳۹۰ [13] المرقات: ۹/۳۹۰ [14] المرقات: ۹/۳۹۱

[15] المرقات: ۹/۳۹۱ [16] المرقات: ۹/۳۹۱ [17] المرقات: ۹/۳۹۱ [18] المرقات: ۹/۳۹۱ [19] المرقات: ۹/۳۹۲

[20] المرقات: ۹/۳۹۲ [21] المرقات: ۹/۳۹۳

مورخہ ۴ جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ

دجال کا استدراج

﴿۱۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ الدَّجَّالُ فَیَتَوَجَّهُ قِبَلَهٗ رَجُلٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَیَلْقَاهُ الْمَسَالِحُ مَسَالِحُ الدَّجَّالِ فَیَقُوْلُوْنَ لَهٗ اَیْنَ تَعْمِدُ فَیَقُوْلُ اَعْمِدُ اِلٰی هٰذَا الَّذِیْ خَرَجَ قَالَ فَیَقُوْلُوْنَ لَهٗ اَوَمَا تُؤْمِنُ بِرَبِّنَا فَیَقُوْلُ مَا بِرَبِّنَا خِفَاءٌ فَیَقُوْلُوْنَ اُقْتُلُوْهُ فَیَقُوْلُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اَلَیْسَ قَدْ نَهٰکُمْ رَبُّکُمْ اَنْ تَقْتُلُوْا اَحَدًا دُوْنَهٗ فَیَنْطَلِقُوْنَ بِهٖ اِلَی الدَّجَّالِ فَاِذَا رَاٰهُ الْمُؤْمِنُ قَالَ یَا اَیُّهَا النَّاسُ هٰذَا الدَّجَّالُ الَّذِیْ ذَکَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَیَاْمُرُ الدَّجَّالُ بِهٖ فَیُشَبَّحُ فَیَقُوْلُ خُذُوْهُ وَشُجُّوْهُ فَیُوْسَعُ ظَهْرُهٗ وَبَطْنُهٗ ضَرْبًا قَالَ فَیَقُوْلُ اَوَمَا تُؤْمِنُ بِیْ قَالَ فَیَقُوْلُ اَنْتَ الْمَسِیْحُ الْکَذَّابُ قَالَ فَیُؤْمَرُ بِهٖ فَیُؤْشَرُ بِالْمِیْشَارِ مِنْ مَّفْرِقِهٖ حَتّٰی یُفَرَّقَ بَیْنَ رِجْلَیْهِ قَالَ ثُمَّ یَمْشِی الدَّجَّالُ بَیْنَ الْقِطْعَتَیْنِ ثُمَّ یَقُوْلُ لَهٗ قُمْ فَیَسْتَوِیْ قَائِمًا ثُمَّ یَقُوْلُ لَهٗ اَتُؤْمِنُ بِیْ فَیَقُوْلُ مَا ازْدَدْتُّ فِیْكَ اِلَّا بَصِیْرَةً قَالَ ثُمَّ یَقُوْلُ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ لَا یَفْعَلُ بَعْدِیْ بِاَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ قَالَ فَیَاْخُذُهُ الدَّجَّالُ لِیَذْبَحَهٗ فَیُجْعَلُ مَا بَیْنَ رَقَبَتِهٖ اِلٰی تَرْقُوَتِهٖ نُحَاسًا فَلَا یَسْتَطِیْعُ اِلَیْهِ سَبِیْلًا قَالَ فَیَاْخُذُ بِیَدَیْهِ وَرِجْلَیْهِ فَیَقْذِفُ بِهٖ فَیَحْسِبُ النَّاسُ اَنَّمَا قَذَفَهٗ اِلَی النَّارِ وَاِنَّمَا اُلْقِیَ فِی الْجَنَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا اَعْظَمُ النَّاسِ شَهَادَةً عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) ۱

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دجال نکلے گا تو مسلمانوں میں سے ایک شخص اس کی طرف روانہ ہوگا اس شخص کو کچھ مسلح لوگ ملیں گے جو دجال کے محافظ ہوں گے یہ لوگ اس مسلمان سے پوچھیں گے کہ کہاں جارہے ہو؟ وہ کہے گا کہ میں اس شخص کی طرف جارہا ہوں جو وہاں نکلا ہے یعنی دجال۔ آنحضرت نے فرمایا دجال کے محافظ اس سے کہیں گے کہ تو ہمارے رب (دجال) پر ایمان کیوں نہیں لے آتا وہ شخص جواب دے گا کہ ہمارے پروردگار کی صفات کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں، دجال کے آدمی آپس میں کہیں گے کہ اس شخص کو مار ڈالو لیکن بعض لوگ آپس ہی میں پھر یہ کہیں گے کہ کیا ہمارے رب دجال نے اس سے منع نہیں کیا کہ ہم کسی کو اس کے حکم کے بغیر نہ ماریں آخرکار وہ لوگ اس مسلمان شخص کو دجال کے پاس لے جائیں گے جب مؤمن دجال کو دیکھ لیگا اور علامات کے ذریعہ اس کو پہچان لیگا تو کہے گا کہ لوگو! جان لو یہ وہی دجال ہے جس کا ذکر

۱ اخرجه مسلم: ۸/۱۹۹

رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا۔ آنحضرت نے فرمایا دجال اس شخص کی بات سنتے ہی آگ بگولا ہو جائے گا اور اس کو چت لٹانے کا حکم دے گا، چنانچہ اس شخص کو چت لٹا دیا جائے گا پھر دجال کہے گا کہ اس کو پکڑو اور اس کو توڑ ڈالو چنانچہ اس شخص کے پیٹ پر اس قدر ضربیں لگائی جائیں گی اور مارا جائے گا کہ اس کی پیٹھ اور پیٹ پلپلا ہو جائے گا اور پھیل جائے گا۔ آنحضرت نے فرمایا اس کے بعد دجال کہے گا کیا تو اب بھی مجھ پر ایمان نہیں لائے گا؟ وہ شخص کہے گا کہ (ہرگز نہیں) تو جھوٹا مسیح ہے، پھر دجال کی طرف سے حکم دیا جائے گا اور اس کو آرے سے سر کی طرف سے چیرا جائے گا یہاں تک کہ اس کے دونوں پیروں کے درمیان سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔ آنحضرت نے فرمایا دجال ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان ٹہلتا پھرے گا اور پھر کہے گا کہ کھڑا ہو جا وہ مسلمان شخص بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے گا تب دجال کہے گا کہ اب تو مجھ پر ایمان لے آئے گا؟ وہ شخص جواب دیگا کہ اب تو میرا یقین پختہ ہو گیا اور میری بصیرت اور زیادہ بڑھ گئی ہے کہ تو جھوٹا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا اس کے بعد وہ مسلمان شخص کہے گا لوگو! اچھی طرح جان لو اس دجال نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے اب کسی دوسرے آدمی کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔ آنحضرت نے فرمایا پھر دجال اس شخص کو پکڑ کر ذبح کرنا چاہے گا مگر ہنسلی کی ہڈی تک اس کی گردن کو تانبے کا بنا دیا جائے گا۔ (شرح السنۃ میں معمر کا یہ قول ہے کہ مجھ تک جو روایت پہنچی ہے اس میں یوں ہے کہ اس شخص کی گردن پر تانبے کا تختہ رکھدیا جائے گا) جس کی وجہ سے وہ اس کو قتل نہیں کر سکے گا اس کے بعد اس شخص کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر پکڑ کر اس کو اٹھائے گا اور پھینک دیگا لوگ تو یہی خیال کریں گے کہ اس کو آگ میں پھینکا گیا ہے لیکن حقیقت میں وہ جنت میں پھینکا گیا ہوگا (یہ بیان کرنے کے بعد) رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہ شخص اللہ رب العالمین کے نزدیک شہادت کے اعتبار سے سب سے بڑے درجہ کا حامل ہوگا۔ (مسلم)

توضیح: "المسالح" یہ جمع ہے اس کا مفرد مسلحۃ ہے محافظ اور گارڈ و چوکیدار کو کہتے ہیں۔ ۱ "تعمد" یعنی تم کہاں جا رہے ہو؟ رہی یہ بات کہ یہ شخص کون ہوگا تو اس میں اختلاف ہے عام شارحین کہتے ہیں کہ یہ حضرت خضر ہوں گے اس سے معلوم ہوا کہ وہ اب تک زندہ ہیں عام امت کا یہی خیال ہے۔ ۲ "فیشبح" منہ کے بل گرا کر لٹانے کو تشبیح کہتے ہیں چت لٹانے کو بھی کہتے ہیں۔ "شجوہ" یعنی اس کے سر کو خوب زخمی کر دو یہ لفظ "شبحوہ" بھی نقل کیا گیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اس شخص کو منہ کے بل گرا دو یا اس کو چت لٹا دو ۳ "فیوشع ظهره" یعنی مار مار کر اس کو چپلی کباب بنا دیں گے ۴ "فیوشر بمیشار" یعنی آرہ کے ذریعہ سے سر سے لیکر پاؤں تک اس شخص کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔ ۵ "ترقوته" ہنسلی کی ہڈی کو ترقوت کہتے ہیں۔ ۶ "نحاسا" نحاس تانبے کو کہتے ہیں ۷ "لا یفعل" یعنی دجال کو بطور استدراج جو ڈھیل دی گئی تھی اب وہ ختم ہو گئی اب وہ کسی کو کرشمہ کے ساتھ قتل یا زندہ نہیں کر سکے گا۔

﴿۱۴﴾ وَعَنْ أُمِّ شَرِيْكٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَفِرَّنَّ النَّاسُ مِنَ الدَّجَّالِ

۱ المرقات: ۹/۳۹۳ ۲ المرقات: ۹/۳۹۳ ۳ المرقات: ۹/۳۹۵ ۴ المرقات: ۹/۳۹۵

۵ المرقات: ۹/۳۹۵ ۶ المرقات: ۹/۳۹۶ ۷ المرقات: ۹/۳۹۷

حَتّٰى يَلْحَقُوْا بِالْجِبَالِ قَالَتْ أُمُّ شَرِيْكٍ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَأَيْنَ الْعَرَبُ يَوْمَئِذٍ قَالَ هُمْ قَلِيْلٌ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ام شریک کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا لوگ دجال سے بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپیں گے ام شریک کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ان ایام میں عرب کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا عرب بہت کم ہوں گے اور دجال سے جہاد و مقابلہ کرنے کی طاقت وقدرت نہیں رکھیں گے۔ (مسلم)

دجال کے تابعدار ایران کے یہودی ہوں گے

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَنَسٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَتْبَعُ الدَّجَّالَ مِنْ يَهُوْدِ أَصْفَهَانَ سَبْعُوْنَ أَلْفًا عَلَيْهِمُ الطَّيَالِسَةُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اصفہان کے ستر ہزار یہودی دجال کی اطاعت و پیروی اختیار کریں گے جن کے سروں پر طیلسائیں ہوں گی۔ (مسلم)

توضیح: "**اصفهان**" یہ ایران کا بڑا شہر ہے جہاں پر دجال پہونچ کر الوہیت کا دعویٰ کرے گا۔[3] "**الطيالسة**" یہ طیلسان کی جمع ہے اور یہ اصل میں تالیسان تھا عربوں نے طیلسان بنادیا یہ سبز چادر کو کہتے ہیں۔ دجال کے ساتھی اس کو استعمال کریں گے کیونکہ یہ لباس یہود کو پسند ہے جس طرح بدعتی حضرات اس کو پسند کرتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں کسی نے خوب کہا ہے:[4]

گدائے مست مٹکا جارہا ہے لباس سبز کندھوں پر پڑا ہے
نظر آئی جو اس کی وضع داری خیال آیا معانا آشنا ہے
لباس سبز درویشی تو پہنا دل درویش لیکن بے خدا ہے

ایران میں اس وقت بڑی تیزی سے رافضی لوگ یہودی بن رہے ہیں شاید یہ اس لئے ہو کہ دجال کو آسانی سے تیار ساتھی مل جائیں، سنی تو نہ بن سکے لیکن یہودی بن گئے۔

دجال مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوسکتا

﴿۱۶﴾ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي الدَّجَّالُ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْهِ أَنْ يَّدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِيْنَةِ فَيَنْزِلُ بَعْضَ السِّبَاخِ الَّتِيْ تَلِي الْمَدِيْنَةَ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ

[1] اخرجه مسلم: ۸/۲۰۰ [2] اخرجه مسلم: ۸/۲۰۷ [3] المرقات: ۹/۳۹۸ [4] المرقات: ۹/۳۹۸

رَجُلٌ وَّهُوَ خَيْرُ النَّاسِ اَوْمِنْ خِيَارِ النَّاسِ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّكَ الدَّجَّالُ الَّذِيْ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثَهٗ فَيَقُوْلُ الدَّجَّالُ اَرَاَيْتُمْ اِنْ قَتَلْتُ هٰذَا ثُمَّ اَحْيَيْتُهٗ هَلْ تَشُكُّوْنَ فِي الْاَمْرِ فَيَقُوْلُوْنَ لَا فَيَقْتُلُهٗ ثُمَّ يُحْيِيْهِ فَيَقُوْلُ وَاللّٰهِ مَا كُنْتُ فِيْكَ اَشَدَّ بَصِيْرَةً مِّنِّي الْيَوْمَ فَيُرِيْدُ الدَّجَّالُ اَنْ يَّقْتُلَهٗ فَلَا يُسَلَّطُ عَلَيْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال آئے گا یعنی ظاہر ہوگا لیکن مدینہ کے راستوں میں اس کا داخل ہونا ممنوع ہوجائے گا آخر وہ مدینہ کے قریب کی کھاری زمین میں ٹھہر جائے گا پھر اس کے پاس ایک شخص آئے گا جو بہترین لوگوں میں سے ہوگا وہ شخص کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کی خبر ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے احوال وعلامات بیان کرنے کے ذریعہ دی ہے، دجال کہے گا کہ بتاؤ میں اگر اس شخص کو قتل کر کے دوبارہ زندہ کر دوں تو کیا پھر بھی تم میرے (خدا ہونے) کے بارے میں شک کرو گے وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم کو پھر کوئی شک وشبہ نہیں رہے گا! پس دجال اس شخص کو جان سے مار ڈالے گا اور پھر اس کو زندہ کر دے گا تب وہ شخص کہے گا کہ خدا کی قسم تیرے بارے میں بصیرت اور میرا یقین اب پہلے سے بھی زیادہ پختہ ہے، دجال چاہے گا کہ اس شخص کو قتل کر دے مگر وہ اس پر قادر نہیں ہو سکے گا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ”السباخ“ مدینہ منورہ کے پاس حدود حرم سے باہر احد پہاڑ کے پیچھے ایک شورہ کھاری زمین کا نام سباخ ہے دجال آ کر ادھر ہی ٹھہر جائے گا مدینہ میں تین بار زلزلہ آئے گا جو منافق لوگ ہوں گے وہ بھاگ کر مدینہ سے باہر ہو جائیں گے اور دجال سے مل جائیں گے اسی مقام پر ایک مؤمن کا دجال کے ساتھ مناظرہ ہوگا علماء کہتے ہیں کہ یہ حضرت خضر ہوں گے پھر فرشتے دجال کو شام کی طرف بھگا دیں گے۔[2]

﴿۱۷﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَاْتِي الْمَسِيْحُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ هِمَّتُهُ الْمَدِيْنَةَ حَتّٰى يَنْزِلَ دُبُرَ اُحُدٍ ثُمَّ تَصْرِفُ الْمَلٰئِكَةُ وَجْهَهٗ قِبَلَ الشَّامِ وَهُنَالِكَ يَهْلِكُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مسیح دجال مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے ارادہ سے مشرق کی طرف سے آئے گا یہاں تک کہ وہ احد پہاڑ کے پیچھے آ کر رکے گا پھر فرشتے اس کا منہ شام کے علاقہ کی طرف پھیر دیں گے تا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں چلا جائے اور دجال وہاں ہلاک کر دیا جائے گا (بخاری ومسلم)

﴿۱۸﴾ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِيْنَةَ رُعْبُ الْمَسِيْحِ

[1] اخرجه البخاري: ۳/۲۸ ومسلم: ۸/۱۹۹ [2] المرقات: ۹/۳۹۹ [3] اخرجه البخاري: ۵/۷۶ ومسلم: ۸/۱۹۹

الدَّجَّالِ لَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ عَلَى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوبکرہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اہل مدینہ دجال کے رعب وخوف سے محفوظ رہیں گے اس دن جب کہ دجال مدینہ میں داخل ہونے کے ارادہ سے آئے گا مدینہ کے سات دروازے ہونگے اور ہر دروازے پر دو فرشتے مامور ہوں گے (بخاری)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ دجال کا آنکھوں دیکھا حال بتارہے ہیں

﴿۱۹﴾ وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ سَمِعْتُ مُنَادِيَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَادِي الصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ فَخَرَجْتُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَصَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَضْحَكُ فَقَالَ لِيَلْزَمْ كُلُّ إِنْسَانٍ مُصَلَّاهُ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ لِمَ جَمَعْتُكُمْ قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ إِنِّي وَاللّٰهِ مَا جَمَعْتُكُمْ لِرَغْبَةٍ وَّلَا لِرَهْبَةٍ وَلٰكِنْ جَمَعْتُكُمْ لِأَنَّ تَمِيْمًا الدَّارِيَّ كَانَ رَجُلًا نَصْرَانِيًّا فَجَاءَ وَأَسْلَمَ وَحَدَّثَنِي حَدِيْثًا وَّافَقَ الَّذِي كُنْتُ أُحَدِّثُكُمْ بِهٖ عَنِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ حَدَّثَنِي أَنَّهُ رَكِبَ فِي سَفِيْنَةٍ بَحْرِيَّةٍ مَعَ ثَلٰثِيْنَ رَجُلًا مِّنْ لَخْمٍ وَّجُذَامٍ فَلَعِبَ بِهِمُ الْمَوْجُ شَهْرًا فِي الْبَحْرِ فَأَرْفَأُوْا إِلٰى جَزِيْرَةٍ حِيْنَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ فَجَلَسُوْا فِي أَقْرُبِ السَّفِيْنَةِ فَدَخَلُوا الْجَزِيْرَةَ فَلَقِيَتْهُمْ دَابَّةٌ أَهْلَبُ كَثِيْرُ الشَّعْرِ لَا يَدْرُوْنَ مَا قُبُلُهُ مِنْ دُبُرِهٖ مِنْ كَثْرَةِ الشَّعْرِ قَالُوْا وَيْلَكِ مَا أَنْتِ قَالَتْ أَنَا الْجَسَّاسَةُ قَالُوْا وَمَا الْجَسَّاسَةُ قَالَتْ أَيُّهَا الْقَوْمُ انْطَلِقُوْا إِلٰى هٰذَا الرَّجُلِ فِي الدَّيْرِ فَإِنَّهُ إِلٰى خَبَرِكُمْ بِالْأَشْوَاقِ قَالَ لَمَّا سَمَّتْ لَنَا رَجُلًا فَرِقْنَا مِنْهَا أَنْ تَكُوْنَ شَيْطَانَةً قَالَ فَانْطَلَقْنَا سِرَاعًا حَتّٰى دَخَلْنَا الدَّيْرَ فَإِذَا فِيْهِ أَعْظَمُ إِنْسَانٍ مَا رَأَيْنَاهُ قَطُّ خَلْقًا وَأَشَدُّهُ وَثَاقًا مَجْمُوْعَةٌ يَدُهُ إِلٰى عُنُقِهٖ مَا بَيْنَ رُكْبَتَيْهِ إِلٰى كَعْبَيْهِ بِالْحَدِيْدِ قُلْنَا وَيْلَكَ مَا أَنْتَ قَالَ قَدْ قَدَرْتُمْ عَلٰى خَبَرِي فَأَخْبِرُوْنِي مَا أَنْتُمْ قَالُوْا نَحْنُ أُنَاسٌ مِّنَ الْعَرَبِ رَكِبْنَا فِي سَفِيْنَةٍ بَحْرِيَّةٍ فَلَعِبَ بِنَا الْبَحْرُ شَهْرًا فَدَخَلْنَا الْجَزِيْرَةَ فَلَقِيَتْنَا دَابَّةٌ أَهْلَبُ فَقَالَتْ أَنَا الْجَسَّاسَةُ اعْمِدُوْا إِلٰى هٰذَا فِي الدَّيْرِ فَأَقْبَلْنَا إِلَيْكَ سِرَاعًا فَقَالَ أَخْبِرُوْنِي عَنْ نَخْلِ بَيْسَانَ هَلْ تُثْمِرُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ أَمَا إِنَّهَا تُوْشِكُ أَنْ لَّا تُثْمِرَ قَالَ أَخْبِرُوْنِي عَنْ بُحَيْرَةِ الطَّبَرِيَّةِ قُلْنَا عَنْ أَيِّ شَأْنِهَا تَسْتَخْبِرُ؟ قَالَ هَلْ

[۱] اخرجه البخاري: ۳/۲۸

فِيْهَا مَاءٌ قُلْنَا هِيَ كَثِيْرَةُ الْمَاءِ قَالَ اَمَا اِنَّ مَاءَهَا يُوْشِكُ اَنْ يَّذْهَبَ قَالَ اَخْبِرُوْنِيْ عَنْ عَيْنِ زُغَرَ قُلْنَا عَنْ اَيِّ شَأْنِهَا تَسْتَخْبِرُ، قَالَ هَلْ فِي الْعَيْنِ مَاءٌ وَهَلْ يَزْرَعُ اَهْلُهَا بِمَاءِ الْعَيْنِ قُلْنَا نَعَمْ هِيَ كَثِيْرَةُ الْمَاءِ وَاَهْلُهَا يَزْرَعُوْنَ مِنْ مَّاءِهَا قَالَ اَخْبِرُوْنِيْ عَنْ نَّبِيِّ الْاُمِّيِّيْنَ مَا فَعَلَ قُلْنَا قَدْ خَرَجَ مِنْ مَّكَّةَ وَنَزَلَ يَثْرِبَ قَالَ اَقَاتَلَهُ الْعَرَبُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ كَيْفَ صَنَعَ بِهِمْ فَاَخْبَرْنَاهُ اَنَّهُ قَدْ ظَهَرَ عَلٰى مَنْ يَّلِيْهِ مِنَ الْعَرَبِ وَاَطَاعُوْهُ قَالَ اَمَا اِنَّ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّهُمْ اَنْ يُّطِيْعُوْهُ وَاِنِّيْ مُخْبِرُكُمْ عَنِّيْ اِنِّيْ اَنَا الْمَسِيْحُ الدَّجَّالُ وَاِنِّيْ يُوْشِكُ اَنْ يُّؤْذَنَ لِيْ فِي الْخُرُوْجِ فَاَخْرُجُ فَاَسِيْرُ فِي الْاَرْضِ فَلَا اَدَعُ قَرْيَةً اِلَّا هَبَطْتُهَا فِيْ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً غَيْرَ مَكَّةَ وَطَيْبَةَ هُمَا مُحَرَّمَتَانِ عَلَيَّ كِلْتَاهُمَا كُلَّمَا اَرَدْتُّ اَنْ اَدْخُلَ وَاحِدًا مِّنْهُمَا اِسْتَقْبَلَنِيْ مَلَكٌ بِيَدِهِ السَّيْفُ صَلْتًا يَصُدُّنِيْ عَنْهَا وَاِنَّ عَلٰى كُلِّ نَقْبٍ مِّنْهَا مَلَائِكَةً يَّحْرُسُوْنَهَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَعَنَ بِمِخْصَرَتِهِ فِي الْمِنْبَرِ هٰذِهٖ طَيْبَةُ هٰذِهٖ طَيْبَةُ هٰذِهٖ طَيْبَةُ يَعْنِي الْمَدِيْنَةَ اَلَا هَلْ كُنْتُ حَدَّثْتُكُمْ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ اَلَا اِنَّهُ فِيْ بَحْرِ الشَّامِ اَوْ بَحْرِ الْيَمَنِ لَا بَلْ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ وَاَوْمَا بِيَدِهٖ اِلَى الْمَشْرِقِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۱]

ترجمہ: اور حضرت فاطمہ بنت قیس کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کے مؤذن کی یہ آواز الصلوٰۃ جامعۃ نماز جمع کرنے والی ہے سن کر مسجد پہنچی اور پھر میں نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد منبر پر تشریف فرماتے ہوئے اس وقت آپ کے لبوں پر مسکراہٹ کھل رہی تھی، آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے جہاں نماز پڑھی ہے وہیں بیٹھا رہے پھر فرمایا کہ کیا تم لوگ جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں جمع کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں! آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے تمہیں نہ تو کسی مرغوب چیز کے لئے جمع کیا ہے اور نہ کسی دہشت ناک چیز کے لئے بلکہ میں نے تمہیں اس لئے جمع کیا ہے کہ تمیم داری جو ایک نصرانی شخص تھا آیا اور مسلمان ہوا اور اس نے مجھ کو ایک ایسا واقعہ سنایا جو مسیح دجال کے بارے میں ان باتوں کے مطابق ہے جو میں تمہیں بتایا کرتا ہوں، چنانچہ میں نے مناسب جانا کہ تمیم داری کا واقعہ تمہیں بھی سنادوں تا کہ دجال کے بارے میں تمہارا یقین اور زیادہ پختہ ہو جائے اور میری بتائی ہوئی باتیں مشاہدہ کے قرین ہو جائیں توسنو! مجھ سے تمیم داری نے بیان کیا کہ وہ ایک دن قبیلہ لخم وجذام کے تیس آدمیوں کے ساتھ ایک بحری کشتی میں سوار ہو کر روانہ ہوئے تو پانی کی موج ایک مہینہ تک کشتی کے سواروں سے کھیلتی رہی یہاں تک کہ اس موج نے کشتی کو غروب آفتاب کے وقت ایک جزیرہ کے قریب پہنچا دیا اور سارے سوار ان چھوٹی کشتیوں میں کہ جو بڑی کشتی کے ساتھ تھیں بیٹھ کر اس جزیرہ میں پہنچ گئے وہاں

---

[۱] اخرجه مسلم: ۸/۲۰۳

انہیں ایک ایسا چوپایہ ملا جو بہت بالوں والا تھا اور بالوں کی کثرت کی وجہ سے لوگوں کو اس کا آگلا پچھلا حصہ معلوم نہیں ہوتا تھا یعنی اس چوپایہ کے جسم پر اتنے زیادہ بال تھے کہ پورا جسم چھپ کر رہ گیا تھا لوگوں نے کہا کہ تجھ پر افسوس! تو کون ہے اور کیا ہے؟ اس چوپایہ نے جواب دیا کہ میں جاسوس اور خبر رساں ہوں تم لوگ میرے ساتھ اس شخص کے پاس چلو جو دیر میں ہے کیونکہ اسے تمہاری خبریں سننے کا بہت شوق ہے۔ تمیم داری نے بیان کیا کہ جب اس چوپایہ نے ہم سے ایک شخص کا ذکر کیا تو ہمیں بڑا ڈر لگا کہ وہ شخص کہیں انسان کی شکل وصورت میں شیطان نہ ہو، بہر حال ہم تیزی کے ساتھ چل پڑے اور جب دیر میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک سب سے بڑے ڈیل ڈول والا اور نہایت خوفناک آدمی موجود ہے، اس جیسی شکل وصورت کا آدمی ہم نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، وہ نہایت مضبوط اس طرح بندھا ہوا تھا کہ اس کے ہاتھ گردن تک اور گھٹنوں کے درمیان سے ٹخنوں تک لوہے کی زنجیر سے جکڑے ہوئے تھے ہم نے کہا کہ تجھ پر افسوس ہے تو کون ہے اور کیا ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ جب تم نے مجھ کو پالیا اور معلوم کر ہی لیا ہے تو تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ کہ تم کون ہو؟ ہمارے لوگوں نے اس کو بتایا کہ ہم عرب کے لوگ ہیں، بحری کشتی میں سوار ہوئے تھے کہ سمندری طوفان نے ہمیں ایک مہینہ تک گھیرے رکھا اور ہماری کشتی کو یہاں لا چھوڑا ہم اس جزیرہ پر اتر گئے یہاں ہمیں ایک بالوں والا چوپایہ ملا اور اس نے کہا کہ میں جاسوس ہوں تم لوگ اس شخص کے پاس جاؤ جو دیر یعنی بڑے محل میں موجود ہے، چنانچہ ہم بڑی تیزی کے ساتھ تیرے پاس چلے آئے، اس نے کہا کہ اچھا مجھے یہ بتاؤ کہ بیسان میں کھجوروں کے جو درخت ہیں ان پر پھل آتے ہیں یا نہیں؟ ہم نے کہا کہ ہاں پھل آتے ہیں، اس نے کہا کہ جان لو جلد ہی وہ زمانہ آنے والا ہے جب بیسان کے کھجور کے درختوں پر پھل نہیں آئیں گے، اس نے کہا کہ اب مجھے بحیرہ طبریہ کے بارے میں بتاؤ کہ آیا اس میں پانی ہے یا نہیں؟ ہم نے کہا کہ اس میں تو بہت پانی ہے، اس نے کہا یقینا عنقریب اس کا پانی ختم ہو جائے گا پھر اس نے پوچھا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ زُغر کے چشمہ میں پانی ہے یا نہیں اور وہاں کے لوگ اس چشمہ کے پانی کے ذریعہ کھیتی باڑی کرتے ہیں یا نہیں؟ ہم نے کہا کہ ہاں اس چشمہ میں بہت پانی ہے اور وہاں کے لوگ اسی پانی سے کھیتی باڑی کرتے ہیں، اس کے بعد اس نے کہا کہ اب مجھے امیوں یعنی اہل عرب کے نبی کے بارے میں بتاؤ اس نے کیا کیا؟ ہم نے کہا کہ انہوں نے مکہ کو چھوڑ دیا ہے اور اب یثرب کو ہجرت کر گئے ہیں اس نے پوچھا کہ کیا عرب کے لوگ ان سے لڑے ہیں؟ ہم نے کہا کہ ہاں! پھر اس نے پوچھا کہ انہوں نے اہل عرب سے کیا معاملہ کیا؟ ہم نے اس کو بتایا کہ وہ نبی ان عربوں پر غالب آگئے ہیں جو ان کے قریب ہیں اور انہوں نے ان کی اطاعت اختیار کر لی ہے اس نے کہا کہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان لوگوں کے لئے ان کی اطاعت کرنا ہی بہتر ہے اور اب میں تمہیں اپنے بارے میں بتاتا ہوں میں درحقیقت مسیح یعنی دجال ہوں، وہ زمانہ جلد ہی آنے والا ہے جب مجھ کو نکلنے کی اجازت مل جائے گی، اس وقت میں نکلوں گا اور چالیس دنوں تک زمین پر پھروں گا یہاں تک کہ کوئی آبادی ایسی نہیں چھوڑوں گا جس میں داخل نہیں ہوں گا سوائے مکہ اور طیبہ یعنی مدینہ اور مکہ کے، یہ دونوں شہر مجھ پر حرام قرار دیئے گئے ہیں یعنی ان دونوں شہروں میں میرا داخلہ ممنوع ہوگا جب میں ان دونوں شہروں میں سے کسی شہر میں داخل ہونا چاہوں گا تو میرے سامنے ایک فرشتہ آجائے گا جس کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہوگی وہ فرشتہ مجھ کو اس شہر میں داخل ہونے سے روک دے گا، حقیقت یہ ہے کہ ان میں

سے ہرایک شہر کے تمام راستوں پر فرشتے مامور ہیں جو اس شہر کی نگہبانی کرتے ہی۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنا عصاء مبارک منبر پر مار کر (تین مرتبہ) یہ فرمایا کہ یہ ہے طیبہ یہ ہے طیبہ یہ ہے طیبہ یعنی مدینہ (پھر فرمایا) یاد رکھو! کیا میں تمہیں یہی بات نہیں بتایا کرتا تھا؟ صحابہ نے کہا کہ ہاں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا جان لو! دجال شام کے سمندر میں ہے یا یمن کے سمندر میں، نہیں بلکہ وہ مشرق کی جانب سے نکلے گا یہ فرما کر آپ نے ہاتھ سے مشرق کی جانب اشارہ کیا۔ (مسلم)

توضیح: **"فارفئو"** یعنی لوگوں نے کشتی کو جزیرہ کے قریب کر دیا۔ [۱] **"اقربُ"** قاف پر سکون ہے اور "ر" پر پیش ہے یہ قارب کی جمع ہے چھوٹی کشتی کو قارب کہتے ہیں۔ [۲] **"اهلب"** بہت زیادہ بالوں والے جانور کو اھلب کہتے ہیں، کثیر الشعر اس کی تفسیر ہے۔ [۳] **"الجساسة"** جاسوس عورت کو جساسہ کہتے ہیں اس سے دجال کے لئے خبریں جمع کرنے والی عورت مراد ہے۔ جساسہ نے اپنا مزید تعارف نہیں کرایا بلکہ اصلی بات جو دجال سے متعلق تھی وہ شروع کر دی۔ [۴] **"الدير"** آتش پرستوں کا عبادت خانہ بھی دیر کہلاتا ہے اور نصاریٰ کے مدرسہ اور عبادت گاہ کو بھی دیر کہتے ہیں اور شراب خانہ کو بھی دیر کہا جاتا ہے۔ [۵]

"ما انت" یعنی تو کیا چیز ہے؟ تجھے دیکھ کر ڈر لگتا ہے۔ [۶] **"قدرتم"** یعنی تم یہاں تک بھی پہنچ گئے اور میرے احوال پر قادر ہو گئے؟ ٹھیک ہے میں تم کو اپنے احوال بتا دوں گا مگر پہلے تم بتاؤ۔ [۷] **"ما انتم"** تم کیا چیز ہو؟ یہ جواب ترکی بزبان ترکی ہے جس طرح انہوں نے دجال کو ایک شئی بنا کر سوال کیا دجال نے بھی ایسا ہی کیا، دونوں نے ایک دوسرے کو تعجب اور حقارت سے یاد کیا۔ [۸]

"نخل بیسان" نخل بیسان جزیرۂ عرب میں بھی ہے اور شام میں بھی ہے مگر یہاں جزیرۂ عرب والی جگہ مراد ہے۔ [۹] **"عین زغر"** شام میں ایک جگہ کا نام ہے اس جگہ پانی کا بڑا چشمہ ہے جس کو عین زغر کہتے ہیں۔ **"نقب"** راستہ کو نقب کہتے ہیں انقاب اس کی جمع ہے۔ [۱۰] **"مخصرته"** لاٹھی کو کہتے ہیں۔ [۱۱] **"لابل من المشرق"** آنحضرت ﷺ نے یہ کلام شک اور تردد کے انداز میں اس لئے ارشاد فرمایا کہ دجال قیامت کی بڑی علامات میں سے ہے تو جس طرح قیامت کو پوشیدہ رکھا گیا ہے اس طرح اس کی بڑی علامت کو بھی ایک حد تک پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ [۱۲] **"ما هو"** میں کلمہ ما زائدہ ہے نفی کے لئے نہیں ہے یا لفظ موصولہ ہے الذی کے معنی میں ہے۔ ای الذی هو فيه۔ [۱۳]

دجال کی مزید وضاحت

﴿۲۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَأَيْتُنِي اللَّيْلَةَ عِنْدَ الْكَعْبَةِ

[۱] المرقات: ۹/۲۰۳ [۲] المرقات: ۹/۲۰۲ [۳] المرقات: ۹/۲۰۲ [۴] المرقات: ۹/۲۰۳ [۵] المرقات: ۹/۲۰۲
[۶] المرقات: ۹/۲۰۵ [۷] المرقات: ۹/۲۰۵ [۸] المرقات: ۹/۲۰۵ [۹] المرقات: ۹/۲۰۵ [۱۰] المرقات: ۹/۲۰۶
[۱۱] المرقات: ۹/۲۰۸ [۱۲] المرقات: ۹/۲۰۸ [۱۳] المرقات: ۹/۲۰۹

فَرَاَيْتُ رَجُلًا آدَمَ كَاَحْسَنِ مَا اَنْتَ رَاءٍ مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ لَهٗ لِمَّةٌ كَاَحْسَنِ مَا اَنْتَ رَاءٍ مِنَ اللِّمَمِ قَدْ رَجَّلَهَا فَهِيَ تَقْطُرُ مَاءً مُتَّكِئًا عَلٰى عَوَاتِقِ رَجُلَيْنِ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ فَسَاَلْتُ مَنْ هٰذَا فَقَالُوْا هٰذَا الْمَسِيْحُ بْنُ مَرْيَمَ قَالَ ثُمَّ اِذَا اَنَا بِرَجُلٍ جَعْدٍ قَطَطٍ اَعْوَرِ الْعَيْنِ الْيُمْنٰى كَاَنَّ عَيْنَهٗ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ كَاَشْبَهِ مَنْ رَاَيْتُ مِنَ النَّاسِ بِابْنِ قَطَنٍ وَّاضِعًا يَدَيْهِ عَلٰى مَنْكِبَيْ رَجُلَيْنِ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ فَسَاَلْتُ مَنْ هٰذَا فَقَالُوْا هٰذَا الْمَسِيْحُ الدَّجَّالُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ فِي الدَّجَّالِ رَجُلٌ اَحْمَرُ جَسِيْمٌ جَعْدُ الرَّاْسِ اَعْوَرُ عَيْنِ الْيُمْنٰى اَقْرَبُ النَّاسِ بِهٖ شَبَهًا اِبْنُ قَطَنٍ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فِيْ بَابِ الْمَلَاحِمِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ ابْنِ عُمَرَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ فِيْ بَابِ قِصَّةِ ابْنِ صَيَّادٍ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى)۔[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں نے آج کی رات اپنے آپ کو (خواب میں یا کشف کی حالت میں) کعبہ کے پاس دیکھا وہاں مجھ کو ایک ایسا گندم گوں شخص نظر آیا جو کسی ایسے آدمی کی طرح تھا جس کو تم گندمی رنگ کا سب سے بہتر اور خوب صورت دیکھتے ہو اس کے (سر پر) بہت بال تھے جو کاندھوں تک لٹکے ہوئے تھے اور بالوں کے اعتبار سے بھی وہ کسی ایسے شخص کے مشابہ تھا جس کو تم اس قسم کے بال رکھنے والوں میں سب سے خوبصورت دیکھتے ہو۔اس کے بالوں میں کنگھی کی گئی تھی اور بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے وہ شخص دو آدمیوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ مسیح ابن مریم ہیں اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے فرمایا پھر اچانک میری نظر سے ایک شخص گزرا جس کے بال گھنگریالے اور بہت کھڑے تھے۔وہ دائیں آنکھ سے کانا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اس کی آنکھ انگور کا پھولا ہوا دانہ یا بے نور ہے جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہے ان میں سے وہ ابن قطن کے بہت مشابہ تھا، وہ شخص بھی دو آدمیوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا میں نے اس کے بارے میں بھی پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ یہ مسیح دجال ہے (بخاری ومسلم) ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضور کریم ﷺ نے دجال کے بارے میں فرمایا کہ ''وہ ایک بھاری جسم والا سرخ رنگ کا آدمی ہے کہ جس کے سر کے بال گھنگریالے ہیں۔دائیں آنکھ سے کانا ہے مشابہت کے اعتبار سے لوگوں میں ابن قطن اس کے بہت قریب ہے''۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث **لاتقوم الساعة حتی تطلع الشمس من مغربها** الخ **باب الملاحم** میں نقل کی جاچکی ہے نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت **قام رسول اللہ ﷺ فی الناس** الخ کو انشاء اللہ ہم ابن صیاد کے قصہ کے باب میں نقل کریں گے۔

[1] اخرجه البخاری: ۹/۵۰ ومسلم: ۸/۱۹۶

توضیح: ''یطوف بالبیت'' یعنی دجال بھی طواف کر رہا تھا اب سوال یہ ہے کہ دجال کا بیت اللہ کے ارد گرد طواف کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ البیت سے دین مراد ہے تو عیسیٰ علیہ السلام اچھی صورت میں اپنے دین کے ارد گرد گھوم رہے تھے اور دجال اپنے باطل دین کے ارد گرد چکر لگا رہا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ طواف غلبۂ اسلام سے پہلے غلبۂ کفر کے زمانہ میں ہو رہا تھا۔ یا یہ جواب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر کی مناسبت سے دجال کا تذکرہ آ گیا کہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔[1]

الفصل الثانی

﴿۲۱﴾ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ فِيْ حَدِيْثِ تَمِيْمٍ الدَّارِيِّ قَالَتْ قَالَ فَإِذَا اَنَا بِامْرَأَةٍ تَجُرُّ شَعْرَهَا قَالَ مَا اَنْتِ قَالَتْ اَنَا الْجَسَّاسَةُ اِذْهَبْ اِلٰى ذٰلِكَ الْقَصْرِ فَاَتَيْتُهُ فَاِذَا رَجُلٌ يَجُرُّ شَعْرَهُ مُسَلْسَلٌ فِي الْاَغْلَالِ يَنْزُوْ فِيْمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فَقُلْتُ مَنْ اَنْتَ قَالَ اَنَا الدَّجَّالُ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗد)[2]

ترجمہ: حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے سلسلہ میں بیان کرتی ہیں کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ (جب میں جزیرہ میں داخل ہوا تو) اچانک میرا گزر ایک عورت پر ہوا جو اپنے بالوں کو گھسیٹتی تھی۔ تمیم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں جاسوسی کرنے والی ہوں (اور دجال کو خبریں پہنچاتی ہوں) تو اس محل کی طرف چلا جا! تمیم داری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اس محل میں آیا تو وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص ہے جو اپنے بالوں کو گھسیٹتا ہے۔ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور طوق پڑے ہوئے ہیں اور آسمان و زمین کے درمیان اچھلتا کودتا ہے، میں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں دجال ہوں۔ (ابوداؤد)

توضیح: ''ینزو'' یعنی زمین و آسمان کے درمیان اچھلتا کودتا تھا۔[3]

دجال کی مزید وضاحت

﴿۲۲﴾ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّيْ حَدَّثْتُكُمْ عَنِ الدَّجَّالِ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ لَّا تَعْقِلُوْا اِنَّ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ قَصِيْرٌ اَفْحَجُ جَعْدٌ اَعْوَرُ مَطْمُوْسُ الْعَيْنِ لَيْسَتْ بِنَاتِئَةٍ وَلَا جَحْرَاءَ فَاِنْ اُلْبِسَ عَلَيْكُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِاَعْوَرَ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗد)[4]

ترجمہ: اور حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے تم لوگوں سے دجال کا حال اس اندیشہ سے (بار بار) بیان کیا ہے کہ کہیں تمہاری سمجھ میں نہ آئے (تو اچھی طرح سمجھ لو کہ) دجال پستہ

[1] المرقات: ۹/۳۱۱ [2] اخرجه ابوداؤد: ۴/۱۱۶ [3] المرقات: ۹/۳۱۳ [4] اخرجه الترمذی: ۴/۵۰۹

قد ہے، پھڈا ہے، اس کے بال مڑے ہوئے ہیں (ایک آنکھ سے) کانا ہے اور (دوسری) آنکھ سلپٹ یعنی بالکل مٹی ہوئی ہے اس کی آنکھ نہ ابھری ہوئی ہے اور نہ اندر کو دھنسی ہوئی۔ اس کے بعد بھی اگر تم شبہ میں پڑ جاؤ تو اتنی بات یاد رکھنا کہ تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "قصیر" پستہ قد کو قصیر کہتے ہیں۔ "افحج" جس کے پاؤں کے پنجے قریب قریب ہوں اور ایڑیاں دور ہوں وہ افحج ہوتا ہے اردو میں اس کو پھڈا کہتے ہیں۔[1] "اعور" یہ دجال کی بائیں آنکھ کی حالت ہے۔ اس سے پہلے حدیث نمبر ۷ میں تفصیل گذر چکی ہے۔[2] "الا تعقلوا" یعنی مجھے خوف ہوا کہ تم سمجھ نہ سکو یا بھول جاؤ گے۔ لہٰذا اتنا سمجھ لو کہ دجال کانا ہے رب کانا نہیں ہوتا۔[3]

﴿۲۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ عُبَیْدَةَ ابْنِ الْجَرَّاحِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّهٗ لَمْ یَکُنْ نَبِیٌّ بَعْدَ نُوْحٍ اِلَّا قَدْ اَنْذَرَ الدَّجَّالَ قَوْمَهٗ وَاِنِّیْ اُنْذِرُکُمُوْهُ فَوَصَفَهٗ لَنَا قَالَ لَعَلَّهٗ سَیُدْرِکُهٗ بَعْضُ مَنْ رَاٰنِیْ اَوْ سَمِعَ کَلَامِیْ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَکَیْفَ قُلُوْبُنَا یَوْمَئِذٍ قَالَ مِثْلُهَا یَعْنِی الْیَوْمَ اَوْ خَیْرٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا حقیقت یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد ایسا کوئی نبی نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو دجال سے نہ ڈرایا ہو اور میں بھی تمہیں اس سے ڈراتا رہتا ہوں اس کے بعد حضور ﷺ نے ہمارے سامنے دجال کے (کچھ) احوال بیان کیے اور پھر فرمایا شاید ان لوگوں میں سے کہ جنہوں نے مجھے دیکھا ہے یا میرا کلام سنا ہے کوئی شخص اس کو پائے! صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس وقت ہمارے قلوب کی کیا حالت ہوگی؟ فرمایا بالکل ایسی ہی جیسے آج کے دن ہے یا اس سے بھی بہتر۔ (ترمذی، ابوداؤد)

خراسان میں دجال کا ظہور

﴿۲۴﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَیْثٍ عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلدَّجَّالُ یَخْرُجُ مِنْ اَرْضٍ بِالْمَشْرِقِ یُقَالُ لَهَا خُرَاسَانُ یَتْبَعُهٗ اَقْوَامٌ کَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)[5]

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن حریث، سیدنا ابوبکر صدیق سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے ہم سے بیان کیا اور فرمایا کہ دجال روئے زمین کے ایک ایسے حصہ سے نکلے گا جو مشرق میں واقع ہے

[1] المرقات: ۹/۴۱۳ [2] المرقات: ۹/۴۱۳ [3] المرقات: ۹/۵۱۳

[4] اخرجه ابوداؤد: ۴/۲۲۱ والترمذی: ۴/۵۰۷ [5] اخرجه الترمذی: ۴/۵۰۹

اور جس کو خراسان کہا جاتا ہے اس کے ساتھ لوگوں کے کتنے ہی گروہ ہوں گے اور ان لوگوں کے چہرے تہہ بہ تہہ پھولی ہوئی ڈھال کی مانند ہوں گے۔ (ترمذی)

توضیح: ''خراسان'' ایران کے بڑے شہروں میں سے ایک شہر کا نام خراسان ہے جس میں بہت زلزلے آتے ہیں۔ پہلے زمانہ میں لفظ خراسان پورے ایران اور بعض افغانستان پر بولا جاتا تھا اب افغانستان الگ ہے خراسان کے تحت اصفہان ہے وہاں دجال نمودار ہوگا تو خراسان ملک ہے، اصفہان شہر ہے اصفہان اصل میں ''اسپان'' تھا، یہ گھوڑوں کے لئے مجاہدین استعمال کرتے تھے اسپان سے اصفہان ہوگیا۔ [1] **"وجوههم"** اس صفت کے لوگ ازبک اور تاجک اور بعض وحشی ترک ہیں۔ [2]

دجال سے دور رہو

﴿۲۵﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ بِالدَّجَّالِ فَلْيَنْأَ مِنْهُ فَوَاللّٰهِ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَأْتِيْهِ وَهُوَ يَحْسِبُ اَنَّهٗ مُؤْمِنٌ فَيَتْبَعُهٗ مِمَّا يُبْعَثُ بِهٖ مِنَ الشُّبُهَاتِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) [3]

ترجمہ: اور حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص دجال کے نکلنے کی خبر سنے اس کو چاہئے کہ وہ اس سے دور رہے خدا کی قسم! آدمی دجال کے پاس آئے گا اور اس کا گمان تو یہ ہوگا کہ میں مؤمن ہوں لیکن وہ ان چیزوں کی وجہ سے شبہات میں پڑ کر کہ جو دجال کو دی گئی ہوں گی (جیسے سحر وشعبدہ بازی اور مردہ کو زندہ کر دینے کی قدرت وغیرہ) اس کی اطاعت قبول کرے گا اور اس پر ایمان لے آئے گا۔ (ابوداؤد)

دجال دنیا میں کتنا عرصہ رہے گا

﴿۲۶﴾ وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ بْنِ السَّكَنِ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْكُثُ الدَّجَّالُ فِي الْاَرْضِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً اَلسَّنَةُ كَالشَّهْرِ وَالشَّهْرُ كَالْجُمُعَةِ وَالْجُمُعَةُ كَالْيَوْمِ وَالْيَوْمُ كَاضْطِرَامِ السَّعَفَةِ فِي النَّارِ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ) [4]

ترجمہ: اور حضرت اسماء بنت یزید بن سکن کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا روئے زمین پر دجال چالیس سال تک رہے گا (اس وقت) سال مہینہ کے برابر ہوگا، مہینہ ہفتہ کے برابر اور ہفتہ ایک دن کے برابر ہوگا اور ایک دن اتنی دیر کا ہوگا جتنی دیر میں کھجور کی خشک شاخ آگ میں جل جاتی ہو۔ اس روایت کو بغوی نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔

توضیح: **"اربعین سنة"** اس سے پہلے حدیث نمبر ۱۲ میں چالیس دن کا ذکر تھا یہاں چالیس سال ہے جو واضح

---

[1] المرقات: ۹/۲۱۵ [2] المرقات: ۹/۲۱۵ [3] اخرجه ابوداؤد: ۴/۱۱۱۴ [4] اخرجه البغوی فی شرح السنة

تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ روایت راجح ہے یہ مرجوح ہے یا مطلب یہ ہے کہ چالیس دن دنیا میں چکر کاٹتے ہیں، پوری حکومت چالیس سال ہے مگر یہ راجح نہیں ہے۔ [1]

"سعفة" کھجور کی خشک شاخ مراد ہے۔ اضطرام جلنے کے معنی میں ہے۔ [2]

﴿۲۷﴾ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّبِعُ الدَّجَّالَ مِنْ اُمَّتِيْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا عَلَيْهِمُ السِّيْجَانُ. (رواه في شرح السنة) [3]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار افراد کہ جن کے سروں پر سیجان پڑے ہوں گے دجال کی اطاعت اختیار کرلیں گے، اس روایت کو بغوی نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔

توضیح:

"سیجان" بروزن تیجان یہ وہی طیلسان ہیں سبز و سیاہ چادریں مراد ہیں تفصیل گذر چکی ہے۔

خروج دجال کی علامات اور دجال کا جادو

﴿۲۸﴾ وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِيْ فَذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ ثَلٰثَ سِنِيْنَ سَنَةٌ تُمْسِكُ السَّمَآءُ فِيْهَا ثُلُثَ قَطْرِهَا وَالْاَرْضُ ثُلُثَ نَبَاتِهَا وَالثَّانِيَةُ تُمْسِكُ السَّمَآءُ ثُلُثَيْ قَطْرِهَا وَالْاَرْضُ ثُلُثَيْ نَبَاتِهَا وَالثَّالِثَةُ تُمْسِكُ السَّمَآءُ قَطْرَهَا كُلَّهُ وَالْاَرْضُ نَبَاتَهَا كُلَّهُ وَلَا يَبْقٰى ذَاتُ ظِلْفٍ وَلَا ذَاتُ ضِرْسٍ مِّنَ الْبَهَائِمِ اِلَّا هَلَكَ وَاِنَّ مِنْ اَشَدِّ فِتْنَتِهٖ اَنَّهٗ يَاْتِي الْاَعْرَابِيَّ فَيَقُوْلُ اَرَاَيْتَ اِنْ اَحْيَيْتُ لَكَ اِبِلَكَ اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ رَبُّكَ فَيَقُوْلُ بَلٰى فَيُمَثِّلُ لَهُ الشَّيْطَانُ نَحْوَ اِبِلِهٖ كَاَحْسَنِ مَا يَكُوْنُ ضُرُوْعًا وَاَعْظَمِهٖ اَسْنِمَةً قَالَ وَيَاْتِي الرَّجُلَ قَدْ مَاتَ اَخُوْهُ وَمَاتَ اَبُوْهُ فَيَقُوْلُ اَرَاَيْتَ اِنْ اَحْيَيْتُ لَكَ اَبَاكَ وَاَخَاكَ اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ رَبُّكَ فَيَقُوْلُ بَلٰى فَيُمَثِّلُ لَهُ الشَّيَاطِيْنُ نَحْوَ اَبِيْهِ وَاَخِيْهِ قَالَتْ ثُمَّ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِهٖ ثُمَّ رَجَعَ وَالْقَوْمُ فِي اهْتِمَامٍ وَّغَمٍّ مِّمَّا حَدَّثَهُمْ قَالَتْ فَاَخَذَ بِلَحْمَتَيِ الْبَابِ فَقَالَ مَهْيَمْ اَسْمَآءُ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ خَلَعْتَ اَفْئِدَتَنَا بِذِكْرِ الدَّجَّالِ قَالَ اِنْ يَّخْرُجْ وَاَنَا حَيٌّ فَاَنَا حَجِيْجُهٗ وَاِلَّا فَاِنَّ رَبِّيْ خَلِيْفَتِيْ عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَاللّٰهِ اِنَّا لَنَعْجِنُ عَجِيْنَنَا فَمَا نَخْبِزُهٗ

[1] المرقات: ۹/۳۱۲　[2] المرقات: ۹/۶۱۳　[3] اخرجه البغوی فی شرح السنة: ۶/۴۵۳

حَتّٰى نَجُوْعَ فَكَيْفَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَئِذٍ قَالَ يُجْزِئُهُمْ مَا يُجْزِئُ اَهْلَ السَّمَاءِ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّقْدِيْسِ۔ ؎۱

ترجمہ: اور حضرت اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے کہ آپ نے دجال کا ذکر کیا اور فرمایا دجال کے ظاہر ہونے سے پہلے تین سال ایسے ہوں گے کہ پہلے سال تو آسمان تہائی بارش کو اور زمین تہائی پیداوار کو روک لے گی پھر دوسرے سال آسمان دو تہائی بارش کو اور زمین دو تہائی پیداوار کو روک لے گی اور پھر تیسرے سال آسمان تمام بارش کو اور زمین اپنی تمام پیدوار کو روک لے گی یہاں تک کہ جس وقت دجال ظاہر ہوگا تو تمام روئے زمین پر قحط پھیل چکا ہوگا (نہ صرف یہ کہ انسان سخت ترین معاشی وغذائی بحران میں مبتلا ہونگے بلکہ مویشیوں اور چوپایوں میں بھی بھکری پھیل چکی ہوگی) چنانچہ نہ تو کوئی گھر والا جانور باقی رہے گا اور نہ وحشی جانوروں میں سے کوئی دانت والا بلکہ سب ہلاک ہو جائیں گے اور اس کے برعکس اس وقت خزینے اور دفینے دجال کے تسلط میں ہوں گے اور غذائی ضروریات کی تکمیل اور آسائش وخوشحالی کے دوسرے ذرائع اس کے پاس ہوں گے، اس طرح لوگوں میں اپنی خدائی کا سکہ جمانے اور گمراہی کا سخت ترین فتنہ پھیلانے کے لئے وہ ان چیزوں کو استعمال کرے گا، چنانچہ اس کا سخت ترین فتنہ یہ ہوگا کہ وہ علم ودانائی سے بے بہرہ ایک دیہاتی کے پاس آئے گا اور اس سے کہے گا کہ مجھے بتا، اگر میں تیرے ان اونٹوں کو زندہ کر دوں (جو قحط کی وجہ سے مر گئے ہیں) تو کیا تو یہ تسلیم کرے گا کہ میں تیرا پروردگار ہوں؟ دیہاتی جواب دے گا کہ ہاں (میں تجھے اپنا پروردگار مان لوں گا) تب شیطان اس دیہاتی کے اونٹوں کی مانند شکل وصورت بنا کر لائے گا، اور وہ اونٹ تھنوں کی درازی اور کوہانوں کی بلندی کے اعتبار سے اس کے اونٹوں سے بہتر معلوم ہوں گے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا پھر وہ ایک شخص کے پاس آئیگا جس کا باپ اور بھائی مر گئے ہوں گے اور اس سے کہے گا کہ مجھے بتا اگر میں تیرے بھائی اور باپ کو زندہ کر دوں تو کیا تو تسلیم کرے گا کہ میں تیرا پروردگار ہوں؟ وہ شخص جواب دے گا کہ ہاں تب دجال شیاطین کو اس شخص کے بھائی اور باپ کی شکل وصورت میں پیش کر دے گا۔ حضرت اسماء کہتی ہیں کہ آنحضرت نے فرما کر کسی ضرورت سے باہر تشریف لے گئے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد مجلس میں تشریف لے آئے اس وقت حاضرین مجلس (دجال کے یہ حالات سن کر) فکر وغم کی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے حضرت اسماء کہتی ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے دروازے کے چوکھٹ کے دونوں کنارے پکڑ لئے اور فرمایا: اسماء تمہیں کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے تو ہمارے دل نکال لئے ہیں، آپ نے فرمایا اگر میں زندہ رہوں تو دلائل وحجت سے اس کو رفع کر دوں گا اور اگر وہ اس وقت نکلا جب میں دنیا میں موجود نہ ہوں گا تو یقینا میرا پروردگار ہر مومن کے لئے میرا وکیل وخلیفہ ہوگا، پھر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ بھوک کے وقت انسان کی بے صبری کا عالم تو یہ ہوتا ہے کہ ہم آٹا گوندھتے ہیں اور اس کی روٹی پکا کر فارغ بھی نہیں ہوتے کہ بھوک سے ہم بے چین ہو جاتے ہیں تو آخر اس دن مؤمنین کا کیا حال ہوگا؟ حضور نے فرمایا ان کے لئے وہی چیز کافی ہوگی جو آسمان والوں یعنی فرشتوں کو کافی ہوتی ہے، یعنی حق تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس۔

؎۱ اخرجہ

توضیح: "فیمثل له الشیطان" معلوم ہوا دجال جو شعبدہ بازیاں دکھائے گا اس کے پیچھے سارا ہاتھ ابلیس کا ہوگا ابلیس مردوں کی شکل میں آئے گا تو دجال کہدے گا کہ لو میں نے تمہارے باپ یا بھائی کو زندہ کر دیا اب مجھے اپنا رب مان لو دیکھو میں نے تمہارے لئے دونوں کو زندہ کر دیا مجھے رب بنالو۔ [۱] "انا لنعجن" یعنی ہم سے اتنا صبر کہاں ہوسکتا ہے کہ مہینوں تک دجال کے فتنہ میں کھانے پینے کے بغیر وقت گذار دیں ہم تو آٹا گوندھ کر روٹی پکانے تک انتظار کرنے میں پریشان ہوجاتے ہیں تو اتنا عرصہ کیسے صبر کریں گے؟ ہم تو فتنہ میں پڑجائیں گے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ذکر اللہ اور تسبیحات سے وقت صحیح گذرے گا "لحمتی الباب" یعنی دروازہ کے چوکھٹ کے دو کنارے پکڑ لئے۔ [۲]

"رواہ" مشکوۃ کے اصل نسخوں میں یہاں بیاض ہے، جگہ خالی ہے بعد میں کسی نے رواہ احمد لگا دیا ہے۔ (مرقات) [۳]

الفصل الثالث

اہل ایمان دجال سے خوفزدہ نہ ہوں

﴿۲۹﴾ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ مَاسَأَلَ اَحَدٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّجَّالِ اَكْثَرَ مِمَّا سَأَلْتُهُ وَاِنَّهُ قَالَ لِيْ مَايَضُرُّكَ قُلْتُ اِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ مَعَهُ جَبَلَ خُبْزٍ وَّنَهَرَ مَاءٍ قَالَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۴]

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ دجال کے بارے میں جس قدر میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا ہے اتنا کسی اور نے نہیں پوچھا! چنانچہ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ دجال تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے گا یعنی تمہارے اوپر چونکہ حق تعالیٰ کی عنایت وحمایت کا سایہ ہوگا اس لئے دجال تمہیں گمراہ نہیں کر سکے گا میں نے عرض کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ ہوگا اور پانی کی نہر اس وقت جب کہ لوگ قحط سالی کا شکار ہوں گے اگر کوئی شخص بھوک و پیاس سے اضطرار کی حالت کو پہنچ جائے تو وہ کیا کرے؟ آنحضرت نے فرمایا دجال اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ ذلیل ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "هو اهون" یعنی دجال اس سے زیادہ ذلیل وحقیر ہے کہ اس کے ذریعہ سے کوئی پکا مؤمن گمراہ ہوجائے اس لئے ایمان کو مضبوط رکھنا چاہئے، دجال سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے وہ فریب کار اور دھوکہ باز ہے شعبدہ بازی اور جادوگری سے لوگوں کو ڈراتا ہے حقیقی طور پر اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ [۵]

دجال کی سواری کا عجیب گدھا

﴿۳۰﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ عَلٰى حِمَارٍ اَقْمَرَ مَابَيْنَ

[۱] المرقات: ۹/۴۱۸ [۲] المرقات: ۹/۴۱۹ [۳] المرقات: ۹/۴۲۰ [۴] اخرجه البخاری: ۹/۷۳ ومسلم: [۵] المرقات: ۹/۴۲۱

أُذُنَيْهِ سَبْعُوْنَ بَاعًا. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا دجال ایک سفید گدھے پر سوار ہوکر نکلے گا اور اس گدھے کے دونوں کانوں کے درمیان ستر باع چوڑا فاصلہ ہوگا، اس روایت کو بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں نقل کیا ہے۔

توضیح: "اقمر" سفید گدھے کو حمار اقمر کہتے ہیں دجال کا گدھا تو خوبصورت سفید ہوگا مگر خود کانا دجال بدصورت ہوگا۔[2]

"سبعون باعا" یعنی یہ گدھا اتنا بڑا ہوگا کہ دونوں کانوں کے درمیان کا فاصلہ ستر باع ہوگا۔ دونوں ہاتھ اور بازو جب مکمل پھیلائے جائیں تو وہ ایک باع کی مقدار ہوجاتے ہیں۔[3]

حضرت ابن مسعود کی ایک روایت میں ہے کہ دجال کے گدھے کے کانوں کے درمیان چالیس گز کا فاصلہ ہوگا اور اس کا ایک قدم تین دن کی مسافت کے برابر ہوگا جو تقریباً بیاسی (۸۲) کلومیٹر فی سیکنڈ ہوگا یہ رفتار ۲۹۵۲۰۰ کلومیٹر فی گھنٹہ کے حساب سے ہوگی گویا ہوا سے تیز ہے، ہوائی جہاز سے بھی تیز ہے۔ بعض روایات میں گدھے کا اترنا یعنی نزول کا تذکرہ بھی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اُڑنے والا کوئی گدھا ہے یا جہاز ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ سفید گدھے سے مراد جہاز ہے یہ بات زیادہ بعید بھی نہیں ہے۔ ایک مصری عالم کمال ہشام عبدالحمید نے "اقترب خروج المسیح الدجال" کے نام سے ایک مفصل کتاب لکھی ہے۔

اس کتاب میں انہوں نے دجال کی مختلف سواریاں دکھائی ہیں۔ اس میں کوئی سواری کشتی نما ہے، کوئی سواری چھتری نما ہے کوئی سواری طشتری کی طرح ہے۔ کوئی سواری بالکل جہاز کی طرح ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دجال کی سواریاں مختلف جگہوں میں بدلتی رہتی ہوں گی لہٰذا کبھی گدھا ہوگا، کبھی گدھی ہوگی، کبھی جہاز ہوگا تو کبھی کشتی ہوگی، حدیث میں کسی ایک کا نام لیا گیا ہے باقی کی نفی نہیں ہے یہودیوں کی کتابوں میں دجال کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے چنانچہ یہودیوں کی ایک کتاب ایزاخیل میں دجال کے بارے میں لکھا ہے کہ یہود کہتے ہیں اے صہیون کی بیٹی خوشی سے چلاؤ! اے یروشلم کی بیٹی مسرت سے چیخو! دیکھو تمہارا بادشاہ (دجال) آرہا ہے وہ عادل ہے اور گدھے پر سوار ہے خچر یا گدھی کے بچے پر میں **یوفریم** سے گاڑی کو اور یروشلم سے گھوڑے کو علیحدہ کردوں گا۔ (بحوالہ تیسری جنگ عظیم)

اب یہاں دجال کے خروج کے بارے میں بحث ہے کہ وہ کہاں سے نکلے گا؟ ہشام کمال عبدالحمید نے اپنی کتاب میں دجال کا مرکزی مقام جزیرۂ برمودا قرار دیا ہے برمودا کا تکون امریکہ کے قریب واقع ہے ایک جانب شمالی امریکہ ہے دوسری جانب جنوبی امریکہ ہے اس کے درمیان بحر اٹلانٹک واقع ہے اسی مقام میں مثلث برمودا ہے جو ایک تکون کی شکل میں ہے۔

---

[1] اخرجه البيهقي [2] المرقات: ۹/۲۱ [3] المرقات: ۹/۲۱

جزیرۂ برمودا یا مثلث برمودا یا برمودا تکون ایک عجیب پُراسرار مقام ہے۔ اس مقام میں جنات کا عالمی مرکز بھی ہے اور اسی مقام پر تخت ابلیس بھی ہے اور اسی مقام پر دجال کا قید خانہ بھی ہے گویا دجال و ابلیس اور جنات کے آپس میں قریبی رابطے ہیں ادھر امریکہ میں ابلیس کو پوجنے والے بہت ہیں، امریکہ کا نائب صدر ڈک چینی بھی ابلیس کے پوجنے والوں میں سے ہے دجال کے پیغامات یہود و نصاریٰ تک بواسطۂ ابلیس پہنچتے رہتے ہیں۔ دجال کا حکم ہے کہ دنیا سے مجاہدین کو ختم کر دو پھر میں آؤں گا۔ عیسائیوں کا خیال ہے کہ جب مسلمانوں پر دنیا تنگ ہو جائے گی تو مہدی آ جائیں گے مہدی کے ساتھ دجال آ جائے گا اور دجال کے ساتھ ہمارے خدا مسیح موعود آ جائیں گے تو یہود و نصاریٰ اپنے اپنے خدا کی آمد کو مسلمانوں کے خاتمے اور ان کے ستانے سے جوڑ رہے ہیں اس لئے بش کہتا ہے کہ موجودہ جنگ کا حکم مجھے خدا نے دیا ہے اور یہ روحانی صلیبی جنگ ہے مسلمان پس رہے ہیں اور وہ لوگ اپنے اپنے خدا کی آمد کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔

برمودا تکون کے عجیب و پُراسرار حالات ہیں، سمندر میں جو بحری جہاز اس طرف بھی گیا ہے وہ آج تک ایسا غائب ہے کہ اس کی کوئی خبر بھی نہیں آئی۔ اگر ہوائی جہاز اس جزیرہ کے اوپر کبھی اُڑا ہے تو ایسا غائب ہو گیا ہے کہ آج تک کوئی پتہ بھی نہیں اس علاقے پر رات کو روشنیاں آتی جاتی دکھائی دیتی ہیں یہ سب ابلیسی پہرہ ہے جو دجال کے ارد گرد لگا ہوا ہے۔

۱۸۷۴ء میں اس علاقہ میں ایک بحری جہاز لا پتہ ہو گیا تھا اسکے تین سو سوار بمعہ کپتان آج تک غائب ہیں۔ فضا میں جب بھی ہوائی جہاز گئے تا کہ پتہ معلوم کریں تو وہ بھی غائب ہو گئے۔ برمودا تکون ایک پر اسرار علاقہ ہے جس کے سمندر میں آگ اندر جاتی بھی ہے اور باہر نکلتی بھی ہے جس کو ہزاروں لوگوں نے دیکھا ہے۔

مورخہ ۹ جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ

باب قصة ابن الصياد

ابن صیاد کی کہانی کا بیان

اکثر نسخوں میں صیاد الف لام کے بغیر مذکور ہے بعض نسخوں میں الف لام کے ساتھ الصیاد ہے بعض نے اس کو ابن صیاد بھی لکھا ہے اس کا اصل نام ''صاف'' تھا بعض نے عبداللہ بتایا ہے اس کی ماں اس کو صاف کے نام سے پکارتی تھی۔ ابن صیاد خود ایک یہودی کا لڑکا تھا جو مدینہ کا رہنے والا تھا ابن صیاد جادو اور کہانت کا زبردست ماہر تھا اسی وجہ سے اس کی شخصیت ایک پراسرار معمہ بن کر رہ گئی تھی۔ صحابہ کرام بھی ابن صیاد کے بارے میں مختلف خیالات رکھتے تھے حضرت عمر فاروق حضرت ابن عمر حضرت جابر اور دیگر چند صحابہ کرام کا خیال تھا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے حتی کہ ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما تو قسم کھا کر کہتے تھے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ رسول کریم ﷺ نے ابن صیاد کی شخصیت کو اسی طرح مبہم چھوڑا تھا جس طرح کہ وہ مبہم تھی اس بارے میں آپ ﷺ پر کوئی ایسی واضح وحی بھی نہیں آئی جس میں ابن صیاد کی حیثیت متعین کر دی گئی ہو۔

مشکوٰۃ میں اس باب کی حدیث نمبر ۷ حدیث نمبر ۸ حدیث نمبر ۱۰ اور حدیث نمبر ۱۱ سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے لیکن اس کے برعکس اکثر صحابہ کرام کا خیال تھا کہ ابن صیاد ایک فتنہ تھا، مسلمانوں کے امتحان وآزمائش کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا تھا یہ یہودی تھا شعبدہ باز اور جادوگر تھا مگر بعد میں مسلمان ہو گیا تھا حج بھی کیا مکہ و مدینہ بھی گیا اور پھر مر گیا۔ یہ حضرات اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں ابن صیاد اور ابوسعید خدری کا مکالمہ ہوا ہے اس میں ابن صیاد نے اپنے دجال ہونے کا خوب انکار کیا ہے لیکن اسی روایت کے آخر میں خود کہتا ہے کہ اگر میں دجال بن جاؤں گا تو مجھے خوشی ہوگی برا نہیں مانوں گا۔ [۱]

نیز تمیم داری کی جو حدیث ہے اس میں تاویل بہت مشکل ہے کیونکہ ابن صیاد کے مدینہ میں ہوتے ہوئے تمیم داری نے دجال کو سمندر کے ایک جزیرہ میں زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھا تھا لیکن جن حضرات نے ابن صیاد ہی کو مستقبل کا دجال قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ابن صیاد جب دجال نہیں بنا تھا اس وقت اس کے جو احوال تھے ان کا اعتبار نہیں ہے دجال کا روپ دھارنے کے بعد وہ نہ مکہ جا سکتا ہے اور نہ مدینہ جا سکتا ہے نہ اس کی اولاد ہوگی اور نہ وہ مسلمان ہوگا، واقعہ حرہ میں ابن صیاد گم ہو گیا تھا اور آج تک گم ہے ایسا لگتا ہے کہ اسی واقعہ سے اس نے دجال کی روپ دھار لی ہے اور اس پر دجال کے احکامات جاری ہو گئے۔ آنحضرت کی واضح حدیث ہے کہ دجال ایک غصہ اور غضب کے نتیجہ میں پیدا ہوگا اب ظاہر ہے کوئی بچہ ماں کے پیٹ میں تو غصہ نہیں ہوتا۔ غضب کا آنا دنیا میں موجود ہونے کے ساتھ لازم ہے تو پہلے ابن صیاد موجود تھا

---

[۱] المرقات: ۹/۲۲۱، ۲۲۲

پھر واقعہ حرہ میں غصہ کی وجہ سے اور اس واقعہ کی نحوست سے دجال کی روپ میں بدل گیا۔ بہر حال تمیم داری رضی اللہ عنہ کی روایت کو چھوڑ کر دیگر روایات میں واضح احکامات ہیں کہ ابن صیاد ہی دجال تھا پہلے چھوٹا دجال تھا اور واقعہ حرہ کے بعد بڑا دجال بن گیا اکثر شارحین اس طرف گئے ہیں کہ ابن صیاد دجال نہیں تھا لیکن علامہ طیبی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیاد دجال ہوسکتا ہے بندہ راقم الحروف کی بھی یہی رائے ہے کہ ابن صیاد ہی دجال تھا اس سے جملہ احادیث کے سمجھنے میں بڑی آسانی ہوگی ہاں صرف حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی روایت مانع ہے لیکن اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ تمیم داری کو اللہ تعالیٰ نے جزیرہ میں مستقبل کے دجال کو جسم مثالی اور مستقبل کے نقشہ کے ساتھ دکھایا ہو کہ آج کا ابن صیاد اس شکل میں کل کا دجال ہوگا اس سے آنحضرت کی پیشگوئی کی مشاہداتی تصدیق بھی ہوگئی اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دجال سے متعلق میں نے جو کچھ تم کو بتایا تھا اب لو اس کا مشاہدہ سامنے آگیا اور تمیم داری نے دجال کو دیکھ لیا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ مستقبل کے دجال کی اسی مثالی صورت کو اپنی عبارت میں بیان کرتے ہیں اور تمیم داری کی روایت کا جواب یوں دیتے ہیں۔ "اقول ولا ینافیه قصة تمیم الداری اذ یمکن ان یکون له ابدان مختلفة، فظاهره فی عالم الحس والخیال دائر مع اختلاف الاحوال وباطنه فی عالم المثال مقید بالسلاسل والاغلال ولعل المانع من ظهور کما له فی الفتنة وجود سلاسل النبوة واغلال الرسالة"۔ (مرقات، ج۹ ص ۴۲۲)[1]

ترجمہ: ابن صیاد کو دجال قرار دینا تمیم داری کی روایت کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ دجال کے کئی جسم اور کئی وجود ہوں پس اس کا ظاہری جسم تو اس ظاہری مشاہداتی دنیا میں مختلف احوال کے ساتھ گھوم پھر رہا ہو اور اس کا باطنی جسم یعنی جسم مثالی عالم مثال میں زنجیروں اور طوقوں میں جکڑا پڑا ہو اور شاید عہد نبوی میں ابن صیاد کے کامل دجال بن کر ظاہر ہونے سے رحمۃ للعالمین کی نبوت ورسالت کی رحمت کی زنجیریں رکاوٹ ہوں۔

الفصل الاول

حضور اکرم ﷺ اور ابن صیاد کے درمیان مکالمہ

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اِنْطَلَقَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَهْطٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ قِبَلَ ابْنِ صَيَّادٍ حَتّٰى وَجَدُوْهُ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ فِيْ اُطُمِ بَنِيْ مَغَالَةَ وَقَدْ قَارَبَ ابْنُ صَيَّادٍ يَوْمَئِذٍ الْحُلُمَ فَلَمْ يَشْعُرْ حَتّٰى ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظَهْرَهٗ بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ اَتَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَنَظَرَ اِلَيْهِ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ الْاُمِّيِّيْنَ ثُمَّ قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ اَتَشْهَدُ اَنِّيْ

[1] المرقات: ۹/۴۲۲

رَسُوْلَ اللّٰهِ فَرَصَّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَبِرُسُلِهٖ ثُمَّ قَالَ لِابْنِ صَيَّادٍ مَاذَا تَرٰى قَالَ يَأْتِيْنِيْ صَادِقٌ وَّكَاذِبٌ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِّطَ عَلَيْكَ الْاَمْرُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ خَبَأْتُ لَكَ خَبِيْئًا وَخَبَأَ لَهٗ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ فَقَالَ هُوَ الدُّخُّ فَقَالَ اِخْسَأْ فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ قَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَاْذَنُ لِيْ فِيْهِ اَنْ اَضْرِبَ عُنُقَهٗ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ يَّكُنْ هُوَ لَا تُسَلَّطُ عَلَيْهِ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ هُوَ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِيْ قَتْلِهٖ قَالَ ابْنُ عُمَرَ اِنْطَلَقَ بَعْدَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ الْاَنْصَارِيُّ يَؤُمَّانِ النَّخْلَ الَّتِيْ فِيْهَا ابْنُ صَيَّادٍ فَطَفِقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّقِيْ بِجُذُوْعِ النَّخْلِ وَهُوَ يَخْتِلُ اَنْ يَّسْمَعَ مِنِ ابْنِ صَيَّادٍ شَيْئًا قَبْلَ اَنْ يَّرَاهُ وَابْنُ صَيَّادٍ مُضْطَجِعٌ عَلٰى فِرَاشِهٖ فِيْ قَطِيْفَةٍ لَّهٗ فِيْهَا زَمْزَمَةٌ فَرَأَتْ اُمُّ ابْنِ صَيَّادٍ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَتَّقِيْ بِجُذُوْعِ النَّخْلِ فَقَالَتْ اَيْ صَافُ وَهُوَ اسْمُهٗ هٰذَا مُحَمَّدٌ فَتَنَاهَى ابْنُ صَيَّادٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ تَرَكَتْهُ بَيَّنَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ فَاَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنِّيْ اُنْذِرُكُمُوْهُ وَمَا مِنْ نَّبِيٍّ اِلَّا قَدْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ لَقَدْ اَنْذَرَ نُوْحٌ قَوْمَهٗ وَلٰكِنِّيْ سَاَقُوْلُ لَكُمْ فِيْهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهٖ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ اَعْوَرُ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِاَعْوَرَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر ابن خطاب صحابہ کرام کی ایک جماعت میں شامل ہو کر رسول کریم ﷺ کے ساتھ ابن صیاد کے پاس گئے اور انہوں نے اس کو بنو مغالہ کے محل میں بچوں کے ساتھ کھیلتا ہوا پایا وہ اس وقت سن بلوغ کے قریب ہو چکا تھا، ابن صیاد ان سب کی آمد سے بے خبر رہا یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ نے اس کی پشت پر ہاتھ مارا اور اس سے سوال کیا کہ کیا تو اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ابن صیاد نے آپ کی طرف دیکھا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں تم امیوں یعنی ناخواندہ لوگوں کے رسول ہو اور پھر اس نے آنحضرت سے پوچھا کہ کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں؟ آنحضرت نے اس کو (پکڑ لیا) اور پھر خوب زور سے بھینچا اور فرمایا میں خدا پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا ہوں، اس کے بعد آپ نے اس سے پوچھا کہ تو کیا دیکھتا ہے یعنی غیب کی چیزوں سے تجھ پر کیا منکشف ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا کبھی میرے پاس سچی خبر آتی ہے یعنی کبھی میرے پاس سچا فرشتہ آتا ہے اور کبھی جھوٹا شیطان، رسول کریم ﷺ نے اس کا یہ

[1] اخرجه البخاري: ۲/۱۱۷ ومسلم: ۸/۱۹۲

جواب سن کر فرمایا تیرا معاملہ سب گڈمڈ ہوگیا، پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تیرے لئے اپنے دل میں ایک بات چھپائی ہے اور جو بات آپ نے ابن صیاد کے لئے چھپائی تھی وہ یہ آیت ﴿یوم تاتی السمآء بدخان مبین﴾ تھی اس نے جواب دیا کہ وہ پوشیدہ بات "دخ" ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا دور ہٹ! تو اپنی حیثیت سے آگے ہرگز نہیں بڑھ سکے گا، حضرت عمر فاروق نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس کی گردن اڑادوں؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ابن صیاد اگر وہی دجال ہے تو پھر تم اس پر مسلط نہیں ہوسکو گے اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو پھر اس کو قتل کرنے میں تمہارے لئے کوئی بھلائی نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک دن رسول کریم ﷺ کھجور کے ان درختوں کے پاس تشریف لے گئے جہاں ابن صیاد تھا اس وقت آپ کے ساتھ حضرت ابی بن کعب انصاری بھی تھے، رسول کریم ﷺ (وہاں پہنچ کر) کھجور کی شاخوں کے پیچھے چھپنے لگے تاکہ ابن صیاد بے خبر رہے اور آپ اس کے دیکھنے سے پہلے اس کی کچھ باتیں سن لیں اور اس طرح چھپ کر ابن صیاد کی باتوں کو سننے سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ خود آپ بھی اور صحابہ بھی جان لیں کہ وہ آخر ہے کیا آیا کوئی کاہن ہے یا جادوگر یا کچھ اور؟ اس وقت ابن صیاد ایک چادر میں لپٹا ہوا لیٹا تھا اور اس چادر کے اندر سے گنگنانے کی آواز آرہی تھی اتنے میں ابن صیاد کی ماں نے نبی کریم ﷺ کو کھجور کی شاخوں میں چھپا ہوا دیکھ لیا اور کہا ارے صاف! یہ ابن صیاد کا نام تھا (دیکھ) محمد (ﷺ) کھڑے ہیں، ابن صیاد نے گنگنانا روک دیا، رسول کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا اگر ابن صیاد کی ماں اس کو نہ ٹوکتی وہ اپنی حقیقت کو ظاہر کردیتا، حضرت عبداللہ (ابن عمر) کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب رسول کریم ﷺ خطبہ دینے کے لئے لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی جو اس کو سزاوار ہے، پھر دجال کا ذکر کیا اور فرمایا میں تمہیں دجال سے ڈراتا ہوں اور نوح کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو دجال سے نہ ڈرایا ہو اور نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس سے ڈرایا ہے لیکن تمہیں دجال کے بارے میں ایک ایسی بات اور ایک ایسی علامت بتاتا ہوں جو کسی اور نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی ہے، سو تم جان لو کہ دجال کانا ہوگا اور یقیناً اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "اطم" یہ آطام کی جمع ہے بلند نما عمارت کو کہتے ہیں۔[1] "بنی مغالہ" ایک قبیلہ کا نام ہے مطلب یہ ہے کہ بنی مغالہ کی بلند عمارتوں کے پاس ابن صیاد بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔[2] "الامیین" ابن صیاد نے امیین سے عرب مراد لیا ہے کیونکہ یہود ونصاریٰ عرب کو اسی نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ اس جواب میں ابن صیاد کی عیاری اور مکاری پوشیدہ ہے وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ صرف عرب کے لئے نبی ہیں عام انسانوں کے لئے نہیں ہیں۔[3] "فرصّه" صاد پر شد ہے یعنی آنحضرت نے اس کو پکڑ کر ایسا دبایا کہ اس کو سکیڑ کر رکھ دیا۔ یہ لفظ "فرفضه" بھی ہے جو ترک کے معنی میں ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے ابن صیاد کی کٹ حجتی اور سوال وجواب کو ترک کردیا۔[4]

''صادق وکاذب''، یعنی کبھی سچا آتا ہے کبھی جھوٹا آتا ہے مطلب یہ ہے کہ کبھی سچی خبر آتی ہے اور کبھی جھوٹی خبر آجاتی ہے اور یہی کاہنوں اور جوگیوں کی علامت ہے کہ شیاطین بادلوں فرشتوں کی ایک سچی بات سن کر اس کے ساتھ سو جھوٹ ملاکر

[1] المرقات: ۹/۲۲۲ [2] المرقات: ۹/۲۲۲ [3] المرقات: ۹/۲۲۳ [4] المرقات: ۹/۲۲۳

کاہنوں تک پہنچاتے ہیں آیندہ روایت نمبر ۲ میں اس طرح ہے کہ کبھی دو جھوٹے ایک سچا آتا ہے کبھی دو سچے ایک جھوٹا آتا ہے گویا ابن صیاد پر اپنا معاملہ خود مشتبہ تھا۔ ۱؎ "خبأت لك" یعنی میں نے دل کے اندر ایک بات چھپا رکھی ہے تم بتاؤ وہ کیا چیز ہے۔ آنحضرت ﷺ نے قرآن کی آیت "یوم تأتي السمآء بدخان الخ" آیت کا تصور دل میں بٹھا رکھا تھا ابن صیاد نے کہا آپ نے "دخ" کا تصور کر رکھا ہے اس میں ابن صیاد پوری بات تک رسائی حاصل نہ کرسکا بلکہ کاہنوں کی طرح ایک آدھ بات کی طرف اشارہ کیا۔ ۲؎ "اخسأ" کتے کو بھگانے کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے یعنی گرے کتے۔ ۳؎ "فلن تعدو قدرك" یعنی تم اپنے اس دائرۂ کہانت سے آگے نہیں جاسکو گے بس شیاطین اور جنات نے جتنا بتادیا اسی قدر تم نے کہہ دیا تمہاری حیثیت تو پوشیدہ امور میں ایک ناقص جملہ سے آگے نہیں بڑھ سکتی پھر تم نبوت کا دعویٰ کیسے کرتے ہو؟۔ ۴؎ "وهو يختل" یعنی آنحضرت تدبیر اور حیلہ سے ابن صیاد کی حالت معلوم کرنے کی کوشش فرمارہے تھے کہ بے خبری میں اس سے کچھ چیزیں سن لیں۔ ۵؎ "زمزمة" بھنبھناہٹ اور گنگنانے کی آواز کو زمزمہ اور رمرمہ کہتے ہیں ایک نسخہ میں رمرمہ ہے۔ ۶؎

﴿۲﴾ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَقِيَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ يَعْنِيْ ابْنَ صَيَّادٍ فِيْ بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ هُوَ اَتَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ مَاذَا تَرٰى قَالَ اَرٰى عَرْشًا عَلَى الْمَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرٰى عَرْشَ اِبْلِيْسَ عَلَى الْبَحْرِ قَالَ وَمَا تَرٰى قَالَ اَرٰى صَادِقَيْنِ وَكَاذِبًا اَوْ كَاذِبَيْنِ وَصَادِقًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُبِسَ عَلَيْهِ فَدَعُوْهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) ۷؎

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق ان سب کی ملاقات مدینہ کے ایک راستہ میں ابن صیاد سے ہوگئی رسول کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ابن صیاد نے جواب میں کہا کہ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا (اس کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا کہ اچھا یہ بتا) تو کیا دیکھتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں ایک تخت کو پانی پر دیکھتا ہوں، حضور ﷺ نے فرمایا تو ابلیس کے تخت کو سمندر پر دیکھتا ہے۔ پھر فرمایا اس کے علاوہ اور کیا دیکھتا ہے؟ ابن صیاد نے کہا کہ دو سچوں کو دیکھتا ہوں اور ایک جھوٹے کو دیکھتا ہوں یا دو جھوٹوں کو دیکھتا ہوں اور ایک سچے

۱؎ المرقات: ۹/۳۲۴ ۲؎ المرقات: ۹/۳۲۴ ۳؎ المرقات: ۹/۳۲۵ ۴؎ المرقات: ۹/۳۲۵

۵؎ المرقات: ۹/۳۲۶ ۶؎ المرقات: ۹/۳۲۶ ۷؎ اخرجه مسلم: ۸/۱۹۰

کو دیکھتا ہوں اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے فرمایا اس کے لئے صورت حال کو گڈ مڈ کر دیا گیا ہے، اس کو چھوڑ دو۔ (مسلم)

﴿۳﴾ وَعَنْهُ اَنَّ ابْنَ صَيَّادٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تُرْبَةِ الْجَنَّةِ فَقَالَ دَرْمَكَةٌ بَيْضَاءُ مِسْكٌ خَالِصٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابن صیاد نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ جنت کی مٹی کیسی ہے؟ تو آپ نے فرمایا وہ میدہ کی مانند سفید اور مشک خالص کی مانند خوشبودار ہے۔ (مسلم)

توضیح: "درمکة" جعفر کے وزن پر ہے یعنی سفید میدہ کی طرح مٹی ہے جس طرح سفید میدہ کا آٹا ہوتا ہے اور مشک خالص کی طرح خوشبودار ہے۔[2]

ابن صیاد ایک غصہ کے نتیجہ میں دجال بن جائے گا

﴿۴﴾ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ لَقِيَ ابْنُ عُمَرَ ابْنَ صَيَّادٍ فِيْ بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لَهُ قَوْلًا اَغْضَبَهُ فَانْتَفَخَ حَتّٰى مَلَأَ السِّكَّةَ فَدَخَلَ ابْنُ عُمَرَ عَلٰى حَفْصَةَ وَقَدْ بَلَغَهَا فَقَالَتْ لَهُ رَحِمَكَ اللّٰهُ مَا اَرَدْتَّ مِنِ ابْنِ صَيَّادٍ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا يَخْرُجُ مِنْ غَضْبَةٍ يَّغْضَبُهَا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کی ملاقات مدینہ کے ایک راستہ میں ابن صیاد سے ہوگئی تو انہوں نے اس سے ایک ایسی بات کہدی جس سے وہ غضبناک ہوگیا اور جوش غضب سے پھول گیا یہاں تک کہ پورا راستہ گھیر لیا اس کے بعد جب ابن عمر رضی اللہ عنہ ام المؤمنین حضرت حفصہ کے ہاں گئے جن کو اس واقعہ کی خبر پہنچ چکی تھی تو انہوں نے فرمایا ابن عمر! خدا تم پر اپنی رحمت نازل کرے، تم نے ابن صیاد سے کیا چاہا تھا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا دجال کسی بات پر غضبناک ہو کر نکل پڑیگا۔ (مسلم)

توضیح: اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حفصہ ابن صیاد کو مستقبل کا دجال سمجھتی تھیں جو کسی غصہ کی وجہ سے دجال کی روپ میں ظاہر ہو جائے گا چنانچہ یہی ابن صیاد واقعہ حرہ میں غصہ ہو کر گم ہو چکا ہے اور آج تک گم ہے، بہت ممکن ہے کہ یہی گمشدہ ابن صیاد بعد میں دجال کی روپ دھار کر ظاہر ہو جائے گا۔[4]

ابن صیاد دجال بننے کو ناپسند نہیں کرتا تھا

﴿۵﴾ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ صَيَّادٍ اِلٰى مَكَّةَ فَقَالَ لِيْ مَا لَقِيْتُ مِنَ النَّاسِ

[1] اخرجه مسلم: ۸/۱۹۲ [2] المرقات: ۹/۴۲۹، ۴۳۰ [3] اخرجه مسلم: ۸/۱۹۳ [4] المرقات: ۹/۴۳۰

يَزْعُمُوْنَ اَنِّي الدَّجَّالُ اَلَسْتَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهُ لَا يُوْلَدُ لَهُ وَقَدْ وُلِدَ لِيْ اَلَيْسَ قَدْ قَالَ هُوَ كَافِرٌ وَاَنَا مُسْلِمٌ اَوَلَيْسَ قَدْ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِيْنَةَ وَلَا مَكَّةَ وَقَدْ اَقْبَلْتُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ وَاَنَا اُرِيْدُ مَكَّةَ ثُمَّ قَالَ لِيْ فِيْ اٰخِرِ قَوْلِهٖ اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ مَوْلِدَهٗ وَمَكَانَهٗ وَاَيْنَ هُوَ وَاَعْرِفُ اَبَاهُ وَاُمَّهٗ قَالَ فَلَبَّسَنِيْ قَالَ قُلْتُ لَهٗ تَبًّا لَّكَ سَائِرَ الْيَوْمِ قَالَ وَقِيْلَ لَهٗ اَيَسُرُّكَ اَنَّكَ ذَاكَ الرَّجُلُ قَالَ فَقَالَ لَوْ عُرِضَ عَلَيَّ مَا كَرِهْتُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ میرا اور ابن صیاد کا مکہ کے سفر میں ساتھ ہوگیا، اس نے مجھ سے اپنی اس تکلیف کا حال بیان کیا جو لوگوں سے اس کو پہنچی تھی، وہ کہنے لگا کہ لوگ مجھ کو دجال سمجھتے ہیں یا کہتے ہیں، ابوسعید! کیا تم نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ دجال کے اولاد نہیں ہوگی، جب کہ میرے اولاد ہے، کیا آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ دجال کافر ہوگا جب کہ میں مسلمان ہوں، کیا آپ کا ارشاد نہیں ہے کہ دجال مدینہ اور مکہ میں داخل نہیں ہو سکے گا جب کہ میں مدینہ سے آرہا ہوں اور مکہ جارہا ہوں۔ ابوسعید کہتے ہیں کہ ابن صیاد نے آخری بات مجھ سے یہ کہی کہ یاد رکھو! خدا کی قسم دجال کی پیدائش کا وقت جانتا ہوں اور اس کا مکان جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہے؟ اور اس کے ماں باپ کو بھی جانتا ہوں۔ ابوسعید کہتے ہیں کہ میں ابن صیاد کی یہ باتیں سن کر شبہ میں پڑ گیا میں نے کہا تو ہمیشہ کے لئے ہلاک ہوجا! ابوسعید کہتے ہیں کہ اس وقت موجود لوگوں میں سے کسی نے ابن صیاد سے کہا کہ کیا تجھ کو یہ اچھا معلوم ہوگا کہ تو خود ہی دجال ہوجائے، ابوسعید کہتے ہیں کہ اس نے جواب دیا کہ ہاں اگر لوگوں کو گمراہ کرنے، فریب میں ڈالنے اور شعبدہ بازی وغیرہ کی وہ تمام چیزیں مجھے دیدی جائیں جو دجال میں ہیں تو میں برا نہ سمجھوں گا۔ (مسلم)

﴿٦﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَقِيْتُهٗ وَقَدْ نَفَرَتْ عَيْنُهٗ فَقُلْتُ مَتٰى فَعَلَتْ عَيْنُكَ مَا اَرٰى قَالَ لَا اَدْرِيْ قُلْتُ لَا تَدْرِيْ وَهِيَ فِيْ رَاْسِكَ قَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ خَلَقَهَا فِيْ عَصَاكَ قَالَ فَنَخَرَ كَاَشَدِّ نَخِيْرِ حِمَارٍ سَمِعْتُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میری ملاقات ابن صیاد سے ہوگئی اس وقت اس کی آنکھ سوجی ہوئی تھی، میں نے پوچھا کہ تیری اس آنکھ میں جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں یہ کب سے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا کہ کب سے ہے۔ میں نے کہا تجھ کو نہیں معلوم، حالانکہ آنکھ تیرے سر میں ہے، اس نے کہا کہ اگر خدا چاہے تو آنکھ کو تمہارے عصا میں پیدا کردے ابن عمر کہتے ہیں کہ ابن صیاد نے اپنی ناک سے گدھے کی اتنی سخت آواز نکالی جو میں نے کبھی سنی ہو۔ (مسلم)

[1] اخرجه مسلم: ۸/۱۹۰ [2] اخرجه مسلم: ۸/۱۹۳

ابن صیاد کے دجال ہونے پر حضرت جابر قسم کھا رہے ہیں

﴿۷﴾ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ رَأَيْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَحْلِفُ بِاللهِ أَنَّ ابْنَ صَيَّادٍ الدَّجَّالُ قُلْتُ تَحْلِفُ بِاللهِ قَالَ إِنِّي سَمِعْتُ عُمَرَ يَحْلِفُ عَلَى ذٰلِكَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُنْكِرْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت محمد ابن منکدر رتابعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر ابن عبداللہ کو دیکھا وہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ ابن صیاد دجال ہے میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ اللہ کی قسم کھا رہے ہیں! انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عمر فاروق کو سنا وہ اس بات پر نبی کریم ﷺ کے سامنے قسم کھاتے تھے کہ ابن صیاد دجال ہے اور نبی کریم ﷺ نے اس سے انکار نہیں فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

الفصل الثانی

حضرت ابن عمر کے نزدیک ابن صیاد ہی دجال تھا

﴿۸﴾ عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ وَاللهِ مَا أَشُكُّ أَنَّ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ ابْنُ صَيَّادٍ۔
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ)[2]

ترجمہ: حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم مجھ کو اس میں کوئی شک نہیں کہ مسیح دجال ابن صیاد ہی ہے اس روایت کو ابوداؤد نے اور بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں نقل کیا ہے۔

واقعہ حرہ میں ابن صیاد گم ہو گیا

﴿۹﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ فَقَدْنَا ابْنَ صَيَّادٍ يَوْمَ الْحَرَّةِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے واقعہ حرہ کے دن ابن صیاد کو غائب پایا تھا۔ (ابوداؤد)

توضیح: "یوم الحرۃ" واقعہ کربلا میں شہادت حسین کے بعد یزید نے شامی افواج کو حکم دیا کہ مدینہ منورہ پر حملہ کر دو کیونکہ وہ لوگ میری بیعت کے منکر ہیں، شامی افواج نے شدید حملہ کر دیا مدینہ والوں نے زبردست مقابلہ کیا مگر شامی افواج غالب آئیں اور انہوں نے تین دن تک مدینہ کو لوٹا اور عورتوں کی آبروریزی کی، تین دن تک مسجد نبوی میں آذان نہیں ہوئی مدینہ پر اندھیرا چھا گیا تھا دس ہزار انسان مارے گئے، یوم حرہ یہی ہے اسی میں ابن صیاد غصہ ہو کر گم ہو گیا ہے۔[4]

[1] اخرجه البخاري: ۹/۱۳۳ ومسلم: ۸/۱۹۲ [2] اخرجه البيهقي: وابوداؤد: ۴/۱۱۸ [3] اخرجه ابوداؤد: [4] المرقات: ۹/۳۴۴

دجال کے تمام اوصاف ابن صیاد میں تھے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْکُثُ اَبَوَا الدَّجَّالِ ثَلٰثِیْنَ عَامًا لَا یُوْلَدُ لَھُمَا وَلَدٌ ثُمَّ یُوْلَدُ لَھُمَا غُلَامٌ اَعْوَرُ اَضْرَسُ وَاَقَلُّہٗ مَنْفَعَةً تَنَامُ عَیْنَاہُ وَلَا یَنَامُ قَلْبُہٗ ثُمَّ نَعَتَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبَوَیْہِ فَقَالَ اَبُوْہُ طُوَالٌ ضَرْبُ اللَّحْمِ کَاَنَّ اَنْفَہٗ مِنْقَارٌ وَّاُمُّہٗ اِمْرَاَةٌ فِرْضَاخِیَّةٌ طَوِیْلَةُ الْیَدَیْنِ فَقَالَ اَبُوْبَکْرَةَ فَسَمِعْنَا بِمَوْلُوْدٍ فِی الْیَھُوْدِ بِالْمَدِیْنَةِ فَذَھَبْتُ اَنَا وَالزُّبَیْرُ بْنُ الْعَوَّامِ حَتّٰی دَخَلْنَا عَلٰی اَبَوَیْہِ فَاِذَا نَعْتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْھِمَا فَقُلْنَا ھَلْ لَّکُمَا وَلَدٌ فَقَالَا مَکَثْنَا ثَلٰثِیْنَ عَامًا لَا یُوْلَدُ لَنَا وَلَدٌ ثُمَّ وُلِدَ لَنَا غُلَامٌ اَعْوَرُ اَضْرَسُ وَاَقَلُّہٗ مَنْفَعَةً تَنَامُ عَیْنَاہُ وَلَا یَنَامُ قَلْبُہٗ قَالَ فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِھِمَا فَاِذَا ھُوَ مُنْجَدِلٌ فِی الشَّمْسِ فِیْ قَطِیْفَةٍ وَّلَہٗ ھَمْھَمَةٌ فَکَشَفَ مِنْ رَّأْسِہٖ فَقَالَ مَا قُلْتُمَا قُلْنَا وَھَلْ سَمِعْتَ مَا قُلْنَا قَالَ نَعَمْ تَنَامُ عَیْنَایَ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال کے والدین تیس سال اس حالت میں گزاریں گے کہ ان کا کوئی لڑکا نہیں ہوگا، پھر ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو بڑے دانتوں والا یعنی کچلیوں والا ہوگا وہ بہت کم فائدہ پہنچانے والا ہوگا، اس کی دونوں آنکھیں سوئیں گی لیکن اس کا دل نہیں سوئے گا۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے اس کے ماں باپ کا حال بیان کیا اور فرمایا اس کا باپ غیر معمولی لمبا اور کم گوشت والا یعنی دبلا ہوگا، اس کی ناک مرغ جیسے جانور کی چونچ کی طرح ہوگی اور اس کی ماں موٹی چوڑی اور لمبے ہاتھ والی ایک عورت ہوگی۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ کے یہودیوں میں ایک لڑکے کی موجودگی کے بارے میں سنا تو میں اور زبیر ابن العوام اس کو دیکھنے چلے گئے، جب ہم اس لڑکے کے والدین کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بالکل اسی طرح کے ہیں جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ان کے بارے میں بیان کیا تھا، ہم نے ان دونوں سے پوچھا کہ کیا تمہارا کوئی لڑکا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہم نے تیس سال اس حالت میں گزارے کہ ہمارا کوئی لڑکا نہیں تھا پھر ہمارے ہاں ایک کانا لڑکا پیدا ہوا جو بڑے دانتوں والا اور بہت کم فائدہ پہنچانے والا ہے، اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن اس کا دل نہیں سوتا۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم دونوں وہاں سے چل دیئے اور پھر اچانک ہماری نظر اس لڑکے پر پڑی جو دھوپ میں چادر اوڑھے پڑا تھا اور اس میں سے گنگناہٹ کی سی ایک آواز آرہی تھی جو سمجھ میں نہیں آتی تھی، اس نے سر سے چادر ہٹا کر ہم سے پوچھا کہ تم نے کیا کہا ہے؟ ہم نے کہا کہ کیا تو نے ہماری بات سن لی ہے؟ اس نے کہا ہاں! میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔ (ترمذی)

[1] اخرجہ الترمذی: ۲/۵۱۸

توضیح: "طُوال" طویل کا مبالغہ واو پر شد زیادہ مشہور ہے بغیر شد بھی ہے طاء پر ضمہ ہے۔ [۱] "ضرب" یعنی چھریرے بدن کا آدمی تھا، جسم موٹا نہیں تھا۔ [۲] "فرضاخیة" جس عورت کا جسم بہت موٹا ہو اور پستان بہت بڑے اور ڈھیلے ہوں اس کو "امرأة فرضاخية" کہتے ہیں اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے تمام اوصاف ابن صیاد میں تھے پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ ابن صیاد مستقبل کا دجال نہ ہو۔ [۳]

آنحضرت کو ہمیشہ خطرہ تھا کہ کہیں ابن صیاد دجال نہ ہو

﴿۱۱﴾ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ امْرَأَةً مِّنَ الْيَهُوْدِ بِالْمَدِيْنَةِ وَلَدَتْ غُلَامًا مَمْسُوْحَةً عَيْنُهٗ طَالِعَةٌ نَابُهٗ فَاَشْفَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّكُوْنَ الدَّجَّالُ فَوَجَدَهٗ تَحْتَ قَطِيْفَةٍ يُهَمْهِمُ فَاٰذَنَتْهُ اُمُّهٗ فَقَالَتْ يَاعَبْدَاللّٰهِ هٰذَا اَبُوالْقَاسِمِ فَخَرَجَ مِنَ الْقَطِيْفَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَهَا قَاتَلَهَا اللّٰهُ لَوْتَرَكَتْهُ لَبَيَّنَ فَذَكَرَ مِثْلَ مَعْنٰى حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ اِئْذَنْ لِّيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَقْتُلَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ يَّكُنْ هُوَفَلَسْتَ صَاحِبَهٗ اِنَّمَا صَاحِبُهٗ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَاِلَّا يَكُنْ هُوَفَلَيْسَ لَكَ اَنْ تَقْتُلَ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ الْعَهْدِ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُشْفِقًا اَنَّهٗ هُوَالدَّجَّالُ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)۔ [۴]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ کی ایک یہودی عورت کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جس کی آنکھ مٹی ہوئی اور ہموار تھی اور اس کی کیچلیاں باہر نکلی ہوئی تھیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ڈرے کہ کہیں یہ دجال نہ ہو، پس آپ نے اس کو ایک چادر کے نیچے لیٹا ہوا پایا، اس وقت وہ آہستہ آہستہ کچھ بول رہا تھا جس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا تھا اس کی ماں نے کہا، عبداللہ (یعنی ابن صیاد) یہ ابوالقاسم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کھڑے ہوئے ہیں، وہ چادر سے باہر نکل آیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس عورت کو کیا ہوا، خدا اس کو ہلاک کرے، اگر وہ اس کو اس حال پر چھوڑ دیتی تو یقیناً وہ اپنا حال ظاہر کر دیتا، اس کے بعد حضرت جابر یا راوی نے حضرت عمر کی (اس) حدیث کے مطابق بیان کیا جو باب کے شروع میں بیان کی جا چکی ہے، چنانچہ حضرت عمر ابن خطاب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اجازت دیں تو میں اس کو قتل کر ڈالوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ (ابن صیاد) وہی دجال ہے تو اس کے قاتل تم نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے قاتل عیسیٰ ابن مریم ہوں گے اور اگر یہ وہ دجال نہیں ہے تو تمہیں ایک ایسے شخص کو قتل کرنے کا کوئی حق نہیں جو اہل ذمہ میں سے ہے اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے تعلق سے برابر یہ خوف رکھتے تھے کہ ابن صیاد کہیں دجال نہ ہو۔ اس روایت کو بغوی نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔

[۱] المرقات: ۹/۳۳۴، ۳۳۵ [۲] المرقات: ۹/۳۳۴ [۳] المرقات: ۹/۳۳۵ [۴] اخرجه البغوی فی شرح السنة ۷/۳۵۳

باب نزول عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ کے نزول کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ﴾ [۱]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے یہود ان کی جان کے دشمن ہو گئے تھے۔ حضرت جبریل ہمیشہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہتے تھے، ایک موقع پر یہود نے ان کو قتل کرنا چاہا وہ ایک مکان میں چھپ گئے عیسائیوں نے ان کا دفاع نہیں کیا بلکہ کچھ عیسائیوں نے تیس روپے کے عوض ان کی جاسوسی کی اور یہود کو ان کے مکان کا پتہ بتادیا، یہود نے اس مکان کا گھیراؤ کیا اور ایک بدبخت کو اندر بھیجا تا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کر دے۔ حضرت جبرئیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مکان کی چھت سے نکال دیا اور اوپر آسمانوں پر لے گئے۔ مکان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ اس شخص پر ڈال دی گئی جو اندر داخل ہوا تھا چنانچہ جب وہ باہر نکلا تو یہود نے اس کو عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا اب ان کو شبہ ہوا کہ اگر یہ مقتول عیسیٰ ہے تو ہمارا آدمی کدھر گیا اور اگر یہ ہمارا آدمی ہے تو عیسیٰ کدھر گیا، عیسائی اور یہودی آج تک قتل عیسیٰ میں تذبذب کا شکار ہیں اور کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہے۔ اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ آسمانوں پر لے گئے اور وہاں ان پر فرشتوں کی صفات ڈالدی گئیں لہٰذا وہ بشریت کے لوازمات سے پاک ہو گئے نہ کھانا پینا، نہ پیشاب، پاخانہ نہ گرمی، سردی بلکہ وہ دوسرے آسمان پر فرشتوں کے ساتھ قیام پذیر ہیں اور قیامت کے قریب ہونے پر آسمان سے نیچے نازل ہوں گے دمشق کی جامع مسجد کے مینار کے مشرقی کنارے پر اُتریں گے اب نیچے اترنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا کئے ہیں دنیا دار الاسباب ہے اس لئے حضرت عیسیٰ سیڑھی منگوائیں گے اور سیڑھی لگا کر نیچے آجائیں گے۔

جمعہ کا دن ہوگا، عصر کی نماز تیار ہوگی حضرت مہدی انتظار میں ہوں گے آپ کو نماز پڑھانے کا فرمائیں گے آپ جواب دیں گے کہ نہیں نماز آپ خود پڑھائیں کیونکہ اس امت کے امام آپ ہیں میں ایک خاص کام یعنی دجال کے قتل کے لئے آیا ہوں۔ بہرحال نزول عیسیٰ علیہ السلام اسلام کا اساسی عقیدہ ہے اس کا انکار کرنے والا گمراہ ہو جاتا ہے، بعض کفار جیسے قادیانی اور بعض دیگر روشن خیال نزول عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں۔

---

[۱] الزخرف: ۶۱

الفصل الاول

قسم بخدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ضرور ہوگا

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَیُوْشِكَنَّ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْكُمْ اِبْنُ مَرْیَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَیَكْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ وَیَفِیْضُ الْمَالُ حَتّٰی لَایَقْبَلَهٗ اَحَدٌ حَتّٰی تَكُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَیْرًا مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا ثُمَّ یَقُوْلُ اَبُوْهُرَیْرَةَ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ. اَلْاٰیَة.

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ) [۱]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یقیناً عیسیٰ ابن مریم تمہارے درمیان اتریں گے جو ایک عادل حاکم ہوں گے، وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے، سور کو مار ڈالیں گے جزیہ کو اٹھا دیں گے، مال و دولت کی فراوانی ہوگی یہاں تک کہ کوئی اس کا خواہشمند نہ رہے گا اور اس وقت ایک سجدہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہوگا، حضرت ابوہریرہ کہا کرتے تھے کہ اگر تم اس بات میں کوئی شک و شبہ رکھتے ہو اور دلیل حاصل کرنا چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھو ﴿وان من اهل الكتب الاليؤمنن به قبل موته﴾ یعنی کوئی اہل کتاب ایسا باقی نہیں رہے گا جو عیسیٰ علیہ السلام پر اس کی وفات سے پہلے ایمان نہ لے آئے گا۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "حکما عدلا" ای حاکما عادلاً "فیکسر الصلیب" صلیب اصل میں دو مثلث لکڑیوں کا نام ہے، جمع کی شکل میں ہوتی ہے جس سے عیسائی لوگ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے سولی پر لٹکا دیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کرلیا اور آسمان پر اٹھالیا، عیسائیوں کے ہاں صلیب انتہائی مقدس نشان ہے بلکہ وہ اس کی پوجا بھی کرتے ہیں۔ بعض جگہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر بھی لٹکی ہوئی دکھاتے ہیں یہ عیسائیوں کے ہاں قابل احترام عمل ہے تعجب تو اس پر ہے کہ جس صلیب پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دیدی گئی عیسائی اسی پھانسی گھاٹ سے محبت کرتے ہیں اور اس کو مقدس سمجھتے ہیں یہ تو قابل نفرت چیز ہے، ادھر عیسائیوں کے لئے یہ باعث شرم بات ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا بلکہ جاسوسی کر کے ۳۰ روپے پر فروخت کردیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی غلط عقیدہ کی وجہ سے صلیب کو توڑ دیں گے مطلب یہ کہ وہ عیسائیت کو باطل قرار دیں گے اور شریعت محمدی کو واجب الاطاعت قرار دیں گے عیسائیت کی علامات و احکامات کو مٹا دیں گے۔ "الخنزیر" یعنی خنزیر کو قتل کردیں گے خنزیر بھی عیسائیوں کے ہاں ان کا محبوب حیوان ہے اور محبوب غذا ہے۔ اس کے قتل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ یہ حرام ہے، اس کا پالنا اور گوشت کھانا حرام ہے یہ قابل احترام حیوان نہیں ہے بلکہ قابل نفرت اور واجب القتل حیوان ہے۔

[۱] اخرجه البخاری: ۲/۱۰۷ و مسلم: ۱/۹۳

"الجزیة" کتاب الجہاد میں جزیہ کی تفصیل گذر چکی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بطور مجدد آئیں گے وہ دین اسلام کے کسی حکم کو موقوف نہیں کرسکیں گے، جزیہ کو ختم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت کے فرمان کے مطابق وہ جزیہ کو ختم کریں گے گویا یہ انتہاء حکم بوجہ انتہاء علت ہوگا کیونکہ جب کسی کافر کو زندہ چھوڑنا اور امن دینا بند ہوجائے گا۔ صرف مسلمان کو باقی رکھنا ہوگا کوئی کافر نہیں ہوگا جو جزیہ ادا کردیگا تو جزیہ خود بخود ختم ہوجائے گا، اس وقت یا اسلام اور یا موت کا قاعدہ جاری ہوگا بہرحال یہ نبی پاک کے ایک حکم کی تنفیذ ہوگی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ہوگی۔ [1] "القلاص" جوان اونٹیاں مراد ہیں عربی میں جوان اونٹنیوں کو قلاص کہتے ہیں۔ "فلا یسعی علیہا" یعنی لوگ اس طرح مستغنی اور خوشحال ہوں گے کہ اس طرح کی محبوب ترین چیز کی طرف بھی توجہ نہیں دیں گے۔ [2]

"السجدة الواحدة" یعنی ایسا سکون اور امن کا دور ہوگا کہ لوگ طبعی طور پر عبادات سے لگاؤ رکھیں گے، شوق وذوق سے عبادت کریں گے، سجدوں اور نمازوں میں اتنا لطف آئے گا کہ دنیا ومافیہا سے ایک سجدہ کو زیادہ محبوب سمجھا جائے گا، اس کے بعد حضرت ابو ہریرۃ نے قرآن کی یہ آیت بطور استدلال پڑھی: ﴿وان من اهل الكتاب الا ليومنن به قبل موته﴾ [3] آیت کا مطلب یہ ہے کہ آخر زمانہ میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو دنیا کے سارے انسان ایک مذہب اسلام پر اکٹھے ہوجائیں گے کسی کافر کو کفر پر باقی نہیں رکھا جائے گا تو اس وقت اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کے سارے لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے اور وہی عقیدہ اپنائیں گے جو مسلمانوں کو اسلام نے دیا ہے اس زمانہ میں موجود اگر کوئی یہودی ہوگا یا نصرانی ہوگا تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے پہلے دین حق پر آجائے گا آیت کی اس تفسیر کے مطابق "موتہ" میں ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹے گی، حضرت ابو ہریرۃ نے اسی تفسیر کے پیش نظر آیت کا حوالہ دیا ہے اور اہل کتاب سے مراد اس زمانہ کے موجود اہل کتاب ہوں گے۔ [4]

آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ "موتہ" کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بجائے اہل کتاب کے ہر فرد کی طرف لوٹائی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اہل کتاب کا ہر فرد اپنی موت کے وقت حالت نزع میں تکوینی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے گا مگر اس وقت اس کے ایمان کا اعتبار نہیں ہوگا لہٰذا وہ دوزخ میں جائے گا کیونکہ حالت نزع میں جب آخرت کی کسی چیز کا مشاہدہ ہونے لگتا ہے تو پھر ایمان بالغیب کا زمانہ ختم ہوجاتا ہے اور ایسا ایمان معتبر نہیں ہوتا۔ [5]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور کی برکتیں

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَيَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَادِلًا فَلَيَكْسِرَنَّ الصَّلِيْبَ وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيْرَ وَلَيَضَعَنَّ الْجِزْيَةَ وَلَيَتْرُكَنَّ الْقِلَاصَ فَلَايُسْعٰى عَلَيْهَا

[1] المرقات: ۹/۳۳۸ [2] المرقات: ۹/۳۳۹ [3] نساء: ۱۵۹ [4] المرقات: ۹/۳۳۸ [5] المرقات: ۹/۳۳۸، ۳۳۹

وَلَتَذْهَبَنَّ الشَّحْنَاءُ وَالتَّبَاغُضُ وَالتَّحَاسُدُ وَلَيَدْعُوَنَّ إِلَى الْمَالِ فَلَا يَقْبَلُهُ أَحَدٌ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ) ۱

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا حضرت عیسیٰ ابن مریم اس حالت میں نازل ہونگے کہ وہ ایک عادل حاکم ہونگے، صلیب کو توڑ دیں گے، سور کو مار ڈالیں گے، جزیہ کو اٹھادیں گے اور جوان اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائے گا کہ ان سے سواری اور بار برداری کا کام نہیں لیا جائے گا اور یقیناً لوگوں کے دلوں سے کینہ بغض اور حسد جاتا رہے گا اور یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو مال و دولت سے نوازنے کے لئے بلائیں گے لیکن کوئی بھی مال و دولت لینے والا نہیں ہوگا (مسلم) اور بخاری و مسلم کی ایک اور روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب عیسیٰ ابن مریم تمہارے درمیان اتریں گے اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا۔

توضیح: "القلاص" جوان اونٹنیوں کو قلاص کہتے ہیں یہ عرب کا محبوب مال ہے۔ ۲ "فلا یسعی علیها" یعنی ان جوان اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائے گا، ان پر سواری اور بار برداری کا کام نظر انداز کر دیا جائے گا لوگ اس طرح مال سے مستغنی ہوجائیں گے کہ اس محبوب ترین مال کو بھی نہیں دیکھیں گے۔ ۳ "الشحناء" بغض اور کینہ کو شحناء کہا گیا ہے یعنی دنیا کی محبت ختم ہوجائے گی تو اس سے پیدا شدہ بیماریاں مثلاً کینہ اور بغض وحسد اور عداوت بھی ختم ہوجائیں گی۔ ۴ "وامامکم منکم" یعنی خلیفہ مہدی ہی ہوں گے کیونکہ عمومی امامت پہلے سے ان کے ہاتھ میں ہوگی، یہ اس امت کے اعزاز کے طور پر ہوگا حضرت مہدی کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام خلیفہ ہوں گے۔ ۵

جہاد جاری رہے گا

﴿۳﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَ فَيَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ فَيَقُولُ أَمِيرُهُمْ تَعَالَ صَلِّ لَنَا فَيَقُولُ لَا إِنَّ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ أُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللَّهِ هَذِهِ الْأُمَّةَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِي) ۶

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ہمیشہ کوئی جماعت حق کے واسطے لڑتی رہے گی جو غالب آئے گی، قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا پھر آپ نے فرمایا جب حضرت عیسیٰ ابن مریم اتریں گے تو امت کے امیر (یعنی امام مہدی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہیں گے کہ آئیے نماز پڑھائیے لیکن عیسیٰ علیہ السلام ان کو جواب دیں گے کہ میں امامت

۱ اخرجه مسلم: ۱/۹۳ ۲ المرقات: ۹/۳۳۹ ۳ المرقات: ۹/۳۳۹
۴ المرقات: ۹/۳۳۹ ۵ المرقات: ۹/۳۴۰ ۶ اخرجه مسلم: ۱/۹۵

نہیں کروں گا اور بلاشبہ تم میں سے بعض لوگ بعض پر امام و امیر ہیں بایں سبب کے اللہ تعالیٰ نے اس امت محمدیہ کو بزرگ و برتر قرار دیا ہے۔ (مسلم) اور اس باب میں دوسری فصل نہیں ہے۔

الفصل الثالث

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہوں گے

﴿۴﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ إِلَى الْأَرْضِ فَيَتَزَوَّجُ وَيُوْلَدُ لَهٗ وَيَمْكُثُ خَمْسًا وَّأَرْبَعِيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَمُوْتُ فَيُدْفَنُ مَعِيْ فِيْ قَبْرِيْ فَأَقُوْمُ أَنَا وَعِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ فِيْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ بَيْنَ أَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ۔ (رَوَاهُ ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِيْ كِتَابِ الْوَفَاءِ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمرو کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت عیسیٰ ابن مریم زمین پر اتریں گے تو وہ نکاح کریں گے اور ان کے اولاد ہوگی، دنیا میں ان کی مدت قیام پینتالیس برس ہوگی، پھر ان کی وفات ہو جائے گی اور وہ میری قبر یعنی میرے مقبرہ میں میرے پاس دفن کیے جائیں گے، (چنانچہ قیامت کے دن) میں اور عیسیٰ ابن مریم ایک مقبرہ سے ابوبکر اور عمر کے درمیان اٹھیں گے، اس روایت کو ابن جوزی نے کتاب الوفاء میں نقل کیا ہے۔

توضیح:

سوال: "خمسا واربعین" یہ روایت اس روایت سے معارض و مخالف ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۳۳ سال کی عمر میں آسمان پر اُٹھائے گئے تھے اور نزول کے بعد سات سال زمین پر حکومت کریں گے اس سے ان کی پوری عمر ۴۰ سال معلوم ہوتی ہے جبکہ زیر بحث روایت میں ان کی پوری عمر ۴۵ سال بتائی گئی ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جہاں چالیس سال کا ذکر آیا ہے وہاں پانچ سال کے کسر کو چھوڑ دیا گیا ہے اصل مدت عمر ۴۵ سال ہی ہے، عرب اکثر و بیشتر کسر کو ذکر نہیں کرتے ہیں اور دہائیوں کو بیان کرتے ہیں۔ [1]

"معی فی قبری" یعنی میرے ساتھ میرے مقبرہ میں مدفون ہوں گے اس جگہ سے مراد حضرت عائشہ کا وہ مکان ہے جہاں حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق و فاروق مدفون ہیں، حضرت عائشہ نے تو اضعا وصیت فرمائی کہ مجھے عام قبرستان میں دفن کر دو یہ جگہ چھوڑ دو پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس جگہ میں مدفون ہونے کی کوشش فرمائی مگر اس جگہ مدفون ہونے میں وہ کامیاب نہ ہو سکے لہٰذا قبر کی یہ جگہ خالی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے پُر کریں گے۔ [2]

[1] المرقات: ۹/۳۴۲ [2] المرقات: ۹/۳۴۲

باب قرب الساعة ومن مات فقد قامت قیامته

قرب قیامت کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ [1]

ایک قیامت کبریٰ ہے وہ اس عالم کائنات کی موت ہے کہ زمین وآسمان فرشتے، جنات اور انسان وحیوان سب مرجائیں گے ﴿ویبقی وجه ربك ذوالجلال والاکرام﴾ [2] دوسری قیامت وسطیٰ ہے وہ یہ ہے کہ زمین پر بسنے والا موجودہ انسانوں کا مخصوص دور ختم ہوجائے جیسے صحابہ کرام کا دور ختم ہوگیا تو برکات کا دور ختم ہوگیا یہ ایک قسم کی قیامت تھی جو وسطیٰ مدت کے لئے تھی، تیسری قیامت صغریٰ ہے وہ یہ ہے کہ ہر آدمی کی موت جب واقع ہوجائے گی تو اس کی قیامت قائم ہوجائے گی یہ ذاتی اور شخصی قیامت ہے۔ گویا ایک عالم اکبر کی موت ہے جیسے زمین وآسمان اور پہاڑوں سے جان نکل جائے گی یہ قیامت کبریٰ ہے دوسری عالم اصغر کی موت ہے یہ ہر آدمی کی اپنی ذاتی اور شخصی موت ہے جس طرح حدیث میں ہے کہ من مات فقد قامت قیامته۔

مذکورہ باب میں قیامت کبریٰ اور قیامت صغریٰ دونوں کا بیان ہوگا بلکہ حدیث نمبر ۴ میں قیامت وسطیٰ کا بیان بھی ہے لہٰذا اس باب میں تینوں قسم کی قیامتوں کا بیان ہوگا۔ [3]

الفصل الاول

قیامت بالکل قریب ہے

﴿۱﴾ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ قَالَ شُعْبَةُ وَسَمِعْتُ قَتَادَةَ يَقُوْلُ فِيْ قِصَصِهٖ كَفَضْلِ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَلَا اَدْرِيْ اَذَكَرَهٗ عَنْ اَنَسٍ اَوْقَالَهٗ قَتَادَةُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [4]

ترجمہ: حضرت شعبہ حضرت قتادہ سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں اور قیامت ان دوانگلیوں کی مانند بھیجے گئے ہیں، حضرت شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قتادہ سے سنا ہے، انہوں نے اپنے وعظ میں کہا کہ جس طرح ان دونوں میں سے ایک انگلی دوسری انگلی سے بڑھی ہوئی ہے، بہرحال (شعبہ کہتے ہیں کہ) مجھے معلوم نہیں کہ یہ مراد حضرت قتادہ نے خود بیان کی ہے یا انہوں نے اس کو حضرت انس سے سنا تھا (بخاری ومسلم)

[1] قمر ۱ [2] الرحمٰن ۲۷ [3] المرقات: ۹/۴۴۴ [4] اخرجه البخاری: ومسلم: ۸/۲۰۸

توضیح: "کھاتین" یعنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو جب ملایا جائے تو دونوں برابر سرابر ہیں صرف درمیان کی انگلی تھوڑی سی لمبی ہے گویا اسی طرح میں کچھ پہلے آ گیا ہوں اور میرے ساتھ متصل قیامت آنے والی ہے۔ [۱]

سوال: یہاں ایک اشکال کی طرف ذہن جاتا ہے وہ یہ ہے کہ سابق انبیاء نے بھی قیامت کو نہایت قریب بتایا مگر اس پر ہزاروں سال گذر گئے اب تک قیامت نہیں آئی آخر میں حضور اکرم ﷺ نے بھی قیامت کو نہایت قریب بتایا مگر ڈیڑھ ہزار سال ہونے کو ہیں قیامت نہیں آئی آخر یہ کس طرح قریب ہے؟

جواب: علماء اور عقلاء سب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ "**کل ما ھو آت فھو قریب**" یعنی جو بھی چیز آنے والی ہو سمجھ لو کہ وہ قریب ہے کیونکہ ایک دن ایسا بھی آ جائے گا کہ وہ چیز آ چکی ہو گی بس قیامت بھی اسی طرح کی ایک چیز ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بادشاہوں کا اطلاق ہے وہ جس چیز کو قریب کہدیں اس پر بھی کئی سال لگ سکتے ہیں۔ [۲]

ایک قرن ختم ہونے پر بھی قیامت کا اطلاق ہوتا ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتَ بِشَهْرٍ تَسْأَلُوْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ وَاِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللهِ وَاُقْسِمُ بِاللهِ مَا عَلَى الْاَرْضِ مِنْ نَفْسٍ مَّنْفُوْسَةٍ يَّاْتِيْ عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَّهِيَ حَيَّةٌ يَوْمَئِذٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو وفات سے ایک مہینہ پہلے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم لوگ مجھ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے تو حقیقت یہ ہے کہ اس کا متعین وقت صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس وقت روئے زمین پر ایسا کوئی شخص موجود نہیں ہے جس پر سو سال کا عرصہ گزرے اور وہ اس کے بعد بھی زندہ رہے۔ (مسلم)

توضیح: "نفس منفوسة" یعنی کوئی سانس لینے والا آج سے لے کر سو سال پورے ہونے کے بعد باقی نہیں رہے گا، آنحضرت ﷺ نے جس وقت یہ بات ارشاد فرمائی تھی اس کے بعد سے سو سال تک کوئی صحابی زندہ نہیں رہا اگر یہ ارشاد صحابہ کے دور کے خاتمہ کی طرف اشارہ ہو تو ایسا ہو گیا ہے اور یہ قیامت وسطیٰ کے قائم ہونے کا دور تھا اور اگر دنیا کا عام انسان مراد لیا جائے تو یہ کلام مغیبات کے قبیل سے ہو گا کہ دنیا میں کوئی بھی سانس لینے والا آج کے بعد سو سال تک زندہ نہیں رہے گا اور یقینی بات ہے کہ ایسا ہوا ہو گا، اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث کے پیش نظر حضرت خضر علیہ السلام کی موت بھی واقع ہو چکی ہو گی حالانکہ اس میں اختلاف ہے ایک بڑا طبقہ ان کو اب بھی زندہ سمجھتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت خضر رجال الغیب میں سے تکوینیات کے آدمی ہیں ان پر ظاہری شریعت کے احکام نافذ نہیں ہوتے، بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ وہ

[۱] المرقات: ۹/۴۴۴ [۲] المرقات: ۹/۴۴۴ [۳] اخرجه مسلم: ۶/۱۸۷

اس وقت زمین پر نہیں تھے سمندر پر تھے اور پیش گوئی زمین پر موجود لوگوں کے لئے تھی۔ ملا علی قاری عشاللہ نے لکھا ہے کہ چار نبی اس وقت زندہ ہیں دو زمین پر ہیں یعنی حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام اور دو آسمان پر ہیں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام۔ (مرقات، ج۹ ص۴۴۶) [1]

بہرحال اس حدیث میں ایک قرن کے خاتمہ پر قیامت کا اطلاق ہوا ہے یہ قیامت وسطیٰ ہے۔ ملا علی نے چار نبیوں کی زندگی کی جو بات کی ہے یہ ختم نبوت کے قاعدہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ یہ نبی حضور اکرم ﷺ سے پہلے نبی بنے ہیں۔

﴿۳﴾وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَأْتِيْ مِائَةُ سَنَةٍ وَّعَلَى الْاَرْضِ نَفْسٌ مَّنْفُوْسَةٌ الْيَوْمَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس وقت جو لوگ حیات ہیں ان میں سے کوئی بھی شخص سو سال کے بعد روئے زمین پر زندہ موجود نہیں رہے گا۔ (مسلم)

﴿۴﴾وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاَعْرَابِ يَأْتُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَسْأَلُوْنَهُ عَنِ السَّاعَةِ فَكَانَ يَنْظُرُ اِلٰى اَصْغَرِهِمْ فَيَقُوْلُ اِنْ يَّعِشْ هٰذَا لَا يُدْرِكُهُ الْهَرَمُ حَتّٰى تَقُوْمَ عَلَيْكُمْ سَاعَتُكُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ کچھ دیہاتی لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا کرتے اور یہ پوچھا کرتے تھے کہ قیامت کب آئے گی؟ آنحضرت ﷺ اس بچہ کی طرف دیکھتے، جو ان پوچھنے والوں کے ساتھ ہوتا تھا اور پھر فرماتے کہ اگر یہ بچہ زندہ رہا تو یہ بڑھاپے کی عمر تک پہنچ نہیں پائے گا کہ تم پر تمہاری قیامت ہو جائے گی۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "ساعتکم" یعنی تمہاری قیامت قائم ہو جائے گی اگر اس سے قیامت صغریٰ مراد ہے تو ہر آدمی کی اپنی ذاتی موت کی طرف اشارہ ہوگا اور اگر اس سے قیامت وسطیٰ مراد ہے تو پھر قرنِ صحابہ یا موجودہ لوگوں کا قرن مراد ہوگا کہ ان لوگوں کا دور ختم ہو جائے گا۔ [4]

الفصل الثانی

﴿۵﴾عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ فِيْ نَفَسِ السَّاعَةِ

[1] المرقات: ۹/۴۴۶ [2] اخرجه مسلم: ۷/۱۸۶ [3] اخرجه البخاری: ۸/۱۳۳ و مسلم: ۸/۲۰۹ [4] المرقات: ۹/۴۴۶

فَسَبَقْتُهَا كَمَا سَبَقَتْ هٰذِهٖ هٰذِهٖ وَاَشَارَ بِاِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت مستورد بن شداد نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میں قیامت کی ابتداء میں بھیجا گیا ہوں اور میں قیامت سے بس اتنا آگے آیا ہوں جس قدر کہ یہ انگلی اس انگلی سے آگے ہے یہ فرما کر آپ نے اپنی دونوں انگلیوں یعنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا۔ (ترمذی)

دنیا میں امت محمدیہ کے باقی رہنے کی مدت

﴿۶﴾ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّيْ لَاَرْجُوْا اَنْ لَّا تَعْجِزَ اُمَّتِيْ عِنْدَ رَبِّهَا اَنْ يُّؤَخِّرَهُمْ نِصْفَ يَوْمٍ قِيْلَ لِسَعْدٍ وَكَمْ نِصْفُ يَوْمٍ قَالَ خَمْسُ مِائَةِ سَنَةٍ.

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت سعد ابن ابی وقاص نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یقینا میں امید رکھتا ہوں کہ میری امت اپنے پروردگار کی نظر میں اتنی عاجز و بے حقیقت نہیں ہو جائے گی کہ اس کا پروردگار اس کو آدھے دن کی بھی مہلت عطا نہ کرے۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص سے یہ پوچھا گیا کہ یہ آدھا دن کتنا ہوتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ پانچ سو سال۔ (ابوداؤد)

توضیح: "ان لا تعجز امتی" اس کا مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں میری امت کی اتنی بے وقعتی اور ناقدری نہیں ہوگی اور یہ امت اتنی عاجز نہیں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس کو پانچ سو سال تک مؤخر کر کے نصف یوم کی عمر بھی نہ دے، نصف یوم سے قیامت کا آدھا دن مراد ہے جو پانچ سو سال کا ہوتا ہے قرآن کریم میں ہے۔ ﴿**وان یوما عند ربك كألف سنة مما تعدون**﴾[3]

اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت پانچ سو سال تک واقع نہیں ہوگی ہاں اس کے بعد اللہ تعالیٰ قیامت کو جتنا مؤخر کردے وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اس سے بحث نہیں ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ان پانچ سو سالوں سے وہ سال مراد ہیں جو ایک ہزار سال کے بعد ہوں گے گویا ڈیڑھ ہزار سال کی مدت اس امت کی عمر ہے، حضرت عمر فاروق نے فرمایا ہے کہ پوری دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ جو پانچ سو سال کا ذکر ہے یہ سات ہزار سال کے بعد کا ہے، حضرت عمر فاروق نے سات ہزار سال کا ذکر فرمایا ہے اور پانچ سو سال کے کسر کو چھوڑ دیا ہے جس طرح عرب کرتے ہیں۔ (مرقات، ج۹ ص۴۴۸)[4]

[1] اخرجه الترمذی: ۴/۴۹۶ [2] اخرجه ابوداؤد: ۴/۱۲۳ [3] حج ۴۷ [4] مرقات ۹/۴۴۸ ۹/۱۳۸

الفصل الثالث

دنیا بالکل بوڑھی ہو کر تار تار ہو چکی ہے

﴿۷﴾عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ هٰذِهِ الدُّنْيَا مَثَلُ ثَوْبٍ شُقَّ مِنْ اَوَّلِهٖ اِلٰى اٰخِرِهٖ فَبَقِيَ مُتَعَلِّقًا بِخَيْطٍ فِيْ اٰخِرِهٖ فَيُوْشِكُ ذٰلِكَ الْخَيْطُ اَنْ يَّنْقَطِعَ.

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ) [1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دنیا کی مثال اس کپڑے کی سی ہے جس کو شروع سے آخر تک پھاڑ ڈالا گیا ہو اور اس کے ٹکڑے آخر میں صرف ایک دھاگے سے جڑے ہوئے لٹکے ہوں اور وہ دھاگا بھی ٹوٹ جانے کے قریب ہو پس دنیا بھی اپنی ٹوٹ پھوٹ اور خاتمہ کے اتنی ہی قریب پہنچ چکی ہے۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

[1] اخرجه البيهقي: ٧/٢٦٠

باب لا تقوم الساعة الا علی شرار الناس

قیامت بدمعاشوں پر قائم ہوگی

قیامت کا زلزلہ اور اس کا ہنگامہ بڑی کڑوی حقیقت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو اس ہنگامہ سے بچا کر پہلے موت دیدیں گے اور جب دنیا میں صرف اور صرف بدمعاش، لوفر، لٹیرے، لفنگے، شرابی، کبابی، کفار اور اشرار رہ جائیں گے تو ان پر قیامت آجائے گی۔

الفصل الاول

لوگوں میں جب تک اللہ کا نام ہوگا قیامت نہیں آئے گی

﴿۱﴾عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِى الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلٰى اَحَدٍ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک روئے زمین پر اللہ اللہ کہنا موقوف نہ ہوجائے، اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا قیامت اس شخص پر قائم نہیں ہوگی جو اللہ اللہ کہتا ہوگا۔ (مسلم) بعض شارحین نے اللہ اللہ سے لا الہ الا اللہ کا کلمہ مراد لیا ہے، بعض علماء نے اللہ اللہ کے الفاظ سے اسم مفرد کے ساتھ ذکر اللہ کو ثابت کیا ہے۔

﴿۲﴾وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى شِرَارِ الْخَلْقِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت صرف بدکار لوگوں پر قائم ہوگی۔ (مسلم)

قیامت سے متعلق ایک پیشگوئی

﴿۳﴾وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَضْطَرِبَ

[1] اخرجہ مسلم: ۱/۹۱ [2] اخرجہ مسلم: ۸/۲۰۸

اَلْیَاتُ نِسَاۗءِ دَوْسٍ حَوْلَ ذِی الْخَلَصَةِ وَذُوالْخَلَصَةِ طَاغِیَةُ دَوْسٍ اَلَّتِیْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک قبیلہ دوس کی عورتیں ذوالخلصہ کے گرد اپنے کولھے نہ مٹکانے لگیں گی، ذوالخلصہ قبیلہ دوس کے ایک بت کا نام ہے جس کو وہ زمانہ جاہلیت میں پوجتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "**تضطرب**" اضطراب سے ہے حرکت کرنے کے معنی میں ہے۔[۲] "**الیات**" ہمزہ اور لام دونوں پر فتحہ ہے یہ الیۃ کی جمع ہے ہمزہ پر زبر ہے لام ساکن ہے موٹی ران اور سرین ومقعد کے گوشت کو کہتے ہیں جسے کولھا کہتے ہیں۔[۳] "**ذوالخلصة**" یہ یمن میں ایک بت خانہ کا نام تھا اس کو کعبہ یمانیہ بھی کہا جاتا تھا اس بت خانہ میں ایک بڑا بت تھا جس کا نام خلصہ تھا اسی کی وجہ سے پورے بت خانہ کو ذوالخلصہ کہا جانے لگا، مکہ مکرمہ کے فتح ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت جریر بن عبداللہ کو اس کے گرانے اور جلانے کے لئے روانہ فرمایا آپ نے اس کو تباہ کر دیا۔
دور جاہلیت میں قبیلہ خثعم اور بجیلہ اور قبیلہ دوس کے لوگ اس بت کو پوجتے تھے آنحضرت ﷺ نے پیشگوئی فرمائی کہ ایک زمانہ آخر میں پھر ایسا آئے گا کہ قبیلہ دوس کی عورتیں مٹک مٹک کر اس بت کے اردگرد طواف کرتی پھریں گی، یہ ایک جزئی واقعہ ہوگا ورنہ قیامت تک جزیرۂ عرب میں بطور غلبہ عمومی طور پر بت پرستی نہیں ہوسکتی ہے یا یہ اس زمانہ کی بات ہوگی جب اسلام کا نظام اُٹھ جائے گا قیامت شروع ہوجائے گی جس طرح ساتھ والی روایت نمبر ۴ میں اس کی تصریح ہے پھر تو کوئی اشکال نہیں ہے۔[۴]

﴿۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَایَذْهَبُ اللَّیْلُ وَالنَّهَارُ حَتّٰی یُعْبَدَ اللَّاتُ وَالْعُزّٰی فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُ لَاَظُنُّ حِیْنَ اَنْزَلَ اللّٰهُ هُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ اَنَّ ذٰلِكَ تَامًّا قَالَ اِنَّهٗ سَیَکُوْنُ مِنْ ذٰلِكَ مَاشَاۗءَ اللّٰهُ ثُمَّ یَبْعَثُ اللّٰهُ رِیْحًا طَیِّبَةً فَتُوُفِّیَ کُلُّ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِیْمَانٍ فَیَبْقٰی مَنْ لَّاخَیْرَ فِیْهِ فَیَرْجِعُوْنَ اِلٰی دِیْنِ اٰبَاۗئِهِمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ شب و روز کا سلسلہ اس وقت تک ختم نہیں ہوگا جب تک لات وعزی کی پوجا نہ کی جانے لگے گی، (حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب) میں نے آپ کا یہ ارشاد گرامی سنا تو عرض کیا کہ یارسول اللہ! جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق

[۱] اخرجه مسلم: ۸/۱۸۲ والبخاری: ۹/۷۳ [۲] المرقات: ۹/۴۵۰ [۳] المرقات: ۹/۴۵۰ [۴] المرقات: ۹/۴۵۱ [۵] اخرجه مسلم:

الخ﴾ تو میرا خیال تھا کہ بت پرستی کا خاتمہ ہونے والا ہے، آپ نے فرمایا درحقیقت ایسا ہی ہوگا جب تک کہ اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر اللہ تعالیٰ ایک خوشبودار ہوا بھیجے گا جس کے ذریعہ ہر وہ شخص مرجائے گا جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا اور صرف وہی شخص باقی بچے گا جس میں کوئی نیکی نہیں ہوگی، پس تمام لوگ اپنے آباء واجداد کے دین یعنی کفر وشرک کی طرف لوٹ جائیں گے۔ (مسلم)

قیامت سے متعلق ایک تفصیلی حدیث

﴿۵﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ الدَّجَّالُ فَیَمْکُثُ اَرْبَعِیْنَ لَااَدْرِیْ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا اَوْشَھْرًا اَوْعَامًا فَیَبْعَثُ اللّٰہُ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ کَاَنَّہٗ عُرْوَۃُ بْنُ مَسْعُوْدٍ فَیَطْلُبُہٗ فَیُھْلِکُہٗ ثُمَّ یَمْکُثُ فِی النَّاسِ سَبْعَ سِنِیْنَ لَیْسَ بَیْنَ اثْنَیْنِ عَدَاوَۃٌ ثُمَّ یُرْسِلُ اللّٰہُ رِیْحًا بَارِدَۃً مِّنْ قِبَلِ الشَّامِ فَلَایَبْقٰی عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ اَحَدٌ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِّنْ خَیْرٍ اَوْاِیْمَانٍ اِلَّاقَبَضَتْہُ حَتّٰی لَوْاَنَّ اَحَدَکُمْ دَخَلَ فِیْ کَبِدِجَبَلٍ لَدَخَلَتْہُ عَلَیْہِ حَتّٰی تَقْبِضَہٗ قَالَ فَیَبْقٰی شِرَارُ النَّاسِ فِیْ خِفَّۃِ الطَّیْرِ وَاَحْلَامِ السِّبَاعِ لَایَعْرِفُوْنَ مَعْرُوْفًا وَّلَایُنْکِرُوْنَ مُنْکَرًا فَیَتَمَثَّلُ لَھُمُ الشَّیْطَانُ فَیَقُوْلُ اَلَا تَسْتَحْیُوْنَ فَیَقُوْلُوْنَ فَمَاتَاْمُرُنَا فَیَاْمُرُھُمْ بِعِبَادَۃِ الْاَوْثَانِ وَھُمْ فِیْ ذٰلِکَ دَارٌّ رِزْقُھُمْ حَسَنٌ عَیْشُھُمْ ثُمَّ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَلَایَسْمَعُہٗ اَحَدٌ اِلَّا اَصْغٰی لِیْتًا وَرَفَعَ لِیْتًا قَالَ فَاَوَّلُ مَنْ یَّسْمَعُہٗ رَجُلٌ یَّلُوْطُ حَوْضَ اِبِلِہٖ فَیَصْعَقُ وَیَصْعَقُ النَّاسُ ثُمَّ یُرْسِلُ اللّٰہُ مَطَرًا کَاَنَّہُ الطَّلُّ فَیَنْبُتُ مِنْہُ اَجْسَادُالنَّاسِ ثُمَّ یُنْفَخُ فِیْہِ اُخْرٰی فَاِذَاھُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ثُمَّ یُقَالُ یَآاَیُّھَا النَّاسُ ھَلُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ وَقِفُوْھُمْ اِنَّھُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ فَیُقَالُ اَخْرِجُوْا بَعْثَ النَّارِ فَیُقَالُ مِنْ کَمْ کَمْ فَیُقَالُ مِنْ کُلِّ اَلْفٍ تِسْعَ مِائَۃٍ وَّتِسْعَۃٌ وَّتِسْعِیْنَ قَالَ فَذٰلِکَ یَوْمٌ یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا وَذٰلِکَ یَوْمٌ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَذُکِرَ حَدِیْثُ مُعَاوِیَۃَ لَاتَنْقَطِعُ الْھِجْرَۃُ فِیْ بَابِ التَّوْبَۃِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دجال نکلے گا اور چالیس تک رہے گا حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم اس موقع پر چالیس سے آنحضرت ﷺ کی مراد کیا تھی آیا چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال پس اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو بھیجے گا جو گویا عروہ ابن مسعود کی شکل وصورت کے ہوں گے، وہ دجال کو تلاش کریں گے اور اس کو مار ڈالیں گے اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا والوں میں سات سال تک رہیں گے اور اس عرصہ میں دو شخصوں کے درمیان بھی کوئی دشمنی وعداوت نہیں ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجے گا چنانچہ اس وقت روئے زمین پر ایسا کوئی شخص

[1] اخرجہ مسلم ۸/۲۰۱

باقی نہیں بچے گا جس کے دل میں رائی برابر بھی نیکی یا ایمان میں سے کچھ ہوا اور وہ ہوا اس کی روح قبض نہ کرے یہاں تک کہ اگر تم میں سے کوئی شخص پہاڑ کے اندر بھی چلا گیا ہوگا تو وہ ہوا پہاڑ میں داخل ہو کر اس شخص کا پیچھا کریگی اور اس کی روح قبض کر کے چھوڑے گی، آپ نے فرمایا اس کے بعد صرف بدکار و شریر لوگ باقی رہ جائیں گے جو پرندوں کے مانند سبک رو اور تیز رفتار اور درندوں کی مانند بے عقل اور سخت دل ہوں گے، وہ نہ تو نیکی و بھلائی سے واقف ہوں گے اور نہ برائی و بدکاری سے اجتناب کریں گے پھر شیطان (کسی معزز و قابل تکریم) انسان کی شکل و صورت اختیار کر کے ان کے پاس آئے گا اور کہے گا کہ کیا تم کو شرم و حیاء نہیں آتی وہ لوگ شیطان سے کہیں گے کہ تم بتاؤ ہم کیا کریں، پس شیطان ان کو بت پوجنے کا حکم دے گا، بہر حال وہ لوگ شیطان کے کہنے کے مطابق بت پرستی کرنے لگیں گے اور ان کے اعمال و اخلاق انتہائی پست ہو جائیں گے لیکن ان کے ان برے اعمال کے باوجود ان کے رزق میں فراوانی اور کثرت ہوگی اور وہ عیش و عشرت کی زندگی گزارتے ہوں گے پھر صور پھونکا جائے گا اور جو بھی شخص اس کی آواز سنے گا وہ شخص اپنی گردن کو ایک جانب سے جھکائے گا اور دوسری جانب سے بلند کرے گا اس صور کی آواز کو سب سے پہلے سننے والا وہ شخص ہوگا جو اپنے اونٹ کے حوض کو لیپ پوت کر رہا ہوگا اور وہ اسی حالت میں مر جائے گا اور دوسرے تمام لوگ بھی اسی طرح اپنے اپنے کام میں مشغولیت کے دوران ہی مر جائیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ بارش بھیجے گا جو شبنم کی طرح ہوگی اور اس بارش کے ذریعہ لوگوں کے بدن اُگ آئیں گے پھر (چالیس برس کے بعد) دوسرا صور پھونکا جائے گا جس کو سن کر تمام لوگ یکبارگی اٹھ کھڑے ہوں گے اور قیامت کے ہولناک منظر کو دیکھیں گے پھر ان سب سے کہا جائے گا کہ لوگو! اپنے پروردگار کی طرف آؤ اور فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ ان سب کو روکے رکھو، ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا اور ان سے حساب لیا جائے گا پھر فرشتوں کی طرف سے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا جائے گا کہ کتنے لوگوں میں سے کس مقدار کے حساب سے الگ کیا جائے؟ فرشتوں سے کہا جائے گا ہر ہزار شخص میں سے نوسو ننانوے لوگوں کو دوزخ میں بھیجنے کے لئے الگ کرلو! یہ کہہ کر آپ نے فرمایا یہ وہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور یہ وہ دن ہے جس میں امر عظیم کو ظاہر کیا جائے گا۔ (مسلم) اور حضرت معاویہ کی روایت "**لا تنقطع الهجرة**" توبہ کے باب میں نقل کی جا چکی ہے۔

توضیح: "اربعین" آنحضرت ﷺ نے دجال کے قیام کو کسی مصلحت کے تحت مبہم رکھا اسی لئے آگے راوی کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہ ہوسکا کہ حضور اکرم ﷺ نے چالیس دن فرمایا یا چالیس ماہ کہا یا چالیس سال کہہ دیا دیگر روایات میں راجح قول چالیس دن کا ہے۔[1]

"**كبد جبل**" کبد سینہ اور جگر کو کہتے ہیں یعنی وہ ہوا اس شخص میں داخل ہو کر رہے گی خواہ وہ پہاڑ یا چٹان کے سینہ میں اندر جا کر چھپ ہی کیوں نہ جائے۔[2] "**خفة الطير**" یعنی نقل و حرکت اور عدم استقلال میں پرندوں کی طرح منتشر انداز میں غیر سنجیدہ ہو کر جوتے چٹخاتے ہوئے بے وقار پھرتے رہیں گے۔[3] "**واحلام السباع**" یعنی وحشت و بربریت، جہالت اور بے رحمی میں درندوں کی طرح بے عقل ہوں گے۔[4] "**الا تستحيون**" کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ فسق و فجور

[1] المرقات ۹/۳۵۲ [2] المرقات ۹/۳۵۲ [3] المرقات ۹/۳۵۲ [4] المرقات ۹/۳۵۲،۳۵۳

میں پڑے ہوئے ہو، اور عبادت نہیں کرتے؟ یہ بات ابلیس اس لئے کرے گا تا کہ ان کو دھوکہ دے کر بتوں کی عبادت میں لگادے۔ ؎

"دار رزقهم" یعنی کفر و بت پرستی اور فسق و فجور کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کو مسلسل رزق دیتا رہے گا اور ان کی ظاہری زندگی اچھی رہے گی اور جسمانی صحت وغیرہ حاصل رہے گی۔ ؎ "اصغی لیتاً" لام پر کسرہ ہے، گردن کی ایک جانب کو کہتے ہیں شارحین اس جملہ کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ نفخ صور کی دہشت کی وجہ سے دل پھٹ جائیں گے تو گردنیں ڈھلک جائیں گی اس کا نظام معطل ہو جائے گا تو ایک حصہ نیچے ہوگا دوسرا اوپر رہ جائے گا۔ شارحین کی بات اپنی جگہ پر صحیح ہے مگر میرے ناقص خیال میں یہ آتا ہے کہ اس اچانک آواز کی وجہ سے ہر آدمی اس آواز کو اچھی طرح سننے کی کوشش کرے گا تو کان اس کی طرف لگائے گا تا کہ زیادہ آواز آجائے اور حقیقت حال کا اندازہ ہو جائے جیسا کہ عام عادت ہے کہ اس طرح کی صورت حال میں گردن اور چہرہ کا ایک حصہ اوپر نیچے ہو جاتا ہے اسی شش و پنج میں معاملہ اور سخت ہو جائے گا ؎ "یلوط" لپائی اور لیپ پوت مراد ہے۔ "الطل" شبنم کو طل کہتے ہیں خفیف بارش مراد ہے، یہ بارش عرش کے نیچے سے برسے گی۔ ؎

"یوم یکشف عن ساق" یعنی یہی شدائد اور مصائب کا وقت ہوگا، کشف ساق کنایہ ہے ایسے غم سے جو برداشت سے باہر ہو یہ عرب کا خاص محاورہ ہے عرب لوگ اس کو شدت مصیبت میں استعمال کرتے ہیں یعنی جب ناقابل برداشت مصیبت کسی پر آجاتی ہے تو وہ شخص اپنی پنڈلی سے پاجامہ اور کرتہ ہٹاتا ہے اور لڑائی کے لئے تیار ہو جاتا ہے اسی مصیبت کی کیفیت میں عرب کا یہ محاورہ اس طرح استعمال ہوتا ہے۔ "کشف فلان عن ساقه" ؎

؎ المرقات ۹/۲۵۵ ؎ المرقات ۹/۲۵۵ ؎ المرقات ۹/۲۵۵ ؎ المرقات ۹/۲۵۵ ؎ المرقات ۹/۲۵۶

مورخہ ۱۰ جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ

باب النفخ فی الصور

صور پھونکنے کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿فاذا نقر فی الناقور فذالك یومئذ یوم عسیر علی الکافرین غیر یسر﴾

(سورۃ المدثر) [1]

نفخ پھونکنے کے معنی میں ہے اور صور اصل میں نرسنگا اور سینگ کو کہتے ہیں یہ ایک قدرتی سینگ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت اسرافیل پھونک ماریں گے۔ یہ نفخ صور دو مرتبہ ہوگا ایک بار سب انسانوں کو ہلاک کرنے کے لئے ہوگا اور دوسری مرتبہ سب کو زندہ کرنے کے لئے پھونکا جائے گا تاکہ حشر نشر اور حساب کتاب قائم ہوجائے پہلے صور پھونکنے اور دوسری بار پھونکنے کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا میدان محشر سرزمین شام پر قائم ہوگا، تمام انسانوں کو نفخ صور ثانی کے ذریعہ سے اس میدان کی طرف اس طرح بلایا جائے گا۔ "**یا عظام البالیة ویا اجسام المفتتة هلموا الی الله الواحد القهار الجبار**"۔ [2]

نفخ اولی کے ساتھ تمام جاندار مرجائیں گے ابلیس کو بھی اس نفخ اولیٰ میں ہلاک کیا جائے گا۔ یہ ادھر ادھر بھاگے گا مگر فرشتے آتشیں گرز لے کر اس کو لوٹائیں گے پھر تمام انسانوں کی حالت نزع کی تکلیف اکیلے ابلیس پر ڈالی جائے گی، نفخ اولی مسلسل چھ ماہ تک جاری رہے گا اس سے تمام مخلوق ختم ہوجائے گی، فرشتے بھی ختم ہوجائیں گے صرف آٹھ چیزیں ہلاکت سے محفوظ رہ جائیں گی۔ (۱) عرش (۲) کرسی (۳) لوح محفوظ (۴) قلم (۵) جنت (۶) دوزخ (۷) صور (۸) ارواح بعض علماء لکھتے ہیں کہ یہ آٹھ چیزیں بھی کچھ وقت کے لئے فنا ہوجائیں گی اور صرف رب ذوالجلال باقی رہ جائے گا اور اعلان فرمائے گا **﴿لمن الملك الیوم؟﴾** [3] تین مرتبہ اعلان کے بعد خود جواب دیگا **﴿لله الواحد القهار﴾**۔ [4]

پھر ریڑھ کی ہڈی جس کو عجب الذنب کہتے ہیں اس سے ہر انسان کو پیدا کیا جائے گا۔ سب لوگ بے ریش، برہنہ، ناختنہ کردہ اٹھیں گے سب سے پہلے زمین سے حضور اکرم ﷺ اٹھیں گے، ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور حضرت عیسیٰؑ ساتھ ہوں گے پھر ہر امت اپنے اپنے پیغمبر کے پاس اکٹھی ہوجائے گی، شدید گرمی ہوگی، لوگ پسینہ میں ڈوبے ہوں گے الا ماشاء اللہ۔ ایک ہزار سال تک لوگ اسی درد و کرب میں رہیں گے پھر لوگ انبیاء کرام سے شفاعت چاہیں گے، سب انبیاء عذر فرمائیں گے صرف حضور اکرم ﷺ شفاعت کبریٰ کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس مقام محمود میں جائیں گے شفاعت کبریٰ کی جب

[1] سورۃ مدثر ۸،۹ [2] المرقات ۹/۳۵۷ [3] سورۃ مومن ۱۶ [4] سورۃ مومن ۱۶

اجازت مل جائے گی تو آنحضرت ﷺ اس کے ساتھ اپنی امت کے لئے بھی شفاعت فرمائیں گے تفصیل آرہی ہے۔

الفصل الاول

ریڑھ کی ہڈی کبھی ختم نہیں ہوتی

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَابَیْنَ النَّفْخَتَیْنِ اَرْبَعُوْنَ قَالُوْا یَااَبَاهُرَیْرَةَ اَرْبَعُوْنَ یَوْمًا قَالَ اَبَیْتُ قَالُوْا اَرْبَعُوْنَ شَهْرًا قَالَ اَبَیْتُ قَالُوْا اَرْبَعُوْنَ سَنَةً قَالَ اَبَیْتُ ثُمَّ یُنْزِلُ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَیَنْبُتُوْنَ کَمَا یَنْبُتُ الْبَقْلُ قَالَ وَلَیْسَ مِنَ الْاِنْسَانِ شَیْءٌ لَّایَبْلٰی اِلَّا عَظْمًا وَّاحِدًا وَّهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ وَمِنْهُ یُرَکَّبُ الْخَلْقُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِّمُسْلِمٍ کُلُّ ابْنِ اٰدَمَ یَأْکُلُهُ التُّرَابُ اِلَّا عَجْبَ الذَّنَبِ مِنْهُ خُلِقَ وَفِیْهِ یُرَکَّبُ)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دونوں نفخوں کے درمیان کا وقفہ چالیس ہوگا لوگوں نے پوچھا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ! کیا چالیس دن مراد ہیں؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم! پھر لوگوں نے پوچھا کہ کیا چالیس مہینے مراد ہیں؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم، ان لوگوں نے پھر پوچھا کہ کیا چالیس سال مراد ہیں؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پھر یہی جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم، اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان حدیث کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا اور اس پانی سے لوگ اس طرح اگیں گے جیسے سبزہ اگتا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا انسان کے جسم و بدن کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو پرانی اور بوسیدہ نہ ہو جاتی ہو علاوہ ایک ہڈی کے جس کو عجب الذنب کہتے ہیں اور قیامت کے دن ہر جاندار کی اسی ہڈی سے اس کے تمام جسم کو مرکب کیا جائے گا۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مرنے کے بعد بنی آدم کے پورے بدن کو مٹی کھا جاتی ہے مگر عجب الذنب کو پورے طور پر نہیں کھا پاتی اور یہی وہ ہڈی ہے جس سے انسان کی پہلی مرتبہ تخلیق ہوتی ہے اور اسی کے ذریعہ دوبارہ اس کو بنایا جائے گا۔

توضیح: "قال ابیت" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ انکار اس بنیاد پر تھا کہ آپ نے اسی طرح مجمل طور پر حضور اکرم ﷺ سے سنا تھا یا مفصل سنا تھا مگر بھول گئے تھے کیونکہ مفصل روایت کو اگر دیکھا جائے تو اس میں چالیس سال کی تصریح موجود ہے۔[2]

"عجب الذنب" عجب جڑ کو کہتے ہیں اور ذنب دم کو کہتے ہیں اس ہڈی کے ساتھ دم جڑی ہوئی ہے پھر ریڑھ کی ہڈی کو عجب الذنب کہتے ہیں یہ ہڈی یا تو سب اعضاء کے بعد ختم ہوجاتی ہے یا مطلب یہ ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی ریزہ باقی رہ جاتا

[1] اخرجه البخاری ۸/۱۳۵ و مسلم ۸/۲۱۰ [2] المرقات ۹/۴۵۷

ہے جس سے انسان کے باقی اعضاء جڑ جاتے ہیں، ہاں انبیاء اور شہداء کے اجسام محفوظ رہتے ہیں۔ [1]

﴿۲﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبِضُ اللّٰهُ الْاَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَطْوِى السَّمَآءَ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے پنجہ میں لے لے گا اور آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں کہاں ہیں وہ لوگ جو زمین پر اپنی بادشاہی کا دعویٰ کرتے تھے؟۔ (بخاری ومسلم)

﴿۳﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطْوِى اللّٰهُ السَّمٰوَاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُ هُنَّ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ اَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ ثُمَّ يَطْوِى الْاَرْضِيْنَ بِشِمَالِهٖ وَفِىْ رِوَايَةٍ يَأْخُذُ هُنَّ بِيَدِهِ الْاُخْرٰى ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ اَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ لے گا اور پھر ان کو داہنے ہاتھ میں لے کر فرمائے گا کہ بادشاہ میں ہوں! کہاں ہیں ظلم وجبر کرنے والے؟ کہاں ہیں تکبر کرنے والے؟ پھر زمینوں کو اپنے بائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ زمینوں کو اپنے دوسرے ہاتھ میں لے لے گا اور فرمائے گا، بادشاہ میں ہوں کہاں ہیں ظلم وجبر کرنے والے؟ کہاں ہیں تکبر کرنے والے؟ (مسلم)

توضیح: "بیدہ الیمنیٰ" آسمانوں کو شرف حاصل ہے اس لئے دائیں ہاتھ سے پکڑنے کا ذکر فرمایا۔ "بشمالہ" اللہ تعالیٰ کے لئے جہت متعین کرنا حدوث کو لازم ہے اور دائیں بائیں میں جہت کا شائبہ ہے نیز بائیں ہاتھ کو عرف عام میں وہ عظمت حاصل نہیں جو دائیں کو حاصل ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر شمال کا اطلاق نہیں ہوسکتا یہی وجہ ہے کہ اس روایت میں شمال کے اطلاق کے بعد راوی کہتا ہے کہ ایک روایت میں بیدہ الاخریٰ یعنی دوسرے ہاتھ کا اطلاق ہوا ہے، شمال کا نہیں ہے حدیث میں یطوی کا لفظ ہے جس کا معنی لپیٹنا ہے مگر اس سے فنا کر دینا مراد ہے۔

﴿۴﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَآءَ حِبْرٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوَاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى اِصْبَعٍ وَالْاَرْضِيْنَ عَلٰى اِصْبَعٍ وَالْجِبَالَ وَالشَّجَرَ عَلٰى اِصْبَعٍ وَالْمَآءَ وَالثَّرٰى عَلٰى اِصْبَعٍ وَسَآئِرَ الْخَلْقِ عَلٰى اِصْبَعٍ ثُمَّ يَهُزُّهُنَّ فَيَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَنَا اللّٰهُ

[1] المرقات ۹/۴۵۸ [2] اخرجه البخاری: ۸/۱۳۵ ومسلم: ۸/۱۲۶ [3] اخرجه مسلم: ۸/۱۲۶

فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَجُّبًا مِمَّا قَالَ الْحِبْرُ تَصْدِيْقًا لَهُ ثُمَّ قَرَأَ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہود کا ایک عالم حاضر ہوا اور کہنے لگا اے محمد! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمینوں کو ایک انگلی پر، پہاڑوں اور درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور پانی کے نیچے کی تر مٹی کو ایک انگلی پر باقی تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھے گا اور انگلیوں کو ہلاتے ہوئے فرمائے گا میں ہوں بادشاہ، میں ہوں خدا، رسول کریم ﷺ اس یہودی عالم کی زبانی ان باتوں پر اظہار تعجب کرتے ہوئے مسکرائے اور پھر آپ نے یہ آیت پڑھی {وما قدروا اللہ حق قدرہ الخ} اور افسوس ہے کہ ان لوگوں نے یعنی مشرکوں نے خدائے تعالیٰ کی کچھ عظمت نہ کی جیسی عظمت کرنا چاہیے تھی حالانکہ (اس کی وہ شان ہے کہ) ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں وہ پاک و برتر ہے ان کے شرک سے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "حبر" یہود کے بڑے عالم کو حبر کہتے ہیں جس کی جمع احبار ہے اس یہودی عالم نے میدان محشر کا اور قیامت کے دن کا جو نقشہ بیان کیا ہے یہ دراصل ایک تمثیل اور تفصیل تھی مراد ہاتھ پر اُٹھانا ہی تھا جس طرح آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا ہے اس پر آنحضرت ﷺ نے ضحک فرمایا یہ انکار کے لئے نہیں تھا بلکہ بطور تعجب اقرار کے لئے تھا۔[2]

قیامت میں زمین وآسمان کی تبدیلی کے وقت لوگ کہاں ہوں گے؟

﴿۵﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَوْلِهِ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ فَاَيْنَ يَكُوْنُ النَّاسُ يَوْمَئِذٍ قَالَ عَلَى الصِّرَاطِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے اس آیت "یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات" "یعنی جس روز زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی" تو اس دن لوگ کہاں ہونگے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پل صراط پر۔ (مسلم)

توضیح: "تبدل الارض" زمین کی تبدیلی کے بارے میں بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ اس کی ذات کی تبدیلی ہوگی موجودہ ذات کہ جگہ نئی ذات آجائے گی مثلاً نئی زمین چاندی کی ہوگی اور نیا آسمان سونے کا ہوگا بعض علماء نے کہا ہے کہ ذات نہیں بلکہ زمین وآسمان کی صفات میں تبدیلی آئے گی مثلاً زمین سفید روٹی بن جائے گی لوگ محشر میں اسی کو کھائیں گے

[1] اخرجه البخاري: ۶/۱۵۷ ومسلم: ۸/۱۲۶ [2] المرقات: ۹/۳۶۱ [3] اخرجه مسلم: ۸/۱۲۷

پہلا قول واضح اور راجح ہے۔ یہاں یہ اشکال ہے کہ زمین و آسمان جب تبدیل ہونے لگیں گے تو اس لحمہ میں لوگ کہاں ہوں گے یہی سوال حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا ہے جس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ اس وقت پل صراط پر ہوں گے۔[۱]

﴿۶﴾وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ مُكَوَّرَانِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سورج اور چاند لپیٹ دیئے جائیں گے۔ (بخاری)

توضیح: "مکوران" یعنی چاند اور سورج دونوں کو قیامت کے روز لپیٹ لیا جائے گا یعنی دونوں بے نور ہو جائیں گے اور پھر دونوں کو آگ میں ڈال دیا جائے گا یہ ان کی سزا نہیں بلکہ ان کے پوجنے والوں کی سزا کے لئے ہوگا کہ ان کا بنایا ہوا معبود آج آگ میں پڑا ہے۔[۳]

الفصل الثانی

﴿۷﴾عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَیْفَ اَنْعَمُ وَصَاحِبُ الصُّوْرِ قَدِ الْتَقَمَهٗ وَاَصْغٰی سَمْعَهٗ وَحَنٰی جَبْهَتَهٗ یَنْتَظِرُ مَتٰی یُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَاتَاْمُرُنَا قَالَ قُوْلُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں آرام وسکون سے کیسے بیٹھا رہوں جب کہ صور پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام صور کو منہ میں دبائے ہوئے ہیں، اپنا کان لگائے ہوئے ہیں اور پیشانی جھکائے ہوئے ہیں اور انتظار کررہے ہے کہ کب صور پھونکنے کا حکم ملے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے کیا فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ پڑھا کرو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ یعنی ہم کو اللہ کافی ہے اور وہی بہتر کارساز ہے۔

(ترمذی)

توضیح: "اِلتقمه" یعنی حضرت اسرافیل صور کو منہ میں لقمہ بنا کر دبائے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف کان لگائے ہوئے ہیں۔[۵] "وحنی جبهته" یعنی پیشانی جھکائے ہوئے ہیں بالکل اللہ تعالیٰ کے حکم کے لئے تیار ہیں بس اُدھر سے حکم ہو اور اِدھر سے حکم کی تعمیل ہو۔[۶]

---

[۱] المرقات: ۹/۳۶۲، ۳۶۳ [۲] اخرجه البخاری: ۴/۱۳۱ [۳] المرقات: ۹/۳۶۳
[۴] اخرجه الترمذی: ۴/۶۲۰ [۵] المرقات: ۹/۳۶۳ [۶] المرقات: ۹/۳۶۳

صور اسرافیل کی حقیقت کیا ہے؟

﴿۸﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلصُّوْرُ قَرْنٌ يُنْفَخُ فِيْهِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ) [۱]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صور ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا"۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

توضیح: "قرن" یعنی صور ایک سینگ ہے صور کا ترجمہ نرسنگا بھی ہے اور سنکھ بھی ہے۔ حضرت اسرافیل اس صور کو دو مرتبہ پھونکیں گے ایک مرتبہ انسانوں کے مارنے کے لئے دوسری مرتبہ سب کو زندہ کرنے کے لئے پھونکیں گے کہتے ہیں اس صور کا منہ اتنا بڑا ہے کہ زمین وآسمان اس کے اندر سما سکتے ہیں۔ [۲]

الفصل الثالث

﴿۹﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ اَلصُّوْرُ قَالَ وَالرَّاجِفَةُ النَّفْخَةُ الْاُوْلٰى وَالرَّادِفَةُ الثَّانِيَةُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ تَرْجَمَةِ بَابٍ) [۳]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فاذا نقر فی الناقور﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "ناقور" سے مراد صور ہے انہوں نے اس آیت ﴿یوم ترجف الراجفة تتبعها الرادفة﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا کہ "راجفه" سے مراد پہلا صور پھونکا جانا اور "رادفه" سے مراد دوسرا پھونکا جانا ہے۔ اس روایت کو بخاری نے ترجمۃ الباب میں نقل کیا ہے۔

﴿۱۰﴾ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاحِبَ الصُّوْرِ وَقَالَ عَنْ يَمِيْنِهٖ جِبْرَئِيْلُ وَعَنْ يَسَارِهٖ مِيْكَائِيْلُ۔

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صور پھونکنے والے یعنی حضرت اسرافیل کا ذکر کیا اور فرمایا کہ صور پھونکنے کے وقت ان کے دائیں جانب حضرت جبرئیل ہوں گے اور بائیں جانب حضرت میکائیل۔

[۱] اخرجه الترمذی: ۴/۲۴۳۰ والدارمی: ۲۸۰۱ [۲] المرقات: ۹/۳۶۳ [۳] اخرجه البخاری: ۸/۱۳۴

﴿۱۱﴾ وَعَنْ اَبِيْ رَزِيْنِ الْعُقَيْلِيِّ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ يُعِيْدُ اللّٰهُ الْخَلْقَ وَمَا اٰيَةُ ذٰلِكَ فِيْ خَلْقِهٖ قَالَ اَمَا مَرَرْتَ بِوَادِيْ قَوْمِكَ جَدْبًا ثُمَّ مَرَرْتَ بِهٖ يَهْتَزُّ خَضِرًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَتِلْكَ اٰيَةُ اللّٰهِ فِيْ خَلْقِهٖ كَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى۔ (رواهما رزين)

ترجمہ: اور حضرت ابورزین عقیلی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! خداوند تعالیٰ مخلوقات کو دوبارہ کس طرح زندہ کر کے اٹھائے گا اور کیا اس کے لئے موجودہ مخلوقات میں کوئی نشانی ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم کبھی قحط اور خشک سالی کے زمانہ میں اپنی قوم کے جنگل اور کھیتوں کے درمیان سے گزرے ہو، وہاں سبزہ کا نام ونشان تک نظر نہیں آیا ہوگا پھر جب تم بارش کے بعد وہاں سے گزرے ہو گے تو تمہیں لہلہاتا ہوا سبزہ نظر آیا ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں ایسا ہوتا ہے، آپ نے فرمایا پس مخلوقات میں قدرت الٰہی کی یہی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ مردوں کو اس طرح زندہ کرے گا۔ ان دونوں روایتوں کو رزین نے نقل کیا ہے۔

باب الحشر

حشر نشر کا بیان

قال الله تعالیٰ: ﴿لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (سورۃ الکهف)[۱]

حشر کا اصل معنی جمع کرنا اور اکٹھا کرنا ہے قیامت کے دن کو یوم الحشر اس لئے کہا گیا کہ اس دن تمام انسانوں کو زندہ کر کے ایک میدان کی طرف ہنکا کر جمع کیا جائے گا اس میدان کو محشر کا میدان کہتے ہیں۔ یہاں حشر سے مراد یہی معنی ہے کہ سب لوگوں کو زندہ کر کے اکٹھا کیا جائے گا اگرچہ اس باب میں اس قسم کی احادیث بھی مذکور ہیں جو قیامت کی علامات میں سے ہیں جیسے حدیث نمبر ۳ میں ایک آگ کا بیان ہے یہ قیامت کی علامات میں سے ہے، بہر حال سرزمین شام میں حشر کا میدان قائم ہوگا۔

الفصل الاول

﴿۱﴾عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى اَرْضٍ بَيْضَاءَ عَفْرَاءَ كَقُرْصَةِ النَّقِيِّ لَيْسَ فِيْهَا عَلَمٌ لِاَحَدٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو ایسی سرخی مائل سفید زمین پر جمع کیا جائے گا جو چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کے مانند ہوگی اور اس زمین پر کسی کا کوئی نشان نہیں ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "عفراء" یعنی سرخی مائل سفید زمین۔[۳] "كقرصة النقي" قرصہ چپاتی روٹی کو کہتے ہیں اور النقی چھنے ہوئے آٹے کو کہتے ہیں گویا یہ زمین گولائی میں روٹی کی طرح ہوگی اور محشر میں لوگوں کے کھانے کے لئے یہی انتظام ہے کہ زمین کے ٹکڑوں کو کاٹ کر کھائیں گے سالن کا پتہ نہیں ہے۔[۴] "علم لاحد" یعنی ہموار زمین ہوگی اس پر کسی کی عمارت وغیرہ کا کوئی نشان وعلامت نہیں ہوگی۔[۵]

اہل جنت کا پہلا کھانا

﴿۲﴾وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُوْنُ الْاَرْضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خُبْزَةً وَّاحِدَةً يَتَكَفَّؤُهَا الْجَبَّارُ بِيَدِهٖ كَمَا يَتَكَفَّأُ اَحَدُكُمْ خُبْزَتَهٗ فِي السَّفَرِ نُزُلًا لِاَهْلِ الْجَنَّةِ

[۱] الكهف ۴۸ [۲] اخرجه البخاري: ۸/۱۳۵ ومسلم: ۸/۱۲۷ [۳] المرقات: ۹/۳۶۷ [۴] المرقات: ۹/۳۶۷ [۵] المرقات: ۹/۳۶۷

وَاَتٰى رَجُلٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ بَارَكَ الرَّحْمٰنُ عَلَيْكَ يَا اَبَا الْقَاسِمِ اَلَا اُخْبِرُكَ بِنُزُلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ بَلٰى قَالَ تَكُوْنُ الْاَرْضُ خُبْزَةً وَّاحِدَةً كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْنَا فَضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِاِدَامِهِمْ بَالَامُ وَّالنُّوْنُ قَالُوْا وَمَا هٰذَا قَالَ ثَوْرٌ وَّنُوْنٌ يَّأْكُلُ مِنْ زَائِدَةِ كَبِدِهِمَا سَبْعُوْنَ اَلْفًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ساری زمین ایک روٹی ہوگی جس کو خداوند جبار اپنے ہاتھوں سے اس طرح الٹے پلٹے گا جس طرح تم میں سے کوئی شخص سفر کے دوران الٹ پلٹ کر کے روٹی پکاتا ہے اور یہ روٹی جنتیوں کی مہمانی ہوگی، آنحضرت ﷺ کے یہ فرمانے کے بعد ایک یہودی آیا اور کہنے لگا کہ اے ابوالقاسم خدائے پاک مہربان آپ پر برکت نازل کرے کیا میں آپ کو بتاؤں کہ قیامت کے دن جنتیوں کی مہمانی کے طور پر پہلا کھانا کیا ہوگا؟ حضور نے فرمایا ہاں بتاؤ! اس یہودی نے کہا کہ ساری زمین ایک روٹی ہوگی جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا تھا، آنحضرت نے ہماری طرف دیکھا اور ہنس دیئے یہاں تک کہ آپ کی کچلیاں نظر آنے لگیں، اس کے بعد اس یہودی نے کہا کہ کیا میں آپ کو بتاؤں کہ جنتیوں کا سالن کیا ہوگا وہ ''بالام'' اور ''نون'' ہے۔ صحابہ نے کہا کہ یہ بالام کیا چیز ہوتی ہے؟ کہا کہ بیل اور نون اور ان دونوں یعنی بیل اور مچھلی کے گوشت کے اس ٹکڑے سے جو جگر کا زائد ہوتا ہے ستر ہزار آدمی روٹی کھائیں گے۔

(بخاری ومسلم)

توضیح: "یتکفأ" روٹی پکاتے وقت جلدی جلدی اسے الٹانے پلٹانے کو یتکفأ کہا گیا ہے۔[2] "فی السفر" اس لفظ کو شاید اس لئے بڑھایا ہے کہ سفر میں جلدی ہوتی ہے تو روٹی کو جلدی جلدی ہاتھ میں الٹایا پلٹایا جاتا ہے۔[3] "نزل" مہمان کو جو کھانا تیار کر کے دیا جاتا ہے اس کو نزل کہا گیا ہے یعنی جنتیوں کی مہمانی۔[4] "قال" یعنی یہودی عالم نے پھر کہا کہ کیا سالن کا نہ بتاؤں؟ صحابہ نے فرمایا بتادو اس نے کہا: "بالام" یہ عبرانی لفظ ہے عربی میں اس کا ترجمہ ثور ہے جو بیل کو کہتے ہیں اگر یہ لفظ عربی ہوتا تو صحابہ سمجھ جاتے۔ ''نون'' یہ مچھلی کو کہتے ہیں۔ "زائدۃ کبدھما" یعنی بیل اور مچھلی دونوں کے جگر کے کچھ زائد ٹکڑوں سے ستر ہزار جنتیوں کی تواضع کی جائے گی، یہ ستر ہزار وہ ہوں گے جو حساب وکتاب کے بغیر جنت میں داخل ہو چکے ہوں گے، حیوانات میں مچھلی اور سانپ دو ایسے حیوان ہیں جن کے بڑے ہونے میں کوئی حد بندی نہیں ہے وہ بڑے سے بھی بڑھ کر بڑے بن سکتے ہیں۔[5]

[1] اخرجه البخاری: ۸/۱۳۵ ومسلم: ۸/۱۲۹ [2] المرقات: ۹/۳۶۷ [3] المرقات: ۹/۳۶۸
[4] المرقات: ۹/۳۶۸ [5] المرقات: ۹/۳۶۹

میدان محشر میں جمع ہونے کا منظر

﴿۳﴾وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى ثَلٰثِ طَرَائِقَ رَاغِبِیْنَ رَاهِبِیْنَ وَاثْنَانِ عَلٰى بَعِیْرٍ وَّثَلَاثَةٌ عَلٰى بَعِیْرٍ وَّاَرْبَعَةٌ عَلٰى بَعِیْرٍ وَّعَشَرَةٌ عَلٰى بَعِیْرٍ وَّتَحْشُرُ بَقِیَّتَهُمُ النَّارُ تَقِیْلُ مَعَهُمْ حَیْثُ قَالُوْا وَتَبِیْتُ مَعَهُمْ حَیْثُ بَاتُوْا وَتُصْبِحُ مَعَهُمْ حَیْثُ اَصْبَحُوْا وَتُمْسِیْ مَعَهُمْ حَیْثُ اَمْسَوْا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ) [۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حشر میں لوگوں کو تین قسموں میں جمع کیا جائے گا ایک قسم کے لوگ تو وہ ہوں گے جو بہشت کے خواہشمند ہیں، دوسری قسم کے لوگ وہ ہوں گے جو دوزخ سے ڈرنے والے ہیں اوران دونوں قسموں میں سے جو لوگ سواری پر ہوں گے ان کی صورت یہ ہوگی کہ ایک اونٹ پر دو سوار ہوں گے، تین سوار ہونگے چار سوار ہونگے، دس بھی ایک اونٹ پر سوار ہونگے، اور تیسری قسم باقی تمام لوگوں پر مشتمل ہوگی جن کو آگ جمع کرے گی اور وہ آگ ہر وقت ان لوگوں کے ساتھ رہے گی اور کسی وقت بھی ان سے الگ نہیں ہوگی یہاں تک کہ جہاں وہ لوگ قیلولہ کریں گے آگ بھی وہیں قیلولہ کرے گی جہاں وہ لوگ رات گزاریں گے وہیں ان کے ساتھ ہی رات گزارے گی، جہاں وہ لوگ صبح کریں گے وہیں آگ بھی ان کے ساتھ صبح کریگی اور جہاں وہ لوگ شام کریں گے وہیں آگ بھی ان کے ساتھ شام کرے گی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "طرائق" یہ طریقۃ کی جمع ہے مراد تین قسمیں ہیں یعنی لوگ زندہ ہونے کے بعد جب میدان محشر جمع ہوں گے تو وہاں پر آنے کے تین طریقے ہوں گے اور تین قسم کے لوگ ہوں گے۔ ایک قسم جنت میں رغبت کرنے والوں کی ہوگی، دوسری قسم دوزخ سے ڈرنے والوں کی ہوگی۔ [۲] "**واثنان**" **ای واثنان منهم یعنی ان راغبین اور راهبین** میں سے جو لوگ سواری پر ہوں گے ان کی کیفیت اور صورت اس طرح ہوگی کہ دو دو تین تین چار چار حتی کہ دس دس ایک ایک اونٹ پر سوار ہوں گے اپنے اپنے رتبے ہوں گے۔ [۳]

"**وتحشر بقیتهم**" یعنی باقی تمام لوگوں کو جو تیسری قسم کے ہوں گے ان کو ایک آگ محشر میں جمع کرے گی۔ [۴]

"**تقیل**" یہ قیلولہ سے ہے مطلب یہ ہے کہ یہ آگ ان لوگوں کو ہر قسم کی سہولت دے گی کبھی سفر کبھی قیلولہ کبھی رات گذارنی اور کبھی صبح کرنی لیکن میدان محشر تک ضرور لائے گی۔ یہ آگ وہ ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر لوگوں کو میدان محشر میں لائے گی، میدان محشر کی طرف آنے کے لئے کئی حشر ہو سکتے ہیں کبھی سواری ہوگی کبھی پیدل ہوں گے کبھی پاؤں پر چل کر جائیں گے کبھی منہ کے بل جائیں گے۔ [۵]

[۱] اخرجه البخاری: ۸/۱۳۵ ومسلم: ۸/۱۵۷ [۲] المرقات: ۹/۲۷۰ [۳] المرقات: ۹/۲۷۱ [۴] المرقات: ۹/۲۷۰ [۵] المرقات: ۹/۲۷۱

میدان محشر میں لوگ ننگ دھڑنگ ہوں گے

﴿۴﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكُمْ مَحْشُوْرُوْنَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ثُمَّ قَرَأَ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ وَأَوَّلُ مَنْ يُّكْسٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيْمُ وَإِنَّ نَاسًا مِّنْ أَصْحَابِيْ يُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَأَقُوْلُ أُصَيْحَابِيْ أُصَيْحَابِيْ فَيَقُوْلُ إِنَّهُمْ لَنْ يَّزَالُوْا مُرْتَدِّيْنَ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ فَأَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ إِلٰى قَوْلِهِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تمہیں اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ تم ننگے بدن اور بے ختنہ ہوگے، اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی ﴿کما بدأنا اول خلق نعیدہ الخ﴾ یعنی جس طرح ہم نے ان کو ابتداء پیدائش میں پیدا کیا تھا اسی طرح ان کو دوبارہ پیدا کریں گے یعنی قبروں سے اٹھائیں گے یہ وعدہ ہم پر لازم ہے اور یقینا (جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا) ہم کرنے والے ہیں، پھر آپ نے فرمایا قیامت کے دن ان لوگوں میں سب سے پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم ہیں، اور میرے کچھ صحابہ کو پکڑ کر بائیں ہاتھ کی طرف (یعنی دوزخ کی طرف) لے جایا جا رہا ہوگا تو میں یہ دیکھ کر بطریق حیرت و استعجاب اور ان کو نجات دلانے کے لئے کہونگا کہ یہ میرے صحابی ہیں یہ میرے صحابی ہیں۔ خداوند تعالیٰ فرمائے گا جب سے تم ان سے جدا ہوئے یہ برابر دین سے برگشتہ اور پھرتے رہے۔ پس میں وہی کہوں گا جو بندہ صالح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ ﴿و کنت علیهم شهیدا مادمت فیهم .... العزیز الحکیم﴾ تک، یعنی جب تک میں ان کے درمیان رہا میں ان کے احوال سے واقف رہا الخ۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "حفاۃ" پاؤں سے ننگے [۲] "عراۃ" بدن سے ننگے [۳] "غرلاً" یعنی غیر مختون، ناختنہ کردہ شدہ ہوں گے۔[۴]

"**واول من یکسی**" چونکہ نمرود نے حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالتے وقت ان کے کپڑے اتارے تھے تو اس کے بدلے میں بطور اعزاز قیامت کے دن ان کو سب سے پہلے کپڑے پہنائے جائیں گے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اول کپڑے پہنانے کا یہ اعزاز جو حضرت ابراہیم کو ملے گا یہ اولیت حقیقی نہیں بلکہ اضافی اولیت ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری روایت میں فرمایا ہے کہ سب سے پہلے مجھے کپڑے پہنائے جائیں گے یا ممکن ہے حقیقی اولیت ہو۔[۵]

"**اصیحابی اصیحابی**" یہ لوگ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا میں ایمان لا چکے ہوں گے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو علامات سے پہچان لیں گے اور فرمائیں گے یہ تو میرے غریب اور عاجز ساتھی ہیں ان کو بائیں طرف کہاں دوزخ لے

[۱] اخرجه البخاري: ۸/۱۳۶ ومسلم: ۸/۱۵۷ [۲] المرقات: ۹/۳۶۲ [۳] المرقات: ۹/۳۶۲ [۴] المرقات: ۹/۳۶۲ [۵] المرقات: ۹/۳۶۲

جارہے ہو؟ ''مرتدین'' فرشتے جواب دیں گے کہ آپ کو معلوم نہیں کہ یہ لوگ آپ کے بعد دین اسلام سے مرتد ہو چکے تھے یہ فتنۂ ارتداد کی طرف اشارہ ہے جو حضور کے بعد دور صدیق میں پیش آیا تھا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اصیحابی سے مراد حضور کے صحابی مراد نہیں ہیں بلکہ حضور پر ایمان لانے والے حضور کے ساتھی یعنی امتی مراد ہیں جو ایمان لائے پھر مرتد ہو گئے، ارتداد بھی عام ہے کہ اسلام چھوڑا یا دین میں نئی چیزیں داخل کر دیں جیسے اہل بدعت واہل باطل۔[1]

محشر میں مرد اور عورتیں سب ننگے ہوں گے

﴿۵﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ اَلرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ جَمِيْعًا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَقَالَ يَاعَائِشَةُ اَلْاَمْرُ اَشَدُّ مِنْ اَنْ يَّنْظُرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن لوگوں کو ننگے پاؤں اور ننگے بدن جمع کیا جائے گا، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا مرد وعورت سب کا یہی حال ہوگا اور وہ آپس میں ایک دوسرے کو عریاں دیکھیں گے؟ آنحضرت نے فرمایا عائشہ اس دن کا معاملہ اس سے کہیں زیادہ سخت وہولناک ہوگا کہ کوئی کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''الامر اشد'' یعنی معاملہ اس سے زیادہ سنگین ہوگا کہ کوئی کسی کو نگاہ کر سکے وہاں نفسی نفسی کا عالم ہوگا کسی کو معلوم بھی نہیں ہوگا کہ یہ مرد ہے یا عورت ہے، ننگا ہے یا پردہ میں ہے۔[3]

دوزخی منہ کے بل چل کر محشر میں آئیں گے

﴿۶﴾ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَانَبِيَّ اللهِ كَيْفَ يُحْشَرُ الْكَافِرُ عَلٰى وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ اَلَيْسَ الَّذِيْ اَمْشَاهُ عَلَى الرِّجْلَيْنِ فِي الدُّنْيَا قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُّمْشِيَهٗ عَلٰى وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ قیامت کے دن کافر منہ کے بل چل کر کس طرح میدان حشر میں آئیں گے؟ آنحضرت نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ جس ذات نے اس کو دنیا میں پاؤں کے بل چلایا وہی ذات اس کو قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔ (بخاری ومسلم)

[1] المرقات: ۹/۲۶۳، ۲۶۳ [2] اخرجہ البخاری: ومسلم [3] ۸/۲۷۵ [4] اخرجہ البخاری: ۸/۱۳۶ ومسلم: ۸/۱۳۵

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا حشر

﴿۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَلْقٰی اِبْرَاهِیْمُ اَبَاهُ اٰزَرَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَعَلٰی وَجْهِ اٰزَرَ قَتَرَةٌ وَّغَبَرَةٌ فَیَقُوْلُ لَهٗ اِبْرَاهِیْمُ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ لَا تَعْصِنِیْ فَیَقُوْلُ لَهٗ اَبُوْهُ فَالْیَوْمَ لَا اَعْصِیْكَ فَیَقُوْلُ اِبْرَاهِیْمُ یَارَبِّ اِنَّكَ وَعَدْتَّنِیْ اَنْ لَّا تُخْزِیَنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ فَاَیُّ خِزْیٍ اَخْزٰی مِنْ اَبِی الْاَبْعَدِ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنِّیْ حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَی الْكَافِرِیْنَ ثُمَّ یُقَالُ لِاِبْرَاهِیْمَ اُنْظُرْ مَا تَحْتَ رِجْلَیْكَ فَیَنْظُرُ فَاِذَا هُوَ بِذِیْخٍ مُتَلَطِّخٍ فَیُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهٖ فَیُلْقٰی فِی النَّارِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر سے اس حال میں ملیں گے کہ آزر کا چہرہ (غم وفکر کے سبب) سیاہ ہوگا اور غبار آلود ہوگا، حضرت ابراہیم (یہ دیکھ کر حسرت وافسوس کے ساتھ) کہیں گے کہ کیا میں تجھ سے یہ نہیں کہا کرتا تھا کہ میری نافرمانی نہ کیا کر؟ ان کا باپ آزر ان سے کہے گا کہ میں آج کے دن تمہاری نافرمانی نہیں کرونگا۔ حضرت ابراہیم عرض رسا ہوں گے کہ میرے پروردگار! تونے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اس دن جب لوگوں کو دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائے گا تو مجھ کو ذلیل ورسوا نہ کرے گا پس میرے باپ کی رسوائی وذلت سے بڑی ذلت ورسوائی میرے لئے اور کیا ہوسکتی ہے؟ کہ وہ تیری رحمت سے اس قدر دور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ابراہیم! آج کے دن تمہارے باپ کے حق میں مغفرت ونجات کی تمہاری درخواست منظور نہیں کی جاسکتی کیونکہ وہ کافر ہے اور میں نے جنت کو کافروں کے اوپر حرام کردیا ہے۔ پھر حضرت ابراہیم سے کہا جائے گا کہ نیچے دیکھو تمہارے پیروں میں کیا چیز ہے! حضرت ابراہیم اپنے پیروں کی طرف نگاہ کریں گے تو دیکھیں گے کہ آزر، کفتار یعنی بجو کی شکل میں مٹی اور گوبر میں لتھڑا ہوا پڑا ہے پھر اس (آزر) کے پاؤں پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ (بخاری)

توضیح: "الابعد" یعنی وہ باپ جو تیری رحمت سے دور ہوکر ہلاک ہوگیا۔[2] "ذیخ" ایک حیوان کو ذیخ کہا گیا ہے جس کا نام بجو، ہنڈار اور کفتار ہے۔[3] "متلطخ" یعنی اپنی غلاظت اور مٹی میں لتھڑا ہوگا۔[4]

میدان محشر میں بہنے والا پسینہ

﴿۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعْرَقُ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ حَتّٰی یَذْهَبَ عَرَقُهُمْ فِی الْاَرْضِ سَبْعِیْنَ ذِرَاعًا وَّیُلْجِمُهُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ اٰذَانَهُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)[5]

[1] اخرجه البخاری: ۴/۱۶۹ [2] المرقات: ۹/۴۷۶ [3] المرقات: ۹/۴۷۷
[4] المرقات: ۹/۴۷۶ [5] اخرجه البخاری: ۸/۱۳۸ ومسلم: ۸/۱۵۷

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو پسینہ آئے گا اور وہ پسینہ اس طرح بہے گا کہ زمین کے اندر ستر گز تک چلا جائے گا اور ان لوگوں کے لئے لگام بن جائے گا یہاں تک کہ ان کے کانوں تک پہنچ جائیگا۔ (بخاری ومسلم)

میدان محشر میں سورج بہت قریب ہوگا

﴿۹﴾ وَعَنِ الْمِقْدَادِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ تُدْنَى الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْخَلْقِ حَتّٰى تَكُوْنَ مِنْهُمْ كَمِقْدَارِ مِيْلٍ فَيَكُوْنُ النَّاسُ عَلٰى قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فِي الْعَرَقِ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُوْنُ اِلٰى كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُوْنُ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَكُوْنُ اِلٰى حَقْوَيْهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّلْجِمُهُمُ الْعَرَقُ اِلْجَامًا وَاَشَارَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ اِلٰى فِيْهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت مقداد کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن سورج کو مخلوق کے نزدیک کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ ان سے ایک میل کے فاصلہ پر رہ جائے گا، پس تمام لوگ اپنے اعمال کے بقدر پسینہ میں شرابور ہوں گے چنانچہ ان میں سے بعض لوگ وہ ہوں گے جن کے ٹخنوں تک پسینہ ہوگا بعض لوگ وہ ہوں گے جن کے گھٹنوں تک پسینہ ہوگا، بعض لوگ وہ ہوں گے جو کمر تک پسینہ میں ڈوبے ہوں گے اور بعض لوگ وہ ہوں گے جن کے لئے ان کا پسینہ لگام بن جائے گا، یہ فرما کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اپنے دہانہ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔ (مسلم)

میل سے آٹھ فرلانگ پر مشتمل معروف میل مراد ہے، سرمہ لگانے کا "سرمچو" مراد نہیں ہے جس طرح بعض نے کہا ہے۔[2]

جنت میں امت محمدیہ کے لوگ سب سے زیادہ ہوں گے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰى يَاٰادَمُ فَيَقُوْلُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ قَالَ اَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ قَالَ وَمَا بَعْثُ النَّارِ قَالَ مِنْ كُلِّ اَلْفٍ تِسْعَ مِائَةٍ وَّتِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ فَعِنْدَهٗ يَشِيْبُ الصَّغِيْرُ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللهِ شَدِيْدٌ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ وَاَيُّنَا ذٰلِكَ الْوَاحِدُ قَالَ اَبْشِرُوْا فَاِنَّ مِنْكُمْ رَجُلًا وَمِنْ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ اَلْفٌ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنُوْا رُبُعَ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَا فَقَالَ اَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَا فَقَالَ اَرْجُوْا اَنْ

[1] اخرجه مسلم: ۸/۱۵۸ [2] المرقات: ۹/۴۴۷

تَكُوْنُوْا نِصْفَ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَا قَالَ مَا اَنْتُمْ فِي النَّاسِ اِلَّا كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِيْ جِلْدِ ثَوْرٍ اَبْيَضَ اَوْ كَشَعْرَةٍ بَيْضَاءَ فِيْ جِلْدِ ثَوْرٍ اَسْوَدَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ آواز دے گا کہ اے آدم! آدم جواب دیں گے کہ میں حاضر ہوں! تیری تابعداری کے لئے تیار ہوں، ساری بھلائیاں تیرے ہی ہاتھوں میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا آگ والوں کے لشکر کو نکال لو۔ آدم عرض کریں گے کہ دوزخیوں کے لشکر کی تعداد کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے (دوزخ کے لئے اور ایک جنت کے لئے) یہ حکم خداوندی سنکر چھوٹی عمر والا بوڑھا ہو جائے گا اور ہر حاملہ عورت اپنا حمل ضائع کر دے گی، اور اس وقت تم دیکھو گے کہ لوگ گویا نشہ میں مست ہیں حالانکہ وہ مست نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الٰہی بہت سخت ہے، صحابہ نے کہا کہ وہ ایک ہم میں سے کون ہوگا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اطمینان رکھو، غم نہ کھاؤ! ایک شخص تم میں سے ہوگا اور ہزار شخص یاجوج ماجوج میں سے ہوں گے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں امید رکھتا ہوں کہ تم اہل جنت کی مجموعی تعداد کا چوتھا حصہ ہو گے ابوسعید کا بیان ہے کہ یہ سن کر ہم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ تم اہل جنت کی مجموعی تعداد کا تہائی حصہ ہو گے۔ ہم نے پھر نعرۂ تکبیر بلند کیا آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ تم اہل جنت کی مجموعی تعداد کا آدھا حصہ ہو گے ہم نے پھر نعرۂ تکبیر بلند کیا، پھر آپ نے فرمایا کہ اس دنیا میں لوگوں کے درمیان تمہاری تعداد اتنی کم ہے جیسا کہ سفید بیل کے جسم پر ایک سیاہ تل یا ایک کالے بیل کے جسم پر ایک سفید بال ہو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "بعث النار" یعنی دوزخ کا حصہ الگ کر کے بھیج دو۔ [2] "فکبرنا" معلوم ہوا خوشی کے موقع پر نعرۂ تکبیر لگانا جائز ہے اس کو بدعت کہنا خود بدعت ہے۔ [3] "کالشعرة السوداء" اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر زمان تک جتنے انسان ہیں ان کا مقابلہ اگر نبی اکرم کی امت کے ساتھ کیا جائے تو یہ بہت تھوڑے ہوں گے جیسے ایک جزء کے برابر ہو سکتے ہیں یا بیل کے جسم میں عام رنگ کے علاوہ جو کالا یا سفید رنگ ہوتا ہے اس طرح ایک دھبہ کے برابر ہو سکتے ہیں یہ قلیل حیثیت تمہاری ہوگی مگر اس قلت کے باوجود جب جنت میں تمہاری حیثیت کو دیکھا جائے گا تو تم اہل جنت کے نصف کے برابر ہو گے۔ صحابی فرماتے ہیں کہ ہم نے خوشی سے تکبیر بلند کی، اس سے معلوم ہوا کہ اظہار خوشی کے لئے نعرۂ تکبیر بلند کرنا منع نہیں ہے۔ [4]

ریاکار کی عبادت مقبول نہیں

﴿۱۱﴾ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَكْشِفُ رَبُّنَا عَنْ سَاقِهٖ فَيَسْجُدُ

[1] اخرجه البخاري: ۴/۱۶۸ ومسلم: ۱/۱۳۹ [2] المرقات: ۹/۳۷۸ [3] المرقات: ۹/۳۸۰ [4] المرقات: ۹/۳۸۱

لَهٗ كُلُّ مُؤْمِنٍ وَّمُؤْمِنَةٍ وَّيَبْقٰى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ فِي الدُّنْيَا رِيَاءً وَّسُمْعَةً فَيَذْهَبُ لِيَسْجُدَ فَيَعُوْدُ ظَهْرُهٗ طَبَقًا وَّاحِدًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا پروردگار اپنی پنڈلی کھولے گا پس تمام مؤمن مرد وعورت اس کو سجدہ کریں گے لیکن وہ شخص سجدہ نہیں کرے گا جو دنیا میں دکھانے اور سنانے کے لئے سجدہ کرتا تھا، گو وہ سجدہ کرنا چاہے گا مگر اس کی پشت ایک بے جوڑ ہڈی بن جائے گی جس کی وجہ سے وہ سجدہ کرنے پر قادر نہیں ہو سکے گا۔ (بخاری ومسلم)

﴿۱۲﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَاْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيْمُ السَّمِيْنُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَقَالَ اقْرَءُوْا فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ایک بڑا اور خوب موٹا تازہ شخص آئے گا لیکن اللہ کے نزدیک وہ مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت اور کوئی قدر ومنزلت نہیں رکھتا ہوگا اور تم یہ آیت پڑھا کرو ﴿فلا نقیم لهم یوم القیامة وزنا﴾ قیامت کے دن ہم ان کو کوئی قدر ومنزلت نہیں دیں گے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: خالص کافر کے لئے وزن اعمال کی ضرورت نہیں ہے وہ سیدھا دوزخ میں جائے گا جیسے قرآن میں ہے ﴿فلا نقیم لهم یوم القیامة وزنا﴾ [3] اور جس طرح اس حدیث میں ہے مگر یہاں یہ سوال ہے کہ قرآن کی آیت ﴿والوزن یومئذ الحق للرحمان﴾ [4] صاف بتا رہی ہے کہ وزن اعمال ہوگا یہ تعارض ہے! تو اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے احوال مختلف ہیں بعض احوال میں وزن ہوگا بعض میں نہیں ہوگا نیز اس حدیث میں جو آیا ہے اس کا مطلب حدیث کے سیاق وسباق سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ عمل کا وزن تو ہوگا مگر وزن میں وزن نہیں ہوگا بلکہ عمل بے وزن ہوگا، خلاصہ یہ کہ کوئی تعارض نہیں ہے۔ [5]

الفصل الثانی

قیامت کے دن زمین خود ہر شخص کے عمل پر گواہ بنے گی

﴿۱۳﴾ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَرَاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ

[1] اخرجه البخاری: ۶/۱۹۸ ومسلم: ۹/۳۸۰ [2] اخرجه البخاری: ۶/۱۱۷ ومسلم: ۵/۱۲
[3] الکهف ۱۰۵ [4] اعراف ۸ [5] المرقات: ۹/۴۸۲، ۴۸۳

اَخْبَارَهَا قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا اَخْبَارُهَا قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ اَخْبَارَهَا اَنْ تَشْهَدَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ وَّاَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلٰى ظَهْرِهَا اَنْ تَقُوْلَ عَمِلَ عَلٰى كَذَا وَ كَذَا يَوْمَ كَذَا وَ كَذَا قَالَ فَهٰذِهٖ اَخْبَارُهَا۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ) [۱]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿یومئذ تحدث اخبارها﴾ (جس روز کہ زمین اپنی خبریں سنائے گی) اور فرمایا کہ جانتے ہو زمین کی خبریں کیا ہوں گی؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا زمین کی خبریں یہ ہوں گی کہ وہ ہر بندے اور ہر لونڈی یعنی ہر مرد وعورت کے ہر اس عمل کی گواہی دے گی جو اس نے اس کی پشت پر کیا ہوگا (یعنی) وہ اس طرح کہے گی کہ میری پشت پر فلاں فلاں دن یہ کیا ہے اور وہ کیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا بس یہی زمین کی خبریں ہیں، اس روایت کو احمد اور ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

﴿۱۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَّمُوْتُ اِلَّا نَدِمَ قَالُوْا وَمَا نَدَامَتُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنْ كَانَ مُحْسِنًا نَدِمَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ اِزْدَادَ وَاِنْ كَانَ مُسِيْئًا نَدِمَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ نَزَعَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کوئی شخص نہیں ہے جو مرے اور پشیمان نہ ہو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ندامت و پشیمانی کا سبب کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا اگر وہ نیکوکار ہوتا ہے تو اس لئے پشیمان ہوتا ہے کہ اس نے زیادہ سے زیادہ نیکی کیوں نہیں کی اور اگر وہ بدکار ہوتا ہے تو اس لئے پشیمان ہوتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو برائی سے کیوں نہیں روکا۔ (ترمذی)

﴿۱۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةَ اَصْنَافٍ صِنْفًا مُشَاةً وَصِنْفًا رُكْبَانًا وَصِنْفًا عَلٰى وُجُوْهِهِمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَمْشُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ قَالَ اِنَّ الَّذِيْ اَمْشَاهُمْ عَلٰى اَقْدَامِهِمْ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُّمْشِيَهُمْ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَمَا اِنَّهُمْ يَتَّقُوْنَ بِوُجُوْهِهِمْ كُلَّ حَدَبٍ وَّشَوْكٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میدان حشر میں لوگوں کو تین طرح

[۱] اخرجه احمد: ۲/۳۷۴ والترمذی: ۴/۶۱۹ [۲] اخرجه الترمذی: ۴/۶۰۳ [۳] اخرجه الترمذی: ۴/۳۵

سے لایا جائے گا ایک قسم کے لوگ تو وہ ہوں گے جو پیدل چل کر آئیں گے۔ ایک قسم کے لوگ وہ ہوں گے جو سواریوں پر آئیں گے اور ایک قسم کے لوگ وہ ہوں گے جو منہ کے بل چلتے ہوئے آئیں گے، عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! لوگ منہ کے بل چل کر کس طرح آئیں گے؟ فرمایا حقیقت یہ ہے کہ جس ذات نے ان کو پاؤں کے بل چلایا ہے وہ ان کو منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے اور جان لو کہ وہ لوگ منہ کے بل چلنے میں اپنے منہ کو بلندی اور کانٹوں سے بچائیں گے۔ (ترمذی)

توضیح: "مشاۃ" یہ مسلمان گناہگار ہوں گے۔[1] "رکبانا" یہ انبیاء کرام ہوں گے۔[2] **"علی وجوھھم"** یہ اوندھے، منہ کے بل جانے والے کافر ہوں گے۔ بہر حال میدان محشر میں آنے کے لئے یہی تین طریقے ہوں گے اس سے پہلے حدیث نمبر ۳ میں بھی تفصیل گذر چکی ہے اور آنے والی حدیث نمبر ۱۷ میں بھی یہی مضمون ہے۔[3]

﴿۱۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَاَنَّهُ رَأْيُ عَيْنٍ فَلْيَقْرَأْ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص قیامت کے دن کو اس طرح دیکھنا پسند کرتا ہو جیسے وہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہو تو اس کو چاہئے کہ سورت اذا الشمس کورت سورت اذا السماء انفطرت اور سورۃ اذا السماء انشقت پڑھے۔ (احمد، ترمذی)

الفصل الثالث

﴿۱۷﴾ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ اِنَّ الصَّادِقَ الْمَصْدُوْقَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنِيْ اَنَّ النَّاسَ يُحْشَرُوْنَ ثَلَاثَةَ اَفْوَاجٍ فَوْجًا رَاكِبِيْنَ طَاعِمِيْنَ كَاسِيْنَ وَفَوْجًا يَّسْحَبُهُمُ الْمَلٰئِكَةُ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ وَتَحْشُرُهُمُ النَّارُ وَفَوْجًا يَّمْشُوْنَ وَيَسْعَوْنَ وَيُلْقِي اللهُ الْاٰفَةَ عَلَى الظَّهْرِ فَلَا يَبْقٰى حَتّٰى اَنَّ الرَّجُلَ لَتَكُوْنَ لَهُ الْحَدِيْقَةُ يُعْطِيْهَا بِذَاتِ الْقَتَبِ لَا يَقْدِرُ عَلَيْهَا۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[5]

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صادق و مصدوق ﷺ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ لوگوں کو تین گروہوں میں میدان حشر میں لایا جائے گا، ایک گروہ تو سواریوں پر ہوں گے اور زاد راہ کی آسانیوں اور سہولتوں کے ساتھ راحت و اطمینان سے آئیں گے، ایک گروہ وہ ہوگا جس کو فرشتے زمین پر منہ کے بل کھینچتے ہوئے لائیں گے اور ہانک کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے

[1] المرقات: ۹/۳۸۵ [2] المرقات: ۹/۳۸۵ [3] المرقات: ۹/۳۸۵

[4] اخرجه احمد: ۲/۲۷ والترمذی: ۵/۵۳۳ [5] اخرجه النسائی: ۴/۱۱۶

اور ایک گروہ وہ ہوگا جو دوڑتے ہوئے آئے گا اور اللہ تعالیٰ (سواری کے جانوروں کی) پیٹھ پر آفت وہلاکت مسلط کردے گا جس کی وجہ سے سواری کے جانور نایاب ہوجائیں گے یہاں تک کہ اگر کسی شخص کے پاس باغ ہوگا تو وہ باغ دیکر اس کے بدلہ میں ایک اونٹ لینا چاہے گا لیکن وہ اس اونٹ کو حاصل نہیں کر سکے گا۔ (نسائی)

توضیح: "طاعمین کاسین" یعنی کھاتے پیتے اور عمدہ کپڑوں میں ملبوس سواریوں پر سوار آئیں گے یہ انبیاء کرام ہوں گے۔ [1] "یسحبھم الملائکۃ" یہ کفار ہوں گے فرشتے ان کو منہ کے بل گھسیٹ کر لے جائیں گے۔ [2] "یمشون" یہ عام مسلمان ہوں گے۔ [3] "علی الظھر" ظہر پیٹھ کے معنی میں ہے، سواری مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ سواریوں پر آفت نازل کردے گا حتی کہ ایک آدمی اپنا باغ بھی لٹادے گا مگر سواری نہیں ملے گی۔ [4]

---

[1] المرقات: ۹/۲۸۷ [2] المرقات: ۹/۲۸۷ [3] المرقات: ۹/۲۸۷ [4] المرقات: ۹/۲۸۷

مورخہ ۱۱ جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ

باب الحساب والقصاص والميزان

حساب کتاب کا بیان

قال الله تعالیٰ: ﴿فاما من أُوتی کتابه بیمینه فسوف یحاسب حسابا یسیرا وینقلب الیٰ أهله مسروراً وأما من أُوتی کتابه وراء ظهره فسوف یدعو ثبوراً ویصلی سعیراً﴾ (سورة انشقاق)[۱]

"الحساب" اس عنوان میں حساب سے مراد قیامت کے دن بندوں کے اعمال کو گننا اور حساب کرنا ہے۔ یہ بات بالکل واضح اور عیاں ہے کہ انسانوں کے اعمال و کردار کا پورا پورا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے لیکن قیامت کے دن انسانوں کے اعمال وافعال کا حساب اس لئے ہوگا تا کہ ظاہری اور قانونی عدالت کے تحت تمام لوگوں پر واضح ہو جائے کہ دنیا میں کس نے کیا کیا ہے اور کون کس درجہ کے سلوک کا مستحق ہے؟ قیامت میں یہ حساب و کتاب کرنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور ہر مسلمان کے عقیدہ کا حصہ ہے۔

"القصاص" قصاص، مساوات اور برابری کے معنی میں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے دنیا میں جو کچھ کیا ہے یا کسی کے ساتھ جو کچھ ناروا سلوک کیا ہے قیامت میں اس سے اس کا بدلہ لیا جائے گا مثلاً قتل کیا ہے یا کسی کو زخمی کیا ہے یا کسی پر ظلم کیا ہے یا کسی کو ایذا پہنچائی ہے تو اس سے اس کا بدلہ لیا جائے گا اور حق، حقدار کو دیا جائے گا یہ قصاص ہے۔

"المیزان" میزان سے مراد یہ ہے کہ میدان محشر میں ایک بڑی ترازو ہوگی جس کے دو پلڑے ہوں گے اس کے ذریعہ سے انسانوں کے اعمال تولے جائیں گے خواہ اچھے اعمال ہوں یا برے۔ پھر اس کے مطابق ثواب و عقاب کا قانون متوجہ ہوگا اس باب میں ان تینوں عنوانات کے متعلق احادیث بیان ہوں گی۔

الفصل الاول

آسان حساب اور سخت حساب

﴿۱﴾ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَیْسَ اَحَدٌ یُّحَاسَبُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِلَّا هَلَكَ قُلْتُ اَوَلَیْسَ یَقُوْلُ اللهُ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا فَقَالَ اِنَّمَا ذٰلِكَ الْعَرْضُ وَلٰكِنْ مَّنْ نُّوْقِشَ فِی الْحِسَابِ یَهْلِكُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)[۲]

[۱] الحاقه ۱۹ [۲] اخرجه البخاری: ۶/۲۰۸ ومسلم: ۸/۱۳۹

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جس سے حساب لیا جائے گا وہ تباہ ہوجائے گا، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے حساب کے حق میں نہیں فرمایا کہ ﴿**فسوف یحاسب حسابا یسیرا**﴾ یعنی جس شخص کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا پس قریب ہوگا کہ اس کا حساب آسان ہو، آپ نے فرمایا یہ آسان حساب صرف پیش کرنا اور بیان محض ہے لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا جائے گا وہ یقینا تباہ ہوگا۔

(بخاری ومسلم)

توضیح: "**انما ذلك العرض**" اس حدیث میں ہے کہ جس شخص سے قیامت کے دن حساب لیا گیا وہ ہلاک ہوگیا، اس حدیث کو سن کر حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ تو قرآن میں فرماتا ہے: "**فسوف یحاسب حسابا یسیرا**" کہ قیامت میں حساب آسان ہوگا اور آپ فرماتے ہیں کہ جس سے حساب لیا گیا وہ ہلاک ہوگیا۔ اس کے جواب میں آنحضرت محمد ﷺ نے حساب میں فرق بتایا کہ ایک حساب عرض کے درجہ میں ہے اور ایک حساب مناقشہ کے درجہ میں ہے، عرض یہ ہے کہ مثلاً آدمی دفتر حساب میں حاضر ہوا اور سوال و جواب کے بغیر اس کو رخصت کردیا گیا صرف ظاہری طور پر دیکھا گیا، ٹٹولا نہیں گیا اور مناقشہ یہ ہے کہ ایک ایک چیز کے بارے میں فرشتے پوچھنے لگیں کہ یہ کام کیوں کیا کیسے کیا؟ کب کیا؟ اس مناقشہ میں ہلاکت سے کوئی نہیں بچ سکے گا۔ آئندہ حدیث نمبر ۱۳ کا مضمون بھی یہی ہے۔[۱]

﴿۲﴾**وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّاسَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ وَّلَاحِجَابٌ يَّحْجُبُهُ فَيَنْظُرُ اَيْمَنَ مِنْهُ فَلَايَرٰى اِلَّامَاقَدَّمَ مِنْ عَمَلِهِ وَيَنْظُرُ اَشْأَمَ مِنْهُ فَلَايَرٰى اِلَّامَاقَدَّمَ وَيَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَايَرٰى اِلَّا النَّارَ تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْبِشِقِّ تَمْرَةٍ.** (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عدی ابن حاتم کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تم میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس سے اس کا پروردگار ہم کلام نہ ہوگا اس وقت اس شخص کے اور اس کے پروردگار کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا اور نہ کوئی حجاب ہوگا، جب بندہ اپنی داہنی طرف نظر ڈالے گا تو اس کو وہ چیز نظر آئے گی جو اس نے آگے بھیجی ہوگی اور جب بندہ اپنی بائیں جانب نظر ڈالے گا تو اس کو وہ چیز نظر آئے گی جو اس نے آگے بھیجی ہوگی اور جب وہ اپنے آگے دیکھے گا تو اس کو اپنے منہ کے سامنے آگ نظر آئے گی، پس تم لوگ آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی سے کیوں نہ ہو، (بخاری ومسلم)

توضیح: "**ایمن**" جانب یمین، دائیں طرف کو کہتے ہیں۔[۳] "**اشأم**" جانب شمال کو اشأم کہا گیا ہے، بائیں جانب مراد ہے۔[۴]

---

[۱] المرقات: ۹/۳۸۹ [۲] اخرجه البخاری: ۸/۱۴ ومسلم: ۳/۸۶ [۳] المرقات: ۹/۳۹۰ [۴] المرقات: ۹/۳۹۰

﴿۳﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُدْنِي الْمُؤْمِنَ فَيَضَعُ عَلَيْهِ كَنَفَهٗ وَيَسْتُرُهٗ فَيَقُوْلُ اَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا اَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ اَيْ رَبِّ حَتّٰى قَرَّرَهٗ بِذُنُوْبِهٖ وَرَاٰى فِيْ نَفْسِهٖ اَنَّهٗ قَدْ هَلَكَ قَالَ سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَاَنَا اَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ فَيُعْطٰى كِتَابَ حَسَنَاتِهٖ وَاَمَّا الْكُفَّارُ وَالْمُنَافِقُوْنَ فَيُنَادٰى بِهِمْ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مؤمن کو اپنے قریب کریگا اور اس کو اپنی عنایت کے سائے میں چھپائے گا تا کہ وہ اہل محشر پر اپنے گناہوں اور اپنی بداعمالیوں کے کھل جانے کی وجہ سے شرمندہ اور رسوانہ ہو پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ کیا تو اس گناہ کو جانتا ہے، کیا تو اس گناہ کو جانتا ہے، وہ مؤمن عرض کرے گا کہ ہاں! اے پروردگار مجھے اپنا وہ گناہ یاد ہے اور میں اپنی بدعملی کا اعتراف کرتا ہوں غرضیکہ اللہ تعالیٰ اس سے اس کے تمام گناہوں کا اعتراف واقرار کرائے گا اور وہ اپنے دل میں کہتا ہوگا کہ میں اب ہلاک ہوا اب تباہ ہوا لیکن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں اور ان عیوب کی پردہ پوشی کی اور آج بھی میں تیرے ان گناہوں کو بخش دوں گا، پس اس کو اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دے دیدیا جائے گا۔ اور جہاں تک کافروں اور منافق لوگوں کا تعلق ہے تو ان کو تمام مخلوق کے سامنے طلب کیا جائے گا اور پکار کر کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر بہتان باندھا تھا، جان لو! ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔ (بخاری ومسلم)

ہر انسان کی جنت اور دوزخ میں سیٹ ہوتی ہے

﴿۴﴾وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ دَفَعَ اللّٰهُ اِلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا فَيَقُوْلُ هٰذَا فِكَاكُكَ مِنَ النَّارِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن آئے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایک یہودی یا نصرانی حوالہ کردے گا اور فرمائے گا کہ یہ شخص دوزخ سے تیری چھڑائی ہے یعنی دوزخ کی آگ سے تیری نجات کا سبب ہے۔ (مسلم)

توضیح: "ھذا فکاکک" فکاک چھڑانے کو کہتے ہیں اصولی طور پر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہر انسان کے لئے جنت اور دوزخ میں ایک ایک سیٹ پہلے سے مقرر ہے اب جس شخص نے جس سیٹ کو جیت لیا وہ اس میں جائے گا تو دوسری سیٹ رہ

[1] اخرجه البخاري: ۳/۱۶۸ ومسلم: ۸/۱۰۳ [2] اخرجه مسلم: ۸/۱۰۳

جائے گی اب یہ ہاری ہوئی سیٹ جو رہ گئی ہے وہ دوسرے شخص کو دی جائے گی مثلاً ایک شخص مسلمان ہے اور نیک ہے اس نے جنت کی سیٹ جیت لی تو اس کی دوزخ کی سیٹ کسی اور کو دی جائے گی یا مثلاً ایک شخص کافر ہے ہندو عیسائی یہودی ہے اس نے دوزخ کی سیٹ کمالی تو اس کی جنت والی سیٹ کسی مسلمان کو دی جائے گی قرآن کی آیت ﴿**تلك الجنة التي اورثتموها**﴾ [1] میں جس میراث کی طرف مفسرین نے اشارہ کیا ہے اس کے مصداق میں سیٹوں کی اس تبدیلی کا ذکر بھی کیا ہے۔ زیر بحث حدیث میں نبی اکرم ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہوا کہ ہر مسلمان کو ایک یہودی یا عیسائی دیا جائے گا اور مسلمان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کی سیٹ سے تمہاری رہائی کا ذریعہ اور سبب اور بدلہ یہ کافر ہے اب تم جنت میں اس کی ہاری ہوئی سیٹ پر جاؤ اور یہ دوزخ میں تمہاری ہاری ہوئی سیٹ پر جائے گا لہٰذا تم اپنی جگہ اس کو دوزخ کی طرف روانہ کردو یہ شخص دوزخ کی آگ سے تمہاری رہائی کا سبب ہے۔ ملا علی قاری مرقات میں لکھتے ہیں کہ: "**قال القاضي رحمه الله لما كان لكل مكلف مقعد من الجنة ومقعد من النار فمن امن حق الايمان بدل مقعده من النار بمقعد من الجنة ومن لم يؤمن فبالعكس كانت الكفرة كالخلف للمؤمنين في مقاعدهم من النار والنائب منابهم وايضاً لما سبق القسم الالهي بملء جهنم كان ملئها من الكفار خلاصا للمؤمنين ونجاة لهم من النار فهم في ذلك كالفداء والفكاك**"

(مرقات، ج۹ص۴۹۲) [2]

بہر حال اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مسلمانوں کے بدلے میں یہود و نصاریٰ کو دوزخ میں ڈالا جائے گا کیونکہ قرآن میں واضح حکم ہے کہ ﴿**ولا تزر وازرة وزر اخرىٰ**﴾ [3] کہ کسی کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا یہ تو روافض کا عقیدہ ہے کہ ان کے گناہ قیامت میں سنیوں کے کندھوں پر ڈالے جائیں گے اور یہود کا عقیدہ ہے کہ وہ چند دنوں تک دوزخ میں جائیں گے پھر ان کی جگہ دوزخ میں مسلمانوں کو ڈالا جائے گا اور یہ تو عیسائیوں کا غلط عقیدہ ہے کہ ان کے سارے گناہ پہلے سے معاف ہو گئے ہیں کیونکہ ان کا کفارہ حضرت عیسیٰ نے ادا کر دیا اور سولی پر چڑھ گئے۔ یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ یہود و نصاریٰ کا تذکرہ بطور نمونہ اور بطور شہرت ہے ورنہ یہ معاملہ تمام کفار کے ساتھ پیش آئے گا۔

راہ اعتدال اپنانے سے امت محمدیہ قوم نوح پر گواہ بنے گی

﴿۵﴾ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجَاءُ بِنُوْحٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهٗ هَلْ بَلَّغْتَ فَيَقُوْلُ نَعَمْ يَارَبِّ فَتُسْئَلُ اُمَّتُهٗ هَلْ بَلَّغَكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ مَاجَاءَنَا مِنْ نَّذِيْرٍ فَيُقَالُ مَنْ شُهُوْدُكَ فَيَقُوْلُ مُحَمَّدٌ وَاُمَّتُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُجَاءُ بِكُمْ فَتَشْهَدُوْنَ اَنَّهٗ قَدْ بَلَّغَ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ

---

[1] الزخرف: ۷۲ [2] المرقات: ۹/۴۹۲ [3] فاطر ۱۸

عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے (اپنی امت کو احکام خداوندی) پہنچائے تھے؟ وہ عرض کریں گے کہ بیشک اے میرے پروردگار (میں نے پہونچائے تھے)۔ پھر حضرت نوح کی امت سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم تک ہمارے احکام نوح نے پہنچائے تھے؟ وہ لوگ انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی بھی ڈرانے والا نہیں آیا تھا اور پھر حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے گواہ کون ہیں؟ چنانچہ حضرت نوح کہیں گے کہ میرے گواہ حضرت محمد اور انکی امت کے لوگ ہیں۔ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تب تمہیں پیش کیا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ حضرت نوح نے امت کو احکام خداوندی پہنچائے تھے پھر رسول کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی ﴿و كذلك جعلنكم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس الخ﴾ اور اسی لئے ہم نے (اے مسلمانو) تمہیں نیک وعادل اور افضل امت بنایا ہے تاکہ تم ان لوگوں کے بارے میں (کہ جو تم سے پہلے گزرے ہیں اور کفر وشرک پر قائم رہے ہیں) گواہی دو، اور تمہارا گواہ پیغمبر (ﷺ) ہوں گے۔ (بخاری)

توضیح: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن حضرت نوح کی قوم کہہ دے گی کہ نوح نے ہم کو دعوت نہیں دی، اللہ تعالیٰ حضرت نوح سے پوچھیں گے تو حضرت نوح فرمائیں گے کہ میں نے لمبی دعوت دی ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہارا گواہ کون ہے وہ فرمائیں گے محمد کی امت گواہ ہے جب یہ امت گواہی دے دیگی تو قوم نوح جرح کرے گی کہ یہ لوگ ہزاروں سال بعد آئے تھے ان کو کیا معلوم اور یہ کیسے گواہ بن گئے؟ جب اللہ تعالیٰ ان سے پوچھ لے گا تو امت مرحومہ جواب دے گی کہ ہم نے قرآن میں پڑھا ہے جو سچی کتاب ہے اس پر نبی مکرم ﷺ آکر اپنی امت کا تزکیہ فرمادیں گے کہ انہوں نے سچ کہا ہے تو یہ امت پوری دنیا پر گواہ ہوگی اور محمد ﷺ اپنی امت پر گواہ بنیں گے، بریلوی سوچ لیں کہ گواہ بننے کا مطلب کیا ہے؟ کیا گواہ بننے والا حاضر ناظر کے معنی میں ہے؟ پھر تو پوری امت حاضر وناظر ہوگئی بلکہ اپنے نبی سے بھی پڑھ کر حاضر وناظر ہوگئی۔[2]

قیامت کے دن اپنے جسم کے اعضا گواہی دیں گے

﴿۶﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَحِكَ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مِمَّا أَضْحَكُ قَالَ قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ مِنْ مُخَاطَبَةِ الْعَبْدِ رَبَّهُ يَقُوْلُ يَارَبِّ أَلَمْ تُجِرْنِي مِنَ الظُّلْمِ قَالَ يَقُوْلُ بَلٰى قَالَ فَيَقُوْلُ فَإِنِّيْ لَا أُجِيْزُ عَلٰى نَفْسِيْ إِلَّا شَاهِدًا مِنِّيْ قَالَ فَيَقُوْلُ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ شَهِيْدًا وَبِالْكِرَامِ الْكَاتِبِيْنَ شُهُوْدًا قَالَ فَيُخْتَمُ عَلٰى فِيْهِ فَيُقَالُ لِأَرْكَانِهٖ

[1] اخرجه البخاري: ۶/۲۵ [2] المرقات: ۹/۳۹۲

اَنْطِقِيْ قَالَ فَتَنْطِقُ بِأَعْمَالِهٖ ثُمَّ يُخَلّٰى بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْكَلَامِ قَالَ فَيَقُوْلُ بُعْدًا لَّكُنَّ وَسُحْقًا فَعَنْكُنَّ كُنْتُ اُنَاضِلُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ یکا یک ہنسنے لگے اور پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو میں کیوں ہنس رہا ہوں؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں بندہ اور خدا کے درمیان منہ در منہ (گفتگو ہونے کا خیال کر کے) ہنس رہا ہوں (اس دن) بندہ کہے گا کہ اے پروردگار کیا تو نے مجھ کو ظلم سے پناہ نہیں دی؟ آنحضرت نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہاں! تب بندہ کہے گا کہ میں اپنے متعلق اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا کہ میرے بارے میں گواہی دینے والا مجھ ہی میں سے ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج کے دن تیرے بارے میں خود تیری ذات ہی گواہی دے گی، آنحضرت نے فرمایا پھر بندے کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے بعد اس کے تمام اعضاء جسم کو حکم دیا جائے گا کہ بولو، چنانچہ اس کے جسم کے اعضاء اس کے اعمال کو بیان کریں گے جو اس نے ان اعضاء کے ذریعہ کئے تھے پھر اس بندے اور اس کی گویائی کے درمیان سے (پردہ) اٹھا دیا جائے گا، آنحضرت نے فرمایا بندہ کہے گا کہ دور ہو بدبختو اور ہلاک ہو، میں تو تمہاری ہی طرف سے اور تمہاری ہی نجات کے لئے لڑ جھگڑ رہا تھا۔ (مسلم)

توضیح: "الم تجرنی" یعنی کیا آپ نے مجھے ظلم سے یہ کہہ کر محفوظ و مامون نہیں کیا ہے کہ ﴿ولا یظلم ربك احداً﴾[۲] اگر مجھ پر ظلم نہیں کرنا تو آج میرے حساب کتاب میں مکمل گواہی کی ضرورت ہے تا کہ عدالت میں عدل ہو۔[۳] "بلی" یعنی عدل و انصاف ہوگا، تجھے یقیناً ہم نے پناہ دی ہے مگر یہ بتا کہ تیرے حساب و کتاب میں نقصان کیا ہے؟ وہ کہہ دیگا کہ تیرے فرشتوں نے میرے خلاف لکھا ہے ان کی تیار کردہ رپورٹ پر مجھے اعتماد نہیں کوئی ایسا گواہ چاہئے جو میرے جسم سے اُٹھ کر گواہی دیدے۔[۴] "یخلی" یعنی جب اعضاء اس کے خلاف خوب گواہی دیدیں گے تو پھر اس بندے کو ان کے اعضاء کے ساتھ گفتگو کا موقع دیا جائے گا اور اس شخص اور اس کے کلام کے درمیان بندش کو اُٹھا لیا جائے گا تو وہ بولنے لگے گا۔[۵] "اناضل" یعنی یہ شخص اپنے اعضاء سے کہے گا کہ تم پر ہلاکت ولعنت ہو یہ سب دوڑ دھوپ میں تمہیں بچانے کے لئے کرتا تھا اور تم نے میرے خلاف گواہی دیدی! شرم کرو ڈوب مرو!۔[۶]

اعضاء کی گواہی کا ایک اور واقعہ

﴿۷﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ هَلْ تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ

[۱] اخرجه مسلم: ۸/۲۱۶ [۲] الكهف: ۴۹ [۳] المرقات: ۹/۳۹۴

[۴] المرقات: ۹/۳۹۵ [۵] المرقات: ۹/۳۹۵ [۶] المرقات: ۹/۳۹۵

الشَّمْسِ فِي الظَّهِيْرَةِ لَيْسَتْ فِي سَحَابَةٍ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ تُضَارُّوْنَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ فِي سَحَابَةٍ قَالُوْا لَا قَالَ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا تُضَارُّوْنَ فِي رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ اِلَّا كَمَا تُضَارُّوْنَ فِي رُؤْيَةِ اَحَدِهِمَا قَالَ فَيَلْقَى الْعَبْدَ فَيَقُوْلُ اَيْ فُلْ اَلَمْ اُكْرِمْكَ وَاُسَوِّدْكَ وَاُزَوِّجْكَ وَاُسَخِّرْ لَكَ الْخَيْلَ وَالْاِبِلَ وَاَذَرْكَ تَرْاَسُ وَتَرْبَعُ فَيَقُوْلُ بَلٰى قَالَ فَيَقُوْلُ اَفَظَنَنْتَ اَنَّكَ مُلَاقِيَّ فَيَقُوْلُ لَا فَيَقُوْلُ فَاِنِّيْ قَدْ اَنْسَاكَ كَمَا نَسِيْتَنِيْ ثُمَّ يَلْقَى الثَّانِيَ فَذَكَرَ مِثْلَهٗ ثُمَّ يَلْقَى الثَّالِثَ فَيَقُوْلُ لَهٗ مِثْلَ ذٰلِكَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اٰمَنْتُ بِكَ وَبِكِتَابِكَ وَبِرُسُلِكَ وَصَلَّيْتُ وَصُمْتُ وَتَصَدَّقْتُ وَيُثْنِيْ بِخَيْرٍ مَا اسْتَطَاعَ فَيَقُوْلُ هٰهُنَا اِذًا ثُمَّ يُقَالُ الْاٰنَ نَبْعَثُ شَاهِدًا عَلَيْكَ وَيَتَفَكَّرُ فِيْ نَفْسِهٖ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْهَدُ عَلَيَّ فَيُخْتَمُ عَلٰى فِيْهِ وَيُقَالُ لِفَخِذِهٖ اَنْطِقِيْ فَتَنْطِقُ فَخِذُهٗ وَلَحْمُهٗ وَعِظَامُهٗ بِعَمَلِهٖ وَذٰلِكَ لِيُعْذِرَ مِنْ نَفْسِهٖ وَذٰلِكَ الْمُنَافِقُ وَذٰلِكَ الَّذِيْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ يَدْخُلُ مِنْ اُمَّتِيْ الْجَنَّةَ فِيْ بَابِ التَّوَكُّلِ بِرِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا قیامت کے دن ہم اپنے خدا کا دیدار کریں گے؟ آپ نے فرمایا کیا دوپہر کے وقت، جب کہ ابر نہ ہو تم سورج کو دیکھنے میں کوئی شک رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ آپ نے فرمایا تو کیا چودھویں رات میں جب ابر نہ ہو، تم چاند کو دیکھنے میں کوئی شک رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں! آپ نے فرمایا: پس قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے جس طرح تم سورج اور چاند کو دیکھنے میں کوئی شک وشبہ نہیں رکھتے اسی طرح اپنے پروردگار کو دیکھنے میں کوئی شک وشبہ نہیں کرو گے پھر آپ نے فرمایا جب بندے اپنے پروردگار کو دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ایک بندے کو خطاب کر کے فرمائے گا کہ اے بندے کیا میں نے تجھے فضیلت وشرف نہیں بخشا تھا؟ کیا میں نے تجھے تیری بیوی عطا نہیں کی تھی؟ کیا میں نے تیرے لئے گھوڑوں اور اونٹوں کو مطیع نہیں بنایا تھا؟ اور کیا میں نے تجھے یہ موقع نصیب نہیں کیا تھا کہ تو اپنی قوم کا سربراہ اور سردار بنا یا تھا؟ اور چوتھائی مال غنیمت حاصل کرتا تھا؟ وہ بندہ عرض کرے گا کہ میرے پروردگار بیشک ایسا ہی ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بعد پروردگار فرمائے گا کہ کیا تجھے یہ بھی خیال تھا کہ تو مجھ سے ملے گا؟ بندہ عرض کرے گا نہیں، پس پروردگار فرمائے گا کہ میں بھی تجھے فراموش کروں گا جیسا کہ تو نے دنیا میں میری اطاعت اور میری یاد کو فراموش کر دیا تھا، پھر پروردگار دوسرے بندے سے ملاقات اور خطاب فرمائے گا اس کے بعد آنحضرت نے اللہ تعالیٰ اور اس بندے کے درمیان اسی سوال وجواب کو ذکر کیا جو پہلے بندے کے سلسلے میں منقول ہوا پھر پروردگار تیسرے بندے سے ملاقات وخطاب فرمائے گا اور اس سے وہی فرمائے گا جو اس نے پہلے بندے سے فرمایا تھا اور وہ (تیسرا بندہ) یہ جواب

[1] اخرجه مسلم: ۸/۲۱۶

دے گا کہ میرے پروردگار میں تجھ پر، تیری کتاب پر اور تیرے پیغمبروں پر ایمان لایا تھا میں نے نماز پڑھی، روزے رکھے اور صدقہ دیا اور اس طرح جس قدر ہوسکے گا وہ اپنی نیکیوں کے بارے میں تعریف وتوصیف بیان کرے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم یہیں ٹھہرو! ہم ابھی تمہارے بارے میں گواہ پیدا کیے دیتے ہیں۔ بندہ اپنے دل میں سوچے گا کہ بھلا اس وقت میرے خلاف کون گواہی دے گا لیکن جبھی اس کے منہ کو مہر لگادی جائے گی اور اس کی ران سے کہا جائے گا کہ بول، چنانچہ اس کی ران، اس کا گوشت اور ہڈی اسکے اعمال کے بارے میں بیان دینگے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوگا تاکہ بندہ کی بداعمالیاں ثابت ہوجائیں اور وہ کوئی عذر نہ کرسکے اور یہ تیسرا بندہ درحقیقت منافق ہوگا اور یہ وہ بندہ ہے جس سے حق تعالیٰ غصہ وناراض ہوگا۔ (مسلم) اور حضرت ابوہریرہ کی روایت "یدخل من امتی الجنة" حضرت ابن عباس کی روایت سے توکل کے باب میں ذکر کی جاچکی ہے۔

توضیح: "وهل تضارون" یہ مضارات باب مفاعلہ کا صیغہ ہے جو ضرر کے معنی میں ہے یعنی چاند اور سورج کے دیکھنے میں تم کو ایک دوسرے سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے؟ اگر تکلیف نہیں پہنچتی تو پھر اللہ تعالیٰ کے دیدار میں بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، ایک روایت میں تضامون کے الفاظ ہیں وہ ازدحام اور رش کے معنی میں ہے مراد یہی ضرر اور تکلیف ہے۔

"الا کما تضارون" یعنی ضرر ہی نہیں ہوگا یہ کلام اثبات برائے نفی ہے جس طرح اس شعر میں مدح بصورت ذم ہے:[1]

ولا عیب فیهم غیر ان سیوفهم بهن فلول من قراع الکتائب[2]

"ای فل" یعنی اے فلاں شخص[3] "واذرك ترأس" یعنی میں نے تجھے سردار بنا کر چھوڑا تو سرداری کر رہا تھا۔[4] "وتربع" اور لوگوں سے بطور ٹیکس چوتھائی مال لیتا تھا یہ عرب سرداروں کا دستور تھا۔[5] "ههنا" یعنی تم نے جو اتنے نیک اعمال گنائے ہیں اب ذرا ادھر ہی کھڑے رہو تاکہ تمہیں اپنے دعویٰ کا پتہ چل جائے۔[6] "لیعذر" باب افعال سے ہے ہمزہ سلب مأخذ کے لئے ہے "ای لیزیل الله عذره من قبل نفسه" یعنی تمام گناہوں کو اس کے اپنے اعضاء نے گنادیا جس سے اس شخص کا عذر ختم ہوگیا۔ اور یہی اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کیونکہ یہ شخص منافق کامل تھا۔[7]

الفصل الثانی

امت محمدیہ کے بے حساب لوگ بغیر حساب جنت میں جائیں گے

﴿۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَعَدَنِیْ رَبِّیْ اَنْ يُّدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا لَاحِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَاعَذَابَ مَعَ كُلِّ اَلْفٍ سَبْعُوْنَ اَلْفًا وَّثَلٰثُ حَثَيَاتٍ مِّنْ حَثَيَاتِ رَبِّیْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[8]

[1] المرقات: ۹/۳۹۶ [2] المرقات: ۹/۳۹۷ [3] المرقات: ۹/۳۹۷ [4] المرقات: ۹/۳۹۸
[5] المرقات: ۹/۳۹۸ [6] المرقات: ۹/۳۹۸ [7] المرقات: ۹/۳۹۸ [8] اخرجه احمد: ۵/۲۶۸ والترمذی: ۴/۶۲۶

ترجمہ: حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میری امت سے ستر ہزار لوگوں کو حساب اور عذاب کے بغیر جنت میں داخل کرے گا اور ہر ہزار کے ساتھ مزید ستر ہزار، اور میرے پروردگار کے چلوؤں میں سے تین چلو بھر کر لوگ جنت میں جائیں گے۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: "حثیات" حثیۃ لپ بھر کر دینا یعنی اللہ تعالیٰ تین لپیں بھر کر مزید دیدیگا جب کسی چیز کا عدد معلوم کرنا دشوار ہوجاتا ہے تو اس کو لپوں کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، یہاں بڑا مبالغہ ہے کیونکہ لپیں بھی اللہ کی ہوں گی مایلیق بشانہ تعالیٰ۔[1]

قیامت کے دن اللہ کے سامنے تین پیشیاں ہوں گی

﴿۹﴾ وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْرَضُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثَلٰثَ عَرَضَاتٍ فَاَمَّا عَرْضَتَانِ فَجِدَالٌ وَّمَعَاذِيْرُ وَاَمَّا الْعَرْضَةُ الثَّالِثَةُ فَعِنْدَ ذٰلِكَ تَطِيْرُ الصُّحُفُ فِی الْاَيْدِیْ فَاٰخِذٌ بِيَمِيْنِهٖ وَاٰخِذٌ بِشِمَالِهٖ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ لَا يَصِحُّ هٰذَا الْحَدِيْثُ مِنْ قِبَلِ اَنَّ الْحَسَنَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰى)[2]

ترجمہ: اور حضرت حسن بصری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو تین مرتبہ پیش کیا جائے گا، دومرتبہ تو بحث وجرح اور عذر آرائی ہوگی اور جب تیسری مرتبہ پیش ہوں گے تو اس وقت اعمال نامے اُڑ اُڑ کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے، پس ان میں سے کچھ لوگ اپنے دائیں ہاتھ میں اعمال نامے لیں گے اور کچھ لوگ اپنے بائیں ہاتھوں میں اعمال نامے لیں گے، اس روایت کو امام احمد اور ترمذی نے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ روایت اس اعتبار سے صحیح نہیں ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے حضرت حسن بصری کا سماع ثابت نہیں ہے نیز بعض محدثین نے اس روایت کو حضرت حسن بصری سے اور انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے نقل کیا ہے۔

توضیح: "جدال" یعنی تین پیشیاں ہوں گی دو میں آپس میں جھگڑے ہوں گے کہ ہمیں کسی نبی نے دعوت نہیں دی وغیرہ وغیرہ اور معذریں ہوں گی کہ ہم نے گناہ نہیں کیا، اگر کیا بھی ہے تو فلاں فلاں اشخاص کی وجہ سے کیا ہے، تیسری پیشی میں سب کا نتیجہ تیار ہوکر اُڑنے لگے گا اور جلدی جلدی ہر ایک کو مل جائے گا، کامیاب، کامیاب ہوجائیں گے اور ناکام، ناکام رہ جائیں گے۔[3]

حدیث بطاقۃ اور اللہ کے نام کی برکت

﴿۱۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ سَيُخَلِّصُ

[1] المرقات: ۹/۵۰۰ [2] اخرجه احمد: ۲/۴۱۴ والترمذی: ۴/۶۱۷ [3] المرقات: ۹/۵۰۱

رَجُلًا مِّنْ اُمَّتِیْ عَلٰی رُؤُسِ الْخَلَائِقِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَیَنْشُرُ عَلَیْهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِیْنَ سِجِلًّا کُلُّ سِجِلٍّ مِّثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ یَقُوْلُ اَتُنْکِرُ مِنْ هٰذَا شَیْئًا اَظَلَمَكَ کَتَبَتِیَ الْحَافِظُوْنَ فَیَقُوْلُ لَا یَارَبِّ فَیَقُوْلُ اَفَلَكَ عُذْرٌ قَالَ لَا یَارَبِّ فَیَقُوْلُ بَلٰی اِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَاِنَّهُ لَا ظُلْمَ عَلَیْكَ الْیَوْمَ فَتُخْرَجُ بِطَاقَةٌ فِیْهَا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَیَقُوْلُ اُحْضُرْ وَزْنَكَ فَیَقُوْلُ یَارَبِّ مَا هٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ فَیَقُوْلُ اِنَّكَ لَا تُظْلَمُ قَالَ فَتُوْضَعُ السِّجِلَّاتُ فِیْ کَفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِیْ کَفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ فَلَا یَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللّٰهِ شَیْءٌ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ) [1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک شخص کو تمام مخلوقات کے سامنے طلب کرے گا اور اس کے سامنے ننانوے رجسٹر کھول کر ڈال دے گا جن میں ہر رجسٹر حد نظر تک پھیلا ہوا نظر آئے گا پھر اس شخص سے فرمائے گا کہ ان رجسٹروں میں جو کچھ لکھا ہوا ہے کیا تو اس میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے اور کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میرے لکھنے والوں نے تیرے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے؟ وہ شخص عرض کرے گا کہ میرے پروردگار نہیں۔ پھر پروردگار فرمائے گا کہ کیا تو کوئی عذر رکھتا ہے؟ وہ بندہ عرض کرے گا کہ نہیں، میرے پروردگار! تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہاں ہمارے یہاں تیری ایک نیکی ہے اور یقینا آج کے دن تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوگا، پھر ایک پرچہ نکالا جائے گا جس میں "اشهد ان لا اله الا الله وان محمد عبده ورسوله" لکھا ہوگا اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائے گا کہ جا، اپنے اعمال کے پاس پہنچ جا، وہ بندہ عرض کرے گا کہ میرے پروردگار بھلا اس ایک چھوٹے سے پرچہ کو اتنے بڑے بڑے اور اتنے زیادہ رجسٹروں کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟ پروردگار فرمائے گا کہ یقینا تیرے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا پھر ان رجسٹروں کی پوٹ ترازو کے ایک پلے میں رکھی جائے گی اور اس پرچہ کو دوسرے پلے میں پس وہ رجسٹر ہلکے پڑ جائیں گے اور وہ پرچہ بھاری ہو جائے گا، حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے زیادہ وزن دار کوئی چیز نہیں ہوگی کیونکہ اللہ کا نام سب سے بڑا اور سب سے بھاری ہے (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: یہ حدیث، حدیث بطاقہ کے نام سے مشہور ہے، بطاقہ اس پرچہ کو کہتے ہیں جس میں کلمۂ شہادت لکھا ہوگا جس کو اس شخص نے پڑھا ہوگا اس شخص کے گناہوں کے ۹۹ بنڈل ہوں گے جس کے مقابلہ میں وزن اعمال کے ترازو میں یہ کلمہ بھاری ہو جائے گا اور پڑھنے والا جنت چلا جائے گا۔ [2] "سجلات" بڑے بڑے رجسٹروں اور بنڈلوں کو سجلات کہا گیا ہے یعنی وزن کے بغیر ظلم ہو جائے گا لہٰذا وزن ضرور ہوگا کیونکہ یہاں ظلم نہیں ہے۔ [3] "طاشت" ہلکے ہو کر اوپر کی طرف اُڑ

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۲۳ وابن ماجه: ۲/۱۴۳۵ [2] المرقات: ۶/۵۰۲ [3] المرقات: ۹/۵۰۳

جائیں گے۔ ۱؎ "ثقلت" جس پرچی پر کلمۂ شہادت لکھا ہوگا یا تو صرف یہی پرچی بھاری ہوجائے گی یا اس کے ساتھ دوسرے اعمال بھی ہوں گے مگر بنیادی حیثیت اسی پرچی کی ہوگی، پہلا مفہوم زیادہ واضح ہے۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اعمال متجسد نہیں ہوں گے بلکہ ان کے لکھے ہوئے رجسٹر ترازو میں رکھ کر تولے جائیں گے۔ ۲؎

قیامت کے تین کٹھن مراحل

﴿۱۱﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا ذَكَرَتِ النَّارَ فَبَكَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يُبْكِيْكِ قَالَتْ ذَكَرْتُ النَّارَ فَبَكَيْتُ فَهَلْ تَذْكُرُوْنَ اَهْلِيْكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا فِيْ ثَلَاثَةِ مَوَاطِنَ فَلَا يَذْكُرُ اَحَدٌ اَحَدًا عِنْدَ الْمِيْزَانِ حَتّٰى يَعْلَمَ اَيَخِفُّ مِيْزَانُهٗ اَمْ يَثْقُلُ وَعِنْدَ الْكِتٰبِ حَتّٰى يُقَالَ هَاؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ حَتّٰى يَعْلَمَ اَيْنَ يَقَعُ كِتَابُهٗ اَفِيْ يَمِيْنِهٖ اَمْ فِيْ شِمَالِهٖ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِهٖ وَعِنْدَ الصِّرَاطِ اِذَا وُضِعَ بَيْنَ ظَهْرَيْ جَهَنَّمَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) ۳؎

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ دوزخ کی آگ کا خیال کر کے رونے لگیں، رسول کریم ﷺ نے پوچھا کہ یہ تمہیں کیا ہوا کیوں رو رہی ہو؟ انہوں نے کہا کہ مجھے دوزخ کی آگ کا خیال آ گیا تھا، اس لئے رونے لگی، پس کیا آپ قیامت کے دن اپنے اہل وعیال کو بھی یاد رکھیں گے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ صورت حال یہ ہے کہ اس دن تین موقعے ایسے ہوں گے کہ وہاں کسی کو کسی کا خیال نہیں ہوگا، ایک موقع تو وہ ہوگا جب میزان سامنے ہوگا تا آنکہ یہ معلوم نہ ہوجائے کہ اس کا میزان بھاری رہا یا ہلکا تب تک ہر شخص اپنی اپنی فکر میں سرگرداں رہے گا، دوسرا موقع وہ ہوگا جب اعمال نامے حوالے کیے جائیں گے یہاں تک کہ یہ نہ کہا جانے لگے کہ آؤ میرے اعمال نامہ پڑھو اور جب تک کہ یہ معلوم نہ ہوجائے کہ پیٹھ کے پیچھے سے اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا گیا ہے یا بائیں ہاتھ میں دیا گیا ہے۔ اور تیسرا موقع وہ ہوگا جب لوگ پل صراط کے قریب ہوں گے جب کہ پل صراط جہنم کی پشت پر رکھا جائے گا۔ (ابوداؤد)

الفصل الثالث

بڑے چھوٹے اور آقا وغلام کے درمیان بھی حساب ہوگا

﴿۱۲﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَآءَ رَجُلٌ فَقَعَدَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّ لِيْ مَمْلُوْكِيْنَ يُكَذِّبُوْنَنِيْ وَيَخُوْنُوْنَنِيْ وَيَعْصُوْنَنِيْ وَاَشْتِمُهُمْ وَاَضْرِبُهُمْ فَكَيْفَ اَنَا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يُحْسَبُ مَا خَانُوْكَ وَعَصَوْكَ

۱؎ المرقات: ۹/۵۰۳ ۲؎ المرقات: ۹/۵۰۳ ۳؎ اخرجه ابوداؤد: ۴/۲۲۱

وَ كَذَّبُوكَ وَعِقَابُكَ اِيَّاهُمْ فَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوبِهِمْ كَانَ كَفَافًا لَّكَ وَلَا عَلَيْكَ وَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ دُونَ ذَنْبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَّكَ وَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوبِهِمْ اُقْتُصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلُ فَتَنَحَّى الرَّجُلُ وَجَعَلَ يَهْتِفُ وَيَبْكِيْ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا تَقْرَأُ قَوْلَ اللهِ تَعَالٰى وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَارَسُولَ اللهِ مَا اَجِدُ لِيْ وَلِهٰؤُلَاءِ شَيْئًا خَيْرًا مِّنْ مُّفَارَقَتِهِمْ اُشْهِدُكَ اَنَّهُمْ كُلَّهُمْ اَحْرَارٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: ام المومنین عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آکر بیٹھ گیا اور عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، میرے مال میں خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں، چنانچہ میں ان کو برا بھلا کہتا ہوں اور ان کو مارتا ہوں تو ان کی وجہ سے قیامت کے دن میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ آپ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا اور ہر شخص کے ایک ایک عمل اور ایک ایک چیز کی پوچھ تاچھ ہوگی تو ان غلاموں نے تمہارے مال میں جو خیانت کی ہوگی، تمہاری جو نافرمانی کی ہوگی اور تمہارے ساتھ جو جھوٹ بولا ہوگا ان سب کا حساب ہوگا، اسی طرح تم نے ان کو جو کچھ سزا دی ہوگی اس کا بھی حساب ہوگا، پس اگر تمہاری دی ہوئی سزا ان کے جرائم کے بقدر ثابت ہوئی تو تمہارا معاملہ برابر سرابر رہے گا اور جو تم نے ان کو سزا دی ہوگی وہ اگر ان کے جرائم سے کم ثابت ہوگی تو وہ تمہارا زائد حق ہوگا اور اگر تمہاری دی ہوئی سزا ان کے جرائم سے زیادہ ہوگی تو پھر ان کے لئے تم سے اس زیادتی کا بدلہ لیا جائیگا وہ شخص الگ جا بیٹھا اور رونے چلانے لگا پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھتے ہو کہ ﴿ونضع الموازین القسط الخ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اور قیامت کے دن ہم عدل وانصاف کی میزان کھڑی کریں گے پس کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر (کسی کا) عمل رائی کے دانہ کے برابر ہوگا تو ہم اس کو حاضر کریں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں" اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے اور ان غلاموں کے حق میں ان کی جدائی سے بہتر اور کوئی بات نہیں جانتا لہٰذا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ سب غلام آزاد ہیں۔ (ترمذی)

آسان حساب اور سخت حساب کا مطلب

﴿۱۳﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِيْ بَعْضِ صَلَاتِهِ اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ مَا الْحِسَابُ الْيَسِيْرُ قَالَ اَنْ يَّنْظُرَ فِيْ كِتَابِهِ فَيَتَجَاوَزَ عَنْهُ اِنَّهُ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ يَوْمَئِذٍ يَا عَائِشَةُ هَلَكَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)[2]

---

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۳۲۰ [2] اخرجه احمد: ۶/۴۸

ترجمہ: اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو بعض نماز میں یہ دعا مانگتے سنا کہ "**اللھم حاسبنی حسابا یسیرا**" یا اللہ میرے اعمال کا آسان حساب لیجیو! میں نے عرض کیا کہ اے خدا کے نبی! آسان حساب کا کیا مطلب ہے اور اس کی کیا صورت ہوگی؟ آپ نے فرمایا آسان حساب کی یہ صورت ہوگی کہ بندہ اپنے اعمال نامے کو دیکھ لے گا اور پھر اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمادے گا اے عائشہ! حقیقت یہ ہے کہ اس دن جس شخص کے حساب میں مناقشہ یعنی کرو کاوش کی گئی تو (بس سمجھ لو کہ) وہ برباد ہوگیا۔ (احمد)

قیامت کا دن مؤمن کے لئے مختصر ہوگا

﴿۱۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّهٗ اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَخْبِرْنِیْ مَنْ یَّقْوٰی عَلَی الْقِیَامِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ الَّذِیْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ فَقَالَ یُخَفَّفُ عَلَی الْمُؤْمِنِ حَتّٰی یَکُوْنَ عَلَیْهِ کَالصَّلٰوةِ الْمَکْتُوْبَةِ۔[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ مجھے یہ تو بتایئے! قیامت کے دن جس کے بارے میں خدائے بزرگ و برتر فرماتا ہے ﴿**یوم یقوم الناس لرب العلمین**﴾ جس دن کہ تمام لوگ جہان کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے کس شخص کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کی تاب ہوگی؟ آپ نے فرمایا قیامت کا دن مؤمن کے لئے آسان کردیا جائے گا یہاں تک کہ وہ دن اس پر فرض نماز کے بقدر رہ جائیگا۔

توضیح: "یخفف" قیامت کے دن کا لمبا اور مختصر ہونا اور یہ تخفیف لوگوں کے مختلف احوال کی وجہ سے ہوگا بعض لوگوں پر یہ تخفیف کَم اور کَیف دونوں اعتبار سے ہوگی یعنی واقعۃً اوقات مختصر بھی ہوجائیں گے اور یہ شخص اس کو مختصر بھی محسوس کرے گا بعض کے لئے اس دن کے اوقات تو مختصر نہیں کئے جائیں گے، دن لمبا ہی ہوگا مگر وہ شخص اس کو مختصر محسوس کرے گا جس طرح آدمی جب راحت میں ہوتا ہے تو اوقات مختصر لگتے ہیں گویا یہ دن کیف میں مختصر ہے اور کم میں مختصر نہیں ہے اور بعض پر کم میں مختصر ہوگا کیف میں لمبا ہوگا یعنی عذاب کی وجہ سے اس کو انتہائی لمبا محسوس کرے گا ورنہ اصل کے اعتبار سے یہ دن پچاس ہزار سال کا ہے جیسے قرآن میں ہے: ﴿**فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنة**﴾[۲] ایک ہزار سال کا ذکر بھی ہے بہرحال مختلف احوال اور مختلف اعمال کی وجہ سے اس دن میں اختلاف ہوگا۔

﴿۱۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ یَّوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ

[۱] اخرجه البیهقی [۲] معارج ۴

سَنَةٍ مَا طُوْلُ هٰذَا الْيَوْمِ فَقَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ إِنَّهٗ لَيُخَفَّفُ عَلَى الْمُؤْمِنِ حَتّٰى يَكُوْنَ أَهْوَنَ عَلَيْهِ مِنَ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ يُصَلِّيْهَا فِي الدُّنْيَا۔ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے اس دن کے بارے میں پوچھا گیا جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا کہ اس کی درازی کیا ہوگی؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ دن کامل مسلمان پر آسان اور ہلکا کردیا جائے گا یہاں تک کہ وہ دن اس فرض نماز سے بھی زیادہ آسان اور ہلکا ہوجائے گا جس کو وہ دنیا میں پڑھتا تھا۔ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں نقل کیا ہے۔

وزن اعمال کی بحث

﴿۱۶﴾ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُحْشَرُ النَّاسُ فِيْ صَعِيْدٍ وَّاحِدٍ يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ فَيَقُوْلُ أَيْنَ الَّذِيْنَ كَانَتْ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ فَيَقُوْمُوْنَ وَهُمْ قَلِيْلٌ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ ثُمَّ يُؤْمَرُ لِسَائِرِ النَّاسِ إِلَى الْحِسَابِ۔
(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[2]

ترجمہ: اور اسماء بنت یزید رسول کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو ایک فراخ وہموار میدان میں جمع کیا جائے گا پھر ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو بستروں اور خوابگاہوں سے جدا رہتے تھے؟ اہل محشر میں سے بہت تھوڑے لوگ اٹھیں گے اور حساب کتاب کے بغیر جنت میں چلے جائیں گے، باقی لوگوں سے حساب لینے کا حکم دیا جائے گا۔اس روایت کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح: "الی الحساب" اس باب کی گذشتہ احادیث میں حساب کتاب اور وزن اعمال کا جو بیان ہوا ہے اس کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وزن اعمال کی طرف آخر میں کچھ اشارہ ہوجائے چنانچہ اس باب کی احادیث کے پیش نظر ہر مسلمان پر ایک تو یہ عقیدہ رکھنا لازم ہوجاتا ہے کہ قیامت میں حساب کتاب ہے دوسرا یہ ماننا لازم آتا ہے کہ جہنم کی پشت پر ایک پل ہے جس پر سے تمام انسانوں کو گذرنا ہوگا یہ پل تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے مگر مؤمن کے لئے آسان ہے تیسرا یہ عقیدہ رکھنا لازم آتا ہے کہ میدان محشر میں ایک ترازو ہے جس پر اعمال تولے جائیں گے۔معتزلہ وخوارج اور مرجئہ نے اس میزان کا انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اعمال، اعراض ہیں اور اعراض قائم

[1] اخرجه البيهقي: [2] اخرجه البيهقي:

بالغیر ہوتے ہیں ان کا الگ وجود نہیں ہوتا لہٰذا اعمال کا تولنا فضول بات ہے باقی وزن اعمال سے وہاں عدل وانصاف مراد ہے ترازو مراد نہیں ہے۔

علماء نے جواب دیا ہے کہ قرآن وحدیث میں ترازو کا ذکر ہے اس کا انکار کرنا گمراہی ہے باقی اعمال اگر اعراض ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو وجود دے سکتا ہے، وہ متجسد ہوجائیں گے یا مراد یہ ہے کہ اعمال والے کو تولا جائے گا جس طرح بعض احادیث میں ہے یا اعمال کے رجسٹر تولے جائیں گے جیسا کہ حدیث البطاقۃ میں ہے، ویسے یہ پرانے زمانے کے جوابات ہیں۔ آج کل کمپیوٹر کے اس دور میں یہ اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ اب تو اعراض تولے جاتے ہیں، ہر چیز کے لئے الگ ترازو ہے جو اس کے مناسب ہے ترازو سے یہاں کوئی گز تولنے والا ترازو تو مراد نہیں ہے اگر اعراض ہیں تو اعراض کے تولنے کا بھی ایک ترازو ہے، دیکھئے! تھرمامیٹر کے ذریعہ سے بخار تولا جاتا ہے، آج کل نظر تولی جاتی ہے، سماعت تولی جاتی ہے، جسم کے اندر شوگر وغیرہ تولا جاتا ہے، جہاز میں ایسے آلات ہیں جن سے ارتفاع وانخفاض تولا جاتا ہے، بُعد مسافت اور قرب مسافت کو تولا جاتا ہے، گرمی اور سردی تولی جاتی ہے اگر ایک انسان اتنا آگے جاسکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ اعراض کو تُلوادے، خوارج اور معتزلہ بیکار قسم کے لوگ گذرے ہیں۔ اور مرجئہ تو عمل کے لوگ نہیں ان کو میزان اور وزن اعمال سے کیا کام ہے۔

باب الحوض والشفاعة

حوض کوثر اور شفاعت کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿انا اعطینٰک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک ھو الابتر﴾ ۱؎

"الحوض" سے یہاں حوض کوثر مراد ہے اس کی عجیب صفت اور عجیب حقیقت اس باب کی احادیث میں بیان کی گئی ہے میدان محشر میں دیگر انبیاء کرام کے حوض بھی ہوں گے جس سے وہ اپنے فرمانبردار امتیوں کو پانی پلائیں گے مگر ہمارے پیارے پیغمبر محمد الرسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ جو حوض عطا فرمائے گا وہ سب سے بڑا بھی ہوگا اور اس پر ازدحام بھی زیادہ ہوگا جس نبی کے فرمانبردار زیادہ ہوں گے ان کو حوض بھی بڑا دیا جائے گا، ہر نبی کے حوض پر صرف اس کے اپنے فرمانبردار امتی ہی حاضر ہوسکیں گے۔ قیامت کے دن جب لوگ قبروں سے اُٹھیں گے اور محشر آئیں گے، اس وقت سخت پیاس لگی ہوئی ہوگی حضور اکرم ﷺ کے امتی ان کے حوض پر آئیں گے اور حضور اکرم ﷺ ان کو کوثر کا پانی اپنے ہاتھ سے پلائیں گے، دائیں جانب صدیق اکبر کھڑے ہوں گے اور بائیں جانب عمر فاروق ہوں گے درمیان میں نبی مکرم جلوہ افروز ہوں گے اور پانی پلائیں گے، یہ حوض کوثر میدان محشر کا ہوگا دوسرا حوض کوثر آنحضرت کو جنت میں ملے گا جس کا پانی نہر کی صورت میں جنتی کے گھر میں جاری رہے گا، کفار اور بدعقیدہ لوگ حوض کوثر کے پاس نہیں آسکیں گے۔

"الشفاعة" شفاعت، سفارش کے معنی میں ہے یہاں شفاعت کا مفہوم اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کے گناہوں کی معافی کی سفارش کرنا، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کافر کی سفارش نہیں ہوسکتی اور نہ یہ سفارش قبول ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ شفاعت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ضروری ہے اجازت کے بغیر کوئی کسی کی شفاعت نہیں کرسکتا، کفار قریش بتوں کے لئے جس شفاعت کو ثابت کرنا چاہتے تھے وہ شفاعت قہر یہ اور شفاعت غالبہ تھی جس کی سختی سے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نفی فرمائی ہے لیکن اس سے جائز شفاعت کی نفی نہیں ہوتی۔

شفاعت کی قسمیں:

شفاعت کی بڑی دو قسمیں ہیں ایک شفاعت کبریٰ ہے اور دوسری شفاعت صغریٰ ہے۔ شفاعت کبریٰ کا تعلق تمام انسانوں سے ہے آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ سے فرمائیں گے کہ میدان محشر میں لوگ تنگ ہو چکے ہیں ان کا حساب وکتاب شروع کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ مقام محمود میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ لگائیں گے اور عجیب محامد بیان کریں گے اللہ تعالیٰ اعلان فرمائے گا کہ سجدہ سے سر اُٹھالو مانگ لو دیا جائے گا، شفاعت کرو شفاعت قبول کی جائے گی، اس پر آنحضرت ﷺ

۱؎ الکوثر: ۱ تا ۳

فرمائیں گے کہ اے اللہ! حساب کتاب شروع کردیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم جاؤ میں آرہا ہوں! اس طرح شفاعت کبریٰ کا مرحلہ مکمل ہوجائے گا۔ اس کے ساتھ پھر آنحضرت ﷺ اپنی امت کے بارے میں شفاعت صغریٰ شروع فرمائیں گے اس کی بہت ساری قسمیں ہیں مگر سب شفاعت صغریٰ ہی کی صورتیں ہیں، شفاعت صغری دیگر انبیاء اور فرشتے بھی کریں گے، علماء، اولیاء اور شہداء بھی کریں گے۔ شفاعت کی اہمیت اور اس کی قدروقیمت اس وقت معلوم ہوتی ہے جب آدمی کسی مشکل کا سامنا کررہا ہوتا ہے اور سفارش آجاتی ہے مشکل سے آدمی نکل جاتا ہے مثلاً بین الاقوامی کسی ایئرپورٹ پر کوئی پھنس جائے اور بری طرح پھنس جائے مگر ملک کے بادشاہ یا گورنر و وزیر کا آدمی آجائے اور مصیبت زدہ کو ہاتھ سے پکڑ کر اعزاز کے ساتھ گھر لے جائے اور کہہ دے کہ یہ فلاں کا آدمی ہے اسی طرح جب محشر میں آنحضرت کی سفارش آئے گی پھر معلوم ہوگا کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ "رزقنا الله شفاعة نبينا الكريم"۔

حوض کوثر کے احوال

﴿۱﴾ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَنَا اَسِيْرُ فِي الْجَنَّةِ اِذَا اَنَا بِنَهَرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ الدُّرِّ الْمُجَوَّفِ قُلْتُ مَا هٰذَا يَا جِبْرَئِيْلُ قَالَ هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِيْ اَعْطَاكَ رَبُّكَ فَاِذَا طِيْنُهُ مِسْكٌ اَذْفَرُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں جنت کی سیر کررہا تھا کہ اچانک میرا گزر ایک نہر پر ہوا جس کے دونوں طرف موتیوں کے گنبد تھے میں نے پوچھا کہ جبرئیل یہ کیا ہے انہوں نے کہا کہ یہ حوض کوثر ہے جو آپ کو آپ کے پروردگار نے عطا کیا ہے، پھر جو میں نے دیکھا تو اس کی مٹی مثل مشک تیز خوشبودار تھی۔ (بخاری)

توضیح: "حافتاه" ای جانباه وطرفاه نہر کے دو کنارے اور جانب مراد ہیں۔[۲] "قباب" یہ جمع ہے اس کا مفرد قبۃ ہے جو گنبد کو کہتے ہیں۔[۳] "الدر" موتی کو کہتے ہیں۔[۴] "المجوف" جوف پیٹ کو کہتے ہیں یہاں اس موتی کو کہا گیا ہے جو اندر سے خالی ہو، خیمہ کی طرح گول عمارت ہو یعنی حوض کوثر کی نہر کے کناروں پر موتیوں کے ایسے گنبد بنے ہوں گے جن کے اندر رہائش اور آسائش کا سارا سامان موجود ہوگا۔[۵] "مسك اذفر" یعنی ایسا مشک وعنبر ہوگا جس کی خوشبو شدید ترین ہوگی یہ اس حوض کی مٹی کی صفت بیان کی گئی ہے۔[۶]

﴿۲﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَوْضِيْ مَسِيْرَةُ شَهْرٍ وَزَوَايَاهُ سَوَآءٌ وَمَآؤُهٗ اَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ وَرِيْحُهٗ اَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ وَكِيْزَانُهٗ كَنُجُوْمِ السَّمَآءِ

[۱] اخرجه البخاری: ۸/۱۴۹ [۲] المرقات: ۹/۵۰۹ [۳] المرقات: ۹/۵۰۹
[۴] المرقات: ۹/۵۰۹ [۵] المرقات: ۹/۵۰۹ [۶] المرقات: ۹/۵۱۰

مَنْ يَّشْرَبُ مِنْهَا فَلَا يَظْمَأُ اَبَدًا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میرا حوض یعنی حوض کوثر ایک ماہ کی مسافت کے بقدر دراز ہے اور اس کے چاروں کنارے برابر ہیں اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی بُو مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور اس کے آب خورے آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں اور جو شخص اس کا پانی پی لے گا اس کو پھر کبھی پیاس نہ لگے گی۔
(بخاری ومسلم)

﴿۳﴾وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ حَوْضِيْ اَبْعَدُمِنْ اَيْلَةَ مِنْ عَدْنٍ لَهُوَاَشَدُّبَيَاضًامِّنَ الثَّلْجِ وَاَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ بِاللَّبَنِ وَلَاٰنِيَتُهٗ اَكْثَرُمِنْ عَدَدِالنُّجُوْمِ وَاِنِّيْ لَاَصُدُّالنَّاسَ عَنْهُ كَمَايَصُدُّالرَّجُلُ اِبِلَ النَّاسِ عَنْ حَوْضِهٖ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَعْرِفُنَا يَوْمَئِذٍ قَالَ نَعَمْ لَكُمْ سِيْمَآءٌلَيْسَتْ لِاَحَدٍمِّنَ الْاُمَمِ تَرِدُوْنَ عَلَيَّ غُرًّامُّحَجَّلِيْنَ مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ عَنْ اَنَسٍ قَالَ تُرٰى فِيْهِ اَبَارِيْقُ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ كَعَدَدِ نُجُوْمِ السَّمَآءِ وَفِيْ اُخْرٰى لَهٗ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ سُئِلَ عَنْ شَرَابِهٖ فَقَالَ اَشَدُّ بَيَاضًامِّنَ اللَّبَنِ وَاَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ يَغُتُّ فِيْهِ مِيْزَابَانِ يَمُدَّانِهٖ مِنَ الْجَنَّةِ اَحَدُهُمَا مِنْ ذَهَبٍ وَّالْاٰخَرُ مِنْ وَرِقٍ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میرے حوض کے دونوں سروں کے درمیان کا فاصلہ ایلہ اور عدن کے درمیانی فاصلہ سے بھی زیادہ ہے اور بلاشبہ اس حوض کا پانی برف سے بھی زیادہ سفید اور شہد سے بھی زیادہ شیریں ہے جس میں دودھ ملا ہوا ہو اور اس کے آبخورے آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہیں اور یقینا میں دوسری امتوں کے لوگوں کو اس حوض پر آنے سے اس طرح روکوں گا اور بھگاؤں گا جس طرح کوئی شخص غیر لوگوں کے اونٹوں کو اپنے حوض پر آنے سے روکتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ ہمیں پہچان لیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں میں تمہیں پہچان لوں گا دراصل تمہاری ایک خاص علامت ہوگی جس سے دوسری امت کے لوگ محروم ہوں گے اور وہ علامت یہ ہوگی کہ جب تم میری طرف آ ؤ گے تو اس وقت تمہاری پیشانیاں اور تمہارے ہاتھ پاؤں وضو کی نورانیت کے سبب روشن اور چمکدار ہوں گے۔ (مسلم) اور مسلم کی ایک اور روایت میں جو حضرت انس سے منقول ہے یوں ہے کہ آپ نے فرمایا اس حوض میں سونے چاندی کے آبخورے ہوں گے جو تعداد کے اعتبار سے آسمان کی ستاروں کی طرح دکھائی دیں گے۔ اور مسلم ہی کی ایک اور روایت میں حضرت ثوبان سے یوں منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ سے اس حوض کے پانی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے، اس حوض کو لبریز رکھنے کے لئے اس میں دو زوردار پرنالے گرتے ہیں جو جنت

[1] اخرجه البخاري: ۸/۱۳۹ ومسلم: ۷/۶۶ [2] اخرجه مسلم: ۷/۶۶

سے آتے ہیں ان میں ایک پرنالہ سونے کا ہے اور دوسرا چاندی کا۔

توضیح: "ایلۃ" ملک شام میں ایک شہر کا نام ہے جو ساحل میں واقع ہے اور آج کل اسرائیل کے قبضہ میں ہے جس کا جدید بگڑا ہوا نام ایلات ہے، بحر احمر یعنی بحیرۂ قلزم کے شمالی سرے پر واقع ہے [۱] "الی عدن" عدن بحر احمر کے جنوبی سرے پر واقع ہے یہ ایک مشہور جزیرہ نما شہر کا نام ہے جو کسی زمانہ میں یمن کی بندرگاہ تھا۔ "اصد" روکنے کے معنی میں ہے اور [۲] "الناس" سے مراد دوسری امتوں کے لوگ ہیں۔

"غراً" روشن "محجلین" حیوان کے ہاتھ پاؤں پر جو سفید نشان ہوتے ہیں اس کو تحجیل کہتے ہیں یہاں وضو کے اعضا کی چمک دمک مراد ہے۔ [۳] "یغت" فریفر اور مدیمد دونوں کے وزن پر پڑھا جاتا ہے یعنی زوردار انداز سے تیزی کے ساتھ اس حوض میں دو پرنالے جنت سے آگریں گے اور یہ گرنا مسلسل ہوگا۔ [۴] "من ذھب" سونے اور چاندی سے پانی کی زینت کی طرف اشارہ ہے یا ہوسکتا ہے کہ پرنالوں کا رنگ بیان کیا گیا ہو کہ شہد کا پرنالہ سونے کا اور دودھ کا پرنالہ چاندی کا ہوگا۔ [۵]

بدعقیدہ مرتدین کو حوض کوثر سے دور رکھا جائے گا

﴿۴﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُوْنَنِيْ ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَأَقُوْلُ إِنَّهُمْ مِنِّيْ فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَأَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۶]

ترجمہ: اور حضرت سہل بن سعد کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں حوض کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں گا جو شخص بھی میرے پاس سے گزرے گا وہ اس حوض کوثر کا پانی پیئے گا اور جو شخص بھی اس کا پانی پی لے گا وہ کبھی پیاسا نہیں رہے گا وہاں میرے پاس کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے جنہیں میں پہچان لوں گا اور وہ مجھے پہچان لیں گے لیکن پھر میرے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل کردی جائے گی میں کہوں گا کہ یہ لوگ تو میرے اپنے ہیں؟ اس کے جواب میں مجھے بتایا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی باتیں پیدا کیں ہیں۔ میں کہوں گا کہ وہ لوگ دور ہوں مجھ سے دور ہوں خدا کی رحمت سے، جنہوں نے میری وفات کے بعد دین و سنت میں تبدیلی کی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "فرطکم" فرط پیش رو کو کہتے ہیں یعنی وہ شخص جو فوج سے پہلے جا کر منزل کو درست کرتا ہے۔ [۷] "لم

[۱] المرقات: ۹/۵۱۰ [۲] المرقات: ۹/۵۱۰، ۵۱۱ [۳] المرقات: ۹/۵۱۱ [۴] المرقات: ۹/۵۱۲
[۵] المرقات: ۹/۵۱۲ [۶] اخرجه البخاری: ۸/۱۴۹ ومسلم: ۷/۶۵ [۷] المرقات: ۹/۵۱۳

يظمأ ابداً" ایک خلجان دل میں یہ گذرتا ہے کہ جب حوض کوثر کے پانی سے ہمیشہ کے لئے پیاس ختم ہوجائے گی تو پھر جنت میں پانی کی نہر یا شہد یا دودھ یا شراب کی نہر کی کیا ضرورت ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حوض کوثر کے پانی سے پیاس ختم ہوجائے گی آئندہ جو پانی ہوگا وہ شاید صرف لذت کے حصول کے لئے ہوگا، بطور لذت اہل جنت پئیں گے۔ [1] **"ما احدثوا"** ایک احتمال یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو آنحضرت کے زمانہ میں اسلام لائے تھے پھر آپ کی وفات کے بعد مرتد ہوگئے ان کو حوض کوثر سے روکا جائے گا، دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد وہ بدعتی لوگ ہیں جو بدعت مکفرہ میں مبتلا ہوگئے تھے۔ [2] **"سحقاً"** تاکید کے لئے مکرر لایا ہے یعنی ہلاکت ہو اس کے لئے ہلاکت ہو۔ [3]

شفاعت کبریٰ کا تفصیلی بیان

﴿۵﴾وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُحْبَسُ الْمُؤْمِنُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُهَمُّوْا بِذٰلِكَ فَيَقُوْلُوْنَ لَوِاسْتَشْفَعْنَا اِلٰى رَبِّنَا فَيُرِيْحُنَا مِنْ مَّكَانِنَا فَيَأْتُوْنَ آدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ اَنْتَ آدَمُ اَبُو النَّاسِ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ وَاَسْكَنَكَ جَنَّتَهٗ وَاَسْجَدَ لَكَ مَلٰئِكَتَهٗ وَعَلَّمَكَ اَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ حَتّٰى يُرِيْحَنَا مِنْ مَّكَانِنَا هٰذَا فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ اَصَابَ اَكْلَهٗ مِنَ الشَّجَرَةِ وَقَدْ نُهِيَ عَنْهَا وَلٰكِنِ ائْتُوْا نُوْحًا اَوَّلَ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ اِلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ فَيَأْتُوْنَ نُوْحًا فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ اَصَابَ سُؤَالَهٗ رَبَّهٗ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلٰكِنِ ائْتُوْا اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلَ الرَّحْمٰنِ قَالَ فَيَأْتُوْنَ اِبْرَاهِيْمَ فَيَقُوْلُ اِنِّيْ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ ثَلٰثَ كَلِبَاتٍ كَذَبَهُنَّ وَلٰكِنِ ائْتُوْا مُوْسٰى عَبْدًا اٰتَاهُ اللّٰهُ التَّوْرَاةَ وَكَلَّمَهٗ وَقَرَّبَهٗ نَجِيًّا قَالَ فَيَأْتُوْنَ مُوْسٰى فَيَقُوْلُ اِنِّيْ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ اَصَابَ قَتْلَهُ النَّفْسَ وَلٰكِنِ ائْتُوْا عِيْسٰى عَبْدَ اللّٰهِ وَرَسُوْلَهٗ وَرُوْحَ اللّٰهِ وَكَلِمَتَهٗ قَالَ فَيَأْتُوْنَ عِيْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَلٰكِنِ ائْتُوْا مُحَمَّدًا عَبْدًا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ فَيَأْتُوْنِّيْ فَاَسْتَأْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فِيْ دَارِهٖ فَيُؤْذَنُ لِيْ عَلَيْهِ فَاِذَا رَأَيْتُهٗ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِيْ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّدَعَنِيْ فَيَقُوْلُ اِرْفَعْ مُحَمَّدُ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَهْ قَالَ فَاَرْفَعُ رَأْسِيْ فَاُثْنِيْ عَلٰى رَبِّيْ بِثَنَاءٍ وَّتَحْمِيْدٍ يُعَلِّمُنِيْهِ ثُمَّ اَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِيْ حَدًّا فَاُخْرِجُهُمْ مِّنَ النَّارِ وَاُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ اَعُوْدُ الثَّانِيَةَ فَاَسْتَأْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فِيْ دَارِهٖ فَيُؤْذَنُ لِيْ عَلَيْهِ فَاِذَا رَأَيْتُهٗ

[1] المرقات: ۹/۵۱۳ [2] المرقات: ۹/۵۱۳ [3] المرقات: ۹/۵۱۳

وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِيْ مَاشَآءَ اللهُ اَنْ يَّدَعَنِيْ ثُمَّ يَقُوْلُ ارْفَعْ مُحَمَّدُ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَهْ قَالَ فَارْفَعُ رَأْسِيْ فَأُثْنِيْ عَلٰى رَبِّيْ بِثَنَاءٍ وَّتَحْمِيْدٍ يُعَلِّمُنِيْهِ ثُمَّ اَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِيْ حَدًّا فَاَخْرُجُ فَأُخْرِجُهُمْ مِّنَ النَّارِ وَاُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ اَعُوْدُ الثَّالِثَةَ فَاَسْتَأْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فِيْ دَارِهٖ فَيُؤْذَنُ لِيْ عَلَيْهِ فَاِذَا رَأَيْتُهٗ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِيْ مَاشَآءَ اللهُ اَنْ يَّدَعَنِيْ ثُمَّ يَقُوْلُ ارْفَعْ مُحَمَّدُ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَهْ قَالَ فَارْفَعُ رَأْسِيْ فَأُثْنِيْ عَلٰى رَبِّيْ بِثَنَاءٍ وَّتَحْمِيْدٍ يُعَلِّمُنِيْهِ ثُمَّ اَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِيْ حَدًّا فَاَخْرُجُ فَأُخْرِجُهُمْ مِّنَ النَّارِ وَاُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ حَتّٰى مَا يَبْقٰى فِي النَّارِ اِلَّا مَنْ قَدْ حَبَسَهُ الْقُرْاٰنُ اَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُوْدُ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا قَالَ وَهٰذَا الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ الَّذِيْ وَعَدَهٗ نَبِيُّكُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مؤمنین کو میدان حشر میں روک دیا جائے گا یہاں تک کہ سارے لوگ اس کی وجہ سے سخت فکر وتردد میں پڑ جائیں گے پھر وہ آپس میں تذکرہ کریں گے کہ کاش! ہمیں کوئی ایسا شخص مل جاتا جو ہمارے پروردگار سے ہماری شفاعت کرتا اور ہمیں اس سختی و پریشانی سے چھٹکارا دلاتا پس وہ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ آپ آدم ہیں تمام لوگوں کے باپ ہیں آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، آپ کو جنت کی سکونت عطا فرمائی، اپنے فرشتوں سے سجدہ آپ کو کرایا اور آپ کو ہر چیز کے نام سکھائے، براہ کرم! آپ اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کر دیجئے کہ وہ ہم کو اس جگہ سے نکال کر راحت واطمینان بخشے، حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے کہ میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام اپنی اس لغزش کا ذکر کریں گے جو انہوں نے درخت کھانے کی صورت میں کی تھی درآنحالیکہ ان کو اس درخت کے قریب جانے سے بھی منع کر دیا گیا تھا، تم لوگوں کو نوح علیہ السلام کے پاس جانا چاہئے کیونکہ وہ پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا تھا، وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے حضرت نوح علیہ السلام جواب دیں گے کہ میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں اور وہ اپنی اس لغزش کا ذکر کریں گے جو انہوں نے بے جانے بوجھے اللہ تعالیٰ سے اپنے بیٹے کو غرق ہونے سے بچا لینے کی درخواست کرنے کی صورت میں کی تھی، تم لوگوں کو ابراہیم علیہ السلام کے پاس جو اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں جانا چاہئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ ابراہیم خلیل اللہ کے پاس آئیں گے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جواب دیں گے کہ میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں اور وہ دنیا میں تین مرتبہ اپنے جھوٹ بولنے کا ذکر کریں گے، تم لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو خدا کے ایسے بندے ہیں جن کو خدا نے توریت عطا کی اور بنی اسرائیل کے تمام انبیاء کو ان کا تابع بنایا اور جن کو خدا نے براہ راست اپنی ہمکلامی کے شرف سے نوازا اور ان کو اپنا کمال قرب عطا فرما کر اپنا محرم اسرار بنایا۔ آنحضرت نے فرمایا وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام

[1] اخرجه البخاري: ٦/٢١ ومسلم: ١/١٢٥

کے پاس آئیں گے، موسیٰ علیہ السلام ان کو جواب دیں گے کہ میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں اور وہ اپنی اس لغزش کا ذکر کریں گے جو ایک قبطی کو قتل کرنے کی صورت میں سرزد ہو گئی تھی۔ پھر وہ مشورہ دیں گے کہ تمہیں عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا چاہئے جو خدا کے بندے اور رسول ہیں، وہ سراسر روحانی ہیں اور وہ اللہ کا کلمہ ہیں، آنحضرت نے فرمایا وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے حضرت عیسیٰ جواب دیں گے کہ میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں البتہ تم لوگ محمد ﷺ کے پاس جاؤ جو خدا کے ایسے بندے ہیں جن کے اگلے پچھلے سارے گناہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیئے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا تب لوگ میرے پاس آئیں گے اور میں دربار رب العزت پہنچ کر اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا اللہ تعالیٰ مجھے اپنی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت مرحمت فرمائے گا، میں جب اس کے حضور میں پہنچ کر اس کو دیکھوں گا تو اس کی ہیبت وخوف کے مارے اور اس کی تعظیم کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑوں گا اور اللہ تعالیٰ جتنا عرصہ مناسب سمجھے گا اتنے عرصہ کے لئے مجھے سجدے میں پڑا رہنے دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ محمد! سر اٹھاؤ جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو تمہاری بات سنی جائے گی، تم شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی اور جو چاہتے ہو مانگو میں تمہیں دوں گا۔ آنحضرت نے فرمایا میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اس حمد وتعریف کے ساتھ کہ جو پروردگار مجھے سکھلائے گا اس کی حمد وثنا بیان کروں گا، پھر میں شفاعت کرونگا اور میرے شفاعت کی ایک حد مقرر کردی جائے گی، اس کے بعد میں باہر آؤں گا اور اس جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کراؤں گا پھر میں دوبارہ دربار رب العزت پر حاضر ہو کر اس کی خدمت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کرونگا مجھے اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت عطا کی جائے گی اور جب میں اس کے حضور میں پہنچ کر اس کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا اور اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں پڑا رہنے دے گا پھر فرمائے گا کہ محمد اپنا سر اٹھاؤ جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو، تمہاری بات سنی جائے گی، شفاعت کرو میں قبول کروں گا اور مانگو میں دوں گا، آنحضرت نے فرمایا میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اس حمد وتعریف کے ساتھ کہ جو پروردگار مجھے سکھلائے گا اس کی حمد وثنا بیان کروں گا پھر میں شفاعت کروں گا اور میرے لئے شفاعت کی ایک حد مقرر کردی جائے گی اس کے بعد میں باہر آؤں گا اور اس جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کراؤں گا اور پھر میں تیسری مرتبہ بارگاہ رب العزت پر حاضر ہو کر اس کی خدمت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا مجھے اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت عطا کی جائے گی اور جب میں پروردگار کے حضور پہنچ کر اس کو دیکھوں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا اور اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں پڑا رہنے دیگا پھر فرمائے گا محمد! اپنا سر اٹھاؤ جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور شفاعت کرو میں قبول کروں گا اور مانگو میں دوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اس حمد وتعریف کے ساتھ جو پروردگار مجھے سکھلائے گا اس کی حمد وثنا بیان کروں گا پھر میں شفاعت کروں گا اور میرے لئے شفاعت کی ایک حد مقرر کردی جائے گی اس کے بعد میں باہر آؤں گا اور اس جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کراؤں گا یہاں تک کہ دوزخ میں ان کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہ جائیگا جن کو قرآن نے روکا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بس وہ لوگ دوزخ میں باقی رہ جائیں گے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عذاب دوزخ کے مستوجب قرار پا چکے ہیں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿عسیٰ ان یبعثك ربك مقاما محمودا﴾ قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود

میں جگہ دے گا۔ پھر فرمایا کہ یہی وہ مقام محمود ہے جس کا وعدہ خدا نے تمہارے نبی سے کیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "لست هناکم" یعنی میں مقام شفاعت سے دور ہوں تم جس طرح مجھے اس کام کے لئے خیال کرتے ہوتو میں اس مقام کے لئے نہیں ہوں یہ میرے علاوہ کسی اور کا کام ہے۔[1]

"**اول نبی**" یہاں یہ سوال ہے کہ حضرت نوح سے پہلے بہت سارے نبی گذرے ہیں تو آپ کو اول نبی کیسے فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اولوالعزم نبی آپ سے پہلے کوئی نہیں تھا، اولوالعزم کے اعتبار سے اول نبی فرمایا دوسرا جواب یہ ہے کہ قوم کفار کی طرف مقابلہ اور دعوت کے ساتھ پہلے نبی حضرت نوح تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا تھا آپ کے زمانہ سے پہلے کفر نہیں تھا قوم کفار کی طرف آنے والے آپ پہلے نبی تھے[2] "**ثلاث کذبات**" یہ توریہ کے طور پر کلام تھا، جھوٹ نہیں تھا، محاورۂ عرب میں توریہ کو کسی نے جھوٹ نہیں کہا البتہ ظاہری الفاظ میں ایسا لگتا ہے کہ جھوٹ ہے، اس ظاہر کے اعتبار سے اس پر جھوٹ کا اطلاق کیا گیا ہے اس میں[3] "**انی سقیم**" کی طرف اشارہ ہے دوسرا "بل فعله کبیرهم" کی طرف اشارہ ہے اور تیسرا "**هذه اختی**" کی طرف اشارہ ہے۔[4]

"**لست هناکم**" یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے یہ میرا کام نہیں ہے کیونکہ مجھے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں لا کھڑا کیا اور مجھے ابن اللہ کہا گیا اب مجھے خوف بھی ہے اور حیاء بھی آتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے نہیں جا سکتا، تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ کیونکہ ان کی اگلی پچھلی تمام لغزشوں کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔[5] "**فیحد لی حدا**" یعنی شفاعت میں تحدید وتعیین ہوگی مثلاً یہ تحدید ہوگی کہ زنا کاروں کی شفاعت کریں شرابیوں کی شفاعت کریں فلاں فلاں کی شفاعت قبول ہے وہ آپ کریں اس کے علاوہ سفارش نہ کریں، یہ تحدید ہے۔[6] "**حبسه القرآن**" یعنی قرآن نے اس کو مخلد فی النار قرار دیا ہو۔ اس حدیث میں ثم اشفع سے شفاعت صغریٰ کا بیان آ گیا ہے چونکہ آپ کو شفاعت کی اجازت مل گئی اور آپ نے شفاعت کبریٰ کر بھی لی اس کے بعد آپ نے اپنی امت کے بارے میں شفاعت صغریٰ کا تذکرہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کو محدود کر کے اجازت دیدی۔[7]

شفاعت کبریٰ کی ایک اور تفصیلی حدیث

﴿۶﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ فِيْ بَعْضٍ فَيَأْتُوْنَ آدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ اِشْفَعْ إِلٰى رَبِّكَ فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِإِبْرَاهِيْمَ فَإِنَّهُ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ فَيَأْتُوْنَ إِبْرَاهِيْمَ فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوْسٰى فَإِنَّهُ كَلِيْمُ اللّٰهِ فَيَأْتُوْنَ مُوْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيْسٰى فَإِنَّهُ رُوْحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ فَيَأْتُوْنَ عِيْسٰى فَيَقُوْلُ

---

[1] المرقات: ۹/۵۱۳ [2] المرقات: ۹/۵۱۵ [3] المرقات: ۹/۵۱۶ [4] المرقات: ۹/۵۱۶

[5] المرقات: ۹/۵۱۸ [6] المرقات: ۹/۵۱۹ [7] المرقات: ۹/۵۲۱

لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ فَيَأْتُوْنِيْ فَأَقُوْلُ أَنَا لَهَا فَأَسْتَأْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فَيُؤْذَنُ لِيْ وَيُلْهِمُنِيْ مَحَامِدَ أَحْمَدُهٗ بِهَا لَا تَحْضُرُنِيَ الْاٰنَ فَأَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَأَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ يَا رَبِّ أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ فَيُقَالُ انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ شَعِيْرَةٍ مِّنْ إِيْمَانٍ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ أَعُوْدُ فَأَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ يَا رَبِّ أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ فَيُقَالُ انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ أَوْ خَرْدَلَةٍ مِّنْ إِيْمَانٍ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ أَعُوْدُ فَأَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ يَا رَبِّ أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ فَيُقَالُ انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ أَدْنٰى أَدْنٰى أَدْنٰى مِثْقَالِ حَبَّةِ خَرْدَلَةٍ مِّنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ أَعُوْدُ الرَّابِعَةَ فَأَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ يَا رَبِّ ائْذَنْ لِيْ فِيْمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ لَكَ وَلٰكِنْ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكِبْرِيَائِيْ وَعَظَمَتِيْ لَأُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگ ایک دوسرے کے ساتھ عجیب اضطراب وافراتفری کی حالت میں ہونگے چنانچہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ آپ علیہ السلام اپنے پروردگار سے شفاعت کر دیجئے۔ حضرت آدم جواب دیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں البتہ تم لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کے دوست ہیں وہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی انہیں یہ جواب دیں گے کہ میں شفاعت کے لئے نہیں ہوں البتہ تم لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کے کلیم ہیں وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی یہی جواب دیں گے کہ میں شفاعت کے لئے نہیں ہوں۔ البتہ تم لوگوں کو عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا چاہیئے۔ جو اللہ کے روح اور اس کا کلمہ ہیں وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہی جواب دیں گے کہ میں شفاعت کے لئے نہیں ہوں اور تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تب لوگ میرے پاس آئیں گے اور میں ان سے کہوں گا کہ ہاں بے شک میں شفاعت کا اہل ہوں، پھر میں بارگاہ رب العزت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا مجھے پیش ہونے کی اجازت عطا کی جائیگی اور اللہ تعالیٰ میرے دل میں حمد وثنا کے الفاظ ڈالے گا جس کے

[1] اخرجه البخاری: ۹/۱۴۹ ومسلم: ۱/۱۲۵

ذریعہ میں اسکی حمد وثنا کروں گا اور حمد وثناء اس وقت مجھے معلوم نہیں ہے۔ بہر حال میں سجدہ میں گر پڑوں گا اور اس کی وہی حمد وثناء بیان کروں گا، پھر مجھ سے کہا جائے گا کہ محمد! اپنا سر اٹھاؤ۔ جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو تمہاری بات سنی جائیگی، جو مانگنا چاہتے ہو مانگو! میں دونگا اور جو شفاعت کرنا چاہتے ہو کرو، میں قبول کروں گا، میں عرض کروں گا کہ میرے پروردگار! میری امت کو بخشش دیجئے میری امت پر رحم فرمایئے۔ مجھ سے کہا جائے گا کہ جاؤ ہر اس شخص کو نکال لو جس کے دل میں جو کے برابر بھی ایمان ہے۔ پس میں جاؤنگا اور پروردگار کے حکم کے مطابق عمل کرونگا اس کے بعد میں پھر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہونگا اور انہیں الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوا سجدہ میں گر پڑوں گا پھر مجھ سے کہا جائے گا محمد! اپنا سر اٹھاؤ جو کہنا چاہتے ہو کہو تمہاری بات سنی جائیگی، جو مانگنا چاہتے ہو مانگو، میں دونگا اور جو شفاعت کرنا چاہتے ہو کرو! میں قبول کرونگا، میں عرض کرونگا میرے پروردگار! میری امت کو بخشش دیجئے میری امت پر رحم فرمایئے۔ مجھ سے کہا جائے گا کہ جاؤ اور ہر اس شخص کو (دوزخ) سے نکال لو جس کے دل میں ذرے یا رائی کے برابر بھی ایمان ہے پس میں جاؤں گا اور پروردگار کے حکم کے مطابق عمل کرونگا۔ اس کے بعد میں پھر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہونگا اور انہیں الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوا سجدہ میں گر پڑوں گا پھر مجھ سے کہا جائے گا محمد! اپنا سر اٹھاؤ جو کہنا چاہتے ہو کہو، تمہاری بات سنی جائیگی، جو مانگنا چاہتے ہو مانگو! میں دوں گا اور جو شفاعت کرنا چاہتے! کرو میں قبول کروں گا میں عرض کرونگا میرے پروردگار! میری امت کو بخشش دیجئے میری امت پر رحم فرمایئے۔ مجھ سے کہا جائے گا کہ جاؤ اور ہر اس شخص کو (دوزخ) سے نکال لو جس کے دل میں رائی کے ادنی سے ادنی دانہ برابر بھی ایمان ہے۔ پس میں جاؤں گا اور پروردگار کے حکم کے مطابق عمل کرونگا۔ اس کے بعد پھر میں چوتھی مرتبہ بارگاہ رب العزت میں حاضر ہونگا اور انہیں الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوا سجدہ میں گر پڑوں گا پھر مجھ سے کہا جائے گا محمد! اپنا سر اٹھاؤ جو کہنا چاہتے ہو کہو، تمہاری بات سنی جائیگی، جو مانگنا چاہتے ہو مانگو میں دوں گا اور جو شفاعت کرنا چاہتے ہو کرو میں قبول کروں گا میں عرض کرونگا میرے پروردگار! مجھے اس شخص کی بھی شفاعت کی اجازت مرحمت فرما دیجئے جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو پروردگار فرمائے گا کہ نہیں اس کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اپنے عزت وجلال اور اپنی ذاتی وصفاتی عظمت وبڑائی کی قسم اس شخص کو میں خود دوزخ سے نکالوں گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہوگا۔

(بخاری ومسلم)

توضیح: "امتی امتی" یہ وہی شفاعت صغریٰ کا بیان ہے، شفاعتِ کبریٰ کی قبولیت کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرصت سے فائدہ اُٹھایا اور اپنی امت مرحومہ کے لئے شفاعت صغریٰ شروع فرمائی۔ امتی کے لفظ کو تاکید کے لئے مکرر لایا گیا ہے یا اگلی پچھلی امت کا ارادہ کیا گیا۔ ای یارب ارحمهم واغفرلهم اولهم واخرهم۔[1]

شفاعت کا سب سے زیادہ مستحق شخص کون ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

[1] المرقات: ۹/۵۲۳

مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِهٖ اَوْ نَفْسِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)۱

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میری شفاعت کے لئے نصیبہ والا وہ شخص ہوگا جس نے خلوص دل یا خلوص نفس سے لا الہ الا اللہ کہا ہوگا۔ (بخاری)

توضیح: "خالصاً من قلبه" یعنی خلوص دل اور مکمل توحید کے ساتھ کلمہ پڑھنے والے شخص کو نبی مکرم کی شفاعت کے لئے سب سے زیادہ مستحق اور اسعد اور نصیب والا شخص قرار دیا گیا۔۲

شفاعت کی تفصیل

﴿۸﴾وَعَنْهُ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ اِلَیْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهٗ فَنَهَسَ مِنْهَا نَهْسَةً ثُمَّ قَالَ اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَتَدْنُو الشَّمْسُ فَیَبْلُغُ النَّاسَ مِنَ الْغَمِّ وَالْكَرْبِ مَا لَا یُطِیْقُوْنَ فَیَقُوْلُ النَّاسُ اَلَا تَنْظُرُوْنَ مَنْ یَّشْفَعُ لَكُمْ اِلٰی رَبِّكُمْ فَیَاْتُوْنَ اٰدَمَ وَذَكَرَ حَدِیْثَ الشَّفَاعَةِ وَقَالَ فَاَنْطَلِقُ فَاٰتِیْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَاَقَعُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ ثُمَّ یَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَیَّ مِنْ مَحَامِدِهٖ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَیْهِ شَیْئًا لَمْ یَفْتَحْهُ اللّٰهُ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ ثُمَّ قَالَ یَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَاْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَرْفَعُ رَاْسِیْ فَاَقُوْلُ اُمَّتِیْ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ یَا رَبِّ فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ اَدْخِلْ مِنْ اُمَّتِكَ مَنْ لَّا حِسَابَ عَلَیْهِمْ مِنَ الْبَابِ الْاَیْمَنِ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِیْمَا سِوٰی ذٰلِكَ مِنَ الْاَبْوَابِ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ اِنَّ مَا بَیْنَ الْمِصْرَاعَیْنِ مِنْ مَصَارِیْعِ الْجَنَّةِ كَمَا بَیْنَ مَكَّةَ وَهَجَرَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)۳

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گوشت لایا گیا اس میں سے دستی کا گوشت آپ کو پیش کیا گیا جو آپ کو بہت پسند اور مرغوب تھا، آپ نے اس میں سے دانتوں سے نوچ نوچ کر کھایا اور پھر فرمانے لگے کہ میں قیامت کے دن جب کہ لوگ دوجہاں کے پروردگار کا فیصلہ سننے کے انتظار میں کھڑے ہوں گے تمام لوگوں کا سردار ہوں گا اس دن سورج بہت قریب ہوگا اور لوگوں کی حالت اس قدر کربناک اور غم وفکر سے بوجھل ہوگی کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں گے یعنی صبر واستقامت پر قادر نہیں ہوں گے اور نہایت حیرانی وپریشانی کے عالم میں ایک دوسرے سے کہتے پھریں گے کہ آخر تم کسی ایسے شخص کی تلاش کیوں نہیں کرتے جو تمہارے پروردگار سے تمہاری سفارش کردے چنانچہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یا خود آنحضرت ﷺ نے شفاعت کے سلسلے میں حدیث کے وہی اجزاء

۱ اخرجه البخاري: ۸/۱۳۶ ۲ المرقات: ۹/۵۲۵ ۳ اخرجه البخاري: ۶/۱۰۵ ومسلم: ۱/۱۲۷

بیان کئے (جو پہلے حدیث میں بیان ہو چکے ہیں) یہ ذکر کرنے کے بعد آپ نے فرمایا پس میں لوگوں کے پاس سے روانہ ہوں گا اور عرش کے نیچے آؤں گا اور وہاں اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد اور بہترین ثنا کے وہ الفاظ اور آداب حضوری کے وہ طریقہ القاء فرمائے گا جو اس نے مجھ سے پہلے کسی اور کو القاء نہیں کیے ہوں گے بلکہ اس وقت سے پہلے مجھ کو بھی ان کا کوئی علم نہیں ہوگا جیسا کہ پہلے ایک حدیث میں اس طرف اشارہ کیا جا چکا ہے، پھر پروردگار فرمائے گا کہ محمد! اپنا سر اٹھاؤ، جو چاہتے ہو مانگو، میں دوں گا اور جو شفاعت کرنا چاہتے ہو تو کرو میں قبول کروں گا، میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا کہ میرے پروردگار! میری امت کو بخش دیجئے تب کہا جائے گا کہ اے محمد! اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن سے حساب نہیں لیا جائیگا جنت کے دائیں طرف کے دروازہ سے جنت میں داخل کر دیجئے اور وہ لوگ اس دروازہ کے علاوہ دوسرے دروازوں کے استعمال کے حق میں بھی لوگوں کے ساتھ شریک ہیں اس کے بعد آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، جنت کے دروازوں میں سے ہر ایک دروازہ کے دونوں کواڑوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہی ہے جتنا کہ مکہ اور ہجر کے درمیان ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "المصراعین" دروازہ کے دو کناروں اور چوکھٹ کو کہتے ہیں۔[1] "ھجر" بحرین کے ایک شہر کا نام ہے جس کو "احساء" کہتے ہیں۔[2]

صلہ رحمی اور امانت اپنا حق پل صراط پر لیں گی

﴿۹﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ فِيْ حَدِيْثِ الشَّفَاعَةِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَتُرْسَلُ الْاَمَانَةُ وَالرَّحِمُ فَتَقُوْمَانِ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ يَمِيْنًا وَّشِمَالاً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ نے رسول کریم ﷺ سے شفاعت کے سلسلہ کی حدیث نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا کہ امانت اور رحم یعنی قرابت داری کو بھیجا جائے گا اور وہ دونوں پل صراط کے دائیں بائیں جانب کھڑی ہو جائیں گی۔ (مسلم)

توضیح: "وترسل الامانة" امانتوں اور صلہ رحمی کو بھیجا جائے گا وہ پل صراط کے اردگرد کھڑے ہو جائیں گے تا کہ صلہ توڑنے والوں سے اپنا حق لے لیں اور صلہ جوڑنے اور امانت دار لوگوں پر یہ گواہی دیدیں کہ انہوں نے ہمارا حق ادا کر دیا ہے اور صلہ توڑنے اور خیانت کرنے والوں پر یہ گواہی دیدیں کہ انہوں نے ہمارا حق ادا نہیں کیا۔ اس حدیث سے صلہ توڑنے والوں اور خیانت کرنے والوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں کہ میدان محشر کے تمام حسابات سے فارغ ہو کر پل صراط پر پھر دیانت وامانت اور قرابت وصلہ کا حساب دینا ہوگا اگر وہاں سے پاس ہو گیا تو آگے جنت جائے گا ورنہ دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔[4]

---

[1] المرقات ۹/۵۲۷ [2] المرقات ۹/۵۲۷ [3] اخرجہ مسلم ۱/۱۲۹ [4] المرقات ۹/۵۲۷،۵۲۸

حضور اکرم کو ان کی امت کے بارے میں اللہ راضی فرمائے گا

﴿۱۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْ اِبْرَاهِيْمَ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَقَالَ عِيْسٰى اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ وَبَكٰى فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا جِبْرَئِيْلُ اِذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ وَّرَبُّكَ اَعْلَمُ فَاسْئَلْهُ مَا يُبْكِيْهِ فَاَتَاهُ جِبْرَئِيْلُ فَسَاَلَهٗ فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا قَالَ فَقَالَ اللّٰهُ لِجِبْرَئِيْلَ اِذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ فَقُلْ اِنَّا سَنُرْضِيْكَ فِيْ اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُكَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص راویت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ آیت پڑھی ﴿رب انهن اضللن كثيرا من الناس فمن تبعني فانه مني﴾ جس کا ترجمہ ہے کہ اے میرے پروردگار! یہ بت بہت سے لوگوں کی گمراہی کا سبب بنے ہیں پس ان لوگوں میں سے جنہوں نے میری اطاعت قبول کی ہے، یعنی توحید، اخلاص اور توکل کو اختیار کیا وہ میرے اپنے اور میرے تابعدار ہیں (اور جنہوں نے میری نافرمانی کی ہے تو تو معاف کرنے والا رحیم ہے) پھر آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے یہ آیت پڑھی ﴿ان تعذبهم فانهم عبادك﴾ اگر تو ان کو عذاب میں مبتلا کرے تو بہر حال وہ تیرے ہی بندے ہیں، اس کے بعد آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ پروردگار! میری امت کو بخش دے میری امت پر رحم فرما اور آپ رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل امین کو حکم دیا کہ محمد کے پاس جاؤ اور حالانکہ اے جبرائیل تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے مگر ان سے پوچھو کہ آپ کیوں روتے ہیں، حضرت جبرائیل آنحضرت کے پاس آئے اور آپ سے رونے کا سبب پوچھا آپ نے اپنے الفاظ میں انہیں بتادیا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محمد کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم یقیناً آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی وخوش کردیں گے اور آپ کو ہرگز رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔ (مسلم)

توضیح: "وقال عيسى" یعنی آنحضرت ﷺ نے قول ابراہیم پڑھا اور آپ ﷺ نے قول عیسیٰ بھی پڑھا یہاں قال عیسیٰ بمعنی قول عیسیٰ ہے اور **قال يقول قولا وقيلا وقالا** مصادر آتے ہیں تو یہاں قال مصدری معنی میں ہے جو بمعنی قول ہے ای **تلا النبی قول ابراهيم وتلا قول عيسىٰ** تو یہ **قول ابراهيم** پر عطف ہے۔ [2]

"سنرضيك" یعنی ہم تجھے تیری امت کے بارے میں راضی کریں گے اور تجھے غمگین نہیں کریں گے۔ [3]

[1] اخرجه مسلم ۱/۱۳۲ [2] المرقات ۹/۵۲۸ [3] المرقات ۹/۵۲۹

قیامت اور شفاعت سے متعلق لمبی حدیث

﴿۱۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ نَاسًا قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ نَرٰی رَبَّنَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ هَلْ تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَةِ الشَّمْسِ بِالظَّهِیْرَةِ صَحْوًا لَیْسَ مَعَهَا سَحَابٌ وَهَلْ تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَةِ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ صَحْوًا لَیْسَ فِیْهَا سَحَابٌ قَالُوْا لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَةِ اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَّا کَمَا تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَةِ اَحَدِهِمَا اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ لِیَتَّبِعْ کُلُّ اُمَّةٍ مَّا کَانَتْ تَعْبُدُ فَلَا یَبْقٰی اَحَدٌ کَانَ یَعْبُدُ غَیْرَ اللّٰهِ مِنَ الْاَصْنَامِ وَالْاَنْصَابِ اِلَّا یَتَسَاقَطُوْنَ فِی النَّارِ حَتّٰی اِذَا لَمْ یَبْقَ اِلَّا مَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰهَ مِنْ بَرٍّ وَّفَاجِرٍ اَتَاهُمْ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ قَالَ فَمَاذَا تَنْظُرُوْنَ یَتْبَعُ کُلُّ اُمَّةٍ مَّا کَانَتْ تَعْبُدُ قَالُوْا یَا رَبَّنَا فَارَقْنَا النَّاسَ فِی الدُّنْیَا اَفْقَرَ مَا کُنَّا اِلَیْهِمْ وَلَمْ نُصَاحِبْهُمْ وَفِیْ رِوَایَةِ اَبِیْ هُرَیْرَةَ فَیَقُوْلُوْنَ هٰذَا مَکَانُنَا حَتّٰی یَأْتِیَنَا رَبُّنَا فَاِذَا جَآءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ وَفِیْ رِوَایَةِ اَبِیْ سَعِیْدٍ فَیَقُوْلُ هَلْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهٗ اٰیَةٌ تَعْرِفُوْنَهٗ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ فَلَا یَبْقٰی مَنْ کَانَ یَسْجُدُ لِلّٰهِ تَعَالٰی مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهٖ اِلَّا اَذِنَ اللّٰهُ لَهٗ بِالسُّجُوْدِ وَلَا یَبْقٰی مَنْ کَانَ یَسْجُدُ اِتِّقَاءً وَّرِیَاءً اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ ظَهْرَهٗ طَبَقَةً وَّاحِدَةً کُلَّمَا اَرَادَ اَنْ یَّسْجُدَ خَرَّ عَلٰی قَفَاهُ ثُمَّ یُضْرَبُ الْجِسْرُ عَلٰی جَهَنَّمَ وَتَحِلُّ الشَّفَاعَةُ وَیَقُوْلُوْنَ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ فَیَمُرُّ الْمُؤْمِنُوْنَ کَطَرْفِ الْعَیْنِ وَکَالْبَرْقِ وَکَالرِّیْحِ وَکَالطَّیْرِ وَکَاَجَاوِیْدِ الْخَیْلِ وَالرِّکَابِ فَنَاجٍ مُسَلَّمٌ وَمَخْدُوْشٌ مُّرْسَلٌ وَمَکْدُوْشٌ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ حَتّٰی اِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْکُمْ بِاَشَدَّ مُنَاشَدَةً فِی الْحَقِّ قَدْ تَبَیَّنَ لَکُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لِلّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا کَانُوْا یَصُوْمُوْنَ مَعَنَا وَیُصَلُّوْنَ وَیَحُجُّوْنَ فَیُقَالُ لَهُمْ اَخْرِجُوْا مَنْ عَرَفْتُمْ فَتُحَرَّمُ صُوَرُهُمْ عَلَی النَّارِ فَیُخْرِجُوْنَ خَلْقًا کَثِیْرًا ثُمَّ یَقُوْلُ ارْجِعُوْا فَمَنْ وَجَدْتُّمْ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ نِصْفِ دِیْنَارٍ مِنْ خَیْرٍ فَاَخْرِجُوْهُ فَیُخْرِجُوْنَ خَلْقًا کَثِیْرًا ثُمَّ یَقُوْلُ ارْجِعُوْا فَمَنْ وَّجَدْتُّمْ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِّنْ خَیْرٍ فَاَخْرِجُوْهُ فَیُخْرِجُوْنَ خَلْقًا کَثِیْرًا ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا لَمْ نَذَرْ فِیْهَا خَیْرًا فَیَقُوْلُ اللّٰهُ شَفَعَتِ الْمَلٰئِکَةُ وَشَفَعَ النَّبِیُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَلَمْ یَبْقَ

إِلَّا أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِّنَ النَّارِ فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَّمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا قَطُّ قَدْ عَادُوْا حُمَمًا فَيُلْقِيْهِمْ فِيْ نَهْرٍ فِيْ أَفْوَاهِ الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهٗ نَهْرُ الْحَيٰوةِ فَيَخْرُجُوْنَ كَمَا تَخْرُجُ الْحِبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ فَيَخْرُجُوْنَ كَاللُّؤْلُؤِ فِيْ رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِمُ فَيَقُوْلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ هٰؤُلَاءِ عُتَقَاءُ الرَّحْمٰنِ أَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْهُ وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوْهُ فَيُقَالُ لَهُمْ لَكُمْ مَّا رَأَيْتُمْ وَمِثْلُهٗ مَعَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ! کیا قیامت کے دن ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں دیکھو گے، پھر فرمایا کیا تم لوگ دوپہر کے وقت جب کہ آسمان پر بادل کا کوئی ٹکڑا بھی نہ ہو، سورج کو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ وتکلیف محسوس کرتے ہو اور کیا تم لوگ شفاف چودھویں رات میں جب کہ آسمان پر بادل کا کوئی ایک ٹکڑا بھی نہ ہو، چاند کو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ وتکلیف محسوس کرتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہرگز نہیں یارسول اللہ! فرمایا تو پھر قیامت کے دن تم اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں بھی کوئی رکاوٹ وتکلیف محسوس نہیں کرو گے مگر جتنا کہ تم ان دونوں میں سے کسی کو دیکھنے میں رکاوٹ وتکلیف محسوس کرتے ہو، جب قیامت کا دن برپا ہوگا تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کریگا کہ جو قوم (دنیا میں) جس چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اسی کے پیچھے رہے، چنانچہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بجائے بتوں اور انصاب کو پوجتے تھے ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہیں بچے گا اور سب کے سب دوزخ میں جاگریں گے۔ کیونکہ انصاب اور بت کہ جن کی پوجا ہوتی تھی دوزخ میں پھینکے جائیں گے لہٰذا ان کے ساتھ ان کی پوجا کرنے والے بھی دوزخ میں ڈالے جائیں گے یہاں تک کہ جب ان لوگوں کے سوا کوئی موجود نہیں رہے گا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے وہ خواہ نیک ہوں یا بد تو تمام جہانوں کا پروردگار ان کے پاس آئے گا اور فرمائے گا کہ تم کس کے منتظر ہو؟ ہر طبقہ اس چیز کے پیچھے پیچھے چلا جارہا ہے جس کی وہ عبادت کرتا تھا (تم کیوں نہیں چلے جاتے) وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہمارے پروردگار! ہم نے دنیا میں ان لوگوں سے کہ جو دنیا میں غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے پوری طرح جدائی اختیار کر رکھی تھی حالانکہ ہم ان لوگوں کی طرف ضرورت مند تھے لیکن ہم نے کبھی ان کی صحبت وہم نشینی کو گوارا نہیں کیا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہاں یوں نقل کیا گیا ہے کہ وہ لوگ یہ کہیں گے کہ ہم یہاں سے اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک ہمارا پروردگار ہمارے پاس نہیں آئے گا، اور جب ہمارا پروردگار ہمارے پاس آئے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے اور حضرت ابوسعید خدری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ کیا تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان کوئی نشانی ہے جس کے ذریعے تم اس کو پہچان لوگے؟ وہ کہیں گے کہ ہاں نشانی ہے تب اللہ کی پنڈلی کھولی جائے گی اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو سجدہ کی اجازت وتوفیق عطا فرمائے گا جو دنیا میں کسی کو دکھانے سنانے اور کسی خوف اور لالچ کی وجہ سے نہیں بلکہ خود اپنے نفس کے تقاضے یعنی اخلاص وعقیدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا تھا اور ہر وہ شخص کہ (جو دنیا میں) کسی خوف سے یا لوگوں کو دکھانے سنانے کے لئے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا تھا اللہ تعالیٰ اس کی کمر کو ایک پورا تختہ بنادے گا چنانچہ وہ سجدہ میں جانے کے لئے جھکنا چاہے گا تو چت گر پڑے گا پھر دوزخ کے اوپر پل صراط کو رکھا جائے گا اور شفاعت کی اجازت عطا کی جائے گی، چنانچہ

---

[1] اخرجه البخاری: ۶/۵۶ ومسلم: ۱/۱۱۷

تمام انبیاء یہ دعا کریں گے کہ اے اللہ! ان کو سلامتی سے گزار دے، ان کو دوزخ میں گرنے سے محفوظ رکھ۔ پس مسلمان لوگ اس طرح گزریں گے کہ بعض تو پلک جھپکتے گزر جائیں گے، بعض بجلی کوندنے کی طرح نکل جائیں گے، بعض ہوا کے جھونکے کے مانند، بعض پرندوں کی اُڑان کے مانند گزریں گے پس ان میں سے کچھ مسلمان تو وہ ہوں گے جو دوزخ کی آگ سے بالکل سلامتی اور نجات پائے ہوں گے اور کچھ مسلمان وہ ہوں گے جو زخم کھا کر نکلیں گے اور نجات پائیں گے، نیز کچھ مسلمان وہ ہوں گے جو پارہ پارہ کیے جائیں گے اور دوزخ میں دھکیل دیئے جائیں گے یہاں تک کہ جب مؤمن دوزخ کی آگ سے نجات پالیں گے تو قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی بھی شخص ظاہر ثابت شدہ حق کے حصول میں اتنی شدید جدو جہد اور سختی نہیں کرتا جتنی شدید جدو جہد مؤمن قیامت کے دن اپنے بھائیوں کی نجات کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں کریں گے جو دوزخ میں ہوں گے۔ وہ مؤمن کہیں گے کہ ہمارے پروردگار! یہ لوگ ہمارے ساتھ روزہ رکھتے تھے، نماز پڑھتے تھے اور ہمارے ساتھ حج کرتے تھے۔ ان سے کہا جائے گا کہ جاؤ! اور جن لوگوں کو تم پہچانتے ہو انہیں نکال لو۔ پس دوزخ کی آگ پر ان کی صورتوں کو حرام کر دیا جائے گا، چنانچہ وہ مؤمن بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکالیں گے، پھر کہیں گے کہ ہمارے پروردگار! جن لوگوں کو تو نے نکالنے کا حکم دیا تھا ان میں سے اب دوزخ میں کوئی باقی نہیں رہا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اچھا پھر جاؤ اور اب ہر اس شخص کو بھی دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں تم دینار برابر بھی نیکی پاؤ۔ پس وہ مؤمن جائیں گے اور بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا اور اب ہر وہ شخص دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں آدھے دینار برابر بھی نیکی پاؤ پس وہ مؤمن جائیں گے اور بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ جاؤ اور اب اس شخص کو دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں تم از قسم نیکی ذرہ برابر بھی کوئی چیز پاؤ، پس وہ مؤمن جائیں گے اور بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے اور کہیں گے کہ پروردگار! ہم نے دوزخ میں بھلائی کو باقی نہیں رہنے دیا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فرشتوں نے شفاعت کر لی اور پیغمبروں نے بھی شفاعت کر لی اور مؤمنوں نے بھی شفاعت کر لی اور ان سب کی شفاعت کا تعلق ان لوگوں سے تھا جن کا نامہ اعمال میں کوئی نہ کوئی نیکی ضرور تھی خواہ وہ نیکی ذرہ کے برابر یا اس سے کمتر درجہ ہی کی کیوں نہ ہو اور اب کوئی ذات باقی نہیں رہ گئی، لیکن ابھی ارحم الراحمین کی ذات باقی ہے اور (یہ فرما کر) اللہ تعالیٰ دوزخ میں سے اپنی مٹھی بھر کر لوگوں کو نکال لے گا جنہوں نے کبھی بھی کوئی نیکی کی ہی نہیں ہوگی، یہ لوگ دوزخ میں کوئلہ بن چکے ہوں گے، چنانچہ ان کو اس نہر میں ڈالے گا جو جنت کے دروازوں کے سامنے ہے اور جس کو ''نہر حیات'' کہا جائے گا اور پھر یہ لوگ اس نہر سے اس طرح تر و تازہ نکلیں گے جیسے دانہ سیلاب کے کوڑے کچرے میں اگتا ہے نیز یہ لوگ موتی کے مانند پاک وشفاف باہر آئیں گے ان کی گردنوں میں مہریں لگی ہوئی ہوں گی چنانچہ جب اہل جنت ان لوگوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو خود خدائے رحمن کے آزاد کیے ہوئے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے اس امر کے باوجود جنت میں داخل کیا ہے کہ انہوں نے نہ کوئی نیک عمل کیا تھا اور نہ انہوں نے کوئی نیکی کر کے آگے بھیجی تھی اور پھر ان نو آزاد لوگوں سے کہا جائے گا کہ جنت میں تم جو کچھ دیکھ رہے ہو نہ صرف یہ بلکہ ان ہی جیسی اور بہت سی نعمتیں بھی سب تمہارے لئے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "**اصنام**" بتوں کو کہتے ہیں اور [۱] "انصاب" وہ مقامات ہیں جہاں مشرکین چڑھاوے چڑھایا کرتے ہیں جس کو تھان کہتے ہیں ایسی جگہوں میں وہ لوگ کبھی پتھر نصب کیا کرتے تھے کبھی درخت کھڑا ہوتا تھا، اس کو آسان لفظوں میں یادگاریں کہہ سکتے ہیں۔ [۲] "**اتاھم رب العالمین**" یہ متشابہ الفاظ ہیں سلف کے ہاں اس کا یہی ظاہری ترجمہ ہوتا ہے مگر "**مایلیق بشانه**" کی تعبیر کرتے ہیں متشابہات میں ایسی تاویل کرنا جائز نہیں ہے جس سے اس کا ظاہری معنی فوت ہوجاتا مثلاً "**ید**" کا ترجمہ قدرت سے کرنا احناف کے ہاں جائز نہیں ہے۔ [۳] "**افقر ما کنا**" یعنی جب ہم دنیا میں ان لوگوں کی طرف بہت ہی محتاج تھے اس وقت ہم نے ان کا ساتھ نہیں دیا تو آج ہم کیوں ان کا ساتھ دیں؟ [۴] "**یضرب الجسر**" یعنی جہنم کے اوپر پل صراط رکھ دیا جائے گا۔ [۵] "**اجاوید الخیل**" اجواد کی جمع ہے اور اجواد، جواد کی جمع ہے عمدہ گھوڑے کو کہتے ہیں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے ای کالخیل الجواد، ہر آدمی اپنے اعمال کے اعتبار سے پل صراط پر سفر کرے گا ہر رفتار کی الگ الگ تشبیہ ہے کوئی تیز کوئی سست۔ [۶]

"**رکاب**" اونٹوں کو کہتے ہیں۔ [۷] "**فناج**" یعنی بعض لوگ صحیح سالم بچ کر نکلیں گے۔ [۸] "**ومخدوش**" یہ خدش سے زخمی ہونے اور چھل جانے کے معنی میں ہے [۹] "**مرسل**" چھوٹ جانے کے معنی میں ہے یعنی بعض لوگ زخمی ہوجائیں گے مگر چھوڑ دیئے جائیں گے۔ [۱۰] "**ومکدوس**" سین کے ساتھ کدس سے ہے دھکا دینے کے معنی میں ہے تاکہ دوزخ میں گرجائے۔ یہ لفظ شین کے ساتھ مکدوش بھی پڑھا گیا ہے دونوں لفظ ہم معنی ہیں جو شدید دوڑانے، دفع کرنے اور زخمی کرنے اور پارہ پارہ کرکے دوزخ میں گرانے کے معنی میں ہے۔ ایک روایت میں "**مکروس**" کا لفظ بھی آیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے باندھ کر ایک دوسرے کے اوپر نیچے دوزخ میں گرادیئے جائیں گے۔ [۱۱] "**اشد مناشدة**" یعنی قسم بخدا! تم میں سے کوئی بھی شخص اپنے واضح اور ثابت شدہ حق میں اتنی شدید جدوجہد اور سختی نہیں کرتا جتنی شدید محنت اور جدوجہد مؤمن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے مسلمان بھائیوں کی نجات کے لئے کریں گے یعنی خوب مطالبہ و مناظرہ اور سفارش کریں گے اور کہیں گے کہ اے اللہ! ان کو دوزخ سے نکال دیں۔ [۱۲]

"**لم نذر فیھا خیرا**" ای **لم نذر فیھا من اھل خیر** یعنی ہم نے دوزخ میں کسی ایسے شخص کو نہیں چھوڑا جس میں رتی برابر خیر وایمان اور عمل صالح ہو سب کو نکال لائے ہیں۔ [۱۳] "**لم یعملوا خیرا قط**" یعنی مجرد ایمان ہوگا اس کے علاوہ کچھ بھی عمل صالح نہیں ہوگا۔ [۱۴] "**حمماً**" یعنی کوئلے بن چکے ہوں گے۔ [۱۵] "**افواه الجنة**" یعنی جنت کے دروازوں کے سامنے ڈالدیئے جائیں گے تاکہ اندر جانے میں آسانی ہو۔ [۱۶]

"**الحبة**" یہ حبوب سے ہے دانہ کے معنی میں ہے، سیلاب کے ساتھ ایک کالا دانہ آتا ہے اور ایک دن رات میں بہت جلدی

[۱] المرقات: ۹/۵۳۲ [۲] المرقات: ۹/۵۳۲ [۳] المرقات: ۹/۵۳۲ [۴] المرقات: ۹/۵۳۳ [۵] المرقات: ۹/۵۳۳
[۶] المرقات: ۹/۵۳۳ [۷] المرقات: ۹/۵۳۳ [۸] المرقات: ۹/۵۳۳ [۹] المرقات: ۹/۵۳۳ [۱۰] المرقات: ۹/۵۳۳
[۱۱] المرقات: ۹/۵۳۳ [۱۲] المرقات: ۹/۵۳۶ [۱۳] المرقات: ۹/۵۳۸ [۱۴] المرقات: ۹/۵۳۸ [۱۵] المرقات: ۹/۵۳۶ [۱۶] المرقات: ۹/۵۳۹

اس کا پودا اُگتا ہے تو جس طرح یہ دانہ بہت جلدی پودا اُگا تا ہے اسی طرح اس نہر میں جہنمی لوگ بہت جلد خوبصورت شکل میں اُگ آئیں گے اس دانہ کو بقلۃ حمقاء بھی کہتے ہیں، یہ ایسا بیوقوف دانہ ہے کہ خواہ پتھر ہو، خواہ لکڑی ہو، خواہ کچھ بھی ہو اس پر پڑے رہنے سے ایک دن رات میں اس کا پودا اُگ آتا ہے، علامہ کسائی نے کہا ہے کہ یہ دانہ گل ریحان یعنی تخم ملنگ کا تخم ہے قال ھی حب الریاحین۔ دوسرے شارحین نے اس دانہ کو ایک صحرائی، بے نسب دانہ قرار دیا ہے "ھی بذر الصحراء" یہ قول زیادہ واضح ہے۔ "حمیل السیل" یہ محمول کے معنی میں ہے یعنی سیلاب، خس وخاشاک کے ساتھ اس دانہ کو صحراء سے اُٹھا کر لاتا ہے جس طرح اس کا پودا خوبصورت ہوتا ہے اسی طرح اس نہر سے یہ جلے ہوئے دوزخی خوبصورت شکلوں میں موتیوں کی طرح نکل آئیں گے اور تر و تازہ ہوں گے۔ [۱] "الخواتم" یہ خاتم کی جمع ہے، خاتم انگوٹھی کو کہتے ہیں، مہر کو بھی کہتے ہیں یعنی کچھ علامات ہوں گی جس سے ان کی پہچان ہوگی مثلاً مہریں لگی ہوں گی وغیرہ وغیرہ۔ صاحب تحریر نے لکھا ہے کہ یہاں خواتم سے سونے اور چاندی کی وہ چیزیں مراد ہیں جو ان کی گردنوں میں لٹکائی جائیں گی جس سے ان کی پہچان ہوگی۔ بہرحال سونے چاندی کے تعویذات اگر مراد لئے جائیں تو بہت عمدہ ہوگی۔ [۲]

﴿۱۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرِجُوْهُ فَيُخْرَجُوْنَ قَدِ امْتُحِشُوْا وَعَادُوْا حُمَمًا فَيُلْقَوْنَ فِيْ نَهْرِ الْحَيٰوةِ فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ أَلَمْ تَرَوْا أَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں پہنچا دیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو تو اس کو دوزخ سے نکال لو، چنانچہ ان لوگوں کو دوزخ سے باہر لایا جائے گا حالانکہ وہ اس طرح جل چکے ہونگے کہ کوئلے بن چکے ہونگے پھر ان کو نہر حیات میں ڈالا جائے گا پس وہاں سے وہ اس طرح تر و تازہ نکلیں گے جیسے سیلاب کے کوڑے کچرے میں گھاس کا دانہ اگتا ہے، کیا تم نے دیکھا نہیں وہ دانہ کس طرح لپٹا ہوا زرد نکلتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "خردل" رائی کے دانے کو خردل کہتے ہیں یہ سرسوں کے تخم کو کہتے ہیں، زیت خردل سرسوں کے تیل کو کہتے ہیں اکثر لوگ رائی کو نہیں جانتے ہیں اور ترجمہ کرتے پھرتے ہیں۔ [۴] "قد امتحشوا" یعنی بالکل جلے ہوئے ہوں گے اور کوئلہ بن چکے ہوں گے۔ [۵] "صفراء" پیلے رنگ کا پودا ہوتا ہے۔ [۶] "ملتویۃ" مڑا ہوا ہوتا ہے یعنی ہرا بھرا نرم و نازک تازہ بتازہ خوبصورت مڑا ہوا پودا۔ اسی طرح وہ لوگ آب حیات کی نہر سے اُگ کر جنت کی طرف آئیں گے۔ [۷]

[۱] المرقات: ۹/۵۳۹ [۲] المرقات: ۹/۵۳۹ [۳] اخرجہ البخاری: ۱/۱۲ ومسلم: ۱/۱۱۶

[۴] المرقات: ۹/۵۴۰ [۵] المرقات: ۹/۵۴۰ [۶] المرقات: ۹/۵۴۰ [۷] المرقات: ۹/۵۴۰

پل صراط اور شفاعت کی مزید تفصیل

﴿۱۳﴾وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّاسَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَذَكَرَ مَعْنٰى حَدِيْثِ اَبِیْ سَعِيْدٍ غَيْرَ كَشْفِ السَّاقِ وَقَالَ يُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَیْ جَهَنَّمَ فَاَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ يَّجُوْزُ مِنَ الرُّسُلِ بِاُمَّتِهٖ وَلَايَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ اِلَّا الرُّسُلُ وَكَلَامُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ وَفِیْ جَهَنَّمَ كَلَالِيْبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ لَايَعْلَمُ قَدْرَعِظَمِهَا اِلَّا اللهُ تَخْطَفُ النَّاسَ بِاَعْمَالِهِمْ فَمِنْهُمْ مَّنْ يُّوْبَقُ بِعَمَلِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّخَرْدَلُ ثُمَّ يَنْجُوْحَتّٰى اِذَافَرَغَ اللهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ عِبَادِهٖ وَاَرَادَ اَنْ يُّخْرِجَ مِنَ النَّارِ مَنْ اَرَادَ اَنْ يُّخْرِجَهٗ مِمَّنْ كَانَ يَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اللهُ اَمَرَ الْمَلٰئِكَةَ اَنْ يُّخْرِجُوْا مَنْ كَانَ يَعْبُدُاللهَ فَيُخْرِجُوْنَهُمْ وَيَعْرِفُوْنَهُمْ بِاٰثَارِالسُّجُوْدِ وَحَرَّمَ اللهُ عَلَى النَّارِ اَنْ تَأْكُلَ اَثَرَالسُّجُوْدِ فَكُلُّ ابْنِ اٰدَمَ تَاْكُلُهُ النَّارُ اِلَّا اَثَرَالسُّجُوْدِ فَيُخْرَجُوْنَ مِنَ النَّارِ قَدِامْتَحَشُوْا فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَاءُ الْحَيٰوةِ فَيَنْبُتُوْنَ كَمَاتَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِیْ حَمِيْلِ السَّيْلِ وَيَبْقٰى رَجُلٌ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَهُوَاٰخِرُ اَهْلِ النَّارِ دُخُوْلًا اَلْجَنَّةَ مُقْبِلٌ بِوَجْهِهٖ قِبَلَ النَّارِ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ اصْرِفْ وَجْهِیْ عَنِ النَّارِ وَقَدْ قَشَبَنِیْ رِيْحُهَاوَاَحْرَقَنِیْ ذَكَاؤُهَا فَيَقُوْلُ هَلْ عَسَيْتَ اِنْ اَفْعَلَ ذٰلِكَ اَنْ تَسْئَلَ غَيْرَذٰلِكَ فَيَقُوْلُ لَا وَعِزَّتِكَ فَيُعْطِی اللهَ مَاشَآءَ اللهُ مِنْ عَهْدٍوَّمِيْثَاقٍ فَيَصْرِفُ اللهُ وَجْهَهٗ عَنِ النَّارِ فَاِذَااَقْبَلَ بِهٖ عَلَى الْجَنَّةِ وَرَاٰى بَهْجَتَهَاسَكَتَ مَاشَآءَ اللهُ اَنْ يَّسْكُتَ ثُمَّ قَالَ يَارَبِّ قَدِّمْنِیْ عِنْدَبَابِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَلَيْسَ قَدْاَعْطَيْتَ الْعُهُوْدَ وَالْمِيْثَاقَ اَنْ لَّاتَسْاَلَ غَيْرَ الَّذِیْ كُنْتَ سَاَلْتَ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ لَااَكُوْنُ اَشْقٰى خَلْقِكَ فَيَقُوْلُ فَمَاعَسَيْتَ اِنْ اُعْطِيْتَ ذٰلِكَ اَنْ تَسْاَلَ غَيْرَهٗ فَيَقُوْلُ لَاوَعِزَّتِكَ لَااَسْئَلُكَ غَيْرَذٰلِكَ فَيُعْطِیْ رَبَّهٗ مَاشَاءَ مِنْ عَهْدٍوَّمِيْثَاقٍ فَيُقَدِّمُهٗ اِلٰى بَابِ الْجَنَّةِ فَاِذَابَلَغَ بَابَهَا فَرَاٰى زَهْرَتَهَا وَمَافِيْهَامِنَ النَّضْرَةِ وَالسُّرُوْرِ فَسَكَتَ مَاشَآءَ اللهُ اَنْ يَّسْكُتَ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ اَدْخِلْنِی الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَيْلَكَ يَاابْنَ اٰدَمَ مَااَغْدَرَكَ اَلَيْسَ قَدْاَعْطَيْتَ الْعُهُوْدَ وَالْمِيْثَاقَ اَنْ لَّاتَسْاَلَ غَيْرَالَّذِیْ اُعْطِيْتَ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ لَاتَجْعَلْنِیْ اَشْقٰى

خَلْقِكَ فَلَا يَزَالُ يَدْعُوا حَتّٰى يَضْحَكَ اللّٰهُ مِنْهُ فَإِذَا ضَحِكَ أَذِنَ لَهٗ فِيْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ تَمَنَّ فَيَتَمَنّٰى حَتّٰى إِذَا انْقَطَعَ أُمْنِيَّتُهٗ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى تَمَنَّ مِنْ كَذَا وَكَذَا أَقْبَلَ يُذَكِّرُهٗ رَبُّهٗ حَتّٰى إِذَا انْتَهَتْ بِهِ الْأَمَانِيُّ قَالَ اللّٰهُ لَكَ ذٰلِكَ وَمِثْلُهٗ مَعَهٗ وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَكَ ذٰلِكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا قیامت کے دن ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مضمون کے اعتبار سے وہی حدیث بیان کی جو پیچھے حضرت ابوسعید سے نقل کی گئی ہے، ہاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پنڈلی کھلنے کا ذکر نہیں کیا اور پھر کہا کہ جب دوزخ کے اوپر پل صراط کھڑا کیا جائے تو تمام رسولوں میں اس پل کے اوپر سے اپنی امت کے ساتھ گزرنے والا سب سے پہلا رسول میں ہوں گا اور اس وقت کوئی بھی شخص زبان سے بات نکالنے کی جرأت نہیں کرے گا اور رسول بھی صرف اتنا کہیں گے کہ اے اللہ! سلامتی کے ساتھ رکھ نیز (اس پل کے دونوں طرف) جہنم میں سعدان کے کانٹوں جیسے آنکڑے ہوں گے ان آنکڑوں کی لمبائی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا وہ آنکڑے لوگوں کو ان کے برے اعمال کے سبب اچک لیں گے، پس ان لوگوں میں سے بعض تو وہ ہوں گے جو اپنے اعمال کی پاداش میں ہلاک ہوں گے اور بعض وہ ہوں گے جو (ان آنکڑوں کی وجہ سے) پاش پاش ہوں گے لیکن پھر نجات پائیں گے پھر جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلہ سے فارغ ہو جائے گا اور یہ ارادہ کرے گا کہ جن لوگوں نے "لا الہ الا اللہ" کی گواہی دی ہے ان میں جن کو وہ چاہے دوزخ سے نکال لے تو فرشتوں کو حکم دے گا ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے جو اللہ تعالیٰ کو معبود مانتے تھے۔ چنانچہ فرشتے ان لوگوں کو دوزخ سے نکالیں گے اور ان کی پیشانیوں پر سجدہ کے نشانات کے ذریعہ ان کو شناخت کریں گے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ پر یہ حرام کر دیا ہے کہ وہ سجدوں کے نشان کو کھالے اس لئے دوزخ کی آگ ابن آدم کے سارے جسم کو کھا جائے گی مگر سجدوں کے نشان کو نہیں کھائے گی، بہر حال وہ لوگ دوزخ اس حالت سے میں باہر لائے جائیں گے کہ وہ آگ میں جل کر سیاہ ہو چکے ہوں گے، پس ان پر آب حیات چھڑکا جائے گا اور وہ اس طرح تر و تازہ ہو جائیں گے جس طرح سیلاب کے کوڑے کچرے میں پڑا ہوا دانہ اُگ آتا ہے اور ایک شخص جو دوزخیوں میں سے جنت میں داخل ہونے والا آخری شخص ہوگا، جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا رکھا جائے گا، اس کا منہ دوزخ کی طرف ہوگا وہ عرض کرے گا کہ میرے پروردگار میرا منہ دوزخ کی طرف سے پھیر دے، دوزخ کی آگ کی بدبو نے مجھے سخت اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے اور اس کے شعلوں کی تیزی و گرمی مجھے بھسم کیے دے رہی ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اگر میں ایسا کر دوں تو ہو سکتا ہے کہ تو پھر کچھ اور بھی مانگنے لگے۔ وہ شخص عرض کرے گا کہ تمہیں تمہاری عزت کی قسم میں اور کچھ نہیں مانگوں گا پھر وہ کچھ عہد و پیمان کرے گا جو اللہ تعالیٰ چاہے گا اور اللہ تعالیٰ اس کا منہ دوزخ کی طرف سے پھیر دے گا مگر جب اس کا منہ جنت کی طرف پھیر دے گا اور وہ جنت کی زیبائش و آرائش اور تر و تازگی

[1] اخرجه البخاري: ۱/۲۰۳ ومسلم: ۱/۱۱۲

دیکھے گا تو اس وقت تک خاموش رہے گا جب تک خدا چاہے گا اور پھر عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! مجھے جنت کے دروازے تک پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو نے عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ تو اپنی اس درخواست کے علاوہ کوئی درخواست پیش نہیں کریگا وہ گڑگڑائے گا کہ میرے پروردگار! تو مجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ بدنصیب نہ بنا مگر جب وہ جنت کے دروازے تک پہنچے گا اور جنت کی چمک دمک اور اس کے اندر کی چیزوں کے ٹھاٹ باٹ دیکھے گا تو پہلے اس وقت تک خاموش رہے گا جب تک خدا چاہے گا، اور پھر عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! مجھے جنت کے اندر پہنچا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ابن آدم! افسوس تو کس قدر عہد شکن ہے اور وعدہ فراموش ہے؟ کیا تو نے عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ تو اپنی اس درخواست کے علاوہ جو تیری خواہش کے مطابق منظور کر لی گئی تھی کوئی اور درخواست پیش نہیں کرے گا۔ وہ عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! مجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ بدنصیب نہ بنا! غرضیکہ وہ اسی طرح گڑگڑاتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ جب راضی ہو جائے گا تو اس کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دیگا پھر فرمائے گا کہ تو اور جو کچھ آرزو اور خواہش رکھتا ہو تو اس کو ظاہر کر اور جو کچھ مانگنا چاہتا ہے مانگ لے چنانچہ وہ اپنی آرزوئیں بیان کرے گا اور جب اپنی آخری آرزو بھی پوری کرا لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فلاں فلاں چیز کی بھی خواہش کیوں نہیں ظاہر کرتا! گویا پروردگار اس کو یاد دلانا چاہے گا کہ تو نے فلاں فلاں چیز تو مانگی ہی نہیں، ان چیزوں کو بھی مانگ لے، میں آج تجھے ہر چیز عطا کروں گا یہاں تک کہ جب وہ آرزوئیں بھی پوری ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ نہ صرف یہ تمام چیزیں تیرے لئے ہیں بلکہ ان ہی جیسی مزید نعمتیں تجھے عطا کی جاتی ہے اور حضرت ابوسعید کی روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا نہ صرف یہ تمام چیزیں تیرے لئے ہیں بلکہ ان کے ساتھ دس گنا اور نعمتیں تجھے عطا کی جاتی ہیں۔

(بخاری و مسلم)

توضیح: "**کلالیب**" یہ جمع ہے اس کا مفرد کَلُّوب ہے یہ لوہے کے اس سیخ اور سلاخ کو کہتے ہیں جس کا سر مڑا ہوا ہو جس کے ذریعہ سے لوگ تندور سے روٹی نکالتے ہیں یا گوشت لٹکا کر بھونتے ہیں، اس کو کنڈے بھی کہہ سکتے ہیں اردو میں اس کا ترجمہ آنکڑے سے کیا گیا ہے ان کو خمدار کانٹے بھی کہہ سکتے ہیں۔ [۱] "**شوك السعدان**" سعدان ایک پودا ہے اس کو اونٹ بہت شوق سے کھاتے ہیں، اس میں عورت کے پستان کی چوسنی کی طرح کانٹے ہوتے ہیں جو انتہائی مضبوط اور سخت ہوتے ہیں۔ یہاں انہیں کانٹوں کا ذکر ہے، اس کو عربی میں حسکۃ اور حسیکۃ بھی کہتے ہیں۔ [۲]

"**تخطف الناس**" یعنی اعمال قبیحہ کی وجہ سے یہ آنکڑے ان گناہگاروں کو اچک اچک کر لے جائیں گے۔ [۳]

"**یوبق**" یعنی بعض ایسے ہوں گے جو بالکل ہلاک ہو جائیں گے، یہ کافر لوگ ہوں گے جن کو ان کے کفر کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ [۴] "**یخردل**" اور بعض کو یہ آنکڑے رائی کے برابر ریزہ ریزہ اور پاش پاش کر کے رکھ دیں گے یہ فاسق مسلمان ہوں گے۔ [۵] "**ثم ینجو**" یعنی پاش پاش ہونے اور سزا بھگتنے کے بعد آخر میں دوزخ سے نکل جائیں گے۔ [۶]

---

[۱] المرقات: ۹/۵۴۱ [۲] المرقات: ۹/۵۴۱ [۳] المرقات: ۹/۵۴۱ [۴] المرقات: ۹/۵۴۱ [۵] المرقات: ۹/۵۴۱ [۶] المرقات: ۹/۵۴۱

"قبل النار" یعنی دوزخ سے نکلنے کے بعد چہرہ آگ کی طرف ہوگا۔ ۱؎ "قشبنی" یعنی مجھے دوزخ کی حرارت اور بدبو نے بڑی ایذاء پہنچائی جس سے میرا رنگ بدل گیا اور چہرے کی کھال متغیر ہوگئی۔ ۲؎ "ذکاءھا" یعنی اس آگ کے شعلوں نے مجھے جلا کر رکھ دیا۔ ۳؎ "ھل عسیت" یعنی کیا اس کا امکان نہیں کہ اگر میں تمہیں اس حالت سے نکال دوں تو تم کوئی اور مطالبہ کرنے لگو گے؟ ۴؎ "فیعطی اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ سے پکا وعدہ کرے گا کہ پھر مطالبہ نہیں کروں گا۔ ۵؎ "ما اغدرك" یہ تعجب کا صیغہ ہے یعنی تم کتنے غدار دھوکہ باز ہو، ایک نسخہ میں ما اغذرک ذال کے ساتھ ہے یعنی کس چیز نے تجھے بار بار سوال کرنے اور وعدہ توڑنے میں معذور اور صاحب عذر بنا دیا ہے؟ "اقبل یذکرہ" یعنی اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کو یاد دلائے گا کہ فلاں فلاں چیز مانگو، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ان چیزوں کے مانگنے کا جذبہ القاء فرمائے گا اور الہام کے ذریعہ سے ان کو مانگنے کی طرف متوجہ فرمائے گا کہ فلاں فلاں چیز مانگ لو۔ ۶؎

جنت میں سب سے آخر میں جانے والا شخص

﴿۱۴﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اٰخِرُ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فَهُوَ يَمْشِيْ مَرَّةً وَّيَكْبُوْ مَرَّةً وَّتَسْفَعُهُ النَّارُ مَرَّةً فَاِذَا جَاوَزَهَا الْتَفَتَ اِلَيْهَا فَقَالَ تَبَارَكَ الَّذِيْ نَجَّانِيْ مِنْكِ لَقَدْ اَعْطَانِيَ اللّٰهُ شَيْئًا مَّا اَعْطَاهُ اَحَدًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ فَتُرْفَعُ لَهٗ شَجَرَةٌ فَيَقُوْلُ اَيْ رَبِّ اَدْنِنِيْ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ فَلِاَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا وَاَشْرَبَ مِنْ مَّائِهَا فَيَقُوْلُ اللّٰهُ يَا ابْنَ اٰدَمَ لَعَلِّيْ اِنْ اَعْطَيْتُكَهَا سَاَلْتَنِيْ غَيْرَهَا فَيَقُوْلُ لَا يَا رَبِّ وَيُعَاهِدُهٗ اَنْ لَّا يَسْاَلَهٗ غَيْرَهَا وَرَبُّهٗ يَعْذِرُهٗ لِاَنَّهٗ يَرٰى مَا لَا صَبْرَ لَهٗ عَلَيْهِ فَيُدْنِيْهِ مِنْهَا فَيَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَّاءِهَا ثُمَّ تُرْفَعُ لَهٗ شَجَرَةٌ هِيَ اَحْسَنُ مِنَ الْاُوْلٰى فَيَقُوْلُ اَيْ رَبِّ اَدْنِنِيْ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ لِاَشْرَبَ مِنْ مَّاءِهَا وَاَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا لَا اَسْاَلُكَ غَيْرَهَا فَيَقُوْلُ يَا ابْنَ اٰدَمَ اَلَمْ تُعَاهِدْنِيْ اَنْ لَّا تَسْاَلَنِيْ غَيْرَهَا فَيَقُوْلُ لَعَلِّيْ اِنْ اَدْنَيْتُكَ مِنْهَا تَسْاَلُنِيْ غَيْرَهَا فَيُعَاهِدُهٗ اَنْ لَّا يَسْاَلَهٗ غَيْرَهَا وَرَبُّهٗ يَعْذِرُهٗ لِاَنَّهٗ مَا لَا صَبْرَ لَهٗ عَلَيْهِ فَيُدْنِيْهِ مِنْهَا فَيَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَّائِهَا ثُمَّ تُرْفَعُ لَهٗ شَجَرَةٌ عِنْدَ بَابِ الْجَنَّةِ هِيَ اَحْسَنُ مِنَ الْاُوْلَيَيْنِ فَيَقُوْلُ اَيْ رَبِّ اَدْنِنِيْ مِنْ هٰذِهٖ فَلِاَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا وَاَشْرَبَ مِنْ مَّاءِهَا لَا اَسْاَلُكَ غَيْرَهَا فَيَقُوْلُ يَا ابْنَ اٰدَمَ اَلَمْ تُعَاهِدْنِيْ اَنْ لَّا تَسْاَلَنِيْ غَيْرَهَا قَالَ بَلٰى يَا رَبِّ هٰذِهٖ لَا اَسْاَلُكَ غَيْرَهَا وَرَبُّهٗ يَعْذِرُهٗ لِاَنَّهٗ يَرٰى مَا لَا صَبْرَ لَهٗ عَلَيْهِ فَيُدْنِيْهِ مِنْهَا فَاِذَا اَدْنَاهُ مِنْهَا سَمِعَ اَصْوَاتَ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ اَيْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْهَا

۱؎ المرقات: ۹/۵۳۲ ۲؎ المرقات: ۹/۵۳۲ ۳؎ المرقات: ۹/۵۳۲ ۴؎ المرقات: ۹/۵۳۲ ۵؎ المرقات: ۹/۵۳۲ ۶؎ المرقات: ۹/۵۳۳

فَيَقُوْلُ يَا ابْنَ آدَمَ مَا يَصْرِيْنِيْ مِنْكَ اَيُرْضِيْكَ اَنْ اُعْطِيَكَ الدُّنْيَا وَمِثْلَهَا قَالَ اَيْ رَبِّ اَتَسْتَهْزِئُ مِنِّيْ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ فَضَحِكَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ اَلَا تَسْاَلُوْنِّيْ مِمَّ اَضْحَكُ فَقَالُوْا مِمَّ تَضْحَكُ فَقَالَ هٰكَذَا ضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا مِمَّ تَضْحَكُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مِنْ ضِحْكِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ حِيْنَ قَالَ اَتَسْتَهْزِئُ مِنِّيْ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ فَيَقُوْلُ اِنِّيْ لَا اَسْتَهْزِئُ مِنْكَ وَلٰكِنِّيْ عَلٰى مَا اَشَاءُ قَدِيْرٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ نَحْوَهٗ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ فَيَقُوْلُ يَا ابْنَ آدَمَ مَا يَصْرِيْنِيْ مِنْكَ اِلٰى اٰخِرِ الْحَدِيْثِ وَزَادَ فِيْهِ وَيُذَكِّرُهُ اللّٰهُ سَلْ كَذَا وَكَذَا حَتّٰى اِذَا انْقَطَعَتْ بِهِ الْاَمَانِيُّ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ لَكَ وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهٖ قَالَ ثُمَّ يَدْخُلُ بَيْتَهٗ فَتَدْخُلُ عَلَيْهِ زَوْجَتَاهُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ فَيَقُوْلَانِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَاكَ لَنَا وَاَحْيَانَا لَكَ قَالَ فَيَقُوْلُ مَا اُعْطِيَ اَحَدٌ مِثْلَ مَا اُعْطِيْتُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں سب سے آخر میں داخل ہونے والا جو شخص ہوگا وہ جب روانہ ہوگا تو ایک قدم آگے چلے گا اور دوسری مرتبہ منہ کے بل گر پڑے گا اور تیسری مرتبہ دوزخ کی آگ اس کے جسم کو جھلس ڈالے گی پھر جب وہ دوزخ سے آگے گزر جائے گا تو مڑ کر دیکھے گا اور کہے گا کہ بزرگ و برتر ہے خدا کی ذات جس نے مجھے تجھ سے چھٹکارا دلایا۔ خدا کی قسم! میرے پروردگار نے مجھے وہ چیز عطا کی ہے جو اس نے اگلے پچھلے لوگوں میں سے کسی کو عطا نہیں کی، پھر اس کی نظر کے سامنے ایک درخت کھڑا کیا جائے گا وہ عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! مجھے اس درخت کے قریب پہنچا دے تا کہ میں اس کا سایہ حاصل کرسکوں اور اس کے چشمہ سے پانی پیوں اللہ تعالیٰ فرمائے گا ابن آدم! اگر میں تیری یہ آرزو پوری کردوں تو ہوسکتا ہے کہ تو مجھ سے کچھ اور مانگنے لگے! وہ عرض کرے گا کہ میرے پروردگار ایسا نہیں ہوگا، اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ سے اس بات کا عہد کرے گا کہ وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگے گا، چونکہ وہ شخص ایک ایسی چیز دیکھے گا جو اس کو بے صبر کردے گی اس لئے اس کا پروردگار اس کو معذور جان کر اس سے درگزر کرے گا اور اس کو درخت کے پاس پہنچا دے گا۔ وہ شخص اس درخت کے سایہ میں بیٹھے گا اور اس کے چشمے سے پانی پیئے گا پھر اس کی نظر کے سامنے ایک دوسرا درخت کھڑا کیا جائے گا جو پہلے درخت سے زیادہ اچھا ہوگا وہ شخص کہے گا میرے پروردگار! مجھ کو اس درخت کے پاس پہنچا دیجئے تا کہ اس کا سایہ حاصل کرسکوں اور اس کے چشمے سے پانی پیوں، نیز میں اب اس درخت کے علاوہ تجھ سے کچھ اور نہیں مانگوں گا حق تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ ابن آدم! کیا تو نے مجھ سے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ تُو اس درخت کے علاوہ کچھ اور مجھ سے نہیں مانگے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا اگر میں تجھے اس درخت کے پاس بھی پہنچا دوں تو ہوسکتا ہے کہ تو مجھ سے کچھ اور مانگنے لگے! لیکن اس کا پروردگار اس

[1] مسلم: ۱/۱۱۹

کو معذور جان کر اس سے درگزر کرے گا کیونکہ وہ ایک ایسی چیز دیکھے گا جو اس کو بے صبر کر دیگی اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس درخت کے پاس پہنچا دیگا۔ وہ شخص اس درخت کے سایہ میں بیٹھے گا اور اس کے چشمہ کا پانی پیئے گا پھر (تیسرا) درخت اس کے سامنے کھڑا کیا جائے گا جو جنت کے دروازے کے قریب ہوگا اور پہلے دونوں درختوں سے زیادہ اچھا ہوگا وہ شخص کہے گا میرے پروردگار مجھے اس درخت کے پاس پہنچا دیجئے تاکہ میں اس کا سایہ حاصل کرسکوں اور اس کے چشمے سے پانی پیوں، حق تعالیٰ اس سے فرمائے گا ابن آدم! کیا تو نے مجھ سے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ اس کے علاوہ کچھ اور مجھ سے نہیں مانگے گا۔ وہ عرض کرے گا کہ ہاں! اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ پس اس کا پروردگار اس کو معذور جان کر اس سے درگزر کرے گا کیونکہ وہ شخص ایک ایسی چیز دیکھے گا جو اس کو بے صبر کردے گی اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس درخت کے پاس پہنچا دے گا اور جب وہ اس درخت کے پاس پہنچ جائے گا اور اس کے کان میں وہ باتیں آئیں گی جو جنتی لوگ اپنی بیویوں اور اپنے دوست واحباب سے کریں گے تو وہ شخص عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! اب مجھے جنت میں بھی پہنچا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ابن آدم! کیا کوئی ایسی چیز بھی ہے جو تجھ سے میرا پیچھا چھڑا دے؟ کیا تو اس سے بھی خوش ہوگا یا نہیں کہ میں تجھے جنت میں دنیا بھر کی مسافت کے برابر اور اسی قدر مزید جگہ تجھے دے دوں؟ وہ شخص کہے گا کہ پروردگار کہیں آپ مجھ سے مذاق تو نہیں کر رہے ہیں، حالانکہ آپ تو تمام جہانوں کے پروردگار ہیں؟ (حدیث کے یہ الفاظ بیان کرنے کے بعد) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہنسے اور پھر بولے کہ کیا تم یہ نہیں پوچھوگے کہ میں کیوں ہنسا؟ لوگوں نے پوچھا کہ ہاں آپ کیوں ہنسے تھے؟ فرمایا اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی ہنسے تھے اور جب صحابہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ ہنسے کیوں؟ تو آنحضرت نے فرمایا کہ میں اس وجہ سے ہنسا کہ جب وہ شخص کہے گا کہ پروردگار کہیں آپ مجھ سے مذاق تو نہیں کر رہے ہیں؟ حالانکہ آپ تمام جہانوں کے پروردگار ہیں؟ تو پھر پروردگار عالم اس پر ہنس پڑے گا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ نہیں میں تجھ سے مذاق نہیں کر رہا ہوں لیکن میں جو چاہوں کرسکتا ہوں۔ اس روایت کو مسلم نے نقل کیا ہے اور مسلم ہی کی ایک اور روایت میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کے الفاظ منقول ہیں لیکن اس روایت میں **"فیقول یاابن ادم مایصریني منك"** سے آخر تک کے الفاظ تو نہیں ہیں البتہ یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ اس شخص کو یاد دلائے گا اور بتائے گا کہ فلاں فلاں چیز مانگ اور جب اس کی آرزوئیں تمام ہولیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ نہ صرف یہ تمام چیزیں بلکہ ان کی دس گنی اور چیزیں بھی تجھے عطا کی جاتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کے بعد وہ شخص جنت میں اپنے گھر میں داخل ہوگا وہاں اس کے پاس حورعین میں سے اس کی دو بیویاں آئیں گی اور کہیں گی کہ تمام تعریف اللہ بزرگ وبرتر کے لئے ہے جس نے تمہیں ہمارے لئے اور ہمیں تمہارے لئے پیدا کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ شخص کہے گا کہ جتنا مجھے عطا کیا گیا ہے اتنا کسی اور کو نہیں دیا گیا۔

توضیح: **"یکبو"** کبا یکبو منہ کے بل گرنے کو کہتے ہیں۔ [1] **"تسعفه"** یعنی آگ کے شعلے اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ [2] **"یعذرہ"** یعنی عظیم نعمتوں کے سامنے اس شخص کا بے صبر ہونا اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوگا اس لئے اللہ تعالیٰ اس

[1] المرقات: ۹/۵۳۶ [2] المرقات: ۹/۵۳۶

کو بار بار مخالفت اور پھر سوال کرنے پر معذور و مجبور سمجھے گا۔ [۱] "مایصرینی منك" صری یصری صریٰ، ضرب یضرب سے روکنے کے معنی میں ہے، اسی سے بیع مصراۃ بمعنی حبس اللبن فی الضرع ہے ایک نسخہ میں مایصر یک منی ہے معنی کے اعتبار سے یہ زیادہ واضح ہے دونوں نسخے صحیح ہیں مطلب یہ ہے کہ اے ابن آدم وہ کون سی چیز ہے جو تیرے بار بار سوالات اور مطالبات سے میرا پیچھا چھڑادے؟ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہایت شفقت کا اظہار ہے۔ [۲] "احیاك لنا" دونوں جگہ احیاک تخلیق اور پیدا کرنے کے معنی میں ہے یعنی آپ کو ہمارے لئے اور ہم کو آپ کے لئے پیدا کیا۔ [۳]

کچھ سزایافتہ جنتیوں کا لقب جہنمی ہوگا

﴿۱۵﴾ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیُصِیْبَنَّ اَقْوَامًا سَفْعٌ مِّنَ النَّارِ بِذُنُوْبٍ اَصَابُوْهَا عُقُوْبَةً ثُمَّ یُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهٖ فَیُقَالُ لَهُمُ الْجَهَنَّمِیُّوْنَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ) [۴]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مسلمانوں کے کتنے ہی گروہ ایسے ہوں گے جنہیں ان کی گناہوں کی پاداش میں جوانہوں نے کئے ہوں گے دوزخ کی آگ کے شعلے جھلس دیں گے اور ان کے حلیوں کو بدل دیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم اور رحمت کے تحت ان کو جنت میں پہنچائے گا اور ان لوگوں کو جہنمی کہا جائے گا۔ (بخاری)

توضیح: "سفع" یہ فاعل واقع ہے آگ کے شعلے کو کہتے ہیں یعنی بہت ایسے گروہ ہوں گے جنہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں دوزخ کی آگ کے شعلے جھلسا دیں گے۔ [۵] "الجهنمیون" یہ لقب ایذاء رسانی کے طور پر نہیں ہوگا بلکہ تذکرۂ خلاصی من النار اور تذکرۂ احسان خداوندی کے طور پر ہوگا۔ [۶]

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ اَقْوَامٌ مِّنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ فَیَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَیُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِیِّیْنَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَفِیْ رِوَایَةٍ یَخْرُجُ قَوْمٌ مِّنْ اُمَّتِیْ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَتِیْ یُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِیِّیْنَ) [۷]

ترجمہ: اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بہت سے لوگوں کو محمد کی شفاعت کے نتیجے میں دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا اور ان کا نام جہنمی رکھا جائے گا (بخاری) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا میری امت کے بہت سے لوگ میری شفاعت کے نتیجہ میں دوزخ سے نکالے جائیں گے اور ان کا نام جہنمی رکھا جائے گا۔

﴿۱۷﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اٰخِرَ اَهْلِ

[۱] المرقات: ۹/۵۳۶، ۵۴۲ [۲] المرقات: ۹/۵۴۹ [۳] المرقات: ۹/۵۵۰ [۴] اخرجه البخاری: ۸/۱۴۳

[۵] المرقات: ۹/۵۵۰ [۶] المرقات: ۹/۵۵۱ [۷] اخرجه البخاری: ۸/۱۴۵

النَّارِ خُرُوْجًا مِّنْهَا وَاٰخِرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلًا رَجُلٌ يَّخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبْوًا فَيَقُوْلُ اللّٰهُ اِذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَأْتِيْهَا فَيُخَيَّلُ اِلَيْهِ اَنَّهَا مَلْاٰى فَيَقُوْلُ يَارَبِّ وَجَدْتُّهَا مَلْاٰى فَيَقُوْلُ اللّٰهُ اِذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَاِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشَرَةَ اَمْثَالِهَا فَيَقُوْلُ اَتَسْخَرُ مِنِّيْ اَوْتَضْحَكُ مِنِّيْ وَاَنْتَ الْمَلِكُ فَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ وَكَانَ يُقَالُ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں یقیناً اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا اور سب سے آخر میں جنت میں پہنچایا جائے گا یہ ایک شخص ہوگا جو گھٹنوں کے بل چل کر دوزخ سے باہر آئے گا اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ جا اور جنت میں داخل ہو جا۔ وہ شخص جب وہاں پہنچے گا تو اس کو جنت اس حال میں دکھائی دے گی کہ گویا وہ بالکل بھر گئی ہے اور اس میں مزید کسی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے وہ شخص عرض کرے گا میرے لئے کوئی جگہ نظر نہیں آرہی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جا! اور جنت میں داخل ہو وہاں تیرے لئے دنیا کے بقدر اور اس سے دس گنی مزید جگہ تیرے لئے ہے۔ وہ شخص کہے گا کہ کیا آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں یا یہ کہے گا کہ آپ مجھ سے ہنسی کر رہے ہیں حالانکہ آپ تو بادشاہ ہیں؟ حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات فرما کر ہنسے یہاں تک کہ آپ کی کچلیاں نظر آنے لگیں اور کہا جاتا تھا کہ یہ شخص جنتیوں میں سب سے چھوٹے درجہ کا آدمی ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "حبواً" گھٹنوں کے بل چلنے کو حبواً کہتے ہیں۔ [2] "وانت الملك" یعنی تو بادشاہ علی الاطلاق ہے اور بادشاہ مذاق نہیں کرتا ہے۔ آپ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں کہ جنت میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہے اور آپ دس گنا کی بات کر رہے ہیں۔ [3]

جب رحمت خداوندی جوش مارے گی

﴿۱۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اٰخِرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلًا الْجَنَّةَ وَاٰخِرَ اَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِّنْهَا رَجُلٌ يُّؤْتٰى بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ اَعْرِضُوْا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوْبِهٖ وَارْفَعُوْا عَنْهُ كِبَارَهَا فَتُعْرَضُ عَلَيْهِ صِغَارُ ذُنُوْبِهٖ فَيُقَالُ عَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا كَذَا وَكَذَا وَعَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا كَذَا وَكَذَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّنْكِرَ وَهُوَ مُشْفِقٌ مِّنْ كِبَارِ ذُنُوْبِهٖ اَنْ تُعْرَضَ عَلَيْهِ فَيُقَالُ لَهٗ فَاِنَّ لَكَ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ حَسَنَةً فَيَقُوْلُ رَبِّ قَدْ عَمِلْتُ اَشْيَاءَ لَا اَرَاهَا

[1] اخرجه البخاری: ۸/۱۳۶ ومسلم: ۱/۱۱۸ [2] المرقات: ۹/۵۵۱ [3] المرقات: ۹/۵۵۲

هٰهُنَا وَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں یقیناً اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل کیا جائے گا اور سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا یہ ایک ایسا شخص ہوگا جس کو قیامت کے دن جب پیش کیا جائے گا تو کہا جائے گا کہ اس کے چھوٹے گناہوں کی فرد جرم اس کے آگے کر دو اور اس کے بڑے بڑے گناہوں کی فرد جرم کو ابھی اس پر ظاہر نہ کرو۔ چنانچہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کی فرد جرم اس کے آگے کر دی جائے گی اور پھر اس سے کہا جائے گا کہ کیا تو نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں کام کئے تھے اور فلاں فلاں دن طاعت کو ترک کیا تھا وہ اقرار کرے گا کہ ہاں، وہ اپنے گناہوں سے انکار نہیں کر سکے گا کیونکہ وہ اپنے بڑے بڑے گناہوں کے خوف میں مبتلا ہوگا کہ کہیں اس کے بڑے گناہوں کی فرد جرم اس پر پیش نہ کر دی جائے، اس سے کہا جائے گا تجھے کہ ہر برائی کے بدلہ میں ایک نیکی عطا کی جاتی ہے وہ شخص کہے گا کہ میرے پروردگار میں نے اور بھی بہت سے برے کام کئے تھے جو مجھے یہاں نظر نہیں آرہے ہیں۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بیان کر کے ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کی کچلیاں نظر آنے لگیں۔ (مسلم)

توضیح: یعنی میرے کچھ بڑے گناہ تھے وہ یہاں نظر نہیں آرہے ہیں جب چھوٹے گناہوں کی وجہ سے اتنی نعمت ملی تو بڑے گناہوں پر کتنا ہی زیادہ انعام ملے گا۔ سچ ہے کہ جب رحمت خداوندی جوش مارے گی تو ابلیس کو بھی اُمید پیدا ہوجائے گی کہ شاید ہمیں بھی کچھ معافی مل جائے۔

لعل رحمة ربی حین یقسمها تأتی علی حسب العصیان فی القسم

دوزخ سے نکالے ہوئے ایک شخص کا واقعہ

﴿۱۹﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ أَرْبَعَةٌ فَيُعْرَضُوْنَ عَلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُؤْمَرُ بِهِمْ إِلَى النَّارِ فَيَلْتَفِتُ أَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ أَيْ رَبِّ لَقَدْ كُنْتُ أَرْجُوْ إِذَا أَخْرَجْتَنِيْ مِنْهَا أَنْ لَّا تُعِيْدَنِيْ فِيْهَا قَالَ فَيُنْجِيْهِ اللّٰهُ مِنْهَا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار آدمی وہ ہوں گے جن کو جب دوزخ سے نکالا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جائے گا تو ان کے بارے میں یہ حکم ہوگا کہ ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے۔ اس کے بعد جب ان کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا تو ان میں سے ایک شخص مڑ کر دیکھے گا اور کہے گا کہ میرے پروردگار میں تو یہ امید رکھتا تھا کہ جب آپ مجھے دوزخ سے باہر بلوا لیں گے تو دوبارہ مجھے نہیں بھیجیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ سے نجات دے دے گا۔ (مسلم)

[۱] اخرجه مسلم: ۱/۱۲۱ [۲] اخرجه مسلم: ۱/۱۲۳

توضیح: "فیلتفت" یعنی جب اللہ تعالیٰ اس شخص کو دوبارہ دوزخ میں چلے جانے کا حکم دے گا۔ تو ایک دوزخی عجیب عاجزانہ انداز سے کہے گا کہ میرا تو خیال یہ تھا کہ جب آپ نے مجھے نکال دیا تو دوبارہ نہیں بھیجیں گے اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ ایک امتحان اور آزمائش تھی! جاؤ جنت میں رہو، یہاں ایک کے ساتھ اس مکالمہ کا ذکر ہے ورنہ یہ معاملہ چاروں کے ساتھ ہوگا کیونکہ کافر کو تو کبھی دوزخ سے نکالا نہیں جاتا جب ان چار کو نکالا تو یہ مسلمان ہوں گے جب نکلے تو بس نکل ہی گئے۔[۱]

مؤمن سے پل صراط کے اوپر ایک اور سوال ہوگا

﴿۲۰﴾وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَلَّصُ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ فَيُحْبَسُوْنَ عَلٰى قَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَيُقْتَصُّ لِبَعْضِهِمْ مِّنْ بَعْضٍ مَظَالِمُ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا حَتّٰى اِذَا هُذِّبُوْا وَنُقُّوْا اُذِنَ لَهُمْ فِيْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ فَوَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَاَحَدُهُمْ اَهْدٰى بِمَنْزِلِهٖ فِي الْجَنَّةِ مِنْهُ بِمَنْزِلِهٖ كَانَ لَهٗ فِي الدُّنْيَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اہل ایمان کو دوزخ سے چھٹکارا ملے گا تو ان کو اس پل پر روک لیا جائے گا جو جنت اور دوزخ کے درمیان ہوگا اور پھر ان سے ایک دوسرے کو حقوق و مطالبات کا بدلہ دلوایا جائے گا جو دنیا میں وہ ایک دوسرے پر رکھتے تھے یہاں تک کہ جب وہ لوگ بالکل پاک وصاف ہو جائیں گے تو ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دیدی جائے گی پس قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں محمد کی جان ہے جب وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو ان میں سے ہر شخص اپنے اس مکان کو جو اس کے لئے جنت میں مخصوص ہوگا اپنے دنیا کے مکان سے زیادہ پہچاننے والا ہوگا۔ (بخاری)

توضیح: "علی قنطرة" یعنی پل صراط پر صلہ رحمی وغیرہ مظالم کا مستقل حساب کتاب ہوگا اس کی تفصیل اس باب کی گذشتہ حدیث نمبر ۹ میں گذر چکی ہے۔ "اہدی" یعنی پل صراط سے گذرنے کے بعد مؤمن آدمی کو اپنے جنت کا مکان اس طرح معلوم ہوگا جس طرح دنیا میں وہ اپنے مکان کو معلوم کرتا تھا، یہ اس شخص کے نور ایمانی کا اثر ہوگا جس طرح دنیا میں اس کو ہدایت کا نور حاصل ہو گیا تھا اسی طرح یہ مؤمن اس نور سے جنت کا مکان آسانی سے معلوم کر سکے گا۔[۳]

ہر آدمی کے لئے جنت اور دوزخ میں ایک ایک سیٹ مقرر ہے

﴿۲۱﴾وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ اَحَدٌ الْجَنَّةَ اِلَّا اُرِيَ

---

۱ المرقات: ۹/۵۵۳ ۲ اخرجه البخاری: ۸/۱۳۸ ۳ المرقات: ۹/۵۵۴

مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ لَوْ اَسَاءَ لِيَزْدَادَ شُكْرًا وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ اِلَّا اُرِيَ مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ اَحْسَنَ لِيَكُوْنَ عَلَيْهِ حَسْرَةً۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بھی شخص اس وقت تک جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا جب تک اس کو دوزخ میں وہ جگہ نہ دکھادی جائے گی جو اس کا ٹھکانہ ہوتا اگر وہ برے کام کرتا، اور یہ اس لئے ہوگا کہ وہ دنیا میں برے کام سے بچنے کی توفیق ملنے اور دوزخ میں جانے کے بجائے جنت میں داخل کیے جانے پر زیادہ سے زیادہ شکر ادا کر سکے اور کوئی بھی شخص اس وقت تک دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا جب تک کہ اس کو جنت میں وہ جگہ نہ دکھادی جائے گی جو اس کے لئے مخصوص تھی اگر وہ نیک کام کرتا اور یہ اس لئے ہوگا تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ حسرت وندامت میں مبتلا ہو۔ (بخاری)

جب خود موت کی موت آجائے گی

﴿۲۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَارَ اَهْلُ الْجَنَّةِ اِلَى الْجَنَّةِ وَاَهْلُ النَّارِ اِلَى النَّارِ جِيْءَ بِالْمَوْتِ حَتّٰى يُجْعَلَ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ ثُمَّ يُذْبَحُ ثُمَّ يُنَادِيْ مُنَادٍ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ لَا مَوْتَ وَيَا اَهْلَ النَّارِ لَا مَوْتَ فَيَزْدَادُ اَهْلُ الْجَنَّةِ فَرَحًا اِلٰى فَرَحِهِمْ وَيَزْدَادُ اَهْلُ النَّارِ حُزْنًا اِلٰى حُزْنِهِمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جالیں گے تو موت کو لایا جائے گا اور اس کو جنت و دوزخ کے درمیان ڈال کر ذبح کر دیا جائے گا، پھر اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ اے جنتیو! اب موت کا کوئی وجود نہیں رہا اور اے دوزخیو! اب موت کو کوئی وجود نہیں رہا، اہل جنت کی فرحت ومسرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہے گا اور اہل دوزخ رنج وغم کے دریا میں اور زیادہ ڈوب جائیں گے۔ (بخاری ومسلم)

الفصل الثانی

حوض کوثر پر سب سے پہلے غریب مہاجرین آئیں گے

﴿۲۳﴾ عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَوْضِيْ مِنْ عَدَنٍ اِلٰى عَمَّانِ الْبَلْقَاءِ مَاءُهٗ اَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ وَاَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ وَاَكْوَابُهٗ عَدَدُ نُجُوْمِ السَّمَاءِ مَنْ شَرِبَ مِنْهُ شَرْبَةً لَمْ يَظْمَأْ بَعْدَهَا اَبَدًا اَوَّلُ النَّاسِ وُرُوْدًا فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ الشُّعْثُ رُءُوْسًا الدُّنْسُ ثِيَابًا الَّذِيْنَ

---

[۱] اخرجه البخاري: ۸/۱۳۶ [۲] اخرجه البخاري: ۸/۱۳۱ ومسلم: ۸/۱۵۲

لَا یُنْکَحُوْنَ الْمُتَنَعِّمَاتِ وَلَا یُفْتَحُ لَهُمُ السُّدَدُ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ) [1]

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میرے حوض (کوثر) کی لمبائی عدن اور عمان بلقاء کے درمیانی فاصلہ کے بقدر ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے اس کے آب خورے (پانی پینے کے برتن) آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں۔ جو شخص بھی ایک مرتبہ اس کا پانی پی لے گا پھر اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی اس حوض پر پانی پینے کے لئے سب سے پہلے آنے والے لوگ فقراء مہاجرین ہوں گے وہی فقراء مہاجرین جو پراگندہ بال اور پریشان حال اور پھٹے پرانے کپڑوں میں نظر آتے ہیں جو خوشحال گھرانوں کی لڑکیوں سے نکاح کے قابل نہیں سمجھے جاتے اور جن کے لئے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: ''عمان بلقاء'' عمان تین مقامات کا نام ہے ایک عمان، بحر احمر کے پاس ہے جو پہلے شام کا حصہ تھا اب اردن کا دار سلطنت ہے۔ دوسرا عمان شام میں واقع ایک علاقے کا نام ہے جو دیہاتی علاقہ ہے، تیسرا عمان، بحرین میں ہے۔ بلقاء جو مقام ہے یہ شام کے علاقہ دمشق کے قریب ایک قدیم شہر کا نام ہے، اس حدیث میں عمان سے بلقاء شام مراد ہے اسی وجہ سے اس کی طرف اضافت کی گئی ہے تاکہ عمان اردن اور عمان بحرین سے احتراز ہو جائے، اس حدیث میں مختلف جگہوں کا نام لے کر حوض کوثر کے طول وعرض کی تمثیل بیان کی گئی ہے اور مختلف مقامات کا نام لیا گیا ہے تاکہ جو شخص جس مقام کو سمجھ لے وہ اسی کے طول وعرض سے اندازہ لگا لے، حدیث میں کوئی تحدید و تعیین اور مخصوص کرنا مقصود نہیں ہے۔ [2]

''الشعث'' شین پر ضمہ ہے، عین ساکن اور ثا پر بھی ضمہ ہے یہ جمع ہے اس کا مفرد اشعث ہے جو پراگندہ بال کو کہتے ہیں۔ [3]
''الدنس'' دال پر ضمہ ہے نون پر بھی ضمہ ہے سین پر بھی ضمہ ہے یہ جمع ہے اس کا مفرد دنس ہے میلے کچیلے کپڑوں کو کہتے ہیں۔ [4] ''المتنعمات'' یعنی ناز پرودہ، خوبصورت اور مالدار عورتوں سے ان کا نکاح نہیں کیا جائے گا۔ [5] ''السدد'' سین اور دال پر بھی پیش ہے یہ جمع ہے اس کا مفرد سدۃ ہے، دروازہ کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان فقراء کی طرف دنیا میں لوگ التفات نہیں کرتے اگر دروازہ پر بھی کھڑے ہوں ہو تو ان کے لئے دروازہ نہیں کھولا جاتا اور نہ ان کے پیغام نکاح کو کوئی سنتا ہے یہ دنیا کے فقراء ہیں مگر آخرت کے بادشاہ ہیں ان جیسے ایک درویش پر سارے دنیا دار قربان ہوں۔ [6]

حوض کوثر پر آنے والوں کا شمار نہیں

﴿۲۴﴾ وَعَنْ زَیْدِ ابْنِ اَرْقَمَ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فَقَالَ

[1] اخرجه احمد: ۵/۲۷۵ والترمذی: ۴/۶۲۹ [2] المرقات: ۹/۵۵۶ [3] المرقات: ۹/۵۵۷
[4] المرقات: ۹/۵۵۶ [5] المرقات: ۹/۵۵۷ [6] المرقات: ۹/۵۵۶

مَا اَنْتُمْ جُزْءٌ مِّنْ مِّائَةِ اَلْفِ جُزْءٍ مِّمَّنْ يَّرِدُ عَلَيَّ الْحَوْضَ قِيْلَ كَمْ كُنْتُمْ يَوْمَئِذٍ قَالَ سَبْعُ مِائَةٍ اَوْ ثَمَانُ مِائَةٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک جگہ ہمارا پڑاؤ ہوا۔ وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ میرے پاس حوض کوثر پر آئیں گے ان کی تعداد کے اعتبار سے تم لاکھ جزؤں میں سے ایک جزو بھی نہیں ہو۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ اس موقع پر آپ لوگوں کی تعداد کیا تھی؟ انہوں نے کہا کہ سات سو یا آٹھ سو۔ (ابوداؤد)

﴿۲۵﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَاِنَّهُمْ لَيَتَبَاهَوْنَ اَيُّهُمْ اَكْثَرُ وَارِدَةً وَاِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ وَارِدَةً۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (آخرت میں) ہر ایک نبی کو حوض عطا ہوگا اور ہر امت اپنے اپنے نبی کے حوض پر آ کر پانی پئیں گے پس تمام انبیاء آپس میں فخر کریں گے کہ کس کے حوض پر زیادہ آدمی ہوتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ سب سے زیادہ آدمی میرے حوض پر آئیں گے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

میدان محشر میں آنحضرت کہاں ملیں گے

﴿۲۶﴾ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّشْفَعَ لِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقَالَ اَنَا فَاعِلٌ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَيْنَ اَطْلُبُكَ قَالَ اُطْلُبْنِيْ اَوَّلَ مَا تَطْلُبُنِيْ عَلَى الصِّرَاطِ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَلْقَكَ عَلَى الصِّرَاطِ قَالَ فَاطْلُبْنِيْ عِنْدَ الْمِيْزَانِ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَلْقَكَ عِنْدَ الْمِيْزَانِ قَالَ فَاطْلُبْنِيْ عِنْدَ الْحَوْضِ فَاِنِّيْ لَا اُخْطِئُ هٰذِهِ الثَّلٰثَ الْمَوَاطِنَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن خاص طور پر الگ سے بھی میری شفاعت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا میں شفاعت کردوں گا میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کو کہاں تلاش کروں اور آپ کہاں ملیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے مجھے پل صراط پر تلاش کرنا میں نے عرض کیا کہ اگر آپ وہاں پر نہ مل پائیں؟ فرمایا تو پھر میزان کے پاس تلاش کرنا۔ میں عرض کیا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میزان کے پاس بھی نہ

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴/۲۳۷ [2] اخرجه الترمذی: ۴/۶۲۸ [3] اخرجه الترمذی: ۴/۶۲۱

ملے؟ فرمایا! تو پھر مجھے حوض پر تلاش کرنا میں ان تینوں جگہوں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

حضور اکرم ﷺ مقام محمود میں

﴿۲۷﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قِيْلَ لَهُ مَا الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ قَالَ ذٰلِكَ يَوْمٌ يَنْزِلُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى كُرْسِيِّهٖ فَيَئِطُّ كَمَا يَئِطُّ الرَّحْلُ الْجَدِيْدُ مِنْ تَضَايُقِهٖ وَهُوَ كَسَعَةِ مَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَيُجَاءُ بِكُمْ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا فَيَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ يُّكْسٰى اِبْرَاهِيْمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اُكْسُوْا خَلِيْلِيْ فَيُؤْتٰى بِرَيْطَتَيْنِ بَيْضَاوَيْنِ مِنْ رِيَاطِ الْجَنَّةِ ثُمَّ اُكْسٰى عَلٰى اِثْرِهٖ ثُمَّ اَقُوْمُ عَنْ يَّمِيْنِ اللّٰهِ مَقَامًا يَّغْبِطُنِيْ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ مقام محمود اور اس کی اہمیت کیا ہے؟ جس کا اس آیت میں آپ سے وعدہ کیا گیا ہے ﴿عسیٰ ان یبعثك ربك مقاما محمودا﴾ تو آپ نے فرمایا اس دن اللہ تعالیٰ اپنی کرسی پر نزول جلال فرمائے گا اور وہ کرسی چرچرائے گی جیسا کہ نئے چمڑے کی تنگ زین چرچراتی ہے اور کرسی کی کشادگی و وسعت اتنی ہے جتنی کہ زمین و آسمان کی درمیانی فضاء پھر تم سب کو برہنہ پا، ننگے بدن اور بے ختنہ (میدان حشر میں) لایا جائے گا اور اس دن سب سے پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ میرے دوست کو لباس پہناؤ اور جنت کی چادروں میں سے ملائم کتان کی دو سفید چادریں لا کر حضرت ابراہیم کو پہنائی جائیں گی ان کے بعد مجھ کو لباس پہنایا جائے گا اور پھر میں اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب کھڑا ہوں گا تو اگلے پچھلے تمام لوگ مجھ پر رشک کریں گے۔ (دارمی)

توضیح: "یئط" اط یئط اطا و اطتطا۔ نئی کرسی پر بیٹھنے کے وقت جو چرچراہٹ کی آواز آتی ہے اسی کو یئط کہتے ہیں۔[۲]

"الرحل" کجاوہ کو کہتے ہیں۔[۳] "حفاۃ" ننگے پاؤں کو کہتے ہیں،[۴] "عراۃ" برہنہ بدن کو کہتے ہیں۔[۵] "غرلا" اغرل ناختنہ شدہ کو کہتے ہیں۔[۶] "اکسوا" امر کا صیغہ ہے پہنانے کے معنی میں ہے۔[۷] "ریطتین" ریطۃ کتان اور تسر کی چادر کو کہتے ہیں حضرت ابراہیم کو سب سے پہلے کپڑے اس لئے پہنائے جائیں گے کہ نمرود نے آگ میں ڈالتے وقت ان کے کپڑے اُتارے تھے، حضور سے پہلے اس لئے پہنائے کہ آپ کے دادا ہیں یہی احترام کا تقاضا ہے یا حضور اکرم ﷺ نے اوروں کا بتایا، اپنا معاملہ الگ ہوگا مگر اس حدیث میں تاخیر کی تصریح ہے تاویل مناسب نہیں۔[۸]

---

[۱] اخرجه الدارمی: ۲۸۰۳ [۲] المرقات: ۹/۵۶۱ [۳] المرقات: ۹/۵۶۱ [۴] المرقات: ۹/۴۶۲
[۵] المرقات: ۹/۴۶۲ [۶] المرقات: ۹/۴۶۳ [۷] المرقات: ۹/۵۶۲ [۸] المرقات: ۹/۵۶۲

﴿۲۸﴾وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِعَارُ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلَى الصِّرَاطِ رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن پل صراط پر سے گزرتے وقت اہل ایمان کی علامت یہ الفاظ ہوں گے رب سلم سلم، اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

شفاعت اہل کبائر کے لئے ہوگی

﴿۲۹﴾وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ جَابِرٍ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا گناہ کبیرہ کرنے والوں کے حق میں میری شفاعت صرف میری امت کے لوگوں کے لئے مخصوص ہوگی، اس روایت کو ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت جابر سے نقل کیا ہے۔

رحمت عالم کی شان رحمت

﴿۳۰﴾وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِيْ اٰتٍ مِّنْ عِنْدِ رَبِّيْ فَخَيَّرَنِيْ بَيْنَ اَنْ يَّدْخُلَ نِصْفُ اُمَّتِي الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عوف بن مالک کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور اس نے مجھے ان دو باتوں میں سے ایک بات کے چن لینے کا اختیار دیا کہ یا تو میری آدھی امت جنت میں داخل ہو جائے یا (سب کے حق میں) شفاعت کا حق مجھے حاصل ہو۔ پس میں نے اپنی پوری امت کے حق میں شفاعت کا حق حاصل ہونے کو چن لیا، چنانچہ میری شفاعت ہر اس شخص کے لئے طے شدہ ہے جس نے اس حال میں اپنی جان، جان آفرین کی سپرد کی ہو کہ اللہ کے ساتھ شرک میں مبتلا نہیں تھا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

عام شفاعت کا ذکر

﴿۳۱﴾وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي الْجَدْعَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَدْخُلُ

[1] اخرجه الترمذی: ۴/۶۲۱ [2] اخرجه الترمذی: ۴/۶۲۵ وابوداؤد: ۴/۲۳۶ [3] اخرجه الترمذی: ۴/۶۳۶ وابوداؤد

الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ رَجُلٍ مِّنْ أُمَّتِيْ أَكْثَرُ مِنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) [۱]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن ابی جدعاء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کے ایک شخص کی شفاعت سے بنی تمیم کے آدمیوں کی تعداد سے بھی زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

(ترمذی، دارمی، ابن ماجہ)

توضیح: "بشفاعة رجل" کہتے ہیں یہ حضرت عثمان ہوں گے یا اس رجل سے اویس قرنی مراد ہیں یا کوئی اور شخص ہے۔ اللهم ارزقنا شفاعة حبيبك محمد ﷺ۔ [۲]

﴿۳۲﴾ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنْ أُمَّتِيْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلْفِئَامِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّشْفَعُ لِلْقَبِيْلَةِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّشْفَعُ لِلْعُصْبَةِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّشْفَعُ لِلرَّجُلِ حَتّٰى يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے کوئی تو کئی جماعتوں کی شفاعت کرے گا، کوئی ایک عصبہ کی شفاعت کرے گا اور کوئی صرف ایک ہی آدمی کی سفارش کرے گا غرضیکہ اسی طرح ہر ایک کی شفاعت کے نتیجہ میں ساری امت جنت میں داخل ہو جائے گی۔ (ترمذی)

توضیح: "ان من امتي" یعنی بعض امتی شفاعت کریں گے جیسے علماء، صلحاء اور شہداء وغیرہ۔ [۴] "للفئام" اس سے قبائل لینا زیادہ بہتر ہے یعنی کئی قبائل کی شفاعت ایک آدمی کرے گا خواہ شفاعت کرنے والا شہید ہو یا عالم ہو یا ولی اور صالح آدمی ہو۔ [۵] "للقبيلة" یعنی ایک قبیلہ کی شفاعت کرے گا قبیلہ اس قوم کو کہتے ہیں جس کا دادا ایک ہو۔ [۶] "للعصبة" عین پر ضمہ ہے صاد پر سکون ہے، دس سے چالیس آدمیوں کو عصبہ کہتے ہیں۔ [۷]

چار لاکھ بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے

﴿۳۳﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ وَعَدَنِيْ أَنْ يُّدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِيْ أَرْبَعَ مِائَةِ أَلْفٍ بِلَا حِسَابٍ فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ زِدْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَهٰكَذَا فَحَثَا بِكَفَّيْهِ وَجَمَعَهُمَا فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ زِدْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَهٰكَذَا فَقَالَ عُمَرُ دَعْنَا يَا أَبَابَكْرٍ فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ وَمَا عَلَيْكَ أَنْ يُّدْخِلَنَا اللهُ كُلَّنَا الْجَنَّةَ فَقَالَ عُمَرُ إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ إِنْ شَاءَ أَنْ يُّدْخِلَ خَلْقَهُ

[۱] اخرجه الترمذي: ۴/۶۲۶ والدارمي [۲] المرقات: ۹/۵۶۶ [۳] اخرجه الترمذي: ۴/۶۲۷

[۴] المرقات: ۹/۵۶۶ [۵] المرقات: ۹/۵۶۶ [۶] المرقات: ۹/۵۶۶ [۷] المرقات: ۹/۵۶۶

الْجَنَّةَ بِكَفٍّ وَاحِدٍ فَعَلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ عُمَرُ۔ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ) ۱

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا خدا عزوجل نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ میری امت میں سے چار لاکھ آدمیوں کو بلا حساب و کتاب جنت میں داخل کریگا۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہماری اس تعداد میں اضافہ کر دیجئے (کیونکہ آپ رحمت خداوندی پر اعتماد کر کے ہم سے جتنا زیادہ سے زیادہ بیان کر دیں گے اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرمائے گا) آپ نے فرمایا اچھا اتنا اور زیادہ آپ نے دونوں ہاتھوں کو جمع کر کے چلو بنایا، حضرت ابوبکر نے پھر عرض کیا یارسول اللہ! ہماری اس تعداد و مقدار میں اور اضافہ کر دیجئے آپ نے پھر کہا کہ اچھا اتنا اور زیادہ۔ حضرت عمر بھی اس مجلس میں موجود تھے انہوں نے محسوس کر کے حضرت ابوبکر (بس اب) ہمیں ہمارے حال پر رہنے دیجئے۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم سب کو جنت میں بھیج دے تو تمہارا کیا نقصان ہے؟ حضرت عمر نے جواب دیا کہ اگر اللہ عزوجل اپنی ساری مخلوق کو جنت میں ایک ہاتھ سے داخل کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عمر نے بالکل سچ کہا، اس روایت کو بغوی نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔

توضیح: ''زدنا'' حضرت ابوبکر کی ہمدردی اور حرص جنت کا جذبہ اتنا بڑا تھا کہ آنحضرت ﷺ سے فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے مزید اضافہ کرا دیں کیونکہ آپ سفارش کریں گے تو اللہ تعالیٰ اضافہ فرمائے گا ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وسیع شفاعت کی صورت گنتی کے بجائے ہاتھوں سے لپیں بھر کر دینے کی تھی حضور اکرم ﷺ نے بھی لپیں بھر کر اللہ تعالیٰ کے فعل کی نقل بتادی، اس پر صدیق اکبر نے مزید اضافہ کی درخواست کی حضور اکرم ﷺ نے مزید اضافہ فرمادیا اس پر ابوبکر صدیق نے مزید درخواست کی تو عمر فاروق نے فرمایا کہ ابوبکر! بس کردو، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ایک چلو سے تمام مخلوق کو جنت میں داخل فرما سکتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے ابوبکر صدیق کی سفارش پر اضافہ بھی فرمایا اور پھر عمر فاروق کی رائے کی تائید فرمادی تو دونوں کی دلجوئی ہوگئی۔ ۲

اللہ تعالیٰ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے

﴿۲۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَفُّ اَهْلُ النَّارِ فَيَمُرُّ بِهِمُ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ يَافُلَانُ اَمَا تَعْرِفُنِيْ اَنَا الَّذِيْ سَقَيْتُكَ شَرْبَةً وَقَالَ بَعْضُهُمْ اَنَا الَّذِيْ وَهَبْتُ لَكَ وَضُوْءًا فَيَشْفَعُ لَهٗ فَيُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ) ۳

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اہل ایمان میں سے جو لوگ دوزخی قرار دیئے جا چکے ہوں گے ان کی صف بنائی جائے گی پھر جب ایک جنتی ان کے سامنے گزرے گا تو ان دوزخیوں میں سے ایک شخص کہے گا اے فلانے! کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میں وہ شخص ہوں جس نے ایک مرتبہ تمہیں پانی پلایا تھا، انہیں میں سے کوئی شخص یہ کہے گا کہ میں

۱ اخرجه البغوی فی شرح السنة ۱۵/۵۰۷ ۲ المرقات: ۹/۵۶۷ ۳ اخرجه ابن ماجه: ۲/۱۲۱۴

وہی آدمی ہوں جس نے ایک مرتبہ تمہیں وضو کے لئے پانی دیا تھا وہ جنتی اس کی شفاعت کرے گا اور اس کو جنت میں داخل کرائے گا۔ (ابن ماجہ)

﴿۳۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَجُلَیْنِ مِمَّنْ دَخَلَ النَّارَ اشْتَدَّ صِیَاحُهُمَا فَقَالَ الرَّبُّ تَعَالٰی اَخْرِجُوْهُمَا فَقَالَ لَهُمَا لِاَیِّ شَیْءٍ اشْتَدَّ صِیَاحُکُمَا قَالَا فَعَلْنَا ذٰلِكَ لِتَرْحَمَنَا قَالَ فَاِنَّ رَحْمَتِیْ لَکُمَا اَنْ تَنْطَلِقَا فَتُلْقِیَا اَنْفُسَکُمَا حَیْثُ کُنْتُمَا مِنَ النَّارِ فَیُلْقِیْ اَحَدُهُمَا نَفْسَهٗ فَیَجْعَلُهَا اللّٰهُ عَلَیْهِ بَرْدًا وَّسَلَامًا وَّیَقُوْمُ الْاٰخَرُ فَلَا یُلْقِیْ نَفْسَهٗ فَیَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ تَعَالٰی مَا مَنَعَكَ اَنْ تُلْقِیَ نَفْسَكَ کَمَا اَلْقٰی صَاحِبُكَ فَیَقُوْلُ رَبِّ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ لَّا تُعِیْدَنِیْ فِیْهَا بَعْدَ مَا اَخْرَجْتَنِیْ مِنْهَا فَیَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ لَكَ رَجَاؤُكَ فَیَدْخُلَانِ جَمِیْعًا الْجَنَّةَ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے ان میں سے دو آدمی بہت زیادہ شور مچائیں گے۔ پروردگار حکم دیگا کہ ان دونوں کو باہر نکالو اور ان سے فرمائے گا کہ کیوں اس قدر چیخ چلا رہے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم اس لئے چیخ چلا رہے تھے تاکہ آپ کی رحمت ہماری طرف متوجہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہارے حق میں میری رحمت یہی ہے کہ تم واپس جاؤ اور دوزخ میں جہاں تھے وہیں پڑے رہو، ان میں سے ایک شخص تو واپس ہو جائے گا اور خود کو دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا اور اللہ تعالیٰ اس آگ کو اس کے لئے ٹھنڈا کر دے گا اور دوسرا شخص وہیں کھڑا رہے گا اور خود کو آگ میں نہیں ڈالے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے خود کو آگ میں کیوں نہیں ڈالا جب کہ تیرا ساتھی آگ میں کود پڑا؟ وہ عرض کرے گا کہ پروردگار! میں تو اسی امید پر قائم ہوں کہ آپ نے جب مجھے دوزخ سے باہر بلوالیا تو اب دوبارہ وہاں نہیں بھیجیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے جو امید قائم کی ہے وہ تیرے حق میں پوری کی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ دونوں شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کے صدقہ میں ایک ساتھ جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ (ترمذی)

﴿۳۶﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَرِدُ النَّاسُ النَّارَ ثُمَّ یَصْدُرُوْنَ مِنْهَا بِاَعْمَالِهِمْ فَاَوَّلُهُمْ کَلَمْحِ الْبَرْقِ ثُمَّ کَالرِّیْحِ ثُمَّ کَحُضْرِ الْفَرَسِ ثُمَّ کَالرَّاکِبِ فِیْ رَحْلِهٖ ثُمَّ کَشَدِّ الرَّجُلِ ثُمَّ کَمَشْیِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ آگ پر حاضر ہوں گے اور پھر اپنے اپنے اعمال کے مطابق اس سے نجات پائیں گے۔ چنانچہ ان میں اول اور سب سے افضل لوگ وہ ہوں گے جو بجلی کوندنے کی طرح

[1] اخرجه الترمذی: ۴/۷۱۳ [2] اخرجه الترمذی: ۵/۳۱۷ والدارمی: ۲۸۱۲

گزرجائیں گے پھر ہوا کے جھونکے کی طرح پھر گھوڑے کی دوڑ کی مانند، پھر اپنے اونٹ پر سوار کی مانند، پھر آدمی کے دوڑنے کی مانند اور پھر آدمی کے پیدل چلنے کی مانند۔ (ترمذی، دارمی)

الفصل الثالث

حوض کوثر کی وسعت

﴿۳۷﴾عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَمَامَكُمْ حَوْضِيْ مَابَيْنَ جَنْبَيْهِ كَمَابَيْنَ جَرْبَاءَ وَاَذْرُحَ قَالَ بَعْضُ الرُّوَاةِ هُمَا قَرْيَتَانِ بِالشَّامِ بَيْنَهُمَا مَسِيْرَةُ ثَلٰثِ لَيَالٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ فِيْهِ اَبَارِيْقُ كَنُجُوْمِ السَّمَآءِ مَنْ وَّرَدَهٗ فَشَرِبَ مِنْهُ لَمْ يَظْمَأْ بَعْدَهَا اَبَدًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے آگے میرا حوض کوثر ہے جس کے دونوں کناروں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہے جتنا جرباء اور اذرح کا درمیانی فاصلہ ہے، کسی راوی کا کہنا ہے کہ جرباء اور اذرح ملک شام میں دو بستیاں ہیں جن کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔ اور ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس کے دونوں کناروں پر آب خورے رکھے ہوں گے جو آسمان کے ستاروں کی مانند ہوں گے جو شخص اس حوض پر آئے گا اور اس کا پانی پیئے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

﴿۳۸﴾وَعَنْ حُذَيْفَةَ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى النَّاسَ فَيَقُوْمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى تُزْلَفَ لَهُمُ الْجَنَّةُ فَيَأْتُوْنَ اٰدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ يَا اَبَانَا اِسْتَفْتِحْ لَنَا الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ وَهَلْ اَخْرَجَكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ اِلَّا خَطِيْئَةُ اَبِيْكُمْ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اِذْهَبُوْا اِلٰى اِبْنِيْ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِ اللّٰهِ قَالَ فَيَقُوْلُ اِبْرَاهِيْمُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اِنَّمَا كُنْتُ خَلِيْلًا مِّنْ وَرَآءَ وَرَآءَ اِعْمَدُوْا اِلٰى مُوْسٰى الَّذِيْ كَلَّمَهُ اللّٰهُ تَكْلِيْمًا فَيَأْتُوْنَ مُوْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اِذْهَبُوْا اِلٰى عِيْسٰى كَلِمَةِ اللّٰهِ وَرُوْحِهٖ فَيَقُوْلُ عِيْسٰى لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ فَيَأْتُوْنَ مُحَمَّدًا فَيَقُوْمُ فَيُؤْذَنُ لَهٗ وَتُرْسَلُ الْاَمَانَةُ وَالرَّحِمُ فَتَقُوْمَانِ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا فَيَمُرُّ اَوَّلُكُمْ كَالْبَرْقِ قَالَ قُلْتُ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اَيُّ شَيْءٍ كَمَرِّ الْبَرْقِ قَالَ اَلَمْ تَرَوْا اِلَى الْبَرْقِ كَيْفَ يَمُرُّ وَيَرْجِعُ فِيْ طَرْفَةِ عَيْنٍ ثُمَّ كَمَرِّ الرِّيْحِ ثُمَّ كَمَرِّ الطَّيْرِ وَشَدِّ الرِّجَالِ تَجْرِيْ بِهِمْ اَعْمَالُهُمْ وَنَبِيُّكُمْ قَائِمٌ عَلَى الصِّرَاطِ يَقُوْلُ

[1] اخرجه البخاري: ۱۳۹/۸ ومسلم: ۶۹/۷

رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ حَتّٰى تَعْجِزَ اَعْمَالُ الْعِبَادِ حَتّٰى يَجِيْءَ الرَّجُلُ فَلَا يَسْتَطِيْعُ السَّيْرَ اِلَّا زَحْفًا قَالَ وَفِيْ حَافَتَيِ الصِّرَاطِ كَلَالِيْبُ مُعَلَّقَةٌ مَّاْمُوْرَةٌ تَاْخُذُ مَنْ اُمِرَتْ بِهٖ فَمَخْدُوْشٌ نَاجٍ وَّمَكْدُوْسٌ فِي النَّارِ وَالَّذِيْ نَفْسُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ بِيَدِهٖ اِنَّ قَعْرَ جَهَنَّمَ لَسَبْعِيْنَ خَرِيْفًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ وحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں نے بیان کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بابرکت وبلند قدر پروردگار لوگوں کو جمع کرے گا اور پھر تمام مؤمن کھڑے ہوں گے کہ جنت کو ان کے قریب کر دیا جائے گا (ہر امت کے خاص خاص) پس مؤمن حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے باپ! ہمارے لئے جنت کو کھول دیجئے۔ حضرت آدم ان کو جواب دیں گے کہ تمہیں جنت سے تمہارے باپ ہی کی لغزش نے نکلوایا تھا اس کام والا میں نہیں ہوں، تم لوگ میرے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ کے دوست ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم بھی ان کو یہی جواب دیں گے کہ اس کام والا میں نہیں ہوں، میں خدا کا دوست آج سے پہلے پہلے ہی تھا، تم لوگ موسیٰ کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی کے شرف سے نوازا ہے، چنانچہ وہ لوگ حضرت موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ اس کام والا میں نہیں ہوں، تم لوگ عیسیٰ کے پاس جاؤ جو خدا کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ بھی یہی جواب دیں گے کہ اس کام والا میں نہیں ہوں، چنانچہ وہ لوگ محمد (ﷺ) کے پاس آئیں گے اور محمد ﷺ کھڑے ہو کر تمام نوع انسانی کو میدان حشر کی سختیوں اور پریشانیوں سے راحت دلانے کی شفاعت کرنے کی اجازت طلب کریں گے، پس آپ کو اجازت عطا کی جائے گی پھر جب حساب وکتاب کا مرحلہ گزر جائے گا اور تمام لوگ پل صراط کے اوپر سے گزرنے والے ہوں گے تو امانت اور رحم کو لایا جائے گا اور یہ دونوں پل صراط کے اوپر سے دائیں بائیں دونوں طرف کھڑے ہو جائیں گے پھر ایک طبقہ جو تم میں سب سے افضل ہوگا اور سب سے پہلے گزرے گا بجلی کی طرح پل کو پار کر جائے گا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، بجلی کی طرح گزرنے کی صورت کیا ہوگی؟ آپ نے فرمایا کیا تم نہیں دیکھتے کہ بجلی کی چمک کس طرح گزرتی ہے اور پلک جھپکتے ہی واپس آ جاتی ہے پھر ہوا کی طرح، پھر پرندوں کی طرح، اور کچھ لوگ مردوں کے دوڑنے کی طرح گزریں گے اور ان کو ان کے اعمال کی طاقت ونورانیت اور پاکیزگی آگے بڑھائے گی اور تمہارے نبی ﷺ پل صراط پر کھڑے ہوئے یہ کہے جا رہے ہوں گے کہ "رب سلم سلم" کہ پروردگار! ان کو سلامتی کے ساتھ گزار دے ان کو دوزخ میں گرنے سے محفوظ رکھ اور پھر کچھ بندوں کے اعمال عاجز ہوں گے یہاں تک کہ ایک شخص گھسٹتا ہوا اور کولہوں کے بل سرکتا ہوا آئے گا اس کے بعد آنحضرت نے فرمایا اور پل صراط کے دونوں طرف آنکڑے لٹکے ہوں گے اور ان کو یہ حکم دیا گیا ہوگا کہ وہ ہر اس شخص کو گرفت میں لے لیں جو قابل گرفت قرار پا چکا ہے، چنانچہ وہ آنکڑے ایسے لوگوں کو پکڑیں گے اور پھر ان میں سے کچھ لوگ تو ان آنکڑوں کی مصیبت جھیل کر اور زخمی ہو کر نجات پا جائیں گے اور کچھ لوگوں کو ہاتھ پاؤں باندھ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جان ہے دوزخ کا گہراؤ ستر برس کی مسافت کی راہ کے برابر ہے۔ (مسلم)

[1] اخرجه مسلم: ۱/۱۲۹

توضیح: "وراء وراء" یعنی آج اللہ تعالیٰ غضب میں ہیں، میں قریب نہیں جا سکتا، میں بے شک اللہ کا خلیل اور دوست تھا لیکن وہ زمانہ بہت پہلے پہلے کا تھا آج کا نہیں ہے، آج پیچھے پیچھے دوستی ہے سامنے جانے کی ہمت نہیں ہے۔ [1]

دوزخ سے نکلنے کے بعد کا حسین منظر

﴿۳۹﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ قَوْمٌ بِالشَّفَاعَةِ كَأَنَّهُمُ الثَّعَارِيْرُ قُلْنَا مَا الثَّعَارِيْرُ قَالَ إِنَّهُ الضَّغَابِيْسُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا وہ لوگ جو شفاعت کی بناء پر دوزخ سے نکالے جائیں گے ان کی مثال ایسی ہوگی جیسے وہ "ثعاریر" ہیں ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! "ثعاریر" سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا وہ کھیرے ککڑیاں ہیں۔ (بخاری شریف)

توضیح: "ثعاریر" یہ جمع ہے اس کا مفرد ثعرور ہے یہ ککڑی کو کہتے ہیں چونکہ ککڑی نہایت ہری بھری ہوتی ہے تازہ بتازہ رہتی ہے اور اس کے اوپر مزید ارزواں ہوتا ہے اس لئے دوزخیوں کو جب دوزخ سے لاکر نہر حیات میں ڈالدیا جائے گا تو وہ چمک جائیں گے اور خوبصورت بن جائیں گے جو ککڑی کی طرح سرسبز وشاداب ہوں گے۔ [3]

قیامت کے دن کون کون لوگ شفاعت کریں گے؟

﴿۴۰﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ ابْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلٰثَةٌ الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ) [4]

ترجمہ: اور حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تین طرح کے لوگ شفاعت کریں گے اول انبیاء پھر علماء اور پھر شہداء۔ (ابن ماجہ)

توضیح: یعنی اعزازی طور پر قیامت میں پہلے انبیاء پھر علماء اور پھر شہداء شفاعت کریں گے اللّٰھم ارزقنی شفاعة حبیبك محمد ﷺ وشفاعة انبیآئك وعلمائك وشهدائك۔آمین یارب العالمین وصلی الله علی نبیه الکریم۔

---

[1] المرقات: ۹/۵۷۲ [2] اخرجه البخاری: ۸/۱۴۳ ومسلم: ۱/۱۲۲ [3] المرقات: ۹/۵۷۵ [4] اخرجه ابن ماجه: ۲/۱۴۴۳